بسم اللہ الرحمن الرحیم

حجۃ اللہ البالغۃ

(مع ترجمہ اردو)

نعمۃ اللہ السابغۃ

جلد اول

مؤلفہ :- حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
مترجمہ :- حضرت علامہ ابو محمد عبد الحق صاحب حقانی
تزیین :- مولانا محمد عبد اللطیف صاحب و معراج محمد صاحب بارق

ناشرین
نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی

عرضِ ناشر

حضرت علامہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی عدیم النظیر تالیف "حجۃ اللہ البالغۃ" مع ترجمہ اُردو جناب کے پیشِ نظر ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہمارے مخلص احباب نے اس چشمہ فیض وعلم کی طرف رہنمائی کی اور ان ہی کی سعی بلیغ کا نتیجہ تھا کہ جناب پیر صاحب درگاہ شریف (سندھ) کے کتب خانہ عالیہ علمیہ سے حضرت مولانا ابو محمد عبد الحق صاحب حقانی کا ترجمہ موسوم بہ "نعمۃ اللہ السابغۃ" دستیاب ہوا۔ اس سلسلہ میں ہم حضرت پیر محب اللہ صاحب، جناب مولانا عزیز احمد صاحب اور جناب مولانا غلام مصطفیٰ صاحب قاسمی کے بیحد ممنون ہیں۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

یہ ترجمہ چونکہ سنہ ۱۳۰۲ھ میں مکمل ہوا تھا اس لئے قدیم طرز تحریر میں زینت پیدا کرنے کی خاطر اس پر نظر ثانی کرائی گئی ہے اور اس کتاب کی دینی اہمیت کے پیش نظر ترجمہ کے ساتھ اصل عربی متن بھی قائم کیا گیا ہے تاکہ اہل علم حضرات بھی خاطر خواہ مستفید ہوں — توقع ہے کہ بزرگان سلف کی ان مساعی جمیلہ سے عقائد و اعمال کی راہ میں شمع ہدایت کا کام لیا جائے گا۔

"مہتمم" اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ مترجم

مجھ سا نادان، پریشان بیان، اس خدائے فیاض مطلق کی کیا حمد کرسکتا ہے جس نے عرب کے ریگستان اور خشک پہاڑوں میں اپنی رحمتِ خاصہ کا وہ چشمہ جاری کیا جس کے آبِ حیات نے تشنہ لبانِ ضلالت کو سیراب اور جس کی نہروں اور نالوں نے تمام عالم کو شاداب بنایا اور مجھ سا بے تمیز اس ہادی و نور کی کیا مدح کرسکتا ہے جس نے اپنے فضلِ خاص سے اس وقت جبکہ تمام عالم میں شبِ دیجور کی اندھیریاں چھارہی تھیں فاران سے آفتابِ عالمتاب کو جلوہ گر کیا، جس کے انوار نے دنیا جہان کو روشنی سے بھر دیا اور جس کے چھوٹے چھوٹے ستاروں اور ذرّوں نے ہر جگہ کو منور کر دیا۔ فصلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ ورحمۃ اللہ علیہ وعلےٰ اتباعہ وانعامہ۔

یہ فقیر حقیر ابو محمد عبد الحق ابن محمد امیر اُس حکیمِ روحانی کا کیا شکر یہ ادا کرسکتا ہے جس کی تدبیر پُر تاثیر نے عالم کے بگڑے انسانوں کی اصلاح فرمائی اور جس کے قانونِ علاج (قرآن مجید) سے اہل فطرت سلیمہ نے فلاح پائی۔ یہ اسی اُستادِ کامل کا فیضان ہے جس کے تربیت یافتوں نے ہندوستان جیسے ملکوں کو جہاں صدہا سال سے جنگلیوں نے خدائی اور وحشیوں نے بادشاہی کی، علم و ہنر سے منور اور نورِ فطرت سے جلوہ گر بنایا ہر ایک کو روح کی زندہ کرنے والی باتیں سنا کر خوابِ خرگوش سے بیدار اور بادۂ غفلت سے ہوشیار کیا منجملہ اُن کے حضرت **شاہ ولی اللہ** قطب الدین احمد بن عبد الرحیم بن وجیہہ الدین فاروقی دہلوی ہیں جن کی ولادت ۱۱۱۴ھ میں بدھ کے روز چوتھی شوّال کو طلوعِ آفتاب کے وقت ہوئی۔ مولانا ممدوح کے کمالات کو بیان کرنا نصف النہار میں آفتاب کو عیاں کرنا ہے۔ مگر بحکم مالا یدرک کلہ لا یترک قل رقلیل سامعین کو سناتا بلکہ یہ بات جتاتا ہوں کہ ابھی تھوڑے دن ہوئے کہ جبتک اہلِ اسلام میں کیسے کیسے اولوالعزم اور صاحبِ کمالات پیدا ہوتے تھے، مگر اب وہ ترقی معکوس ظہور میں آئی کہ جس کے بیان کرنے سے قلم شرماتا اور دل دُکھتا ہے۔ اُمرا کی یہ حالت، علما کی یہ کیفیت، فقرا کی یہ صورت، اتفاق ایسا نفاق ایسا، تدبیر ایسی، ہمت ایسی، اس پر کاہلی وجہالت۔ اے میرے پیارے بھائیو اور لے نوجوانو! کان دھر کر سُنو اور عبرت پکڑو!

مولانا ممدوح ایک جگہ اپنا حال یوں تحریر فرماتے ہیں کہ پانچویں سال میرے والد نے مجھ کو مکتب میں بٹھلا دیا اور ساتویں سال نماز پڑھوائی اور روزہ رکھوایا۔ یاد پڑتا ہے کہ اسی سال میں قرآن ختم کیا اور فارسی کی کتابیں اور کچھ مختصرات پڑھنے لگا دسویں سال شرح مُلّا شروع کیا اور کسی قدر مطالعہ سے مطالب

حاصل کرنا آگیا۔ چودھویں سال شادی کی، پندرھویں برس والد سے بیعت کرکے اشغالِ صوفیہ بالخصوص اشغالِ نقشبندیہ میں مشغول ہوا۔ پھر اسی برس میں دستاربندی کی رسم ادا ہوئی اور تمام فنونِ رسمیہ سے فراغت ہوگئی سترھویں سال حضرت والد صاحب بیمار ہوکر انتقال کرگئے اور فقیر کو بیعت کی اجازت دے گئے۔ بعد ازیں کم و بیش بارہ برس تک کتب دینیہ وعقلیہ کی درس و تدریس میں مصروف رہا۔ کتبِ مذاہب اربعہ اور ان کے اصولِ فقہ اور ان احادیث میں جن سے وہ تمسک کرتے ہیں غور و نظر کرنے کے بعد بمددِ غیبی فقیر نے فقہائے محدثین کی روش کو اختیار کیا۔ پھر ۱۱۴۳ھ کے اخیر میں حج و زیارتِ بیت اللہ الحرام سے مشرف ہوا اور ایک سال تک حرمین شریفین کی مجاورت اختیار کی۔ اسی عرصہ میں حضرت شیخ ابوطاہر مدنی سے دوبارہ کتبِ حدیث کی تجدید کی اور شیخ ابوطاہر کا خرقہ جو جمیع صوفیہ کے خرقوں کو مشتمل تھا پہنا۔ پھر حج ادا کر کے ۱۱۴۵ھ کے اخیر میں وطنِ مالوف کی طرف متوجہ ہوا اور جمعہ کے روز چودھویں رجب کو بصحت و سلامت وطن میں پہنچا" (انتہیٰ)۔ اگرچہ مولانا ممدوح ایک بار کتب حدیث اپنے والد ماجد سے پڑھ چکے تھے جن کا سلسلہ بواسطہ میرزاہد ہروی محقق دوانی تک پہنچتا ہے، مگر اسکے بعد حضرت حاجی محمد افضل سیالکوٹی سے جن کا سلسلہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی تک دو ایک واسطہ سے پہنچتا ہے کتبِ حدیث کی سند لی اور فیوض باطنی سے مشرف ہوئے۔ پھر تیسری بار شیخ ابوطاہر مدنی سے یہ اتفاق ہوا۔

مولانا ممدوح حکمائے اسلام میں سے ہیں۔ حضرت کے مکاشفات اور کرامات و خرقِ عادات بہت سے ہیں جن کے ذکر کرنے کی یہاں گنجائش نہیں منجملہ مکاشفاتِ حضرت کے یہ ہے کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ" میری اولاد میں وہ لوگ پیدا ہوں گے جن پر قوتِ ملکیہ نہایت غالب ہوگی اور ان کے سعید ہونے کا میرے خدا نے مجھ سے وعدہ کر لیا ہے، اور ان میں سے دو شخص جن کا سلسلۂ نسبِ مادری مجھ تک پہنچے گا وہ حرمین جائینگے اور ایک مدت تک علومِ دینیہ کو زندہ کرینگے"۔ چنانچہ یہ مکاشفہ نہایت صحیح نکلا خدا نے چار بیٹے ایسے دیئے جو اپنے وقت کے قطب تھے اور جن کے فیوض کی نہروں نے اب تک ہندوستان کو سرسبز و شاداب کر رکھا ہے مولانا شاہ عبدالعزیز و شاہ رفیع الدین صاحب جنہوں نے قرآن مجید کا اردو میں ترجمہ کرکے ہر شخص کو اس نعمتِ دارین سے بہرہ ور کر دیا، شاہ عبدالغنی صاحب جو مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب کے والد ماجد ہیں چاروں مولانا ممدوح کے خلفِ رشید ہیں۔ آج کونسا عالم و دانشمند ہے جس کا سلسلۂ تلمذ ان حضرات کی طرف منتہی نہ ہوا ور کونسا شہر ہے جہاں ان کا فیض و رشد نہ پہنچا ہو۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے دونوں نواسے جن کا سلسلۂ نسبِ مادری مولانا ممدوح تک پہنچتا ہے، مفسدہ دہلی سے کسی قدر پیشتر ہجرت کر کے حرمین کو تشریف لے گئے، اور وہاں حضرت شاہ اسحٰق صاحب اور مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب نے حسبِ بشارتِ مولانا ممدوح سالہا سال علومِ دینیہ کی درس و تدریس فرمائی۔ اس وقت جو کچھ حدیث کا سلسلۂ درس و تدریس ہندوستان میں جاری ہے وہ سب مولانا ممدوح کا فیض ہے۔ آپ سے پیشتر جو ہندوستان میں بڑے بڑے محدث گزرے ہیں بالخصوص حضرت شیخ محمد طاہر مصنف مجمع البحار اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی جنہوں نے حدیث کا تخم ہندوستان کی زمین میں بویا اور اپنی سعی و ہمت کے پانی سے سینچا جس سے مولانا شیخ نورالحق و مولانا شیخ نورالاسلام

وغیرہ بڑے بڑے شجر بار ور حضرت کی اولاد میں پیدا ہوئے جنہوں نے صحیح بخاری وجامع ترمذی وغیرہ کتب حدیث کی شروح وتراجم لکھ کر ہر خاص وعام کو محدث کہلانے کے قابل بنا دیا، لیکن مولانا ممدوح نے دوبارہ اس علم کو زندہ کیا اور رواج دیا۔

مولانا ممدوح چند علوم کے موجد ہیں، آپ سے پیشتر ان کو کسی نے تدوین نہ کیا تھا۔ ایک[1] علم اسرارِ حدیث وقرآن وسائر احکام، دوم[2] علم کمالاتِ اربعہ یعنی ابداع، خلق، تدبیر اور تدلی، سوم[3] علم استعداداتِ نفوسِ انسانیہ وکمال ومآلِ ہر شخص۔ مولانا ممدوح فرماتے ہیں کہ "فقیر کو وہ حکمتِ عملی جو اس زمانہ میں کار آمد ہے الہام ہوئی اور کتاب وسنت سے اس کو محکم کرنے کی خدا نے توفیق دی، اور اس ملت کا سلیقہ بھی عطا فرمایا کہ اصل وخالص دینِ محمدی میں اور اُن تحریفات میں جو لوگوں نے بڑھا کر دین کی صورت پلٹ دی تمیز کر سکے۔"

مولانا ممدوح بارھویں صدی کے مجدد تھے۔ آپ کی تصنیفات بہت سی ہیں منجملہ ان کے چند یہ ہیں:
ازالۃ[1] الخفا، مصفّٰی[2] شرح موطا، مسوّی[3] شرح عربی موطا، فیوض[4] الحرمین، انسان[5] العین فی مشائخ الحرمین، فوز الکبیر[6] فی اصول التفسیر، القول[7] الجمیل، ہمعات[8]، الطاف[9] القدس، (ان دونوں کتابوں میں وہ طریقہ لکھا ہے جو اس زمانہ میں قابلِ پیروی ہے)، تاویل[10] الاحادیث، مقالۂ[11] وضیہ فی النصیحہ والوصیۃ، عقد الجید[12] فی احکام الاجتہاد والتقلید، انصاف[13] فی بیان سبب الاختلاف، سرور[14] المحزون، لمعات[15]، سطعات[16]، المقدمۃ السنیۃ فی انتصار الفرقۃ السنیۃ، فتح الرحمٰن[18] (ترجمہ فارسی قرآن مجید)، انفاس[19] العارفین، خیر کثیر[20]، شفاء[21] القلوب، فتح الخبیر[22] (مختصر سی قرآن مجید کی تفسیر ہے)، قرۃ العینین[23] فی تفضیل الشیخین، البدور[24] البازغہ، الزہراوین[25]۔ ان کے علاوہ چھوٹے چھوٹے رسائل در ثمین، مسلسلات، وغیرہا سینکڑوں ہیں۔

لیکن ان سب تصانیف میں عمدہ یہ کتاب حجۃ اللہ البالغۃ ہے۔ اس کتاب کی خوبی دیکھنے سے متعلق ہے۔ اس میں مولانا نے بڑا بھاری بوجھ سر پر لیا ہے کہ تمام شریعت کے اسرار کو بیان کیا ہے۔ عبارت وہ عمدہ ہے کہ اگر فنِ ادب میں بجائے مقاماتِ حریری کے اس کو مقرر کیا جائے تو نہایت مناسب ہے۔ جس فن میں یہ کتاب ہے آپ سے پہلے کسی نے اس کو ایک جگہ جمع نہ کیا تھا۔ اس فن کا موضوع نظامِ تشریعی محمدی من حیث المصلحۃ المفیدہ ہے، اور غایت اُس کی یہ ہے کہ انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ خدا اور اس کے رسول کے احکام میں نہ کچھ تنگی ہے نہ وہ خلافِ فطرتِ سلیمہ ہیں تاکہ ان پر انسان کو پورا وثوق ہو جائے اور ان کو فطرت پر مبنی باتیں سمجھ کر دل ان کی طرف کھنچ آئے اور کسی متشکک کے بہکانے سے دل میں شبہ نہ پڑ جائے، اور حد اس کی یہ ہے کہ یہ وہ علم جس میں قوانینِ دینیہ اور احکامِ شرعیہ کی حکمت معلوم ہوتی ہے اور مبادی اس کے تمام علوم ہیں۔

مولانا ممدوح کو شعر گوئی میں بھی بڑا ملکہ تھا، چنانچہ عربی میں آپ کا ایک قصیدہ نعت میں نہایت عمدہ ہے جس کا اوّل شعر یہ ہے ؎

کانّ نجوماً اومضت فی الغیاھب عیون الافاعی او رؤس العقارب

وفات آپ کی ۱۱۷۶ھ میں بمقام دہلی ہوئی۔ دہلی دروازہ کے باہر مہندیوں میں حضرت کا مزار پُر انوار ہے آپ کے قرب میں چاروں صاحبزادوں اور بعض مستورات کی قبریں ہیں۔ اسی جگہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور

اس کی جانب میں ایک حجرہ جہاں حضرت کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب درس و تدریس فرماتے تھے، مدت تک آپ بھی پرانی دلّی میں رہا کئے، پھر ایک امیرِ شاہی نے آپ کو اندرونِ شہر چیلوں کے کوچہ میں ایک بڑا سا مکان بنوا دیا جس کی اب تک کچھ در و دیوار ڈھئی پھوٹی باقی ہیں اور جو مدرسہ شاہ عبدالعزیز کے نام سے مشہور ہے، اب وہ مکان فروخت ہو کر مختلف لوگوں کے قبضہ میں ہے، اور ہر شخص نے اس کو توڑ کر جدا جدا مکانات بنائے ہیں بعض مکانات ہنود کے قبضہ میں بھی ہیں۔ شاہ رفیع الدین صاحب کے پوتوں میں سے بعض شخص دہلی میں موجود ہیں لیکن نہ اس مقام میں نہ اس حال میں۔ افسوس!

مجھ ناچیز کو اس کتاب کا ترجمہ کرنے کی لیاقت تھی نہ مہلت۔ لیکن پچھلے دنوں عظیم آباد پٹنہ جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں جناب مولوی سید قاضی **رضا حسین** صاحب رئیس پٹنہ کی معرفت جن کا مال و جان مسلمانوں کی بہبودی کے لئے وقف عام ہے، جناب معلی القاب سید السند اسلام کے سچے ہمدرد اور مسلمانوں کے خیر خواہ، علم دوست، علماء کے قدردان، سید مولوی **محمد فضل الرحمٰن** صاحب رئیس اعظم عظیم آباد سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ حضرت ممدوح نے کتاب مذکور کے ترجمہ کا ارشاد فرمایا، اس لئے بمجبوری ترجمہ لکھنے کے لئے قلم اٹھایا

ناظرین باتمکین کی خدمت میں **التماس** ہے کہ بندہ نے حتی الامکان ترجمہ با محاورہ کی رعایت رکھی ہے تاکہ اصل مقصد جو ترجمہ سے ہوتا ہے **حاصل** ہو جائے، اس لئے تقدیم و تاخیر میں اصل کی رعایت ترجمہ میں نہ کر سکا، بلکہ کہیں مطلب **کا خلاصہ** کر کے لکھنا پڑا، اور کہیں وضاحتِ مطلب کے لئے ترجمہ میں شرح کے طور پر کچھ بڑھا دیا، اور کہیں جو عبارت مکرر تھی تو اس کو گھٹا دیا۔ مگر تاہم اصل کتاب کی رعایت ہاتھ سے نہ جانے دی، اور جو زیادہ حلِ مطالب کی حاجت دیکھی تو جداگانہ حاشیہ لکھ کر نفسِ مطلب کو واضح کر دیا یہ اس لئے کہ یہ ترجمہ جداگانہ کتاب نہ ہو جائے بلکہ وہی اصل کتاب کہلائے۔

جو حضرات اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں مجھ کو اور سید صاحب کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں اور جو کہیں مجھ سے بھول چوک ہو گئی ہو اس کی اصلاح فرمائیں، اس فقیر کو ہدف ملامت نہ بنائیں، فانّ الانسان قلّما ینجو من السھو والنّسیان وھو حسبی ونعم الوکیل۔

فقیر حقیر

ابو محمّد عبد الحقّ حقّانی

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۰۲ھ

تقریظ

(از مولانا ابوالحسنات محمد عبد الغفور صاحب داناپوری)

چمنستانِ حمد اس باغبانِ گیتی کی ایک پارۂ لحم زبان سے ادا ہونا محال در محال ہے۔ الانسان ضعیف البیان دریائے حمد میں رب العالمین کی ستا وری کر سکے۔ یہ بیرون از وہم وخیال ہے ؎

عرش سے لے فرش تک جس کا کہ یہ سامان ہے　　حمد گر اس کی لکھا چاہوں تو کیا امکان ہے

وہ خود محمود ہے، وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ۔ اسی کے لئے دلیلِ کامل ہے، قُلْ فَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ الْبَالِغَۃُ۔ چونکہ امتثالِ اوامر فرض ہے، دوسرے ادائے حمد بھی فرض، لہٰذا کچھ عبارت کہے بغیر چارہ نہیں، الحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ کما تحب وترضیٰ ربنا۔ باعثِ چمن آرائی گلشنِ جہاں کی ثنا وہ کون ہے جس سے ادا ہو سکے، جس کے وجودِ باوجود، رحمتِ امتنان کے بارِ فیوض سے کمرِ عالمان ہر گبر ومسلمان کا دوتا ہے، جو سراسر رحمۃ للعالمین ہے، جس کا مدّاح خود رب العالمین ہے، اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ اس کی نعمت ایک مُشتِ خاکی کے امکان سے باہر نہیں تو کیا ہے، سچ ہے۔ لایمکن الثناء کما کان حقہٗ۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ متی ما کان الدھور والازمان۔ اور آپ کے جملہ اصحاب واہل بیتِ اطہار وائمہ مجتہدین ومحدثین ومتکلمین و مفسرین وصوفیۂ صالحین ومجددینِ متین پر رحمت ہو الیٰ یوم الدین۔

امّا بعد اسرار شریعت ایک مستقل علم ہے اور یہ کسبی نہیں وہبی ہے۔ تعلیم وتعلم سے نہیں آتا، بلکہ اللہ پاک جن پر علمِ لدنی کے دروازے کھول دیتا ہے انہی کو معلوم ہوتا ہے، دوسرے ان کے طفیلی ہوتے ہیں اور یہ علمِ پاکیزہ ایسا ضروری ہے کہ جس کی وجہ سے حقائق واسرارِ احکام وشرائعِ الٰہی مثل طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ کے معلوم ہوتے ہیں اور جب اس کے بھید معلوم ہوئے تو اس عبادت میں حلاوت ولذت معلوم ہوگی، بغیر اس کے نماز وروزہ وغیرہ تقلیدی ورسمی ادا ہوا کرتے ہیں۔ پس ایسے علم کی طرف توجہ کرنا اور اس کو معلوم کرنا عموماً کل مسلمانوں کو عام ازیں کہ وہ عالم ہوں یا عامل بہت ضروری ہے، خصوصاً ایسے پُر آشوب زمانہ میں جبکہ دہریت ونیچریت کا اکثر میں شور ہے اور دینِ متین کے ہر ہر رکن پر عقلی اعتراضوں کا زور ہے۔ ان کے اسرار وبھید نہ معلوم ہونے پر کفر بکتے ہیں، نماز کو نعوذ باللہ اُٹھک بیٹھک سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس علم میں مشغول ہونا اور اس کو حاصل کرنا ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ ان عبادات کا بجالانا، طرفہ تر وتعجب خیز تو یہ ہے کہ اس فن شریف میں آج بارہ سو برس سے جب سے کہ کتابتِ کُتُب کا اسلام میں رواج ہوا کسی پیشوائے سلف کو اس کی ہدایت نہیں کی گئی، اور کسی نے بتمامہ ان کو بطور ابوابِ فقہ کے تحریر نہ فرمایا۔ یہ دولت لاحقین فی السابقین، سند الکاملین، نیر برج ہدایت

گوہر درج ولایت، امام الشریعۃ والطریقۃ، قطب الملۃ والدین **احمد شاہ ولی اللہ** مجدد مائۃ ثانی عشر محدث دہلوی رضی اللہ عنہ وارضاہ کی قسمتِ بابرکت میں تھی جن کی ولادت باسعادت کی پیشین گوئی بیبیوں اولیائے کرام نے دی تھی۔ کسی نے یہ وصیت کی کہ قطب الدین نام رکھنا کسی نے ولی اللہ رکھنے کو کہا:

آپ کے محامد ومناقب ومقامات وعلوم انسان کی سمجھ سے باہر ہیں۔ "قولِ جلی" و "مآثر الکرام" و "حیاۃ ولی اللہ" وغیرہ وغیرہ مستقل تالیفات آپ کے حالات ومناقب میں آپ کے معاصرین نے تحریر فرمائی ہیں۔ اولیائے امت وکبرائے ملت نے اپنی اپنی تالیفات میں اس قدر تعریف کی ہے کہ اتنی جمع ہونا مشکل ہے۔ اپنے معاصرین میں اتنے درجہ کا مقبول ہونا بجز سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی وامام الشریعۃ حجۃ العالمین رضی اللہ عنہما کے دوسرے کسی بزرگ کا نشان اس امت میں معلوم نہیں ہوتا۔ آپ کے معاصر قطبِ وقت حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلوی رسالہ "فخر الحسن" میں آپ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں "شیخ صاحب المقامات العالیہ والکرامات الجلیۃ الشیخ ولی اللہ المحدث سلمہ اللہ تعالیٰ والبقاہ" انتہیٰ۔ اتحاف النبلاء میں ہے کہ "اگر وجود او در صدر اول در زمانہ ماضی می بود امام الائمہ وتاج المحدثین شمردہ میشد"۔ انتہیٰ۔ ایسے بزرگ صاحب کمال نے اس باب میں بالہام ربانی یہ کتاب **حجۃ اللہ البالغہ** ایسے عالم میں جو محو واستغراق کا تھا تحریر فرمائی۔ یہ ایک دوسری صفتِ الہامی ہے جو شاید کسی دوسری کتاب میں موجود نہیں۔ خطبۂ کتاب میں استغراق کا حال فرماتے ہیں: صرت کالمیتۃ فی ید الغسال۔ اکثر اثنائے کتاب میں علمنی ربی، الھمنی ربی، ادبنی ربی فرماتے ہیں۔

جس وقت یہ کتاب تیار ہوئی تو تمام ملکوں میں اس کا شہرہ ہوا، اور نقل ہو کر شائع ہونے لگی۔ بادشاہِ وقت کی نظر سے بھی گذری۔ اس نے دیکھ کر پھانسی کا حکم دے دیا۔ وزیر اعظم کسی مہم پر گئے تھے۔ رات کو پہنچے تو یہ خبر معلوم ہوئی۔ اسی وقت بادشاہ کے پاس جاکر دریافت حال کیا۔ بادشاہ نے کہا اس نے بہت سی عجیب عجیب باتیں لکھی ہیں، اور مذہب حنفی کے خلاف میں بہت زور دیا ہے۔ وزیر نے جواب دیا کہ جو درجۂ اجتہاد پر پہنچا ہو اس کے لئے خلاف درست ہے، اور یہ صرف نام کے ملا نہیں ہیں بلکہ قطبِ شہر ہیں، ان کی ایک آہ کے اثر سے دلی کی کیا حقیقت ہے دنیا کا تختہ الٹ جائے تو کچھ تعجب نہیں۔ بادشاہ پر عجیب حالت متاثر ہوئی اور پھانسی کا حکم منسوخ کیا۔

اس کتاب کی نسبت خصوصاً ونیز دربارۂ "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" اور "تفہیماتِ الٰہیہ" اور "سطعات" وغیرہ علمائے کرام رحمہم اللہ کا مقولہ ہے کہ زمانۂ اسلام میں بے مثل وعدیم النظیر کتابوں میں سے یہ کتابیں ہیں، جن کا مثل پایا نہیں گیا۔ شیخ مصطفےٰ مکی فرماتے ہیں کہ "جب یہ کتاب عرب میں پہنچی تو علماء اسے دیکھ کر حیران ہوگئے۔ مصر میں چونکہ ادب کا مشغلہ زیادہ ہے، ان لوگوں نے ادب کے پیرایہ میں بتعمق نظر ڈالی اور دیکھ کر حیرت زدہ ہوئے کہ ہندی کی ایسی تحریر کہ عرب کے کملاء بھی ایسا نہیں لکھ سکتے!" ایسے ہی علمائے متاخرین میں سے مولانا محمد عبد الحی صاحب لکھنوی صاحبِ "تعلیق الممجد" و نواب صدیق حسن خاں صاحب قنوجی بھوپالی صاحبِ "اتحاف النبلاء" قلم زن ہیں کہ "یہ کتاب عدیم النظیر فی الاسلام ہے"۔

ایسی کتاب فیضِ انتساب کا ترجمۂ اُردو محبّ الفقراء، دستگیرِ مساکین وغربا، حاتمِ زماں، سخیٔ دوراں، موفق بالملک المنّان جناب مولوی سیّد **فضل الرحمٰن** صاحب رئیس اعظم عظیم آباد دام اقبالہٗ نے بہ خیالِ حمیتِ دین وخیر خواہیٔ مومنین، بہ صرفِ زرِ کثیر، فضیلت مآب، جامعِ معقول ومنقول، جناب مولوی **ابو محمد عبد الحق** صاحب دہلوی پنجابی، صاحبِ تفسیرِ حقانی" و "عقائد الاسلام" سے کراکر مجمعِ مکارم واخلاق محبی ذی المجد جناب مولوی **محمد** صاحب مالک مطبع رحمانی ومطبع احمدی واقع پٹنہ محلہ مغلپورہ کو اس کے چھاپنے کی اجازت دی۔ الحمد للہ کہ ۱۶ ربجادی الاوّل سنہ ۱۳۱۲ھ کو دونوں جلدیں زیورِ طبع سے مرصّع ہو کر مزین ہوئیں۔ اللہ پاک ہمارے رؤسا کو توفیق دے کہ وہ اسی طرح کتبِ دینیہ کی ترویج میں کوشاں رہیں، اور اس کے مصنف ومترجم وساعی ومہتم وغیرہم کو اپنی مرضیات میں داخل فرمائے اور تا ابدان کی روح رواں کو شاد وآباد رکھے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد

وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین الیٰ یوم الدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین حجۃ اللہ البالغۃ مترجم جلد اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مختصر سوانح حیات
حضرت امام شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی

(معراج محمد بارق)

نام ونسب احمد نام، ابوالفیاض کنیت اور ولی اللہ عرف ہے۔ بشارتی نام قطب الدین اور تاریخی نام عظیم الدین مشہور ہے۔ آپ کے والد ماجد شیخ عبدالرحیم ابوالفیض ہیں جو اپنے وقت کے ایک جید عالم اور مشہور بزرگ تھے۔ فتاویٰ عالمگیری کی نظر ثانی واصلاح میں آپ بھی شریک تھے۔

شاہ صاحب کا سلسلۂ نسب والد ماجد کی جانب سے حضرت عمرؓ تک اور والدہ کی طرف سے امام موسیٰ کاظمؒ تک پہنچتا ہے۔ اس لحاظ سے آپ خالص عربی النسل اور نسباً فاروقی ہیں۔

ولادت آپ بروز چہارشنبہ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ ۱۷۰۳ء بوقت طلوع آفتاب دہلی میں تولد ہوئے۔ آپ کی ولادت سے قبل آپ کے والد کو ایک بلند اقبال اور ہونہار لڑکا پیدا ہونے کی بے شمار بشارتیں ہوئیں شیخ عبدالرحیم کی اہلیہ شباب کے تمام مراحل طے کر کے زمانۂ یاس کو پہنچ چکی تھیں اس لئے ان کو گمان ہوا کہ شاید یہ اشارہ بیٹے کی طرف نہیں لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے شیخ محمد کی صاحبزادی سے عقد کیا اور اس خاتون کے بطن سے آپ پیدا ہوئے اور وہ بشارت یوں پوری ہوئی۔ بعض دیگر بزرگوں کو بھی آپ کے متعلق بہت سی بشارتیں ہوئیں غالباً انہی بشارات کی بنا پر آپ کا نام ولی اللہ مشہور ہوا

بچپن بچپن کے حالات زیادہ معلوم نہیں، لیکن آپ کی طبیعت میں شروع ہی سے سادگی، شرافت اور متانت موجود تھی۔ نہایت ذہین واقع ہوئے تھے بچپن میں آپ کی تمام حرکات اتنی محبوب و دلفریب تھیں کہ ہر شخص ان کا شیفتہ تھا۔ عام بچوں کی طرح آپ بیکار کھیل کود میں وقت ضائع نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ چند ہم عمر لڑکوں کے ساتھ کہیں باغ میں کھیل کود کو چلے گئے۔ جب وہاں سے واپس آئے تو والد بزرگوار نے سر پر دست شفقت پھیر کر فرمایا "جانِ پدر آج تم نے کیا چیز ایسی حاصل کی جو تمہارے ساتھ باقی رہے گی؟ ہم نے تو یہ پڑھا، یہ یہ لکھا اور یہ یہ عبادت کی" والد بزرگوار کی زبان سے یہ الفاظ سنتے تھے کہ آپ فرطِ ندامت سے پسینہ پسینہ ہو گئے اور ان کے یہ جملے گویا دل میں ترازو ہو گئے۔ اس کے بعد آپ پھر کبھی سیر سپاٹے اور بیکار کھیلوں میں مشغول نہ ہوئے۔ اس سے آپ کی سعادت مندی اور وفا شعاری کا بخوبی پتہ چلتا ہے

تعلیم وتربیت آپ پانچ برس کے ہوئے تو مکتب میں قرآن مجید پڑھنے بٹھائے گئے۔ ساتویں سال قرآن ختم کر لیا، اسی سال آپ کے والد بزرگوار نے نماز روزہ شروع کرایا اور فارسی کی درسی کتاب

پڑھانی شروع کیں، آپ کی "رسمِ سنّت" بھی اسی سال عمل میں آئی۔ ایک ہی سال میں فارسی کی تعلیم مکمل کر لی اور صرف ونحو کی طرف متوجہ ہوئے اور دس برس کی عمر میں **علم نحو** کی معرکۃ الآرا کتاب "شرح ملا جامی" تک پہنچ گئے اور نہ صرف فارسی کی نوشت وخواند میں مہارت پیدا کر لی بلکہ عربی کی صرف ونحو پر بھی عبور حاصل کر لیا اور عربی کتب کے مطالعہ کی استعداد پیدا ہوگئی۔ اس کے بعد معقول کی کتابیں شروع کیں اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان سے فراغت پالی۔ پندرہ سال کی عمر میں تمام متداولہ درسی علوم کی تکمیل کر لی، اور نہ صرف مروجہ نصاب تعلیم مکمل کیا بلکہ طب، حکمت، ہندسہ، حساب وغیرہ کی بھی بعض کتابیں پڑھیں اور اس طرح چھوٹی سی عمر میں اربابِ فضل وکمال کے زمرہ میں شامل ہوگئے۔

شاہ صاحب کی تعلیم اکثر اپنے والد بزرگوار کے پاس ہوئی اور جو کچھ اپنے والد سے اکتساب کیا اس کے متعلق خود بیان فرماتے ہیں" **علم حدیث** میں مشکوٰۃ شریف تمام وکمال پڑھی لیکن چند روز کی علالت کی وجہ سے کتاب البیع سے کتاب الادب تک کا حصّہ نہ پڑھ سکا۔ صحیح بخاری شروع سے کتاب الطہارۃ تک پڑھی اور شمائل ترمذی اوّل سے آخر تک **تفسیر** میں تفسیر بیضاوی اور تفسیر مدارک کے کچھ حصّے باقاعدہ پڑھے اور باقی حصّوں کا خود مطالعہ کیا۔ اس کے علاوہ کامل غور وفکر اور مختلف تفاسیر کے مطالعہ کے ساتھ والد ماجد کے درسِ قرآن میں مجھے حاضری کی توفیق ملی اور اس طرح کئی بار میں نے حضرت سے متن قرآن پڑھا اور یہی میرے حق میں "فتح عظیم" کا باعث ہوا (والحمد للہ علیٰ ذٰلک) **علم فقہ** میں شرح وقایہ پوری، ہدایہ کی دو جلدیں، صرف تھوڑا سا حصّہ چھوڑ دیا گیا۔ **اصول فقہ** میں حسامی اور توضیح وتلویح کا درس لیا **منطق** میں شرح شمسیہ کامل، اور بعض مختصرات پڑھیں **علمِ کلام** میں شرحِ عقائد کامل، شرح خیالی اور شرح مواقف کے کچھ حصّے پڑھے **تصوف وسلوک** میں عوارف المعارف کا بڑا حصّہ اور رسائلِ نقشبندیہ پڑھے۔ **علم الحقائق** میں شرح رباعیات، لوائح، مقدمہ شرح لمعات اور مقدمہ نقد النصوص پڑھا **خواصِ اسماء وآیات** میں والد صاحب ترتیب دیا ہوا ایک مجموعہ پڑھا۔ **طب** میں موجز اور **فلسفہ** میں شرح ہدایۃ الحکمۃ وغیرہ نحو میں کافیہ اور اس کی شرح از ملا جامی **علم معانی** میں مطول اور مختصر المعانی اس قدر جتنے پر ملا زادہ کا حاشیہ ہے اور ہیئت وحساب میں بھی بعض رسالے پڑھے۔ اور الحمد للہ کہ اسی تحصیل علم کے زمانہ میں ہر فن سے ایک خاص مناسبت پیدا ہوگئی اور انکے خاص مسائل اور اہم مباحث میرے ذہن کی گرفت میں آگئے"

عقدِ نکاح

شاہ صاحب کی عمر جب چودہ سال کی ہوتی تو شادی کی صورت پیدا ہوگئی۔ آپ کے والد صاحب نے اس معاملہ میں انتہائی عجلت سے کام لیا۔ لیکن سسرال والوں نے سامان شادی تیار نہ ہونے کا عذر کیا تو آپ نے کہلا بھیجا کہ یہ عجلت بے وجہ نہیں، اسکی حکمت ومصلحت بعد میں ظاہر ہوگی۔ چنانچہ شیخ صاحب کے اصرار پر سسرال کے لوگ راضی ہوگئے اور اسی سال آپ کی شادی ہوگئی وہ راز بعد میں اسطرح ظاہر ہوا کہ شادی ہوجانے کے چند ہی روز بعد شاہ صاحب کی خوشدامن کا انتقال ہوگیا۔ پھر تھوڑے ہی دن بعد خوشدامن کے والد کا وصال ہوگیا۔ کچھ ہی دن گذرے تھے کہ شاہ صاحب کے ماموں شیخ ابوالرضا محمد کے صاحبزادے شیخ فخر عالم رحلت فرماگئے۔ اسکے بعد آپکی سوتیلی ماں وفات پاگئیں۔ ان صدمات اور مختلف امراض وضعف کی وجہ سے آپکے والد بھی سخت بیمار پڑ گئے۔

بیعت ودستار بندی

شادی کے ایک سال بعد یعنی پندرہ سال کی عمر میں آپ نے والد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔ انھوں نے آپ کو علوم باطنی کی طرف توجہ دلائی، اور آپ ان کی زیرِ نگرانی اشغالِ صوفیہ میں مشغول ہوئے خصوصاً نقشبندیہ میں کہ تمام طرق صوفیہ میں یہ طریقہ بدعاتِ متاخرین سے پاک وصاف ہے۔ اسی سال آپ نے بیضاوی کا ایک حصّہ بڑھ کر گویا مروجہ نصاب تعلیم

تکمیل کرلیا۔ والد ماجد نے اس تقریب میں بڑے پیمانہ پر خواص وعوام کی ایک شاندار دعوت کی اور دستار بندی کی رسم ادا ہوئی۔

والد ماجد کا انتقال اور بیعت وارشاد کی اجازت

دو تین سال کے عرصہ میں آپ نے علوم باطن میں بھی کمال پیدا کرلیا، پھر آپ کی عمر کے سترھویں سال آپ کے والد ماجد سخت بیمار ہوئے اور اسی حالتِ مرض میں آپ کو بیعت وارشاد کی اجازت دے دی اور ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۹ء میں درس وارشاد کی مسند اپنے اس بلند اقبال بیٹے کے لئے خالی کردی۔

درس وتدریس اور علمی استغراق

اپنے والد کے انتقال کے بعد آپ ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۹ء میں مستقل طور پر مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے علم وفضل اور کمالاتِ ظاہری وباطنی کا شہرہ دُور دُور تک پہنچ چکا تھا۔ ہر طرف سے تشنگانِ علوم ومعارف جوق درجوق آتے اور زانوئے ادب بچھاتے۔ تقریبًا بارہ سال تک آپ کتب دینیہ اور معقولات کا درس دینے میں مشغول رہے۔

اس دوران میں آپ کو ہر علم وفن میں غور کرنے کا موقعہ ملا، اسی زمانہ میں آپ نے مذاہبِ اربعہ کی فقہ اور ان کے اصولِ فقہ کی کتابوں کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا اور ان احادیث کو بھی بامعانِ نظر دیکھا جن سے یہ حضراتِ ائمہ اپنے اقوال ومذاہب کی سند لاتے ہیں اور اسی وقت سے "فقہائے محدثین" کا طریقہ بھی آپ کے دلنشین ہوا۔

آپ کا یہ زمانہ نہایت استغراق اور محویت کا گزرا، آپ نے نہایت تحقیق وکاوش سے کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور رات دن انتہائی انہماک واستغراق کے ساتھ کتب بینی میں مشغول رہے۔ شاہ صاحب ان دِنوں کھانا بھی کم کھاتے اور آرام بھی کم کرتے اور درس وتدریس کے بعد جو وقت ملتا صحبتِ کتب میں صرف کرتے۔

حج بیت اللہ

یہ شوقِ علم وتحقیق اس قدر بڑھا کہ آپ کو حرمین جانے کا خیال پیدا ہوا جس قدر علمِ حدیث کی ضرورت آپ محسوس کرتے تھے وہ دہلی میں حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس کی تحصیل وتکمیل کے لئے آپ کو حجاز کا سفر اختیار کرنا ضروری تھا، تاکہ وہاں کامل اساتذہ کی صحبت اور اعلیٰ علمی کتابوں کے مطالعہ سے اپنی بصیرت اور روحانیت میں اضافہ کریں۔

چنانچہ اسی ارادہ کے تحت آپ ۱۱۴۳ھ ۱۷۳۱ء کے اواخر میں حج کے لئے روانہ ہوئے، اس زمانہ میں ذرائع نقل وحمل کی کمی اور راستوں کے غیر محفوظ ہونے کی وجہ سے ایسا سفر کرنا اگرچہ بڑا مشکل اور جان جوکھوں کا کام تھا لیکن اس کے باوجود آپ نے زیارتِ حرمین کے شوق وولولہ اور علم وتحقیق کی لگن سے مجبور ہوکر ان مصائب وتکالیف کو سر پر لیا اور نہایت عزم کے ساتھ حجاز روانہ ہوگئے۔

وہاں آپ سب سے پہلے مکہ معظمہ پہنچے اور اسی سال حج سے فارغ ہوکر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے کم وبیش ایک سال تک عالمِ اسلامی کے مختلف علماء ومشائخ سے دلچسپ صحبتیں رہیں اور علوم ظاہر وباطن کا اکتساب کیا۔

فیوضِ حرمین

قیامِ حرمین کے زمانہ میں شاہ صاحب متعدد علماء ومشائخ سے کسب فیض کرتے رہے پہلی مرتبہ شاہ صاحب نے ہندوستان میں شیخ محمد افضل خاں المعروف بہ حاجی سیالکوٹی سے

حدیث پڑھی تھی، پھر مدینہ منورہ میں شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی سے سند حاصل کی۔ شیخ ابو طاہر شاہ صاحب کے بڑے معتقد تھے، اکثر فرمایا کرتے کہ "ولی اللہ الفاظ کی سند مجھ سے لیتے ہیں اور میں معنی کی سند اُن سے لیتا ہوں"۔

شیخ ابو طاہر کے علاوہ شاہ صاحب نے شیخ وفداللہ بن شیخ سلیمان مغربی کی درسگاہ میں بھی شرکت کی اور موطا یحیٰی بن یحییٰ (یعنی موطا امام مالک بروایت یحییٰ بن یحییٰ) اوّل سے آخر تک سُنائی اور اس کے بعد شیخ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی کی تمام مرویات کی اجازت لی، شاہ صاحب تاج الدین قلعی حنفی مفتیٔ مکہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور صحیح بخاری کی سماعت کے علاوہ کتب صحاح ستّہ کے بعض مشکل مقامات کی بھی سماعت کی۔ اس کے علاوہ موطا امام مالک بروایتِ یحییٰ بن یحییٰ اور مؤطا امام مالک بروایتِ امام محمد، کتاب الآثار امام محمد اور سند لاری کی بھی سماعت کی۔ شیخ تاج الدین نے خصوصیت کے ساتھ شاہ صاحب کو تحریری اجازت نامہ عنایت کیا شاہ صاحب دیگر بڑے بڑے مشائخ سے بھی مستفید ہوتے۔ شیخ سناوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بیعت کرکے کسب فیض کیا، شیخ احمد قشاشی سے بھی کچھ فیوض حاصل کئے، ان کے علاوہ سید عبدالرحمن ادریسی، شمس الدین، محمد بن علا بابلی، شیخ عیسیٰ جعفری، شیخ حسن عجیمی، شیخ احمد علی اور شیخ عبداللہ بن سالم بصری سے بھی اکتسابِ فیض کیا، شیخ ابو طاہر مدنی فقط علمِ ظاہر کے حامل نہ تھے بلکہ علوم باطن میں بھی ان کا پایہ بلند تھا، شیخ موصوف نے تمام طرق صوفیہ کا جامع خرقہ بھی اسی بابرکت سفر میں شاہ صاحب کو عنایت کیا۔

حج سے واپسی

الغرض وہاں ایک سال کے قیام میں ان علمی صحبتوں اور عمیق مطالعۂ کتب اور امدادِ غیبی سے آپ نے حدیث و فقہ میں مجتہدانہ کمال پیدا کر لیا پھر اواخر ۱۱۴۴ھ ۱۷۳۲ء میں آپ نے دوبارہ حج کیا اور ۱۱۴۵ھ ۱۷۳۳ء کے اوائل میں وطن کا رُخ کیا، پورے چھ مہینے آپ کو آتے آتے راستہ میں لگ گئے اور بتاریخ ۱۴ رجب ۱۱۴۵ھ ۱۷۳۲ء ٹھیک جمعہ کے دن صحیح سلامت وطن مالوف دھلی پہنچے، شہر کے تمام باشندوں اور نامی گرامی علماء و فضلاء نے آپ کا خیر مقدم کیا۔

آپ کے زمانہ میں ہندوستان کی عام حالت

اس زمانہ میں ہندوستان کی حالت ہر لحاظ سے ابتر تھی شاہ صاحب کی ولادت اورنگ زیب کی وفات سے چار سال قبل ہوئی تھی۔ اورنگ زیب کے بعد جو ہند میں طوائف الملوکی پھیلی ہے اس سے کوئی بشر ناواقف نہیں، شاہ صاحب کو تمام عمر میں دس سلاطین دہلی کے دیکھنے کا اتفاق ہوا یعنی ۱۔ اورنگ زیب عالمگیر، ۲۔ بہادر شاہ اوّل، ۳۔ معزالدین جہاندار شاہ، ۴۔ فرخ سیرہ رفیع الدرجات، ۶۔ رفیع الدولہ، ۷۔ محمد شاہ (رنگیلا) ۸۔ احمد شاہ ۹۔ عالمگیر ثانی، ۱۰۔ شاہ عالم ثانی۔

ان سلاطین کے عہد میں ہندوستان کو جن مہیب اور خونی واقعات اور لرزہ خیز حوادث و انقلابات سے گزرنا پڑا وہ سب پر عیاں ہیں: ساداتِ بارہ کا تسلط (جو بادشاہ گر یعنی "کنگز میکر" کے نام سے مشہور ہیں)، فرخ سیر کا ان کے ہاتھوں بصد بیکسی قید میں مرنا، پھر تورانی امرائے دربار کے ہاتھوں ان ساداتِ بارہ کا زوال، مرہٹوں کی بغاوت اور ان کا عروج سکھوں کا خونی فتنہ، نادر شاہ کی یلغار اور دہلی میں قتل عام، احمد شاہ ابدالی کی

معرکۂ پانی پت میں فتح روہیلوں کا ہندوستان کی سیاست میں شریک ہونا، ایرانی و تورانی امرا کی باہمی کشمکش مغربی اقوام کا ملکی سیاست میں بتدریج داخل ہوتے جانا، انگریزوں کا بنگال و بہار وغیرہ پر اقتدار اور عمل دخل تقریباً یہ تمام واقعات شاہ صاحب کی زندگی ہی میں پیش آئے

الغرض پورا ملک عجیب بے کلی و بے چینی میں مبتلا تھا، مغلیہ حکومت کا شیرازہ بکھر رہا تھا مسلمانوں کی سلطنت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا، قتل و غارتگری کا طوفان برپا تھا، بدامنی و بدنظمی ہر طرف آشکارا تھی، امراء و سلاطین کبھی رنگ رلیوں میں مبتلا ہوتے اور کبھی فتنوں سے دوچار، زمانہ کی رفتار کچھ سیدھی نہ تھی، ادھر شاہانِ وقت اپنے اسلاف کی دولت رقص و سرود کی محفلوں اور حسن و جمال کے بازاروں میں لٹا رہے تھے اور ادھر رعایا بدحال و پریشاں، غربت و افلاس کے ہاتھوں برباد، اور ستمگروں کے مظالم سے پامال ہو رہی تھی، گویا پوری قوم کو اگر ایک طرف عشرت ڈبو رہی تھی تو دوسری طرف عسرت کھا رہی تھی۔

عوام کی اخلاقی حالت بھی نہایت درجہ گری ہوئی تھی، بدعقیدگی و بدعملی کے تمام جرائم ان میں پیدا ہو چکے تھے۔ فسق و معصیت ان کی معاشرت کا جزو بن گئی تھی، تمام بدکاریاں اور منکرات ان کی تہذیب میں داخل تھے، اور کھلم کھلا سرِ مجلس ان پر فخر کیا کرتے تھے۔ بے ایمانی، دغابازی، جھوٹ، مکر و فریب، زنا و بدکاری، دیوثیت شراب خوری، جوابازی، دریوزہ گری، ظلم و ناانصافی، ٹونے ٹوٹکے، فضول خرچی، ریا و نمود، ترکِ امورِ دین وغیرہ اس قسم کے بیسیوں عیوب ہیں جو شاہ صاحب نے اپنے نصائح میں ان لوگوں کے متعلق بیان فرمائے ہیں۔

دینی لحاظ سے بھی ان کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ کتاب و سنت سے انہیں کوئی واسطہ نہ تھا۔ اہلِ ہنود کے تمام مراسم قبیحہ اور ایامِ جاہلیت کے تمام افعالِ شنیعہ انہوں نے اپنا لئے تھے۔ بے سروپا عقائد ان میں رواج پا چکے تھے، تفرق و تحزب کا جال وسیع تھا اور قسم ہا قسم کے اوہام و شکوک کا دروازہ کھلا تھا محض دنیا پرست، عامی مشرب، تحقیق سے اجنبی، تقلید و جمود میں منہمک علماء و صوفیہ کا دور دورہ تھا جنہیں نہ دینی امور سے ذوق تھا، نہ دین کا درد، نہ حق کا خیال نہ احقاقِ حق سے واسطہ۔ انہوں نے اپنے علم کو ذریعۂ عزت بنا رکھا تھا، بجائے اسکے کہ عوام ان کے طالب ہوتے وہ عوام کے طالب بن چکے تھے۔ جاہ و حشمت کے لئے بادشاہوں کے آستانوں پر سر خم کرتے اور ان کے حاضر باشِ دربار بننے میں فخر محسوس کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امت خدا سے دور ہوتی گئی غیر اسلامی بدعات و محدثات کو دین سمجھ کر اپنا لیا گیا، صحیح دینی تعلیمات سے کوئی واسطہ نہ رہا، فرائض و عبادات سے زیادہ خود ساختہ بدعات کی پابندی کی جانے لگی، شریعت کی کوئی پابندی نہ تھی، اس کے بے شمار فرائض اسکے عملاً منسوخ و معطل قرار دے دیئے گئے تھے اور بہت سے مستحبات و سنن حرام و متروک۔ قرآن کو ایک چیستان سمجھ کر بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا، اس کو عوام کی سمجھ سے بالا قرار دے کر صرف چند خاص مواقع پر ثواب بخشنے یا حلف اٹھانے وغیرہ کے کام میں لیا جاتا تھا۔ اس میں غور کرنا باعثِ گمراہی متصور ہوتا تھا۔ اسلام کے تمام شعائر و آداب اُٹھ چکے تھے ان کی جگہ دیگر رسوم و آداب نے لے لی تھی۔ اس کے علاوہ ہنادی و بدانت، ایرانی تصوف یونانی فلسفہ، حلول، بروز اور وحدۃ الوجود کے عقیدے لوگوں کے دل و دماغ میں رچ بس گئے تھے، عوام وجدان پرستی، پیری مریدی اور خانقاہ پرستی میں پھنسے ہوئے تھے۔ پیرزادے مذہبی پیشوا بن کر لوگوں کو لوٹ

رہے تھے۔ گدی نشین صوفیہ اور مسند آرا مشائخ سب اسی قسم کی دھڑے بندیوں میں مصروف، اپنے اپنے راگ اپنی اپنی منڈلیوں میں الاپ رہے تھے اور جھوٹے فقرا، اپنے بزرگوں کے مزاروں پر چراغ جلاتے رہزن بنے بیٹھے تھے۔ متقشف واعظین، خانقاہ نشین اور گمراہ صوفیہ لوگوں کو موضوعات و اباطیل کی طرف دعوت دے کر ان کے مال اور ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے تھے۔

اس زمانہ میں مسلمانوں کی علمی و تعلیمی حالت بھی حد درجہ انحطاط پذیر تھی۔ ان کے مدارس میں "درس نظامیہ" کا وہی بے ثمر اور فرسودہ نظامِ تعلیم جاری تھا جو مدت مدید سے ان کے رگ و پے میں جمود و تعطل کے جراثیم داخل کر رہا تھا۔ وہ ساری عمر صرف و نحو اور معانی میں ضائع کر دیتے اور انہی میں سر کھپاتے رہتے اصل علوم (کتاب وسنت) کی طرف انہیں کبھی توجہ نہ ہوتی۔ درسگاہوں میں صدرا قاضی مبارک شمس بازغہ اور شرحِ مطالع کے شروح وحواشی اس کثرت سے رائج تھے کہ گویا اس کے علاوہ ان کا کوئی نصاب تعلیم تھا ہی نہیں۔ دینیات میں فقہ کے سوا کچھ نہ تھا، فقہائے سالفین کی تفریعات میں ڈوب کر اصل علم کو چھوڑ دیا تھا، حدیث میں صرف بطور تبرک مشکوٰۃ شریف اور مشارق الانوار پڑھا دینا کافی سمجھتے تھے۔ قرآن مجید خارج از نصاب تھا۔ انہوں نے اس کی درس و تدریس میں وقت "ضائع" کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ دراصل انہیں یونانی علوم کی تحصیل سے ہی فرصت نہ تھی جو اس کی طرف توجہ دیتے ——— یہ وہ علوم تھے جن کا اپنے منبع و سرچشمہ یونان میں بھی رواج اٹھ گیا تھا۔ ان فضول اور بے فیض علوم سے ان کی ذہنیتیں مسخ ہو گئی تھیں۔ وہ محض عقائد وغیرہ کے استدلالی مناظرات اور کلامی بحثوں میں الجھ گئے تھے

اس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی کیا کیفیت تھی اور کس ماحول میں شاہ صاحب نے اپنی جد وجہد کا آغاز کیا۔

حج سے واپسی پر آپ کے مشاغل

فیوضِ حرمین سے مالا مال ہو کر جب آپ ۱۱۴۵ھ ۱۷۳۲ء میں دھلی تشریف لائے تو حالاتِ گرد و پیش کا جائزہ لیا اور اپنے عزائم و مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ پرانی دلی میں ایک مقام پر (جو مہندیوں کے نام سے مشہور ہے اور جہاں اب ان بزرگوں کی قبریں ہیں) اپنے والد کے ایک چھوٹے سے پرانے مکان میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور وہ مدرسہ رحیمیہ کے نام سے مشہور رہا۔ جب آپ کے علمی کمال کا شہرہ بڑھا تو چند ہی دنوں میں اطراف واکناف سے طلبہ کھنچ کھنچ کر آنے لگے اور وہ جگہ تنگ ہو گئی۔ بادشاہِ وقت سلطان محمد شاہ (رنگیلا) نے یہ کیفیت دیکھ کر شاہ صاحب کو بلایا اور شہر میں ایک عالیشان حویلی دے دی آپ نے یہاں دار الحدیث کا افتتاح فرمایا اور پرانی جگہ غیر آباد ہو گئی۔ یہ نیا مدرسہ بڑا عالیشان اور خوبصورت تھا اور اب یہ ایک بڑا دار العلوم سمجھا جانے لگا۔ آپ نے بڑی دلجمعی سے یہاں درس و تدریس کا مشغلہ جاری رکھا۔ دور دور سے طلبا آ کر یہاں درسِ قرآن وحدیث میں شریک ہوئے اور کسبِ فیض کیا۔ یہ مدرسہ عرصہ تک قائم رہا اور آپ کے بعد آپ کے چاروں صاحبزادوں نے یہی مشغلہ درس و تدریس یہاں جاری رکھا اور ان کے بعد دیگر اہلِ علم حضرات نے یہ خدمت اپنے ذمہ لی۔ یہ سلسلہ کئی پشت تک اس خاندان میں چلتا رہا۔

بالآخر غدر ۱۸۵۷ء ۱۲۷۴ھ میں یہ مدرسہ تباہ ہوا، لوگ وہاں کے کڑی تختے اُتار کر لے گئے اور صرف مدرسہ شاہ عبدالعزیز کا نام ہی نام رہ گیا۔

حرمین شریفین سے واپسی کے بعد اس تعلیم و تدریس کے زمانہ میں آپ نے اپنے اوقاتِ عزیز کو تین اہم مشاغل میں صرف کرنے کے لئے مخصوص کر لیا تھا (۱) صبح کی عبادات و اوراد و وظائف وغیرہ سے فارغ ہوکر دوپہر تک حدیث کا درس دیتے۔ (۲) علم حدیث کے اسرار و رموز اور علوم نبوت کے حقائق و معارف کے علاوہ دین کے دقائق و حقائق اور معرفت و تصوف کے اسرار و غوامض پر بھی تقریر فرماکر سامعین کو مستفیض فرماتے (۳) تیسرا نہایت اہم مشغلہ آپ کا یہ تھا کہ جو وقت ان دونوں مشاغل سے بچتا، اس کا کوئی لمحہ ضائع نہ ہونے دیتے بلکہ کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے۔ اس کے بعد آپ نے ہر فن کے لئے ایک شخص تیار کر لیا تھا جس فن کا جو طالب ہوتا اس کو اسی فن کے استاد سپرد فرما دیتے۔ یہ معلم حضرات آپ ہی کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے۔ اب مدرسہ ان ہی کے سپرد تھا، خود آپ حدیث کے معارف بیان کرتے اور لکھنے کا کام کرتے۔ آپ کی مصروفیت اور استغراق کا یہ عالم تھا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں "آپ اشراق کے بعد جو بیٹھ جاتے تو دوپہر تک نہ زانو بدلتے نہ کھجلاتے اور نہ دہن مبارک سے تھوک پھینکتے"۔

آپ کا طریقۂ تعلیم

اس زمانہ کی تعلیمی حالت پر تبصرہ اوپر گذر چکا ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ وہ طریقہ کس قدر نکما اور بے سود تھا۔ شاہ صاحب نے اس طریقہ کو بالکل ترک کر دیا اور وہی طریقۂ تعلیم جاری فرمایا جس کی بنیاد آپ کے والد ماجد ڈال گئے تھے۔ اس کا مختصر حال یہ ہے کہ پہلے آپ صرف و نحو کے مختصر تین تین چار چار رسائل حسبِ استعدادِ طالب علم حفظ کرا دیتے، اسکے بعد حکمت یا تاریخ کی کوئی عربی کتاب پڑھا دی جاتی اس طرح اسکے علمِ لغت میں اضافہ ہوجاتا، عربی زبان پر قدرت حاصل ہوجانے کے بعد مؤطا امام مالک کا درس دیا جاتا، قرآن مجید کا ترجمہ بغیر تفسیر کے پڑھایا جاتا، البتہ جہاں کہیں شانِ نزول یا قاعدۂ نحویہ کی کوئی مشکل اسے پیش آتی تو اس کو اچھی طرح حل کر کے آگے درس دیا جاتا۔ اس کے بعد تفسیر جلالین بقدرِ نصاب پڑھائی جاتی۔ اس سے فراغت کے بعد ایک وقت کتب حدیث مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ اور کتب فقہ عقائد و سلوک وغیرہ اور دوسرے وقت کتبِ حکمت۔ پڑھائی جاتیں مثلاً شرح ملا، قطبی وغیرہ۔ یہ طریقہ بڑا مفید اور کامیاب رہا۔ اس سے طلبا کا ذہنی جمود اور توائے غور و فکر کا تعطل دور ہوگیا۔ اب وہ اندھے مقلد ہونے کے بجائے محقق اور صحیح معنوں میں "فقیہ محدث" بن گئے اور ان میں یہ ملکہ پیدا ہوگیا کہ آیات و احادیث میں غور و تدبر کر کے اس کے مطالب سمجھ سکیں۔

ترجمۂ قرآن مجید اور فتنہ علمائے سُوء

شاہ صاحب کے زمانے میں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے قرآن مجید کی طرف کوئی توجہ نہ دیتا تھا، اس کو عمدہ ریشمی جزدانوں میں محفوظ رکھا جاتا تھا تاکہ بوقتِ ضرورت فال لینے یا حلف اُٹھانے کے کام آئے۔ عملی زندگی میں اس سے کوئی استفادہ نہ کیا جاتا تھا۔ مراجعت حرمین کے بعد آپ نے یہ صورت حال دیکھ کر ان کی اصلاح کی خاطر قرآن مجید کا وہاں کی مروجہ زبان فارسی میں ترجمہ کرنا شروع کیا سلسلۂ درس و ارشاد کے ساتھ ساتھ اس ترجمہ کا آغاز

۱۱۵۰ھ/۱۷۳۷ء میں ہوا اور ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۸ء میں اس کی تکمیل ہوئی، پھر ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء میں اس کی تدریس کا سلسلہ شروع ہوا۔

شاہ ولی اللہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے ساڑھے گیارہ سو برس کے بعد سرزمین ہندوستان میں قرآن مجید کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا اور اسی کے بعد ترجمۂ قرآن کی بنیاد پڑی، آپ ہی کے تتبع میں آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ رفیع الدین نے قرآن مجید کا لفظی ترجمہ اُردو میں کیا اور دوسرے فرزند حضرت شاہ عبد القادر نے بامحاورہ اُردو ترجمہ لکھا۔ الغرض اس ترجمہ کا باب سب سے پہلے آپ ہی نے کھولا اور اگر غور کیا جائے تو یہ اُمت مسلمہ پر آپ کا بہت بڑا احسان ہے، ورنہ کچھ عجب نہیں کہ ہم ترجمۃ القرآن سے اب تک محروم رہتے لیکن اُس زمانے کے علمائے سُو، بجائے آپ کے ممنون احسان ہونے اور ہمت افزائی کرنے کے آپ کے مخالف بن گئے اور عوام میں آپ کے خلاف شورش برپا کردی کہ "اس طرح یہ شخص لوگوں میں گمراہی پھیلانا چاہتا ہے، قرآن کا ترجمہ پڑھ کر لوگ بھٹک جائیں گے۔ اس نے دینِ اسلام میں ایک زبردست بدعت کی بنا ڈالی ہے سلف صالحین نے کبھی ایسا نہیں کیا، ایسا مجرم اور بدعتِ سیئہ کا مرتکب واجب القتل ہے وغیرہ وغیرہ"۔ مخالفین نے آپ کے اس فعلِ حسن کو محض اپنے عناد اور دشمنی کی بنا پر عجب رنگ چڑھایا، بہت سے لوگوں کو آپ کے خلاف ورغلایا اور تمام شہر میں اسکے خلاف پروپیگنڈا کیا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ عصر کے وقت جب شاہ صاحب مسجد فتحپوری سے نکل رہے تھے تو ان معاندین نے چند غنڈوں کو ہمراہ لے کر آپ کو گھیر لیا لیکن آپ کسی طرح بچکر نکل گئے۔ اس کے بعد یہ مخالفت آہستہ آہستہ ٹھنڈی پڑتی گئی اور آج یہ کیفیت ہے کہ ہم اسی کارنمایاں پر آپ کو ہدیۂ تحسین پیش کر رہے ہیں، اور ہمارا خیال ہے کہ اگر آپ نے صرف یہی خدمت انجام دی ہوتی تو یہ آپ کا نام زندہ رکھنے کے لئے بہت کافی تھی۔

آپ کے اصلاحی کارنامے

ابھی ہم آپ کے دو شاندار کارناموں کا ذکر کر چکے ہیں، ایک تو اس زمانہ کے طریقۂ تعلیم کو بدلنا اور نئے اسلوب پر درس دینا، اور دوسرے قرآن و حدیث کے تراجم مروّجہ زبان میں کرنا۔ اگر غور کیا جائے تو یہ دونوں کام قوم کی اصلاح کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، ان ہی کے ذریعہ ایک قوم کے اندازِ فکر اور زاویۂ نگاہ کو بدلا جاسکتا ہے خصوصاً ترجمۂ قرآن کی بنیاد ڈال جانا ہم لوگوں کے حق میں آپ کی سب سے بڑی خدمتِ اسلام ہے۔ اس کے علاوہ جو خدماتِ جلیلہ آپ نے انجام دیں ان کا مختصر حال حسبِ ذیل ہے:۔

آپ نے متعصب فرقہ پرستوں اور مختلف مکتب خیال کے لوگوں کو ایک نقطۂ عدل پر لاکر ان میں ہم آہنگی اور اتفاق پیدا کرنے کی کوشش فرمائی، اس زمانہ میں افتراق و تشتت اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا، ہر فرقہ دوسرے کو کافر و زندیق گردانتا تھا، کٹر حنفیوں اور متشدد اہل حدیث کے درمیان مدتوں سے جھگڑا چلا آتا تھا اور سُنّی و غالی شیعہ باہم دست بگریبان تھے۔ دوسرے فرقے بھی باہمی چپقلش اور جنگ و جدل سے باز نہ رہتے تھے۔ تفرق و تحزب کی ایک ملک گیر وبا پھیلی ہوئی تھی۔ ان حالات میں آپ نے تحریر و تقریر دونوں طریقوں سے اس کے خلاف کوشش کی، ہر ایک کی افراط و تفریط اور لغزش نمایاں فرمائی۔ اور ان موضوعات پر مختلف کتابیں اور رسالے تصنیف کئے، جن سے ہر شخص راہِ صواب کا پتہ چلا سکتا ہے۔ اُمت کی سالمیت اور اسکے

اتحاد کو برقرار رکھنے میں یہ آپ کا جلیل القدر کارنامہ ہے۔
اس زمانہ کا دوسرا فتنہ معقولیین کی خرابی ہے۔ ان لوگوں کے دماغ یونانی فلسفہ اور عجمی افکار باطلہ سے اس درجہ ماؤف ہو گئے تھے کہ اسکے علاوہ کسی دوسرے علم کی طرف توجہ دینا تو درکنار اس کو ذرا بھی وقعت نہ دیتے تھے۔ ان کی ساری عمر منطق، علومِ عقلیہ اور الٰہیات کی لایعنی بحثوں میں گزر جاتی، تمام وقت وہ لفظی موشگافیوں، بے معنی خرافات اور فرسودہ فلسفۂ یونان کی تحصیل میں گزار دیتے جو عملی دنیا میں کسی کام کا نہ تھا۔ آپ نے ان کی یہ کیفیت دیکھ کر ایک طرف تو انہیں ان لفظی گورکھ دھندوں اور بے فیض علوم میں تضیع اوقات سے روکا اور دوسری طرف ایک ایسا نیا فلسفہ پیش کیا جو بجا طور پر فلسفۂ اسلام کہلایا جا سکتا ہے اور جس کا انسان کی عملی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ قرآن مجید و احادیثِ نبوی کے نصوص و کلیات کے مطابق ایک صحیح فلسفۂ اسلام مدوّن کرنے کی کامیاب کوشش اب تک صرف آپ ہی نے فرمائی ہے اور یہ آپ کا نہایت قابلِ قدر کارنامہ ہے۔
ایک اور وبا جو آپ کے وقت میں ملک پر مسلط تھی وہ عجمی تصوف اور اس کی بے سروپا خرافات ہیں۔ اس زمانہ میں متقشف صوفیہ اور گمراہ مشائخ نے اپنے من گھڑت اصول، اجنبی افکار اور مختلف خرافات واباطیل کو "تصوف" کا نام دے کر ملک میں رائج کر رکھا تھا۔ آپ نے بزورِ قلم ان کے طلسم وافسوں کی دھجیاں بکھیر دیں اور ان کے مزعومات باطلہ کی تردید کر کے کتاب وسنّت کی روشنی میں "احسان" کی واضح اور روشن راہ لوگوں کے سامنے پیش کی اور وقت کے ایک اہم تقاضے کو پورا کیا۔
ایک اور خطرہ جو اس زمانہ میں متوقع تھا وہ فرنگی اقتدار اور مغربی خیالات کی اشاعت کے باعث اسلام کے متعلق شکوک وشبہات پیدا ہونے کا خدشہ تھا۔ اگرچہ بعینہٖ اسی قسم کا دور ارتیاب اس سے قبل بھی آچکا تھا اور اس زمانہ کے علمائے کرام نے پوری قوت سے مقابلہ کر کے اس کا سدباب کر دیا تھا لیکن اب یہ فتنہ اس سے خطرناک شکل میں آنے والا تھا۔ شاہ صاحب نے اس خطرہ کو بھانپ کر اسکے تدارک ومدافعت کے لئے مکمل دلائل وبراہین کا ایک بے بہا ذخیرہ فراہم کر دیا تاکہ آئندہ نسلیں ان سے مرعوب ہو کر صحیح راہ نہ چھوڑ دیں۔
جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے آپ کے زمانہ میں حدیث وقرآن کا ذوق بالکل فنا ہو گیا تھا۔ ان کی جگہ فقہائے متاخرین کے فتاوے اور تفریعات نے لے لی تھی، ہر طرف انہی کا شور وغلغلہ تھا۔ کتاب وسنّت کی طرف کسی کی نظر نہ تھی، کتاب وسنّت سے تمسک کے بارے میں مجدّد الف ثانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تحریصات وترغیبات کا اثر بالکل زائل ہو چکا تھا اور وہی فضا پیدا ہو گئی تھی جس سے ان دو بزرگوں کو مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ شاہ صاحب نے یہ صورتِ حال دیکھ کر ان کتب کی "پوجا" ختم کرائی اور علم کے اصل منبع قرآن وحدیث کی طرف توجہ دلائی اور روحِ اجتہاد کو زندہ کیا۔ آپ ہی کی انتھک کوشش اور مخلصانہ جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ آج کل ہم اس ملک میں علومِ قرآن وحدیث کا چرچا دیکھتے ہیں۔
اسی بارے میں مصر کے مشہور نقاد علامہ رشید رضا "مقدمہ مفتاح کنوز السنہ" میں فرماتے ہیں "اگر

ہمارے بھائی ہندوستان کے علماء کی توجہ اُس زمانہ میں علوم حدیث کی طرف مبذول نہ ہوتی تو اس علم کے زوال اور فنا کا فیصلہ ہو چکا تھا۔"

اُس زمانہ کے نواب وسلاطین اور عوام کی دینی واخلاقی حالت کا بیان پیچھے گزر چکا ہے۔ آپ نے ان کو اس خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لئے معاشرہ کے ہر طبقہ اور ہر گروہ سے مخاطب ہو کر اس کی خامیوں سے مطلع کیا اور اس کے انجام سے ڈرا کر صحیح راستے پر لانے کی نہایت واضح الفاظ میں تلقین کی۔ ان کے تمام عیوب گناکر ان کا علاج تجویز کیا اور اس ڈھنگ سے تنبیہ فرمائی کہ اگر کوئی زندہ دل اور حوصلہ مند قوم ہوتی تو یک لخت اپنی غلط راہ وروش سے باز آجاتی۔ آپ کی گراں قدر تصنیف "تفہیمات" میں اس قسم کے مسلسل الارم موجود ہیں جو اس زمانہ کی صورتِ حال کا ایک زندہ مرقع بھی ہیں اور آپ کے مخلصانہ جذبات وعزائم کا ثبوت بھی۔

آپ کی جد وجہد کے نتائج

آپ کے کارنامے تمام تر تحریری وقولی ہیں۔ اس وقت کے حالات کے پیش نظر آپ میدان عمل میں نہ اُترے اور نہ جہاد کیا، لیکن محض قلم کے ذریعہ آپ نے وہ خدمت انجام دی جو رہتی دنیا تک یاد رہے گی۔ تعلیماتِ اسلام میں جو خرافات اور بے سرو پا باتیں شامل کر دی گئی تھیں آپ نے ان کو الگ کیا اور دین کو ایک منظم ومرتب نظام زندگی کی حیثیت سے پیش کیا، معاندین کے اعتراضات کا کماحقہ رد کیا اور مشتبہ مقامات کی صراحت فرمائی، عقل ونقل دونوں اعتبار سے دین اسلام کو مطابقِ فطرت ثابت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ کتاب وسنت کے احکام عوام تک پہنچانے کا انتظام بذریعہ ترجمہ فرمایا۔ دین کے ہر شعبہ کو باطل کی آمیزش سے پاک کیا اور اس کی اصل صورت لوگوں کے سامنے پیش کی۔

دراصل شاہ صاحب کا جہادِ شمشیر سے گریز کسی بُزدلی یا کاہلی کی بنا پر نہ تھا بلکہ اس زمانہ کے حالات قابو سے باہر ہو چکے تھے۔ معاشرہ اپنے انحطاط کی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ جہاد کے لئے معتمد وتربیت یافتہ کارکنوں اور ہمراہیوں کا ہونا ازبس ضروری ہے، اور ایسے حالات کا ہونا لازم ہے جن میں جہاد بجائے اصلاح ودرستی کے ایک وجہ فساد نہ بن جائے، اگرچہ ہمیں یہ علم نہیں کہ کن وجوہات کی بنا پر آپ نے جہاد سے گریز فرمایا اور کیا حالات تھے جو آپ کو اس اقدام سے مانع رہے لیکن آپ کی سیرت کے مطالعہ اور تحریر وتقریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی کوئی ایسی ہی صورتِ حال ہوگی جو آپ شمشیر زنی اور قتل وقتال سے باز رہے۔ چنانچہ آپ خود "تفہیمات الٰہیہ" میں فرماتے ہیں:

"اگر بالفرض یہ شخص (یعنی خود شاہ صاحب) ایسے زمانے میں پیدا ہوتا کہ اسباب کا اقتضا یہی ہوتا کہ لوگوں کو جنگ وقتال سے درست کیا جائے اور اس کے دل میں ڈالا جاتا کہ تلوار ہی سے دنیا کے نظام کو درست کرے تو یہ شخص پھر یہی کرتا اور الحمد للہ بڑی خوبی سے اس کام کو انجام دیتا اور دنیا دیکھ لیتی کہ رستم واسفندیار بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں بلکہ وہ اس کے طفیلی اور شاگرد بننے کے لائق ہیں۔"

یہی وجہ تھی کہ آپ نے حالات کو جہاد کے ناموافق پا کر اس معاشرہ کے ذہین ومفکر لوگوں کو اکٹھا کیا اور ان کو اپنی تعلیمات وارشادات سے بہرہ اندوز کر کے اس قابل بنا دیا کہ وہ کسی آئندہ زمانہ

ہیں ان کے مشن کے مطابق ایک انقلاب برپا کرسکیں۔ ان ذی عقل اور صاحب فہم تلامذہ نے آپ سے پورا استفادہ کیا اور کچھ عرصہ بعد ہی آپ ہی کی نسل سے شاہ اسمٰعیل شہید اور سیّد احمد شہید اٹھے اور شرک وبدعت مٹانے کی خاطر علمِ جہاد بلند کیا۔

آپ کے کارنامے وقتی نہیں بلکہ ایک مستقل افادی حیثیت کے مالک ہیں۔ آپ کی تصانیف سے خاص و عام اب تک استفادہ کرتے آرہے ہیں، ملک کی دینی و علمی حالت کا سدھار بہت حد تک آپ ہی کا مرہونِ منت ہے۔ اگر آپ نے اس وقت علم کی شمع روشن نہ کی ہوتی تو نہ معلوم اس وقت جہالت وظلمت کی کیا کیفیت ہوتی آپ ہی کی نکالی ہوئی نہریں اور روشن کئے ہوئے چراغ ہیں جن سے ہم اب تک مستفید ہو رہے ہیں۔

مقام ومنصب

آپ کی منزلت علمی کے بارے میں کچھ لکھنا گویا سورج کو چراغ دکھانا ہے آپ اسلام کے ان جلیل القدر علماء میں سے ہیں جن کی شہرت وعظمت زمان ومکان کے حدود سے آگے بڑھ چکی ہے۔ آپ کا شمار عبقریین ونوابغ میں ہوتا ہے۔ آپ جیسی عالی پایہ شخصیتیں اور یگانۂ روزگار ہستیاں بہت کم وجود میں آتی ہیں۔ آپ بقول خود زوال وانحطاط کے زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں اور اس کو آپ تخریج بر تخریج وتفریع بر تفریع کا دور فرماتے ہیں۔ اس زمانہ کی کچھ کیفیت اوپر بیان ہو چکی ہے اس دورِ ظلمت وجہالت میں ایسی وسیع النظر، دقیقہ رس اور ژرف نگاہ ہستی کا جنم لینا بجائے خود ایک قابلِ حیرت امر ہے۔ آپ نے اپنے ماحول سے کوئی اثر نہیں لیا۔ آپ کی ذہنی سطح اور آپ کے علوم ومعارف اپنے ہم عصر علماء کی سطح سے بہت بلند ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں "اتحاف النبلاء" میں صحیح فرماتے ہیں "اگر وجود او در صدرِ اوّل در زمانۂ ماضی می بود، امام الائمہ وتاج المجتہدین شمردہ می شد" یعنی "اگر آپ کا وجود گزشتہ زمانہ میں صدرِ اوّل میں ہوتا تو تمام مجتہدوں کے پیشوا اور مقتدا مانے جاتے بلکہ ان کے سرتاج بنائے جاتے اور امام الائمہ کا گرانقدر خطاب پاتے"۔

آپ کے علمی وذہنی کمالات واقعی اسی تعریف وتوصیف کے لائق ہیں۔ اور آج بھی اُمّتِ مسلمہ آپ کو "حکیم الامت" اور "مجدد ملت" کے القاب سے یاد کرتی ہے، آپ کے خارق عادت علمی کارناموں اور غیر معمولی ذہانت ودینی خدماتِ جلیلہ کو دیکھ کر آپ کے ہمعصر علماء وفضلاء نے بھی بڑی قدر ومنزلت سے آپ کا ذکر کیا ہے۔ مرزا محمد مظہر جانِ جاناں فرماتے ہیں:۔ "حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمہ اللہ طریقۂ جدیدہ بیان نمودہ اند۔ در تحقیق اسرارِ معارف وغوامضِ علوم طرزِ خاص دارند۔ بااین ہمہ علوم وکمالات، از علماء ربانی اند۔ مثل ایشاں در محققانِ صوفیہ کہ جامع اند در علمِ ظاہر وباطن وعلم نو بیان کردہ اند، چند کس گذشتہ باشند"۔ آپ کے ایک اور معاصر مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلوی اپنے رسالہ "فخر الحسن" میں آپ کو اس طرح یاد کرتے ہیں:۔ "شیخ صاحب المقامات العالیہ والکرامات الجلیلہ الشیخ ولی اللہ المحدث سلمہ اللہ تعالےٰ وابقاہ"

مولانا شاہ محمد عاشق پھلتی جو آپ کے خاص عقیدتمندوں میں سے تھے مقدمہ "خیر کثیر" میں آپ کو اس طرح خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں:۔

"...... ودریں زماں بایں مقام اسنیٰ ذات، مجمع آیات، مطلع فیض وانوار، منبع علوم واسرار،

ومخزن کنوز کمالات وراثت محمدیہ، معدن نقود رموز وصایت احمدیہ، مجدّد قواعد شریعت، متقنِ قوانین طریقت، مبیّن غوامضِ معرفت، محقق دقائق حقیقت، اعظم المحدثین، ولی العصر، لسان اللہ، قطب الدین احمد ابوالفیاض شیخ ولی اللہ است مدّ اللہ ظلال ارشادہ علی العٰلمین الیٰ یوم الدین، کما ہو ثابت عند اہل المعرفۃ والیقین ......"

اس کے علاوہ صاحبِ "سیر الاخیار" نے بھی آپ کا تذکرہ لکھا ہے اور اس میں آپ کے یکتائے روزگار اور مجتہد عصر ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

علاوہ ازیں امیر شاہ خاں کی زبانی مولانا محمد قاسم نانوتوی (بانیٔ دارالعلوم دیوبند) کا ایک واقعہ منقول ہے جس سے شاہ صاحب کی ہند کے علاوہ دیگر اقطارِ عرب وعجم میں مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ "مولانا نانوتوی کا جہاز دورانِ سفرِ حج یمن کی کسی بندرگاہ پر رُک گیا۔ مولانا کو کسی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ اس شہر میں کوئی معمر بزرگ بھی رہتے ہیں۔ جب ملاقات کی تو ان کے علم سے بہت متاثر ہوئے اور درخواست کی سند اجازت عطا ہو۔ اس پر محدث صاحب نے پوچھا تم کس کے شاگرد ہو؟ انہوں نے اپنا سلسلہ تلمذ شاہ عبدالعزیز صاحب (شاگرد وفرزند شاہ ولی اللہ) تک بیان کیا تو وہ بزرگ بولے "ہاں میں ان کو جانتا ہوں، میرے نزدیک شاہ ولی اللہ گویا شجرِ طوبیٰ ہیں، جس طرح جہاں جہاں طوبیٰ کی شاخیں ہیں وہاں جنت ہے اور جہاں اس کی شاخیں نہیں وہاں جنت نہیں ہے، اسی طرح جہاں شاہ ولی اللہ کا سلسلہ ہے وہاں جنت ہے اور جہاں ان کا سلسلہ نہیں وہاں جنت نہیں۔"

یہ تو آپ کے حلقہ بگوشوں اور عقیدتمندوں کا اظہار خیال تھا۔ ان کے علاوہ مولانا فضل حق خیرآبادی نے بھی آپ کی عظمت کا اعتراف کیا ہے جن کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بجائے عقیدت ونیاز کے اپنے آپ کو علم کے اس سلسلہ اور خانوادہ کا حریف مقابل سمجھا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے شاگرد رشید مولانا محسن بہاری اپنی کتاب "الیانع الجنی" میں خود اپنی سنی ہوئی شہادت بیان کرتے ہیں جبکہ وہ الور میں مولانا سے درس لیا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں:-

"مولانا فضل حق کے ہاتھ "ازالۃ الخفا" کا ایک نسخہ کہیں سے لگا۔ مولانا اسکے مطالعہ کے بڑے خواہشمند تھے، جب بھی درس وتدریس یا دوسرے مشاغل سے فرصت ملتی تو بکثرت اسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف رہتے۔ جب مولانا اس کتاب کا بیشتر حصہ پڑھ کر فارغ ہوئے تو آپ نے سب کے سامنے جن میں مَیں بھی شریک تھا یہ فرمایا کہ جس شخص نے یہ کتاب تصنیف کی ہے وہ تو ایک بحر بیکراں ہے، جس کے ساحل کا پتہ نہیں چلتا۔"

خود فہمی اپنی عظمت ومنصب کا آپ کو خود بھی احساس تھا اور اسی احساس نے آپ کے جذبۂ خود اعتمادی اور بے نیازی کو بڑھا دیا تھا۔ اسی احساس کے تحت آپ نے جو فرمایا نہایت ذمہ داری اور یقین سے فرمایا۔ اپنی عظمت کا اظہار بطور "تحدیثِ نعمت" آپ نے متعدد جگہ فرمایا ہے جن میں سے چند اقتباسات بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں:

(۱) "اور مجھ پر اللہ تعالیٰ کے خاص احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے مجھے اس دورِ آخر کا "ناطق" اور "حکیم" اور "قائد و زعیم" بنایا (اور یہ میں لخراً نہیں کہتا)" (تفہیمات)

(۲) "میرے ذہن میں ڈالا گیا ہے کہ میں لوگوں تک یہ حقیقت پہنچا دوں کہ" یہ زمانہ تیرا زمانہ ہے اور یہ وقت تیرا وقت ہے۔ افسوس اس پر جو تیرے جھنڈے کے نیچے نہ ہو۔" (تفہیمات)

(۳) "مجھ کو رب نے یہ سمجھایا ہے کہ ہم نے تم کو اس طریقہ کا امام بنادیا اور حقیقت قرب تک پہنچنے کے تمام راستوں کو بند کر کے صرف ایک راستہ کھلا رکھا ہے اور وہ تمہاری محبت اور اطاعت کا راستہ ہے۔ جو شخص تمہارا دشمن ہے اس کے لئے آسمان آسمان نہیں اور زمین زمین نہیں۔ پس تمام اہلِ مشرق و مغرب تمہاری رعیت ہیں اور تم ان کے بادشاہ۔ اس سے غرض نہیں کہ یہ لوگ جانتے ہیں یا نہیں۔ اگر جانتے ہیں تو کامیاب ہوں گے ورنہ نقصان اٹھائیں گے" (تفہیمات)

(۴) "میں نے خواب میں دیکھا کہ میں "قائم الزماں" یعنی اللہ تعالیٰ جب خیر کے کسی نظام کا ارادہ فرماتا ہے تو اپنے اس ارادہ کی تکمیل کے لئے وہ مجھے اوزار یا آلۂ کار کی طرح بنا لیتا ہے۔" (فیوض الحرمین)

(۵) "خداوند تعالیٰ نے ایک وقت میں میرے قلب میں "میزان" پیدا کر دی جس کی وجہ سے میں ہر اس اختلاف کا سبب پہچان لیتا ہوں جو امتِ محمدیہ میں واقع ہوا، اور اس کو بھی پہچان لیتا ہوں جو خدا اور اس کے رسول کے نزدیک حق ہے اور خدا نے مجھ کو یہ بھی قدرت دی ہے کہ امر حق کو دلائل عقلیہ و نقلیہ سے اس طرح ثابت کر دوں کہ اس میں کسی قسم کا شبہہ اور اشکال باقی نہ رہے۔" (حجۃ اللہ)

ایک جگہ اپنے جلائل اعمال کا بالتفصیل تذکرہ اس طرح کرتے ہیں:

(۶) "حق تعالیٰ کا عظیم ترین انعام اس ضعیف بندہ پر یہ ہے کہ اس کو "خلعت فاتحیہ" بخشا گیا ہے اور اس آخری دورہ کا افتتاح اس سے کرایا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں جو کام مجھ سے لئے گئے ہیں وہ یہ ہیں کہ فقہ میں جو "مرضی" (پسندیدہ نظریات) ہیں ان کو جمع کر دوں اور اسکے لئے فقہِ حدیث کی از سرِ نو بنیاد رکھ کر اس فن کی پوری عمارت تیار کی گئی اور آنحضرت صلعم کے تمام احکام و ترغیبات اور ان تعلیمات کے اسرار و مصالح کو اس طرح منضبط کیا گیا کہ اس فقیر سے پہلے اس کا کام عشرِ عشیر بھی نہیں کیا گیا تھا —— نیز سلوک کا وہ طریقہ جو حق تعالیٰ کو پسند ہے اور جو اس دور میں کامیاب ہو سکتا ہے مجھے اس کا الہام فرمایا گیا اور میں نے اس طریق کو اپنے دو رسالوں "ہمعات" اور "الطاف القدس" میں قلمبند کر دیا ہے —— ایک کام مجھ سے یہ لیا گیا کہ متقدمین اہلِ سنت کے عقائد کو میں نے دلائل و براہین سے ثابت کیا اور معقولیوں کے شکوک و شبہات کے خس و خاشاک سے ان کو قطعی پاک کر دیا اور ان کی تقریر بحمد اللہ ایسی کی جس کے بعد کسی بحث کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ علاوہ ازیں کمالاتِ اربعہ ابداع، خلق، تدبیر اور تدلّی کی حقیقت اور نفوسِ انسانیہ کی استعدادات کا علم مجھے عطا فرمایا گیا اور یہ دونوں ایسے علم ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کسی نے ان کے کوچہ میں قدم بھی نہیں رکھا اور حکمتِ عملی مجھے بھرپور دی گئی (یعنی تدبیر معاشیات کے اصول اور سیاست مدن کے ضوابط وغیرہ) اور کتاب و سنت و آثارِ صحابہ سے اس کی تطبیق و تفصیل کی توفیق بھی نصیب ہوئی —— اس کے علاوہ

مجھے وہ ملکہ عطا فرمایا گیا جس کے ذریعہ میں یہ تمیز کر سکتا ہوں کہ دین کی اصل تعلیم جو فی الحقیقت رسول اللہ صلعم کی لائی ہوئی ہے وہ کیا ہے اور وہ کون کونسی باتیں ہیں جو بعد میں اس میں ٹھونسی گئی ہیں یا جو کسی بدعت پسند فرقہ کی تحریف کا نتیجہ ہیں۔ اگر میرے بدن کا رُواں رُواں زبان بن جائے اور ہر وقت حمدِ الٰہی میں مصروف رہے تو بھی حق تعالیٰ کی حمد کا جو حق مجھ پر ہے وہ ادا نہیں ہو سکتا۔ والحمد للہ رب العالمین۔" (الجزء اللطیف)

(۷) جب میرا دورۂ حکمت یعنی علم اسرار دین پورا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے خلعتِ مجدّدیت پہنائی۔ پس میں نے مسائل اختلافی میں جمع (و تطبیق) کو معلوم کر لیا۔ (تفہیمات)

یہ اور اس قسم کے بیسیوں اقوال آپ کی تصانیف میں ملتے ہیں خصوصاً "تفہیمات" میں یہ اشارات بکثرت ہیں، لیکن یہ تصریحات بطور تعلّی اور خود ستائی کے نہیں اور نہ فخر و غرور کی بنا پر ہیں بلکہ جیسا کہ بعض مقامات پر خود اشارہ کر دیا ہے بطور "تحدیثِ نعمت" اور تحمیدِ الٰہی کے ہیں، اور ان کے بیان کا خاص مقصد ہے۔ یہ دعوے ظاہر نظر میں اگرچہ بہت بلند بانگ اور حیران کن نظر آتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ کے غیر معمولی کارناموں اور شاندار علمی خدمات کو بنظرِ غائر دیکھا جائے تو گھٹنے ٹیک دینے پڑتے ہیں۔ اور ان کو تسلیم کئے بغیر چارہ نظر نہیں آتا۔

وفات آپ کی آخری عمر میں دھلی پر ایک متعصب شیعہ نجف علی خاں کا تسلط ہو گیا تھا۔ یہ مغل دربار کا آخری امیر تھا، اس نے بہت سے علماء کو دردناک سزائیں دیں۔ امیر شاہ خاں "امیر الروایات" میں بیان فرماتے ہیں کہ "اس نے شاہ ولی اللہ کے پہنچے اُتروا کر ہاتھ بیکار کر دیئے تھے تاکہ وہ کوئی کتاب یا مضمون تحریر نہ کر سکیں۔" جب آپ کی عمر اکسٹھ (۶۱) سال سے کچھ زائد ہوئی تو مرض الموت نے آلیا اور چند روز کی خفیف سی علالت کے بعد آسمانِ علم کا یہ آفتابِ جہاں تاب ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۳ء کو بوقت ظہر افق دہلی میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا اور اپنے پیچھے بیشمار کواکب و نجوم کو دمکتا چھوڑ گیا جو اس کی مستعار روشنی سے اب تک منوّر ہیں۔ مصرعۂ تاریخ وفات ع "او بود امام اعظم دیں"

اولاد شاہ صاحب نے اپنے پیچھے چار بیٹے یادگار چھوڑے۔ شاہ عبد العزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبد القادر اور شاہ عبد الغنی۔ پھر شاہ عبد العزیز اور شاہ عبد القادر کے تو کوئی اولاد نرینہ نہ ہوئی لیکن شاہ رفیع الدین کے چار بیٹے ہوئے محمد موسیٰ، محمد عیسیٰ، محمد مخصوص اللہ اور حسن جان، اور شاہ عبد الغنی کو اللہ تعالیٰ نے شاہ محمد اسمٰعیل جیسا ہونہار اور لائق فخر فرزند عطا فرمایا۔ ان میں سے ہر ایک آسمانِ علم و فضل کا روشن ستارہ اور درخشاں مہتاب تھا۔ نواب صدیق حسن خاں قنوجی اس خاندان کی تعریف "اتحاف النبلاء" میں کیا خوب فرماتے ہیں:

"ہر یکے از ایشاں بے نظیرِ وقت و فریدِ دہر و وحیدِ عصر در علم و عمل و عقل و فہم و قوتِ تقریر و فصاحتِ تحریر و تقویٰ و دیانت و امانت و مراتبِ ولایت بود، وہم چنیں اولادِ اولاد ایں سلسلہ از طلائے ناب است۔"

تلامذہ شاہ صاحب کی بیشتر عمر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزری، آپ کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا، ملک کے اطراف واکناف سے صدہا طالب علم آتے اور آپ سے مستفید ہوتے، حرمین شریفین سے بھی باذاق عالم آپ سے علم سیکھنے آتے، اس طرح آپ کے تلامذہ کی بسیط فہرست ملنا مشکل ہے لیکن چند ممتاز شاگردوں میں آپ کے چاروں صاحبزادوں کے علاوہ شاہ محمد عاشق پھلتی، شاہ نور اللہ بڑھانوی، جمال الدین شاہ محمد امین کشمیری اور شاہ ابوسعید کے نام آتے ہیں جو آپ کے خاص رفقار بھی رہے ہیں۔ اور اگر یہ کہا جلئے کہ عصرِ حاضر کے تمام علمائے ہند آپ ہی کے معنوی شاگرد ہیں تو کسی طرح بیجا نہ ہوگا۔

مسلک شاہ صاحب کا مسلک علماء کے درمیان عرصہ سے متنازعہ فیہ موضوع رہا ہے۔ بعض آپ کو حنفی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں بعض اہلحدیث، بعض حضرات مقلد بتاتے ہیں تو بعض غیر مقلد بیان کرتے ہیں۔ الغرض ہر گروہ آپ کو اپنے زمرہ اور فرقہ میں شمار کرنے کی سعی کرتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود آپ کو اس تفرق و تحزب سے سخت نفرت تھی اور آپ تمام عمر اسی لعنت کو مٹانے کی کوشش فرماتے رہے لیکن تعجب ہے کہ لوگوں نے آپ ہی کی شخصیت کو اس بحث کا موضوع قرار دے لیا۔

دراصل آپ کا طریقہ یہ تھا کہ کسی مسئلہ کو مقلدانہ نظر سے نہ دیکھتے بلکہ کتاب وسنّت پر پیش کرتے اور پھر فقہ حنفیہ کے علاوہ دیگر مذاہب میں بھی اس کی تحقیق کرتے، جب ہر طرح اُسے ٹھیک پاتے تو قبول فرما لیتے ورنہ متروک قرار دیتے گویا آپ ہر معاملہ پر ایک محقق کی حیثیت سے نظر ڈالتے تھے۔ کسی خاص مذہب کی جانب داری اور دیگر مذاہب سے عناد آپ کا طریقہ نہ تھا۔ جس مذہب کی کسی مسئلہ میں تائید فرماتے تو دلائل کی بناپر اور مخالفت بھی بر بنائے دلیل۔ اس تائید و مخالفت میں کوئی عصبیت اور جانبداری کار فرما نہ ہوتی۔ بہت سے مسائل ہیں جن میں آپ نے مسلک حنفی کی پیروی اختیار کی ہے، اور بعض امور ایسے ہیں جن میں دیگر مذاہب کو ترجیح دی ہے اور انہی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ بعض مقامات پر آپ نے دونوں مذاہب میں جمع کیا ہے لیکن جہاں یہ بات ناممکن نظر آئی وہاں جس کو اقرب الی السنۃ اور صحیح تر پایا اسے ہی اختیار کیا، اپنے مسلک کی توضیح کرتے ہوئے آپ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"میں مذاہب اربعہ مشہورہ میں بقدر امکان جمع کرتا ہوں اور صوم وصلوٰۃ وضو غسل و حج کے مسائل اس وضع پر واقع ہیں جسے تمام اہل مذاہب جانتے ہیں۔ جب جمع و تطبیق غیر ممکن ہو جاتی ہے تو میں اس مذہب پر عمل کرتا ہوں جو دلیل کی رو سے زیادہ قوی اور حدیث کی رو سے صحیح ہے۔ کیونکہ خدائے قدوس نے مجھے اس قدر علم عطا فرمایا ہے کہ میں ضعیف و قوی میں اچھی طرح فرق کرسکتا ہوں اور فتویٰ دیتے وقت مستفتی کے حال کی بخوبی رعایت کرسکتا ہوں۔ ہر مقلد مذہب کو اس کے مسلک کے مطابق جواب دیتا ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے مذاہب مشہورہ کی معرفت عنایت فرمائی ہے"

ایک اور جگہ وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فروعی مسائل میں ان علماء محدثین کا اتباع کرنا چاہئے جو فقہ وحدیث کے جامع ہوں۔ تفریعاتِ فقہیہ

کو ہمیشہ کتاب و سنت سے منطبق کرتے رہنا چاہیے۔ جو مسائلِ تفریعی کتاب و سنت کے موافق ہوں قبول کیے جائیں جو خلاف ہوں ان کو بالکل ترک کر دیا جائے۔ امت محمدی کے واسطے اجتہادی مسائل کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھنا نہایت ضروری ہے، کسی حال میں اس سے مفر نہیں۔ ایسے خشک دماغ فقہا کی بات کبھی نہ سننی چاہیے جو کسی ایک عالم کی تقلید کو اپنی دستاویز سمجھ لے اور سنتِ رسول کو ترک کر دے۔ اس قسم کے کوڑھ مغز فقہا کی طرف کبھی بھی التفات نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ خدا کی خوشنودی اور قرب ان لوگوں سے دُور رہنے میں ہے"۔

انفاس العارفین میں تحریر فرماتے ہیں: "مخفی نہ رہے کہ میں بیشتر امور میں مذہب حنفی کے مطابق عمل کرتا ہوں، لیکن بعض امور کو حدیث اور وجدان (حکمت و عقل) کے ذریعہ پرکھ کر دیگر مذاہب کے مطابق سرانجام دیتا ہوں۔ مثلاً قراءۃ فاتحہ خلف الامام اور قراءۃ فاتحہ در نماز جنازہ وغیرہ"

عادات و خصائل

شاہ صاحب نہایت سادہ طبیعت اور منکسر المزاج تھے۔ ہر شخص سے خواہ وہ کسی درجہ رتبہ یا مذہب کا ہو نہایت خندہ پیشانی سے ملتے۔ خلوت و جلوت میں کبھی کسی کی بُرائی بیان نہ کرتے اور دشمن کے حق میں بھی سوائے کلمۂ خیر کے کچھ نہ کہتے۔ مزاج میں نرمی اور نفاست تھی، لیکن ریا و نمود اور ظاہری نمائش و شان و شوکت سے پرہیز فرماتے تھے۔ بازار میں نکلتے تو ہمعصر پیروں اور مشائخ کے برخلاف بالکل معمولی حیثیت سے، مریدین کا کوئی بڑا کوئی ہجوم ساتھ نہ ہوتا۔ نہایت بلند ہمت، فراخ حوصلہ اور جفاکش تھے۔ بہادری اور شجاعت میں بھی کسی سے کم نہ تھے۔ مسجد فتحپوری کا واقعہ اور جہاد بالسیف کے متعلق آپ کا قول پہلے گزر چکا ہے اسی سے آپ کی دلیری اور مردانگی کا ثبوت ملتا ہے۔ مشکلات و مصائب کے مواقع پر نہایت صبر و سکون سے قائم رہتے اور پایۂ استقلال میں جنبش نہ آتی، اظہارِ حق کے سلسلہ میں آپ کو مختلف طریقہ سے ستانے کی کوشش کی گئی لیکن آپ نے نہایت مستقل مزاجی کا ثبوت دیا۔

آپ کے زمانہ میں شہر دہلی فتنوں اور خانہ جنگیوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ جب صورتِ حال بہت خراب ہوگئی تو دہلی کے شرفا نے ہندو رسم کے مطابق "جوہر" کا ارادہ کر لیا تاکہ عزت و ناموس بچا کر سب آگ میں جل مریں، لیکن شاہ صاحب کو جب ان کے اس ارادہ کا علم ہوا تو کربلا کے واقعات یاد دلا کر صبر و ضبط کی تلقین کی جس سے متاثر ہو کر وہ اس قبیح ارادہ سے باز رہے۔

شاہ صاحب معیشت کے لحاظ سے متوسط طبقۂ امرا سے تعلق رکھتے تھے۔ اکثر مسکینوں، ناداروں اور ضرورتمندوں کی امداد فرماتے تھے، طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی معیشت کا بھی خاص خیال رکھتے، اور بزرگوں کی مخلصانہ خدمت اور احباب کی مہمان نوازی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔ باوجود متمول ہونے کے نہایت سادہ زندگی بسر کرتے، اکثر اوقات آپ کے خوان پر سادہ روٹی اور بعض وقت معمولی سبزی ہوتی۔ شانِ بے نیازی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ نے کبھی شاہانِ وقت کی طرف چشم ارادت سے نہ دیکھا۔

الغرض اس علم وفضل کے ساتھ آپ محاسنِ اخلاق، طاعت وزہد اور ورع وتقویٰ میں سلف صالحین کی سی شان رکھتے تھے۔

طرزِ تحریر وتقریر اور خصوصیاتِ تصنیف

ایک مصنّف کی حیثیت سے شاہ صاحب کا درجہ نہایت بلند ہے۔ آپ نے مروجہ طرزِ نگارش کو جو محض نامانوس اور پُرشکوہ الفاظ کے طلسم اور فضول قافیہ پیمائی کے افسوں میں گھرا ہوا تھا وسعت بخشی اور اس قابل کردیا کہ وہ اِن لفظی گورکھ دھندوں اور بیجا ثقالت کی پابندیوں سے آزاد ہوکر حکیمانہ خیالات اور علمی مضامین کو بطریقِ احسن پیش کرسکے۔ زمانۂ ماضی میں سب سے پہلے ابن خلدون نے یہ خدمت انجام دی تھی پھر ابن خلدون کے بعد آپ ہی ایک ایسے مصنف ہیں جنہوں نے اس اسلوب کو زندہ کیا۔

باوجود عجمی اور ہندوستانی ہونے کے آپ نے عربی فصاحت وبلاغت کا بے نظیر نمونہ پیش کیا جس کی عظمت وکمال کا اعتراف اہلِ زبان نے بھی کیا ہے۔ مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی فرماتے ہیں "شاہ ولی اللہ صاحب پہلے ہندوستانی مصنف ہیں جن کی عربی تصانیف (خصوصاً حجۃ اللہ البالغہ) میں اہلِ زبان کی سی روانی وقدرت اور عرب کی سی عربیت ہے، اور وہ ان بے اعتدالیوں سے پاک ہیں جو عجمی علماء کی عربی تحریریں پائی جاتی ہیں۔"

اس کے علاوہ آپ ایک نئے اسلوب اور جداگانہ طرز کے بانی وموجد تھے، جو جامعیت، زورِ بیان، تحکم واعتماد اور فصاحت وبلاغت میں نبی صلعم کے طرزِ تکلم سے متشابہ ہے۔ جناب مولانا مناظر احسن گیلانی اسی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "عربی زبان میں انہوں نے جتنی کتابیں لکھی ہیں ان میں ایک خاص قسم کی انشاء کی جوان کا مخصوص اسلوب ہے پوری پابندی کی ہے ...... شاہ صاحب پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اپنی عبارتوں میں زیادہ تر "جوامع الکلم" النبی الخاتم" صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ گفتگو کی پیروی کی ہے۔ حتی الوسع وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مدعا کا اظہار انہی لغات اور انہی محاوروں سے کریں جو لسانِ نبوت اور زبان رسالت سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔"

آپ کی یہ کیفیت دراصل مراجعت حرمین کے بعد سے ہوگئی تھی، چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ "حجاز سے واپس آنے کے بعد والد ماجد کی نسبت باطنی اور علم وتقریر کی حالت کچھ اور ہی ہوگئی تھی، جو آپ کے پُرانے شاگرد تھے وہ آپ کی حالت حاضرہ کا حالتِ سابقہ سے مقابلہ کرتے تو ان کو اس کی نوعیت میں نمایاں فرق نظر آتا۔" یہ دراصل "ٹوٹے ہوئے قلم" والے خواب کی تعبیر تھی جو آپ نے حرمین میں دیکھا تھا۔ خواب یہ تھا کہ ایک مکان میں حضرت امام حسنؓ وحسینؓ تشریف لائے، حضرت حسنؓ کے ہاتھ میں ایک قلم ہے جس کی نوک ٹوٹی ہوئی ہے۔ وہ آپ نے شاہ صاحب کو یہ فرماتے ہوئے عطا کرنا چاہا کہ یہ قلم ہمارے جدامجد رسول اللہ صلعم کا ہے، لیکن یہ کہہ کر ہاتھ روک لیا اور فرمانے لگے ذرا ٹھہرو، حسینؓ اسے درست کردیں۔ حضرت حسینؓ نے وہ قلم لیا اور درست کرکے شاہ صاحب کو عنایت فرمایا۔ اس خواب کی نہایت واضح تعبیر یہی ہے کہ مسلمانوں کے تضعیفی زوال اور علمی انحطاط کے بعد یہ خدمت آپ کے سپرد کی جائے گی

کہ تحریر و تصنیف کی خرابیاں دُور فرما کر علم و ادب کو بامِ عروج تک پہنچائیں اور یہ کہ آپ کے اسلوبِ تحریر کو "جوامع الکلم" کی خصوصیات حاصل ہوں۔

علاوہ ازیں آپ کی تحریر میں تحقیق و علم اور فکر و نظر کے ساتھ ساتھ سوز و اخلاص اور دردمندی کے جوہر بھی پائے جاتے ہیں جس کے باعث وہ محض ایک تحقیقی تصنیف ہی نہیں رہتی بلکہ ایک دینی مصلح کا پیغام اور اخلاقی معلّم کا درس بن جاتی ہے۔ آپ نے اپنی اکثر کتب نہایت پُرفتن و پُرآشوب زمانہ میں تصنیف فرمائی ہیں لیکن آپ حالاتِ گرد و پیش سے متاثر ہو کر جذبات کی رَو میں نہیں بہہ جاتے اور نہ عام مصنفین کی طرح اپنی کتب میں زمانہ کا رونا روتے ہیں بلکہ نہایت توازن و اعتدال کے ساتھ قلم کو رواں رکھتے ہیں اور مرکزی نقطۂ خیال سے تجاوز نہیں فرماتے۔ آپ کی اسی خصوصیت کے متعلق علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں "شاہ صاحب کی تصنیفات کے ہزاروں صفحے پڑھ جائیے آپ کو یہ معلوم بھی نہ ہوگا کہ یہ بارھویں صدی ہجری کے پُرآشوب زمانہ کی پیداوار ہے، جب ہر چیز بے اطمینانی اور بدامنی کی نذر تھی، صرف یہ معلوم ہوگا کہ فضل و علم کا ایک دریا ہے جو کسی شور و غل کے بغیر سکون و آرام کے ساتھ بہہ رہا ہے، جو زمان و مکان کے خس و خاشاک کی گندگی سے پاک و صاف ہے"

آپ کی ایک بڑی خصوصیت سبقیت و اولیت ہے۔ آپ نے ایسے موضوعات پر قلم اُٹھایا جو اس سے قبل چھیڑے نہ گئے تھے اور بالکل نئے مضامین بیان کئے۔ چنانچہ اسلام کے نظری، فکری، شرعی، اخلاقی اور اقتصادی نظام کو ایک منظم و مرتب صورت میں پیش کرنے کی کوشش سب سے پہلے آپ ہی نے کی ہے، اس کے علاوہ احکامِ شرعی کے حکم و مصالح بیان کرنا اور پورے نظامِ شرعی کو بدلائل و براہین فطرت کے مطابق ثابت کرنا آپ ہی کا کارنامہ ہے۔ اور اس ضمن میں فلسفہ، تصوّف، علمِ کلام اور فقہ و حدیث کے بارے میں جو متنوع مضامین آگئے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔ فنِ اصولِ تفسیر پر جو کچھ آپ سے قبل لکھا گیا وہ برائے نام ہے۔ اس فن کے اصول و قواعد کو باضابطہ طور پر آپ ہی نے مدوّن کیا، اور قرآن کے طرزِ بیان، بلاغت اور اسکے مقاصد و مطالب، شانِ نزول، ناسخ و منسوخ اور آیات کی تطبیق وغیرہ بالکل نئے انداز پر بیان کی۔ خلافت اور اسلام کے نظامِ حکومت کی تشریح اور اختلافِ مذاہب پر محققانہ تبصرہ جس طرح آپ نے فرمایا ہے اس کی توفیق آپ سے پیشتر کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ قرآن مجید و حدیث کا فارسی ترجمہ بھی آپ کی اولیت کا ثبوت ہے۔

اس فضلِ تقدم اور شرفِ اولیت کے علاوہ آپ کی تصانیف میں شش جہتی بھی پائی جاتی ہے شاید ہی کوئی فن ہو گا جس پر آپ نے خامہ فرسائی نہ کی ہو اور جس موضوع پر قلم اٹھایا اس پر سیر حاصل اور تشفی بخش گفتگو کی۔ آپ کی تحریر میں ایجاز، وسعتِ نظر، سلامتِ فہم، سلاستِ بیان، قوتِ انشاء اور رفعتِ خیال و دقتِ نظر بدرجہ اتم موجود ہے۔ اسی طرح آپ کی تقریر بھی نہایت مؤثر اور دلآویز ہوتی تھی۔ دینی مجالس اور علمی محفلوں میں آپ کی خوش بیانی اور لذتِ تقریر سامعین پر محویت کا عالم طاری کر دیتی تھی۔ آپ کی فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی کے موافق و مخالف سب معترف تھے۔

شاہ صاحب اگرچہ فطری طور پر شاعر نہ تھے لیکن بعض اوقات جب قلبی واردات اور باطنی احساسات سے مضطرب ہوتے تو دلی تاثرات وجذبات کسی نہ کسی صورت سے کلامِ موزوں بن کر دل کی گہرائی سے نوک زبان پر آہی جاتے۔ عربی میں آپ کے نعتیہ قصائد اور فارسی میں کچھ غزلیں اور رباعیاں ملتی ہیں جو تمام تر آپ کے قلبی التہاب اور سوز وگداز کا عکس ہیں۔ فارسی میں آپ آمین تخلص فرماتے تھے۔

ایک غزل کا مطلع ہے ؎

دلے دارم زخود خالی حبابش میتوان گفتن ❊ درد کیفیتے جوشِ شرابش میتواں گفتن

ایک دوسری غزل کا شعر ہے ؎

جہاں وجاں فدائے وضع شوخِ شہر آشوبت ❊ قیامت می نمائی ودم عیسے فدیتم ام، اہم

ایک اور غزل کے دو شعر ملاحظہ ہوں ؎ بہ زلفِ پیچ در پیچ کسے گم کردہ ام خودرا ❊ خروشِ دردِ دل شبہا نمی کردم چہ می کردم

دلے پُر درد، جاں افگار، یار تند خو دارم ❊ جہاں را پُر ز یار بہا نمی کردم چہ می کردم

ایک رُباعی ملاحظہ ہو:-

درعشق تو از جملہ جہاں بگذشتم ❊ وز ہرچہ بجز یاد تو ازاں بگذشتم

مقصود من بندہ بجز وصل تو نیست ❊ اندر طلبت از دل وجاں بگذشتم

عربی کے نعتیہ قصیدہ "اطیب النغم" کا پہلا شعر ہے ؎

كأنّ نجوماً أومضت فى الغياهب ❊ عيون الأفاعى أو رؤس العقارب

"تاریکیوں میں جو ستارے چمک رہے، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ گویا ناگوں کی آنکھیں ہیں یا بچھوؤں کے سر ہیں"!

تصانیف

آپ کی تصانیف بے شمار ہیں۔ بعض مورخین دو سو سے زائد بیان کرتے ہیں۔ مصنف "حیاتِ ولی" نے ان کی تعداد اکیاون بتائی ہے لیکن آگے لکھا ہے کہ آپ کی تالیفات کے سلسلہ میں اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جو قدیم کتب خانوں میں موجود ہیں، مگر ہم نے صرف انہی کتابوں کا ذکر کیا ہے جو مطبوع ہو کر شرق سے غرب تک نہایت وقعت کے ساتھ مشہور ہو چکی ہیں"۔

یہی نہیں کہ آپ کی تصنیفات کثیر ہیں بلکہ آپ نے ہر فن پر قلم اٹھایا ہے اور اس میں سے نئے نکات اور نادر مضامین بیان کئے ہیں۔ قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت، فلسفہ، تصوف، سیاسیات، اقتصادیات وغیرہ تمام موضوعات پر اب بھی آپ کی بہت سی کتب ملتی ہیں۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ آپ نے یہ تمام کام جیسا کہ حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کُل ستائیس اٹھائیس برس سے بھی کم مدت میں انجام دیا ہے اور نہایت پُر آشوب اور پُر فتن زمانہ میں! آپ کی منزلتِ علمی اور کمالِ فن کا یہ ایک واضح ثبوت ہے۔ لیکن آپ کا اصل مقام ومرتبہ جو آپ کو اسلام کی علمی وتصنیفی تاریخ میں حاصل ہے اسی وقت معلوم ہوسکتا ہے جب آپ کی کتب کا بامعانِ نظر مطالعہ کیا جائے۔

آپ کی چند مشہور اور متداول تصنیفات حسبِ ذیل ہیں:-

۱- **فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن**:- یہ قرآن مجید کا فارسی ترجمہ ہے اور تاریخ اسلام میں سب سے

پہلا اور بہترین ترجمہ ہے۔ اتنی مدت گزر جانے کے باوجود اب تک اس کے مقابل کا کوئی ترجمہ نہیں ہوسکا۔ اس کی چند خصوصیات پر شاہ صاحب نے خود مقدمہ فتح الرحمن میں روشنی ڈالی ہے۔ ترجمہ کے ساتھ جابجا "فوائد" بھی ہیں جو نہایت مختصر ہیں لیکن جامعیت اور اشکال کی گرہ کشائی میں بےمثیل ہیں۔ یہ ترجمہ ہندوستان میں متعدد بار شائع ہوچکا ہے۔ حال ہی میں "اصح المطابع کراچی" نے شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے فارسی ترجمہ اور مختصر تفسیر عثمانی کے ساتھ شائع کیا ہے

۲۔ **الفوز الکبیر فی اصول التفسیر** فارسی زبان میں اصول تفسیر پر مختصر لیکن جامع رسالہ ہے۔ اس میں شاہ صاحب نے قرآن مجید کے علوم خمسہ، تاویل حروف مقطعات، رموز قصص انبیاء، اور اصول ناسخ ومنسوخ پر نہایت مفید اور بصیرت افروز مقالات لکھے ہیں اور بڑے بڑے پیچیدہ مسائل مختصر الفاظ میں حل کر دیئے ہیں۔ یہ رسالہ متعدد بار شائع ہوچکا ہے۔ اس کے اردو اور عربی میں تراجم بھی ہوچکے ہیں۔

۳۔ **فتح الخبیر بما لابد من حفظہ فی علم التفسیر** عربی زبان میں آیات قرآنی کی تمام ماثورہ تفاسیر کا جو آنحضرت صلعم اور صحابہ کرامؓ سے صحیح طریقہ پر منقول ہیں ایک نہایت مختصر اور جامع نمونہ ہے۔ اس میں شرح غریب القرآن اور اسباب نزول پر جابجا روشنی ڈالی گئی ہے۔ الفوز الکبیر کے ساتھ طبع ہوچکی ہے۔

۴۔ **تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء** انبیاء علیہم السلام کے مکذبین پر جو عذاب آئے اور رسولوں کے ذریعہ جن معجزات کا ظہور ہوا اس کتاب میں ان کو مطابق فطرت ثابت کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ مخفی اسباب مادیہ کے باعث ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ ان کا خارق عادت ہونا محض ہماری کوتاہ نظری کی بنا پر ہے اور خدا تعالی کا نظام کائنات ناقابل تغیر ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہے۔

۵۔ **المسوّٰی من الموطّا** عربی زبان میں موطا امام مالک کی شرح ہے۔ اس میں آپ نے احادیث کو اپنے مذاق کے موافق نئی ترتیب سے مدوّن کیا ہے اور شرح میں وہ اسلوب اختیار کیا ہے جو طالب علم کے لئے سہل اور دلنشین ہو۔ حدیث سے مستنبط مسائل اور امام مالک پر دیگر ائمہ کے مناسب تعقبات بھی نہایت لطیف اشاروں میں بیان کئے ہیں۔ یہ کتاب گویا آپ کے اختیار کردہ طریقۂ درس حدیث کا نمونہ ہے۔ ہندوستان میں المصفّٰی کے ساتھ طبع ہوچکی ہے، مکہ سے بھی شائع ہوئی ہے۔

۶۔ **المصفّٰی شرح موطّا** موطا امام مالک کی فارسی شرح ہے۔ اس میں آپ نے احادیث اور آثار کو الگ الگ کر دیا ہے اور اقوال مالک کو مناسب طریقہ سے بیان کیا ہے۔ ان کے آگے دیگر فقہاء کے اقوال نقل کئے ہیں اور احادیث پر مجتہدانہ طریق پر بحث کی ہے۔

۷۔ **شرح تراجم ابواب صحیح البخاری** اس رسالہ میں آپ نے امام بخاری کے قائم کردہ عنوانات ابواب کی تشریح اور توجیہہ اس طرح بیان کی ہے کہ ان کے ذیل میں دی ہوئی احادیث سے ابواب کی مناسبت صحیح طور پر سمجھ میں آجاتی ہے اور کوئی اغلاق باقی نہیں رہتا

یہ رسالہ عربی زبان میں ہے اور "دائرۃ المعارف حیدرآباد" سے شائع ہوچکا ہے۔ "اصح المطابع" نے بھی اسے صحیح بخاری کے ساتھ بطور مقدمہ شائع کیا ہے۔

۸۔ حجۃ اللہ البالغۃ: یہ کتاب بجاطور پر آپ کا تصنیفی شاہکار کہی جاسکتی ہے۔ جناب مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ: "شاہ صاحب کی یہ مایۂ ناز تصنیف آنحضرت صلعم کے ان معجزات میں سے ہے جو آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد آپ کے امتیوں کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے، اور جن سے اپنے وقت میں رسول اللہ صلعم کا اعجاز نمایاں اور اللہ کی حجت تمام ہوتی۔"

یہ کتاب دراصل اسی تعریف کے لائق ہے۔ اس میں آپ نے تعلیماتِ اسلام کو مطابقِ فطرت اور احکامِ دینی کو مبنی بر عدل ثابت کیا ہے۔ ہر حکمِ الٰہی اور امرِ شریعت کے اسرار و مصالح نہایت بلیغ اور مدلل انداز میں بیان کئے ہیں جس سے ایک طرف تو متشکک اور متردد حضرات کے شکوک و شبہات کا ازالہ ہوجاتا ہے اور دوسری جانب معترضین کے احکامِ اسلام پر معاندانہ اعتراضات کا منہ توڑ جواب مل جاتا ہے۔ شاہ صاحب کو یقین تھا کہ کچھ عرصہ بعد دورِ "عقلیت" شروع ہونے والا ہے جس میں احکامِ شریعت کے متعلق اوہام و شکوک کی گرم بازاری ہوگی۔ اسی خطرہ کا سدِ باب کرنے کے لئے آپ نے یہ بینظیر کتاب لکھی۔

اس کتاب میں آپ نے مابعد الطبیعی مسائل سے ابتدا کی ہے اور فلسفۂ اسلام کو ایک مرتب شکل میں پیش کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ قدرت کے قانونِ مکافات کو فلسفیانہ طرز پر بیان کیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ارتفاقات کے زیرِ عنوان اقتصادیات اور سیاسیات کے مسائل پر بحث کی ہے، پھر اخلاقیات کا موضوع لیا ہے اور انسانی سعادت پر بحث کی ہے، اس کے بعد نظامِ شریعت اس کے عقائد و ارکان پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کے اسرار و حکم بیان فرماتے ہیں اور معاصی و آثام پر تفصیلی بحث کی ہے۔ بعد ازاں تاریخِ مذاہب پر تبصرہ کیا ہے اور تشریع و قانون سازی کے بارے میں نہایت مفید نکات بیان کئے ہیں۔ آخر میں آپ نے حدیث سے استنباط کا صحیح طریقہ بتایا ہے اور فقہ سے متعلق بیش بہا معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ دوسرے حصے میں آپ نے فقہی طرز پر ابواب قائم کرکے شریعت کے جملہ احکام پر مفصل تبصرہ کیا ہے اور ہر حکم کی علت اس کی حکمت اور فوائد و مصالح بیان کئے ہیں جس سے پڑھنے والا ان احکام پر علیٰ وجہ البصیرت ایمان لے آتا ہے اور اسکے تمام شکوک و شبہات زائل ہوجاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جناب محمد منظور صاحب نعمانی کی اپنی سرگزشت ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں: "میں اپنی زندگی میں کسی بشر کی کتاب سے اتنا مستفید نہیں ہوا جس قدر کہ اس کتاب سے خدا نے مجھے فائدہ پہنچایا۔ میں نے اسلام کو ایک مکمل اور مرتبط الاجزاء نظامِ حیات کی حیثیت سے اس کتاب ہی سے جانا ہے، دینِ مقدس کی ایسی بہت سی باتیں جن کو پہلے میں صرف تقلیداً مانتا تھا اس جلیل القدر کتاب کے مطالعہ کے بعد الحمد للہ میں ان پر تحقیقاً اور علیٰ وجہ البصیرت یقین رکھتا ہوں۔"

نواب صدیق حسن خاں "اتحاف النبلاء" میں تحریر فرماتے ہیں:

"ایں کتاب اگرچہ در علم حدیث نیست، امّا شرح احادیث بسیار دراں کردہ، و حکم و اسرار آں بیان نمودہ "تا آنکہ در فن خود غیر مسبوق علیہ واقع شدہ، و مثل آن دریں دوازدہ صد سال ہجری ہیچ یکے از علمائے عرب و عجم تصنیفے موجود نیامدہ"

یہ کتاب ہند و مصر سے متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ اس کے اُردو تراجم بھی ہو چکے ہیں۔ ایک ترجمہ بعنوان "آیات اللہ الکاملہ" از جناب مولوی خلیل احمد صاحب اسرائیلی ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں لاہور سے بغیر متن طبع ہوا تھا۔ اسکے بعد لاہور ہی سے ایک اور ترجمہ از عبدالحق صاحب ہزاروی متن عربی کے ساتھ بعنوان "شموس اللہ البازغہ" شائع ہوا جو سر تا سر "آیات اللہ الکاملہ" کی نقل ہے، صرف شروع کے چند ابواب کا ترجمہ بدل دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ ایک دوسرا ترجمہ جناب محمد شبیر صاحب نے کیا اور کچھ تشریحی فوائد بھی شامل کئے لیکن یہ ترجمہ نامکمل ہے اور مبحث دوم پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ چھوٹے سائز پر بغیر متن کے شائع ہوا ہے۔ حال ہی میں لاہور سے مولانا عبدالرحیم صاحب کا ترجمہ بھی بغیر متن عربی شائع ہوا ہے۔ ان سب تراجم سے پہلے جناب ابو محمد عبدالحق حقانی دہلوی مؤلف تفسیر حقانی نے اس بینظیر کتاب کا ترجمہ عظیم آباد پٹنہ میں جناب مولوی سید محمد فضل الرحمٰن صاحب کے ایماء پر ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء میں کیا تھا۔ اور یہ مطبع رحمانی پٹنہ سے مولوی محمد صاحب کے زیرِ اہتمام ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں دو ضخیم جلدوں میں بغیر متن عربی کے شائع ہوا یہ ترجمہ "نعمۃ اللہ السابغہ" کے نام سے موسوم ہے۔ ایک غیر اہم اور غیر علمی مقام سے شائع ہونے کے باعث یہ زیادہ معروف نہ ہو سکا۔ اور علمی حلقوں سے حجاب میں رہا۔ حُسنِ اتفاق ہے اس کا ایک نسخہ پیر صاحب جھنڈا (سندھ) کے کتب خانہ عالیہ علمیہ میں موجود تھا۔ "اصح المطابع، کراچی" نے اس پر نظر ثانی کرا کر عربی متن کے ساتھ شائع کیا ہے۔

۹۔ البدور البازغہ اس دقیق کتاب میں فلسفہ اور تصوّف کے حقائق و معارف بیان کئے گئے ہیں اور بعض ابواب "حجۃ اللہ البالغہ" کے مضامین کا خلاصہ ہیں۔ عربی زبان میں ہے اور "مجلس علمی ڈابھیل" کے زیرِ اہتمام شائع ہو چکی ہے۔

۱۰۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء "حجۃ اللہ" کے بعد یہ آپ کی دوسری معرکۃ الآرا تصنیف ہے اس میں آپ نے خلفائے راشدین کی خلافت قرآن مجید، احادیث، تفسیر، تاریخ وغیرہ سے دلائل و براہین دے کر حق ثابت کی ہے اور شیعہ و سُنّی کے باہمی اختلافات کو نہایت عدل و انصاف سے حل کیا ہے جس سے جانبین کی غلط فہمیاں اور شدّت و تعصب دُور ہو جاتا ہے۔ اثباتِ خلافتِ راشدہ کے ساتھ ساتھ اس میں سیرت تاریخ اور سیاست و خلافت کے بارے میں دیگر بیش بہا نکات بھی بیان ہوئے ہیں مثلاً اسلام میں صحابہ کرام کا درجہ و مقام، ان کے حقوق و فضائل، خلافت خاصہ کی تعریف اسکے اوصاف اور نبی، خلیفہ، محدّث اور صدیق کی تعریف، حضرت عمر فاروق کے شاندار کارنامے اور قابلِ قدر خدماتِ دینی تاریخ اسلام کے مختلف ادوار اور ان پر ہر پہلو سے تبصرہ، اسلام کا تمدنی و عمرانی نظام اور اصول سیاست وغیرہ۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی فرماتے

ہیں کہ "اس موضوع پر پورے اسلامی لٹریچر میں ایسی کوئی کتاب موجود نہیں"۔ یہ فارسی زبان میں ہے اور "مطبع صدیقی بریلی" سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کا اول چہارم حصہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی نے اپنے ترجمہ کے ساتھ شائع کیا تھا، ایک ترجمہ بغیر متنِ فارسی لاہور سے بھی شائع ہوا تھا لیکن وہ کثیر الغلط تھے۔

۱۱- التفہیمات الالٰہیہ یہ کتاب بقول جناب محمد منظور صاحب نعمانی "ولی اللہی کشکول" ہے۔ اس میں زیادہ تر تصوف وسلوک سے متعلق مقالات ہیں، اور علومِ شریعت کے بارے میں بھی مضامین ملتے ہیں بعض مقامات پر اپنے دور میں پیدا شدہ خرابیوں اور لوگوں کے عیوب ونقائص کی نشاندہی کی ہے اور معاشرہ کے ہر طبقہ کو مخاطب کر کے اصلاح پر ابھارا ہے۔ کچھ باتیں ماوراء الطبیعی فلسفہ سے تعلق رکھتی ہیں بعض مقالات فارسی میں ہیں اور بعض عربی میں۔ پوری کتاب دو جلدوں میں ہے اور "مجلس علمی ڈابھیل" کے زیرِ اہتمام شائع ہو چکی ہے۔

۱۲- الخیر الکثیر تصوف اور "علمِ اسرار و حقائق" میں ایک اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔ یہ بھی "مجلس علمی" نے شائع کی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ اصل زبان عربی ہے۔

۱۳- فیوض الحرمین قیامِ حرمین کے دوران جو فیوض وبرکات بصورت خواب یا القا آپ کو حاصل ہوئے یہ ان ہی کا مجموعہ ہے۔ بعض جگہ پیشینگوئیاں بھی ہیں۔ اصل کتاب عربی میں ہے اور اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

۱۴- الانصاف فی بیان سبب الاختلاف اس رسالہ میں احکامِ شرعیہ کے متعلق صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کے باہمی اختلافات کے اسباب اور اس کی تاریخ بیان کی ہے اور ہر گروہ کی افراط وتفریط پر تنقید کی ہے۔ بیحد مفید رسالہ ہے، اردو ترجمہ کے ساتھ متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔ مصر میں بھی شائع ہوا ہے۔

۱۵- عقد الجید فی بیان احکام الاجتہاد والتقلید اس عربی رسالہ میں آپ نے اجتہاد اور تقلید کے مسئلہ پر نہایت محققانہ اور منصفانہ بحث کی ہے، اردو ترجمہ کیساتھ شائع ہو چکا ہے۔

۱۶- البلاغ المبین بعض نے اس کو "تحفۃ الموحدین" لکھا ہے۔ یہ ردِّ شرک وبدعت اور دعوتِ توحیدِ خالص میں فارسی زبان میں ایک مختصر لیکن جامع رسالہ ہے شاہ اسمٰعیل شہید کی "تقویۃ الایمان"، گویا اسی کی شرح ہے۔ اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

۱۷- قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین تفضیلِ شیخین کے متعلق فارسی زبان میں نہایت عمدہ کتاب ہے۔ طبع ہو چکی ہے۔

۱۸- انسان العین فی مشائخ الحرمین شاہ صاحب نے دورانِ قیام حرمین میں جن شیوخ واساتذہ سے اکتسابِ فیض کیا اس رسالہ میں انہی کے حالات ہیں۔

۱۹- الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین اس رسالہ میں ان بشارتوں کا بیان ہے جو آپ کو اور آپکے نسبی یا روحانی بزرگوں کو نبی صلعم سے ہوئیں۔ عربی زبان میں ہے۔

۲۰- انفاس العارفین شاہ صاحب نے اس رسالہ میں اپنے بزرگوں کے حالات درج کئے ہیں۔ فارسی زبان میں ہے۔

۲۱- القول الجمیل تصوف، وظائف واذکار اور طریقت کے چاروں سلاسل کے بیان میں مختصر سی کتاب ہے، عربی میں ہے اور ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

۲۲- الطاف القدس اس رسالہ میں شاہ صاحب نے تصوف کا وہ طریقہ لکھا ہے جو آپ کے خیال میں انسب اور

زمانہ حاضر میں قابلِ عمل ہے۔ اس کا مضمون عام فہم نہیں، زبان فارسی ہے۔

۲۳۔ **ہمعات** | یہ بھی تصوف سے متعلق رسالہ ہے اور مضمون "الطاف القدس" سے مشابہ ہے۔ دونوں رسالے شائع ہو چکے ہیں۔

۲۴۔ **سرور المحزون فی ترجمۂ نور العیون** | ابن سید الناس نے سیرت نبوی پر ایک ضخیم کتاب "عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر" تالیف کی، اور پھر اس کا ایک جامع خلاصہ لکھا اور "نور العیون فی تلخیص سیر الامین والمامون" کے نام سے موسوم کیا۔ شاہ صاحب نے بعض دوستوں اور بزرگوں کے اصرار پر اس خلاصہ کا فارسی میں "سرور المحزون" کے نام سے ترجمہ کیا۔ کافی عرصہ ہوا یہ کانپور سے شائع ہوا تھا۔ حیدر آباد (دکن) سے اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

۲۵۔ **مکتوبات مع مناقب امام بخاری وابن تیمیہ** | آپ کے چند اہم مکاتیب اور امام بخاری وابن تیمیہ کے حالات پر دو مختصر رسائل کا مجموعہ ہے۔ مع اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

۲۶۔ **مکتوب المعارف مع مکاتیب ثلثہ** | ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں آپ کے بعض خاص مکاتیب شامل ہیں۔

۲۷۔ **الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف** | ایک مختصر سا فارسی رسالہ ہے جس میں آپ نے اپنی آپ بیتی درج فرمائی ہے۔ اس کے اُردو و عربی تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں۔

۲۸۔ **المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ** | فارسی زبان میں ایک مختصر سا وصیت نامہ ہے جس میں آپ نے اپنی اولاد، دوستوں، عقیدتمندوں اور شاگردوں کو آٹھ نصیحتیں فرمائی ہیں اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

۲۹۔ **چہل حدیث** | اس رسالہ میں آپ نے وہ احادیث جمع کر دی ہیں جو اسلام کے بنیادی اصول سے متعلق ہیں مع ترجمہ متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔

۳۰۔ **الطیب النغم** | عربی میں آپ کے سوز و گداز سے معمور نعتیہ قصائد کا مجموعہ ہے۔

ان کے علاوہ دیگر رسائل وکتب کے نام حسب ذیل ہیں، ان میں سے کچھ تو طبع ہو چکی ہے لیکن بعض کے محض نام ہی نام تذکروں میں ملتے ہیں:

الزہراوین[31]، شفاء القلوب[32]، الہوامع[33] شرح حزب البحر، لمعات[34]، سطعات[35]، المسلسلات[36]، الذکر المیمون[37]، السر المکتوم[38]، اعراب القرآن[39]، الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین[40]، العقیدۃ الحسنۃ[41]، المقدمۃ السنیہ[42] فی انتصار الفرقۃ السنیہ، شرح رباعیتین[43]، العطیۃ الصمدیہ[44]، فتح الودود[45] فی معرفۃ الجنود، الارشاد[46] الی مہمات الاسناد، رسالہ اوائل[47]، تراجم البخاری ("شرح تراجم ابواب البخاری" کے علاوہ یک ورقہ رسالہ ہے)، مایجب[48] حفظہ للناظر (یہ چار مختصر رسالے فن حدیث سے متعلق ہیں اور "مجموعہ رسائل اربعہ" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں)، آثر الاجداد[50]، رسالہ دانشمندی[51]، الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، رسائل تفہیمات[53]، النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخر۔

آپ کی بیشتر کتب امتداد زمانہ کے باعث ضائع ہو چکی ہیں اور ان کے نام تک نہیں معلوم۔ بہت سی ایسی تصانیف ہیں جو اگرچہ معدوم تو نہیں ہوئیں لیکن اب تک لائبریریوں کی زینت ہیں اور طباعت سے محروم۔ بعض مطبوعہ کتب بھی کمیاب بلکہ نایاب ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

سب طرح کی حمد وثنا اس خدا کے لئے ہے، جس نے انسان کی فطرت میں اسلام اور ہدایت رکھی، اور ان کے لئے ملّتِ حق وآسان وواضح کو جبلّی کیا، پھر از خود وہ جہل اور بُرائی میں پڑ گئے، لیکن اُن پر خدا نے بڑا رحم کیا کہ ان کے لئے انبیاء، ظلمت سے نور کی طرف لانے اور تنگی سے میدانِ فراخی میں پہنچانے کے واسطے بھیجے، اپنی اطاعت کا ان کی اطاعت پر مدار ٹھہرایا، اس بزرگی اور مرتبہ کا کیا ٹھکانا، پھر اس نے (یہ عنایت کی کہ) انبیاء کے بعض متّبعین کو ان کے علوم حاصل کرنے اور اسرارِ شریعت پر مطلع ہونے کی توفیق دی، یہاں تک کہ اس کے فضل وکرم سے بہت سے لوگوں نے ان کے اسرار و انوار کو جمع کر لیا اور اُنھوں نے اتنا بڑا درجہ حاصل کر لیا کہ ان میں سے ایک ایک شخص ہزار عابد سے (فضیلت میں) زائد ہو گیا اور عالمِ ملکوت میں وہ بڑے مرتبہ والے کہلائے جانے لگے اور کُل مخلوقِ خدا یہاں تک کہ دریا کی مچھلیاں بھی ان کے لئے دعا گو ہوئیں۔ خدائے پاک ان پر اور ان کے متّبعین پر ہمیشہ رحم فرماتا رہے بالخصوص ہمارے سردار جناب محمد کو (جنھیں کُھلے کُھلے معجزات عطا ہوئے ہیں) افضل صلوات اور اکرم تحیات کے ساتھ خاص فرمائے اور ان کی آل واصحاب پر اپنی رحمت کا مینھ برسائے اور انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس کے بعد فقیر الی رحمۃ اللہ الکریم احمد المشہور بہ ولی اللہ بن عبد الرحیم یہ کہتا ہے کہ تمام علومِ یقینیہ اور فنونِ دینیہ سے عمدہ اور اُن کا سَر علمِ حدیث ہے جس میں جناب افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین کے

دیباجه

الحمد لله الذي فطر الانام على ملة الاسلام والاهتداء وجبلهم على الملة الحنفية السمحة السهلة البيضاء ثم انهم غشيهم الجهل ووقعوا اسفل السافلين وادركهم الشقاء فرحمهم ولطف بهم وبعث اليهم الانبياء ليخرجهم من الظلمات الى النور ومن المضيق الى الفضاء وجعل طاعته منوطة بطاعتهم فيا للفخر والعلاء ثم وفق من اتباعهم لتحمل علومهم وفهم اسرار شرائعهم من شاء۔ فاصبحوا بنعمة الله حائزين لاسرارهم فائزين بانوارهم وناهيك به من علياء وفضل الرجل منهم على الف عابد وسموا في الملكوت عظماء وصاروا بحيث يدعو لهم خلق الله حتى الحيتان في جوف الماء فصل اللهم وسلم عليهم وعلى ورثتهم ما دامت الارض والسماء وخص من بينهم سيدنا محمد المؤيد بالآيات الواضحة الغراء بافضل الصلوات و اكرم التحيات و اصفى الاصطفاء وامطر على آله و اصحابه شآبيب رضوانك وجازهم احسن الجزاء۔

اما بعد۔ فيقول العبد الفقير الى رحمة الله الكريم احمد المدعو بولي الله بن عبد الرحيم عاملهما الله تعالى بفضله العظيم وجعل مآلهما النعيم المقيم: ان عمدة العلوم اليقينية وراسها ومبنى الفنون الدينية واساسها هو علم الحديث الذي يذكر فيه ما صدر من افضل المرسلين صلى الله عليه وعلى آله واصحابه

قول وفعل اور تقریر کا بیان ہوتا ہے، تو اس طرح وہ اقوال وافعال ظلمت کے چراغ اور ہدایت کے راستوں کے عمدہ مینار ہیں اور گویا ماہتاب جہاں تاب ہیں۔ پس جس نے ان کو یاد کر کے ان پر عمل کیا تو اس نے ہدایت اور مراد پائی اور جس نے اُن سے اعراض کیا اس نے اپنی عمر اکارت گنوائی، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امر ونہی اور بُری بھلی بات سب کچھ ظاہر کر کے بیان فرمائی، وعظ ونصیحت، اور مثالیں دے کر بھی سمجھایا اس لئے وہ احادیث (شمار میں) قرآن کے برابر یا اس سے بھی زائد ہیں۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ اس علم کے چند مختلف طبقات اور اہلِ علم کے باہم متفاوت درجات ہیں اور اس علم کا مغز و پوست اور صدف و دُر بھی ہے۔ اسکے اکثر فنون کو علما نے اپنی کتابوں میں نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے جن سے بڑے بڑے دقیق مضامین اور مشکل مسائل کے مطالب بآسانی اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ اس علم کا پوستِ ظاہری وہ علم ہے جسمیں حدیث کی صحت و ضعف و استفاضہ و غرابت کا ذکر ہوتا ہے، اس فن میں بھی علمائے محدثین اور حفاظِ متقدمین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اسکے بعد وہ فن ہے جسمیں احادیثِ غریبہ و مشکلہ کے معانی بیان کئے جاتے ہیں، اسمیں بھی علمائے فنونِ ادبیہ و ماہرانِ علوم عربیہ نے خوب عرق ریزی کی ہے۔ پھر اس کے بعد وہ فن ہے جسمیں معانی شرعیہ اور استنباطِ فرعیہ مسائل قیاسیہ جو کہ منصوص فی العبارۃ سے حاصل ہوتے ہیں بحث کیجاتی ہے۔ نیز اس فن میں ایماء و اشارہ سے استدلال کا طریقہ اور منسوخ و محکم اور مرجوح و مُبرم کی پہچان بیان کیجاتی ہے، اور یہ فن علم علماء کے نزدیک تمام فنونِ حدیث کا لبِ لباب اور گوہر ہے، اس میں بھی فقہائے محققین نے بڑی جانفشانی کی ہے۔

یہ سب کچھ سہی مگر میرے نزدیک تمام فنونِ حدیث میں سب سے زیادہ دقیق اور سب کی جڑ و اصل اور سب سے بلند و برتر اور تمام علوم شرعیہ سے بہتر اور منزلت میں اعلیٰ و افضل اور قدر و قیمت میں سب سے بڑھکر علم اسرارِ دین ہے جسمیں احکام کی حکمت اور انکی لِم اور خواص اعمال کے اسرار و نکات بیان ہوتے ہیں۔ بخدا یہ وہ علم ہے کہ جسکو خدا نصیب کرے وہ فرض عبادات سے فراغ کے بعد اپنے تمام عزیز اوقات اسی میں صرف کرے اور اسکو اپنا توشۂ آخرت بنالے، کیونکہ اس علم کی

من قول او فعل او تقریر فهی مصابیح الدجی ومعالم الهدی وبمنزلة البدر المنیر من انقاد لها ووعی فقد رشد واهتدی واوتی الخیر الکثیر ومن اعرض وتولی فقد غوی وهوی ومازاد نفسه الا التخسیر۔ فانه صلی الله علیه وسلم نهی وامر وانذر وبشر وضرب الامثال وذکر وانها لمثل القرآن او اکثر وان هذا العلم له طبقات ولاصحابه فیما بینهم درجات وله تشور داخلها لب واصداف وسطها در۔ وقد صنف العلماء رحمهم الله فی اکثر الابواب ما تقتنص به الاوابد وتذلل به الصعاب وان اقرب القشور الی الظاهر فن معرفة الاحادیث صحة وضعفا واستفاضة وغرابة وتصدی له جهابذة المحدثین والحفاظ من المتقدمین ثم یتلوه فن معانی غریبها وضبط مشکلها وتصدی له ائمة الفنون الادبیة والمتقنون من علماء العربیة ثم یتلوه فن معانیه الشرعیة واستنباط الاحکام الفرعیة والقیاس علی الحکم المنصوص فی العبارة والاستدلال بالایماء والاشارة ومعرفة المنسوخ والمحکم والمرجوح والمبرم وهذا بمنزلة اللب والدر عند عامة العلماء وتصدی له المحققون من الفقهاء۔

هذا وان ادق الفنون الحدیثیة باسرها عندی واعمقها محتدا وارفعها منارا واولی العلوم الشرعیة عن آخرها فیما اری واعلاها منزلة واعظمها مقدارا هو علم اسرار الدین الباحث عن حکم الاحکام ولمیاتها واسرار خواص الاعمال ونکاتها فهو والله احق العلوم بان یصرف فیه من اطاقه نفائس الاوقات ویتخذه عدة لمعاده بعد

بدولت آدمی شریعت کے حقائق پر مطلع ہو جاتا ہے اور اسکو ان اخبارِ شریعت سے وہ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے جو صاحبِ عروض کو اشعار سے منطقی کو براہینِ حکما سے، نحوی کو کلام فصحا سے اور اصولی کو تفریعاتِ فقہا سے ہوتی ہے۔ اسی علم کی وجہ سے انسان حاطب لیل اور غائص سیل ہونیسے محفوظ رہتا ہے اور اسکا ماہر رتوندی والی (چندی)، اونٹنی کی طرح ٹیڑھا ٹیڑھا نہیں چلتا اور اندھے گھوڑے کو سواری بناتا ہے جسطرح کوئی شخص اپنے طبیب سے سیب کھانے کو سنے لیکن احمق حنظل (اندرائن) کو مشابہت ظاہری سے اس پر قیاس کر کے کھا جائے اور اسی علم کے طفیل مؤمن کو خدا کی طرف سے بصیرت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ بمنزلہ اس شخص کے ہو جاتا ہے جس کو کوئی طبیبِ حاذق سنکھیا کھانے سے منع کرے کہ وہ قاتل ہے تو وہ شخص اسکی تصدیق کرے اور پھر اپنے قرائن سے یہ دیکھے کہ درحقیقت سنکھیا کی حرارت اور خشکی ایسی غایت درجہ کی ہوتی ہے کہ مزاجِ انسانی کو فاسد کر دیتی ہے تب اس شخص کو اس حکیم کے قول پر دیکھو کسقدر زیادہ یقین ہو جائیگا اور اس علم کے کو احادیثِ نبوی نے اصول و فروع بیان کر دیئے ہیں اور آثارِ صحابہ و تابعین نے اسکا اجمال اور تفصیل سب واضح کر دی ہے، اور مجتہدین ہر بابِ شرعی میں مصالحِ مرعیہ (ملحوظہ) بیان کرتے چلے آئے ہیں اور انہی کے متبع محققین نے نکاتِ جلیلہ اور دقیق رموزاتِ جمیلہ بھی بیان کئے ہیں، اسی وجہ سے اب اس علم میں کچھ قیل و قال کرنا اجماعِ امت کے خلاف یا کوئی نئی بات نہیں سمجھا گیا لیکن بہت ہی کم لوگ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اس فن میں کوئی کتاب تصنیف کی ہو یا اس کی اساس و بنیاد پر غور و خوض کیا ہو یا اس کے اصول و قواعد مقرر کئے ہوں یا ایسا کام کیا ہو جو اس علم میں کما حقہٗ کافی اور وافی ہو، جس سے پڑھنے والا اچھی طرح مستفیض ہو سکے اور تشنگانِ علم کی سیرابی ہو۔ مثل مشہور ہے "جب تم شیر کی سواری کرو گے تو تیرا ردیف اور ہمرکاب کون بنے گا"۔ یہ ہو بھی کیونکر سکتا ہے جبکہ یہ وہ فن ہے کہ اس پر وہی مطلع ہو سکتا ہے جس کو تمام علومِ شرعیہ اور تمام فنونِ الٰہیہ سے مکمل آگاہی ہو۔ اور اس علم کو وہی چھان سکتا ہے جس کا سینہ خدا نے علمِ لدنی کے لئے کھولدیا ہو اور اس کا دل اسرار وہبی سے بھر دیا ہو اور ساتھ ہی ساتھ

ملہ رات کو لکڑیاں جمع کرنیوالے کو حاطبِ لیل کہتے ہیں وہ رات کی تاریکی کی وجہ سے خشک اور گیلی لکڑیوں میں فرق نہیں کرتا اور اسی طرح غائصِ سیل یعنے پانی میں غوطہ مارنے والا کچھ نہیں دیکھ سکتا تو ایسا ہی وہ شخص ہوتا ہے جو اس علم سے بے بہرہ ہو۔

ما فرض علیه من الطاعات اذ به یصیر الانسان علی بصیرة فیما جاء به الشرع و تکون نسبته بتلك الاخبار کنسبة صاحب العروض بدواوین الاشعار او صاحب المنطق ببراهین الحکماء او صاحب النحو بکلام العرب العرباء او صاحب اصول الفقه بتفاریع الفقهاء وبه یامن من ان یکون کحاطب لیل او کغائص سیل او یخبط خبط عشواء او یرکب متن عمیاء کمثل رجل سمع الطبیب یأمر باکل التفاح فقاس الحنظلة علیه لمشاکلة الاشباح وبه یصیر مؤمنا علی بینة من ربه بمنزلة رجل اخبره صادق ان السم قاتل فصدقه فیما اخبره وبین ثم عرف بالقرائن ان حرارته ویبوسته مفرطتان وانهما تباینان مزاج الانسان فازداد یقینا الی ما ایقن وهو وان اثبت احادیث النبی صلی الله علیه وسلم فروعه واصوله وبین آثار الصحابة والتابعین اجماله وتفصیله وانتهی امعان المجتهدین الی تبیین المصالح المرعیة فی کل باب من الابواب الشرعیة وابرز المحققون من اتباعهم نکتا جلیلة واظهر المدققون من اشیاعهم جملا جزیلة وخرج بحمد الله من ان یکون التکلم فیه خرقا للاجماع الامة او اقتحاما فی عمه وغمة لکن قل من صنف فیه او خاض فی تاسیس مبانیه اورتب منه الاصول والفروع او اتی بما یسمن او یغنی من جوع وحق له ذلك ومن المثل السائر فی الوری ومن الردیف وقد رکبت غضنفرا، کیف ولاتتبین اسراره الا لمن تمکن فی العلوم الشرعیة باسرها واستبد فی الفنون الالهیة عن آخرها لا یصفو مشربه الا لمن شرح الله صدره لعلم لدنی وملأ قلبه بسر وهبی وکان مع

اس کی طبیعت میں تیزی اور ذہن میں روانی ہو، تحریر و تقریر میں حاذق اور توجیہ و تزئین کلام میں فائق ہو، یہ بھی جانتا ہو کہ اصول مقرر کرکے اُن پر فروع کی بنیاد کس طرح قائم کرتے ہیں اور قواعد مقرر کرکے ان پر عقلی و نقلی دلائل و شواہد کس طرح لاتے ہیں۔ مجھ پر خدا کا بڑا احسان ہے کہ اُس نے اس فن میں سے مجھ کو بھی ایک حصّہ عطا کیا ہے اور یُوں تو مجھے ہمیشہ اپنی تقصیر کا اقرار و اعتراف رہا ہے "اور اپنے نفس کو میں پاک نہیں کہتا کیونکہ نفس کو تو بُری باتوں پر اصرار ہوتا ہی ہے"۔

میں ایک دن عصر کی نماز کے بعد مراقبہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ یکایک نبی صلعم کی روح مبارک مجھ کو نظر آئی اور ایک کپڑا سا مجھ پر ڈال دیا گیا اور اسی وقت میرے دل میں اس کے یہ معنے معلوم ہوئے کہ یہ دین کو ایک خاص طرز سے بیان کرنے کی طرف اشارہ ہے اور اسی وقت سے میرے دل میں ایک ایسا نور معلوم ہوا جو کہ ہر وقت ترقی پذیر تھا۔ پھر کچھ عرصہ بعد مجھ کو یہ الہام ہوا کہ اس عظیم الشان کام کے لئے کسی نہ کسی دن آمادہ ہونا میری قسمت میں لکھ دیا گیا ہے اور اس وقت ایسا معلوم ہوا جیسے تمام زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھی ہے اور گویا میں غروب کے وقت روشنی نے اپنی شعاعیں زمین پر پھینکی ہیں اور وقت آگیا ہے کہ شریعتِ مصطفویہؐ دلائل و براہین کے مکمل لباس میں ملبوس کرکے میدان میں لائی جائے پھر اس کے بعد خواب میں میں نے حضرت حسنؓ و حسینؓ کو مکہ میں اس طرح دیکھا کہ انھوں نے مجھ کو ایک قلم عطا فرمایا اور کہا کہ یہ ہمارے نانا رسول اللہ صلعم کا قلم ہے۔ مدّت سے میرے دل میں یہ خیال گزرتا تھا کہ اس فن میں ایک ایسی کتاب تصنیف کروں جس کا فائدہ مبتدی و منتہی اور حاضر و غائب کو یکساں پہنچے اور اہلِ مجلس بھی فیض پائیں۔ لیکن میں ان باتوں پر نظر کرکے متردد ہو جاتا اور اپنے ارادہ سے رُک جاتا تھا کہ میرے آس پاس کوئی ایسا معتبر عالم نہ تھا جس سے بوقتِ ضرورت میں اپنے شبہات کو حل کر سکوں اور نہ خود مجھ کو اِس قدر علم تھا،

ذلك وقاد الطبيعة سيال القريحة حاذقا في التقرير والتحرير بارعا في التوجيه والتحبير قد عرف كيف يؤصل الاصول و يبنى عليها الفروع وكيف يمهد القواعد ويأتي لها بشواهد المعقول والمسموع وان من اعظم نعم الله على ان آتاني منه حظا وجعل لي منه نصيبا وما انفك اعترف بتقصيري وابوء وما ابرئ نفسي ان النفس لامارة بالسوء وبينا انا جالس ذات يوم بعد صلوة العصر متوجها الى الله اذ ظهرت روح النبي صلى الله عليه وسلم وغشيتني من فوقي بشيء خيل الى انه ثوب القى على ونفث في روعي في تلك الحالة انه اشارة الى نوع بيان للدين ووجدت عند ذلك في صدري نورا لم يزل ينفسح كل حين، ثم الهمني ربي بعد زمان ان مما كتب على بالقلم العلى ان انتهض يوما ما لهذا الامر الجلي وانه اشرقت الارض بنور ربها وانعكست الاضواء عند مغربها وان الشريعة المصطفوية اشرقت في هذا الزمان على ان تبرز في قمص سابغة من البرهان ثم رأيت الامامين الحسن والحسين في منام رضي الله عنهما وانا يومئذ بمكة كانهما اعطياني قلما وقالا هذا قلم جدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ولطالما احدثت نفسي ان ادون فيه رسالة تكون تبصرة للمبتدى وتذكرة للمنتهي يستوى فيه الحاضر والباد ويتعاوره المجالس والنادى ثم يعوقني اني لا اجد عندي ولدي ولا ارى من خلفي وبين يدي من ارجعه في المشتبهات من العلماء المتصفين الثقات ويثبطني قصور باعي في العلوم المنقولة مما كان عليه القرون المقبولة ويشغلني

اور زمانہ کا جہل و تعصب اور ہر شخص کا اپنی رائے ناقص پر اترانا تو مجھ کو اور بھی پست ہمت کئے دیتا تھا، اس کے علاوہ ہمعصری منافرت کی جڑ ہوتی ہے اور مصنف ملامت کے تیروں کا شکار بنایا ہی جاتا ہے۔ الغرض میں اسی کشش و پنج میں تھا کہ میرے معظم بھائی اور پیارے دوست محمد کو جو عاشق کے نام سے مشہور ہیں اس علم کی فضیلت معلوم ہوئی۔ اور ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ بغیر اس علم کے سعادت پوری پوری نصیب نہیں ہوتی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ علم بغیر مجاہدۂ شکوک و شبہات اور بلا مشقتِ اختلاف و مناقضات کے حاصل نہیں ہو سکتا، اور ایسے شخص کی مدد لئے بغیر جس نے سب سے پہلے اس علم کا دروازہ کھولا ہو اور ہر طرح کی مشکلاتِ فن اس کے آگے دست بستہ کھڑی ہوں اس فن میں کچھ غور و خوض بھی نہیں ہو سکتا۔ پھر تو وہ اس کی تلاش میں ہر اس شہر میں جس میں کہ جا سکتے تھے گھومتے پھرے اور جس سے بھی کچھ مطلب حاصل ہوتا دیکھا اس سے گفتگو کی اور ہر ایک کھوٹے کھرے کو پرکھتے پھرے لیکن کہیں ان کا مطلب حل نہ ہوا اور کوئی ایسا نہ ملا جو انہیں اس بارے میں کوئی مفید معلومات بہم پہنچا سکے۔ پھر جب انھوں نے یہ دیکھا تو مجھ سے التجا کر کے چمٹ گئے، میں جب بھی اُن سے کچھ عذر کرتا تو وہ مجھ کو حدیثِ لجام[1] یاد دلاتے یہاں تک کہ انھوں نے میرا کوئی عذر نہ مانا اور مجھ کو ہر طرف سے گھیر کر مجبور کر دیا تب تو میں نے یہ جان لیا کہ جس کا مجھ کو الہام ہوا تھا یہ وہی آئندہ پیش آنے والی صورت ہے اور یہ گویا مرشدِ غیبی ہے۔ پس میں نے جناب باری کی طرف توجہ کی اور اس سے استخارہ کیا اور اعانت طلب کی اور اپنی قدرت و طاقت کو بالکلیہ ہٹا دیا اور ایسا ہو گیا جیسے مُردہ غسال کے ہاتھوں میں بے اختیار ہوتا ہے اور پھر جس کی انھوں نے مجھ سے التجا کی تھی اس کو شروع کیا اور خدا تعالےٰ سے نہایت عاجزی کیساتھ یہ عرض کی کہ میرے دل کو لغو باتوں سے پھیر دے

انی فی زمان الجهل والعصبية واتباع الهوى واعجاب كل امرئ بآرائه الزهدية وان المعاصرة اصل المنافرة وان من صنف قد استهدف فبينا انا فى ذلك اقدم رجلا واؤخر اخرى واجرى شوطا ثم ارجع قهقرى اذ تفطن اجل اخوانى لدى واكرم خلانى على محمد المعروف بالعاشق لا زال محفوظا من كل طارق و غاسق بمنزلة هذا العلم وفضائله والهموا ان السعادة لا تتم الا بتتبع دقائقه وجلائله وعرف انه لا يتيسر له الوصول اليه الا بعد مجاهدة الشكوك والشبهات ومكابدة الاختلاف والمناقضات ولا يستتب له الخوض الا بسعى رجل يكون اول من قرع الباب وكلما داعا لبابه الا وابد الصعاب فطاف ماقدر عليه من البلاد وبحث من توسم فيه الخير من العباد وتفحص سينهم وشينهم وسبر غثهم وسمينهم فلم يجد من يتكلم منه بنافعة او ياتى منه بجذوة ساطعة فلما رأى ذلك الح على. وزأنى ولببنى وامسكنى و صار كلما اعتذرت ذكر فى حديث الالجام فالجمنى اشد الالجام حتى اعيت بى المذاهب وسالت بمعاذيرى المثاعب وايقنت انها احدى الكبر وانها لما كنت الهمت صورة من الصور وانه قد سبق على الكتاب وانه امر قد توجه من كل باب فتوجهت الى الله واستخرته ورغبت اليه واستعنته وخرجت من الحول والقوة بالكلية وصرت كالميت فى يد الغسال فى حركاته القصرية وشرعت فيما ندبنى اليه وعطفنى عليه وتضرعت الى الله ان يصرف قلبى من الملاهى

[1] حدیثِ لجام کا مضمون یہ ہے کہ جس سے بھی کوئی علم کی بات پوچھی جائے اور وہ اس کو چھپائے تو ایسے شخص کو قیامت میں آگ کی لگام دی جائے گی۔

اور ہر چیز کی اصل حقیقت سے مجھ کو آگاہ کردے اور میرے دل کو راستی زبان
کو فصاحت اور ہر بات میں صداقت عطا کر اور میرے دل ارادوں کے پورا
کرنے میں اعانت اور مدد فرما بیشک وہ خدا قریب اور مجیب ہے۔

لیکن میں نے ان حضرت سے اوّل ہی بار کہہ دیا تھا کہ بھائی میں مجلس
بیان میں گونگا اور تیز رَو گھوڑوں کے میدان میں لنگڑا ہوں۔ میرے علم کی
پونجی کھوٹی ہے اور بجائے بوٹی کے ہڈی پر قناعت ہے اور میرا دل تفکرات میں
بےحد پریشان ہے جن سے ذرا بھی فرصت نہیں، لہٰذا اوراق بینی میں غور و فکر کرنا میرے
لئے اس وقت آسان نہیں اور نہ مجھ سے لوگوں کے اقوال بدرجۂ کمال منضبط
ہو سکتے ہیں کہ ان کو ہر آئے گئے کے آگے گاؤں۔ میں تو جو کرتا ہوں خود کرتا ہوں
اپنی مٹی آپ اکٹھی کرتا ہوں، اپنے وقت کا بندہ ہوں، اپنے محنت کا تلمیذ ہوں،
جو کچھ مجھ کو سُوجھ گیا اس کا پابند ہوں اور جو کچھ دل میں سما گیا اس کو پسند
کرتا ہوں۔ پس جس کو اس پر قناعت منظور ہو تو یہ حاضر ہے لیکن جس کو کچھ
اور مطلوب ہو تو اس کو اختیار ہے جو چاہے سو کرے۔ اور جبکہ تکلیف، جزا
اور شریعت باعث رحمت و ہدایت کے اسرار کی طرف اس آیت فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ
الْبَالِغَةُ میں اشارہ ہوا ہے اور یہ کتاب بھی اسی کی ایک شاخ اور اسی
اُفق کا ایک درخشاں چاند ہے تو مناسب معلوم ہوا کہ اس کتاب کا نام حُجّۃ اللہ
البالغۃ رکھا جائے۔ خدا ہی کا آسرا کافی ہے وہی بہترین کارساز ہے اس
بلند و برتر کی مدد کے بغیر نہ کوئی طاقت، طاقت ہے اور نہ کوئی قوت، قوت۔

مقدّمہ :- اکثر یوں خیال کیا جاتا ہے کہ احکام شرعیہ کسی مصلحت پر
مبنی نہیں اور نہ اعمال اور ان کی جزا میں کوئی مناسبت ہے، جیسے کوئی آقا اپنے
نوکر کو اسکی فرمانبرداری کا امتحان لینے کے لئے یونہی بلا فائدہ کسی پتھر کے
اُٹھانے یا کسی درخت کو ہاتھ لگانے کا حکم دے، پھر اگر وہ اطاعت کرے تو
اس کو جزا دے اور اگر نافرمانی کرے تو سزا دے۔ لیکن یہ گمان بالکل غلط ہے اور
سُنّت و اجماع خیر القرون اسکی تردید کرتا ہے اور جو شخص یہ باتیں بھی نہیں
جان سکتا کہ اعمال کا اعتبار نیت پر اور اس کی خوبی کا مدار طبیعت پر ہے

وان يريني حقائق الاشياء كما هي ويسدد جناني
ويفصح لساني ويعصمني فيما اقتحمه من المقال ويوفقني
لصداق اللهجة في كل حال ويعينني في ابراز ما يختلج
في صدري ويعالجه فكري انه قريب مجيب وقدمت
اليه اني سكيت نادي البيان ضالع حلبة الرهان واني معترق
مرماة وانه لايتأتى مني الامعان في تصفح الاوراق لشغل
قلبي بما ليس له فواق ولايتيسر لي التناهي في حفظ المسموعات
لاتشدق بها عند كل جاء وآت وانما انا المتفرد بنفسه
المتجمع لرمسه الذي هو ابن وقته وتلميذ بحثه واسير
وارده ومغتنم بارده فمن سره ان يقنع بهذا فليقنع ومن احب
غير ذلك فامره بيده ماشاء فليصنع، ولما كان وقعت الاشارة
الى سر التكليف والمجازاة واسرار الشرائع المنزلة
الى الرحمة المهداة بقوله تعالى "فلله الحجة البالغة" وهذه
الرسالة شعبة منها نابغة وبدر من افقها بازغة فحسن
ان تسمى "حجة الله البالغة" حسبي الله ونعم الوكيل و
لاحول ولاقوة الا بالله العلي العظيم۔

مقدّمة

قد يظن ان الاحكام الشرعية غير متضمنة لشيء
من المصالح وانه ليس بين الاعمال وبين ما جعل
الله جزاء لها مناسبة وان مثل التكليف بالشرائع كمثل
سيد اراد ان يختبر طاعة عبده فامره برفع حجر اولمس
شجرة مما لا فائدة فيه غير الاختبار فلما اطاع او
عصى جوزي بعمله وهذا ظن فاسد تكذبه السنة
واجماع القرون المشهود لها بالخير، ومن عجز ان
يعرف ان الاعمال معتبرة بالنيات والهيأت النفسانية

جیساکہ نبی صلعم نے فرمایا ہی "اعمال نیتوں پر موقوف ہیں" اور جیساکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا "اللہ کے پاس نہ تو تمھاری اِن قربانیوں کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون بلکہ تمھارا تقویٰ اسکے پاس پہنچتا ہے۔" اور نماز ذکرِ الٰہی اور اس سے مناجات کرنے کے واسطے مقرر ہوئی، جیساکہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہی "میری یاد اور ذکر کے لئے نماز پڑھا کرو" اور نیز اس لئے مقرر ہوئی کہ اسکی وجہ سے آخرت میں اسکے جمال کا مشاہدہ اور دیدار حاصل ہو جیساکہ نبی صلعم نے فرمایا "تم عنقریب اپنے رب کو اسطرح دیکھوگے جسطرح اس چاند کو دیکھتے ہو اور اسکے دیدار میں کبھی تم کا شک و شبہ نہ کروگے تو اگر تم ایسا کر سکو کہ نماز فجر اور عصر کے وقت (شیطان سے) مغلوب نہ ہو تو ایسا ہی کیا کرو" اور زکوٰۃ اس لئے مقرر ہوئی کہ فقرا کی حاجت برآری ہو اور دل پر بخل نہ طاری ہو جیساکہ اللہ تعالےٰ مانعینِ زکوٰۃ کی برائی میں فرماتا ہی "جن کو خدا نے کچھ اپنے فضل سے دیا ہی وہ لوگ بخل کو اپنے لئے بہتر نہ سمجھیں بلکہ وہ انکے حق میں نہایت برا ہی کیونکہ جس مال میں وہ بخل کرتے ہیں قیامت کے دن اسکا طوق بناکر ان کے گلے میں پہنایا جائیگا" اور جیساکہ نبی صلعم نے (معاذ بن جبل سے) فرمایا تھا کہ "اُن (اہلِ یمن) سے کہہ دینا کہ یہ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ نے تم پر اس لئے فرض کی ہی کہ تمھارے امرا سے لیکر تمھارے فقرا کو دیجائے"[1] اور روزہ نفس کے زیر کرنے کیلئے مقرر ہوا ہے، جیساکہ نبی صلعم نے فرمایا "روزہ رکھنا شہوت کے حق میں بمنزلہ خصی ہونے کے ہے۔" اور حج خدا کے نشانات کی تعظیم کے لئے مقرر ہوا ہی جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "یقیناً وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا وہ گھر ہے جو مکہ میں ہی بابرکت ہی اور دنیا کا رہنما ہی، اسمیں کھلی نشانیاں ہیں الخ" اور فرمایا "صفا و مروہ (کی پہاڑیاں) خدا کی نشانیاں ہیں" اور قصاص قتل کے بند کرنے کے واسطے مقرر ہوا ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہی "اے عقلمندو! قصاص میں تمھاری زندگی مضمر ہے" اور حدود و کفارات، معاصی کے روکنے کے واسطے مقرر ہوئے ہیں جیساکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہی "تاکہ وہ (مجرم) اپنے کئے کا مزہ چکھے (اور باز آجائے)" اور

التی صدرت منہا کما قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم "انما الاعمال بالنیات" وقال اللہ تعالیٰ "لن ینال اللہ لحومہا ولا دماؤہا ولکن ینالہ التقوی منکم" وان الصلاۃ شرعت لذکر اللہ ومناجاتہ کما قال اللہ تعالیٰ "اقم الصلاۃ لذکری" ولتکون معدۃ لرؤیۃ اللہ تعالیٰ ومشاہدتہ فی الاخرۃ کما قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم "سترون ربکم کما ترون ہذا القمر لا تضامون فی رؤیتہ فان استطعتم ان لا تغلبوا علے صلاۃ قبل طلوع الشمس وصلاۃ قبل غروبہا فافعلوا" وان الزکاۃ شرعت دفعا لرذیلۃ البخل وکفایۃ لحاجۃ الفقراء کما قال اللہ تعالیٰ فی مانعی الزکاۃ "ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتاہم اللہ من فضلہ ہو خیرا لہم بل ہو شر لہم سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیامۃ" وکما قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم "فاخبرہم ان اللہ تعالیٰ قد فرض علیہم صدقۃ تؤخذ من اغنیائہم فترد علی فقرائہم" وان الصوم شرع لقہر النفس کما قال اللہ تعالیٰ "لعلکم تتقون" وکما قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم "فان الصوم لہ وجاء" وان الحج شرع لتعظیم شعائر اللہ کما قال اللہ تعالیٰ "ان اول بیت وضع للناس للذی" الآیۃ وقال "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ" وان القصاص شرع زاجرا عن القتل کما قال اللہ تعالیٰ "ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب" وان الحدود والکفارات شرعت زواجر عن المعاصی کما قال اللہ تعالیٰ "لیذوق وبال امرہ" وان

[1] پہلی مثال زکوٰۃ کا مقصد بخل دور کرنا بتاتی ہی اور دوسری فقرا کی حاجت برآری بیان کرتی ہے۔

جہاد خدا کا کلمہ بلند کرنے اور شر انگیزوں کا فتنہ مٹانے کیلئے مقرر ہوا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ مٹ جائے اور دین خالص اللہ ہی کا ہو جائے" اور احکام معاملات اور بیاہ شادی کے مسائل سب عدل و انصاف کے لئے مقرر ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے احکام ہیں جن پر آیات کریمہ اور احادیث نبویہ دلالت کرتی ہیں اور ہر زمانہ میں علماء نے انکو بیان بھی کیا ہے (پس جسکو ان باتوں کا علم نہیں) تو اسکو علم سے کچھ بھی مس نہیں، اگر ہے تو ایسا ہی جیسے کوئی سوئی کو سمندر میں ڈبو کر نکالے، اور اسکی بات پر تو کیا اعتبار کیا جائے بلکہ اسکو مناسب ہے کہ اپنے حال پر تاسف کرے اور روئے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ خود نبی صلعم نے بعض مواقع پر تعیین اوقات کے اسرار ظاہر فرمائے، مثلاً ظہر کی پہلی چار رکعت کی نسبت فرماتے ہیں "اس وقت آسمانوں کے دروازے کھلتے ہیں لہذا میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل صالح اسوقت اوپر جائے" اور یوم عاشوراء کے روزہ کی نسبت آپ سے یوں مروی ہے کہ "اسکے جاری ہونیکی وجہ یہ ہے کہ اس دن موسیٰ اور انکی قوم کو فرعون سے نجات حاصل ہوئی تھی۔ پس اسکا ہمارے لئے مقرر ہونا سنت موسیٰ کا اتباع ہے" اور بعض احکام کی وجوہات بھی بیان فرمائیں، چنانچہ دیکھئے جو شخص سو کر اٹھے اسکو ہاتھ دھونے کیلئے فرمایا اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ "اسکو معلوم نہیں ہوتا کہ رات کو اسکا ہاتھ کہاں پڑا رہا" اور ناک میں پانی ڈالنے اور سنکنے کی نسبت یوں فرمایا کہ "انسان کے نتھنوں پر رات بھر شیطان رہتا ہے" (یعنے رطوبت اور گندگی بستی ہے) اور نیند (وضو ٹوٹ جانے) کی نسبت یوں فرمایا کہ "سوتے میں انسان کے جوڑ بند ڈھیلے پڑ جاتے ہیں"[1] اور رمی الجمار کی نسبت فرمایا "اسمیں ذکر الٰہی کیا جاتا ہے" اور کسی کے گھر میں نظر ڈالنے کی وجہ یہ فرمائی کہ "اجازت لینے سے یہی تو مقصود ہے کہ اچانک گھر والوں پر نظر نہ پڑ جائے" اور بلی کے پس خوردہ کی نسبت یوں فرمایا کہ "یہ ناپاک نہیں کیونکہ یہ گھر میں پھرنے والے جانوروں میں سے ہے"[2] اور بعض جگہ احکام کی یہ حکمت بیان فرمائی کہ اسمیں دفع مضرت ہے، جیسا کہ ایام رضاعت میں جماع کرنے سے منع فرمایا تھا کیونکہ (یہ معلوم ہوا تھا کہ) اس سے بچہ کو ضرر پہنچتا ہے۔ یا فرقہ کفار سے امتیاز اور مخالفت جیسا کہ طلوع آفتاب کے وقت نماز سے اس لئے منع فرمایا کہ وہ وقت پرستش کفار کا ہے اور آفتاب شیطان کے سر کے اوپر سے نکلتا ہے"[3] یا دروازہ تحریف بند کرنے کی مصلحت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اس شخص کی نسبت جس نے نفل کو فرض میں ملا کر پڑھنا چاہا فرمایا کہ "پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہو گئے"۔

الجهاد شرع لاعلاء كلمة الله وازالة الفتنة كما قال الله تعالىٰ "وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين كله لله" وان احكام المعاملات والمناكحات شرعت لاقامة العدل فيهم الى غير ذلك مما دلت الآيات والاحاديث عليه ولهج به غير واحد من العلماء فى كل قرن فانه لم يمسه من العلم الا كما يمس الابرة من الماء حين تغمس فى البحر وتخرج وهو بان يبكى على نفسه احق من ان يعتد بقوله

ثم ان النبى صلى الله عليه وسلم بين اسرار تعيين الاوقات فى بعض المواضع كما قال فى اربع قبل الظهر انها ساعة تفتح فيها ابواب السماء فاحب ان يصعد لى فيها عمل صالح، وروى عنه صلى الله عليه وسلم فى صوم يوم عاشوراء ان سبب مشروعيته نجاة موسىٰ وقومه من فرعون فى هذا اليوم وان سبب مشروعيته فينا اتباع سنة موسىٰ عليه السلام وبين اسباب بعض الاحكام فقال فى المستيقظ فانه لا يدرى اين باتت يده وفى الاستنثار فان الشيطان يبيت على خيشومه وقال فى النوم فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله وقال فى رمى الجمار انه لاقامة ذكر الله وقال انما جعل الاستئذان من اجل البصر وفى الهرة انها ليست بنجس انما هى من الطوافين عليكم او الطوافات وبين فى مواضع ان الحكمة فيها دفع مفسدة كالنهى عن الغيلة انما هو مخافة ضرر الولد او مخالفة فرقة من الكفار كقوله صلى الله عليه وسلم فانها تطلع بين قرنى الشيطان وحينئذ يسجد لها الكفار او سد باب التحريف كقول عمر رضى الله عنه لمن اراد ان يصل النافلة بالفريضة بهذا هلك من قبلكم

[1] پس احتمال ہے کہ ریح وغیرہ خارج ہوئی ہو لہذا وضو کرنا لازم ہے۔ [2] اس سے احتیاط مشکل ہے اور ناپاک قرار دینے میں حرج ہے۔ [3] یعنے جو اس وقت سجدہ کرتا ہے گویا شیطان کو سجدہ کرتا ہے۔

پھر اسکی تائید میں آپ نے فرمایا "ابن خطابؓ! خدا تم کو اصابت رائے عطا فرمائے (تم نے ٹھیک کہا)" یا وہ مصلحت دفعِ حرج کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ آپ نے ایک شخص سے فرمایا کہ "کیا (تیری طرح) ہر شخص کے پاس دو دو کپڑے ہوتے ہیں" اور اللہ تعالیٰ نے بھی سحری کی نسبت اسی بنا پر اس آیت میں اجازت دی "خدا تعالیٰ کو اسکی خبر تھی کہ تم اپنے دلوں میں خیانت کرتے تھے، پس اب خدا نے تم پر رحمت کی اور معاف کردیا، اب تم اپنی بیویوں سے (رمضان کی راتوں میں) مل سکتے ہو الخ" اور بعض جگہ ترغیب و ترہیب کے اسرار بیان فرمائے حتیٰ کہ صحابہؓ نے اپنے شکوک و شبہات جو وہاں پیدا ہوتے تھے آپ سے عرض کئے اور آپ نے حل فرمادیئے چنانچہ آپ نے فرمایا "آدمی کی نماز جماعت اسکی اس نماز سے جو وہ تنہا گھر میں یا بازار (اور دکان) میں پڑھتا ہے پچیس ۲۵ درجہ (ثواب میں) زیادہ ہے، اور یہ اسلئے کہ جب کوئی شخص اچھی طرح وضو کرکے مسجد میں آتا ہے اور صرف نماز ہی کے لئے چلتا ہے تو ہر قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور ایک نیکی ملتی ہے، الحدیث" اور ایک جگہ آپ نے فرمایا کہ "بیوی کے ساتھ صحبت کرنے میں بھی اجر ہے" صحابہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! یہ تو قضائے شہوت ہے اس میں کیا اجر ہوگا" آپ نے فرمایا "اچھا اگر اُس کو وہ حرام میں صرف کرتا تو کیا اس پر گناہ نہ ہوتا، تو اسی طرح جب اس نے حلال میں صرف کیا تو اس کو اجر ملا" اور پھر ایک جگہ آپ نے فرمایا کہ "جب دو ۲ مسلمان تلوار لے کر باہم مقابل ہولتے ہیں تو قاتل و مقتول دونوں دوزخ میں جاتے ہیں" صحابہؓ نے عرض کیا "قاتل تو خیر ٹھیک ہے مگر یہ مقتول کس لئے دوزخ میں گیا" آپ نے جواب دیا کہ "وہ بھی تو اپنے مقابل کے قتل کا خواہاں تھا" ان کے علاوہ اور بہت سے مقامات ہیں جن کا شمار مشکل ہے اور ابن عباسؓ نے جمعہ کے روز غسل کرنے کی مصلحت بیان کی، اور زید بن ثابتؓ نے پھلوں کی فروخت، ان کی پختگی سے پہلے ممنوع ہونے کا سبب بیان کیا، اور ابن عمرؓ نے طواف میں خانۂ کعبہ کے صرف دو ۲ رکنوں کے بوسہ پر اکتفا کی وجہ بیان فرمائی۔ پھر اس کے بعد تابعین اور انکے بعد مجتہدین احکام کے علل و مصالح برابر سمجھتے رہے اور ہر حکم صریح کی

فقال النبى صلى الله عليه وسلم اصاب بك يا ابن الخطاب او وجود حرج كقوله صلى الله عليه وسلم اولكلكم ثوبان وكقوله تعالى "علم الله انكم كنتم تختانون انفسكم فتاب عليكم وعفا عنكم" وبين فى بعض المواضع اسرار الترهيب والترغيب وراجعه الصحابة فى المواضع المشتبهة فكشف شبهتهم ورد الامر الى اصله قال صلاة الرجل فى جماعة تزيد على صلاته فى بيته وصلاته فى سوقه خمسا و عشرين درجة وذلك ان احدكم اذا توضأ فاحسن الوضوء ثم اتى المسجد لا يريد الا الصلاة الحديث وقال فى بضع احدكم صدقة قالوا يا رسول الله اياتى احدنا شهوته ويكون له فيها اجر؟ قال ارأيتم لو وضعها فى حرام اكان عليه فيه وزر فكذلك اذا وضعها فى حلال كان له اجر" وقال "اذا التقى المسلمان بسيفيهما فالقاتل والمقتول كلاهما فى النار" قالوا هذا القاتل فما بال المقتول؛ قال "انه كان حريصا على قتل صاحبه" الى غير ذلك من المواضع التى يعسر احصاؤها وبين ابن عباس رضى الله عنهما سر مشروعية غسل الجمعة وزيد بن ثابت سبب النهى عن بيع الثمار قبل ان يبدو صلاحها وبين ابن عمر سر الاقتصار على استلام ركنين من اركان البيت ثم لم يزل التابعون ثم من بعدهم العلماء المجتهدون يعللون الاحكام بالمصالح ويفهمون معانيها ويخرجون

کوئی نہ کوئی علت خواہ وہ حصولِ نفع ہو یا دفعِ مضرت ضرور قرار دیتے رہے جیسا کہ انکی کتابوں میں مفصل مذکور ہے۔ پھر تو غزالی، خطابی اور ابن عبد السلام وغیرہم نے عجیب عجیب لطائف و نکات اور عمدہ عمدہ تحقیقات بیان کیں۔ خدا ان کو ان کی اس سعی کا عوض دے۔ لیکن اسکے ساتھ یہ بھی ہے کہ قطع نظر ان مصالح اور منافع کے شرع کا ان احکام کو از خود واجب اور حرام بنانا بھی فی نفسہ ایک سببِ عظیم ہے کہ اس سے مطیع کو ثواب اور عاصی کو عذاب دیا جائے اور یہ بات نہیں کہ اعمال کا حسن و قبح، ان معنوں میں کہ انکا فاعل مستحق ثواب یا عذاب ہو، محض عقلی ہے، اور نہ شرع کا محض یہی کام ہے کہ وہ اعمال کی صرف خاصیات بیان کردے اور از خود کسی چیز کو حرام یا فرض نہ کرے جس طرح کہ طبیب ادویہ کی خاصیت اور حرارت و برودت بیان کر دیتا اور مرض کی اقسام گنا دیتا ہے (دواؤں میں از خود کوئی خاصیت پیدا نہیں کرتا) چنانچہ بعض لوگوں کا شریعت کے بارے میں یہی خیال ہے مگر یہ خیال بالکل غلط ہے، بادی النظر ہی میں یہ خیال سنت کے خلاف ہے اور وہ اس کو قبول نہیں کرتی اور آخر ایسا کیوں نہ ہو، دیکھئے نبی صلعم نے تراویح میں شریک نہ ہونے کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ "میں ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ تم پر فرض نہ ہو جائے"۔ اور فرمایا کہ "بڑا سخت گنہگار وہ مسلمان ہے کہ پہلے کوئی چیز حرام نہ ہو پھر اُس کے سوال کرنے سے وہ حرام ہو جائے"[1]۔ اسکے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں، اور اگر وہ خیال صحیح ہوتا تو اُس مقیم کو جسے مسافر کی مانند مشقت اور تکلیف لاحق ہو، روزہ افطار کرنا جائز ہوتا کیونکہ جس حرج کی بناء پر رخصتِ افطار دی گئی ہے وہ دونوں میں برابر پایا جاتا ہے اور خوشحال مسافر کو مقیم کی طرح آرام میں ہونے کی وجہ سے افطار درست نہ ہوتا اور یہی حال باقی سب حدود کا ہے جن کو شرع نے مقرر کیا ہے اور سنت نے یہ بات بھی واجب کر دی ہے کہ جب کوئی حکم صحیح روایت سے ثابت ہو جائے تو اُسکی فوراً تعمیل کرنی چاہیے اسکی مصلحت دریافت کرنے پر (تعمیل کو) موقوف نہ رکھے کیونکہ بہت سے لوگوں کی عقلیں احکام کی مصلحتوں کے دریافت کرنے سے قاصر ہیں اور نبی صلعم کی عقل ہماری سب کی عقل سے زیادہ معتبر ہے اور اسی لئے

الحكم المنصوص مناطاً مناسباً لدفع ضر او جلب نفع كما هو مبسوط فى كتبهم ومذاهبهم. ثم اتى الغزالى والخطابى وابن عبد السلام وامثالهم، شكر الله مساعيهم، بنكت لطيفة وتحقيقات شريفة نعم كما اوجبت السنة هذه وانعقد عليها الاجماع فقد اوجبت ايضاً ان نزول القضاء بالايجاب والتحريم سبب عظيم فى نفسه مع قطع النظر عن تلك المصالح لاثابة المطيع وعقاب العاصى وانه ليس الامر على ما ظن من ان حسن الاعمال وقبحها بمعنى استحقاق العامل الثواب والعذاب عقليان من كل وجه وان الشرع وظيفته الاخبار عن خواص الاعمال على ما هى عليه دون انشاء الايجاب والتحريم بمنزلة طبيب يصف خواص الادوية وانواع المرض فانه ظن فاسد تمجه السنة بادى الرأى كيف وقد قال النبى صلى الله عليه وسلم فى قيام رمضان حتى خشيت ان يكتب عليكم وقال، ان اعظم المسلمين جرماً من سأل عن شئ لم يحرم على الناس فحرم من اجل مسئلته" الى غير ذلك من الاحاديث كيف ولو كان ذلك كذلك لجاز افطار المقيم الذى يتعانى كتعانى المسافر لمكان الحرج المبنى عليه الرخص ولم يجز افطار المسافر المترف وكذلك سائر الحدود التى حدها الشارع واوجبت ايضاً انه لا يحل ان يتوقف فى امتثال احكام الشرع اذا صحت بها الرواية على معرفة تلك المصالح لعدم استقلال عقول كثير من الناس فى معرفة كثير من المصالح ولكون النبى صلى الله عليه وسلم اوثق عندنا من عقولنا ولذلك

[1] مطلب یہ ہے کہ بغیر کسی مصلحت یا علت کے محض رسول کے کہنے یا کرنے سے بھی بعض احکام فرض ہو جاتے ہیں ضروری نہیں کہ ہر حکم کی کوئی لم یا وجہ بیان کی جائے۔

یہ علم نا اہلوں کیواسطے قابل تعلیم نہ سمجھا گیا اور اسکے لئے وہ شرائط قرار دی گئیں جو کتاب اللہ کی تفسیر کیلئے ہیں، اور اسمیں اس رائے محض سے جس میں سنت سے مدد نہ لی گئی ہو، غور و خوض کرنا حرام ہوا۔ ہمارے بیان سے یہ خوب ظاہر ہو گیا کہ حق بات یہ ہے کہ احکام شرعیہ پر عمل کرنیکی ایسی مثال ہے جیسے کسی امیر کے چند غلام بیمار ہو جائیں اور وہ کسی خاص آدمی کو ان کے دوا پلانے پر مقرر کرے تو اب اگر وہ (غلام) اسکا کہا مانیں گے تو گویا اپنے اصل آقا کی اطاعت کرینگے اور وہ ان سے خوش ہو کر ان کو بہترین انعام عطا کریگا اور وہ اس مرض سے بھی نجات پائیں گے اور اگر انھوں نے اسکا کہنا نہ مانا تو گویا اپنے اصل آقا کی نافرمانی کی جس سے وہ ان پر غصہ ہوگا اور انکو بڑی بڑی سزا دیگا اور وہ خود بھی اس مرض سے ہلاک ہونگے اور نبی صلعم نے جس جگہ اپنے متعلق فرشتوں کے اس قول کو نقل کیا ہے کہ "اس شخص (یعنے پیغمبر) کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے ایک مکان بنا کر اس میں طرح طرح کے کھانے چُنے اور پھر ایک بلانے والے کو بھیجا کہ لوگوں کو بُلائے تو جس کسی نے اس کا کہا مانا تو وہ گھر میں بھی آیا اور اس نے کھانا بھی کھایا لیکن جس نے اسکا کہنا نہ مانا تو نہ تو وہ گھر میں آیا اور نہ ... اسکو وہ کھانا نصیب ہوا" تو اس جگہ آپکی مراد بھی اس سے وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ اور آپکے اس قول سے بھی یہی مراد ہے "میری اور جو کچھ خدا نے مجھ کو دیکر بھیجا ہے اسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص کسی قوم سے آکر یہ کہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دشمن کا لشکر دیکھا ہے میں کھلم کھلا ڈرانیوالا اور تم کو ہوشیار کر دینے والا ہوں، تم یہاں سے بھاگ جاؤ بھاگ جاؤ تو اسکی قوم کے ایک گروہ نے تو اسکا کہنا مان لیا اور اس لشکر کے آنیسے پہلے ہی تڑکے سے اُٹھ کر چلا آیا اور اس طرح اس لشکر سے بچ گیا لیکن اسی قوم کا ایک گروہ اسکو جھوٹا سمجھ کر صبح تک وہیں پڑا رہا تو صبح کو اس لشکر نے آتے ہی ان لوگوں کو مار ڈالا اور تباہ و برباد کر دیا" نیز آپ نے خدا سے یہ جو روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تمھارے ہی اعمال تو ہوں گے جو تم کو واپس کر دیئے جائیں گے، اور ہمارے اس بیان سے کہ اصل بات دو باتوں کے بیچ میں ہے، اور اعمال کو اور قضائے الٰہی کا کسی چیز کو حرام و حلال کرنے کو (دونوں کو) کسی کے مستحق ثواب و عذاب ہونے میں خاص دخل ہے اس سے ان دلائل میں جو جاہلیت کے لوگوں کے ثواب و عذاب میں متعارض ہیں تطبیق ہو سکتی ہے[1]۔ بعض لوگ فقط اسقدر تو جانتے ہیں کہ احکام کے چند مصالح

لم یزل ھٰذا العلم مضنونا بہ علیٰ غیر اھلہ ویشترط لہ ما یشترط فی تفسیر کتاب اللہ ویحرم الخوض فیہ بالرأی الخالص غیر المستند الی السنن والآثار وظھر مما ذکرنا ان الحق فی التکلیف بالشرائع ان مثلہ کمثل سید مرض عبیدہ فسلط علیھم رجلا من خاصتہ لیسقیھم دواء فان اطاعوہ اطاعوا السید ورضی عنھم سیدھم واثابھم خیرا و نجوا من المرض وان عصوہ عصوا السید واحاط بھم غضبہ و جازاھم اسوأ الجزاء وھلکوا من المرض والی ذالک اشار النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیث قال راویا عن الملئکۃ ان مثلہ کمثل رجل بنی دارا وجعل فیھا مأدبۃ وبعث داعیا فمن اجاب الداعی دخل الدار واکل من المأدبۃ ومن لم یجب الداعی لم یدخل الدار ولم یاکل من المأدبۃ، وحیث قال انما مثلی ومثل ما بعثنی اللہ بہ کمثل رجل اتی قوما فقال یا قوم انی رأیت الجیش بعینی وانی انا النذیر العریان فالنجاء النجاء فاطاعہ طائفۃ من قومہ فادلجوا فانطلقوا علی مھلھم فنجوا وکذبت طائفۃ منھم فاصبحوا مکانھم فصبحھم الجیش فاھلکھم واجتاحھم وقال راویا عن ربہ انما ھی اعمالکم ترد علیکم وبما ذکرنا من ان ھٰھنا امرا بین الامرین وان لکل من الاعمال ونزول القضاء بالایجاب والتحریم اثرا فی استحقاق الثواب والعقاب یجمع بین الادلۃ المتعارضۃ فی اھل الجاھلیۃ یعذبون بما عملوا فی الجاھلیۃ ام لا، ومن الناس من یعلم فی الجملۃ ان الاحکام معللۃ

[1] تفصیل اسکی یہ ہے کہ مصنّف نے مذہب متوسط اختیار کیا، نہ تو یہی ہے کہ شرع محض طبیب کی طرح خواص اعمال بیان کر دیتی ہے اس کو حرام و حلال کرنے میں کچھ دخل نہیں اور نہ یہی ہے کہ بلا مناسبت اور بغیر کسی مصلحت کے شرع حرام و حلال کرتی ہے اس میں عقل کو کچھ دخل ہی نہیں بلکہ ایک درمیانی بات ہے وہ یہ کہ اعمال کی علل بھی ہیں اور شرع کو بھی حلال و حرام کرنے میں بڑا اختیار ہے، پس اس مذہب سے ان دلائل میں جو مردان جاہلیت کے ثواب و عذاب میں متعارض ہیں تطبیق ہو سکتی ہے، جن لوگوں کی یہ رائے ہے کہ عقل کو اس بارے میں کچھ دخل ہی نہیں شرع نے جسکو چاہا حرام یا حلال کر دیا تو ان کے نزدیک مردان جاہلیت کو کچھ عذاب نہیں کیونکہ اس زمانہ میں شرع تو تھی ہی نہیں اور عقل کچھ کام نہیں کر سکتی تھی اور جس کے نزدیک عقل حاکم ہے ان کے نزدیک ان کو بسبب عقل ہونے کے عذاب ہوگا کیونکہ باوجود عقل کے احکام الٰہی پر عمل کیوں نہ کیا لیکن مصنّف نے مذہب متوسط لے لیا تو اس طرح توحید وغیرہ امور میں جن میں عقل کافی ہوتی ہے بسبب شرک کے عذاب ہوگا اور دیگر احکام میں جن میں تنہا عقل کافی نہیں ہوتی تو وہ معاف کئے جائیں گے۔ مترجم۔

اور علتیں ہوتی ہیں اور اعمال کی جزاء وسزا اسلئے مترتب ہوتی ہے کہ وہ ان نفسانی ہیئتوں (مثلاً شوق وخوف وغیرہ) ہی کی وجہ سے صادر ہوتی ہیں جن سے انسان درست ہوتا اور بگڑتا ہے جیسا کہ نبی صلعم نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا کہ "خبردار انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جبتک وہ درست رہتا ہے تمام بدن درست رہتا ہے اور جب وہ بگڑجاتا ہے تو تمام بدن بگڑجاتا ہے اور وہ دل ہے"۔ لیکن وہ لوگ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس فن کی تدوین کرنا اور اس کے اصول وفروع مقرر کرنا ممنوع ہے، عقلاً تو اسلئے کہ اسکے مسائل نہایت باریک اور دقیق ہیں اور شرعاً اسلئے کہ سلف (متقدمین) نے باوجود اسکے کہ نبی صلعم کے زمانہ سے انکو نہایت قرب تھا اور خوب علم رکھتے تھے مگر اس فن میں کچھ تصنیف نہ کیا تو گویا اب اسکے ترک پر اتفاق ہوگیا یا کوئی یوں کہے کہ اسکی تدوین میں کچھ معتدبہ فائدہ نہیں کیونکہ شرع پر عمل کرنا کچھ اسکی مصلحت جاننے پر موقوف نہیں، تو یہ گمان بھی غلط ہے کیونکہ اگر انکے اس قول کا کہ "اسکے مسائل نہایت باریک اور دقیق ہیں"۔ یہ مطلب ہے کہ "اسکی تدوین بالکل ممکن ہی نہیں"۔ اسلئے غلط ہے کہ مسائل کے باریک وخفی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا، دیکھئے علم توحید کے مسائل کا احاطہ ان سے بھی مشکل اور انکا ادراک ان سے بھی دقیق تر ہے تاہم ان کی تدوین خداوند تعالیٰ نے جسکے لئے چاہی آسان کردی، اور اسی طرح ہر علم ظاہر میں ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اس میں بحث کرنا محال اور اسکا احاطہ کرنا ناممکن ہے لیکن جب اسکے لوازمات ومتعلقات میں کاوش کیجاتی ہے اور اس کے مقدمات بتدریج سمجھے جاتے ہیں تو اس میں مہارت حاصل ہوجاتی ہے اور اس کے قواعد کی تمہید اور اس کے متعلقات وفردعات کا استنباط آسان ہوجاتا ہے، اور اگر ان کے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ "وہ کسی قدر مشکل ہے"۔ تو یہ تسلیم، لیکن اُنکا ہی سے تو علماء کو ایک دوسرے پر شرف حاصل ہوتا ہے، اور مطالب کو تو انسان محنت اور سختیوں سے ہی پاتا ہے اور علوم کی گردن پر انسان عقل کو کام میں لاکر اور فہم کو تیز کرکے ہی سوار ہوتا ہے، اور جہاں تک اُن کے یہ کہنے کا تعلق ہے کہ "سلف نے اس کو مدوّن نہیں کیا"۔ تو میں کہتا ہوں کہ سلف کا تدوین نہ کرنا کچھ مضر نہیں کیونکہ نبی صلعم نے اس کے اصول وفروع مقرر کردیئے، اور فقہاء صحابہ مثلاً امیر المؤمنین حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ

بالمصالح وان الاعمال يترتب عليها الجزاء من جهة كونها صادرة من هيئات نفسانية تصلح بها النفس وتفسد كما اشار اليه النبى صلے الله عليه وسلم حيث قال الا وان فى الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهى القلب لكنه يظن ان تدوين هذا الفن وترتيب اصوله وفروعه ممتنع اما عقلا لخفاء مسائله وغموضها او شرعا لان السلف لم يدونوه من قرب عهدهم مع النبى صلے الله عليه وسلم وغزارة علمهم فكان كالاتفاق على تركه او يقول ليس فى تدوينه فائدة معتد بها اذ لا يتوقف العمل بالشرع على معرفة المصالح وهذه ظنون فاسدة ايضا قوله لخفاء مسائله وغموضها ان اراد انه لا يمكن التدوين اصلا لخفاء المسائل لا يفيد ذلك كيف ومسائل علم التوحيد والصفات اعمق مدركا وابعد احاطة وقد يسره الله لمن شاء وكذلك كل علم يتراءى بادى الرأى ان البحث عنه مستحيل والاحاطة به ممتنعة ثم اذا ارتيض بادواته وتدرج فى فهم مقدماته حصل التمكن فيه وتيسر تاسيس مبانيه وتفريع فروعه وذويه وان اراد العسر فى الجملة فمسلم لكنه بالعسر يظهر فضل بعض العلماء على بعض وان بلوغ الآمال فى ركوب المشاق والاهوال وان اقتعاد غارب العلوم بتجشم العقول وامعان الفهوم قوله لان السلف لم يدونوه قلنا لا يضر عدم تدوين السلف اياه بعدما مهد النبى صلى الله عليه وسلم اصوله وفرع فروعه واقتفى اثره فقهاء الصحابة كامير المؤمنين عمر وعلى وكزيد

اور ابن عباسؓ اور عائشہؓ وغیرہم نے آپکا اتباع کیا اور اس علم میں بحث کی اور اس کی وجوہات بیان فرمائیں، پھر اس کے بعد علماءِ دین اور سالکانِ راہِ یقین، ہمیشہ اپنے مقابلوں کے سامنے جبکہ وہ شکوک وشبہات پیدا کرنیکی فتنہ انگیزی کرتے تھے، خدا کے عطا کردہ علم میں سے بقدرِ ضرورت بیان فرماتے تھے اور اسطرح ان بدعتیوں کے لشکر کو مناظرہ وبحث کی تلوار سونت کر زیروزبر کرتے تھے اور بے دینوں کے جمگھٹ کو تتر بتر کرتے تھے، اور ہم اب تک یہی بات مناسب سمجھتے ہیں کہ بہ نسبت اقوالِ متفرقہ کے اس فن کے اصول کا ایک کتاب میں یکجا مجتمع ہونا نہایت مناسب ہے۔ متقدمین کو اس فن کی تدوین کی اسلئے ضرورت نہ تھی کہ ان کا زمانہ آنحضرتؐ سے نہایت قریب تھا اور آپکا فیضِ صحبت انکو نصیب تھا اور اسی برکتِ صحبت سے ان میں اختلاف کم تھا اور عقیدے صاف تھے نیز انکو ہر طرح کا اطمینانِ قلب حاصل تھا کیونکہ وہ ہر اس بات میں، جو آنحضرتؐ سے ثابت ہوتی، زیادہ دریافت وتفتیش نہیں کرتے تھے، اور نہ منقول کو معقول سے تطبیق دینے کا وہاں دستور تھا اس کے علاوہ بہت سے بڑے بڑے گہرے علوم میں وہ معتبر علماء سے استفسار کر سکتے تھے اور وہ اس فن کی تدوین سے بالکل اسیطرح مستغنی تھے جسطرح کہ بسبب اس بات کے کہ انکا زمانہ قرنِ اول یعنی زمانہ نبوت سے نہایت قریب تھا اور راویانِ حدیث سے تو بالکل ملا ہوا تھا انکی ہر بات دیکھتے اور سنتے تھے اور مشکل مسائل معتبر علماء سے پوچھ سکتے تھے اس وقت اختلاف بھی کم تھا اور موضوع احادیث کے روایت ہونیکا خوف بھی کم تھا، وہ تمام فنونِ حدیث کی تدوین سے مستغنی تھے مثلاً شرحِ غریب الحدیث، فنِ اسماء الرجال ومراتبِ عدالتِ رواۃ، فنِ مشکل الحدیث، واصول الحدیث، ومختلف الحدیث وفقہ الحدیث وتمیز الضعیف من الصحیح والموضوع من الثابت، اور یہ تمام فنونِ مذکورہ ایک مدتِ دراز کے بعد اس وقت مدون کئے گئے اور ان کے اصول وفروع اس وقت مقرر ہوئے جب کہ

وابن عباس وعائشة وغيرهم رضي الله عنهم بحثوا عنه وابرزوا وجوهامنه، ثم لم يزل علماء الدين وسلاك سبيل اليقين يظهرون ما يحتاجون اليه مما جمع الله في صدورهم كان الرجل منهم اذا ابتلي بمناظرة من يثير فتنة التشكيك يجرد سيف البحث وينهض ويصمم العزم ويمحض ويشمر عن ساق الجد ويحسر ويهزم جيوش المبتدعين ويكسر، ثم رأينا بعد ان تدوين كتاب يحتوي على جمل صالحة من اصول هذا الفن اجدى من تفاريق العصا وكل الصيد في جوف الفرا، وكان الاوائل لصفاء عقائدهم ببركة صحبة النبي صلى الله عليه وسلم وقرب عهده وقلة وقوع الاختلاف فيهم واطمينان قلوبهم بترك التفتيش عما ثبت عنه صلى الله عليه وسلم وعدم التفاتهم الى تطبيق المنقول بالمعقول وتمكنهم من مراجعة الثقات في كثير من العلوم الغامضة مستغنين عن تدوين هذا الفن كما انهم كانوا بسبب قرب عهدهم من القرن الاول واتصال زمانهم برجال الحديث وكونهم منهم بمرأى ومسمع وتمكنهم من مراجعة الثقات وقلة وقوع الاختلاف والوضع مستغنين عن تدوين سائر الفنون الحديثية كشرح غريب الحديث واسماء الرجال ومراتب عدالتهم ومشكل الحديث واصول الحديث ومختلف الحديث وفقه الحديث وتميز الضعيف من الصحيح والموضوع من الثابت وكل فن من هذه لم يفرد بالتدوين ولم ترتب اصوله وفروعه الا بعد قرون كثيرة ومدد متطاولة لما

ل یعنی حدیث کے غیر مانوس الفاظ کی شرح، راویانِ حدیث کے نام ونسب وسیرت اور ان کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کے مدارج، مشتبہ ومشکل احادیث کی شرح وحل، حدیث کے اصول وقواعد، احادیث کے اختلاف کی تطبیق، حدیث سے مسائل کا استنباط وتفقہ، مکرر وضعیف احادیث کو صحیح احادیث سے علیحدہ کرنا اور بناوٹی وموضوع احادیث کو ثابت شدہ احادیث سے چننا اور چھانٹنا ۱۲ مص

مسلمانوں کو انکی ضرورت پڑی اور اسلام کی خیر خواہی انہی پر موقوف نظر آئی، پھر اسکے بعد فقہاء کے درمیان احکام کی علتوں میں اختلاف کرنے کی وجہ سے کافی اختلاف واقع ہوا یہاں تک کہ علل احکام میں اس نظر سے بحث شروع ہوئی کہ ان میں کوئی مصلحت معتبر بھی ہے کہ نہیں (اور یہ کہ اُن سے وہ مصلحتیں کیسے حاصل ہو سکتی ہیں جو شرع میں معتبر ہیں)، اور مباحث دینیہ میں بہت سی جگہ دلائل عقلیہ سے تمسک کرنے لگے اور اعتقادی و عملی مسئلوں میں شکوک کرنے لگے، اور پھر یہ بات پیدا ہو گئی کہ منقولات کو دلائل عقلیہ سے مطابق اور مدلل کرنا اور . . . .

روایت اور درایت میں مطابقت پیدا کرنا دین کی پوری پوری حمایت اور اسکی کامل تائید و امداد سمجھا جانے لگا ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے تفرقہ دور کرنے میں اسکو سعی جمیل، اور باعث تقرب الٰہی اور بڑی سے بڑی عبادت سمجھا جانے لگا، اُن کا یہ کہنا کہ "اسکی تدوین میں کچھ فائدہ نہیں" بالکل غلط ہے ہم کہتے ہیں کہ اسمیں بڑے بڑے فوائد ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔ اوّل یہ کہ اس سے آنحضرت صلعم کا ایک بڑا معجزہ ظاہر ہوتا ہے کیونکہ آنحضرت صلعم کو جیسا قرآن مجید عطا ہوا اس زمانہ کے بلغاء اس سے عاجز آگئے اور اسکی جیسی ایک سورۃ بھی بنا کر نہ لاسکے، پھر جب وہ زمانہ عرب العرباء کا گزر چکا اور لوگوں پر اسکی وجوہِ اعجاز مخفی ہوتی گئیں تو علمائے امت انکے بیان و اظہار کیلئے آمادہ ہوئے تاکہ انھیں ہر ایک سمجھ جائے، اسی طرح آپ کو خدائی شریعت عطا ہوئی جو پہلی تمام شریعتوں سے کامل تھی اور جس میں ایسی ایسی مصلحتیں بھری ہوئی تھیں جنکی رعایت بشر سے محال ہے، اس کی خوبی کو آپ کے ہم زمانہ لوگوں نے تو ایک طرح کے نورِ معرفت سے پہچان لیا، یہاں تک کہ ان کی زبانوں پر اس کا اقرار اور ان کے محاورات اور تقاریر میں اس کا اظہار ہوتا تھا لیکن اس زمانہ کے بعد یہ امر ضروری ہوا کہ آپ کی شریعت کی خوبیاں ظاہر کی جائیں تاکہ ہر شخص یقین کرلے کہ یہ شریعت آسمانی اور کامل ترین شریعت ہے اور یہ کہ بشر سے اس کا ظاہر ہونا اتنا بڑا اور اتنا مشہور و معروف معجزہ ہے کہ ذکر کا محتاج نہیں۔ دوم یہ کہ اس سے

عند الحاجة اليه وتوقف نصح المسلمين عليه، ثم انه كثر اختلاف الفقهاء بناء على اختلافهم في علل الاحكام وافضى ذلك الى ان يتباحثوا عن تلك العلل من جهة افضائها الى المصالح المعتبرة في الشرع ونشأ التمسك بالمعقول في كثير من المباحث الدينية وظهرت تشكيكات في الاصول الاعتقادية والعملية فآل الامر الى ان صار الانتهاض لاقامة الدلائل العقلية حسب النصوص النقلية وتطبيق المنقول بالمعقول والمسموع بالمفهوم نصرًا مؤزرًا للدين وسعيًا جميلًا في جمع شمل المسلمين ومعدودًا من اعظم القربات ورأس رؤس الطاعات وقوله ليس في تدوينه فائدة قلنا ليس الامر كما زعم بل في ذلك فوائد جليلة منها الايضاح معجزة من معجزات نبينا صلى الله عليه وسلم فانه صلى الله عليه وسلم كما اوتى بالقرآن العظيم فاعجز بلغاء زمانه ولم يستطع احد منهم ان يأتي بسورة من مثله، ثم لما انقرض زمان قرن الاول وخفى على الناس وجوه الاعجاز قام علماء الامة فاوضحوها ليدركه من لم يبلغ مبلغهم كذلك اتى من الله تعالى بشريعة هي اكمل الشرائع متضمنة لمصالح يعجز عن مراعاة مثلها البشر وعرف اهل زمانه شرف ماجاء به بنحو من انحاء المعرفة حتى نطقت به السنتهم وتبين في خطبهم ومحاوراتهم، فلما انقضى عصرهم وجب ان يكون في الامة من يوضح وجوه هذا النوع من الاعجاز والآثار الدالة على ان شريعته صلى الله عليه وآله وسلم اكمل الشرائع وان اتيان مثله بمثلها معجزة عظيمة كثيرة مشهورة لا حاجة الى ذكرها، ومنها ان يحصل

پورا پورا اطمینان حاصل ہوجاتا ہے جیسا کہ ابراہیمؑ نے خداوند تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ "کیوں نہیں (اے اللہ! میں مُردوں کے دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان تو رکھتا ہوں) لیکن صرف اسلئے (یہ مُردوں کا زندہ ہونا دیکھنا چاہتا ہوں) کہ کسی طرح میرا دل مطمئن ہوجائے" کیونکہ کثرتِ دلائل اور یقین دلانے کے مختلف طریقوں کے استعمال کرنے سے دل مضبوط اور اضطرابِ قلب دُور ہوجاتا ہے، سوم یہ کہ طالبِ خیر جب نیکیوں میں انتہائی کوشش کرتا ہے اور وہ انکے شروع ہونے کی وجہ بھی بخوبی جانتا ہے اور انکے تقاضوں اور لوازمات پر پوری طرح نگاہ رکھتا ہے تو وہ تھوڑی عبادت بھی اسکو بہت فائدہ دیتی ہے اور وہ اسکو خوب پکا ہو کر دیکھ بھال کر کرتا ہے اندھا دھند نہیں چلتا، اور اسی لئے امام غزالیؒ نے کتبِ سلوک میں بڑی توجہ و اہتمام کے ساتھ لوگوں کو اسرارِ عبادات سے روشناس کرایا ہے۔ چہارم یہ کہ فقہاء کا بعض فروعی احکام میں اختلاف اسلئے ہے کہ انکی عللِ قیاسیہ میں انکا اختلاف ہے کہ کونسی علت مناسب اور کونسی نامناسب ہے؎۱ پس تحقیقِ حق بغیر اس بات کے کہ انکی مصلحتیں جانی ہوئی نہیں سکتی۔ پنجم یہ کہ بدعتی لوگوں نے بہت سے دینی مسائل میں شکوک و شبہات کرنے شروع کئے اور کہنے لگے کہ یہ عقل کے خلاف ہیں اور جو مسائل عقل کے خلاف ہوں ان کو یا تو رد کردینا چاہیئے یا کچھ تاویل کرنی چاہیئے، چنانچہ عذابِ قبر کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ یہ عقل و شعور کے خلاف ہے اور اسی طرح حساب کتاب اور پل صراط اور ترازوئے اعمال میں کلام کرکے لمبی اور دُور از کار تاویلیں کرنے لگے، اور غبارِ شکوک کو جہاں میں اُڑا دیا، خلقِ خدا کو اس بلا میں پھنسا دیا۔ ایک فرقہ (اسمٰعیلیہ) نے تو شکوک و شبہات کا بڑا فتنہ برپا کیا کہنے لگے کہ کیا بات ہے کہ رمضان کے آخری دن کا روزہ تو واجب ہوا لیکن (اسی کے دوسرے دن) شوال کی پہلی تاریخ (عید الفطر) کا روزہ ممنوع و حرام کردیا گیا؟ اور اسی طرح کی اور باتیں بنائیں، اور ثواب و عذاب کی باتوں کا بھی مضحکہ اُڑانے لگے کہ یہ محض ترغیب و تحریض (ابھارنے اور اُکسانے) کی باتیں ہیں ورنہ درحقیقت کچھ نہیں، یہانتک کہ زمانہ کا ایک بدبخت بینگن کی حدیث؎۲ بنا کر مسلمانوں پر تعریض کرنے لگا کہ انکے ہاں بُری بھلے کی کچھ تمیز نہیں۔ اب فرمائیے ان مفاسد کے بند کرنے کی سوائے اسکے کہ ہر چیز کی مصلحت اور کچھ فوائد بیان کئے جائیں اور ان کے اصول قرار دیئے جائیں اور کیا صورت ہے جسطرح کہ یہود و نصارٰی اور دہریوں وغیرہ کے مقابلہ میں کیا گیا۔ ششم یہ کہ فقہاء کی ایک جماعت نے

به الاطمینان الزائد علی الایمان كما قال ابراهيم الخليل عليه الصلوٰة والسلام "بلٰى ولكن ليطمئن قلبى"، وذٰلك ان تظاهر الدلائل وكثرة طرق العلم يثلجان الصدر ويزيلان اضطراب القلب؛ ومنها ان طالب الاحسان اذا اجتهد فى الطاعات وهو يعرف وجه مشروعيتها ويقيد نفسه بالمحافظة على ارواحها وانوارها نفعه قليلها وكان ابعد من ان يخبط خبط عشواء، ولهٰذا المعنى اعتنى الامام الغزالى فى كتب السلوك بتعريف اسرار العبادات؛ ومنها انه اختلف الفقهاء فى كثير من الفروع الفقهية بناء على اختلافهم فى العلل المخرجة المناسبة وتحقيق ما هو الحق هنالك لا يتم الا بكلام مستقل فى المصالح؛ ومنها ان المبتدعين شككوا فى كثير من المسائل الاسلامية بانها مخالفة للعقل وكل ما هو مخالف له يجب رده او تاويله كقولهم فى عذاب القبر انه يكذب بالحس والعقل وقالوا فى الحساب والصراط والميزان نحوا من ذٰلك فطفقوا يؤولون بتاويلات بعيدة واثارت طائفة فتنة الشك فقالوا لم كان صوم اخر يوم من رمضان واجبا وصوم اول يوم من شوال ممنوعا عنه؟ ونحو ذٰلك من الكلام واستهزأت طائفة بالترغيبات والترهيبات ظانين انها لمجرد الحث والتحريض لا ترجع الى اصل اصيل حتى قام اشقى القوم فوضع حديث باذنجان لما اكل له يعرض بان اضر الاشياء لا يتميز عند المسلمين من النافع ولا سبيل الى دفع هٰذه المفسدة الا بان تبين المصالح وتؤسس لها القواعد كما فعل نحو من ذٰلك فى مخاصمات اليهود والنصارٰى والدهرية وامثالهم؛ ومنها ان جماعة

؎۱ یعنے بعض مجتہدین بعض چیز کو نادرست اسلئے کہتے ہیں کہ وہ اسکی علتِ نادرستی وکالتے ہیں اور بعض اسی کی ایک خوبی سمجھ کر اسکو درست کہتے ہیں، تو اسکی تحقیق بس اس فن کے بغیر ممکن نہیں ۱۲ مترجم

؎۲ اس میں بدبخت سے مراد ابن راوندی ہے اس نے بینگن کی مدح میں چند جھوٹی حدیثیں اسلئے بنائی تھیں کہ مسلمانوں کی سادہ لوحی ثابت کرے کہ انکے ہاں ہر روایت مسلم ہوتی ہے کچھ حقیقت کیطرف نظر نہیں کرتے ۱۲ مترجم

یہ فیصلہ دیدیا کہ جو حدیث بھی کلی طور پر خلافِ قیاس ہو اس کا رد کرنا جائز ہے، اس طرح تو بہت سی صحیح حدیثوں میں بھی خلل واقع ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا جیسے حدیثِ مُصَرَّاۃ[1] اور حدیثِ قلتین[2]۔ پھر تو محدثین کو سوائے اسکے کہ انکی مصلحتیں بیان کریں اور کچھ بن نہ آیا انکے علاوہ اس فن کے اور بیشمار فائدے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ میں جہاں کہیں میدانِ بیان اور تمہیدِ قواعد میں رواں ہونگا تو کچھ حسبِ مقام ایسی ایسی باتیں کہونگا جو کسی اہلِ مناظرہ اور کسی اہلِ کلام نے نہ کہی ہوں گی مثلاً خدائے پاک کا حشر کے میدانوں میں مختلف صورتوں اور شکلوں میں تجلّی فرمانا اور یہ کہ عالمِ عنصری کے علاوہ ایک اور ایسے عالم کا وجود میں ہونا جس میں اعمال اور معانی (مخفی چیزیں) جاکر اپنے مناسب ایک صورتِ جسمانی پیدا کرتے ہیں اور حوادثِ زمانہ زمین پر ظاہر ہونے سے پیشتر وہاں پیدا ہوتے ہیں (مراد عالمِ مثال) اور یہ کہ اعمال کا ہیئتِ نفسانی (مثلاً شوق، امید، وخوف وغیرہ) سے ایسا لگاؤ رکھنا کہ درحقیقت یہی ہیئت، موت کے بعد اور زندگی میں جزا وسزا کی باعث ہے اور یہ کہ قضاوقدر کے اثر کا لازمی ہونا وغیرہ وغیرہ، اور آپ یہ بھی خیال رکھیں کہ میں ان باتوں کا جب قائل ہوا ہوں جبکہ اوّل میں نے آیات واحادیث وآثارِ صحابہ وتابعین کو انکا مثبت ومؤیّد پالیا ہے اور ان کے لئے معین دیکھ لیا ہے اور اہلِ سنت کے ان خاص لوگوں کو جن کو علمِ لدُنّی ملا ہے انکا قائل پالیا اور (یہ پایا کہ) اُنھوں نے اپنے بہت سے اصول وقواعد کی بنیاد انہی پر رکھی ہے اور سنّت دراصل کسی خاص مذہب کا نام نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ اہلِ اسلام باوجود اس بات کے کہ دین کی ضروریات کے سب قائل ہیں، بعض مسائل میں مختلف ہو کر مختلف فرقے ہو گئے اور وہ اختلافی مسائل دو قسم کے ہیں پہلی قسم کے وہ ہیں جو قرآن

من الفقهاء زعموا انه يجوز رد حديث يخالف القياس من كل وجه فتطرق الخلل الى كثير من الاحاديث الصحيحة كحديث المصراة وحديث القلتين فلم يجد اهل الحديث سبيلا فى الزامهم الحجة الا ان يبينوا انها توافق المصالح المعتبرة فى الشرع الى غير ذلك من الفوائد التى لا يفى باحصائها الكلام وستجدنى اذا غلب على شقشقة البيان وامعنت فى تمهيد القواعد غاية الامعان ربما اوجب المقام ان اقول بما لم يقل به جمهور المناظرين من اهل الكلام كتجلى الله تعالى فى مواطن المعاد بالصور والاشكال وكاثبات عالم ليس عنصريا يكون فيه تجسد المعانى والاعمال باشباح مناسبة لها فى الصفة وتخلق فيه الحوادث قبل ان تخلق فى الارض و ارتباط الاعمال بهيأت نفسانية وكون تلك الهيأت فى الحقيقة سبب المجازاة فى الحيوة الدنيا وبعد الممات و القول بالقدر الملزم ونحو ذلك فاعلم انى لم اجترئ عليه الا بعد ان رأيت الآيات والاحاديث وآثار الصحابة و التابعين متظاهرة فيه ورأيت جماعات من خواص اهل السنة المتميزين منهم بالعلم اللدنى يقولون به ويبنون قواعدهم عليه وليست السنة اسما فى الحقيقة لمذهب خاص من الكلام ولكن المسائل التى اختلف فيها اهل القبلة وصاروا لاجلها فرقا متفرقة واحزابا متحزبة بعد انقيادهم لضروريات الدين على قسمين قسم نطقت به

[1] حدیث مصرّاۃ بخاری، مسلم، مؤطا امام مالک اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے جسکا یہ مطلب ہے کہ جو شیردار جانور (اونٹنی، بکری، بھینس وغیرہ) کو زیادہ دودھ دینے والا دکھلانے کیلئے اسکا دودھ تھنوں میں روک کر فروخت کریگا تاکہ خریدار دھوکہ میں آ کر زیادہ دام دیدے اور پھر خریدار کو دودھ دوہنے کے بعد اسکا حال معلوم ہو جائے تو خریدار کو (تین روز تک) اختیار ہے کہ بعد ایک صاع تمر (سوا دو سیر چھوارے) یا اناج غیر از گندم (بعوض دودھ) دیکر واپس کردے، فقہاء (حنفیہ) کہتے ہیں کہ حضرت کی مراد کو راوی حدیث نہیں سمجھا ورنہ دودھ کے معاوضہ میں صاع تمر معنوی صوری کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتا اگرچہ اسکی قیمت جسقدر بھی ہو یا دودھ کے عوض دودھ واپس کردے کو فرماتے تو ایک بات تھی ۱۲م (اس حدیث کی بحث آگے "باب البیوع المنہی عنہا" میں آئیگی ۱۲ مصحح) [2] حدیث قلتین کی بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابو داؤد، ابن ماجہ، احمد، دارمی اور دار قطنی نے روایت کیا ہے اس کا مضمون یہ ہے کہ جب پانی دو مشکیزہ کی مقدار کا ہو (جسکا اندازہ چھ سات من ہے) تو ناپاک چیز سے ناپاک نہیں ہوتا، اس حدیث کی صحت میں محدثین کو بہت کچھ کلام ہے جسکے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں خدا جانے مصنف نے کیا سمجھ کر اسکو صحیح کہدیا ۱۲م (اس حدیث کی بحث آگے "باب المیاہ" میں آئے گی ۱۲ مصحح)

کی صریح آیات واحادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں اور سلف کے لوگ صحابہ وتابعین ان کے قائل ہیں پھر جب یہ زمانہ آیا کہ ہر شخص اپنی ہی رائے کا پابند ہونے لگا اور اپنے ہی خیالاتِ فاسدہ کو پسند کرنے لگا تو ایک قوم نے ظاہر قرآن و احادیث کو نہایت مضبوط پکڑ لیا اور وہ عقائدِ سلف ہی پر قائم رہی اور قواعدِ عقلیہ کی موافقت اور مخالفت کی کچھ پرواہ نہ کی اور جہاں کہیں کچھ دلائل عقلیہ بیان کئے بھی تو محض مخالفت کے ردّ اور اپنے اطمینانِ کامل کیلئے بیان کئے نہ اس لئے کہ ان سے عقائد کا اثبات مقصود ہو اس گروہ کا نام اہلسنّت ہے لیکن ایک قوم نے جہاں کہیں انکو اپنے عقلی ڈھکوسلوں کے مخالف پایا تو کوئی تاویل لچر سی کردی اور ظاہری معنے سے انحراف کیا، سوالِ قبر، وزنِ اعمال، صراط پر چلنا، دیدارِ الٰہی، اور کراماتِ اولیاء اسی قبیل سے ہیں یہ سب باتیں کتاب وسنّت سے ثابت ہیں اور سلف اسی پر قائم تھے لیکن ایک قوم کی عقل انکے ادراک سے عاجز آگئی اور وہ ان کا انکار اور تاویل کرنے لگی اور ایک قوم نے یہ کہا کہ گو ہم انکی حقیقت نہیں جانتے مگر ان پر ایمان رکھتے ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان بھی لائے اور بفضلِ الٰہی ان کی حقیقت بھی ہم کو معلوم ہے۔

اور دوسری قسم کے وہ مسائل ہیں جو نہ تو قرآن سے ثابت ہیں نہ احادیث سے اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان میں کچھ گفتگو کی ہے بس وہ یونہی تہہ کئے ہوئے رکھے رہے پھر اسکے بعد وہ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے ان مسائل میں یا تو دلائل عقلیہ پر نظر کرکے گفتگو کی جیسے ملائکہ پر انبیاء علیہم السلام کی فضیلت کا مسئلہ، یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا مسئلہ، یا اس وجہ سے ان مسائل میں گفتگو کی کہ اُن پر وہ چیزیں موقوف تھیں جو سنت سے ثابت ہیں جیسے امورِ عامہ کے مسائل یا کچھ جواہر واعراض کے مباحث کیونکہ "مسئلہ حدوثِ عالم" ابطالِ ہیولٰے اور اثباتِ جزء لایتجزیٰ پر

الآیات وصحت به السنة وجری علیه السلف من الصحابة والتابعین فلما ظهر اعجاب کل ذی رأی برأیه وتشعبت بهم السبل اختار قوم ظاهر الکتاب والسنة وحضوا بنواجذهم علی عقائد السلف ولم یبالوا بموافقتها للاصول العقلیة ولا مخالفتها لها فان تکلموا بمعقول فلالزام الخصوم و الرد علیهم اولزیادة الطمانینة لا لاستفاد العقائد منها وهو اهل السنة، وذهب قوم الی التاویل و الصرف عن الظاهر حیث خالفت الاصول العقلیة بزعمهم فتکلموا بالمعقول لتحقق الامور وتبینه علی ما هو علیه، فمن هذا القسم سؤال القبر ووزن الاعمال و المرور علی الصراط والرؤیة وکرامات الاولیاء فهذا کله ظهر به الکتاب والسنة وجری علیه السلف ولکن ضاق نطاق المعقول عنها بزعم قوم فانکروها او اولوها وقال قوم منهم امنا بذلك وان لم ندر حقیقته ولم یشهد له المعقول عندنا ونحن نقول امنا بذلك کله علی بینة من ربنا وشهد له المعقول عندنا.

وقسم لم ینطق به الکتاب ولم تستفض به السنة ولم یتکلم فیه الصحابة فهو مطوی علی غره فجاء ناس من اهل العلم فتکلموا فیه واختلفوا وکان خوضهم فیه اما استنباطا من الدلائل النقلیة کفضل الانبیاء علی الملائکة وفضل عائشة علی فاطمة رضی الله عنهما واما لتوقف الاصول الموافقة للسنة علیه وتعلقها به بزعمهم کمسائل الامور العامة وشیء من مباحث الجواهر والاعراض فان القول بحدوث العالم یتوقف علی ابطال الهیولی واثبات الجزء الذی لا یتجزأ

موقوف ہے[1] اور یہ مسئلہ کہ "خداوند تعالیٰ نے عالم کو بغیر کسی چیز کے توسط سے پیدا کیا ہے" اس قولِ حکماء کے ابطال پر موقوف ہے کہ "ایک چیز سے صرف ایک ہی چیز نکلتی اور صادر ہوتی ہے۔" اور ثبوتِ "معجزات" اسباب و مسببات میں لزوم عقلی کے ابطال پر موقوف ہے اور مسئلہ "معاد جسمانی" "امکانِ اعادۂ معدوم" پر موقوف ہے' ان کے علاوہ اور بہت سے مسائل ہیں جن سے کتابیں بھری پڑی ہیں، یا ان مسائل میں اس لئے اختلاف ہوا کہ جو چیز قرآن و احادیث سے تو ثابت ہے مگر اسکی تفصیل اور تفسیر میں نزاع واقع ہوا لیکن اسکی اصل میں سب کو اتفاق ہے جیسے خداوند تعالیٰ کی صفات سمع (سُننا) و بصر (دیکھنا) کے ثبوت میں تو سب متفق ہیں لیکن اسکی تفصیل میں اختلاف ہے چنانچہ ایک قوم نے تو یوں کہا کہ اس سے مسموعات و مبصرات (دیکھنے اور سُننے کی چیزوں) کا جاننا مراد ہے (نہ کہ دیکھنا اور سُننا) لیکن ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ نہیں یہ دونوں صفات جداگانہ ہیں' اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حَیٌّ (زندہ)، عَلِیْمٌ (جاننے والا) مُرِیْدٌ (ارادہ کرنے والا) قَدِیْرٌ (ہر چیز پر قدرت رکھنے والا) مُتَکَلِّمٌ (کلام کرنے والا) ہونے میں تو سب کا اتفاق ہے لیکن ان کی تفسیر میں اختلاف ہے چنانچہ ایک قوم نے اسکی یہ تفسیر کی کہ (ان سے انکے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ) ان سے انکے غایات' اثرات اور افعال وغیرہ مراد ہیں' اور ان ساتوں (مذکورہ بالا صفات) اور رحمت' غضب اور جود (سخاوت و بخشش) میں اس لحاظ سے کچھ بھی فرق نہیں ہے اور یہ کہ احادیث سے بھی انکا یہ فرق ثابت نہیں' لیکن دوسری قوم نے یہ کہا کہ (نہیں بلکہ) یہ امور (خدا کی) ذاتِ واجب میں موجود ہیں اسی طرح استواء علی العرش (تخت پر جلوہ افروز ہونا)' وجہ (چہرہ و مُنہ) اور ضحک (ہنسی)، پر تو مجملاً کسی قدر متفق ہیں لیکن اسکے بعد (انکی تفسیر میں) اختلاف ہے، چنانچہ ایک قوم نے کہا کہ اِن صفات سے وہ معانی و مطالب مراد ہیں جو ان سے خاص مناسبت رکھتے ہوں مثلاً استواء سے اسکا قبضہ' غلبہ' و حکومت مراد ہے اور وجہ (مُنہ) سے اسکی ذات مراد ہے لیکن ایک قوم نے اسکو مطلق چھوڑ دیا اور یہ کہا کہ ہم کو نہیں معلوم کہ ان سے کیا مراد ہے' میں اس قسم کے مسائل میں کسی ایک قوم کو دوسری قوم پر سنّت و حدیث کے مطابق ہونے میں فوقیت نہیں دے سکتا' کیونکہ اگر خالص سنّت پر عمل مطلوب ہو تو سرے سے ان مسائل میں غور و خوض ہی نہیں کرنا چاہیئے جیسا کہ سَلف نے نہیں کیا لیکن جب زیادہ بیان کی ضرورت آ پڑے تو یہ ضروری نہیں کہ جو کچھ انھوں نے کتاب و سنّت سے استنباط کیا ہو وہ سب کا سب صحیح اور راجح ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ جس چیز کو انھوں نے

والقول بخلق الله تعالىٰ العالم بلا واسطة يتوقف على ابطال القضية القائلة بأن الواحد لا يصدر عنه الا الواحد والقول بالمعجزات يتوقف على انكار اللزوم العقلي بين الاسباب ومسبباتها والقول بالمعاد الجسماني يتوقف على امكان اعادة المعدوم الى غير ذلك مما شحنوا به كتبهم، واما تفصيلا وتفسيرا لما تلقوه من الكتاب والسنة فاختلفوا فى التفصيل والتفسير بعد الاتفاق على الاصل كما اتفقوا على اثبات صفتي السمع والبصر ثم اختلفوا فقال قوم هما صفتان راجعتان الى العلم بالمسموعات والمبصرات، وقال آخرون هما صفتان على حدتهما وكما اتفقوا على ان الله تعالىٰ حيٌّ عليمٌ مريدٌ قديرٌ متكلمٌ ثم اختلفوا فقال قوم انما المقصود اثبات غايات هٰذه المعاني من الآثار والافعال وان لا فرق بين هٰذه السبع وبين الرحمة والغضب والجود فى هٰذا وان الفرق لم تثبته السنة، وقال قوم هي امور موجودة قائمة بذات الواجب واتفقوا على اثبات الاستواء على العرش والوجه والضحك على الجملة ثم اختلفوا فقال قوم انما المراد معان مناسبة فالاستواء هو الاستيلاء والوجه الذات وطواها قوم على غرها وقالوا لا ندري ماذا اريد بهٰذه الكلمات وهٰذا القسم لست استصح ترفع احدى الفرقتين على صاحبتها بانها على السنة كيف وان اريد محض السنة فهو ترك الخوض فى هٰذه المسائل رأسا كما لم يخض فيها السلف ولما ان مست الحاجة الى زيادة البيان فليس كل ما استنبطوه من الكتاب والسنة صحيحا او راجحا ولا كل ما حسبه هٰؤلاء

[1] یہ علیٰ سبیل شہو حضرت مصنفؒ نے فرمایا ورنہ مسئلہ حدوثِ عالم بغیر ابطال ہیولیٰ و اثبات جزء لایتجزیٰ بھی ثابت ہے اس پر کچھ موقوف نہیں ۱۲ م

موقوف علیہ سمجھا ہو تو وہ موقوف علیہ ہی ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ جس چیز کو انھوں نے غلط اور مردود ٹھہرایا ہو وہ کُل کا کُل غلط ہی ہو، اور نہ یہ ضروری ہے کہ جس چیز کو انھوں نے مشکل سمجھکر متروک البحث سمجھا ہو وہ درحقیقت مشکل ہی ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ جو کچھ تفصیل و تفسیر انھوں نے بیان کی ہو وہ تمام کی تمام حق اور غیر کی تفصیل و تفسیر سے زیادہ درست ہی ہو اور جبکہ ہم یہ ذکر کر چکے کہ پہلی قسم کے مسائل میں سُنّی ہونا ضروری ہے نہ کہ دوسری قسم کے مسائل میں چنانچہ آپ قسم دوم کے مسائل میں خود اہلسنت کو ہی باہم بہت سی جگہ مختلف پائیں گے جیسے اشاعرہ اور ماتریدیہ[1] ہیں اور اسی لئے آپ بڑے بڑے ماہر علماء کو بھی ہر زمانہ میں دیکھیں گے کہ وہ کسی بھی باریک سے باریک نکتہ اور دقیقہ کے بیان کرنے سے نہیں رُکے اور نہ کسی قسم کا گریز کیا بشرطیکہ وہ مخالفِ سنت نہ ہو گو متقدمین اسکے قائل ہوں یا نہ ہوں، اور جب کہیں لوگوں کے راستے مختلف ہو گئے تو میں صاف روشن اور سیدھی راہ چلونگا ادھر ادھر نہ دیکھونگا اور کنارہ کو نہ جاؤں گا (بلکہ بیچوں بیچ چلونگا) اور لوگوں کی تفریعات و تخریجات کو بھی نہ لونگا، اور یہ بھی جان رکھئے کہ ہر فن کا ایک خاصہ اور ہر مقام کا ایک مقتضیٰ ہوا کرتا ہے، جسطرح فنِ غریب الحدیث جاننے والے کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ فنِ صحت و ضعفِ حدیث سے بحث کرے اور نہ حافظِ حدیث کو لائق ہے کہ وہ فروعاتِ فقہیہ، اور ان میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے و اختیار کرنے سے بحث کرے بالکل اسی طرح حدیث کے اسرار و رموز سے بحث کرنیوالے کو بھی زیبا نہیں کہ وہ ان باتوں میں کلام کرے اسکی غرض و غایت اور مطمحِ نظر تو یہی ہے کہ وہ نبی صلعم کے قول کے وہ اسرار و رموز بیان کر دے جو خود نبی صلعم نے اس میں ملحوظ رکھے خواہ وہ حکم محکم ہو یا منسوخ یا اسکے لئے کوئی اور دلیل متعارض ہو یا نہ ہو جسکی وجہ سے فقہاء نے اس کو مرجوح سمجھا ہو، ہاں، کسی فن کے مُدوّن کو اس سے بھی چارہ نہیں کہ بعض وہ باتیں جو اس فن سے بہت زیادہ مناسبت رکھتی ہوں ان کو بیان کرے اور فنِ حدیث کیلئے بھی یہ بات موزوں ہے کہ اس میں وہ باتیں ذکر کی جائیں جو شہروں میں مدوّن شدہ احادیث اور آثارِ فقہاء کے بعد درج ہوئی ہوں اور متابع علیہ کو متفرد بہ سے

متوقفا على الشيء مسلم التوقف ولا كل ما أوجبوا رده مسلم الرد ولا كل ما امتنعوا من الخوض فيه استصعابا له صعبا في الحقيقة ولا كل ما جاءوا به من التفصيل والتفسير أحق مما جاء به غيرهم، ولما ذكرنا من ان كون الانسان سنيا معتبر بالقسم الأول دون الثاني ترى علماء السنة يختلفون فيما بينهم في كثير من الثاني كالاشاعرة والماتريدية وترى الحذاق من العلماء في كل قرن لا يتحرزون من كل دقيقة لا تخالف السنة وان لم يقل بها المتقدمون و ستجدني اذا تشعبت بهم السبل في الفروع والمذاهب وتفرقت بهم الموارد فيها والمشارب لجحت بالجادة الجلية وحققت القارعة القوية وصرت لا الوي على الاطراف و الحافات وكنت في صمم من التفاريع والتخريجات فاعلم ان لكل فن خاصة ولكل موطن مقتضى فكما انه ليس لصاحب غريب الحديث ان يبحث عن صحة الحديث وضعفه ولا لحافظ الحديث ان يتكلم في الفروع الفقهية وايثار بعضها على بعض فكذلك ليس للباحث عن اسرار الحديث ان يتكلم بشيء من ذلك انما غاية همته ومطمح بصره هو كشف السر الذي قصده النبي صلى الله عليه وسلم فيما قال سواء بقي هذا الحكم محكما او صار منسوخا او عارضه دليل آخر فوجب في نظر الفقيه كونه مرجوحا نعم لا محيص لكل خائض في فن ان يعتصم بأحق ما هنالك بالنسبة الى ذلك الفن وانما الاقرب من الحق باعتبار فن الحديث ما خلص بعد تدوين احاديث البلاد وآثار فقهائها ومعرفة المتابع عليه من المتفرد به و

[1] اشاعرہ ابوالحسن اشعری (۳۲۴ھ) کے پیروؤں کو اور ماتریدیہ ابومنصور ماتریدی (۳۳۳ھ) کے پیروؤں کو کہتے ہیں ۱۲ م

اصدقوی وکثیر الروایۃ کو انکی کثرت سے میز کیا جائے پھر بھی اگر کوئی بات تبعاً ذکر بھی ہوئی ہو تو مسائل اجتہادیہ اور حق بات کی تحقیق میں اہل علم کا کلام کرنا نہ کوئی نئی بات ہے اور نہ کسی پر موجب طعن ہے۔ میں تو جہانتک ہو سکتا ہے اصلاح کرنا چاہتا ہوں، باقی (اس میں) کامیاب ہونا نہ ہونا خدا (کی مدد) پر (موقوف ہے)۔ میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ یہ بھی یاد رہے کہ جو بات مجھ سے خلاف قرآن وحدیث یا اہل قرن خیر کے مخالف یا جمہور مجتہدین کے خلاف یا مسلمانوں کے سواد اعظم (بڑی عام جماعت) کے برخلاف صادر ہو تو میں اس سے بری ہوں تاہم اگر مجھ سے کوئی ایسی بات سرزد ہو گئی ہو تو اس کو بھول چوک سمجھئے جو کوئی ہم کو خواب غفلت سے بیدار کریگا یا کوتاہیوں سے متنبہ کرے گا، خدا تعالیٰ اسکو جزائے خیر دیگا۔ باقی جو لوگ متقدمین کے کلام کو چرا کر کج بحثی کرتے ہیں اور اہل مناظرہ ومجادلہ کے نام سے منسوب ہیں، انکی ہر بات سے اتفاق کرنا یا انکا اتباع کرنا ہمارے لئے کچھ ضروری نہیں ہے، وہ بھی آدمی ہیں ہم بھی آدمی ہیں کبھی انکا پلہ بھاری ہوتا ہے کبھی ہمارا۔

میں نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، پہلے حصہ میں وہ قواعد کلیہ ہیں جنمیں ایسی مصلحتیں مذکور ہیں جو آنحضرت صلعم کے زمانہ کے تمام مذاہب میں مسلّم الثبوت اور متفق علیہ تھیں اور کسی کو بھی انمیں اختلاف نہ تھا اور صحابہؓ کو گو انکے دریافت کرنے کی کچھ ضرورت نہ تھی لیکن آنحضرت صلعم انکو یہ مصلحتیں بتا دیا کرتے تھے بالکل اسطرح جیسے کوئی فروعات بتاتے وقت ایسے اصولونکی طرف اشارہ کر دے جن سے فروعات حاصل ہوتی ہیں تاکہ بوقت ضرورت سامعین ان سے فروعات حاصل کر سکیں کیونکہ صحابہؓ نے ان نظیروں کو دیکھ لیا تھا جو اس زمانہ کے ملت اسماعیلیہ والے جاہل عرب اور یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں میں پائی جاتی تھیں لہٰذا وہ اس فن میں خوب ماہر ہو گئے اور ان کو اس ہنر میں بڑا ملکہ حاصل ہو گیا میں نے یہ دیکھا کہ اگر تمام شرائع کے اسرار و رموز کی تفاصیل پر غور کیا جائے تو وہ دو اصولوں پر مبنی نظر آتی ہیں۔ ایک تو نیکی وبدی کا مبحث۔ دوسرے ملی وقومی سیاسیات کا مبحث، پھر یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ نیکی اور بدی کی پوری حقیقت

الاکثر رواۃ والاقوی روایہ مما ھو دون ذلک علی انہ ان کان شیٔ من ھذا النوع استطرادا فلیس البحث عن المسائل الاجتھادیۃ وتحقیق الاقرب منھا الحق بدعا من اھل العلم ولا طعنا فی احد منھم "ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب" و ھا انا بریٔ من کل مقالۃ صدرت مخالفۃ لآیۃ من کتاب اللہ او سنۃ قائمۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او اجماع القرون المشھود لھا بالخیر او ما اختارہ جمھور المجتھدین ومعظم سواد المسلمین فان وقع شیٔ من ذلک فانہ خطأ رحم اللہ تعالیٰ من ایقظنا من سنتنا او نبھنا من غفلتنا اما ھؤلاء الباحثون بالتخریج والاستنباط من کلام الاوائل المنتحلون مذھب المناظرۃ والمجادلۃ فلا یجب علینا ان نوافقھم فی کل ما یتفوھون بہ ونحن رجال وھم رجال و الامر بیننا وبینھم سجال۔

ثم انی جعلت الکتاب علی قسمین احدھما قسم القواعد الکلیۃ التی تنتظم بھا المصالح المرعیۃ فی الشرائع واکثرھا کانت مسلمۃ بین الملل الموجودۃ فی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یکن فیھا اختلاف بینھم وکان الحاضرون مستغنین عن سؤالھا فنبہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیھا کما ینبہ علی الاصول المفروع عنھا عند افادۃ الفروع فتمکن السامعون من ارجاع الفروع الیھا لما مارسوا من نظائرھا فی العرب المنتسبین الی الملۃ الاسماعیلیۃ والیھود والنصاری والمجوس ورأیت ان تفاصیل اسرار الشرائع ترجع الی الاصلین مبحث البر والاثم ومبحث السیاسات الملیۃ ثم رأیت البر والاثم لا یکتنہ

جب ہی معلوم ہو سکتی ہے کہ ان سے پیشتر جزائے اعمال، طریقہ ہائے انتفاع اور سعادت نوعیہ کے مباحث معلوم ہو جائیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ مباحث چند ایسے مسائل پر موقوف ہیں جن کو اس علم میں پہلے ہی تسلیم کر لیا گیا ہے، اور جنکی حقیقت اس علم میں اسلئے بیان نہیں ہوتی کہ انکی ہر شخص خود بخود یا تو اس لئے تصدیق کرتا ہے کہ ہر مذہب میں وہ مسلّم ہیں یہانتک کہ وہ مشہودات میں شمار کئے گئے ہیں یا اسلئے کہ انکے معلم کی نسبت حسنِ ظن ہے یا ان کے دلائل اس سے کسی اور اعلیٰ علم میں بیان ہو چکے ہیں، میں نے بخوفِ طوالت یہ ضروری نہ جانا کہ میں اپنی اس کتاب میں "روح و نفس کا ثبوت و بقاء" اور "اس کا بدن سے الگ ہونے کے بعد رنج و راحت پانا" ثابت کروں کیونکہ لوگوں کی کتابوں میں اُن پر کافی بحث ہو چکی ہے البتہ ان مباحث میں سے میں نے صرف وہ مباحث ضرور ذکر کئے ہیں جن سے یا تو وہ کتابیں بالکل خالی تھیں یا ان کی وہ ترتیب و تفریعات نہیں کی گئی تھیں جن کی مجھ کو توفیق دی گئی، اور مسلّمات میں سے بھی وہی چیزیں ذکر کی ہیں جن کو (پچھلے) لوگوں نے نہیں لیا، اور دلائلِ مسموعہ (نقلی دلائل) بھی میں نے اُن پر بہت کم بیان کئے ہیں، لہٰذا اس (اوّل) حصہ میں ہم وہی مسائل[1] بیان کریں گے جن کو بلا استفسارِ لمیّت[2] و مصلحت یہاں اس فن میں تسلیم کرنا ضروری ہے، پھر[3] زندگی میں اور موت کے بعد جزائے اعمال کی کیفیت، پھر[4] انتفاع کے وہ طریقے جو بنی آدم کے لئے جبلّی و پیدائشی بنائے گئے ہیں اور کسی نے بھی ان کو اس طرح نہ لیا کہ ان کی عقل میں آ سکیں، پھر[5] انسان کی باعتبار اس کی نوع کے سعادت و شقاوت اور باعتبار آخرت کے بھلائی، پھر[6] نیکی اور بدی کے وہ اصول جن پر ہر اہلِ مذہب کو اتفاق ہے، پھر[7] جو کچھ امت کی سیاست کے لئے تقررِ حدود و شرائع سے واجب سمجھا گیا، پھر[8] شرائع کے نبی صلعم کے کلام سے استنباط کرنے کی کیفیت اور دوسرے حصہ میں مندرجہ ذیل ابواب کی احادیث کے اسرار و رموز کی شرح بیان کی ہے۔ ابواب[1] ایمان، ابواب[2] علم، ابواب[3] طہارت، ابواب[4] صلوٰۃ، ابواب[5] زکوٰۃ، ابواب[6] صوم،

حقیقتہما الا ان یعرف قبلہما مباحث المجازاۃ والارتفاقات والسعادۃ النوعیۃ ثم رأیت ہٰذہ المباحث تتوقف علی مسائل تسلم فی ہٰذا العلم ولا یبحث عن لمیتہا فاما ان تصدق بہا لاتفاق الملل علیہا حتی صارت من المشہودات او لحسن الظن بالمعلم او لدلائل تذکر فی علم اعلیٰ من ہٰذا العلم واعرضت عن الاطالۃ فی اثبات النفس وبقائہا وتنعمہا وتألمہا بعد مفارقۃ الجسد لانہ مبحث مفروغ عنہ فی کتب القوم وما ذکرت من ہٰذہ المباحث الا ما رأیت الکتب التی وقعت الی خالیۃ عن الکلام فیہ اصلا او عن التفریع والترتیب اللذین وفقت لاستخراجہما ولا من المسلمات الا ما رأیت القوم لم یتعرضوا لہ ولا لایراد الدلائل السمعیۃ علیہ کثیر تعرض فلا جرم انی اذکر فی ہٰذا القسم مسائل یجب ان تصدق بہا فی ہٰذا الفن من غیر تعرض للمیتہا ثم کیفیۃ المجازاۃ فی الحیاۃ وبعد الممات، ثم الارتفاقات التی جبل علیہا بنو آدم ولم یحملہا قط عربہم ولا عجمہم من جہۃ ما اوجبتہ عقولہم ثم بیان سعادۃ الانسان وشقاوتہ بحسب النوع وبحسب ما یظہر فی الاٰخرۃ، ثم اصول البر والاثم التی تواردت علیہا اہل الملل، ثم ما یجب عند سیاسۃ الائمۃ من ضرب الحدود والشرائع، ثم کیفیۃ استنباط الشرائع من کلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتلقیہا عنہ، والقسم الثانی فی شرح اسرار الاحادیث من ابواب الایمان ثم من ابواب العلم ثم من ابواب الطہارۃ ثم من ابواب الصلاۃ ثم من ابواب الزکاۃ ثم من ابواب الصوم ثم

ابوابِ حج، ابوابِ احسان (نیکی)، ابوابِ معاملات، ابوابِ تدبیر منازل (امورِ خانہ داری وگھریلو انتظامات)، ابوابِ سیاستِ مدن (ملکی سیاست)، ابوابِ آدابِ معیشت (رہنا سہنا) اور چند مختلف ابواب (سیرتِ نبیؐ، فتن و مناقب کے بارے میں) اب مقصود بیان کرنے کا وقت آپہنچا سب طرح کی حمد وثنا اللہ ہی کے لئے ہے، شروع میں بھی اور آخر میں بھی ؛

حِصّہ اوّل :- اس میں وہ قواعدِ کلیہ ہیں جن سے وہ مصلحتیں سمجھی جاتی ہیں جو احکامِ شرعیہ میں ملحوظ رکھی گئی ہیں اس میں سات مبحث اور ستر باب ہیں[۱] ؛

مبحثِ اوّل :- تکلیف اور جزا وسزا کے اسباب کے بیان میں ؛

بابِ :- ابداع، اور پیدا کرنے اور تدبیر کے بیان میں ؛

واضح ہو کہ خدا تعالیٰ کی خلق و عالم کے پیدا کرنے میں بالترتیب تین صفات ہیں جو ایک دوسری پر مترتب ہیں (اوّل) ابداع ہے اور وہ کسی چیز کا بغیر کسی چیز کے پیدا کرنا ہے اسطرح کہ وہ چیز پردۂ عدم سے بغیر کسی مادہ کے ظہور کرے، چنانچہ نبی صلعم سے کسی نے سب سے پہلی مخلوق کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ "اللہ ہی تھا اور اس سے پہلے کوئی نہ تھا"[۳]

(دوم) پیدا کرنا اور وہ کسی چیز کو کسی دوسری چیز سے پیدا کرنا ہے، جیسے آدمؑ کو مٹی سے اور جنوں کو بغیر دھوئیں کی خالص آگ سے پیدا کیا، اور عقل و نقل دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو چند انواع اور چند اجناس میں ظاہر فرما کر ہر ایک نوع اور جنس کے لئے ایک خاصہ مقرر فرمایا ہے مثلاً انسان کا خاصہ کلام کرنا، صاف جلد ہونا، سیدھا قد ہونا، اور مخاطب کی بات کو سمجھنا ہے، لیکن گھوڑے کی نوع کا خاصہ ہنہنانا، جلد پر بال ہونا، ٹیڑھا قد ہونا اور کلام کا نہ سمجھنا ہے، اور زہر کی یہ خاصیت ہے کہ جو اس کو کھاتا ہے ہلاک ہوجاتا ہے، اور سونٹھ کی خاصیت

من ابواب الحج ثم من ابواب الاحسان ثم من ابواب المعاملات ثم من ابواب تدابیر المنازل ثم من ابواب سیاسة المدن ثم من آداب المعیشة ثم من ابواب شتی وھذا اوان الشروع فی المقصود فالحمد للہ اولاً و آخراً۔

القسم الاول فی القواعد الکلیة التی تستنبط منها المصالح المرعیة فی الاحکام الشرعیة سبعة مباحث فی سبعین باباً

المبحث الاول فی اسباب التکلیف والمجازاة۔

باب الابداع والخلق والتدبیر :- اعلم ان اللہ تعالیٰ بالنسبة الی ایجاد العالم ثلاث صفات مترتبة، احدھا الابداع وھو ایجاد شیٔ لا من شیٔ فیخرج الشیٔ من کتم العدم بغیر مادة، وسئل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عن اول ھذا الامر فقال کان اللہ ولم یکن شیٔ قبلہ والثانیة الخلق وھو ایجاد الشیٔ من شیٔ کما خلق آدم من التراب" وخلق الجان من مارج من نار" وقد دل العقل والنقل علی ان اللہ تعالیٰ خلق العالم انواعاً واجناساً وجعل لکل نوع وجنس خواص، فنوع الانسان مثلاً خاصتہ النطق وظھور البشرة واستواء القامة وفھم الخطاب، ونوع الفرس خاصتہ الصھیل وکون بشرتہ شعراء و قامتہ عوجاء وان لا یفھم الخطاب، وخاصة السم اھلاک الانسان الذی یتناولہ، وخاصة الزنجبیل

---

[۱] یہاں مصنفؒ نے ستر باب کہے ہیں حالانکہ اصل میں اسّی باب ہیں، شاید سہو ہوگیا ہو مص [۲] ابداع کے معنے کسی چیز کو نئے طرز پر بے نمونہ کے پیدا کرنا یعنے ایجاد کرنا ہوام [۳] یہ روایت صحیحین کی ہے جو عالم کے حدوثِ زمانی پر دلالت نہیں کرتی مگر دوسری روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "اللہ ہی تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی" یہ روایت حدوث عالم پر دلالت کرتی ہے ۱۲ منہ

گرم خشک ہے، اور کافور کی خاصیت سرد ہے اور اسی طرح معدنیات، نباتات اور حیوانات کی دیگر تمام اقسام و انواع کا حال ہے۔ خدا تعالیٰ کا قانون اسی طرح رہا ہے کہ کسی چیز کا خاصہ اس سے جدا نہیں ہوتا اور مشخص افراد اپنے خواص کے حق میں اس طرح مخصوص اور متعین ہیں جس طرح ممیزاتِ انواع، خواصِ اجناس کے حق میں[1]، اور اسی طرح ان چیزوں کے معانی و اثرات کا حال ہے جو ہر خاص و عام میں مترتب ہوتے رہتے ہیں۔ اور مخصوص طور پر بھی پائے جاتے ہیں اور عام طور پر بھی مثلاً جسم، نامی، حیوان اور انسان، اور یہ خواص بھی ظاہراً تو باہم ملے جلے نظر آتے ہیں لیکن عقل ان کے درمیان فرق معلوم کر کے ان کی اصل چیز کے ساتھ (ان کا رشتہ) ملا دیتی ہے۔ نبی صلعم نے بہت سی چیزوں کے خواص بیان فرمائے اور ان کے اثرات کی نسبت و رشتہ انہیں سے ملایا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ "تلبینہ (حریرہ[2]) مریض کے دل کو فرحت و قوت بخشتا ہے۔" اور یہ کہ "کلونجی سوائے موت کے ہر مرض کیلئے شفا ہے۔" اور ایک جگہ فرمایا کہ "اونٹ کا پیشاب اور دودھ بدہضمی اور دست کا علاج ہے۔" اور فرمایا کہ "شبرم[3] گرم ہوتا ہے۔" (سوم) صفت تدبیر عالم موالید[4] ہے، اسکا نتیجہ یہ ہے کہ زمانہ کی ہر چیز اس نظام کے موافق ہو جو اسکی حکمت پسند کرتی ہے اور اس مصلحت کے مطابق ہو جو اسکی رحمت چاہتی ہے، جیسے بادل سے پانی برسایا اور اس سے زمین کا سبزہ نکال کر اس کو ایک مدتِ معینہ تک کیلئے انسانوں اور چوپایوں کی زندگی کا سبب بنایا اور جیسے حضرت ابراہیم ؑ کو آگ میں پھینکوا کر پھر آگ کو ان کے زندہ رکھنے کیلئے مناسب طور پر سرد کر دیا اور جیسے حضرت ایوب ؑ کے بدن میں مرض کا مادہ جمع کیا اور پھر ایک ایسا چشمہ بنایا جس سے ان کا مرض دور ہو گیا، اور جیسے خدا تعالےٰ نے ایک بار اہلِ زمین پر نظر

الحرارة واليبوسة، وخاصة الكافور البرودة وعلى هٰذا القياس جميع الانواع من المعدان والنبات والحيوان وجرت عادة الله تعالىٰ ان لا تنفك الخواص عما جعلت خواص لها وان تكون مشخصات الافراد خصوصا فى تلك الخواص وتعينا البعض محتملاتها فكذالك مميزات الانواع خصوصا فى خواص اجناسها وان تكون معانى هٰذه الاسامى المترتبة فى العموم والخصوص كالجسم والنامى والحيوان والانسان وهٰذا الشخص متمازجة متشابكة فى الظاهر ثم يريد رأى العقل لفرق بينها ويضيف كل خاصة الى ما هى خاصة له وقد بين النبى صلى الله عليه وسلم خواص كثير من الاشياء واضاف الآثار اليها كقوله صلى الله عليه وسلم التلبينة مجمة لفؤاد المريض وقوله فى الحبة السوداء شفاء من كل داء الا السام وقوله فى ابوال الابل والبانها شفاء للذربة بطونهم وقوله فى الشبرم حار جار. والثالثة تدبير عالم المواليد ومرجعه الى تصيير حوادثها موافقة للنظام الذى ترتضيه حكمته مفضية الى المصلحة التى اقتضاها جوده كما انزل من السحاب مطرا واخرج به نبات الارض ليأكل منه الناس والانعام فيكون سبب حياتهم الى اجل معلوم وكما ان ابراهيم صلوات الله عليه القى فى النار فجعلها الله بردا وسلاما ليبقى حيا وكما ان ايوب عليه السلام كان اجتمع فى بدنه مادة المرض فانشأ الله تعالىٰ عينا فيها شفاء مرضه وكما ان الله تعالىٰ نظر

[1] یعنے جسطرح افراد باہم خصوصیات اور تعینات سے ممتاز ہیں اسیطرح اجناس انواع کی وجہ سے ممیز و ممتاز ہیں ۱۲ م [2] حریرہ آٹے یا بھوسی سے بنایا جاتا ہے کبھی شہد بھی ملا لیتے ہیں سفیدی اور ملائمت میں دودھ کی مانند ہوتا ہے ۱۲ مصحح [3] شبرم چنے کی طرح ایک دانہ ہوتا ہے جسکو جوش کر کے اس کا پانی دوا کے طور پر استعمال ہوتا ہے ۱۲ مصحح [4] موالید آسمان و زمین کے اندر مخلوقات و نباتات

کی قوانپر ان کی بداعمالی کیوجہ سے بہت غصہ ہوا پھر اپنے نبیؐ کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ وہ انکو ڈرائے اور (عذاب سے) چوکنا کردے اور ان سے جہاد کرے (یہ اسی لئے کیا) تاکہ وہ اپنے مرضی کے مطابق جسے چاہے تاریکی (کفر) سے نکال کر روشنی (ایمان) میں لے آئے۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ موالید میں ودیعت شدہ قوتیں جو ان سے کبھی جدا نہیں ہوتیں جب آپس میں ملتی اور ٹکراتی ہیں تو حکمت الٰہی ان میں سے ایسے مختلف اطوار واثرات پیدا کرتی ہے جن میں سے بعض تو جواہر ہوتے ہیں اور بعض اعراض، اور اعراض یا تو ذی نفس چیزوں کے اعمال ہوتے ہیں یا ارادے یا ان دونوں کے سوا کوئی اور چیز، ہوتے ہیں اور ان اطوار واثرات میں فی نفسہٖ کوئی شر (قباحت وبرائی) ان معنوں میں نہیں کہ جس چیز کو ان کا سبب چاہتا ہو وہ صادر نہیں ہو رہی یا یہ کہ جسکو انکا سبب چاہتا ہو اسکے بالکل مخالف صادر ہو رہا ہے[1]، اور (یہ تو ایک عام اصول ہے کہ) اگر کسی چیز کے وجود میں آنے کے اصل سبب و مقصد پر غور کیا جائے تو وہ لامحالہ اچھی اور مفید نظر آئیگی دیکھئے کسی چیز کا کاٹنا یا مثلاً لوہے کا کاٹنا اس وجہ سے اچھا اور حسن ہے کہ لوہے کی جوہر کا یہی تقاضا ہے گو اس لحاظ سے برا ہے کہ اس سے انسانی معاشرہ ختم ہو جاتا ہے، ہاں ان اشیاء میں شر ان معنوں میں پایا جاتا ہے کہ ان میں ایسی چیز پیدا ہو جو اثرات کے لحاظ سے مصلحت میں پہلی چیز سے کمتر ہو (یعنے خوب تر کی جگہ کم درجہ کی چیز پیدا ہو) یا کوئی ایسی چیز سرے سے پیدا ہی نہ ہو جس کے اثرات عمدہ ہوں اور جب اس قسم کے شر کے اسباب تیار ہو جاتے ہیں تو خدا کی وسیع رحمت اور لطفِ عام اور قدرتِ کاملہ اور علمِ محیط کا یہ تقاضا ہوتا ہے[2] کہ وہ ان قوتوں اور ان چیزوں میں، جو ان قوتوں کی حامل ومالک ہیں، قبض، بسط، احالہ، اور الہام کے ذریعہ سے کچھ تصرف کرے تاکہ ان سے انکا اصل مقصد ومطلوب حاصل ہو جائے۔ قبض[3] کی مثال وہ ہے جس کا اس حدیث میں ذکر ہے کہ "دجال مردِ مؤمن کو دوبارہ قتل کرنا چاہے گا[4] لیکن خدا اسکو قتل کی قدرت نہ دے گا باوجودیکہ اسباب وسامانِ قتل سب اسکے پاس صحیح وسالم موجود ہوگا۔" اور بسط[5] کی مثال یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے حضرت ایوبؑ کے لئے فرشتہ کی ٹھوکر سے چشمہ پیدا کر دیا حالانکہ عام طور پر ایسا نہیں ہوا کرتا کہ محض ٹھوکر مارنے سے چشمہ جاری ہو جایا کرے، اور اسی طرح اپنے بعض مخلص بندوں کو جہاد میں ایسے ایسے کاموں کی قدرت دی جن کا ان کے سے بدن والوں بلکہ ان سے دُگنے تگنے بدن والوں سے سرانجام

الى اهل الارض فمقتهم عربهم وعجمهم فاوحى الى نبيه صلے الله عليه وسلم ان ينذرهم ويجاهدهم ليخرج من شاء من الظلمات الى النور، وتفصيل ذلك ان القوى المودعة فى المواليد التى لا تنفك عنها لما تزاحمت و تصادمت اوجبت حكمة الله حدوث اطوار مختلفة بعضها جواهر وبعضها اعراض والاعراض اما افعال او ارادات من ذوات الانفس اوغيرهما وتلك الاطوار لا شر فيها بمعنے عدم صدور ما يقتضيه سببه او صدور ضد ما يقتضيه والشئ اذا اعتبر بسببه المقتضى لوجوده كان حسنا لا محالة كالقطع حسن من حيث انه يقتضيه جوهر الحديد وان كان قبيحا من حيث فوت بنية انسان لكن فيها شر بمعنے حدوث شئ غيره اوفق بالمصلحة منه باعتبار الآثار او عدم حدوث شئ آثاره محمودة واذا تهيأت اسباب هذا الشر اقتضت رحمة الله بعباده ولطفه بهم وعموم قدرته على الكل وشمول علمه بالكل ان يتصرف فى تلك القوى والامور الحاملة لها بالقبض والبسط و الاحالة والالهام حتى تفضے تلك الجملة الى الامر المطلوب اما القبض فمثاله ما ورد فى الحديث ان الدجال يريد ان يقتل العبد المؤمن فى المرة الثانية فلا يقدره الله تعالےٰ عليه مع صحة داعية القتل وسلامة ادواته وأما البسط فمثاله ان الله تعالىٰ انبع عينا لايوب صلوات الله عليه بركضة الارض وليس فى العادة ان تفضے الركضة الى نبوع الماء واقدر بعض المخلصين من عباده فى الجهاد على ما لا

[1] اسکی اصطلاح میں شر کی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ جسکو سبب چاہتا ہو وہ نہ ہو جیسے پانی کا تقاضا ٹھنڈک ہے وہ اس سے حاصل نہ ہو دوم یہ کہ جسکو سبب چاہتا ہو اسکے خلاف صادر ہو جیسے پانی سے گرمی پیدا ہو۔ مترجم [2] یہاں شر کی دو اور صورتیں بیان فرمائیں اول یہ کہ ایک چیز سے جیسا عمدہ اثر پیدا ہوتا تھا ویسا نہ ہو بلکہ کم درجہ کا ہو۔ دوم یہ کہ اس سے کوئی عمدہ اثر ہی پیدا نہ ہو یہ دو قسم کا شر تو موالید میں پایا جاتا ہے لیکن پہلی دو قسم کا نہیں پایا جاتا۔ مترجم [3] قبض سکیڑ لینا، سلب کر لینا مص [4] یہ مرد مومن وہ شخص ہے جو مدینہ سے دجال کے مناظرہ کیلئے نکلے گا م [5] بسط پھیلا دینا، قوت دینا۔ مص

یا نا عقل میں نہیں آتا،[1] اور جو احالہ[2] ہے اسکی مثال یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کیلئے آگ کو خوشگوار اور فرحت بخش ہوا بنا دیا تھا اب رہا الہام[3] تو اسکی مثال حضرت خضرؑ کا قصہ ہے کہ (انھوں نے) کشتی کو توڑا، دیوار کو سیدھا کیا اور لڑکے کو قتل کیا نیز کتابوں اور احکام کا انبیاء پر نازل ہونا بھی الہام ہے، اور الہام کبھی خود اس شخص کو ہوتا ہے جو اس معاملہ میں گرفتار (ضرورتمند) ہوتا ہے اور کبھی اسکے لئے کسی اور کو ہو جاتا ہے اور قرآن مجید نے تدبیر کی اتنی انواع واقسام بیان کی ہیں کہ ان سے زیادہ کوئی بیان ہی نہیں کر سکتا۔

باب ۲ عالم مثال کا بیان

معلوم ہونا چاہیئے کہ بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اِس عالم عنصری (مادی دنیا) کے علاوہ ایک اور ایسا عالم موجود ہے جس میں معنوی (مخفی) چیزیں (مثلاً صفاتِ انسانی وغیرہ) اپنی صفت کے مناسب جسم میں ظہور میں آتی ہیں اور زمین میں پائے جانے سے پیشتر ہر چیز پہلے وہاں وجود پذیر ہوتی ہے پس جب وجود میں آتی ہے تب ایک طرح سے یہ دہی ہوتی ہے اور بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کا عام لوگوں کے نزدیک جسم نہیں ہے وہاں آتی جاتی ہیں لیکن لوگوں کو دکھائی نہیں دیتیں، چنانچہ نبی صلعم نے فرمایا کہ "جب خدا نے رحم[4] کو پیدا کیا تو وہ کھڑا ہو کر یہ کہنے لگا کہ یہاں اسکا ٹھکانا ہے جو قطع رحم کرنے (ناطہ توڑنے) میں تجھ سے ڈرتا اور تیری پناہ مانگتا ہے"۔ اور فرمایا کہ "سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران قیامت کے دن اس طرح سے آئیں گی کہ گویا وہ دو بدلیاں یا دو چھتریاں اور سائے یا صف بستہ پرندوں کے دو غول ہیں اور وہ اپنے پڑھنے والے کی طرف سے ہو کر گفتگو کریں گی"۔ اور فرمایا کہ "قیامت کے روز سب اعمال آئیں گے پہلے نماز آئیگی پھر صدقہ پھر روزے" الخ اور فرمایا کہ "نیکی اور بدی دو مجسم چیزیں بنکر قیامت کے روز کھڑی ہونگی نیکی تو اپنے کرنیوالے کو خوشخبری دیگی اور بدی کہیگی بچو! بچو! لیکن وہ (بدلوگ) اس سے بچ نہ سکیں گے" اور فرمایا کہ "قیامت کے روز خدا تعالیٰ تمام دِنوں کو ہو بہو لائے گا لیکن جمعہ کے دن کو نہایت چمک دمک سے ظاہر کرے گا"۔ اور فرمایا کہ "دنیا قیامت کے روز ایک ایسی کالے سفید بالوں والی بڑھیا کی صورت میں لائی جائے گی

[1] جیسے حضرت علی رضؓ کا قلعہ خیبر کے دروازہ کو اکھیڑ دینا ۱۲ م [2] احالہ ایک چیز کو کچھ سے کچھ کر دینا ۱۲ م
[3] الہام دل میں کسی بات کا القا کرنا ۱۲ م [4] رحم آپس کی محبت، رشتہ اور نرمی یعنی صلہ رحم ۱۲ م

يتصوره العقل من مثل تلك الابدان ولا من اضعافها، واما الاحالة فمثالها جعل النار هواء طيبة لابراهيم عليه السلام، واما الالهام فمثاله قصة خرق السفينة واقامة الجدار وقتل الغلام وانزال الكتب والشرائع على الانبياء عليهم السلام والالهام تارة يكون للمبتلى وتارة يكون لغيره لاجله والقرآن العظيم بيّن انواع التدبير بما لامزيد عليه۔

باب ذكر عالم المثال

اعلم ان دلت احاديث كثيرة على ان فى الوجود عالما غير عنصرى تتمثل فيه المعانى باجسام مناسبة لها فى الصفة وتتحقق هنالك الاشياء قبل وجودها فى الارض نحوا من التحقق، فاذا وجدت كانت هى هى بمعنى من معانى هو هو، وان كثيرا من الاشياء مما لا جسم لها عند العامة تنتقل وتنزل ولا يراها جميع الناس، قال النبى صلى الله عليه وسلم لما خلق الله الرحم قامت فقالت هذا مقام العائذ بك من القطيعة" وقال" ان البقرة وآل عمران تأتيان يوم القيامة كانهما غمامتان اوغيايتان اوفرقان من طير صواف تحاجان عن اهلهما" وقال" تجيء الاعمال يوم القيمة فتجيء الصلوة ثم تجيء الصدقة ثم يجيء الصيام" الحديث وقال" ان المعروف والمنكر لخليقتان تنصبان للناس يوم القيامة فاما المعروف فيبشر اهله واما المنكر فيقول اليكم اليكم ولا يستطيعون له الا لزوما" وقال" ان الله تعالى يبعث الايام يوم القيامة كهيئتها ويبعث الجمعة زهراء منيرة" وقال" يؤتى بالدنيا يوم القيامة فى صورة عجوز شمطاء

جس کے نیلے نیلے دانت ہو گئے اور پھیلا ہوا بدنما منہ ہو گا"۔ اور فرمایا کہ "اے لوگو! جسکو میں دیکھتا ہوں کیا وہ تم کو بھی نظر آتا ہے میں تو تمہارے گھروں میں مینہہ کی طرح فتنے و فساد برستے دیکھتا ہوں"۔ اور حدیث معراج میں یہ فرمایا کہ "یکایک مجھکو چار نہریں دکھلائی دیں دو باطنی اور دو ظاہری"۔ میں نے پوچھا کہ اے جبرئیلؑ! یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ یہ دو باطنی نہریں جنت میں ہیں اور جو باقی دو جو ظاہری ہیں وہ نیل اور فرات ہیں"۔ سورج گہن کی حدیث میں آپنے یہ فرمایا کہ "مجھ کو جنت و دوزخ کی صورت دکھائی گئی"۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ "قبلہ کی (یعنے سامنے کی) دیوار اور میرے درمیان (جنت و دوزخ کی صورت دکھائی گئی)"۔ اور اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ "آپنے جنت (کے پھلوں) کا ایک خوشہ لینے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا"۔ اور یہ بھی ہے کہ "آپ (دوزخ کی) آگ کی گرمی سے اُف اُف کرتے ہوئے پیچھے ہٹے اور اس آگ میں حاجیوں کے مال چرانیوالے کو دیکھا اور اس عورت کو بھی دیکھا جس نے کسی بلی کو باندھ کر بھوکا پیاسا مارا تھا، اور جنت میں اس رنڈی کو دیکھا جس نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا"۔ اور یہ ظاہر ہے کہ (آنحضرتؐ اور محراب مسجد کا) درمیانی فاصلہ جنت و دوزخ کی اس مقدار کی جو سب کو معلوم ہے کہاں گنجائش رکھ سکتا ہے۔ اور ایک جگہ آپنے فرمایا کہ "جنت ایسی تکلیف دہ چیزوں سے گھری ہوئی ہے جو نفس کو ناگوار ہیں اور دوزخ ایسی لذت والی چیزوں سے جنکی نفس کو خواہش ہے"۔ پھر جبرئیلؑ نے کہا لو اب انکو دیکھو۔ اور آپنے یہ بھی فرمایا کہ "جب بلا نازل ہوتی ہے تو دعا اس سے لڑتی اور اسکو روکتی ہے"۔ اور فرمایا کہ "اللہ نے عقل کو پیدا کر کے یہ کہا کہ سامنے آ! تو وہ آ گئی اور پھر کہا کہ چلی جا تو وہ چلی گئی"۔ اور فرمایا کہ "یہ دو کتابیں پروردگار عالم کیطرف سے (ارسال کردہ) ہیں"۔ الخ اور فرمایا کہ "موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لاکر جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائیگا"۔ اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ "ہم نے مریمؑ کے پاس اپنا ایک فرشتہ بھیجا تو وہ انکو ایک جوان آدمی کی شکل میں دکھائی دیا"۔ اور حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جبرئیلؑ آنحضرتؐ کے پاس آتے تھے تو آپ انکو دیکھتے تھے اور ان سے باتیں بھی کرتے تھے لیکن اور لوگوں کو وہ نظر نہیں آتے تھے۔ اور یہ (بھی ثابت ہے) کہ "مومن کی قبر ستر در ستر گز کشادہ ہو جاتی ہے اور کافر کی تنگ یہانتک کہ اسکی پسلیاں الٹ پلٹ کر ادھر کی ادھر نکل جاتی ہیں"۔ اور یہ کہ "قبر میں میت کے پاس فرشتے آکر اس سے سوال کرتے ہیں اور اسکے اعمال اسکو ایک خاص شکل میں نظر آنے لگتے ہیں"۔ اور یہ کہ "جانکنی کے وقت فرشتے آتے ہیں تو ان کے ہاتھوں میں یا تو ریشم ہوتا ہے یا ٹاٹ"۔ اور یہ کہ "قبر میں فرشتے (کافر) میت کو لوہے کے گرزوں اور ہتوڑوں سے اس طرح مارتے ہیں کہ اس (کافر) کی چیخ کو

ذراعاً انیابہا مشوہ خلقہا" وقال "ہل ترون ما اری فانی لاری مواقع الفتن خلال بیوتکم کمواقع القطر" وقال فی حدیث الاسراء "فاذا اربعة انہار نہران باطنان ونہران ظاہران فقلت ما ہٰذا یا جبریل؟ قال اما الباطنان ففی الجنة واما الظاہران النیل والفرات" وقال فی حدیث صلاة الکسوف "صورت لی الجنة والنار" وفی لفظ "بینی وبین جدار القبلة" وفیہ "انہ بسط یدہ لیتناول عنقودا من الجنة" و "انہ تکعکع من النار ونفخ من حرہا ورائی فیہا سارق الحجیج والمرأة التی ربطت الہرة حتے ماتت ورائی فی الجنة امرأة مومسة سقت الکلب" ومعلوم ان تلک المسافة لا تتسع للجنة والنار باجسادہما المعلومة عند العامة۔ وقال "حفت الجنة بالمکارہ وحفت النار بالشہوات" ثم امر جبریل ان ینظر الیہما وقال "ینزل البلاء فیعالجہ الدعاء" وقال "خلق اللہ العقل فقال لہ اقبل فاقبل وقال لہ ادبر فادبر" وقال "ہٰذان کتابان من رب العالمین" الحدیث و قال "یؤتی بالموت کانہ کبش فیذبح بین الجنة والنار" وقال تعالےٰ "فارسلنا الیہا روحنا فتمثل لہا بشرا سویا" واستفاض فی الحدیث ان جبریل کان یظہر للنبی صلے اللہ علیہ وسلم ویتراءی لہ فیکلمہ ولا یراہ سائر الناس" وان القبر یفسح سبعین ذراعا فی سبعین او یضم حتے تختلف اضلاع المقبور" و "ان الملائکة تنزل علی المقبور فتسالہ وان عملہ یتمثل لہ" و "ان الملائکة تنزل الی المحتضر بایدیہم الحریر او المسح" و "ان الملائکة تضرب المقبور بمطرقة من حدید فیصیح صیحة

ف یعنے جنت میں جانے کیلئے بڑی مشکلات جھیلنی پڑتی ہیں اور دوزخ میں جانیوالا اسمیں داخل ہونے سے قبل بڑی عیش و آرام میں اور بغیر کسی تکلیف کے رہچکا ہوگا ۱۲ منہ ف اس میں شاید اس حدیث کیطرف اشارہ ہے جس میں ذکر ہے کہ آپ دو کتابیں لئے ہوئے نکلے اور فرمایا ایک کتاب میں تو جنتیوں کے نام ہیں اور ایک میں ہ

ہ دوزخیوں کے ۱۲ منہ ف مرنے والا اگر مومن صالح ہو تو اسکی روح ریشم میں لیجائیں اور اگر فاسق فاجر کافر ہو تو ٹاٹ میں لیجائیں ۱۲ منہ

مشرق سی مغرب تک (سوائے جن وانس کے) سب سنتے ہیں۔" اور یہ کہ "ہر کافر پر اس کی قبر میں ننانوے زہریلے اژدہے مسلط کئے جاتے ہیں تاکہ وہ اس کو قیامت کے آنے تک نوچتے اور ڈستے رہیں۔" اور فرمایا کہ "جب مُردہ کو قبر میں رکھا جاتا ہی تو اُسے آفتاب غروب ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہی تب وہ بیٹھ کر آنکھیں مَلنے لگتا ہی اور فرشتوں سی کہتا ہی کہ مجھے چھوڑ دو تو سہی میں ذرا نماز تو پڑھ لوں۔" حدیث سی یہ بھی ثابت ہی کہ "خدا تعالیٰ قیامت میں اہلِ محشر کو مختلف صورتوں میں اپنی تجلّی دکھائے گا۔" اور یہ کہ "نبی صلعم خدا تعالیٰ کے پاس جائیں گے اور وہ اپنی کُرسی پر (جلوہ افروز) ہوگا۔" اور یہ کہ "خدا تعالیٰ ابنِ آدم سی دُو بدو کلام کریگا۔" اسکے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

اب ان احادیث پر غور کرنے والا تین حال سی خالی نہیں۔ یا تو انکے ظاہری معنی کا مُقِر ہو کر ایک اور عالَم ثابت کریگا جس کا حال ہم نے ذکر کیا۔ چنانچہ اہلِ حدیث کا یہی دستور ہی جیسی علامہ سیوطیؒ نے فرمایا کہ میں اسی کا قائل ہوں اور یہی میرا مذہب ہے۔ یا وہ یوں کہے گا کہ یہ چیزیں محض حسِّ بصر میں دکھائی دیتی ہیں اور اصل میں انکا کچھ بھی وجود نہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی اس آیت "اس روز کا انتظار کر جس روز آسمان کُھلا کُھلا دھواں لائے گا۔" کی تفسیر میں ایسا ہی کہا ہی کہ ان کے زمانہ میں قحط سالی ہو گئی تھی اس وقت جب کوئی آسمان کی طرف دیکھتا تھا تو بھوک کی وجہ سی اسکو دھواں سا نظر آتا تھا۔" اور ابن ماجشون سی منقول ہی کہ "جس حدیث میں بھی خدا تعالیٰ کی نسبت قیامت کے روز نقل و حرکت کرنے یا رویت وتجلی کا ذکر آیا ہے تو اس سے یہ مراد ہی کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی نگاہ بدل دیگا جس سی وہ اسکو آسمان سے اُترتا اور تجلّی کرتا دیکھیں گے اور یوں سمجھیں گے کہ وہ ان سے کلام کر رہا ہی حالانکہ وہ اپنی اسی عظمت سی ہے نہ اُترتا ہے نہ کوئی اور نقل و حرکت کرتا ہی۔ اور یہ سب اسلئے ہی کہ انکو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہی۔" یا یوں کہے گا کہ ان احادیث سی کچھ اور معنی مراد ہیں اور ان معنی کو سمجھنے کیلئے یہ مثالیں بیان کی گئی ہیں لیکن میرا خیال ہی کہ یہ تیسرا قول کسی اہلِ حق کا نہیں۔ امام غزالیؒ نے عذابِ قبر کے باب میں ان تینوں مقامات کی صورت (بہت اچھی طرح) بیان کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی احادیث کے ظاہری معنی تو صحیح ہیں لیکن ان کے اسرار و رموز مخفی ہیں۔ البتہ اہلِ بصیرت پر یہ سب بالکل واضح ہیں۔ لہٰذا جس کو ان کے اسرار معلوم نہ ہوں اور اصل حقیقت کا علم نہ ہو تو اسی انکے ظاہری معنوں کا انکار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ سچا جان کر تسلیم کر لینا چاہیئے کیونکہ یہی ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے۔

يسمعها ما بين المشرق والمغرب" وقال النبي صلى الله عليه وسلم "ليسلط على الكافر في قبره تسعة وتسعون تنينا تنهسه وتلدغ حتى تقوم الساعة" وقال اذا دخل الميت القبر مثلت له الشمس عند غروبها فيجلس يمسح عينيه ويقول دعوني اصلي" واستفاض في الحديث ان الله تعالى يتجلى بصور كثيرة لاهل الموقف و"ان النبي صلى الله عليه وسلم يدخل على ربه وهو على كرسيه" و"ان الله تعالى يكلم ابن ادم شفاها" الى غير ذلك مما لا يحصى كثرة۔

والناظر في هذه الاحاديث بين احدى ثلاث اما ان يقر بظاهرها فيضطر الى اثبات عالم ذكرنا شانه وهذه هي التي تقتضيها قاعدة اهل الحديث نبه على ذلك السيوطي رحمه الله تعالى وبها اقول واليها اذهب او يقول ان هذه الوقائع تتراءى لحس الرائي وتتمثل له في بصره وان لم تكن خارج حسه وقال بنظير ذلك عبد الله بن مسعود في قوله تعالى "يوم تأتي السماء بدخان مبين" انهم اصابهم جدب فكان احدهم ينظر الى السماء فيرى كهيئة الدخان من الجوع ويذكر عن ابن الماجشون ان كل حديث جاء في التنقل والرؤية في المحشر فمعناه انه يغير ابصار خلقه فيرونه نازلا متجليا ويناجي خلقه ويخاطبهم وهو غير متغير عن عظمته ولا متنقل ليعلموا ان الله على كل شيء قدير او يجعلها تمثيلا لمعان اخرى ولست ارى المقتصر على الثالثة من اهل الحق، وقد صور الامام الغزالي في عذاب القبر تلك المقامات الثلاث حيث قال مثال هذه الاخبار لها ظواهر صحيحة واسرار خفية ولكنها عند ارباب البصائر واضحة فمن لم ينكشف له حقائقها فلا ينبغي ان ينكر ظواهرها بل اقل درجات الايمان

اگر کوئی یوں کہے کہ ہم نے کافر کی قبر کو بارہا کھولکر دیکھا اور عرصہ تک اسکی لاش کو بھی قبر میں پڑی دیکھا لیکن یہ چیزیں (یعنے اسپر ثواب عذاب ہوتا) ہم نے کبھی نہیں دیکھیں پھر خلافِ مشاہدہ چیز کی کیسے تصدیق کی جائے۔ تو اس کا جواب یوں ہے کہ انسان کے ہر ایسی باتوں کی تصدیق کرنے میں تین حال ہیں، پہلا حال جو کہ سب سے زیادہ واضح صحیح اور قابل تسلیم ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب باتیں اپنی جگہ موجود ہیں، بیشک اس کو سانپ اور اژدھا ڈس رہا ہے لیکن تم کو ان آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا، کیونکہ ملکوتی امور کے دیکھنے کی ان آنکھوں میں صلاحیت ہی نہیں اور جو چیز بھی آخرت سے تعلق رکھتی ہے وہ ملکوتی ہے، دیکھئے صحابہؓ نزولِ جبرئیلؑ پر کسطرح سے ایمان رکھتے تھے حالانکہ وہ انکو دیکھتے نہیں تھے، اور انکا اس بات پر بھی ایمان تھا کہ آنحضرت ﷺ جبرئیلؑ کو دیکھ سکتے ہیں، پس اگر تم کو اس بات پر ایمان نہیں تو تمہارا ملائکہ اور وحی پر بھی صحیح طور سے ایمان لانا بڑا مشکل ہے (لہذا پہلے اسکی تجدید و تصحیح ضروری ہے) اور اگر تم کو ایمان ہے اور تمہارے نزدیک ممکن ہے کہ ایک چیز امت کو نظر نہ آئے لیکن آنحضرت ﷺ کو دکھائی دے تو پھر میت کی بابت اسکے تسلیم کرنے میں تم کو کیوں تردد ہے اور جس طرح فرشتے آدمی اور حیوانات کے مشابہ نہیں اسی طرح وہ سانپ اور بچھو جو میت کو ڈستے ہیں ہمارے عالم (عنصری) کے سانپ اور بچھوؤں کیطرح نہیں بلکہ وہ کسی اور جنس کے ہیں اور کسی اور قسم کی (قوت) حس سے ادراک (وعلم) میں آسکتے ہیں، دوسرا حال یہ ہے کہ سونے والے کی حالت تو تم کو یاد ہوگی کہ وہ خواب میں سانپ کو ڈستے دیکھتا ہے اور اس کی تکلیف وایذا بھی اسکو محسوس ہوتی ہے جس طرح کہ جاگتے کو محسوس ہوتی ہے یہاں تک کہ تم اسکو چیختے ہوئے اور ماتھے پر پسینہ آتے ہوئے دیکھتے ہو اور کبھی وہ اپنی جگہ سے اُچھل بھی پڑتا ہے، یہ سب باتیں وہی دیکھتا اور محسوس کرتا ہے لیکن ظاہر میں تم اس کو وہیں خاموش پڑا دیکھتے ہو نہ اس کے گرد سانپ دکھائی دیتے ہیں نہ بچھو حالانکہ اس کے لحاظ سے سانپ بھی اسکے پاس موجود ہیں اور بچھو بھی، اور تکلیف بھی اُسے برابر محسوس ہو رہی ہے لیکن یہ سب باتیں تمہارے لحاظ سے مشاہدہ سے باہر ہیں اور جب سزا و عذاب دراصل ڈسنے کی تکلیف سے ہوتا ہے تو پھر خیالی سانپ ہونے یا حقیقی سانپ ہونے سے (اس میں) کیا فرق پڑ جاتا ہے؟ تیسرا حال یہ ہے کہ تم خوب جانتے ہو کہ سانپ بذاتِ خود کچھ تکلیف وضرر نہیں دیتا بلکہ جس چیز سے تم کو درد و تکلیف پہنچتی ہے وہ اسکا زہر ہے، پھر زہر بھی بذاتِ خود کچھ (باعث) تکلیف نہیں بلکہ اس سے جو اثر حاصل ہوتا ہے

التسليم والتصديق. فان قلت فنحن نشاهد الكافر في قبره مدة ونراقبه ولا نشاهد شيئا من ذلك فما وجه التصديق على خلاف المشاهدة. فاعلم ان لك ثلاث مقامات في التصديق بامثال هذا احدها وهو الاظهر والاصح والاسلم ان تصدق بانها موجودة وهي تلدغ الميت ولكنك لا تشاهد ذلك فان هذه العين لا تصلح لمشاهدة الامور الملكوتية وكل ما يتعلق بالآخرة فهو من عالم الملكوت اما ترى الصحابة رضي الله عنهم كيف كانوا يؤمنون بنزول جبريل عليه السلام وما كانوا يشاهدونه ويؤمنون بان عليه السلام يشاهده فان كنت لا تؤمن بهذا فتصحيح اصل الايمان بالملائكة والوحي اهم عليك وان كنت آمنت به وجوزت ان يشاهد النبي صلى الله عليه وسلم ما لا تشاهده الامة فكيف لا تجوز هذا في الميت وكما ان الملك لا يشبه الآدميين والحيوانات فالحيات والعقارب التي تلدغ في القبر ليست من جنس حيات عالمنا بل هي جنس آخر وتدرك بحاسة اخرى.

المقام الثاني ان تتذكر امر النائم وانه قد يرى في نومه حية تلدغه وهو يتألم بذلك حتى تراه يصيح ويعرق جبينه وقد ينزعج من مكانه كل ذلك يدركه من نفسه ويتأذى به كما يتأذى اليقظان وهو يشاهده وانت ترى ظاهره ساكنا ولا ترى حواليه حية ولا عقربا والحية موجودة في حقه والعذاب حاصل ولكنه في حقك غير مشاهد واذا كان العذاب في الم اللدغ فلا فرق بين حية تتخيل او تشاهد.

المقام الثالث. انك تعلم ان الحية بنفسها لا تؤلم بل الذي يلقاك منها هو السم ثم السم ليس هو الالم بل عذابك في

دراصل وہی (باعث) تکلیف ہے تو اگر سوائے زہر کے چاہے کسی اور چیز سے یہ اثر حاصل ہو تو وہ بھی ایک قسم کی تکلیف، عذاب ہوگا جو اس سے کسی طرح کم نہ ہوگا لیکن اس عذاب (کی تکلیف) کو ایسے سبب کیطرف نسبت دیئے بغیر بیان نہ کر سکو گے جس سے عام طور پر اسی قسم کی تکلیف محسوس ہوتی ہے جیسے جماع کی لذت اگر انسان کو بغیر عورت سے صحبت کئے حاصل ہو جائے تو وہ اسکی تعریف مباشرت کیطرف نسبت دیئے بغیر نہیں کر سکتا اور یہ نسبت محض سبب (کے اثر) کی تعریف کیلئے کرتی ہیں، اور اسلئے کہ سبب کا ثمرہ حاصل و معلوم ہو جائے گو سبب کی صورت حاصل نہو، اور سبب (بیان کرنے) سے اس کا ثمرہ (بتانا) مقصود ہوتا ہے بذاتِ خود سبب (بیان کرنا) مقصود نہیں ہوتا، اور انسان کی یہ (زندگی کی خراب) عادتیں ہی موت کے وقت اسکو ایذا اور الم دینے کیلئے موجود ہو جاتی ہیں، اور انکا درد و الم سانپ کے ڈسنے کے برابر ہوتا ہے گو سانپ وہاں موجود نہ ہو[2]، یہانتک امام غزالی[1] کا کلام تھا جو تمام ہوا۔

باب[3] ملأ اعلےٰ (مقرب و معزز فرشتوں) کا بیان

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ "عرش کو اٹھانیوالے اور جو اسکے اردگرد (ملائکہ) ہیں اسکی حمد و تعریف کے ساتھ اسکی پاکی و خوبیاں بیان کرتے ہیں اور اسپر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے ہر چیز کو (اپنی) رحمت اور علم سے گھیر لیا ہے (یعنے ہر چیز پر تیری نظر رحمت ہے اور تو ہر چیز کو جانتا ہے) پس تو اپنے ان بندوں کو بخش دے جو تیری طرف رجوع رکھتے ہیں اور تیرے (سیدھے) راستے پر چلتے ہیں اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا، اے ہمارے رب! انکو اور انکے باپ داداؤں، بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہو اسکو، ان ہمیشگی کی جنتوں میں داخل فرما، جنکا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے کیونکہ تو ہی زبردست اور حکمت والا ہے، اور اے ہمارے رب! انکو برائیوں سے بھی بچا اور جسکو بھی تو نے اُس دن برائیوں سے محفوظ رکھا تو اسپر تو نے (بڑا) رحم کیا اور یہی سب سے بڑی کامیابی (اور فوز) ہے"۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ "جب خدا تعالیٰ عرش پر سے کوئی فرمان صادر فرماتا ہے تو فرشتے ڈر کے مارے بازو اور پر پھڑ پھڑاتے ہیں (اور وہ آواز ایسی ہوتی ہے) جس طرح گھنٹال یا زنجیر کو صاف چکنے پتھر پر مارنے سے آواز پیدا ہوتی ہے پھر جب ان کے دلوں سے وہ خوف اور اضطراب دور ہو جاتا ہے تو آپس میں پوچھتے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے کیا ارشاد فرمایا تھا؟ تو کہتے ہیں کہ (فلانی) حق (بات فرمائی) اور وہی بلند اور برتر ہے"۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ "جب خدا تعالیٰ کچھ حکم دیتا ہے تو عرش کے اٹھانے والے فرشتے اس کی تسبیح (و پاکی بیان) کرتے ہیں[4]، پھر اُس آسمان کے فرشتے جو ان (اوپر والوں) سے متصل ہیں (پھر اسکے بعد ان سے نیچے والے) یہانتک کہ وہ تسبیح

الاثر الذی یحصل فیک من السم فلو حصل مثل ذٰلک الاثر من غیر سم لکان العذاب قد توفر وکان لا یمکن تعریف ذٰلک النوع من العذاب الا بان یضاف الی السبب الذی یفضی الیه فی العادة فانه لو خلق فی الانسان لذة الوقاع مثلاً من غیر مباشرة صورة الوقاع لم یمکن تعریفها الا بالاضافة الیه لتکون الاضافة للتعریف بالسبب وتکون ثمرة السبب حاصلة وان لم تحصل صورة السبب والسبب یراد لثمرته لا لذاته وھٰذه الصفات المهلکات تنقلب مهلکات مؤذیات ومؤلمات فی النفس عند الموت فیکون آلامها کآلام لدغ الحیات من غیر وجودها انتهٰی۔

باب ذکر الملأ الاعلیٰ

قال الله تعالیٰ "الذین یحملون العرش ومن حوله یسبحون بحمد ربهم ویؤمنون به ویستغفرون للذین اٰمنوا ربنا وسعت کل شئ رحمة وعلما فاغفر للذین تابوا واتبعوا سبیلک وقهم عذاب الجحیم ربنا وادخلهم جنات عدن التی وعدتهم ومن صلح من اٰبائهم وازواجهم وذریاتهم انک انت العزیز الحکیم وقهم السیئات ومن تق السیئات یومئذ فقد رحمته وذٰلک هو الفوز العظیم"۔ وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم "اذا قضی الله تعالیٰ الامر فی السماء ضربت الملائکة باجنحتها خضعانا لقوله کانه سلسلة علی صفوان فاذا فزع عن قلوبهم قالوا ماذا قال ربکم قالوا الحق وهو العلی الکبیر" وفی روایة "اذا قضی امراً سبح حملة العرش ثم یسبح اهل السماء الذین یلونهم حتی

---

[1] امام غزالی کی تیسری حال کا یہ مطلب ہے کہ سبب سے مقصود اسکا ثمرہ ہوتا ہے اور وہ ثمرہ کبھی بغیر اس سبب کے بھی حاصل ہو جاتا ہے جیسے پانی کا گرم ہونا آگ کے سبب سے ہوتا ہے تو کبھی وہ دھوپ سے بھی گرم ہو جاتا ہے لہذا اس صورت میں یوں کہنا کہ آگ گرم پانی محض کیفیت کے بیان کیلئے ہے بس اسیطرح ممکن ہے کہ سانپ کے ڈسنے کی تکلیف انکی بد عادات و اعمال ہی سے حاصل ہو اور شرع نے سانپ کا ڈسنا محض کیفیت کے بیان اور توضیح کیلئے فرمایا ہو ۱۲ مترجم [2] امام غزالی نے جو تینوں حالتیں ذکر کئے تو ان سے مقصود یہ ہے کہ یہ تینوں طریقے مخالف کو جواب دینے کے ہیں ورنہ حق حال اول ہی ہے ۱۲ مترجم [3] ان آیات سے مصنف کا مقصود فرشتوں کی ایک جماعت ثابت کرنا ہے جن کو ملاء اعلیٰ یعنی کچہری، مقرب و معزز فرشتے یا مجلس بالا کہتے ہیں اور وہ خدا کے نیک بندوں کیلئے دعائے خیر کرتے رہتے ہیں ۱۲ مترجم [4] یعنے سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے ہیں ۱۲ م

اِس نیچے (دنیا) والے آسمان کے فرشتوں تک پہنچتی ہے، پھر عرش کے نیچے والے عرش کے اُٹھانے والوں سے پوچھتے ہیں کہ تمھارے رب نے کیا فرمایا تھا تب وہ انکو وہ بات بتا دیتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے کہی تھی۔ پھر ایک آسمان والے دوسرے آسمان والوں سے پوچھتے ہیں یہانتک کہ اسطرح اس ورلے (دنیا والے) آسمان کے فرشتوں کو بھی وہ خبر پہنچ جاتی ہے۔" اور ایک جگہ آپنے فرمایا کہ "میں تہجد کیلئے اٹھا تو وضو کرکے جسقدر خدا نے چاہا نماز پڑھی پھر نماز ہی میں اونگھ آگئی اور میں سوگیا یہانتک کہ جب خوب بوجھل ہوگیا (گہری نیند آگئی) تو (خواب میں) دیکھا کہ خدا تعالیٰ نہایت پاکیزہ شکل میں تجلی فرما ہے، پس اس نے فرمایا کہ اے محمدؐ! میں نے عرض کیا کہ اے پروردگار! حاضر ہوں، فرمایا کہ ملأ اعلیٰ (مقرب معزز فرشتے) کس بارے میں گفتگو کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا مجھکو خبر نہیں، اسی طرح تین بار فرمایا اور میں نے یہی جواب دیا، پھر آپنے فرمایا کہ میں نے یہ دیکھا کہ اس نے اپنے ہاتھ میرے کندھوں پر رکھدیئے اسطرح کہ اسکی انگلیوں کے سرے کی ٹھنڈک میری چھاتی تک کو محسوس ہوئی پھر وہ سب باتیں مجھ پر کھل گئیں اور (اسطرح) اسکا جواب بھی مجھکو معلوم ہوگیا، پھر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمدؐ! میں نے عرض کیا کہ اے پروردگار! حاضر ہوں، پھر فرمایا کہ (اے محمدؐ) ملأ اعلیٰ کس بارے میں گفتگو کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ کفارات کے بارے میں۔[ل] فرمایا کہ وہ کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ جماعت میں شریک ہونے کیلئے مسجد کیطرف چلنا، مسجدوں میں نماز کے بعد (عبادت کیلئے) بیٹھنا، اور تکلیف (سردی ہوا) کے وقت میں بھی وضو اچھی طرح اور پورا پورا کرنا، پھر فرمایا کہ اور کس بارے میں گفتگو کر رہے ہیں؟ عرض کیا کہ درجات (بلند کرنیوالی چیزوں) کے بارے میں، فرمایا کہ وہ کیا ہیں؟ عرض کیا کہ (مسکین کو) کھانا کھلانا، نرمی سے بات کرنا اور لوگوں کے سونے کے وقت نماز پڑھنا (یعنی تہجد)۔" اور ایک جگہ آپنے فرمایا کہ "خدا جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے (اسکو دوست بناتا ہے) تو جبرئیلؑ کو بلاکر فرما دیتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو، فرمایا کہ پھر جبرئیلؑ بھی اس سے محبت کرتے ہیں، پھر آسمانوں میں منادی کردی جاتی ہے کہ فلاں شخص خدا کا محبوب ہے، اس سے محبت رکھو، پس اس سے اہل آسمان بھی محبت کرنے لگتے ہیں، پھر اسکے لئے زمین میں بھی مقبولیت پھیلادی جاتی ہے (یعنے اسکی محبت دلوں میں سماجاتی ہے)، اور جب خدا کو کسی سے نفرت ہوتی ہے تو جبرئیلؑ کو بلاکر یہ فرمادیتا ہے کہ مجھے فلاں سے نفرت ہے تم بھی اس سے نفرت کرو، فرمایا کہ پھر جبرئیلؑ بھی نفرت کرنے لگتے ہیں اور پھر آسمان کے تمام لوگوں میں منادی کردی جاتی ہے کہ فلاں شخص سے خدا تعالیٰ کو نفرت ہے تم سب بھی اس سے نفرت کرو، پس سب نفرت کرنے لگتے ہیں، پھر وہ نفرت زمین پر بھی پھیلتی ہے۔" اور فرمایا کہ "جب تک تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ کر وہیں اپنی جگہ بیٹھا رہتا ہے تو فرشتے اسکے لئے اسوقت تک دعا کرتے رہتے ہیں جبتک کہ وہ ایذا نہیں دیتا اور جبتک کہ حدث نہیں کرتا۔[ع] اور یوں کہتے ہیں کہ یا الٰہی! اس پر رحم فرما یا الٰہی اس کو بخش دے یا الٰہی! اس پر رحمت سے توجہ فرما۔" اور فرمایا کہ

یبلغ التسبیح اهل هٰذه السماء الدنیا ثم قال الذین یلون حملة العرش لحملة العرش ماذا قال ربکم فیخبرونهم ماذا قال فیستخبر بعض اهل السمٰوٰت بعضا حتے یبلغ الخبر اهل هٰذه السماء" وقال رسول الله صلے الله علیه وسلم "انی قمت من اللیل فتوضأت وصلیت ما قدر لی فنعست فی صلاتی حتی استثقلت فاذا انا بربی تبارك وتعالیٰ فی احسن صورة فقال یا محمد قلت لبیك رب قال فیم یختصم الملأ الاعلیٰ قلت لا ادری قالها ثلاثا قال فرأیته وضع کفه بین کتفی حتی وجدت برد انامله بین ثدیی فتجلے لی کل شیٔ وعرفت فقال یا محمد قلت لبیك رب قال فیم یختصم الملأ الاعلی؟ قلت فی الکفارات قال وما هن قلت مشے الاقدام الی الجماعات والجلوس فی المساجد بعد الصلوات واسباغ الوضوء حین المکروهات قال ثم فیم قال قلت فی الدرجات قال وما هن قلت اطعام الطعام ولین الکلام والصلوٰة باللیل والناس نیام" وقال رسول الله صلے الله علیه وسلم "ان الله اذا احب عبدا دعا جبرائیل فقال انی احب فلانا فاحبه قال فیحبه جبرائیل ثم ینادی فی السماء فیقول ان الله یحب فلانا فاحبوه فیحبه اهل السماء ثم یوضع له القبول فی الارض واذا ابغض عبدا دعا جبرائیل فیقول انی ابغض فلانا فابغضه قال فیبغضه جبرائیل ثم ینادی فی اهل السماء ان الله یبغض فلانا فابغضوه قال فیبغضونه ثم یوضع له البغضاء فی الارض" وقال رسول الله صلے الله علیه وسلم "الملائکة یصلون علے احدکم مادام فی مجلسه الذی صلے فیه یقولون اللهم ارحمه اللهم اغفرله اللهم تب علیه مالم یؤذ فیه مالم یحدث فیه" وقال

[ل] یعنے ان چیزوں کے بارے میں جن سے گناہ مٹتے اور معاف ہوتے ہیں ۱۲ مترجم [ع] یعنی جبتک اس کا وضو رہتا ہے فرشتے اسکے لئے دعا کرتے رہتے ہیں اور ایذا سے بھی یہی وضو ٹوٹنا مراد ہے کیونکہ روحانیت کو بدبو سے ایذا ہوتی ہے ۱۲ مترجم

"ہر صبح کو دو فرشتے اُترتے ہیں انمیں سے ایک یہ کہتا ہی کہ یا الٰہی! دینے والے اور خرچ کرنے والے کو اسکے بدلے میں اور دے (یعنے اسکو مالدار کر) اور دوسرا کہتا ہی کہ یا الٰہی! مال روک رکھنے والے (بخیل) کو ٹوٹا دے اور اس کا مال تباہ کر۔"

واضح ہو کہ شرع سے یہ بات ثابت ہی کہ خدا تعالیٰ کی کچھ عمدہ بندے ہیں جو بلند مرتبہ فرشتے اور اسکے دربار کے مقرب لوگ ہیں جو شخص اپنے آپکو نیک بناتا ہی اور اپنے نفس کو بھی تمام عیبوں سے پاک کرکے نیک و پاکیزہ اخلاق والا بناتا ہی اور لوگوں کی اصلاح و رفاہ عام میں کوشش کرتا رہتا ہی تو وہ فرشتے اسکے لئے ہمیشہ دعائے خیر کرتے رہتے ہیں، اور انکی یہی دعا اُسپر رحمت و برکت کے نزول کا سبب بنتی ہی اور یہی فرشتے خدا کے نافرمان اور مفسد لوگوں پر لعنت اور بد دعا کرتے ہیں اور انکی یہ بد دعا اور لعنت ایسے بدکار لوگوں کے دل میں حسرت اور ندامت کے وجود کا سبب بنتی ہی، اور اسی کے سبب سے ملأ سافل (نچلے فرشتوں یعنی زمین و آخری آسمان والوں) کے دلوں میں یہ بات الہام ہوتی ہی کہ اس بدکار سے بغض و نفرت رکھیں، اور یہ کہ اسکے ساتھ بُرائی سے پیش آئیں یا تو دنیا میں (اسکے جیتے جی) ورنہ اسوقت جبکہ فطری موت کے سبب اسکے بدن کا ڈھانچہ اس سے جدا ہو جاتا ہی (اور اسکی روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی ہی) اور یہ فرشتے خدا تعالیٰ اور اسکے بندوں کے درمیان بطور سفیر اور ایلچی کے کام کرتے ہیں، اور بنی آدم کے دلوں میں نیک باتیں الہام کرتے رہتے ہیں یعنی وہ کسی نہ کسی طریقہ سے دل کی نیک خیالات و ارادات کا سبب بن جاتے ہیں اور جسطرح خدا تعالیٰ چاہتا ہی اور جس جگہ چاہتا ہی انکو جمع کرکے انکے اجتماعات قائم فرماتا ہی، اور اسی (کیفیت و مقام کے) اعتبار سے انکو الگ الگ ناموں سے پکارتے ہیں، کبھی تو انکو رفیق اعلیٰ (بلند مرتبہ مصاحب) کہتے ہیں، کبھی ندیٔ اعلیٰ (مجلس بالا) اور کبھی ملأ اعلیٰ (معزز و مقرب فرشتے و سردار) کہتے ہیں اور نیک و مقرب لوگوں کی ارواح بھی انمیں شامل ہو کر انہی سے جا ملتی ہیں، جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہی کہ "اے روح مطمئن! اپنے پروردگار کیطرف خوشی خوشی چلی آ، اور میرے بندوں میں جا مل اور میری جنت میں آ رہ۔" رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ "میں نے جعفر بن ابی طالب کو فرشتہ کی صورت میں دیکھا کہ وہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ دو پروں سے اُڑ رہے تھے۔" اور یہیں (ملأ اعلیٰ میں) تمام فیصلے و احکام الٰہی نازل ہوتے ہیں اور وہ امور بھی یہیں متعین ہوتے ہیں جنکا خدا تعالیٰ نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہی "(دنیا کے) تمام امور جو حکمت (اور مصلحت) پر مبنی ہیں اسی (مبارک) رات (لیلۃ القدر) کو تصفیہ پاتے ہیں۔" اور اسی جگہ کسی نہ کسی طور پر تمام شرائع مقرر ہوتی ہیں، یاد رہے کہ ملأ اعلیٰ کی تین قسمیں ہیں، ایک قسم کے وہ لوگ ہیں جن پر حق سبحانہٗ نے اپنا نظام خیر موقوف کیا، لہٰذا اسی بات کو ملحوظ رکھکر اس نے موسیٰؑ کی آگ کی طرح کے اجسام نوری پیدا کرکے ان میں ارواح پاک ڈال دیں، دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو عنصر

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم "مامن یوم یصبح العباد الا و ملکان ینزلان فیقول احدهما اللهم اعط منفقا خلفا ویقول الآخر اللهم اعط ممسکا تلفا"۔

اعلم انه قد استفاض من الشرع ان للہ تعالیٰ عبادا هم افاضل الملائکة ومقربو الحضرة لا یزالون یدعون لمن اصلح نفسه وهذبها وسعی فی اصلاح الناس فیکون دعاؤهم ذلك سبب نزول البرکات علیهم ویلعنون من عصی الله وسعی فی الفساد فیکون لعنهم سببا لوجود حسرة وندامة فی نفس العامل والهامات فی صدور الملأ السافل ان یبغضوا هذا المسیئ ویسیئوا الیه اما فی الدنیا او حین یتخفف عنه جلباب بدنه بالموت الطبیعی وانهم یکونون سفراء بین الله وبین عباده وانهم یلهمون فی قلوب بنی آدم خیرا ای یکونون اسبابا لحدوث خواطر الخیر فیهم بوجه من وجوه السببیة وان لهم اجتماعات کیف شاء الله وحیث شاء الله یعبر عنهم باعتبار ذلك بالرفیق الاعلیٰ والندی الاعلیٰ والملأ الاعلیٰ وان الارواح افاضل الآدمیین دخولا فیهم ولحوقا بهم کما قال الله تعالیٰ "یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی" و قال رسول الله صلے الله علیه وسلم "رأیت جعفر بن ابی طالب ملکا یطیر فی الجنة مع الملائکة بجناحین" و ان هنالك ینزل القضاء ویتعین الامر المشار الیه بقوله تعالیٰ "فیها یفرق کل امر حکیم" وان هنالك تتقرر الشرائع بوجه من الوجوه، واعلم ان الملأ الاعلیٰ ثلاثة اقسام، قسم علم الحق ان نظام الخیر یتوقف علیهم فخلق اجساما نوریة بمنزلة نار موسیٰ فنفخ فیه نفوسا کریمة، وقسم اتفق

لہ موسیٰؑ کی وہ آگ جسکے واسطے وہ اندھیرے میں چلے تھے اور اس میں خدا تعالیٰ نے تجلی کی تھی ۱۲ م

کے لطیف وخفیف بخارات میں ایک خاص قسم کے مزاج وآمیزش کی پیدا ہونے سے بنتے ہیں اور ان پر ان نفوس عالیہ کا فیضان ہوتا ہے جو آلائش بہیمیہ سے جلدی الگ ہو جاتے ہیں۔ تیسری قسم ان نفوس انسانیہ کی ہے جو ملأ اعلیٰ سے بہت ہی قریب ہیں[لہ] اور وہ ایسے ایسے نیک اعمال کرتے رہتے ہیں جو ان (ملأ اعلیٰ) سے جاملنے کیلئے انکے حق میں ممد ثابت ہوتے ہیں، اور آخر کار جب لباس بدن (انکی روح سے) اتر جاتا ہے تو وہ انہی میں جا شامل ہوتے ہیں اور انکا شمار بھی، انہی میں ہونے لگتا ہے۔ ملأ اعلیٰ کا اصلی کام یہ ہے کہ وہ ہر وقت اپنے پروردگار کیطرف متوجہ رہیں اور کوئی مشغلہ انکو اس سے روک نہ سکے، اور اس قول الٰہی کہ "وہ (ملأ اعلیٰ) اپنے پروردگار کی تعریف کرتے ہوئے اسکی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور اس پر (پورا پورا) ایمان بھی رکھتے ہیں۔" کا یہی مطلب ہے اور خدا کی طرف سے انکے دلوں میں یہ بات بھی ڈالی جاتی ہے کہ وہ نظام صالح (عمدہ انتظام) کو اچھا سمجھیں اور پسند کریں (جسکی انہیں خدمت عطا ہوئی ہے) اور یہ کہ غیر صالح نظام کو (جو خلاف الٰہی ہے) برا جانیں اور اس سے نفرت کریں اور اس کلام الٰہی کہ "وہ مؤمنوں کے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔" کا یہی مطلب ہے اور ملأ اعلیٰ کے جو بلند مرتبہ اور اعلیٰ لوگ ہوتے ہیں انکے انوار اس روح کے پاس آکر جمع ہوتے اور آپس میں ملتے ہیں جسکا نبی صلعم نے بہت سے منہ اور زبانوں کی صفت سے وصف بیان فرمایا ہے پھر وہ سب ملکر وہاں بمنزلہ ایک چیز کے ہو جاتے ہیں، اور اسی کا نام حظیرۃ القدس (پاک ومقدس پارلیمنٹ) ہے، اور کبھی حظیرۃ القدس میں اس بات کا مشورہ ہوتا ہے کہ بنی آدم کے دینی اور دنیاوی امور کو سرانجام دینے کیلئے اور انکی مشکلات کو دور کرنے کیلئے کسی ایسے شخص کی تکمیل اور اسکے حکم کی تعمیل لوگوں میں کرانی چاہیے جو اس زمانہ کے سب لوگوں سے افضل ہو پھر اس مشورہ کیوجہ سے مستعد لوگوں کے دلوں میں یہ الہام ہوتا ہے کہ وہ اسکی فرمانبرداری کریں اور ایک ایسی عمدہ قوم بنجائیں جو تمام بنی نوع انسان (کی ہدایت) کیلئے (میدان عمل میں) نکالی جانے کے قابل ہو، اور اسی مشورہ کی وجہ سے وہ علوم سکھلائے اور تلقین کئے جاتے ہیں جن سے قوم کی اصلاح اور ہدایت ہوتی ہے۔ یہ الہام کبھی وحی کے ذریعہ ہوتے ہیں کبھی خواب کے ذریعہ اور کبھی غیبی آواز کے ذریعہ اور کبھی اسطرح سے کہ حظیرۃ القدس کے لوگ اس شخص سے (یعنی نبی سے) دوبدو کلام کرتے ہیں اور اسی کیوجہ سے اس (نبی) کے احباء ورفقاء یعنی اصحاب کی مدد ہوتی ہے اور انکی بھلائی اور بہتری کے اسباب وامکانات بڑھتے جاتے ہیں اور اسکے مخالف اور اللہ کے راستے سے روکنے والوں پر لعنت ہوتی ہے اور انکی تکلیف، ناکامی ونامرادی کے اسباب وامکانات بڑھتے جاتے ہیں۔ منجملہ دیگر اصول نبوت کے یہ بھی ایک اصل ہے اور ان (فرشتوں) کی مستقل اور دائمی اجماع کو تائید روح القدس کہتے ہیں اور پھر اس مقام پر (اس سے) ایسی ایسی بیشمار برکتیں حاصل ہوتی ہیں جو عادت کے خلاف ہوتی ہیں اور عام طور پر کبھی ظاہر نہیں ہوتیں، انکو معجزات کہتے ہیں، ان ملأ اعلیٰ سے کم درجہ کے چند اور ایسے نفوس ہوتے ہیں کہ سعادت ازلیہ نے انکو ملأ اعلیٰ کے درجہ تک تو نہیں پہنچایا ہوتا لیکن ان کے فیضان سے لطیف وخفیف بخارات میں ایک ایسا معتدل مزاج ضرور پیدا ہو جاتا ہے جو ان میں یہ کمال پیدا کر دیتا ہے کہ وہ اوپر سے فیوضات کے برسنے کے منتظر رہتے ہیں،

حدوث مزاج فی البخارات اللطیفة من العناصر استوجب فیضان نفوس شاهقة شدیدة الرفض للالواث البهیمیة، وقسم هم نفوس انسانیة قریبة المأخذ من الملأ الاعلیٰ مازالت تعمل اعمالا منجیة تفید اللحوق بهم حتی طرحت عنها جلابیب ابدانها فانسلكت فی سلكهم وعدت منهم وللملأ الاعلیٰ شأن انها تتوجه الی بارئها توجها ممعنا لایصدها عن ذلك التفات الی شیء وهو معنی قوله تعالیٰ "یسبحون بحمد ربهم ویؤمنون به" وتتلقی من ربها استحسان النظام الصالح واستهجان خلافه فیقرع ذلك بابا من ابواب الجود الالٰهی وهو معنی قوله تعالیٰ "ویستغفرون للذین آمنوا" وافاضلهم تجتمع انوارهم وتتداخل فیما بینها عند الروح الذی وصفه النبی صلی الله علیه وسلم بكثرة الوجوه والالسنة فتصیر هنالك كشیء واحد وتسمی حظیرة القدس وربما حصل فی حظیرة القدس اجماع علی اقامة حیلة لنجاة بنی آدم من الدواهی المعاشیة والمعادیة بتكمیل ازكی خلق الله یومئذ وتمشیة امره فی الناس فیوجب ذلك الهامات فی قلوب المستعدین من الناس ان یتبعوه ویكونوا امة اخرجت للناس ویوجب تمثل علوم فیها صلاح القوم وهذا هم فی قلبه وحیا ورؤیا وهتفا وان تتراءی له فتكلمه شفاها ویوجب نصر احبائه وتقریبهم من كل خیر ولعن من صد عن سبیل الله وتقریبهم من كل الم وهذا اصل من اصول النبوة ویسمی اجماعهم المستمر بتأیید روح القدس وتثمر هنالك بركات لم تعهد فی العادة فتسمی بالمعجزات ودون هؤلاء نفوس استوجب فیضانها حدوث مزاج معتدل فی بخارات لطیفة لم تبلغ بهم السعادة مبلغ الاولین فصار كمالهم ان تكون فارغة لانتظار

[لہ] یہ دوسری قسم کے اہل اللہ (سالم مؤمن) اور انبیاء ہیں کہ مرنے کے بعد یہ بھی ملائکہ مقربین کے ساتھ اس دربار قدس میں جسکا ذکر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جا ملتے ہیں "فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ" یعنے جو یعنے جو لوگ متقی ہیں وہ بہشت کی باغوں اور نہروں میں سچی عزت کی جگہ بادشاہ (دوجہان) قادر مطلق کے

چنانچہ جب بھی جو کچھ قابل کی استعداد اور فاعل کی تاثیر کے موافق اُن پر پڑتا ہے تو وہ اپنے ذاتی ارادے سے سب مٹا کر اور اسی کی تعمیل میں جان لڑا کر اسکے سرانجام دینے کیلئے ایسے آمادہ ہو جاتے ہیں جسطرح چرند پرند اپنے فطری تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے آمادہ ہوتے ہیں، لہٰذا انکا یہ کام ہے کہ وہ انسانوں اور جانوروں کے دلوں میں اثر پیدا کر کے ان کے ارادوں اور خیالات کو اس امر کی طرف متوجہ کرتے ہیں جو انکی مراد و مقصود کے مناسب ہوتا ہے اور بعض طبیعیاتی چیزوں کی سرعت حرکات اور تبدلات میں بھی اثر کرتے ہیں جیسے اگر کوئی پتھر حرکت کرتا اور لڑھکتا ہے تو کوئی بزرگ فرشتہ اسکو معمول سے زیادہ تیز کر دیتا ہے، اور یہ بھی ہوتا ہے کہ جب کوئی شکاری دریا میں جال ڈالتا ہے تو فرشتوں کی ایک جماعت بعض مچھلیوں کے دل میں یہ بات ڈالتی ہے کہ اسمیں آپڑو اور بعض کے دل میں یہ بات ڈالتی ہے کہ بھاگ جاؤ، اور بعض فرشتے رسی کو کھینچتے ہیں اور بعض پھیلاتے ہیں ان (مچھلیوں) کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہم یہ کیوں کر رہی ہیں بلکہ وہ الہام کی تابع ہوتی ہیں، اور کبھی دو لشکر آپس میں لڑتے ہیں تو فرشتے آکر انکے دلوں میں شجاعت، ثابت قدمی اور غلبہ پانے کی تدبیریں اور اسی قسم کے خیالات جن سے تیراندازی اور گولہ باری کی تدبیریں بن آئیں، لا ڈالتے ہیں اور دوسروں کے دلوں میں اسکے برخلاف خیالات (مثلاً بزدلی، ہراس اور بدحواسی) پیدا کرتے ہیں تاکہ مقدر کی بات ظاہر ہو جائے، اور کبھی انکو انسان کو راحت و آرام یا درد والم پہنچانے کا حکم ہوتا ہے تو وہ اس میں بھی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، اور ان (فرشتوں) کے برخلاف ایک اور جماعت بھی ہوتی ہے جن کے کام میں ہلکاپن، غصہ اور برائی ہوتی ہے وہ (جماعت) سڑے ہوئے تاریک بخارات سے پیدا ہوتی ہے، اور ان کو شیاطین کہتے ہیں[1]، اور یہی وہ شیاطین ہیں جو ہمیشہ ان فرشتوں کی کوششوں کے خلاف کوششیں کرتے رہتے ہیں، واللہ اعلم۔

باب ۱۲ تبدیل نہ ہونے والی سنتِ الٰہی کا بیان

جس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ "تم خدا تعالیٰ کی سنت و طریقہ کو بدلنے والا نہ پاؤ گے"

واضح ہو کہ خدا تعالیٰ کے بعض افعال ان قوتوں پر جو عالم میں رکھی گئی ہیں

[1] یہاں سے معلوم ہوا کہ شیاطین ایک ایسی جماعت کا نام ہے جو مادہ ظلمانی سے پیدا ہوتی ہے اور برائی کرنا انکا کام ہے نیز کہ شیاطین انسان کی بری قوتوں کا نام ہے جیسا کہ بعض ہمعصر کہتے ہیں ۱۲ م

ما يترشح من فوقها فاذا ترشح شئ بحسب استعداد القابل وتأثير الفاعل انبعثوا الى تلك الامور كما تنبعث الطيور والبهائم بالدواعي الطبيعية وهم في ذلك فانون عما يرجع الى انفسهم باقون بما الهموا من فوقهم فيؤثرون في قلوب البشر والبهائم فتنقلب اراداتها واحاديث نفوسها الى ما يناسب الامر المراد ويؤثرون في بعض الاشياء الطبيعية في تضاعيف حركاتها وتحولاتها كما يدحرج حجر فاثر فيه ملك كريم عند ذلك فمشى في الارض اكثر مما يتصور في العادة وربما القى الصياد شبكة في النهر فجاءت افواج من الملائكة تلهم في قلب هذه السمكة ان تقتحم وهذه ان تهرب وتقبض حبلا وتبسط اخرى وهي لا تعلم لم تفعل ذلك ولكن تتبع ما الهمت وربما تقاتلت فئتان فجاءت الملائكة تزين في قلوب هذه الشجاعة والثبات باحاديث وخيالات يقتضيها المقام وتلهم حيل الغلبة وتؤيد في الرمي واشباهه، وفي قلوب تلك اضداد هذه الخصال ليقضي الله امرا كان مفعولا، وربما كان المترشح ايلام نفس انسانية او تنعيمها فسعت الملائكة كل سعي وذهبت كل مذهب ممكن وبازاء اولئك آخرون اولو خفة وطيش وافكار مضادة للخير اوجب حدوثهم تعفن بخارات ظلمانية هم الشياطين لا يزالون يسعون في اضداد ما سعت الملائكة فيه والله اعلم

باب ذكر سنة الله التي اشير اليها في قوله تعالى "ولن تجد لسنة الله تبديلا"

اعلم ان بعض افعال الله يترتب على القوى المودعة في العالم

کسی نہ کسی طرح سے مترتب ہوتے ہیں عقل و نقل دونوں اس پر شاہد ہیں، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ "خدا تعالےٰ نے آدم کو تمام زمین کی مشتِ خاک سے پیدا کیا ہے اسی وجہ سے بنی آدم اسی مٹی کے موافق، سُرخ اور سیاہ اور انکے بین بین اور نرم (خُو) اور سخت (دل) اور بُرے اور اچھے پیدا ہوئے۔" ایک دفعہ عبداللہ بن سلامؓ نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ "یارسول اللہ! بچہ کس وجہ سے باپ یا ماں کی طرف کھچ آتا ہے (یعنے اسکے مشابہ پیدا ہوتا ہے) تو آپنے جواب میں فرمایا کہ "جب باپ کی منی ماں کی منی سے پیش قدمی کرتی ہے تو باپ کے مشابہ ہوجاتا ہے اور جب ماں کی منی پیش قدمی کرتی ہے تو ماں کے مشابہ ہوجاتا ہے۔" اور اس میں تو کسی کو بھی شک نہیں کہ موت تلوار کی ضرب یا زہر کھانے سے واقع ہوا کرتی ہے اور یہ کہ بچہ کی پیدائش و بناوٹ رحم مادر میں منی گرنے کے بعد ہوا کرتی ہے، اور یہ کہ اناج اور درخت، تخم ریزی اور آبریزی کے بعد اُگا کرتے ہیں اور اسی استطاعت کی وجہ سے انسان کو (شریعت کا) مکلف بنایا گیا اور اسکو امر و نواہی بتا کر اعمال کی جزا و سزا کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے، اب ان قوتوں کی (جن پر خدا تعالیٰ کے بعض افعال کسی نہ کسی طرح مترتب ہوتے ہیں) چند اقسام ہیں بعض ان میں سے عناصر کے خواص اور طبائع ہیں (مثلاً گرمی، خشکی، تری وغیرہ) اور بعض ان میں سے وہ احکام ہیں جو خدا تعالیٰ نے ہر صورت نوعیہ میں رکھے ہیں، اور بعض ان میں سے عالم مثال کے احوال اور وہ وجود ہیں جنکا زمین پر پائے جانے سے پیشتر وہاں حکم ہوچکا ہوتا ہے، اور بعض ان میں سے ملاءِ اعلیٰ کی وہ دعائیں ہیں جو وہ شریف النفس اور مصلح لوگوں کیلئے بڑی جد و جہد سے مانگتے ہیں اور انہی کی وہ بد دعائیں ہیں جو وہ اس کے برخلاف لوگوں (یعنے بُروں) کےواسطے مانگتے ہیں، اور بعض ان میں سے وہ احکام شریعت ہیں جو بنی آدم پر مقرر ہوتے ہیں اور ان سے واجب و حرام امور کا علم ہوتا ہے پھر انہی کی وجہ سے مطیع و فرمانبردار شخص کو تو ثواب ملتا ہے اور عاصی و نافرمان کو عذاب اور بعض ان میں سے یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی چیز کے ہونیکا حکم دیتا ہے تو پھر اس سے کوئی اور بات بھی پیدا ہوجاتی ہے جو پہلی چیز کے وجود میں لانے کے لئے ضروری ہوتی ہے کیونکہ سنتِ الٰہی نے ان کو لازم و ملزوم بنادیا ہوتا ہے اور اس وجہ سے کہ خدا تعالےٰ کو عمدہ نظام (کائنات) کا درہم برہم کرنا منظور نہیں اس کی مسند نبی صلعم کی یہ حدیث ہے کہ "جب خدا تعالیٰ کو یہ منظور ہوتا ہے کہ فلاں شخص فلاں جگہ مرے تو وہاں اس کے جانے کیلئے کوئی نہ کوئی حاجت پیدا کردیتا ہے۔" یہ سب باتیں احادیث اور

بوجه من وجوه الترتب شهد بذلك النقل والعقل قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "ان الله خلق آدم من قبضة قبضها من جميع الارض فجاء بنو آدم على قدر الارض منهم الاحمر والابيض والاسود وبين ذلك والسهل والحزن والخبيث والطيب" وسأله عبد الله بن سلام "ما ينزع الولد الى ابيه او الى امه؟" فقال "اذا سبق ماء الرجل ماء المرأة نزع الولد واذا سبق ماء المرأة ماء الرجل نزعت" ولا ارى احدا يشك في ان الاماتة تستند الى الضرب بالسيف واكل السم وان خلق الولد في الرحم يكون عقيب صب المني وان خلق الحبوب والاشجار يكون عقيب البذر والغرس والسقي ولاجل هذه الاستطاعة جاء التكليف وامروا ونهوا وجوزوا بما عملوا فتلك القوى منها خواص العناصر وطبائعها، ومنها الاحكام التي اودعها الله في كل صورة نوعية، ومنها احوال عالم المثال والوجود المقضي به هنالك قبل الوجود الارضي، ومنها ادعية الملأ الاعلى بجهد هممهم لمن هذب نفسه اوسعى في اصلاح الناس وعلى من خالف ذلك، ومنها الشرائع المكتوبة على بني آدم وتحقق الايجاب والتحريم فانها سبب ثواب المطيع وعقاب العاصي، ومنها ان يقضي الله تعالى بشئ فيجوز لذلك الشئ شيئا آخر لانه لازم في سنة الله وخرم نظام اللزوم غير مرضي، والاصل فيه قوله صلى الله عليه وسلم "اذا قضى الله لعبد ان يموت بارض جعل له اليها حاجة" فكل ذلك نطقت بالاخبار واوجبته ضرورة

عقل سے ثابت ہے۔ اور یہ بھی معلوم رہے کہ جب وہ اسباب جن پر حسب عادت الٰہی قضاء و حکم کا جاری ہونا مترتب ہوتا ہے باہم متعارض ہو جائیں اور ان سب کے تقاضے اور مقصد پورے نہ ہوں تو اس وقت حکمت یہی ہے کہ جس میں خیر (بہتری) زیادہ پائی جائے اسی کی رعایت کیجائے یعنی وہی کام وقوع پذیر ہو اور وہ جو میزان (ترازو) کے متعلق حدیث میں کہا گیا ہے کہ "ترازو خدا کے ہاتھ میں ہے جس پلڑے کو چاہتا ہے اونچا کر دیتا ہے جسکو چاہتا ہے نیچا کر دیتا ہے" اس سے اور جو شان (کام) کے بارے میں اس آیت میں مذکور ہے کہ "وہ (خدا) ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتا ہے" ان دونوں سے یہی مراد ہے۔ اور کبھی ترجیح تو اسباب کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی مترتبہ آثار و نتائج کے نفع کے اعتبار سے ہوتی ہے اور اسی طرح خلق (پیدائش) کو تدبیر (انتظام) پر ترجیح دیجاتی ہے اسکے علاوہ (ترجیح کی) اور بہت سی وجوہات ہوتی ہیں اور ہم گو تعارض اسباب کے وقت اچھی طرح سے یہ نہیں جان سکتے کہ ان میں کونسا حق ہے لیکن یہ بات قطعاً جانتے ہیں کہ جو چیز پائی گئی اور وجود میں آئی اس کا وجود میں آنا اور پایا جانا ہی بہتر تھا اور اسی میں برکت تھی اور ہماری اس تقریر پر غور کرنے سے بہت سے اشکالات دور ہو سکتے ہیں لیکن جہانتک کواکب ستاروں کی ہیئت و کیفیت کا تعلق ہے تو اسکے بعض اثرات تو ضروری ہوتے ہیں جیسے گرمی سردی کا بدلنا اور رات دن کا بڑا چھوٹا ہونا آفتاب کی مختلف تبدیلیوں کے باعث ہوتا ہے اور جیسے مد و جزر (جوار بھاٹے) کا گھٹتے بڑھتے رہنا چاند کے گھٹنے بڑھنے کے مطابق ہوتا ہے اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ "جب ثریا (نامی تارہ) طلوع ہوتا ہے تو آفت دور ہو جاتی ہے" یعنے عادت یونہی جاری ہے لیکن تنگدستی و تونگری ارزانی و قحط اور اسی طرح کے دیگر حادثات زندگی کا ستاروں کی خاص خاص حرکات کے باعث وقوع پذیر ہونا شرع سے ثابت نہیں بلکہ نبی صلعم نے اس بارے میں دماغ صرف کرنے تک سے منع فرمایا ہے چنانچہ فرمایا کہ "جس نے کوئی شعبہ نجوم کا حاصل کیا تو اس نے گویا ایک شعبہ سحر کا حاصل کیا" (جو قطعی حرام ہے) اور جہلائے عرب کے اس قول میں تو نہایت ہی تشدد فرمایا ہے کہ ہم پر فلاں فلاں تارے کے نوء سے بارش ہوئی۔ اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ شریعت محمدیہ نے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ خدا تعالےٰ نے ستاروں میں کوئی ایسی خاصیت نہیں رکھی جس سے بواسطہ تغیر ہوا (جو ہر طرف پھیلی ہوئی ہے) کوئی حادثہ پیدا نہیں ہوتا یا کوئی اور اس طرح کی بات ظہور میں نہیں آتی اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ نبی صلعم نے کہانت سے منع فرمایا ہے (کہانت جنوں سے پوچھ پوچھ کر غیب کی خبریں دینے کو کہتے ہیں)

العقل ۔ واعلم انه اذا تعارضت الاسباب التى يترتب عليه القضاء بحسب جرى العادة ولم يمكن وجود مقتضياتها اجمع كانت الحكمة حينئذ مراعاة اقرب الاشياء الى الخير المطلق وهذا هو المعبر عنه بالميزان فى قوله صلى الله عليه و اله وسلم "بيده الميزان يرفع القسط ويخفضه" وبالشان فى قوله تعالىٰ "كل يوم هو فى شان" ثم الترجيح يكون تارة بحال الاسباب ايها اقوى، وتارة بحال الآثار المترتبة ايها انفع وبتقديم باب الخلق على باب التدبير ونحو ذلك من الوجوه فنحن وان قصر علمنا عن احاطة الاسباب ومعرفة الاحق عند تعارضها نعلم قطعا انه لا يوجد شئ الا وهو احق بان يوجد ومن ايقن بما ذكرنا استراح عن اشكالات كثيرة ۔ اما هيآت الكواكب فمن تاثيرها ما يكون ضروريا كاختلاف الصيف والشتاء وطول النهار وقصره باختلاف احوال الشمس وكاختلاف الجزر والمد باختلاف احوال القمر، وجاء فى الحديث "اذا طلع النجم ارتفعت العاهة" يعنى بحسب جرى العادة لكن كون الفقر والغنى والجدب والخصب وسائر حوادث البشر بسبب حركات الكواكب فمما لم يثبت فى الشرع وقد نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن الخوض فى ذلك فقال "من اقتبس شعبة من النجوم اقتبس شعبة من السحر" وشدد فى قول "مطرنا بنوء كذا" ولا اقول نصت الشريعة على ان الله تعالىٰ لم يجعل فى النجوم خواص تتولد منها الحوادث بواسطة تغير الهواء المكتنف بالناس و نحو ذلك وانت خبير بان النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن الكهانة وهى الاخبار عن

۱؎ اس بات کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ خدا کی عادت جسکو سنت اللہ کہتے ہیں یوں جاری ہے کہ وہ عالم کی قوتوں سے اپنا فعل مرتب کرتا ہے دیکھئے تلوار کی ضرب جو ایک شخص کی قوت یا فعل ہے جب اس سے سرزد ہوتی ہے تب خدا تعالےٰ موت کو جو اسکا فعل ہے اسپر مرتب کرتا ہے الغرض سنت اللہ یہ ہے کہ وہ اسباب سے کام کرتا ہے اگرچہ پیاس کو بغیر پانی کے بجھا سکتا ہے اور بچہ کو اسکے باپ کے نطفہ کے بغیر پیدا کر سکتا ہے مگر عادت یوں ہی جاری ہے کہ اسکو پانی سے بجھا اور اسکو نطفہ سے وجود میں لاتا ہے اب ان اسباب کی جو قوائے عالم میں ہیں چند اقسام ہیں جنکو یہ لفظ بعض شمار کیا گیا ہے اول خواص عناصر ہیں (جیسے آگ کی حرارت پانی کی ٹھنڈک) جو کسی چیز کے گرم یا سرد ہونیکے اسباب بن جاتے ہیں اور وہ گرم اور سرد کرنا انکا فعل نہیں بلکہ خدا کا ہے۔ دوم صور نوعیہ کے احکام مثلاً صورت نوعیہ ہونیکا یہ حکم ہے کہ وہ خشک کرتی ہے لہذا یہ خشک کرنا جو سبب ہوا کر حاصل ہوا خدا کا فعل ہے۔ اسی طرح ملائکے کی دعا خیر و شر کیلئے اور احکام الٰہی کا کرنا یا نہ کرنا مثلاً چوری کرنا عذاب کا اور صدقہ دینا ثواب کا سبب ہو جاتا ہے البتہ ستاروں کی گردش انسان کی سعادت نحوست یا قحط و ارزانی کا سبب نہیں، یہ محض جہلاء کے تخیلات ہیں اسی طرح اور بہت سے جاہلوں کے ڈھکوسلے ہیں ۱۲ م ۲؎ یعنے مقدر کے رزق و عمل کو کم یا زیادہ کرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ ترازو کے اونچا نیچا کرنے سے رزق کا زیادہ کرنا مراد ہے اور نیچا کرنے سے اسکا کم کرنا مراد ہے ۱۲ ۳؎ یعنے جانب خیر کی رعایت کو ملحوظ رکھنا ۱۲ ۴؎ یعنے کبھی وہ ظاہر ہوتی ہے جسکے اسباب قوی ہوتے ہیں اور کبھی وہ ظاہر ہوتی ہے جو نفع ہیں ۱۲ م

۵؎ نوء کہتے ہیں طلوع و غروب کو یعنی ایک ستارے کا مغرب میں غروب ہونا اور اسی وقت مشرق میں دوسرے ستارے کا جو اس کے مقابل ہو طلوع ہونا یہ موقع سال بھر میں اٹھائیس دفعہ ہوتا ہے زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کا یہ خیال تھا کہ ایک ستارے کے طلوع اور دوسرے کے غروب ہوتے وقت بارش یا ہوا کا ہونا ضروری ہے اسی وجہ سے وہ بارش کو اسی تارہ کی طرف منسوب کرتے تھے جس کے طلوع کے وقت ہوتی تھی اور مطرنا بنوء کذا کہتے تھے آنحضرت صلعم نے اس بات سے منع فرمایا ۱۲ م دمص

اور کاہن کے پاس جانے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے سے بڑی بیزاری ظاہر فرمائی ہے، پھر جب کاہنوں کی حقیقتِ حال پوچھی گئی تو یوں فرمایا کہ "جو فضائے آسمانی میں بعض فرشتے کچھ باتیں قضا و قدر کی ذکر کرتے ہیں تو شیاطین وہ بات لے بھاگتے ہیں، پھر اس کو کاہنوں سے کہتے ہیں آگے وہ ایک سچ میں سو جھوٹ ملاکر لوگوں سے بیان کرتے پھرتے ہیں۔" اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ "اے مومنو! ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنھوں نے کفر کیا اور اپنے ان بھائیوں کے بارے میں جو سفر پر یا لڑائی پر نکلے تھے (اور مارے گئے تھے) یہ کہا کہ اگر (ہمارے) وہ (بھائی) ہمارے ہی پاس رہتے (اور باہر نہ نکلتے) تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے۔" نبی صلعم نے فرمایا ہے کہ "تم کو (صرف) تمہارا عمل جنت میں نہیں لیجائیگا (بلکہ خدا کا فضل بھی کوئی چیز ہے)" اور فرمایا کہ "تم تو مہربان ساتھی رفیق ہو مہربانی و شفقت سے پیش آتے ہو، طبیب اور معالج خدا تعالیٰ ہی ہے وہی علاج کرتا ہے۔" حاصل کلام یہ ہے کہ منع کرنے میں بہت سی مصلحتیں اور بیشمار فوائد ہیں، واللہ اعلم۔

باب ۵ حقیقتِ روح کا بیان

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ "(اے محمدؐ!) لوگ تم سے روح کا حال دریافت کرتے ہیں، تو کہدو کہ روح تو اللہ کے حکم سے ہے اور تم کو (اسکے بارے میں) تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔" اعمش رضؓ نے بروایت ابن مسعودؓ "وَمَا اُوتِیتُم" کی جگہ "وَمَا اُوتُوا" پڑھا ہے (بصیغہ غائب) جسکے معنے ہونگے کہ "انکو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔" پس یہاں سے صاف معلوم ہو گیا کہ یہ کلام ان یہودیوں کے مقابلہ میں ہے جو آپ سے حقیقتِ روح دریافت کرتے تھے اور اس آیت سے صاف طور پر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ امتِ مرحومہ میں سے کسی کو روح کی حقیقت معلوم ہی نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جس چیز (کے بیان) سے شارعؑ نے سکوت کیا ہو اس کا علم کسی کو ممکن ہی نہو، بلکہ بسا اوقات بعض چیزوں (کے بیان) سے اس لئے سکوت اختیار کیا گیا ہے کہ وہ دقیق الفہم ہیں ہر شخص ان کو نہیں سمجھ سکتا چاہے کوئی کوئی انکو سمجھ سکتا ہو، آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ سب سے پہلی چیز جو حقیقتِ روح کی سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ روح ایک ایسی چیز ہے جو جاندار کی زندگی و حیات کا مبدأ اور منبع ہے اس کے (بدن کے) اندر رہنے سے جاندار زندہ اور باہر نکل جانے سے مُردہ ہو جاتا ہے۔ پھر ذرا اور غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدن میں کچھ ایسے لطیف و خفیف بخارات ہیں

الجن وبرئ عمن اتی کاهنا وصدقه ثم لما سئل عن حال الکهان اخبر ان الملائکة تنزل فی العنان فتذکر الامر قضی فی السماء فتسترق الشیاطین السمع فتوحیه الی الکهان فیکذبون معها مائة کذبة وان الله تعالیٰ قال "یا ایها الذین امنوا لا تکونوا کالذین کفروا وقالوا لاخوانهم اذا ضربوا فی الارض او کانوا غزًّا لو کانوا عندنا ما ماتوا وما قتلوا" وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم "لن یدخل احدکم الجنة عمله" وقال "انما انت رفیق والطبیب الله" وبالجملة فانهی یدور علی مصالح کثیرة والله اعلم۔

باب حقیقة الرّوح

قال الله تعالیٰ "ویسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا" وقرأ الاعمش من روایة ابن مسعود (وما اوتوا من العلم الا قلیلا) ویعلم من هنالك ان الخطاب للیهود السائلین عن الروح ولیست الآیة نصاً فی انه لا یعلم احد من الامة المرحومة حقیقة الروح کما یظن ولیس کل ما سکت عنه الشرع لا یمکن معرفته البتة بل کثیرا ما یسکت عنه لاجل انه معرفة دقیقة لا یصلح لتعاطیها جمهور الامة وان امکن لبعضهم، واعلم ان الروح اوّل ما یدرك من حقیقتها انها مبدأ الحیاة فی الحیوان وانه یکون حیا بنفخ الروح فیه ویکون میتا بمفارقتها منه ثم اذا امعن فی التامل ینجلی ان فی البدن بخارًا لطیفا

جو خالص اور صالح اخلاط (مرکباتِ جسمانی مثلاً خون، بلغم، سودا، صفرا) سے قلب میں پیدا ہوتی ہیں اور قوائے حسّاسہ محرکہ و مدبرۂ غذا (بدن) کو اٹھائے پھرتی ہیں اور ان میں طب کا حکم چلتا ہے اور تجربہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان بخارات کا رقیق (پتلا) اور غلیظ (گاڑھا) صاف اور مکدر ہونا ان (مذکورہ) قوٰی پر اور جو افعال ان قوٰی سے پیدا ہوتے ہیں ان پر ایک خاص اثر ڈالتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی عضو پر یا ان بخارات کی پیدائش و بناوٹ پر جو اس عضو سے خاص مناسبت رکھتے ہیں کوئی آفت آجاتی ہے تو وہ ان بخارات میں بگاڑ اور انکے افعال میں گڑبڑ پیدا کر دیتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان بخارات کا پیدا ہونا حیات کا اور تحلیل ہونا موت کا باعث ہوتا ہے، بادی النظر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح یہی بخارات ہیں لیکن اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ یہ بخارات تو روح کا ادنیٰ طبقہ ہیں اور انکو بدن سے وہ نسبت ہے جو بو کو گل سے یا آگ کو کوئلہ سے ہوتی ہے، پھر جب ذرا اور غور کیا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بخارات روح نہیں بلکہ روحِ حقیقی کا مرکب اور اسکے (بدن سے) متعلق ہونے کا مادہ ہے اور دلیل اس پر یہ ہے کہ ہم بارہا دیکھتے ہیں کہ لڑکا جوان ہوتا ہے پھر بوڑھا ہوتا ہے اسکے اخلاطِ بدن (جسمانی مرکبات مثلاً خون، بلغم وغیرہ) بدلتے جاتے ہیں اور جو روح اور بخارات ان سے پیدا ہوتے ہیں وہ بھی پہلے سے ہزار گنے زیادہ ہو جاتے ہیں پھر وہ لڑکا کبھی چھوٹا ہوتا ہے کبھی بڑا، کبھی سیاہ ہوتا ہے کبھی سفید، کبھی عالم ہوتا ہے کبھی جاہل، اسکے علاوہ اور صدہا حالات اسکے بدلتے رہتے ہیں حالانکہ وہ شخص وہی کا وہی رہتا ہے، اگر یہاں کوئی (اسکے حالات کے تبدیل ہونے اور نہ ہونے میں) حیل و حجت کرے تو ہم یوں کہتے ہیں کہ ہم ان تغیرات کو فرضی طور پر تسلیم کر لیتے ہیں ورنہ اسمیں تو کچھ شک ہی نہیں کہ اسکے حالات متغیر ہوتے رہتے ہیں حالانکہ وہ وہی رہتا ہے یا یوں کہیں گے کہ ان احوال کے بحال خود باقی رہنے کا تو ہم کو کسی طرح یقین نہیں لیکن اس لڑکے کے بحال خود باقی رہنے کا یقین کامل ہے، جس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ حالات اسکے عوارض ہیں وہ خود نہیں (پس) ثابت ہوا کہ جس چیز سے انسان (زندہ و) قائم رہتا ہے وہ یہ روح (یعنی بخارات) نہیں اور نہ یہ بدن ہے اور نہ وہ مشخصات ہیں جو بادی النظر میں دکھلائی دیتی ہیں بلکہ روحِ حقیقی ایک منفرد اور جداگانہ چیز ہے اور ایک ایسا نکتہ نورانی ہے جو ان اعراضِ متغیرہ اور اطوارِ متبدلہ سے جو بعض جواہر اور بعض اعراض ہیں بالکل الگ ہے اور یہ روحِ حقیقی جسطرح چھوٹے (چاندوں) میں ہے اسی طرح بڑے میں بھی ہے اور جس طرح سیاہ میں ہے اسی طرح سفید میں بھی ہے اور ایسے ہی دیگر تمام متقابل اضداد میں یہ بلا تفاوت موجود ہوتی ہے اور اس حقیقی روح کا اصلی علاقہ اور تعلق تو بخارات[1] ہی کے ساتھ ہے

متولدة في القلب من خلاصة الأخلاط يحمل القوى الحساسة والمحركة والمدبرة للغذاء، يجري فيه حكم الطب، وتكشف التجربة أن لكل من الأحوال هذا البخار من رقته وغلظه وصفائه وكدرته آثاراً خاصاً في القوى والأفاعيل المنبجسة من تلك القوى، وأن الآفة الطارئة على كل عضو وعلى توليد البخار المناسب له تفسد هذا البخار وتشوش فاعليته، ويستلزم تكون الحياة وتحلله للموت، فهو الروح في أول النظر والطبقة السفلى من الروح في النظر المعمق، ومثله في البدن كمثل ماء الورد في الورد وكمثل النار في الفحم، ثم إذا أمعن في النظر اتضح للمتأمل أن هذا الروح مطية للروح الحقيقية ومادة لتعلقها، وذلك أنا نرى الطفل يشب ويشيب وتتبدل أخلاط بدنه والروح المتولدة من تلك الأخلاط أكثر من ألف مرة، ويصغر تارة ويكبر أخرى، ويسود تارة ويبيض أخرى، ويكون جاهلاً مرة وعالماً أخرى إلى غير ذلك من الأوصاف المتبدلة، والشخص هو هو، وإن نوقش في بعض ذلك قلنا أن نفرض تلك التغيرات في الطفل هو هو، أو نقول لا نجزم ببقاء تلك الأوصاف بحالها، ونجزم ببقائه فهو غيرها، فالشيء الذي هو به هو ليس هذا الروح ولا هذا البدن ولا هذه المشخصات التي تعرف وترى ببادئ الرأي، بل الروح في الحقيقة حقيقة فردانية ونقطة نورانية يجل طورها عن طور هذه الأطوار المتغيرة المتغايرة التي بعضها جواهر وبعضها أعراض، وهي مع الصغير كما هي مع الكبير، ومع الأسود كما هي مع الأبيض، إلى غير ذلك من المتقابلات، ولها تعلق خاص بالروح الهوائي أولاً

[1] جو بادی الرائی میں روح سمجھے جاتے ہیں ۱۲م

اور انہی کی وجہ سے بدن سے بھی ہے کیونکہ بدن تو نسمہ کا (یعنے بخارات کا جن کو روحِ ہوائی کہتے ہیں) مرکب ہے اور یہ روحِ حقیقی عالمِ قدس کی ایک ایسی کھڑکی ہے کہ جن جن چیزوں کی روحِ ہوائی کو قابلیت و استعداد ہوتی ہے وہ سب اسی راہ سے اس پر اترتی ہیں۔ اب یہ تغیرات تو یہ سب اسبابِ ارضیہ کیوجہ سے ہوتے ہیں، دیکھو آفتاب کی دھوپ و گرمی کپڑے کو تو سفید کر دیتی ہے لیکن دھوبی کو سیاہ کر دیتی ہے اور ہم کو اپنے وجدانِ صحیح سے یہ بھی معلوم و متحقق ہو گیا ہے کہ بدن میں جب روحِ ہوائی (کے پیدا ہونے) کی استعداد نہیں رہتی تب روحِ ہوائی وہاں سے الگ ہو جاتی ہے؎ اور اسی کا نام موت ہے نہ کہ روحِ ہوائی سے روحِ حقیقی کا جدا ہونا، اور جب مہلک امراض میں روحِ ہوائی و بخارات تحلیل ہو جاتے ہیں تو حکمتِ الٰہی کے بموجب وہ اس قدر تو ضرور باقی رہتے ہیں کہ ان سے روحِ حقیقی (روحِ الٰہی) کا علاقہ و تعلق قائم رہے جس طرح سے کہ آپ کسی شیشی کی ہوا کو منہ سے اتنا کھینچیں کہ اس سے زیادہ نہ کھینچ سکیں یہاں تک کہ شیشی کے ٹوٹنے کا خوف ہو تب بھی اس میں کسی قدر ہوا ضرور باقی رہ جاتی ہے جو پھر متخلل ہو کر اس میں پھیل جاتی ہے سو یہ ہوا کی طبیعت کا سرّ اور راز یا جوہر ہے، پس اسی طرح نسمہ (یعنے روحِ ہوائی) میں بھی ایک سرّ اور راز یا جوہر ہے، اور اس کی ایک خاص مقررہ حد اور مقدار ہے۔ جس سے تجاوز نہیں ہو سکتا۔ جب آدمی مرجاتا ہے تو اسکی روحِ ہوائی کی اور ہی صورت پیدا ہو جاتی ہے، پھر روحِ حقیقی کی وجہ سے اس کی حسِ مشترک میں سے جو کچھ باقی تھا اس میں ایک ایسی قوت پیدا ہوتی ہے جو عالمِ مثال کی مدد سے قوتِ گویائی و شنوائی و بینائی کا کام دیتی ہے یعنے اسکو ایک ایسی قوت ملتی ہے جو محسوسات و مجردات کے بین بین ہوتی ہے جیسے کہ افلاک میں یکساں قوت رکھی گئی ہے، اور بسا اوقات روحِ ہوائی کو عالمِ مثال کے ذریعہ سے لباس نورانی یا ظلمانی کی قابلیت و استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور اسی کی وجہ سے عالمِ برزخ کے عجائبات ظاہر ہوتے ہیں پھر جب صُور (نرسنگھا) پھونکا جائے گا (یعنے جب بارئ الصور کی طرف سے وہ فیضِ عام ہوگا جو شروع میں پیدائش عالم کے وقت ہوا تھا جب کہ اجسام میں ارواح ڈالی گئی تھیں اور اس طرح عالمِ موالید کی بنیاد مستحکم کی گئی تھی) تو اس وقت روحِ الٰہی (یعنے حقیقی روح) کے فیضان سے

؎ جسکے ساتھ ہی ساتھ روحِ حقیقی بھی چلی جاتی ہے ۱۲م

وبالبدن ثانيا من حيث ان البدن مطية النسمة وهي كوة من عالم القدس ينزل منها على النسمة كل ما استعدت له فالامور المتغيرة انما جاء تغيرها من قبل الاستعدادات الارضية بمنزلة حر الشمس يبيض الثوب ويسود القصار وقد تحقق عندنا بالوجدان الصحيح ان الموت انفكاك النسمة عن البدن لفقد استعداد البدن لتوليدها لا نفكاك الروح القدسي عن النسمة واذا تحللت النسمة في الامراض المدنفة وجب في حكمة الله ان يبقى الشئ من النسمة بقدر ما يصح ارتباط الروح الالهي بها كما انك اذا مصصت الهواء من القارورة تخلخل الهواء حتى تبلغ الى حد لا تخلخل بعده فلا تستطيع المص او تنفقئ القارورة وما ذلك الا لسر ناشئ من طبيعة الهواء فكذلك سر في النسمة وحد لها لا يجاوزها الامر و اذا مات الانسان كان للنسمة نشأة اخرى فينشئ فيض الروح الالهي فيها قوة فيما بقي من الحس المشترك تكفي كفاية السمع والبصر والكلام بمدد من عالم المثال اعني القوة المتوسطة بين المجرد والمحسوس المنبثة في الافلاك كشئ واحد، وربما تستعد النسمة حينئذ للباس نوراني او ظلماني بمدد من عالم المثال ومن هنالك تتولد عجائب عالم البرزخ ثم اذا نفخ في الصور اي جاء فيض عام من بارئ الصور بمنزلة الفيض الذي كان منه في بدء الخلق حين نفخت الارواح في الاجساد واسس عام المواليد اوجب فيض الروح الالهي

اسکو پھر لباس جسمانی یا ایسا لباس پہنایا جائیگا جو عالم مثال اور جسم کے بین بین ہوگا۔ پھر وہ سب باتیں جن کی مخبر صادق علیہ السلام نے خبر دی تھی ایک ایک کرکے پیش آئیں گی، اور جبکہ روح ہوائی، جسم ارضی اور روح الٰہی کے بیچ میں ایک برزخ اور واسطہ ہے تو یہ ضروری ہوا کہ اس کو کچھ مناسبت اِس طرف ہو اور کچھ اُس طرف۔ پس وہ مناسبت جو (عالم) قدس کی طرف ہے اس کو ملکیت (یعنے فرشتہ پن) اور جو مناسبت جسم ارضی کیطرف ہے اسکو بہیمیت (یعنے وحشی پن) کہتے ہیں۔ علم حقیقت روح کے بارے میں ہم کو اسی قدر مقدمات و مبادیات پر اکتفا کرنا چاہیئے تاکہ اس علم میں ان کو تسلیم کرنے کے بعد ان پر تفریعات مرتب کیجائیں اور مختلف مسائل مستنبط کئے جائیں قبل اسکے کہ کسی اعلیٰ وارفع علم میں اسکا حجاب اُٹھے۔ واللہ اعلم۔

باب ۶ سرِّ تکلیف[۲] کا بیان

خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ "ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے آگے امانت کو پیش کیا تو وہ اس کے اٹھانے سے انکار کر گئے اور ڈر گئے لیکن انسان نے اس کو اٹھالیا کیونکہ وہ ظلوم اور جہول تھا یہ اس لئے ہوا کہ خدا، منافق مرد اور منافق عورتوں کو اور مشرک مرد اور مشرک عورتوں کو عذاب و سزا دے اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتوں پر مہربانی فرمائے اور اللہ تعالےٰ بخشنے والا اور مہربان ہے۔" امام غزالیؒ اور بیضاوی وغیرہ نے اس بات کی تصریح کردی ہے کہ یہاں امانت سے مراد عہدۂ تکلیف ہے جو کہ آسمان وزمین کے آگے پیش کیا گیا اور جس کی وجہ سے (خدا کی) اطاعت کرنے سے ثواب اور اسکی معصیت و نافرمانی کرنے سے عذاب ملتا ہے، اور یہ کہ ان کے آگے پیش کرنے سے ان کی استعداد و قابلیت کا اندازہ لگانا مراد ہے (کہ وہ اس کو سرانجام دے سکتے ہیں یا نہیں) اور ان کے انکار کرنے سے ان کی عدم لیاقتی اور لااستعدادی مراد ہے (یعنے وہ اس کو سرانجام نہیں دے سکتے) اور انسان کے اٹھانے سے اس کی لیاقت اور استعداد

ان یکتسے لباساً جسمانیاً او لباساً بین المثال والجسم فیتحقق جمیع ما اخبر به الصادق المصدوق علیه افضل الصلوات وایمن التحیات، ولما کانت النسمة برزخاً متوسطاً بین الروح الالٰهی والبدن الارضی وجب ان یکون لها وجه الی هٰذا ووجه الی ذٰلك والوجه المائل الی القدس هو الملکیة والوجه المائل الی الارض هو البهیمیة، ف لنقتصر من حقیقة الروح علی هٰذه المقدمات لتسلم فی هٰذا العلم وتفرع علیها التفاریع قبل ان ینکشف الحجاب فی علم أعلی من هٰذا العلم واللّٰه اعلم۔

باب سرّ التکلیف

قال اللّٰه تعالیٰ "انا عرضنا الامانة علی السمٰوات والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه کان ظلوماً جهولاً لیعذب اللّٰه المنافقین والمنافقات والمشرکین والمشرکات ویتوب اللّٰه علی المؤمنین والمؤمنات وکان اللّٰه غفوراً رحیماً" نبه الغزالی والبیضاوی وغیرهما علی ان المراد بالامانة تقلد عهدة التکلیف بان تتعرض لخطر الثواب والعقاب بالطاعة والمعصیة، وبعرضها علیهن اعتبارها بالاضافة الی استعدادهن وبابائهن الاباء الطبیعی الذی هو عدم اللیاقة والاستعداد وبحمل الانسان قابلیته

[۱] اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ جب خوب غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی دو روحیں ہیں ایک روح ہوائی یعنے بدن کے بخارات لطیفہ جسکو نسمہ بھی کہتے ہیں، دوسری روح حقیقی جسکو روح قدسی اور روح الٰہی بھی کہتے ہیں اور روح حقیقی کا مرکب روح ہوائی ہے، پس موت یہ ہے کہ انسان کے بدن سے روح الٰہی مع روح ہوائی کے جدا ہو جاتی ہے اور روح ہوائی کو عالم برزخ میں اسکی قابلیت کے موافق ایک جسم نورانی یا ظلمانی دیا جاتا ہے اور شنوائی اور گویائی و بینائی کی سب قوتیں اسکو حاصل ہوجاتی ہیں اسطرح پر کہ وہ مرنے کے بعد سنتا، دیکھتا اور کلام کرتا ہے، عالم برزخ میں اسی لباس نورانی یا ظلمانی کی وجہ سے اسپر صدمہ رنج و راحت گزرتے ہیں اور حشر کے دن اسکو پھر جسمانی لباس یا ایسا مناسب لباس جو عالم مثال اور جسم کے بین بین ہو پہنا کر وہاں کے عذاب و ثواب کھاتے جائینگے اور چونکہ اس روح ہوائی میں دو جہتیں ہیں ایک جسم کی جانب جسکی وجہ سے بہیمیت یعنی کھانا پینا، شہوت و غصہ وغیرہ امور سرزد ہوتے ہیں اور دوسری روح الٰہی کی جانب اس سے ملکیت یعنی عبادت و معرفت وغیرہ امور سرزد ہوتے ہیں۔ الغرض انسان عجب تیرہ ہے اور طرفہ معجون مرکب ہے۔ یا رب یہ دل ہے یا کوئی مہمان سرائے ہے۔ غم رہ گیا کبھی، کبھی آرام رہ گیا ۱۲ مترجم

[۲] تکلیف سے بندے کو اوامر و نواہی و دیگر احکام کا متحمل بنانا مراد ہے یعنی خدا کی اس میں کیا حکمت ہے کہ بندے پر ایسی چند باتیں واجب کر دیں جیسے نماز روزہ و دیگر اخلاق و اعمال اور چند سے منع فرمایا جیسے چوری و زنا وغیرہ، بندے کو دلی لذت کیوں نہ چھوڑ دیا شتر بے مہار کی طرح اور بہائم کے ۱۲ مترجم

مراد ہے۔[1]

میں کہتا ہوں کہ اس تقدیر پر خدا تعالےٰ کا یہ قول کہ "انسان ظلوم وجفاکار اور جہول و بیوقوف تھا۔" اس کی استعداد کی علت بیان کر رہا ہے، کیونکہ ظلوم وہ ہوتا ہے جو کہ عادل نہ ہو لیکن اس میں عدل کی لیاقت ہو، اور اسی طرح جہول وہ ہوتا ہے جو کہ جانتا نہ ہو لیکن اس میں جاننے کی لیاقت ہو، چنانچہ سوائے انسان کے اور جسقدر مخلوق ہے یا تو وہ محض عالم و عادل ہے کہ ظلم وجہل کی وہاں رسائی ہی نہیں جیسے کہ ملائکہ ہیں اور یا وہ محض ظالم وجاہل ہیں کہ ان کو عدل وعلم کی لیاقت ہی نہیں جیسے کہ بہائم اور چوپایے ہیں، لہذا اس (امانت وتکلیف) کا وہی مستحق ہو سکتا ہے جسمیں کمال بالقوۃ ہو بالفعل نہ ہو (یعنے کسبی ہو فطری نہ ہو) اور لام اس قول الٰہی (لیعذب) میں لام عاقبت ہے[2] یعنے اس امانت کے اٹھانے کا انجام رنج یا راحت ہے، اور اگر آپ حقیقت حال کا انکشاف چاہتے ہیں تو یوں خیال کر لیجیے کہ ملائکہ میں قوت بہیمیہ کی نہ تفریط ہے جیسے بھوک پیاس اور خوف وغم اور نہ افراط ہے جیسے شہوت، غصہ اور تکبر اور نہ ان کو تغذیہ وتنمیہ (خوراک ونشو ونما) اور ان کے متعلقات کی پرواہ ہے وہ ان سب چیزوں سے بے نیاز ہو کر حکم آسمانی کے انتظار میں رہتے ہیں، پھر جب کوئی حکم کسی مطلوبہ نظام کے قیام کے متعلق یا کسی سے بغض یا خوشنودی رکھنے کے بارے میں نازل ہوتا ہے تو وہ ملائکہ اپنی خواہشوں سے یکسو ہو کر بدل وجان اس کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں، پھر ان کے بعد بہائم کی حالت پر غور فرمایئے کہ انکا کیسا برا حال ہوتا ہے اور وہ کیسی کیسی بد خصلتوں میں آلودہ رہتی ہیں کہ سوائے لذات جسمانی کے اور کچھ نہیں جانتے۔ محض اپنے منافع جسمانی

واستعداده لها۔

اقول: وعلى هذا فقوله تعالىٰ "انه كان ظلوما جهولا" خرج مخرج التعليل فان الظلوم من لا يكون عادلا ومن شانه ان يعدل والجهول من لا يكون عالما ومن شانه ان يعلم وغير الآدمي اما عالم عادل لا يتطرق اليه الظلم والجهل كالملائكة واما ليس بعادل ولا عالم ولا من شانه ان يكسبها كالبهائم وانما يليق بالتكليف ويستعد له من كان له كمال بالقوة لا بالفعل، واللام في قوله تعالىٰ "ليعذب" لام العاقبة كان قال عاقبة حمل الامانة التعذيب والتنعيم، وان شئت ان تستجلي حقيقة الحال فعليك ان تتصور حال الملائكة في تجردها لا يزعجها حالة ناشئة من تفريط القوة البهيمية كالجوع والعطش والخوف والحزن او افراطها كالشبق والغضب والتيه ولا يهمها التغذية والتنمية ولواحقهما وانما تبقى فارغة لانتظار ما يرد عليها من فوقها فاذا ترشح عليها امر من فوقها من اجماع على اقامة نظام مطلوب او رضا من شيء او بغض شيء امتلأت به وانقادت له وانبعثت الى مقتضاه وهي في ذلك فانية عن مراد نفسها باقية بمراد ما فوقها، ثم تتصور حال البهائم في تلطخها بالهيئات الخسيسة لا تزال مشغوفة بمقتضيات الطبيعة فانية فيها لا تنبعث الى شيء الا انبعاثا بهيميا يرجع الى نفع

[1] حاصل مطلب یہ ہوا کہ آسمان وزمین کو سرے سے اوامر ونواہی کے ساتھ مامور ہونے اور مکلف ہونیکی لیاقت ہی نہیں تھی، اس کی لیاقت تو اس انسان ناعاقبت اندیش کو تھی کہ جسکی وجہ سے اسکو اسکی نیکی اور بدی کی جزا وسزا ملے، کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎ آسمان بار امانت نتوانست کشید * قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند ۱۲ مترجم [2] یہاں لام کو عاقبت پر محمول کیا گیا ہے کیونکہ اگر اس لام کا تعلق (عرضنا) یعنے خدا تعالیٰ کے امانت کو آگے پیش کرنے سے ہو تو یہ ٹھیک نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے افعال کسی غرض وحاجت کی وجہ سے پیش نہیں آتے اور اگر اسکا تعلق (حملها الانسان) یعنے انسان کے امانت اٹھانے سے ہے تو یہ صحیح نہیں کیونکہ انسان کی اس بار امانت اٹھاتے وقت یہ غرض ونیت نہیں معلوم ہوتی کہ وہ خدا کا عذاب سہے یا آرام ونعمت حاصل کرے کیونکہ غرض تو وہ ہے جو فاعل کو فعل اختیاری پر مجبور وآمادہ کرے اور اٹھانے سے یہاں مراد قابلیت واستعداد ہے جو کہ اختیاری نہیں تو یہ ثابت ہوا کہ یہاں لام عاقبت مراد ہے جیسے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ (لیکون لہم عدوا وحزنا) ۲م

[2] لام عاقبت کے معنے غایت وانجام کے ہوتے ہیں یعنے آخر کار انجام ایسا ہوگا جیسے اس قول میں ہے لدوا للموت وابنوا للخراب ۱۲م

شہوت رانی یا غصہ کی طغیانی میں غرق رہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ بھی دیکھیے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے انسان میں دو قوتیں رکھی ہیں۔ ایک تو قوتِ ملکیہ ہے جو اس روحِ انسانی کا فیضان ہے جو روحِ طبعی کو (جو سارے بدن میں پھیلی ہوئی ہے) ہر وقت اپنا فیض پہنچاتی رہتی ہے۔ اور اس فیض کو قبول کرنا اس کا خاصہ ہے اور فیض اس پر غالب آتا ہے۔ دوسری قوت بہیمیہ ہے جس کا مبدأ و منبع وہ نفس حیوانی ہے جو تمام حیوانات میں پایا جاتا ہے اور جس میں وہ تمام قویٰ حاصل و موجود ہوتی ہیں جو روحِ طبعی میں پائی جاتی ہیں۔ اور وہ (قوتِ بہیمیہ) خود مختار ہوتی ہے اور روحِ انسانی اسکا حکم مان لیتی ہے۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ ان دونوں قوتوں میں باہم تخالف و تجاذب کھینچ تان ہوتی ہے۔ کبھی یہ (قوتِ ملکیہ) بلندی کی طرف کھینچتی ہے تو کبھی وہ (قوتِ بہیمیہ) پستی کی طرف گھسیٹتی ہے۔ جب بہیمیت غالب اور اسکے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو ملکیت پست و مغلوب ہو جاتی ہے اور اسی طرح جب ملکیت غالب ہوتی ہے تو بہیمیت پست ہو جاتی ہے، اور خدا تعالیٰ تو ہر نظام کو چاہتا ہے اسطرح کہ وہ ایک خاص انداز سے مناسب مواقع پر وقوع پذیر ہوں، چنانچہ استعدادِ اصلی (یعنے فطری و ذاتی) اور کسبی جس چیز کا تقاضا کرتی ہے خدا تعالیٰ اس کو وہی عطا فرماتا ہے۔ اگر کوئی عاداتِ بہیمیہ (یعنے وحشیانہ خصلتیں) پیدا کرتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اسی کے سامان مہیا کر دیتا ہے اور جب کوئی عاداتِ ملکیہ (یعنے فرشتہ پن کی عادتیں) حاصل کرتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اس کو اسی کے مناسب سامان عطا کر دیتا ہے۔ جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جو کوئی اللہ کی راہ میں (مال و زر) دیتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے اور امرِ حق کی تصدیق کرتا ہے تو ہم اسکے لئے نیک باتیں آسان کر دیتے ہیں اور جو کوئی بخل کرتا ہے اور خدا سے بے خوف رہتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے تو ہم اس کے لئے بُری باتیں آسان کر دیتے ہیں۔" اور ایک جگہ فرماتا ہے کہ "(اے محمدؐ!) ہم تمہارے رب کی عنایت و بخشش سے ہر گروہ کی مدد کرتے ہیں اِس کی بھی اور اُس کی بھی۔ کیونکہ تمہارے رب کی یہ (دنیوی) عنایت و بخشش (کسی پر بھی) بند نہیں ہے۔" اور ہر ایک قوت میں رنج اور راحت ہوتی ہے (یعنے لذت و الم ہوتا ہے) لذت تو اپنی طبیعت کے موافق چیزوں کے محسوس کرنے کو کہتے ہیں۔ اور الم اپنی طبیعت کے مخالف چیزوں کے سہنے اور برداشت کرنے کو کہتے ہیں۔ دیکھئے جب آدمی کو کوئی مخدر (سُن کرنے والی) چیز لگائی جاتی ہے تو پھر اس کو کسی چیز سے تکلیف نہیں ہوتی۔ یہانتک کہ اگر اسکے عضو کو آگ سے جلائیں۔ تب بھی اسکو کچھ خبر نہ ہوگی اور پھر جب اس (مخدر چیز) کا اثر جاتا رہتا ہے اور حس دوبارہ لوٹ آتی ہے تو کس قدر تکلیف معلوم ہوتی ہے۔ آدمی کا حال گلاب سے بہت ملتا جلتا ہے۔ اطباء نے بیان کیا ہے کہ اس میں تین قوتیں رکھی گئی ہیں :۔ ایک تو قوتِ ارضیہ ہے

جسدی واندفاع الی ما تعطیه الطبیعة فقط۔

ثم تعلم ان الله تعالیٰ قد اودع الانسان بحکمته الباهرة قوتین قوة ملکیة تتشعب من فیض الروح المخصوصة بالانسان علی الروح الطبیعیة الساریة فی البدن وقبولها ذلک الفیض وانقهارها له۔ وقوة بهیمیة تتشعب من النفس الحیوانیة المشترک فیها کل حیوان المتشبحة بالقوی القائمة بالروح الطبیعیة واستقلالها بنفسها واذعان الروح الانسانیة لها وقبولها الحکم منها۔ ثم تعلم ان بین القوتین تزاحما وتجاذبا فهذه تجذب الی العلو دون تلک الی السفل واذا برزت البهیمیة وغلبت آثارها کمنت الملکیة وکذلک العکس وان للباری جل شانه عنایة بکل نظام وجود ابکل ما یسأله الاستعداد الاصلی والکسبی فان کسب هیات بهیمیة امد فیها ویسر له ما یناسبها وان کسب هیأت ملکیة امد فیها ویسر له ما یناسبها کما قال الله عز و جل "فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنی فسنیسره للیسری واما من بخل واستغنی وکذب بالحسنی فسنیسره للعسری" وقال "کلا نمد هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظورا" وان لکل قوة لذة والما فاللذة ادراک ما یلائمها والالم ادراک ما یخالفها وما اشبه حال الانسان بحال من استعمل مخدرا فی بدنه فلم یجد الم لذع النار حتی اذا ضعف اثره ورجع الی ما تعطیه الطبیعة وجد الالم اشد ما یکون او بحال الورد علی ما ذکره الاطباء ان فیه ثلاث قوی قوة ارضیة

جو گھسنے اور رگڑنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ دوسری قوتِ مائیہ ہے جو نچوڑنے اور پینے کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔ اور تیسری قوتِ ہوائیہ ہے جو سونگھنے کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ تکلیف (جو آدمی پر ڈالی گئی ہے) اُس (کی) نوع کا تقاضا ہے۔ اور انسان اپنی زبانِ استعداد سے یہی خدمت مانگتا رہتا ہے کہ قوتِ ملکیہ کو مناسب چیزیں اسپر واجب کیجائیں تاکہ اسکو اسکا ثواب ملے اور بہیمیت[1] میں غرق رہنا اسپر حرام کیا جائے تاکہ وہ عذاب سے بچے۔ واللہ اعلم۔

باب تقدیر سے تکلیف پیدا ہونے کا بیان

واضح ہو کہ مخلوقاتِ الٰہی میں ایسی بہت سی نشانیاں ہیں جن پر غور کرنے سے یہ بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو اپنے بندوں کو احکام و شرائع کا مکلف بنایا ہے اس میں بڑی مصلحت ہے اور اسکے پاس اسکی قوی دلیل بھی ہے۔ اب ذرا درختوں کے پتے اور پھول و پھل اور وہ کیفیات دیکھئے جو دیکھنے اور چکھنے اور سونگھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ دیکھئے خدا تعالیٰ نے ہر قسم کے پتے کو ایک خاص شکل و صورت اور ہر نوع کے پھول کو ایک خاص رنگ و بُو اور ان کے پھلوں کو ایک خاص مزہ و ذائقہ عطا کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پھل یا پھول یا پتا فلاں قسم (کے درخت) کا ہے۔ اور یہ سب چیزیں صورتِ نوعیہ کے ساتھ وابستہ ہیں جہاں سے اور جیسے صورتِ نوعیہ آتی ہے وہیں سے اور ویسے ہی یہ بھی آتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کی قضا و قدر نے ہر ایک درخت کا ایک خاص مادہ مقرر کر دیا ہے۔ مثلاً کھجور کے لئے ایک خاص مٹی کو معین کر دیا اور مجملاً فرما دیا کہ یہ مادہ کھجور کی صورت میں نمودار ہونا چاہئے اور تفصیلاً اس طرح ارشاد ہوگا کہ اس کا ایسا پھل ہو اور ایسا شگوفہ اور پتا ہو۔ اور کسی نوع کے بعض خواص کو تو ہر ذی عقل جانتا ہے لیکن کچھ خواص ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو کوئی دانا ہی جان سکتا ہے۔ مثال کے طور پر یاقوت کی ایک تاثیر کو لے لو کہ وہ جس کے پاس ہوتا ہے اس کے قلب میں فرحت و شجاعت پیدا کرتا ہے (یہ تاثیر ہر کس و ناکس کو معلوم نہیں ہوتی)، پھر انواع کے بعض ایسے خواص ہوتے ہیں جو ان کے ہر ہر فرد میں پائے جاتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو صرف چند لیسے افراد میں پائے جاتے ہیں جن کا مادہ صلاحیت رکھتا ہے اور باقی جن افراد کا مادہ صلاحیت نہیں رکھتا ان میں نہیں پائے جاتے حالانکہ ان کی نوع اور قسم وہی ہے)، مثلاً ہلیلہ اسی کے حق میں مسہل (دست آور) ہے جو اسے اپنی مٹھی میں بند رکھے۔ اور آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ کھجور کے پھل ایسے کیوں ہوتے؟ اس لئے کہ یہ سوال بیجا ہے کیونکہ

تظهر عند السحق والطلاء، وقوة مائية تظهر عند العصر والشرب، وقوة هوائية تظهر عند الشم، فتبين ان التكليف من مقتضيات النوع وان الانسان يسأل ربه بلسان استعداده ان يوجب عليه ما يناسب القوة الملكية ثم يثيب على ذلك وان يحرم عليه الانهماك في البهيمية ويعاقب على ذلك والله اعلم۔

باب انشقاق التكليف من التقدير

اعلم ان الله تعالىٰ آيات في خلقه يهتدي الناظر فيها الى ان الله له الحجة البالغة في تكليفه لعباده بالشرائع فانظر الى الاشجار واوراقها وازهارها وثمراتها وما في كل ذلك من الكيفيات المبصرات والمذوقة وغيرها فانه جعل لكل نوع اوراقا بشكل خاص وازهارا بلون خاص و ثمارا مختصة بطعوم، وبتلك الامور يعرف ان هذا الفرد من نوع كذا وكذا وهذه كلها تابعة للصورة النوعية ملتوية معها انما تجيء من حيث جاءت الصورة النوعية وقضاء الله تعالىٰ بان تكون هذه المادة نخلة مثلا متشابك مع قضائه التفصيلي بان تكون ثمرتها كذا وخوصها كذا ومن خواص النوع ما يدركه كل من له بال ومن خواصه ما لا يدركه الا الالمعي الفطن كتأثير الياقوت في نفس حامله بالتفريح والتشجيع ومن خاصه ما يعم كل الافراد ومن خواصه ما لا يوجد الا في بعضها حيث تستعد المادة كالاهليلج الذي يسهل بطن من قبض عليه بيده وليس لك ان تقول لم كانت ثمرة النخل على هذه الصفة؟ فانه سوال باطل لان وجود

[1] یعنے چوپایوں اور حیوانوں کی خصلتیں مثلاً شہوت رانی، ہر وقت کھانا پینا، غصہ کرنا وغیرہ وغیرہ ۱۲م

لوازم ماہیت اسی کے ساتھ گرہ بندھ رہتے ہیں اور ان کی لم اور وجہ نہیں پوچھی جاتی۔ پھر اس کے بعد اگر آپ حیوانات کی انواع و اقسام کو ملاحظہ فرمائیں گے تو درختوں کی طرح ان کی بھی ہر نوع کی صورت و شکل جدا جدا ہی نظر آئے گی اور اسکے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی نظر آئے گا کہ ان کو چند ایسی حرکاتِ اختیاریہ اور الہاماتِ طبعیہ اور تدبیراتِ جبلیہ بھی عطا ہوئی ہیں کہ ان سے ہر نوع دوسری سے ممتاز ہو جاتی ہے چنانچہ مویشی (مثلاً گائے بکری) گھاس کھاتے اور جگالی کرتے ہیں اور گھوڑے، گدھے اور خچر وغیرہ گھاس تو کھاتے ہیں لیکن جگالی نہیں کرتے اور درندے گوشت ہی کھا کر جیتے ہیں۔ پرندے ہوا میں اڑتے ہیں۔ مچھلیاں پانی میں تیرتی ہیں۔ ہر نوعِ حیوان کی ایک جداگانہ آواز ہے۔ جفتی و مجامعت کرنے کا بھی الگ الگ طریقہ ہے۔ بچے پالنے اور انڈے سینے کے ڈھنگ بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اور اگر انکو زیادہ تفصیل سے بیان کیا جائے تو کلام طویل ہو جانیکا اندیشہ ہے۔ پھر ہر نوع کو وہی علوم الہام ہوئے ہیں جو کہ اسکے مزاج کے مطابق اور اس کے حق میں فائدہ مند ہیں۔ یہ سارے الہامات ان کے پروردگار کی طرف سے صورتِ نوعیہ کے سوراخ سے ہو کر آتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کہ پھولوں کے وضع وضع کے نقش و نگار اور پھلوں کے ذائقہ دار مزے اپنی صورتِ نوعیہ کے پابند ہیں۔ اور احکامِ انواع میں سے بعض احکام تو ایسے ہوتے ہیں جو ایک نوع کے تمام افراد میں پائے جاتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو کہ صرف انھیں افراد میں پائے جاتے ہیں جن میں مادہ صلاحیت رکھتا ہے اور اسباب بھی جمع ہوتے ہیں اگرچہ اصل استعداد سب افراد میں برابر پائی جاتی ہے۔ جیسے شہد کی مکھیوں میں ایک فرد (انکا سردار) یعسوب[1] ہوتا ہے اور پرندوں میں سے ایک طوطا ہے جو کہ سکھانے اور مشق کرانے کے بعد لوگوں کی آوازوں کی ہوبہو نقل اتارنا سیکھ جاتا ہے، پھر آپ ذرا نوعِ انسان کو دیکھئے اس میں آپ کو وہ سب باتیں ملیں گی جو نباتات و حیوانات میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً کھانسنا، جماہی لینا، ڈکار لینا، فضلات کا دفع کرنا اور پیدا ہوتے ہی ماں کی چھاتیوں (سے دودھ) کو چوسنا اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ باتیں بھی ملیں گی جن کی وجہ سے وہ تمام حیوانات سے ممتاز ہے مثلاً گفتگو کرنا، گفتگو سمجھنا مقدماتِ بدیہیہ (آسان و سہل ابتدائی اصول) کو سمجھ کر، تجربے حاصل کر کے، تلاش و

لوازم الماهيات معها لا يطلب بلم، ثم انظر الى اصناف الحيوان تجد لكل نوع شكلا وخلقا كما تجد فى الاشجار وتجد مع ذلك لها حركات اختيارية والهامات طبيعية وتدبيرات جبلية يمتاز كل نوع بها فبهيمة الانعام ترعى الحشيش وتجتر والفرس والحمار والبغل ترعى الحشيش ولا تجتر، والسباع تأكل اللحم والطير يطير فى الهواء والسمك يسبح فى الماء ولكل نوع من الحيوان صوت غير صوت آخر ومسافدة غير مسافدة الآخر وحضانة للاولاد غير حضانة الآخر وشرح هذا يطول، وما الهم نوعا من الانواع الا علوما تناسب مزاجه و الا ما يصلح به ذلك النوع۔

وكل هذه الالهامات تترشح عليه من جانب بارئها من كوة الصورة النوعية ومثلها كمثل تخاطيط الازهار وطعوم الثمرات فى تشابكها مع الصورة النوعية، ومن احكام النوع ما يعم الافراد ومنها ما لا يوجد الا فى البعض حيث تستعد المادة وتتفق الاسباب وان كان اصل الاستعداد يعم الكل كاليعسوب من بين النحل والببغاء يتعلم محاكات اصوات الناس بعد تعليم وتمرين ثم انظر الى نوع الانسان تجد له ما وجدت فى الاشجار وما وجدت فى اصناف الحيوان كالسعال والتمطى والجشاء ودفع الفضلات ومص الثدى فى اول نشأته وتجد مع ذلك فيه خواص يمتاز بها من سائر الحيوان منها النطق وفهم الخطاب وتوليد العلوم الكسبية من ترتيب المقدمات البديهية او من التجربة والاستقراء

[1] بڑے مکھے کو کہتے ہیں جو سارے چھال کا بادشاہ ہوتا ہے ۱۲م

جستجو کرکے اور اپنی دانائی وزیرکی اور گمان و اندازے کو کام میں لاکر کسبی علوم کا حاصل کرنا، اور ان امور کا اہتمام کرنا جن کو صرف اس کی عقل اچھا جانتی ہے گو وہ اس کے وہم اور حس میں نہیں آسکتے جیسے تہذیب و تزکیۂ نفس اور اقالیم و ممالک کو اپنے قبضۂ قدرت میں لینا۔ اور یہ باتیں چونکہ نوعی اور پیدائشی ہیں اس لئے تمام قومیں اور سکانِ زمین یہانتک کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے بھی ان باتوں میں مشترک اور یکساں ہیں۔ اور یہ سب باتیں اس کی صورتِ نوعیہ کے طفیل سے ہیں۔ اور اس کا اصل راز یہ ہے کہ انسان کا مزاج یہ چاہتا ہے کہ اس کی عقل اس کے قلب پر غالب رہے اور قلب نفس پر۔ پھر اس کے بعد خدا تعالیٰ کے حُسنِ تدبیر اور اس کی تربیت و لطف و کرم کو دیکھئے جو ہر نوع میں شاملِ حال ہے۔ دیکھئے کہ نباتات میں چونکہ حس و حرکت کا مادہ نہ تھا لہٰذا ان کی جڑوں کو ایسی قوت عطا فرمائی کہ وہ اس مادہ کو جو ہوا، پانی اور لطیف و باریک خاک سے جمع ہوجاتا ہے چوس کر اپنی شاخوں میں صورتِ نوعیہ کے حکم کے مطابق اور ضرورت کے موافق اپنی شاخوں وغیرہ میں تقسیم کردیتے ہیں۔ اور حیوان چونکہ حساس ہے اور مرضی کے موافق حرکت بھی کرسکتا ہے تو اس کو زمین سے غذا و مادہ چوسنے والی رگیں، اور جڑیں نہیں دیں بلکہ اس کو یہ الہام کیا کہ وہ اناج اور گھاس اور پانی اُن مقامات سے حاصل کرے جہاں کہ وہ ملا کرتے ہیں۔ اور دیگر تمام ضروریات کے مہیا کرنے کا طریقہ الہام کیا۔ اور جو انواع زمین سے کیڑوں کی طرح پیدا نہیں ہوتیں تو ان میں خدا تعالیٰ نے یہ تدبیر و انتظام کیا کہ انکو توالد و تناسل کی قوت دی اور مادہ (مؤنث) میں ایک ایسی رطوبت پیدا کی کہ اسکو وہ جنین (حمل کے بچہ) کی تربیت میں صرف کرتی ہے، پھر اس (رطوبت) کو خالص دودھ بنایا اور بچے کو الہام کیا کہ وہ چھاتیاں چوسے اور پھر دودھ کو اسکے حلق سے اُتارا (اس طرح وہ دودھ پینے کے قابل ہوا)، اور مرغی میں ایسی رطوبت رکھی جس کو وہ انڈے بنانے میں صرف کرتی ہے۔ پھر جب انڈے دے چکتی ہے تو اسکے مزاج میں خشکی پیدا ہوجاتی ہے اور پیٹ خالی ہوجاتا ہے جسکی وجہ سے اسکو ایک ایسا جنون سا پیدا ہوجاتا ہے کہ پھر وہ اپنے ہم جنس سے اختلاط (ملنا جلنا) ترک کرکے ان انڈوں کو اپنے پیٹ کے نیچے سینے کو پسند کرتی ہے تاکہ اپنے پیٹ کے خلے کو پُر رکھے۔ اور کبوتر کے جوڑے میں عجیب قسم کی محبت و اُلفت پیدا کی اور کبوتری کے پیٹ کے خلے کو انڈے سینے کا باعث بنایا پھر اسکی زائد رطوبت کو قے میں تبدیل کرکے بچوں پر اس کو رحمت کا باعث بنادیا

والحدس ومن الاهتمام بامور يستحسنها بعقله ولا يجدها بحسه ولا وهمه كتهذيب النفس وتسخير الاقاليم تحت حكمه ولذلك يتوارد على اصول هذه الامور جميع الامم حتى سكان شواهق الجبال و ما ذلك الا لسر ناشئ من جذر صورته النوعية و ذلك السر ان مزاج الانسان يقتضى ان يكون عقله قاهرا على قلبه وقلبه قاهرا على نفسه، ثم انظر الى تدبير الحق لكل نوع وتربيته اياه ولطفه به فلما كان النبات لا يحس ولا يتحرك جعل له عروقا تمص المادة المجتمعة من الماء والهواء ولطيف التراب ثم يفرقها فى الاغصان وغيرها على تقسيم تعطيه الصورة النوعية، ولما كان الحيوان حساسا متحركا بالارادة لم يجعل له عروقا تمص المادة من الارض بل الهمه طلب الحبوب والحشيش والماء من مظانها والهمه جميع ما يحتاج اليه من الارتفاقات والنوع الذى لا يتكون من الارض تكون الهيدان منها دبر الله تعالىٰ له بان اودع فيه قوى التناسل وخلق فى الانثى رطوبة يصرفها الى تربية الجنين ثم حولها لبنا خالصا والهم المتولد مص الثدى وازدراد اللبن وجعل فى الدجاجة رطوبة يصرفها الى تكون البيض فاذا باضت اصابها يبس وخلو جوف يحملانها على جنون يستدعي ترك مخالطة بنى نوعها واستحباب حضانة شئ تسد به جوفها وجعل من طبع الحمامة الانس بين ذكرها وانثاها و جعل خلو جوفها هو الحامل على حضانة البيض ثم جعل رطوبتها الباقية تتوجه الى التهوع وجعل لها رحمة

تاکہ اس کی وجہ سے وہ اپنے بچوں کو دانہ پانی چگاتی رہے اور اس کے نر کو
اس کا گرویدہ بنادیا جس کے سبب سے وہ (اس بارے میں) اس کی تقلید
کرتا ہے۔ اور ان بچوں (چوزوں) کا مزاج مرطوب بنایا پھر اس رطوبت کو پَر
بنانے میں صَرف کردیا تاکہ وہ ان کے ذریعہ اُڑ سکیں۔ اور انسان چونکہ باحس
و باحرکت ہونے اور الہاماتِ جبلّیہ اور علوم طبعیہ کے قبول کرنے کی وجہ سے
عاقل اور علومِ کسبیہ کا حاصل کرنے والا تھا تو اس کو کھیتی کرنا، درخت لگانا،
اور تجارت و معاملت کرنا الہام فرمایا۔ اور بعض کو بالطبع و بالتوفیق سردار
و آقا اور بعض کو اسی طرح سے غلام و محکوم بنایا اور کسی کو بادشاہ بنایا
اور کسی کو اس کی رعیت۔ اور کچھ کو حکیم و دانا بنایا کہ وہ حکمتِ الٰہیہ اور
حکمتِ طبعیہ اور ریاضیہ اور عملیہ کے دقائق و حقائق بیان کریں اور کچھ کو
ایسا غبی پیدا کیا کہ وہ بغیر تقلید کے ان علوم کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ آپ تمام لوگوں
کو خواہ وہ شہری ہوں یا دیہاتی اسی طرح دیکھیں گے کہ یہ تمام باتیں ان پر پوری
طرح منطبق ہوتی ہیں۔ یہ تمام کا تمام بیان ان خواص اور ظاہری تدبیروں
کی شرح ہے جو اس (انسان) کی معاش اور قوتِ بہیمیہ سے متعلق ہیں۔ اب اس
کی قوتِ مَلکیہ کی طرف آیئے۔ یہ بھی آپ کو یاد رہے کہ انسان اور حیوانوں کی طرح
نہیں ہے بلکہ اس کو دانائی سب حیوانات سے عمدہ دی گئی ہے۔ اور اسکے ان
علوم میں سے جنکی (سوائے انکے جن کا مادہ احکامِ نوعی میں سرکش ہے) سب کو پیروی
کرنی پڑتی ہے یہ ہیں کہ وہ اپنی ایجاد (پیدائش) و تربیت (زندگی) کا سبب دریافت
کرتا ہے۔ اور یہ بات بھی ضرور معلوم کرکے رہتا ہے کہ اس تمام عالم کا کوئی نہ کوئی
مدبّر اور چلانے والا ہے جس نے سب کو بنایا اور رزق عطا فرمایا ہے۔ اور وہ اور
اسکے تمام ابنائے جنس ہمیشہ زبانِ حال سے ہمہ تن اپنے باری، پالنہار اور
مدبّر کے آگے نہایت عجز و انکساری میں مصروف رہتے ہیں۔ اس قولِ الٰہی سے
بھی یہی مراد ہے: "کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اہلِ آسمان و اہلِ زمین اور آفتاب اور
ماہتاب اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے (سب کے سب) اور بہت
سے آدمی بھی اس کو سجدہ کرتے ہیں لیکن بہت سے آدمی ایسے بھی ہیں جن کے حق میں
(سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے) عذاب لکھ دیا گیا ہے۔" دیکھئے درخت کا ہر جزء،

على الفرخ وجعل رحمتها مع الرطوبة البالية سببا لتهوعهما في
دفع الحبوب والماء الى جوف فرخهما وجعل الذكر منهما
بسبب الانس يقلد انثاها وخلق للفراخ مزاجا رطبا
ثم حول رطوبتها ريشا تطير به ولما كان الانسان مع
احساسه وتحركه وقبوله للالهامات الجبلية والعلوم
الطبيعية ذا عقل وتوليد للعلوم الكسبية الهمه الزرع
والغرس والتجارة والمعاملة وجعل منهم السيد
بالطبع والاتفاق والعبد بالطبع والاتفاق وجعل
منهم الملوك والرعية وجعل منهم الحكيم المتكلم
بالحكمة الالهية والطبيعية والرياضية والعملية
وجعل منهم الغبى الذى لا يهتدى لذلك الا بضرب
من تقليد، ولذلك ترى امم الناس من اهل البواد
والحضر متواردين على هذه وهذا كله شرح الخواص
والتدبيرات الظاهرة المتعلقة بقوة البهيمية و
ارتفاقاته المعاشية ثم انتقل الى قوته الملكية، و
اعلم ان الانسان ليس كسائر انواع الحيوان بل له
ادراك اشرف من ادراكاتهم ومن علومه التى يتوارد
عليها اكثر افراده غير من عصت مادته احكام نوعه
التفتيش عن سبب ايجاده وتربيته والتنبيه باثبات
مدبر فى العالم هو اوجده ورزقه والتضرع بين
يدى بارئه ومدبره بهمته وعلمه حسبما يتضرع اليه
هو وجميع ابناء جنسه دائما سرمدا بلسان الحال وهو قوله
تعالى "الم تران الله يسجد له من فى السموات ومن فى الارض
والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وكثير
من الناس وكثير حق عليه العذاب" اليس ان كل جزء

اس کی شاخیں اس کے پتے اور اسکے پھول ہر دم اس نفس نباتی کے آگے جو درخت کا مدبر ہے ہاتھ پھیلائے رہتے ہیں[1]، اگر ان چیزوں کو (درخت کی) عقل ہوتی تو وہ نفس نباتی کی مختلف ستائش کرتے۔ اور پہلے سے کہیں زیادہ شکریہ ادا کرتے اور اگر ذرا سمجھ ہوتی تو زبان حال کی بجائے زبان گفتار سے سوال کرتے۔ پس یہیں سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ انسان چونکہ بڑا عاقل اور دانا تھا لہٰذا وہ بجائے سوالِ حالی کے سوال علمی کرتا ہے[2]۔ اور انسان کی نوع کا یہ بھی خاصہ ہے کہ اس کی نوع میں ایک نہ ایک ایسا شخص ضرور ہوتا ہے جو علوم عقلیہ کے منبع[3] کیطرف ہمہ تن منہمک و متوجہ رہتا ہے اور وہ اس (منبع) سے وحی یا حدس[4] (فراست) کے ذریعہ یا خواب میں علوم سیکھتا ہے۔ پھر اور لوگ اس میں رُشد و برکت کے آثار دیکھ کر اوامر و نواہی میں اس کی پیروی اور اطاعت کرتے ہیں۔ اور ہر انسان کو غیب کی بات دریافت کرنیکی طاقت دی گئی ہے خواہ وہ اس کو بذریعہ خواب کے جانے یا اپنی رائے اور بصیرت سے معلوم کرے یا ہاتف غیب[5] سے سن پائے یا حدس (فراست) سے معلوم کرے۔ مگر اتنا فرق ضرور ہے کہ بعض اس میں کامل اور بعض ناقص ہوتے ہیں اور جو ناقص ہوتے ہیں وہ کاملوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ اسکے علاوہ انسان کی اور بہت سی ایسی صفات ہیں جو سب حیوانات میں نہیں پائی جاتیں جیسے خشوع (انکساری)، پاکیزگی و صفائی، عدل و انصاف اور سخاوت و فراخ دلی اور جیسے اسکی دعا سے عالم جبروت اور ملکوت کے انوار چمکنا اور اسی طرح اور حالات ہیں جیسے کرامت وغیرہ، الغرض جن باتوں میں انسان تمام حیوانات سے ممتاز ہے بہت سی ہیں لیکن ان سب کا اصلِ اصول دو خصلتیں ہیں ایک[1] تو قوتِ عقلیہ کی زیادتی ہے۔ اور اس کی دو[2] شاخیں ہیں ایک شاخ مصلحتِ نظامِ بشری اور اس کے دقائق کی طرف جھکتی ہے اور دوسری شاخ اُن علوم غیبیہ کی طرف گئی ہے جو بطریقِ وہب (عطاء خداوندی) حاصل ہوتے ہیں۔ اور دوسری خصلت قوتِ عملیہ کا کمال ہے اور اسکی بھی دو[2] شاخیں ہیں ایک تو وہ ہے کہ جسکی وجہ سے انسان اعمال کو اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے بخلاف بہائم و حیوانات کے کہ وہ اپنے اختیار و ارادے سے کچھ نہیں کرتے

[1] ہاتھ پھیلانا یعنے محتاج ہونا مراد ٹہنیوں وغیرہ کا لہلہانا ہے ۱۲م [2] یعنی وہ اسکو ہر وقت حاجت روا جانتا ہے ۱۲م [3] منبع علوم ذاتِ باری یا عالم قدس ہے وہ لوگ جن پر اس کے انوار کی پوری شعاعیں پڑتی ہیں ۱۲م [4] حدس یعنے ظن ۱۲م [5] ہاتف آواز دینے والے کو کہتے ہیں۔ ملائکہ کی ایک جماعت اسی کام پر متعین ہے کہ وہ بھولے بسرے کو آواز دے کر بتا دیتے ہیں اور نظر نہیں آتے ۱۲م۔

من الشجرة من اغصانها واوراقها وانوارها متكففة الى النفس النباتية المدبرة فى الشجرة دائما سرمدا فلو كان لكل جزء منها عقل لحمد النفس النباتية حمدا غير حمد الاخر ولو كان له فهم لانطبع التكفف الحالى فى علمه و صار تكففا بالهمة، فاعلم من هنالك ان الانسان لما كان ذا عقل ذكى انطبع فى نفسه التكفف العلمى حسب التكفف الحالى ومن خواصه ايضا ان يكون فى نوع الانسان من له خلوص الى منبع العلوم العقلية يتلقاها منه وحيا او حدسا او رؤيا وان يكون آخرون قد تفرسوا من هذا الكامل آثار الرشد والبركة فانقادوا له فيما يامر وينهى وليس فرد من افراد الانسان الا له قوة للتخلص الى الغيب برؤيا يراها او براى يبصره او هتيف يسمعه او حدس يتفطن له الا ان منهم الكامل ومنهم الناقص والناقص يحتاج الى الكامل وله صفات يجل طورها عن طور صفات البهائم كالخشوع والنظافة والعدالة والسماحة وكظهور بوارق الجبروت والملكوت من استجابة الدعاء وسائر الكرامات والاحوال والمقامات والامور التى يمتاز بها الانسان من سائر افراد الحيوان كثيرة جدا لكن جماع الامر وملاكه خصلتان، احدهما زيادة القوة العقلية ولها شعبتان شعبة غائصة فى الارتفاقات لمصلحة نظام البشر واستنباط دقائقها وشعبة مستعدة للعلوم الغيبية الفائضة بطريق الوهب، وثانيهما براعة القوة العملية ولها ايضا شعبتان شعبة هى ابتداعها للاعمال من طريق بلعوم اختيارها وارادتها فالبهائم تفعل افعالا بالاختيار

اور نہ یہ افعال ان کی ذات میں داخل ہوتے ہیں اور نہ ان افعال کی ارواح سے ان کو کچھ اثر پہنچتا ہے بلکہ ان کا اثر ان قویٰ سے متعلق ہے جو کہ انکی روحِ ہوائی سے قائم ہیں۔ اور اسی لئے یہ افعال حیوانوں سے بسہولت سرزد ہوتے ہیں مگر انسان جب ان افعال کو کرتا ہے تو یہ افعال تو فنا ہو جاتے ہیں لیکن انکی ارواح باقی رہ جاتی ہیں جنکو نفس نگل جاتا ہے (اور وہ اس میں شامل ہو کر اپنے اثرات دکھاتی ہیں) پھر یا تو نفس میں انوار ظاہر ہوتے ہیں یا ظلمات۔ اور شرع کا یہ قول کہ "افعال میں مواخذہ ہونے کی یہ شرط ہے کہ (انسان) ان کو باختیارِ خود (قصداً) کرے۔" بمنزلہ اس قولِ طبیب کے ہے کہ "زہر سے ضرر پانے اور تریاق سے نفع اُٹھانے کی یہ شرط ہے کہ انکو (انسان) کھا کر شکم تک پہنچائے۔" اور ہمارے اس قول کی کہ "نفس انسانی افعال کی ارواح کو کھاتا ہوا نگلتا ہے" یہ دلیل ہے کہ تمام بنی آدم اس بات پر متفق ہیں کہ ریاضات و عبادات کرنا اچھا ہے کیونکہ ان کو اپنے وجدان سے اسکے انوار معلوم ہو گئے ہیں، اور اسکے برخلاف گناہ و معاصی کے ارتکاب کو سب برا سمجھتے ہیں کیونکہ اپنے وجدان سے اس کی ظلمت اور خرابیاں دیکھ لی ہیں۔ اور ایک شاخ حالاتِ رفیعہ اور مقاماتِ عالیہ ہیں جو کسی جنسِ بہائم و حیوانات میں نہیں پائے جاتے مثلاً خدا کی محبت اور اسکی ذات پر توکل کرنا۔

واضح ہو کہ انسان کا اعتدالِ مزاج جو اسکی صورتِ نوعیہ سے پیدا ہوا جبکہ ان چند چیزوں کے بغیر تمام و کامل نہ ہوتا تھا: (اول) وہ علوم جو سب انسانوں میں سے اعلیٰ اور عمدہ شخص کو حاصل ہوتے اور پھر دوسرے لوگوں نے اس کی تقلید کی۔ (دوم) شریعتِ الٰہیہ جس میں معارفِ الٰہیہ اور عمدہ انتظام و منفعت کی تدابیر ہوں (سوم) وہ قواعد جن میں انسان کے افعالِ اختیاریہ سے بحث ہو اور ان کی ان اقسامِ خمسہ واجب، مستحب، مباح، مکروہ اور حرام کی تصریح ہو۔ (چہارم) وہ مقدمات جن سے احسان و سلوک کی خوبیاں واضح ہوتی ہیں۔ تو خدا تعالیٰ کی رحمت و حکمت نے عالمِ غیب قدس میں یہ تجویز کی کہ اس کو وہ قوتِ عقلیہ دی جائے جس کا مستحق سب سے زکی النفس شخص ہو جو اس کی طرف منہمک ہو کر یہیں (عالمِ قدس) سے اس کو حاصل کرے اور باقی سب لوگ اس کی اطاعت کریں جیسے مہاں کی مکھیوں میں یعسوب (سردارِ مہال) سب کا انتظام کرتا ہے۔ اگر اس کو یہ قوت بواسطہ یا بلاواسطہ عطا نہ ہوتی تو یہ کمال پورا نہ ہوتا۔ پس جس طرح کوئی شخص کسی ایسے

ولا تدخل افعالها فی جذر انفسها ولا تتلون انفسها بارواح تلك الافعال وانما تلتصق بالقوی القائمة بالروح الهوائی فقط فیسهل علیها صدور امثالها والانسان یفعل افعالا فتفنی الافعال ویتنزع منها ارواحها فتبلعها النفس فیظهر فی النفس اما نور واما ظلمة، وقول الشرع شرط المواخذة علی الافعال ان یفعلها بالاختیار بمنزلة قول الطبیب شرط التضرر بالسم والانتفاع بالتریاق ان یدخلا فی البلعوم وینزلا فی الجوف وامارة ما قلنا ان النفس الانسانیة تبلع من ارواح الاعمال ما اتفق علیه امم بنی آدم من عمل الریاضات والعبادات ومعرفة انوار کل ذٰلك وجدانا ومن الکف عن المعاصی والمنهیات ورؤیة قبیحة کل ذٰلك وجدانا وشعبة هی احوال ومقامات سنیة کمحبة الله والتوکل علیه مما لیس فی البهائم جنسها، واعلم انه لما کان اعتدال مزاج الانسان بحسب ما تعطیه الصورة النوعیة لا یتم الا بعلوم یتخلص الیها ازکاهم ثم یقلده الآخرون وبشریعة تشتمل علی معارف الٰهیة وتدبیرات اتفاقیة وقواعد تبحث عن الافعال الاختیاریة وتقسمها الی الاقسام الخمسة من الواجب والمندوب الیه والمباح والمکروه والحرام ومقدمات تبین مقامات للاحسان وجب فی حکمة الله تعالیٰ ورحمته ان یحیٔ فی غیب قدسه رزق قوته العقلیة یخلص الیه ازکاهم فیتلقاه من هنالك وینقاد له سائر الناس بمنزلة ما تری فی نوع النحل من یعسوب یدبر لسائر افرادها ولولا هذا التلقی بواسطة ولا بواسطة لم یکمل کماله المکتوب له فکما ان المستبصر اذا رای نوعا

حیوان کو دیکھے جو بغیر گھاس کے زندہ نہیں رہ سکتا تو وہ ضرور یہ یقین کریگا کہ اسکے لئے خدا تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی گھاس کا جنگل ضرور بنایا ہوگا۔ پس اسی طرح خدا تعالیٰ کی صنعتوں میں غور و نظر کرنیوالا یہ یقین کرلیگا کہ یہاں خدا تعالیٰ نے چند ایسے علوم ضرور عطا کئے ہونگے جن سے عقل کام لیکر اپنے نقائص دور کرکے کمال حاصل کرسکتی ہے۔ منجملہ ان علوم کے ایک علم توحید و صفات ہے جسکے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اتنا واضح اور مشرح ہو کہ اسکو ہر شخص کی عقل بازخود جان سکے اور اتنا پیچیدہ اور مغلق نہ ہو کہ اسکو کوئی کوئی شخص ہی سمجھ سکے چنانچہ اس علم کی شرح (خدا تعالیٰ نے) معرفت کے ذریعہ کردی جسکا اشارہ اسکے قول میں ہے کہ سبحان اللہ وبحمدہ "اللہ اپنی صفات کے ساتھ پاک ہے"۔ پس اس نے اپنے لئے وہ صفات ثابت کیں جنکو لوگ جانتے ہیں اور انکو باہم استعمال کرتے رہتے ہیں جیسے حیات، سمع (سننا)، بصر (دیکھنا)، قدرت، ارادہ، کلام، غضب، سخط (ناراضگی)، رحمت، ملک (مالک ہونا)، غنا (بے نیازی) وغیرہ۔ اسکے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ثابت کردیا کہ کوئی شخص ان صفات میں اسکا ہم پلّہ (یا اس جیسا) نہیں لہذا اسکی حیات و زندگی ہماری زندگی کی طرح نہیں۔ اسکا دیکھنا ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں۔ اسکی قدرت ہماری قدرت کے مثل نہیں۔ اسکا ارادہ ہمارے ارادہ جیسا نہیں اور اسکا کلام ہمارے کلام کے مانند نہیں اور اسی طرح اور صفات (ہماری صفات سے مختلف نوعیت رکھتی ہیں)۔ پھر اس عدم مماثلت (یعنے بےنظیری) کی تفسیر یہ ہے کہ وہ صفات ہماری جنس میں بالکل مستبعد اور ناممکن معلوم ہوتی ہیں مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بارش کے قطروں کی تعداد اور ریگستانوں کے ریت کے ذرات کا شمار اور تمام درختوں کے پتوں اور سب جانداروں کے سانسوں کی گنتی جانتا ہے۔ اور اندھیری رات میں بھی چیونٹی تک کی چال کو دیکھتا ہے اور بند کمروں میں لحافوں کے نیچے جو کھٹ کھٹ یا کھسر پھسر ہوتی ہے اس کو بھی سنتا ہے اور اسی طرح کی اور باتیں[1]۔ اور منجملہ اُن علوم کے علمِ عبادت[2] اور علمِ طریقِ انتفاعات و منافع[3] اور علمِ بحث و مخاصمت ہے یعنے (وہ علم جس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ) نفوسِ سفلیہ میں جب ایسے شبہات پیدا ہو جائیں جن سے امرِ حق میں خلجان واقع ہو تو ان کو کس طرح سے دُور کیا جائے۔ اور منجملہ ان کے ایک وہ علم (تذکیر)[4] ہے جس میں خدا تعالےٰ کی نعمتوں اور سختیوں وقائع برزخ اور وقائع محشر کو بیان کرکے ڈر سُنایا اور سمجھایا جاتا ہے۔ حق تعالےٰ نے ازل میں جب نوعِ انسانی کو اور اس کی اُس قابلیت و استعداد کو دیکھا جو اس کے ابنائے نوع (یعنے ہمجنسوں) میں میراث کے طور پر نسل در نسل چلی آتی ہے اور نیز اسکی قوتِ ملکیہ کو اور اس تدبیر کو دیکھا جس کی وہ اِن علومِ مذکورہ سے تکمیل و

من انواع الحيوان لا يتعيش الا بالحشيش استيقن ان الله دبر له مرعى فيه حشيش كثير فكذلك المستبصر في صنع الله يستيقن ان هنالك طائفة من العلوم يسد بها العقل خلته فيكمل كماله المكتوب له وتلك الطائفة منها علم التوحيد والصفات ويجب ان يكون مشروحا بشرح يناله العقل الانساني بطبيعته لا مغلقا لا يناله الا من يند وجود مثله فشرح هذا العلم بالمعرفة المشار اليها بقوله سبحان الله وبحمده ٥ فاثبت لنفسه صفات يعرفونها و يستعملونها بينهم من الحيوة والسمع والبصر والقدرة والارادة والكلام والغضب والسخط والرحمة والملك و الغنى واثبت مع ذلك انه ليس كمثله شئ في هذه الصفات فهو حي لا كحياتنا بصير لا كبصرنا قدير لا كقدرتنا مريد لا كارادتنا متكلم لا ككلامنا ونحو ذلك ثم فسر عدم المماثلة بامور مستبعدة في جنسنا مثل ان يقال يعلم عدد قطر الامطار وعدد رمل الفيافي وعدد اوراق الاشجار وعدد انفاس الحيوانات ويبصر دبيب النمل في الليلة الظلماء ويسمع ما يتوسوس به تحت اللحف في البيوت المغلقة عليها ابوابها ونحو ذلك، ومنها علم العبادات ومنها علم الارتفاقات ومنها علم المخاصمة اعني ان النفوس السفلية اذا تولدت بينها شبهات تدفع بها الحق كيف يحل تلك العقد، ومنها علم التذكير بآلاء الله وبايام الله و بوقائع البرزخ والمحشر فنظر الحق تبارك وتعالى في الازل الى نوع الانسان والى استعداده الذي يتوارثه ابناء النوع ونظر الى قوته الملكية والتدبير الذي يصلحه من العلوم

[1] چنانچہ اسطرح کا دیکھنا سننا ہماری جنس میں مستبعد و مفقود ہے ۱۲ م [2] یعنے یہ علم کہ بندگی کس کی کیجائے ۱۲ مصحح [3] یعنے یہ علم کہ دنیا میں کسطرح زندگی گذاری جائے ۱۲ مصحح [4] یعنے موجودہ اور سابقہ قوموں کے عروج و زوال کے اسباب و واقعات ۱۲ مصحح

اصلاح کرتا ہے تو تمام علوم عالمِ غیب الغیب[1] میں محدود طور پر متمثل ہو گئے۔ اور اس تمثل کو اشاعرہ کلامِ نفسی[2] کہتے ہیں۔ اور یہ چیز علم، ارادہ اور قدرت کے سوا کوئی دوسری چیز ہے۔ پھر جب ملائکہ کے پیدا کرنیکا وقت آیا تو خدا تعالیٰ نے یہ جانا کہ افرادِ انسانی کی مصلحت بغیر ایسے نفوس کریمہ (یعنے ملائکہ) پیدا کئے پوری نہ ہوگی جنکی نسبت و تعلق پوری نوعِ انسانی سے ایسا ہی ہو جیسے قوائے عقلیہ کا ہمارے نفوس سے ہے تب ملائکہ کو محض افرادِ انسانی پر نظرِ رحمت فرما کر کُن (ہو جاؤ) کہتے ہی پیدا کر دیا۔ پھر انکے دلوں میں اُن علوم کی جھلک ڈالی جو عالمِ غیب الغیب میں محدود تھے پس وہ (ملائکہ[3]) روحانی صورت میں جلوہ گر ہوئے۔ اور خدا تعالیٰ کے اس قول میں انہی کی طرف اشارہ ہے کہ "عرش کے اٹھانیوالے اور جو اسکے اِرد گرد ہیں الخ"[4] پھر جب سلطنتوں اور مذہبوں و ملتوں کے تغیر و تبدل کا زمانہ آیا تو حکمتِ الٰہی اُن علوم کیلئے کسی اور وجودِ روحانی کی مقتضی[5] ہوئی تب وہ علوم اُن زمانوں کی ضروریات کے موافق اور بھی زیادہ مشروح اور مفصل ہو گئے۔ اور اس قولِ الٰہی میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ "ہم نے اس (قرآن) کو ایک راتِ بابرکات (یعنے شبِ قدر) میں نازل کیا ہے ہم آگاہ کرنیوالے تھے[6]۔ اِسی رات ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم ہو کر طے اور تقسیم کیا جاتا ہے"۔ پھر حکمتِ الٰہی ایک ایسے پاک نفس شخص (یعنے نبی) کی منتظر ہوئی جو وحی کی استعداد رکھتا ہو۔ اور اسکے لئے اعلےٰ درجہ اور بلند مرتبہ مقرر کیا گیا۔ یہانتک کہ جب وہ موجود پایا گیا تو اسکو اپنے لئے منتخب کر لیا اور اپنی مقصود کے پورا کرنیکا ذریعہ بنا دیا۔ اسپر اپنی کتاب نازل فرمائی اور اسکی اطاعت لوگوں پر فرض ٹھہرائی۔ حضرت موسیٰؑ سے خدا تعالیٰ اس قول میں یہی فرماتا ہے کہ "اے موسیٰؑ! میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کیا ہے"۔ پس جسکی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ان علوم کو عالمِ غیب الغیب میں متعین کیا تھا وہ عنایت بالنوع (یعنے نوعِ انسانی پر نظرِ رحمت) ہی تو تھی۔ اور جس نے حق تعالےٰ سے نفوس ملاءِ اعلیٰ کے فیضان (و پیدائش) کا سوال کیا تھا[عہ] وہ استعدادِ نوع (یعنے نوعِ انسانی کی قابلیت) ہی تو تھی۔ اور جو چیز ان (تغیر ممالک و مذاہب کے) زمانوں (کی ضروریات) کے موافق ایک خاص (مشروح و مفصل) شریعت کی خواستگار و ملتجی ہوئی تھی تو وہ احوالِ نوع (نوعِ انسانی کے مختلف حالات) ہی تو تھے۔ لہٰذا (معلوم ہوا کہ) اللہ کی دلیل مضبوط و محکم اور غالب ہے[7]۔" پھر اگر کوئی یوں کہے کہ انسان پر نماز کہاں سے فرض ہوئی؟ اور اطاعتِ رسولؐ کہاں سے واجب ہوئی؟ اور زنا اور چوری

المشروحة حسب استعداده ثم مثلة تلك العلوم كلها فى غيب الغيب محدودة و محصاة وهذا التمثل هو الذى يعبر عنه الاشاعرة بالكلام النفسى وهو غير العلم وغير الارادة والقدرة ثم لما جاء وقت خلق الملائكة علم الحق ان مصلحة افراد الانسان لا تتم الا بنفوس كريمة نسبتها الى نوع الانسان كنسبة القوى العقلية فى الواحد منا الى نفسه فاوجدهم بكلمة كن بمحض العناية بافراد الانسان فاودع فى صدورهم ظلا من تلك العلوم المحدودة المحصاة فى غيب غيبه فتصورت بصورة روحية واليهم الاشارة فى قوله تبارك وتعالى "الذين يحملون العرش ومن حوله" الأية، ثم لما جاء بعض القرانات المقتضية لتغير الدول والملل قضى بوجود روحانى اٰخر لتلك العلوم فصارت مشروحة مفصلة بحسب ما يليق بتلك القرانات واليها الاشارة فى قوله تعالى "انا انزلناه فى ليلة مباركة انا كنا منذرين فيها يفرق كل امر حكيم" ثم انتظرت حكمة الله لوجود رجل زكى يستعد للوحى قد قضى بعلو شانه وارتفاع مكانه حتى اذا وجد اصطنعه لنفسه واتخذه جارحة لاتمام مراده وانزل عليه كتابه واوجب طاعته على عباده وهو قوله تعالى لموسى عليه السلام "واصطنعتك لنفسى" فما اوجب تعيين تلك العلوم فى غيب الغيب الا العناية بالنوع ولا سأل الحق فيضان نفوس الملأ الاعلى الا استعداد النوع ولا الح عند القرانات بسؤال تلك الشريعة الخاصة الا احوال النوع فلله الحجة البالغة (فان قيل) من اين وجب على الانسان ان يصلى ومن اين وجب عليه ان ينقاد الرسول ومن اين حرم عليه الزنا و

---

[1] تجلی عظمٰی سے اوپر کا درجہ ۱۲ مصحح [2] یعنے کلام قدیم جو اللہ تعالیٰ کی خاص ذات سے متعلق ہے ۱۲ مصحح [3] یا وہ علوم ۱۲ مصحح [4] یعنے نظام سماوی میں کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے ۱۲ مصحح [5] یعنے اس وقت کے آسمانی حالات کے مطابق ۱۲ مصحح [6] یعنے اسکے نازل کرنے سے ہمارا مقصد لوگوں کو انکے اعمال کے نتائج سے آگاہ کرنا تھا ۱۲ مصحح [7] یعنے اسکی حجت نوعِ انسانی پر پوری ہوئی اب اس پر کوئی الزام نہیں آسکتا ۱۲ مصحح [عہ] یعنی تقاضا کیا اور احتیاج ظاہر کی ۱۲ مصحح

کہاں سے حرام ہوئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واجب اور وہ حرام وہاں سے ہوئی جہاں سے کہ بہائم اور چوپایوں[1] پر گھاس کھانی واجب اور گوشت کھانا حرام اور درندوں پر گوشت کھانا واجب اور گھاس کھانی حرام ہوئی۔ اور جہاں سے کہ مُہال کی مکھیوں پر (سردارِ مُہال) یعسوب کا اتباع واجب ہوا۔ (یعنے جس طرح یہ چیزیں واجب و حرام ہوئیں اسی طرح وہ بھی واجب و حرام ہوئیں) ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ حیوانوں کو یہ علوم بطورِ الہام جبلی (یعنے فطری و پیدائشی القا کے ذریعہ) عطا ہوتے ہیں لیکن انسان نے ان کو اپنے ذاتی تجربہ، کسب اور غور و نظر یا وحی یا تقلید (پیروی) کے ذریعہ حاصل کیا۔

باب اس بیان میں کہ تکلیف جزا و سزا کا باعث ہے۔

واضح ہو کہ انسان کو اس کے اعمال کے بموجب جزا ملے گی۔ اگر اعمال اچھے تو جزا بھی اچھی اور اگر اعمال بُرے تو جزا بھی بُری۔ اس کی چار صورتیں ہیں (اوّل) انسان کی صورتِ نوعیہ کا تقاضا ہے۔ مثال کے طور پر جب چوپایہ گھاس اور درندہ گوشت کھائے گا تو ان دونوں کا مزاج صحیح رہیگا اور اگر چوپایہ گوشت اور درندہ گھاس کھائے گا تو ان کا مزاج خراب ہو جائے گا اسی طرح انسان ہے۔ اگر وہ ایسے اعمال کرے گا جن کی ارواح حق تعالٰے کے آگے عاجزی[2] کرنا اور طہارت و پاکیزگی، سماحت و تقوی اور عدالت و انصاف کرنا ہوتی ہیں تو اس کا مزاج ملکی صحیح رہیگا۔ اور جب ایسے اعمال کریگا جنکی ارواح انکے برخلاف ہوتی ہیں تو اس کا مزاجِ ملکی خراب ہو جائیگا اور جب وہ بدن کے بوجھ سے ہلکا ہوگا[3] تو ان کی نرمی اور سختی ایسی محسوس کریگا[4] جس طرح کہ اب ہم جلنے کی تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ (دوم) ملأ اعلٰے کا اثر ہے۔ جس طرح انسان کے دماغ میں قوائے احساس موجود ہیں (جن کی وجہ سے اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اسکے پاؤں کے نیچے کوئی انگارہ آگیا ہے یا برف کا ٹکڑا) اسی طرح انسان کی اس نوعی صورت کے لیے جو عالم ملکوت میں متمثل ہے[5] ملائکہ و فرشتے خدّام ہیں۔ انکو حق تعالٰی نے اس نوعِ انسانی پر خاص عنایت فرما کر پیدا کیا ہے، کیونکہ جسطرح ہم میں سے کسی کا کام بغیر قوائے ادراک و احساس کے نہیں چلتا اسی طرح اس نوعِ انسانی کا کام ان (ملائکہ) کے بغیر نہیں چل سکتا تھا۔ چنانچہ افرادِ انسانی میں سے جب

السرقة ؟ (فالجواب) وجب عليه هذا وحرم عليه ذلك من حيث وجب على البهائم ان ترعى الحشيش وحرم عليها اكل اللحم ووجب على السباع ان تأكل اللحم ولا ترعى الحشيش ومن حيث وجب على النحل ان يتبع اليعسوب الا ان الحيوان استوجب تلقى علومها الهاما جبليا واستوجب الانسان تلقى علومه كسبا ونظرا ووحيا وتقليدا۔

باب اقتضاء التكليف المجازاة

اعلم ان الناس مجزيون باعمالهم ان خيرا فخير وان شرا فشر من اربعة وجوه۔ احدها مقتضى الصورة النوعية۔ فكما ان البهيمة اذا علفت الحشيش والسبع اذا علف اللحم صح مزاجهما واذا علفت البهيمة اللحم والسبع الحشيش فسد مزاجهما فكذلك الانسان اذا باشر اعمالا ارواحها الخشوع بجناب الحق والطهارة والسماحة والعدالة صلح مزاج الملكى واذا باشر اعمالا ارواحها اضداد هذه الخصال فسد مزاجه الملكى فاذا تخفف عن ثقل البدن احس بالملاءمة و المنافرة شبه ما يحس احدنا من الم الاحتراق وثانيها جهة ملأ الاعلى فكما ان الواحد منها له قوى ادراكية مودعة فى الدماغ يحس بها ما وقعت عليه قدمه من جمرة او ثلجة فكذلك بصورة الانسان المتمثلة فى الملكوت خدام من الملائكة اوجدها عناية الحق بنوع الانسان لان نوع الانسان لا يصلح الا بهم كما ان الواحد منا لا يصلح الا بالقوى الادراكية فكلما فعل فرد من افراد

---

[1] چوپائے گائے بیل وغیرہ یعنے گھاس چرنیوالے جانور ۱۲م [2] یعنے جب مرے گا ۱۲م [3] یعنے نیک اعمال کی نرمی اور بُرے اعمال کی سختی ۱۲ مصحح [4] جسے امام نوعِ انسانی یا انسانِ اکبر کہتے ہیں ۱۲ مصحح

کوئی شخص عمدہ کام کرتا ہے تو ان ملائکہ خدام سے خوشی و شادمانی کی (نورانی) شعاعیں نکلتی ہیں۔ اور جب کوئی بُرا کام کرتا ہے تو بغض و نفرت کی (ظلمانی) شعاعیں نکلتی ہیں۔ اور پھر وہ شعاعیں اس مخصوص شخص کے نفس میں تحلیل ہو کر یا تو خوشی و شادمانی پیدا کرتی ہیں یا وحشت و پریشانی[1] اور کبھی یہی شعاعیں بعض ملائکہ اور بعض مخصوص لوگوں کے نفوس میں تحلیل ہو جاتی ہیں جس سے انکو یہ الہام ہوتا ہے کہ وہ اس سے محبت رکھیں اور نیک سلوک کریں یا اس سے نفرت رکھیں اور بدسلوکی سے پیش آئیں۔[2] (اسکو یوں سمجھ لیجیے کہ جیسے کسی کا پاؤں آگ کی چنگاری پر پڑ جاتا ہے تو اس کو قوائے احساس و ادراک کے ذریعہ جلنے کی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ پھر دماغ سے ایک قسم کی شعاعیں نکل کر قلب میں اثر کرتی ہیں جس سے رنج ہوتا ہے اور طبیعت گھلتی ہے۔ ان ملائکہ کا ہمارے نفسوں میں اثر پہنچانا بھی بالکل ایسا ہی ہوتا ہے جیسے ہمارے قوائے احساس و ادراک ہمارے بدن میں اثر پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ جس طرح ہم میں سے کسی کو رنج و ذلت وغیرہ کا اندیشہ ہوتا ہے تو وہ کانپنے لگتا ہے اور اس کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے اور بدن نڈھال ہو جاتا ہے اور کبھی تو اس کی شہوت بھی ساقط ہو جاتی ہے اور پیشاب سُرخ ہو جاتا ہے۔ اور کبھی اتنا سخت خوف ہوتا ہے کہ اس کا ڈر کے مارے پیشاب پاخانہ تک نکل جاتا ہے۔ یہ سب باتیں اس لئے پیدا ہوتی ہیں کہ قوائے احساس و ادراک انسان کی طبیعت پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اسکے دماغ میں پیغام پہنچاتے ہیں جس سے اس چیز کا تصور غالب آجاتا ہے۔ بالکل اسی طرح ان ملائکہ کا حال ہے جو بنی آدم پر متعین ہیں ان کی طرف سے انسانوں پر اور ملائکہ سفلیہ کے نفوس پر الہامات جبلیہ[3] اور تغیرات طبعیہ[4] اُترتے رہتے ہیں۔ افراد انسانی کو (ملائکہ کے) قوائے طبعیہ سے وہی نسبت و تعلق ہے جو انسان کو اپنے قوائے ادراک و احساس سے ہے۔ اور جس طرح یہ (نورانی و ظلمانی) شعاعیں اوپر (ملائکہ کی طرف) سے نیچے اُترتی ہیں اسی طرح نیچے سے خظیرۃ القدس تک وہ شعاعیں اوپر پہنچتی ہیں جن سے ایک قسم کا (نورانی) رنگ پیدا ہوتا ہے اور وہ رنگ (تجلی الٰہی میں) ایک قسم کی ہیئت پیدا کر دیتا ہے جس کو رحمت و رضا اور غضب و لعنت کہتے ہیں[5] (یہ بالکل اسی طرح ہوتا ہے جیسے پانی کو آگ کے نزدیک رکھنے کی وجہ سے اس میں گرمی پیدا ہو جاتی ہے اور جیسے مقدمات کو ترتیب دینے سے نتیجہ حاصل ہو جاتا ہے اور جس طرح دعا قبولیت و اجابتِ (دعا) کا باعث بنتی ہے چنانچہ اس وقت (جبکہ یہ رنگ پیدا ہوتا ہے تو) عالم جبروت میں نئی نئی حالتیں اور تبدیلیاں ظہور میں آتی ہیں چنانچہ کبھی تو غضب و غصہ ہوتا ہے پھر اسی کے بعد توبہ ہو جاتی ہے اور کبھی رحمت ہوتی ہے تو اسی کے بعد عذاب و تغضب ہو جاتا ہے۔[6] خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ "خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدلے۔"[7]

الانسان فعلا منجیا خرجت من تلك الملائكة اشعة بهجة وسرور وكلما فعل فعلا مهلكا خرجت منها اشعة نفرة وبغض فحلت تلك الاشعة فی نفس هذا الفرد فاورثت بهجة او وحشة او فی نفوس بعض الملائكة او بعض الناس فانعقد الالهام ان يحبوه ويحسنوا اليه او يبغضوه ويسيئوا اليه شبه ما ترى من ان احدنا اذا وقعت رجله على جمرة احست قواه الادراكية بالم الاحتراق ثم خرجت منها اشعة تؤثر فی القلب فيحزن وفی الطبع فيجهم وتاثير اولئك الملائكة فينا شبيه بتاثير الادراكات فی ابداننا فكما ان الواحد منا قد يتوقع المًا او ذلًا فترتعد فرائصه ويصفر لونه ويضعف جسده وربما تسقط شهوته و يحمر بوله وربما بال او خرئ من شدة الخوف فهذا كله تاثير القوى الادراكية فی الطبيعة ووحيها اليها وقهرها عليها فكذلك الملائكة الموكلة ببنی آدم يترشح منها عليهم وعلى نفوس الملائكة السفلية الهامات جبلية وحالات طبيعية وافراد الانسان كلها بمنزلة القوى الطبيعية لهذه الملائكة بمنزلة القوى الادراكية لهم وكما تهبط تلك الاشعة الى السفل فكذلك يصعد الى حظيرة القدس منها لون يعد لفيضان هيئة تسمى بالرحمة والرضاء والغضب واللعن مثل اعداد مجاورة النار الماء لتسخينه واعداد المقدمات للنتيجة واعداد الدعاء للاجابة فيتحقق التجدد فی الجبروت من هذا الوجه فيكون غضب ثم توبة ويكون رحمة ثم نقمة قال الله تعالى "ان الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بانفسهم"

---

[1] خوشی و سرور نیک کاموں سے اور وحشت و پریشانی بُرے کاموں سے ۱۲م [2] اگر نیک کام کرے تو محبت و نیک سلوک کریں اور بُرے کام کرے تو نفرت و بدسلوکی کریں ۱۲م [3] انسان کی طبیعت پر خفیہ طریقے سے اثر انداز ہونیوالا القا جسکا عقلِ انسانی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا ۱۲ مصحح [4] وہ حالتیں جن سے مزاجِ انسانی بدلتا رہتا ہے مثلاً رنج و غم کی حالت۔ سرور کی کیفیت وغیرہ ۱۲ مصحح [5] نیک اعمال کے وقت رحمت و رضا اور بد اعمال کے وقت غضب و لعنت ۱۲ مصحح [6] یعنے مختلف شعاعوں کے چڑھنے کے اعتبار سے عالم جبروت میں مختلف اثرات پیدا ہوتے ہیں کبھی اسپر اسکے اعمال کی وجہ سے غضب و غصہ ہوتا ہے کبھی اسکے اعمال کی وجہ سے اسکو توبہ نصیب ہوتی ہے پھر کبھی رحمت ہوتی ہے پھر اسی کی بدی کی وجہ سے اسپر ناراضی ہوتی ہے ۱۲ مترجم [7] یعنے جب تک کوئی قوم بُرے کام نہیں کرتی تب خدا اسکے ساتھ بُرائی سے پیش نہیں آتا اور اسی طرح جب تک وہ اچھے کام نہیں کرتی خدا اسکے ساتھ نیکی سے پیش...

اور نبی صلعم نے بھی بہت سی احادیث میں یہ بتایا ہے کہ "ملائکہ بنی آدم کے اعمال اُوپر خدا تعالیٰ کے پاس لیجاتے ہیں۔" اور یہ کہ "خدا تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ تم نے میری بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ (یعنے جب تم انھیں چھوڑ کر آرہے تھے تو وہ کیا کر رہے تھے؟)" اور "دن کے اعمال اسکے پاس رات کے اعمال سے پہلے پہنچ جاتے ہیں۔" اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ بنی آدم اور اُس نورِ الٰہی کے درمیان جو حظیرۃ القدس کے وسط میں قائم ہے ملائکہ بطورِ واسطہ کے ہیں۔ (سوم) اُس شریعت کا تقاضا ہے جو لوگوں پر فرض قرار دی گئی ہے (اسکی ایسی صورت ہے کہ) جس طرح ایک منجم یہ جانتا ہے کہ کواکب کو جب اپنے تمام مقامات و منازل میں سے کوئی مخصوص مقام حاصل ہوتا ہے تو ان (کواکب) کی قوتوں سے مِل کر ایک قسم کی روحانیت و روحانی فضا پیدا ہوتی ہے جو فلک کے کسی حصّے میں مرکوز و متمثل ہو جاتی ہے۔ پھر جب احکامِ فلکیات کا منتقل کرنیوالا یعنے ماہتاب جہانتاب اس روحانیت کو زمین کی طرف لاتا ہے تو لوگوں کے دل اور اُن کی توجہات اس روحانیت کی طرف پھر جاتی ہیں۔[1] بالکل اسی طرح عارف باللہ[2] جانتا ہے کہ جب ایک خاص وقت آتا ہے جس کو شرع میں لیلۂ مبارکہ (برکت والی رات) کہتے ہیں اور جس میں تمام حکمت آمیز امور طے ہوتے اور بٹتے ہیں تو اس وقت عالمِ ملکوت میں ایک قسم کی روحانیت پیدا ہوتی ہے جو احکامِ نوعِ انسانی سے مرکّب ہوتی ہے۔ اور ضرورت کے مطابق وقت کی مناسبت سے وہاں سے اس زمانہ کے سب لوگوں میں عمدہ اور اذکی شخص (یعنے نبی) پر الہامات نازل ہوتے ہیں۔[3] اور اسی کے واسطہ سے اُن نفوسِ ذکیہ پر الہامات ہوتے ہیں جو عمدگی و ذکاوت میں اسکے بعد کا درجہ رکھتے ہیں۔ پھر اس کے بعد باقی تمام لوگوں کو یہ الہام ہوتا ہے کہ وہ ان الہامات کو دل سے قبول کریں اور اچھا جانیں۔ اور پھر ان (الہامات) کے معاون اور مددگاروں کی تو تائید و امداد ہوتی ہے اور معاندین و مخالفین کی رسوائی و ذلت۔ اور ملائکہ سفلیہ کو یہ الہام ہوتا ہے کہ وہ ان (الہامات) کے مطیع و فرمانبردار کے ساتھ نیک سلوکی سے پیش آئیں اور اُن کے عاصی و نافرمان کے ساتھ بدسلوکی سے۔ پھر اسکے بعد ایک قسم کا (نورانی) رنگ، و اثر ملأ اعلےٰ اور حظیرۃ القدس میں پہنچتا ہے اور پھر وہاں سے رضامندی و خوشنودی یا ناراضگی و ناخوشی پیدا ہوتی ہے۔ (چہارم) نبی کی اطاعت ہے اور وہ اسطرح ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی نبی کو لوگوں میں (رسول بنا کر) بھیجتا ہے اور اس کی بعثت سے ان پر لطف و مہربانی اور خیر رسانی چاہتا ہے اور اس کی اطاعت اُن پر لازم قرار دیتا ہے تو وہ علم جو اسکے پاس بذریعہ وحی پہنچتا ہے متشخص اور متمثل ہو جاتا ہے اور اس نبی کی ہمت و دعا کیساتھ مل جاتا ہے۔ اور اسوقت اللہ تعالےٰ کا حکم ہوتا ہے کہ اسکی مدد ہو تاکہ اسکا کام مستحکم اور مضبوط ہو جائے۔ پہلی دونوں صورتوں کی جزا و سزا

وقد اخبر النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی احادیث کثیرۃ ان الملائکۃ ترفع اعمال بنی آدم الی اللہ تعالیٰ وان اللہ یسألہم کیف ترکتم عبادی؟ وان عمل النہار یرفع الیہ قبل عمل اللیل ینبہ صلے اللہ علیہ وسلم علی ضرب من توسط الملائکۃ بین بنی آدم وبین نور اللہ القائم وسط حظیرۃ القدس وثالثہا مقتضی الشریعۃ المکتوبۃ علیہم فکما یعرف المنجم ان الکواکب اذا کان لہا نظر من النظرات حصلت روحانیۃ ممتزجۃ من قواہا متمثلۃ فی جزء من الفلک فاذا نقلہا الی الارض ناقل احکام الفلکیات اعنے القمر انقلبت خواطرہم حسب تلک الروحانیۃ فکذالک یعرف العارف باللہ انہ اذا جاء وقت من الاوقات تسمی فی الشرع باللیلۃ المبارکۃ التی فیہا یفرق کل امر حکیم حصلت روحانیۃ فی الملکوت ممتزجۃ من احکام نوع الانسان ومقتضی ہذا الوقت یترشح من ہنالک الہامات علی اذکی خلق اللہ یومئذ وعلی نفوس تلیہ فی الذکاء بواسطتہ ثم یلہم سائر الناس قبول تلک الالہامات واستحسانہا وتؤیید ناصرہا ویخذل معاندہا وتلہم الملائکۃ السفلیۃ الاحسان لمطیعہا والاساءۃ الی عاصیہا ثم یصعد منہا لون الی الملأ الاعلی وحظیرۃ القدس فیحصل ہنالک رضا او سخط۔ رابعہا ان النبی اذا بعث فی الناس واراد اللہ تعالیٰ ببعثہ لطفا بہم وتقریبا لہم الی الخیر واوجب طاعتہ علیہم صار العلم الذی یوحی الیہ متشخصا متمثلا وامتزج بہمۃ ہذا النبی ودعائہ وقضاء اللہ تعالیٰ بالنصر لہ فاکد وتحقق اما المجازاۃ بالوجہین الاولین

[illegible]

[1] یعنے جب اجرام فلکی میں ایک خاص قسم کی ہیئت پیدا ہو جاتی ہے جیسے سورج کا چاند پر عکس پڑتا ہے اور چاند کے جس رُخ پر عکس پڑتا ہے وہ مہینہ کی چودھویں رات کو دنیا کی طرف نظر آتا ہے تو اسکی روشنی اور ٹھنڈک سب کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہے اور اس سے سب فیض اُٹھاتے ہیں ۱۲ مصحح [2] یعنے خدا شناس جو حکمتِ الٰہی سے واقف ہوتا ہے ۱۲ مصحح [3] یعنے جسطرح اجرام فلکی کا نظام قائم ہے اسی طرح آسمانی نظام بھی قائم ہے لیلۂ مبارکہ (شبِ قدر) اسی نظام کے تحت ایک خاص وقت میں وارد ہوتی ہے اور جیسے چاند کی روشنی اور ٹھنڈک سے لوگ مادی فیض حاصل کرتے ہیں اسیطرح اس سے ۱۲

(جو بتقاضائے صورتِ نوعیہ اور جہتِ ملأ اعلیٰ ہے وہ) اُس فطرتِ الٰہی کا نتیجہ ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور جو کبھی تبدیل ہی نہیں ہوتی لیکن یہ نیکی و بدی کے اصول اور کلیات ہی میں جاری ہے فروعات میں نہیں اور یہ فطرت وہ دین ہے جو کہ زمانوں کے بدلنے سے بھی نہیں بدلتا اور تمام انبیاءؑ اس پر متفق ہوتے ہیں جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ "یہ ہے تم سب کا طریقہ جو ایک ہی طریقہ ہے۔" اور نبی صلعم نے بھی فرمایا ہے کہ "تمام انبیاءؑ علاتی بھائی ہیں کہ ان کا باپ تو ایک ہی ہے لیکن مائیں مختلف ہیں[1]۔" اور اس قدر مؤاخذہ (جو دینِ فطرت کا تقاضا ہے) ہر شخص سے ضرور بالضرور ہوتا ہے۔ خواہ وہ انبیاءؑ کی بعثت سے پہلے گزرا ہو خواہ بعد میں[2]۔ لیکن جو تیسری قسم کی جزا و سزا (جو شریعت کا تقاضا) ہے تو وہ زمانوں کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہے اور اسی کے لئے نبی اور رسول مبعوث ہوا کرتے ہیں چنانچہ نبی صلعم کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے کہ "میری اور جو کچھ خدا نے مجھ کو دے کر بھیجا ہے اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی قوم کے پاس آکر یہ کہے کہ 'اے قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے دشمن کی فوج دیکھی ہے اور میں تم کو کھلم کھلا (اس سے) ڈراتا اور چوکنا کرتا ہوں، لہٰذا تم بھاگو اور اپنی جان بچاؤ' تو اس قوم کے ایک گروہ نے تو اسکی بات مان لی اور اس فوج کے آنے سے پہلے پہلے راتوں رات سویرے سے اُٹھ کر آرام کیساتھ چلدیئے اور بچ گئے۔ لیکن ایک گروہ (نے اس کو جھوٹا جانا اور اس کی بات کو نہ مانا) اور صبح تک وہیں اپنی جگہ پر پڑا رہا۔ تو صبح کو اس (دشمن کی) فوج نے آکر اس کو مار ڈالا اور اس کا ستیاناس کر دیا تو ایسی ہی مثال اسکی ہے جس نے میری اطاعت کی اور میرا کہا مانا اور جو میں لایا اس کی پیروی کی (کہ وہ نجات پائیگا) اور ایسی ہی مثال اسکی ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق بات میں لیکر آیا ہوں اسکو جھٹلایا (کہ وہ ہلاک ہوگا)۔" اب رہی چوتھی قسم کی جزا و سزا کی صورت جو بعثت انبیاءؑ کی وجہ سے ہوتی ہے تو وہ اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ انبیاءؑ مبعوث نہ ہو جائیں اور (لوگوں کے) شکوک و شبہات دور نہ ہو جائیں اور تبلیغ (دین) اچھے طریقہ سے نہ ہو جائے "تاکہ جسکو (گمراہ و) ہلاک ہونا ہو وہ (اتمام حجت کے بعد) دلائل دیکھ کر (دانستہ) ہلاک ہو اور جس کو (ہدایت یاب و) زندہ ہونا ہو تو وہ بھی دلائل دیکھ کر (علیٰ وجہ البصیرت) زندہ ہو۔"

باب (۹) اس بیان میں کہ لوگوں کی جبلت کے اختلاف کی وجہ سے ان کے اخلاق و اعمال اور مراتبِ کمال میں اختلاف اور فرق پایا جاتا ہے۔

اور دلیل اس بارے میں نبی صلعم کی یہ حدیث ہے کہ

نفطرة فطر الله الناس عليها ولن تجد لفطرة الله تبديلا و ليس ذلك الا في اصول البر والاثم وكلياتها دون فروعها وحدودها وهذه الفطرة هو الدين الذى لا يختلف باختلاف الاعصار، والانبياء كلهم مجمعون عليه كما قال تبارك وتعالىٰ "وان هذه امتكم امة واحدة" و قال صلى الله عليه وسلم "الانبياء بنو علات ابوهم واحد وامهاتهم شتى" والمواخذة على هذا القدر متحققة قبل بعثة الانبياء وبعدها سواء، واما المجازاة بالوجه الثالث فمختلفة باختلاف الاعصار وهى الحاملة على بعث الانبياء والرسل واليها الاشارة فى قوله صلى الله عليه وسلم "انما مثلي ومثل ما بعثني الله به كمثل رجل اتى قوما فقال يا قوم انى رأيت الجيش بعيني وانى انا النذير العريان فالنجاء النجاء فاطاعه طائفة من قومه فادلجوا فانطلقوا على مهلهم فنجوا وكذبت طائفة منهم فاصبحوا مكانهم فصبحهم الجيش فاهلكهم واجتاحهم فكذلك مثل من اطاعنى فاتبع ما جئت به ومثل من عصانى وكذب ما جئت به من الحق" واما المجازاة بالوجه الرابع فلا تكون الا بعد بعثة الانبياء وكشف الشبهة وصحة التبليغ "ليهلك من هلك عن بينة ويحيى من حى عن بينة"۔

باب اختلاف الناس فى جبلتهم المستوجب لاختلافهم فى اخلاقهم واعمالهم ومراتب كمالهم

والاصل فيه ما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم

[1] ایک باپ سے مراد امور فطری میں اتفاق اور چند مختلف ماؤں سے مراد احکام کی جزئیات میں اختلاف ہے۔ [2] اس لئے کہ ان فطری احکام کیلئے کسی نبی کی ضرورت نہیں عام انسانی عقل اسکے سمجھنے کیلئے کافی۔

"جب تم یہ سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا تو اسکو تو چاہے سچ جان لو لیکن اگر یہ سنو کہ فلاں شخص کے اخلاق و عادات (جبلی) بدل گئے تو اسکو کبھی سچ نہ جانو کیونکہ وہ شخص پھر اپنی جبلی حالت (واصلیت) پر لوٹ آئیگا۔" اور ایک جگہ آپنے فرمایا ہے کہ "دیکھو ابنی آدم مختلف طور پر پیدا کئے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض مومن پیدا ہوتے ہیں لیکن کافر ہوکر مرتے ہیں" پھر آپنے آگے تک پوری حدیث بیان فرمائی اور غصہ اور حقوق و قرض کے تقاضے میں انکے مختلف درجات کا ذکر فرمایا[1]۔ اور ایک جگہ یہ بھی فرمایا کہ "لوگ سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح (نسب و قبولِ فیضانِ الٰہی کے لحاظ سے) مختلف طور پر پیدا ہوتے ہیں" اور خدا تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ "(اے محمدؐ!) کہدو کہ ہر شخص اپنے ڈھنگ پر کام کرتا ہے" یعنے اپنے جبلی و پیدائشی طریقہ پر۔ اور اگر آپکو یہ منظور ہے کہ ان احادیث کے معانی اور جو کچھ اس بارے میں مجھ پر منکشف ہوا ہے وہ آپکو بھی معلوم ہوجائے تو ذرا متوجہ ہوکر سنئے کہ قوتِ ملکیہ لوگوں میں دو قسم کی پیدا کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک تو وہ ہے جو اُن ملاء اعلٰے کے مناسب و موافق ہوتی ہے جنکا یہ کام اور شغلہ ہے کہ وہ علوم اسماء و صفات سے رنگین رہتے ہیں۔ عالم جبروت کے دقائق و باریک نکات سے باخبر رہتے ہیں اور (کائنات کے) نظام عمدہ (کے امور) کو خوب اچھی طرح حاصل کرتے رہتے ہیں تاکہ اسکا احاطہ کرلیں اور اسکو وجود میں لانے کیلئے اپنی تمام کوششیں اور ہمتیں اسکی طرف مرکوز و مصروف رکھتے ہیں۔ اور دوسری قسم کی وہ قوت ہے جو ملاء سافل کے مناسب ہے یعنے ان سے مناسبت رکھتی ہے ان (ملاء سافل) کا کام اور شغلہ یہ ہے کہ وہ محض حکم بالائی کی تعمیل کیلئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں نہ تو اسکا احاطہ کرتے ہیں اور نہ اسکی طرف اپنی کوششیں اور ہمتیں مصروف و مرکوز کرتے ہیں اور نہ ہی اس سے پوری طرح واقف ہوتے ہیں (اور نہ انہیں معرفتِ اسماء و صفات ہوتی ہے البتہ ان میں نورانیت ضرور ہوتی ہے جو ان کو بہیمی آلودگیوں سے پاک رکھ سکتی ہے[2]۔ اور اسی طرح قوتِ بہیمیہ بھی دو قسم کی پیدا کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک تو وہ ہے جو نہایت شدید اور سخت بتائی گئی ہے۔ جیسے اُس قوی نر سانڈھ کی قوت جو بہت سی (عمدہ عمدہ) غذائیں کھلاکر پالا گیا ہو اور جس کی تربیت و پرورش بڑے اہتمام سے اور نہایت عمدہ ڈھنگ پر کی گئی ہو۔ تو اس طرح وہ نہایت جسیم، بلند آواز، شہ زور ...... ہٹ کا پکا، باہمت، نڈر، بڑا اکڑفوں، نہایت غصیل، سخت کینہ ور، قوی شہوت والا، غلبہ اور فتح کا لالچی اور شیر دل ہوگا۔ اور دوسری قسم کی قوتِ بہیمیہ وہ ہے جو نہایت کمزور و ضعیف ہوتی ہے، جیسے اس جانور کی قوت جو خصی ہیجڑا اور پیدائشی کچا ہو۔ اس کے علاوہ وہ قحط کا مارا ہو فاقوں میں پلا ہو اور نامناسب طریقہ پر اس کی پرورش کی گئی ہو۔ تو اس طرح وہ نہایت ضعیف، لاغر بدن، پست آواز، کمزور و ناتواں، بزدل، بے ہمت

انه قال "اذا سمعتم بجبل زال عن مكانه فصدقوه و اذا سمعتم برجل تغير عن خلقه فلا تصدقوا به فانه يصير الى ما جبل عليه" وقال "الا ان بني آدم خلقوا على طبقات شتى فمنهم من يولد مؤمنا" فذكر الحديث بطوله وذكر طبقاتهم في الغضب و تقاضي الدين وقال "الناس معادن كمعادن الذهب والفضة" وقال الله تعالى "قل كل يعمل على شاكلته" اى طريقته التي جبل عليها، وان شئت ان تستجلي ما فتح الله علي في هذا الباب و فهمني من معاني هذه الاحاديث (فاعلم) ان القوة الملكية تخلق في الناس على وجهين احدهما الوجه المناسب بالملأ الاعلى الذين شأنهم الانصباغ بعلوم الاسماء والصفات ومعرفة دقائق الجبروت و تلقي نظام على وجه الاحاطة به واجتماع الهمة على طلب وجوده، والثاني الوجه المناسب بالملأ السافل الذين شأنهم انبعاث بداعية تترشح عليهم من فوقهم من غير احاطة ولا اجتماع الهمة ولا المعرفة و نورانية و رفض للالواث البهيمية، وكذلك الخلق البهيمية تخلق على وجهين احدهما البهيمية الشديدة الصفيقة كهيئة الفحل القارح الذي نشأ في غذاء غزير و تدبير مناسب فكان عظيم الجسم شديد الجهوري الصوت قوي البطش ذا همة نافذة و تيه عظيم و غضب و حسد قويين و شبق وافر منافسا في الغلبة والظهور شجاع القلب والثاني البهيمية الضعيفة المهلهلة كهيئة الحيوان الخصي المخدج الذي نشأ في جدب و تدبير غير مناسب فكان حقير الجسم ضعيفه ركيك الصوت ضعيف البطش جبان القلب غير ذي همة

[1] یعنے یہ فرمایا کہ بعض کو جلد غصہ آتا ہے لیکن جلد ہی فرو ہوجاتا ہے اور بعض کو دیر میں آتا ہے اور بعض کو دیر میں آتا ہے اور دیر میں فرو ہوتا ہے اور جلد فرو ہوجاتا ہے اور بعض کو جلد آتا ہے لیکن دیر میں فرو ہوتا ہے اسی طرح قرض کا معاملہ ہے بعض تقاضے میں سخت ہوتے ہیں۔ [2] اسی طرح جو انسان اس قسم کی قوتِ ملکیہ کے مالک ہونگے وہ از خود تو کوئی عمدہ نظام ذمہ دارانہ طریقے پر نہیں چلا سکتے البتہ ایسے دوسروں کا سہارا لیکر جو ذمہ دار ہوں کچھ کام کرسکتے ہیں ۱۲ مصحح

اور غلبہ و فتح سے بے رغبت ہوگا۔ ان دونوں قوتوں میں سے ہر ایک کی ایک خاص جبلت ہوتی ہے جو ہر فرد میں مخصوص ہوتی ہے اور اس بات کی تخصیص کردیتی ہے کہ فلاں کس قسم کی قوت کا مالک ہے (ملکی یا بہیمی)، پھر اسکے بعد کسبی اعمال سے اسکو تائید و تقویت اور مدد ملتی رہتی ہے (جس سے اس میں اور ترقی ہوجاتی ہے)۔ اور ان دونوں قوتوں (قوتِ ملکیہ اور بہیمیہ) کا ان (لوگوں) میں یکجا جمع ہونا بھی دو طور پر ہوتا ہے۔ ایک طور تجاذب ہے کہ باہمی کھینچا تانی کے بعد وہ دونوں جمع ہوجاتی ہیں جبکہ ہر ایک قوت اپنے مقتضا کے حاصل کرنے میں کوشاں اور اپنی اصل غایت و مقصد کی طلبگار اور اپنے طلب طور طریقہ کی خواہشمند رہتی ہے تو لامحالہ ان میں کشاکشی پیدا ہوگی۔ اگر ان میں سے کوئی ایک غالب آئیگی تو دوسری کے آثار کو مٹادیگی۔ دوسرا طور باہمی صلح و مصالحت اور اتفاق ہے۔ اس صورت میں یہ ہوتا ہے کہ قوتِ ملکیہ کسی قدر اپنی خالص و اصل باتوں سے نیچے اتر کر (یعنے ان سے ہٹ کر) اسکے قریب قریب کی باتوں ہی کو اختیار کرلیتی ہے۔ (اور انہی پر اکتفا کرتی ہے) جیسے عقل، سخاوتِ نفس، عفتِ طبع، سب کے نفع اور بھلائی کو اپنے ذاتی نفع سے مقدم سمجھنا، فوری (یعنے دنیاوی) نفع کو چھوڑ کر آئندہ کے (یعنے اُخروی) فائدہ کا منتظر رہنا، ہر بات میں پاکیزگی و نفاست کو پسند کرنا۔ اسی طرح قوتِ بہیمیہ بھی کسی قدر اپنی خالص باتوں سے ذرا اونچی ہوجاتی ہے اور اپنا اصل شیوہ چھوڑ کر وہ باتیں اختیار کرلیتی ہے جو رائے کلی سے بعید اور مخالف نہیں ہوتیں۔ تو اس طرح یہ دونوں (قوتیں) باہم مصالحت کرلیتی ہیں۔ انکے اس باہمی ملاپ سے ایک ایسا مزاج و اختلاط پیدا ہوجاتا ہے جس میں کسی قسم کی باہمی مخالفت نہیں ہوتی۔ قوتِ ملکیہ اور قوتِ بہیمیہ اور اجتماعی قوت (مخلوط جو انکے باہمی ملاپ سے پیدا ہوتی ہے) ان میں سے ہر قوت کے مدارج کے لحاظ سے دو کنارے اور ایک مرکز (یا وسط) ہوتا ہے۔ پھر اسکے بعد وہ درجے ہوتے ہیں جو یا تو کنارے سے قربت رکھتے ہیں یا مرکز سے۔ غرض اس طرح بیشمار اقسام پیدا ہوتی ہیں لیکن بڑی بڑی اقسام (جو اپنے اپنے احکام و خاصیتوں کے لحاظ سے جدا جدا ہیں اور جنکے جاننے سے اور اقسام بھی معلوم ہوجاتی ہیں) کل آٹھ ہیں۔ ان میں سے چار تو وہ ہیں جو ان دونوں قوتوں کے باہمی تجاذب اور کشاکش سے پیدا ہوتی ہیں۔ (اوّل) وہ جو ملکیتِ عالیہ اور بہیمیت شدیدہ سے مل کر پیدا ہوتی ہے۔ (دوم) جو ملکیتِ عالیہ اور بہیمیتِ ضعیفہ سے ملکر پیدا ہوتی ہے۔ سوم جو ملکیت سافلہ اور بہیمیت شدیدہ سے ملکر پیدا ہوتی ہے۔ چہارم جو ملکیتِ سافلہ اور بہیمیتِ ضعیفہ سے ملکر پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح انکے باہمی ملاپ و مصالحت سے بھی انہی جیسی چار اقسام پیدا ہوتی ہیں اور ان میں سے بھی ہر قسم کا حکم و خاصیت جدا ہے جو کسی طرح بھی نہیں بدلتی جبن کسی کو بھی اسکے احکام و خاصیات معلوم ہوجائیں گی تو وہ بہت سی پریشانیوں اور الجھنوں سے نجات حاصل کرلے گا لیکن ہم یہاں صرف وہ باتیں بیان کرینگے جن کی ہمیں آئندہ اس کتاب میں ضرورت ہے۔ تو (معلوم ہونا چاہئے کہ) سختیاں اٹھانے کا سب سے زیادہ محتاج و ضرورتمند وہ شخص ہوگا جس کی قوتِ بہیمیہ

ولا منافسة فی الغلبة والظهور والقوتان جمیعا لهما جبلة تخصص احد وجهیها وکسب یؤیده ویقویه ویمد فیه واجتماع القوتین فیهم ایضا یکون علی وجهین فتارة تجتمعان بالتجاذب تکون کل واحدة متوفرة فی طلب مقتضیاتها طامحة فی اقصی غایاتها مریدة سننها الطبیعی فلاجرم ان یقع بینهما التجاذب فان غلبت هذه اضمحلت آثار تلك وکذلك العکس، وتارة بالاصطلاح بأن تنزل الملکیة عن طلب حکمها الصراح الی ما یقرب منه من عقل وسخاوة نفس وعفة طبع وایثار النفع العام علی انتفاع نفسه خاصة والنظر الی الآجل دون الاقدام علی العاجل وحب النظافة فی جمیع ما یتعلق به و تترقی البهیمیة من طلب حکمها الصراح الی ما لیس ببعید من الرأی الکلی ولا مضاد له فتصطلحان ویحصل مزاج لا تخالف فیه ولکل من مرتبتی الملکیة والبهیمیة والاجتماع طرفان ووسط وما یقرب من طرف او وسط وکذلك تذهب الاقسام الی غیر النهایة الا ان رؤس الاقسام المنفرزة باحکامها والتی یعرف غیرها بمعرفتها ثمانیة حاصلة من انقسام الاجتماع بالتجاذب الی اربعة ملکیة عالیة تجتمع مع بهیمیة شدیدة او ضعیفة او ملکیة سافلة تجتمع مع بهیمیة شدیدة او ضعیفة والاجتماع بالاصطلاح ایضا الی اربعة مثلها ولکل قسم حکم لا یختلف من وفق لمعرفة احکامها استراح من تشویشات کثیرة ونحن نذکر ههنا من ذلك ما یحتاج الیه فی هذا الکتاب فلنوجه الناس الی الریاضات الشاقة من ... بهیمیة

لے یعنے مزاحمت کشاکشی اور کھینچا تانی ... [illegible]

سخت ہوگی خصوصًا وہ جو صاحبِ تجاذب[١] ہوگا اور کمالات سے بہرہ مند[٢] ہوگا جس کی قوت ملکیہ عالی (غالب) ہوگی۔ لیکن صاحبِ مصالحت[٣] ادب اور عمل میں ان سب سے بہتر ہوگا اور صاحبِ تجاذب قوتِ بہیمیہ سے چھٹکارا پالینے کے بعد علم اور معرفت میں ان سب سے بڑھ کر ہوگا مگر عمل کی چنداں پرواہ نہ کرے گا[٤] اور بڑے بھاری کاموں[٥] میں بے رغبتی وہی برتے گا (اور ان سے جی چرائے گا) جس کی قوتِ بہیمیہ ضعیف ہوگی۔ لیکن صاحبِ قوتِ عالیہ[٦] سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خدا کی طرف متوجہ ہو جائیگا۔ اور صاحبِ قوتِ سافلہ[٧] کو اگر فرصت ملیگی یا بہیمیت سے چھٹکارا پائے گا تو آخرت کے واسطے سب کاروبار ترک کردے گا ورنہ سستی اور آرام طلبی کی خاطر اسے ترک کردے گا اور بڑے بھاری کاموں میں سب سے زیادہ تندہی سے گھسے گا اور مشغول ہوگا جسکی قوتِ بہیمیہ شدید اور زیادہ ہوگی لیکن صاحبِ قوتِ عالیہ امورِ ریاست سرداری اور لیڈری جیسے کاموں کی طرف زیادہ متوجہ ہوگا اور وہ سب کام کریگا جو رائے کلی کو مناسب ہوتے ہیں اور صاحب قوتِ سافلہ جنگ جدل اور باربرداری جیسے کاموں میں زیادہ مصروف ہوگا اور صاحب تجاذب جب پستی کیطرف گریگا تو صرف دنیوی امور میں مشغول رہیگا اور جب بلندی کیطرف ترقی کریگا تو صرف دینی امور اصلاح نفس اور اس کے تزکیہ ہی میں مصروف رہیگا اور صاحب مصالحت ان دونوں کیطرف برابر توجہ کریگا اور دونوں کو بیک وقت کریگا لیکن ان میں سے جسکی قوتِ علیہ بہت ہی بلند ہوگی تو وہ دین و دنیا دونوں کی سرداری کے لائق ہوگا اور حق تعالیٰ کے ارادوں کے مطابق اسکی ہمیشہ ڈٹا رہیگا نظام کلی کو اتمام (جیسے خلافت اور دین و ملت کی امامت) میں بمنزلہ اس کے دست و بازو کے ہونگے یہی لوگ انبیاء اور انکے وارث اور ستون دین اور سلاطینِ وقت اور اولو الامر ہوتے ہیں اور جن لوگوں کا دینِ الٰہی میں اتباع واجب ہوتا ہے وہ لوگ ایسے اہلِ مصالحت ہوتے ہیں جنکی قوتِ ملکیہ عالی و غالب ہوتی ہے اور ان لوگوں کے زیادہ مطیع وہ اہلِ مصالحت ہوتے ہیں جنکی قوتِ ملکیہ کمزور و سافل ہوتی ہے کیونکہ یہ لوگ نوامیس (قوانین و شرائع) کو بعہ ہیئتِ ظاہری بجنسہ لیتے ہیں۔ اور ان سے دُور تر اہلِ تجاذب ہوتے ہیں کیونکہ یہ لوگ (اہلِ تجاذب) یا تو سراسر ظلماتِ طبعیت میں اس طرح غرق رہتے ہیں کہ سنتِ راشدہ و راہ راست پر اچھی طرح قائم نہیں رہتے اور جب اس پر غالب آتے ہیں تو اس طرح غالب آتے ہیں کہ اگر صاحب ملکیت عالیہ ہوں تو ارواحِ نوامیس (قوانین و شرائع کی ارواح) کے ساتھ چمٹے رہیں گے اور ان کی

شديدة لاسيما صاحب التجاذب واحظاها بالكمال من كانت ملكيته عالية لكن صاحب الاصطلاح احسنهم عملا وادبهم وصاحب التجاذب اذا انفلت من اسر البهيمية اكثرهم علما ولا يبالى باداب العمل كثير مبالاة وازهدهم فى الامور العظام اضعفهم بهيمية لكن صاحب العالية يترك الكل تفرغا للتوجه الى الله وصاحب السافلة ان انفلت بتركه الاخرة والا يتركه كسلا ودعة واشدهم اقتحاما فى الامور العظام اشدهم بهيمية لكن صاحب العالية اقومهم بالرياسات ونحوها مما يناسب الرأى الكلى وصاحب السافلة اشدهم اقتحاما فى نحو القتال وحمل الاثقال وصاحب التجاذب اذا اندفع الى الاسفل اشتغل بالامر الدنيوى فقط واذا ترقى الى الاعلى اشتغل بالامر الدينى وتهذيب النفس وتجريدها فقط وصاحب الاصطلاح يشتغل بهما جميعا ويقصدهما مرة واحدة ومن كانت عالية منهم فى غاية العلو ينبعث الى رياسة الدين والدنيا معا ويصير باقيا بمراد الحق وبمنزلة الجارحة فى تمام نظام كلى كالخلافة وامامة الملة واولئك هم الانبياء وورثتهم واساطين الناس وسلاطينهم واولو الامر منهم والذين يجب انقيادهم فى دين الله اهل الاصطلاح العالية ملكيتهم واطوعهم لاولئك اهل الاصطلاح السافلة ملكيتهم فانهم يتلقون النواميس باشباحها وهيئاتها واطرفهم منهم اهل التجاذب لانهم اما منهمكون فى ظلمات الطبيعة فلا يقيمون السنة الراشدة او قاهرون عليها فان كانوا اهل علو عضوا على ارواح النواميس وكانت لهم

---

[١] یعنے وہ شخص جس میں قوتِ ملکیہ اور بہیمیہ بڑی کھینچا تانی اور تجاذب کے بعد یکجا ہوتی ہوں ۱۲م [٢] یعنے وہ شخص جس میں قوتِ ملکیہ و بہیمیہ باہمی مصالحت و ملاپ سے یکجا جمع ہوتی ہوں ۱۲م [٣] کیونکہ اس میں بہیمیت مغلوب ہوگئی ہے جو عمل میں کام آتی ہے ۱۲م [٤] جیسے جہاد وغیرہ ۱۲م [٥] یعنے اعلے قوتِ ملکیہ والا ۱۲م [٦] یعنے جسکی قوتِ ملکیہ کمزور اور سافل ہوگی ۱۲ مصحح [٧] یعنی اسی نوعیت کے مشاغل اختیار کرے گا جن میں پیشوائی اور رہنمائی کی جگہ۔ مثلاً اگر کسی وجہ سے ریاست کا سربراہ نہ بن سکا تو کسی ادارہ کا ناظم یا گروہ کا سردار ہوگا ۱۲ مصحح

ظاہری صورتوں کو چھوڑ دینگے اور انکی اکثر کوششیں اور ہمتیں عالم جبروت کے دقائق (صفاتِ الٰہیہ کی باریکیاں) معلوم کرنے اور انکے رنگ میں رنگین ہونے میں مصروف رہیں گی اور اگر اس (علو) سے کم ہوں تو ریاضتوں اور وردوں میں پھنسے رہیں گے اور کشف و اشراف[1] اور قبولیتِ دعا وغیرہ جیسے انوارِ ملکیہ سے خوش رہیں گے لیکن خاص نوامیس (قوانین و شرائع) انکے دل کی تہ میں نہیں بیٹھیں گی[2] جبتک کہ طبیعت پر جبر نہ کریں یا انوار کا سہارا نہ لیں[3] تو یہ ہیں وہ اصول جو میرے پروردگار نے مجھے عطا فرمائے ہیں جو ان کو غور سے سمجھ لیگا تو اہل اللہ کے احوال اس پر روشن ہوجائینگے انکے ذاتی کمالات و اشارات کی انتہا سے وہ واقف ہوجائیگا اور انکے سلوک کے مراتب بھی اسکو معلوم ہوجائیں گے یہ (علم) محض خدا تعالیٰ کے اس فضل کی بدولت (عطا ہوا) ہے جو اس نے ہم پر اور باقی تمام لوگوں پر کیا ہے لیکن اکثر لوگ (اس کی ان نعمتوں کا) شکر ادا نہیں کرتے۔

باب (۱۰) ان خواطر[4] و خیالات کے اسباب کا بیان جو اعمال پر اکساتے ہیں:

واضح ہو کہ انسان کے ان دلی خواطر و خیالات کا جو اس کو کسی کام پر اکساتے اور رغبت دلاتے ہیں ضرور کوئی نہ کوئی سبب ہوگا کیونکہ تمام حوادث (نو پیدا شدہ چیزوں) میں عادتِ الٰہی یونہی جاری ہے کہ انکے وجود میں آنے کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے، مشاہدہ، تجربہ اور صحیح غور و فکر سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انکے بہت سے اسباب ہیں۔ منجملہ ان اسباب کے سب سے بڑا سبب انسان کی وہ جبلت ہے جو اسکی خلقت میں رکھی گئی ہے چنانچہ اس کا ذکر ایک حدیث میں اس سے پیشتر آچکا ہے[5] منجملہ انکے انسان کا مزاجِ طبعی ہے جو کھانے پینے وغیرہ جیسی ضروری تدابیر و حالات کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے چنانچہ بھوکا آدمی کھانا طلب کرتا ہے اور پیاسا پانی مانگتا ہے اور نیز شہوت والا شخص عورت کی خواہش کرتا ہے بعض اوقات انسان ایسی غذائیں کھاتا ہے جو قوتِ باہ (شہوت) کو تقویت پہنچاتی ہیں جس سے اس میں عورتوں کی طرف میلان پیدا ہوجاتا ہے اور پھر اسکے دل میں ایسے ویسے خیالات پیدا ہوتے ہیں جنکا تعلق عورتوں سے ہوتا ہے اور پھر یہی خیالات اسکو بہت سے (ناقابلِ ذکر) افعال کے کرنے پر آمادہ کر دیتے ہیں، اور بعض اوقات انسان ایسی سخت غذائیں کھاتا ہے جن سے اسکا دل بھی سخت ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے وہ قتل تک کی جرأت کر بیٹھتا ہے اور بہت سی ان باتوں پر بھی غصے ہوجاتا ہے جن پر اور لوگ غصے نہیں ہوتے اور نہ وہ باتیں قابلِ غصہ ہوتی ہیں۔ پھر یہی دونوں قسم کے اشخاص جب صیام و قیام سے ریاضتِ نفس کرنے لگتے ہیں یا بہت بوڑھے ہوجاتے ہیں یا سخت بیمار پڑجاتے ہیں

[1] اشراف یعنے کسی کے دل کی بات پر مطلع ہونا ۱۲م [2] یعنے وہ صرف ان چیزوں کو لے لیتے ہیں جن سے نفس مغلوب ہو باقی احکام کی پابندی عادت کے طور پر کرتے ہیں نہ کہ شوق سے ۱۲م [3] یعنے انکا میلانِ طبع تو اسی کیطرف کم ہوتا ہے اگر ہوتا ہے تو طبیعت پر جبر کر کے عادتاً یا اسکو انوار کا سہارا دے کر ۱۲م [4] دل کے خیالات یعنے ان خیالات کا جو عمل کیطرف رغبت دلاتے ہیں کیا سبب ہے ۱۲م [5] وہ حدیث یہ ہے کہ پہاڑ کا ٹل جانا سنو تو چاہے سچ جان لینا لیکن اگر کسی کی عادت کا بدل جانا سنو تو کبھی سچ نہ جاننا الخ ۱۲م

مسامحة فی اشباحها وکان اکثر همتهم معرفة دقائق الجبروت والانصباغ بصبغها وان کانوا دون ذلك اهتموا بالریاضات والاوراد واعجبوا بوارق الملکیة من کشف و اشراف واستجابة الدعاء ونحو ذلك ولم یحضوا من النوامیس بجذر قلوبهم الا علی جبل قهر الطبیعة وجلب الانوار فهذه اصول اعطانیها ربی من اتقنها استجلی احوال اهل الله ومبلغ کمالهم ومطمح اشاراتهم عن انفسهم وخریج مراتب سلوکهم وذلك من فضل الله علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون.

باب فی اسباب الخواطر الباعثة علی الاعمال

اعلم ان الخواطر التی یجدها الانسان فی نفسه وتبعثه علی العمل بموجبها لا جرم ان لها اسبابا کسنة الله تعالیٰ فی سائر الحوادث والنظر والتجربة یظهران ان منها ما هو اعظمها جبلة الانسان التی خلق علیها کما نبه النبی صلی الله علیه وسلم فی الحدیث الذی رویناه من قبل ومنها مزاجه الطبیعی المتغیر بسبب التدبیر المحیط به من الاکل والشرب ونحو ذلك کالجائع یطلب الطعام والظمآن یطلب الماء والمغتلم یطلب النساء ورب انسان یاکل غذاء یقوی الباءة فیمیل الی النساء ویحدث نفسه باحادیث تتعلق بهن وتصیر هذه مهیجة له علی کثیر من الافعال ورب انسان یغتذی غذاء شدیدا فیقسو قلبه ویجترئ علی القتل ویغضب فی کثیر مما لا یغضب فیه غیره ثم اذا ارتاض هذان انفسهما بالصیام والقیام او شاخا او کبرا او مرضا مرضا مدنفا

تو انکی پہلی حالت بہت حد تک بدل جاتی ہے یعنی دل نرم ہو جاتا ہے اور نفس سیدھا ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ بوڑھے اور جوان کے حالات میں بڑا فرق پایا جاتا ہے اور اسی (فرق) کی بنا پر نبی صلعم نے روزہ کی حالت میں بوڑھے کو تو بیوی کا بوسہ لینے کی اجازت دیدی لیکن جوان کو نہ دی منجملہ ان کے کسی چیز کی عادت اور الفت ہے۔ کیونکہ جب انسان کسی بات کو کثرت کے ساتھ کرتا ہے اور اسطرح اسکے لوحِ دل پر اسکی مناسب شکل و صورت منقش ہو جاتی ہے تو دل میں بسا اوقات اسی کے خیال آتے ہیں منجملہ ان کے یہ بات ہے کہ کبھی نفسِ ناطقہ[1] قوتِ بہیمیہ کی قید سے نکل بھاگتا ہے اور مقام ملا اعلےٰ (حظیرۃ القدس) سے حسب توفیق کچھ ہیئتِ نورانی اڑالاتا ہے جو کبھی تو نیک کلام سے انس و محبت اور اطمینان و سکون کا باعث ہوتی ہے اور کبھی کسی اعلیٰ و نیک فعل (کے کرنے) کا عزم پیدا کر دیتی ہے منجملہ انکے ایک یہ بات بھی ہے کہ بعض نفوسِ خسیسہ (ادنےٰ نفوس) شیاطین سے متاثر ہو کر انکے رنگ میں رنگ (دل) جاتے ہیں۔ تو کبھی اسی ہیئت سے دل میں خواطر و خیالات پیدا ہوتے اور برے افعال سرزد ہوتے ہیں[2] اور آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ خواب کی باتیں بھی وہی حیثیت رکھتی ہیں جو دل کے خیالات و جذبات رکھتی ہیں[3] فرق صرف اتنا ہے کہ خواب کی باتوں کیلئے نفس مجرد اکیلا و تنہا، اور صاف ہو جاتا ہے تب وہ باتیں اسپر کسی خاص شکل و صورت میں ظاہر ہوتی ہیں محمد بن سیرین[4] فرماتے ہیں کہ خواب کی تین قسمیں ہیں۔ حدیثِ نفس (دل کی اندرونی باتیں)، تخویفِ شیاطین (شیطانوں کا ڈراوا)، بشارت من اللہ (خدا کی طرف سے خوشخبریاں)۔

باب[1] انسان کے اعمال کا اسکے نفس پر لگایا اور چپکایا جانا اور اسکے لئے گن کر محفوظ رکھا جانا۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ہم نے ہر انسان کے عمل کو اس کی گردن میں لٹکا دیا ہے اور اس کو اس کے لئے قیامت کے دن کتاب بنا کر پیش کر دیں گے جسکو وہ کھلا ہوا دیکھ لیگا (پھر ہم کہیں گے کہ لے!) اپنی کتاب پڑھ آج اپنا حساب لینے کیلئے تو خود کافی ہے۔" نبی صلعم خدا تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ (وہ قیامت کے روز فرمائیگا کہ) "یہ تمہارے ہی اعمال تو ہیں جنکو میں نے تمہارے لئے سینت کر محفوظ رکھا تھا اب میں تم کو انہیں کا بدلہ دیتا ہوں تو جس کو بھلائی ملے وہ خدا کا شکر ادا کرے اور جس کو برائی ملے تو وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے[5]۔" اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "نفس (دل) تمنا اور خواہش کیا کرتا ہے پھر فرج (عضوِ بدن) اس کو سچا اور جھوٹا کرتا ہے[6]۔" واضح ہو کہ جن اعمال کو انسان

تغیر اکثر ما کانا علیہ و رقت قلوبھما وعفت نفوسھما ولذالك ترى الاختلاف بين الشيوخ والشباب فى رخص النبى صلى الله عليه وسلم للشيخ فى القبلة وهو صائم ولم يرخص للشاب، ومنها العادات والمألوفات فان من اكثر ملابسة شئ و تمكن من لوح نفسه ما يناسبه من الهيأت والاشكال مال اليه كثير من خواطره ومنها ان النفس الناطقة فى بعض الاوقات تنفلت من اسر البهيمية فتختطف من حيز الملأ الاعلى ما ييسه لها من هيئة نورانية فتكون تارة من باب الانس و الطمانينة، وتارة من باب العزم على فعل، ومنها ان بعض النفوس الخسيسة تتأثر من الشياطين وتنصبغ ببعض صبغهم وربما اقتضت تلك الهيئة خواطر و افعالا واعلم ان المنامات امرها كامر الخواطر غير انها تتجرد لها النفس فتتشبح لها صورها، وهيئاتها، قال محمد بن سيرين "الرؤيا ثلاث حديث النفس و تخويف الشياطين وبشرى من الله"۔

باب لصوق الاعمال بالنفس واحصائها عليها

قال الله تعالى "وكل انسان الزمناه طائره فى عنقه و نخرج له يوم القيمة كتابا يلقاه منشورا اقرأ كتابك كفى بنفسك اليوم عليك حسيبا" وقال النبى صلى الله عليه وسلم راويا عن ربه تبارك وتعالى "انما هى اعمالكم احصيها عليكم ثم اوفيكم اياها فمن وجد خيرا فليحمد الله ومن وجد غير ذلك فلا يلومن الا نفسه" وقال النبى صلى الله عليه وسلم "النفس تمنى و تشتهى والفرج يصدق ذلك ويكذبه" اعلم ان الاعمال التى

---

[1] یعنے روحِ انسانی ۱۲م [2] یعنے دونوں کے پیدا ہونے کے اسباب ایک ہی ہیں ۱۲م [3] یعنے دونوں ایک ہی اصول کے ماتحت پیدا ہوتے ہیں فرق یہ ہے کہ جاگتے میں خیالات منتشر ہوتے ہیں ایک تخیل پر مرکوز نہیں ہوتے اس لئے وہ خیالات واضح طور پر تصویر کی شکل میں نہیں آتے لیکن سوتے میں خیالات ہر طرف سے ہٹ کر صرف اسی تخیل پر جمع ہو جاتے ہیں اور اسطرح انکی صاف فلم اور تصویر سامنے آجاتی ہے ۱۲م [4] آپ تابعی اور علم تعبیرِ خواب کے امام مانے جاتے ہیں انکی عجائب تعبیریں مشہور ہیں ۱۲ مترجم [5] یعنے اس آیت کی تفسیر میں ۱۲م [6] خدا کا شکر اسلئے کہ خدا نے اسکی فطرت میں ابتداء ہی میں ایسی استعداد رکھی کہ اسکی وجہ سے وہ اچھے کام کر کے اجر پائیگا اور اپنے آپکو ملامت اسلئے کہ خدا نے تو اسکی فطرت میں استعداد رکھی تھی لیکن اس نے اسے ترقی دی اور نہ صحیح استعمال کیا ۱۲م [7] یعنے دل میں گو زنا کی آرزو اور خواہش ہو مگر اس کی تصدیق و تکذیب فرج کے اختیار میں ہے کہ اس میں اس کی مدد کرے یا نہیں اگر اس نے وہ فعل کر لیا تو خواہش سچی ہو گئی اور وہ گناہ ہو گیا ورنہ نہیں ۱۲ مترجم

قصد کرتا ہے ان کا اور ان عادات و اخلاق کا جو اس میں راسخ ہوتے ہیں نفسِ ناطقہ (روح) مبدا و منبع ہے وہ اسی سے نکلتے اور اسی کی طرف واپس لوٹ آتے ہیں پھر اسکے دامن سے چمٹ جاتے ہیں اور سینت کر اس میں محفوظ کر لئے جاتے ہیں اب رہی یہ بات کہ اس سے پیدا کیوں ہوتے ہیں تو اسکی وجوہات وہ ہیں جو آپ جان چکے ہیں کہ قوتِ ملکیہ اور بہیمیہ اور انکے امتزاج (مرکب) کی چند اقسام بن جاتی ہیں جن میں سے ہر ایک کی جدا جدا خاصیت ہوتی ہے اور انسان کے مزاجِ طبعی کا غلبہ اور ملائکہ یا شیاطین کے رنگ میں رنگین ہونا اور اسی طرح کے دوسرے اسباب (جنکی وجہ سے خواطر ظہور میں آتے ہیں) انسان کی جبلت ہی سے پیدا ہوتے اور اس میں مناسبت پیدا کرتے ہیں[1] لہٰذا (معلوم ہوا کہ) ان کا مرجع یہی اصل نفس ہے خواہ بواسطہ یا بلاواسطہ[2] تعجب دیکھئے (اسکی زندہ مثال) کہ جب مخنث (بچہ) ابتداء میں نازک مزاج پیدا ہوتا ہے تو اسی وقت اس بات سے ماہر نفسیات جان جاتا ہے کہ اگر یہ (بچہ) اپنے مزاج پر جوان ہوگا تو ضرور عورتوں کی سی عادات و صفات اور لباس و زیب و زینت اور انہی کی سی رسومات و طور طریق اختیار کرے گا اور اسی طرح طبیب یا ڈاکٹر بھی یہ جانتا ہے کہ اگر فلاں بچہ اپنے مزاج کے موافق جوان ہوگا اور (پرورش کردہ ان) اسکو کوئی ایسی ویسی بات (بیماری وغیرہ) پیش نہ آئیگی تو آیا وہ قوی چست چالاک ہونہار ہوگا یا کمزور مرجھایا ہوا اور بزدل اب رہا یہ سوال کہ وہ اعمال اسکے نفسِ ناطقہ کی طرف واپس کیوں لوٹ آتے ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ جب انسان کسی کام کو بکثرت کرتا ہے تو وہ اسکا اس درجہ عادی ہو جاتا ہے کہ اس سے بغیر کسی غور و فکر کے نہایت آسانی کے ساتھ خود بخود ایسے افعال سرزد ہونے لگتے ہیں اب اس بات میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہتا کہ اسکے نفس نے اس فعل سے متاثر ہو کر اسکا رنگ قبول کر لیا ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ اس تاثر میں جو انسان بیشمار اعمال سے قبول کرتا ہے ہم جنس اعمال کے ایک ایک عمل کو دخل ہوتا ہے خواہ وہ (تاثیر یا اثر) کتنا ہی باریک اور خفیف کیوں نہ ہو نبی صلعم کی اس حدیث میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ گمراہیوں کے خیالات (فتنے) دلوں پر بوریہ کے تنکوں کی طرح تہ بتہ گھیر لیتے ہیں پھر جو دل انکے اثر کو قبول کر لیتا ہے اسمیں ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے اور جو دل اسکو قبول نہیں کرتا اسمیں سفید نشان ہو جاتا ہے آخر کار (بڑھتے بڑھتے) ان دونوں دلوں کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ سفید نشان والا تو پورا کا پورا ایسا صاف شفاف ہو جاتا ہے جیسے سنگِ مرمر اور پھر اسکو آئندہ کیلئے کسی قسم کے فتنے یا بدعملی کی نقصان دہی کا اندیشہ نہیں رہتا اور دوسرا سیاہ دھبہ والا کالا سیاہ غبار آلودہ اور چکنے گھڑے کے مانند ہو جاتا ہے[3] کہ سوائے اپنی دلی خواہشوں کے نیکی بدی کچھ نہیں جانتا" اب رہی یہ بات کہ اعمال نفس کے دامن سے کیوں چمٹ جاتے ہیں؟ تو اسکی وجہ یہ ہے کہ نفسِ ناطقہ شروع شروع میں صاف و سادہ ہیولانی صورت میں پیدا کیا جاتا ہے ہر قسم کے خد و خال اور رنگ اثر سے خالی ہوتا ہے پھر اس کے بعد

يقصدها الانسان قصدا مؤكدا والاخلاق التي هي راسخة فيه تنبعث من اصل النفس الناطقة ثم تعود اليها ثم تتشبث بذيلها وتحصى عليها اما الانبعاث منها فلما عرفت ان للملكية والبهيمية واجتماعهما اقساما ولكل قسم حكما وغلبة المزاج الطبيعي والانصباغ من الملائكة والشياطين ونحو ذلك من الاسباب لا تكون الا حسب ما تعطيه الجبلة وتحصل فيه المناسبة فلذلك كان المرجع الى اصل النفس بوسط او بغير وسط الست ترى المخنث يخلق ذا والمرة على مزاج ركيك فيستدل به العارف على انه ان شب على مزاجه وجبلته يعتاد بعادات النساء ويتزيا بزيهن وينتحل رسومهن وكذلك يدرك الطبيب ان الطفل ان شب على مزاجه ولم يفجأه عارض كان قويا فارها او ضعيفا ضارعا واما العود اليها فلان الانسان اذا عمل عملا فاكثر منه اعتادته النفس وسهل صدوره منها ولم يحتج الى روية وتجشم داعية فلا جرم ان النفس تأثرت منه وقبلت لونه ولا جرم ان لكل عمل من تلك الاعمال المتجانسة مدخلا في ذلك التأثر وان دق وخفي مكانه واليه الاشارة في قوله صلى الله عليه وسلم تعرض الفتن على القلوب كالحصير عودا عودا فاى قلب اشربها نكتت فيه نكتة سوداء واى قلب انكرها نكتت فيه نكتة بيضاء حتى تصير على قلبين ابيض مثل الصفا فلا تضره فتنة مادامت السموات والارض والاخر اسود مربادا كالكوز مجخيا لا يعرف معروفا ولا ينكر منكرا الا ما اشرب من هواه" واما التشبث بذيلها فلان النفس في اول امرها تخلق هيولانية فارغة عن جميع ما تنصبغ به ثم لا تزال تخرج

---

[1] یعنے اندرونی استعداد ہی ہے جو بیرونی اسباب کا اثر لیکر عمل کرتی ہے ۱۲ مصحح [2] بالواسطہ اس طرح کہ استعداد کی قوت اور مضبوطی کی وجہ سے از خود عمل کرے اور بلاواسطہ اس طرح کہ کمزور ہونیکی صورت میں بیرونی اثرات سے متاثر ہو کر عمل کرے ۱۲ مصحح [3] چکنا یا الٹا گھڑا اسلئے کہا کہ جسطرح اس میں پانی نہیں رہتا اور نہ ٹکتا ہے اسی طرح اس دل کا حال ہو جاتا ہے کہ اس میں کوئی نیک بات آتی ہے اور نہ ٹھہرتی ہے اور اسکا لفظی ترجمہ ہے کہ وہ کالا سفیدی ملا ہوا (یعنے راکھ کے رنگ کا) اور جھکے ہوئے آبخورے کی طرح ہو جاتا ہے۔ یہاں اوپر محاورہ کی رعایت رکھی گئی ہے ۱۲ مصحح

قوت سے فعل کیطرف دن بدن ترقی کرتا رہتا ہے اور ہر پچھلی حالت کیلئے پہلی حالت معِدعه ہوتی ہے اور ان معدات کا سلسلہ ترتیب دار ہوتا ہے کوئی ایک بھی آگے کی پیچھے اور پیچھے کی آگے نہیں ہو سکتی جو نفسِ ناطقہ آج موجود ہے اس میں معدات سابقہ میں سے ہر معِد کا ویسا کا ویسا ہی اثر موجود ہے گو کسی خارجی شغل میں توجہ لگنے کیوجہ سے نفس کو اس کا پوری طرح احساس نہ ہو صرف دو عه صورتوں میں اس اثر کے زائل ہو جانیکا احتمال ہے۔ اوّل یہ کہ وہ چیز ہی فنا ہو جائے جس میں وہ قوت موجود رہتی ہے جس سے اعمال پیدا ہوتے ہیں جیسے کہ بوڑھے اور مریض کے بارے میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ عه دوسرے یہ کہ (خظیرۃ القدس کی) کوئی ہیئتِ بالائی اس پر غالب آکر اس کے نظامِ (سابق) کو اس طرح بدل دے جیسے کہ وہ مذکورہ بالا صورت میں بدل جاتا ہے عه چنانچہ اسی کی بابت خدا تعالےٰ نے بھی فرماتا ہے کہ "نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں" اور یہ بھی فرماتا ہے کہ "اگر تو شرک (اختیار) کریگا تو تیرے سب اعمال برباد ہو جائیں گے"۔ اب رہی یہ بات کہ وہ اعمال اس کے لئے جمع کر کے محفوظ کیوں رکھے جاتے ہیں؟ تو اس کا راز جو کچھ مجھے اپنے ذوق سے معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ نظامِ فوقانی کی عطا کے موافق و مناسب عالمِ مثال کے بالائی طبقے میں ہر انسان کی ایک صورت ظاہر ہوتی ہے اور میثاق کے قصہ میں جس کا ظہور ہوا وہ اسی کی ایک شاخ تھی عه پھر جب وہ شخص عالمِ وجود میں آتا ہے تو وہ صورت اس پر لگ جاتی ہے اور اس طرح اس کے ساتھ ملکر ایک ہو جاتی ہے پھر جب وہ شخص کوئی (اچھا) عمل کرتا ہے تو وہ صورت اس (عمل) سے بلا اختیار طبعی طور پر خوش ہو جاتی ہے پھر (مرنے کے بعد) عالمِ معاد میں کبھی تو یوں ظاہر ہوگا کہ اوپر اس کے اعمال اسکے لئے سینت کر محفوظ رکھ لئے گئے ہیں چنانچہ نامۂ اعمال پڑھنے سے یہی مراد ہے اور کبھی یوں ظاہر ہوگا کہ وہ اعمال اسکے اعضاء سے چمٹے ہوئے ہیں چنانچہ ہاتھ پاؤں کے کلام کرنے (اور گواہی دینے) سے یہی مراد ہے پھر یہ بھی ایک بات ہے کہ عمل کی صورت و شکل اسکے دنیاوی و اخروی ثمرہ و نتیجہ کو اپنے آپ صاف صاف بیان کر دیتی ہے۔ کبھی ملائکہ اس کی (صحیح) صورت و شکل بنانے میں تردد اور دیر لگاتے ہیں تو خدا تعالیٰ فرما دیتا ہے کہ عمل کو ہو بہو لکھ لو زیادہ کد و کاوش نہ کرو۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ "ابتدائے عالم سے لے کر اس کی انتہا تک جس جس چیز کا خدا تعالےٰ نے اندازہ مقرر کر لیا ہے وہ سب ایک مخلوق چیز میں لکھا ہوا ہے۔ اس مخلوق کو بھی خدا تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے کبھی تو اُسے لوحِ محفوظ کہتے ہیں، کبھی کتابِ مبین اور کبھی امامِ مبین جیسا کہ قرآن میں وارد ہوا ہے۔ پس جو کچھ عالم میں ہو چکا ہے اور ہوگا اس لوح پر ایسے نقوش سے لکھا ہوا ہے جو ان آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتے۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ وہ لوح (محفوظ)

من القوة الى الفعل يوما فيوما وكل حالة متأخرة لها معد من قبلها والمعدات كلها سلسلة مترتبة لا يتقدم متأخرها على متقدم مستصحب فى هيئة النفس الموجودة اليوم حكم كل معد قبلها وان خفي عليها بسبب اشتغالها بما هو خارج منها اللهم الا ان يفنى حامل القوة المنبعثة تلك الاعمال منها كما ذكرنا فى الشيخ والمريض او تهجم عليها هيئة من فوقها تغير نظامها كالتغير المذكور كما قال الله تعالىٰ "ان الحسنات يذهبن السيئات" وقال "لئن اشركت ليحبطن عملك" واما الاحصاء عليها فسره على ما وجدته بالذوق ان فى الحيز الشاهق تظهر صورة لكل انسان بما يعطيه النظام الفوقانى والتى ظهرت فى قصة الميثاق شعبة منها فاذا وجد هذا الشخص انطبقت الصورة عليه واتحدت معه فاذا عمل عملا انشرحت هذه الصورة بذلك العمل انشراحا طبيعيا بلا اختيار منه فربما تظهر فى المعاد ان اعمالها محصاة عليها من فوقها، ومنه قراءة الصحف وربما تظهر ان اعمالها فيها متشبثة باعضائها، ومنه نطق الايدى والارجل ثم كل صورة عمل مفصحة عن ثمرته فى الدنيا والاخرة وربما تتوقف الملائكة فى تصويره فيقول الله تعالىٰ اكتبوا العمل كما هو قال الغزالىؒ كل ما قدره الله تعالىٰ من ابتداء خلق العالم الى آخره مسطور ومثبت فى خلق خلقه الله تعالىٰ يعبر عنه تارة باللوح وتارة بالكتاب المبين وتارة بامام مبين كما ورد فى القرآن فجميع ما جرى فى العالم وما سيجرى مكتوب فيه ومنقوش عليه نقشا لا يشاهد بهذه العين ولا تظنن ان ذلك اللوح

عه معد اصطلاح میں اسکو کہتے ہیں جو خود معدوم ہو کر دوسری کے وجود اور ترقی میں مدد کرے جیسے "ایام" پس آج کا دن ہو چکے گا تو کل کا دن آئیگا ۱۲ مترجم اس طرح ہر آنیوالی چیز پچھلی چیز کی استعداد سے پیدا ہوتی ہے ۱۲ مصحح عه یعنی یہ کہ بوڑھے اور مریض کی استعداد و قوت ختم ہو جاتی ہے اسکے دل میں ایسے خواطر آنے بند ہو جاتے ہیں کیونکہ بیماری اور بڑھاپے کے ساتھ ہی ساتھ اس کا مزاج طبعی بھی بدل جاتا ہے ۱۲ مصحح عه یعنے بیماری اور بڑھاپے کی صورت میں ۱۲ مصحح عه یعنے یوم الست کا واقعہ جو روزِ عہد کہلاتا ہے جبکہ خدا تعالیٰ نے بنی آدم سے عہد لیا تھا اور الست بربکم فرمایا تھا وہاں انسانوں کی یہ صورتیں موجود ہوئی تھیں۔ سورۂ اعراف ۲۱۷ میں یہ واقعہ ملاحظہ فرمائیں ۱۲ مترجم

کسی لکڑی یا لوہے یا ہڈی کی تختی ہے اور وہ کتاب (مبین) کاغذ یا ورقوں کی بنی ہوئی ہے بلکہ آپ قطعی طور پر یہ جان لیجئے کہ جس طرح خدا تعالےٰ کی ذات وصفات انسانوں کی ذات وصفات کے مشابہ نہیں اسی طرح اس کی تختی اور کتاب ان کی تختیوں اور کتابوں جیسی نہیں۔ اگر آپ اس کو سمجھنے کے لئے کوئی مثال چاہیں تو حافظِ قرآن کے دل ودماغ کو لے لیجئے کیونکہ لوحِ محفوظ میں خدا تعالیٰ کے مقررہ اندازوں کا ریکارڈ بالکل اسی طرح محفوظ ہے جس طرح حافظِ قرآن کے دل ودماغ میں قرآن کے الفاظ محفوظ ہوتے ہیں اور اس کو دل ودماغ پر اس طرح لکھے ہوئے نظر آتے ہیں جیسے کہ وہ پڑھتے وقت ان کو دیکھ رہا ہے مگر جب آپ اس کے دماغ کو چیر کر دیکھیں گے تو اس طرح کا لکھا ہوا کوئی حرف بھی دکھائی نہ دے گا پس لوحِ محفوظ میں بھی اسی طور پر سب کچھ (جو اللہ تعالےٰ نے مقدر کر رکھا ہے) لکھا ہوا سمجھ لیجئے۔" امام غزالیؒ کا قول ختم ہوا۔ پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ نفس نے جو کچھ کیا ہوتا ہے بُرا یا بھلا اس کو وہ اکثر یاد کرتا رہتا ہے اور اسکی جزا وسزا کی امید رکھتا ہے تو یہ بھی اسکے عمل برقرار رکھنے کی ایک اور وجہ بن جاتی ہے۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے +

باب (۱۲) اعمال کا نفسی حالتوں سے وابستہ ہونا

واضح ہو کہ اعمال ہیئتِ نفسانی[۱] کے مظاہر اسکے شکار کرنے کی گھاٹیاں اور اس کی شرح ہیں اور عرفِ عام میں اسی کے ساتھ متحد ہیں یعنے ساری کی ساری دنیا حالِ دل کو کسی طبعی وقدرتی سبب کی بنا پر جو صورتِ نوعیہ کیوجہ سے پیدا ہوتا ہے، اعمال کے ساتھ تعبیر کرتی ہے[۲] اسکی وجہ یہ ہے کہ جب دلی ارادہ انسان کو کسی کام پر آمادہ کرتا ہے اور نفس اسکو پسند کر لیتا ہے تو وہ کھل کر ہشاش بشاش ہو جاتا ہے اور اگر ناپسند کرتا ہے تو وہ پژمردہ و افسردہ ہو کر مرجھا جاتا ہے اور پھر جب وہ اس کام کو کر چکتا ہے تو اس ارادہ کا مبدأ ومنبع (خواہ قوتِ ملکیہ ہو یا بہیمیہ) مستقل اور قوی ہو جاتا ہے اور اس کا مخالف (منبع خواہ قوتِ ملکیہ ہو یا بہیمیہ) غیر مستقل اور کمزور ہو جاتا ہے۔ نبی صلعم کے اس قول سے یہی بات جھلکتی ہے کہ "(انسان کا) نفس آرزو اور خواہش کرتا ہے اور فرج (اسکی شرمگاہ) اس خواہش نفسانی کو سچا کرتی ہے یا جھوٹا کرتی ہے۔" آپ جس خُلق وعادت کو دیکھیں گے یہی پائیں گے کہ اس کے لئے چند افعال واعمال اور ہیئات وکیفیات مخصوص ہوتی ہیں جن کے ذریعہ سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور انہی سے اسکو بیان کرتے ہیں اور اسطرح وہ (اعمال وہیئات) اس خلق وعادت کے اظہار

من خشب او حدید او عظم وان الکتاب من کاغذ او ورق بل ینبغی ان تفهم قطعا ان لوح اللّٰه لا یشبه لوح الخلق وکتاب اللّٰه تعالیٰ لا یشبه کتاب الخلق کما ان ذاته وصفاته لا تشبه ذات الخلق وصفاتهم بل ان کنت تطلب له مثالا یقربه الیٰ فهمك فاعلم ان ثبوت المقادیر فی اللوح المحفوظ ایضاهی ثبوت کلمات القرآن وحروفه فی دماغ حافظ القرآن وقلبه فانه مسطور فیه حتی کانه حیث یقرأ ینظر الیه ولو فتشت دماغه جزءًا جزءًا لم تشاهد من ذلك الخط حرفا فمن هذا النمط ینبغی ان تفهم کون اللوح منقوشا بجمیع ما قدره اللّٰه تعالیٰ وقضاه انتهی۔ ثم کثیرا ما تتذکر النفس ما عملت من خیر او شر وتتوقع جزاءه فیکون ذلك وجها آخر من وجوه استقرار عمله واللّٰه اعلم۔

باب ارتباط الاعمال بالهیئات النفسانیة

اعلم ان الاعمال مظاهر الهیئات النفسانیة وشروح لها وشرکات لاقتناصها ومتحدة معها فی العرف الطبیعی ای یتفق جمهور الناس علی التعبیر بها بسبب طبیعی تعطیه الصورة النوعیة وذلك لان الداعیة اذا انبعثت الیٰ عمل فطاوعت لها نفس انبسطت وانشرحت وان امتنعت انقبضت وتقلصت فاذا باشر العمل استبد منبعه من ملکیة او بهیمیة وقوی وانخرف مقابله وضعف والیٰ هذا الاشارة فی قوله صلی اللّٰه علیه وسلم "النفس تمنی وتشتهی والفرج یصدق ذلك ویکذبه" ولن تری خلقا الا وله اعمال وهیئات یشار بها الیه ویعبر بها عنه وتمثل صورتها

[۱] ہیئتِ نفسانی، نفسی حالت، کیفیتِ قلبی، حالِ دل، خُلق اور ملکہ سب کا ایک ہی مطلب ہے ۱۲ [۲] یعنے روحانی حالتیں، اعمال ہی کے ذریعہ نفسِ انسانی میں جمتی ہیں ۱۲ مصح [۳] یعنے جب کسی کی ہیئتِ نفسانی اور خُلق کو بیان کرنا چاہتے ہیں تو اس کے اعمال بیان کرتے ہیں ۱۲ مصح

کاذریعہ بن جاتی ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی کو بہادر بتائے اور پھر اس سے اسکی بہادری کے متعلق دریافت کیا جائے تو لامحالہ وہ اسکے سخت سخت حملوں اور مہموں کو ہی بیان کرکے اسکی بہادری و شجاعت کا اظہار کریگا اور اگر کوئی اسکی سخاوت و فیاضی بیان کریگا تو استفسار کے بعد وہ بھی یہی کہیگا کہ وہ شخص روپیہ پیسہ خوب خرچ کرتا ہے اور اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ شجاعت اور سخاوت کی تصویر اسکی آنکھوں کے سامنے پھر جائے تو وہ مجبور ہوگا کہ ان شجاعت و سخاوت کے اعمال کا ہی تصور خیال میں لائے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ وہ فطرت الٰہی ہی بدل جائے جس پر سب لوگ پیدا ہوئی ہیں[1]۔ اگر کوئی شخص (بتکلف) وہ خُلق و عادت حاصل کرنا چاہے جو اس میں پہلے سے موجود نہیں ہے تو اسکو اسکے سوا کوئی چارہ ہی نہیں کہ اسکے صحیح موقعوں کو تاکتا رہے اور ان اعمال وافعال کو نہایت جانفشانی اور تندہی سے کرے جنکا اس (خُلق) سے تعلق ہے اور ان لوگوں کے واقعات یاد کرے جو اس قسم کے کام کر گزرے ہیں پھر یہ اعمال ہی ہوتے ہیں جو قابو میں آسکتے ہیں ان ہی کے دکھلانے کیلئے اوقات کا تعین ہو سکتا ہے نظر بھی یہی آتے ہیں یہی دکھلائے بھی جاسکتے ہیں بیان بھی کئے جاسکتے ہیں اور اشارہ انداز بھی ہو سکتے ہیں، نقل و پیروی بھی انہی سے ہو سکتی ہے اور قدرت واختیار میں بھی یہی داخل ہوتے ہیں مؤاخذہ اور انعام بھی انہی پر ممکن ہو سکتا ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ سب نفوس اعمال اور ملکات[2] کے محفوظ کرنے میں برابر نہیں ہوتے کیونکہ بعض نفوس تو ایسے قوی ہوتے ہیں جو اعمال سے زیادہ ملکات کو تصور میں لے آتے ہیں تو انکا اصلی کمال اپنے اندر صرف اخلاق و ملکات پیدا کرنا ہوتا ہے لیکن اعمال بھی انکے تصور میں متمثل ہو کر آتے ہیں کیونکہ یہ اعمال ان اخلاق و ملکات کے قالب اور تصویر ہوا کرتے ہیں تو اس طرح یہ اعمال محض اسی وجہ سے محفوظ کئے جاتے ہیں مگر انکی محافظت اخلاق و ملکات کی محافظت سے کم ہوتی ہے یہ تمثل[3] ایسا ہی ہے جسطرح خواب میں معانی مقصودہ[4] اعمال کی شکل میں دکھائی دیتے ہیں جیسے مونہوں و شرمگاہوں پر مہر لگانا دیکھنا[5]۔ اور بعض نفوس ایسے کمزور ہوتے ہیں جو اپنے اعمال ہی کو اپنا اصلی کمال سمجھتے ہیں کیونکہ ان میں نفسی کیفیات اچھی طرح جمی ہوئی نہیں ہوتیں بلکہ اعمال ہی کے لباس میں نظر آتی ہیں لہٰذا ان میں اعمال کے جوہر محفوظ رہتے ہیں اور اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہوا کرتی ہے انہیں وقت کی پابندی کی بہت ضرورت ہوتی ہے اور اسی لئے شریعت میں معانی اور کیفیات کے مقابلہ میں اعمال کیطرف زیادہ توجہ دلائی گئی ہے اور ان ہی پر زور دیا گیا ہے پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ بہت سے اعمال ایسے بھی ہوتے ہیں جو قطع نظر اس ہیئتِ نفسانی کے جس کی وجہ سے عام طور پر یہ ظہور میں آیا کرتے ہیں براہ راست ملأ اعلیٰ میں

مکشفاً له فلو ان انساناً وصف انساناً آخر بالشجاعة ثم استفسر فبين لم يبين الا معالجاته الشديدة او بالسخاوة لم يبين الا دراهم ودنانير يبذلها ولو ان انساناً اراد ان يستحضر صورة الشجاعة و السخاوة اضطر الى صور تلك الاعمال اللهم الا ان يكون قد غير فطرة الله التى فطر الناس عليها ولو ان واحداً اراد ان يحصل خلقاً ليس فيه فلا سبيل له الى ذلك الا الوقوع فى مظانه وتجشم الاعمال المتعلقة به وتذكر وقائع الاقوياء من اهله ثم الاعمال هى الامور المضبوطة التى تقصد بالتوقيت وترى وتبصر وتحكى وتؤثر وتدخل تحت القدرة والاختيار ويمكن ان يؤاخذ بها وعليها ثم النفوس ليست سواء فى احصاء الاعمال والملكات عليها، فمنها نفوس قوية تتمثل عندها الملكات اكثر من الاعمال فلا بعد من كمالها بالاصالة الا الاخلاق ولكن تتمثل الاعمال لها لانها قوالبها وصورها فيحصى عليها الاعمال احصاء اضعف من احصاء الاخلاق بمنزلة ما يتمثل فى الرؤيا من اشباح المعنى المراد كالختم على الافواه والفروج ومنها نفوس ضعيفة تحسب اعمالها عين كمالها لعدم استقلال الهيئات النفسانية فلا تتمثل او مضمحلة فى الاعمال فيحصى عليها انفس الاعمال وهم اكثر الناس وهم المحتاجون جداً الى التوقيت البالغ ولهذا المعانى عظم الاعتناء بالاعمال فى النواميس الالٰهية، ثم ان كثيرا من الاعمال يستقر فى الملأ الاعلى ويتوجه اليها استحسانهم او استهجانهم بالاصالة مع قطع النظر عن الهيئات النفسانية التى تصدر عنها فيكون اداء الصالح منها بمنزلة قبول الهام من الملأ الاعلى

[1] کوئی شخص مافوق الفطرت ہو عام لوگوں کی طرح نہ ہو بلکہ احساس میں اتنا بلند ہو کہ کسی صفت کے مخصوص اعمال وافعال کو خیال میں لائے بغیر ہی اسکا تصور اپنے ذہن میں قائم کرسکے یہ بہت کم واقع ہوتا ہے اسلئے ایسے لوگوں کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے ۱۲ مصحح [2] اسکا واحد ہے ملکہ یعنے کسی کام کی مہارت جو اسکو بار بار کرنے سے انسان میں پیدا ہوتی ہے اسے کسی کام کا جوہر اور نتیجہ بھی کہہ سکتے ہیں ۱۲ مصحح [3] تمثل یعنے کسی صورت میں ظاہر ہونا ۱۲ م [4] یعنے وہ باتیں جو نظر نہیں آتیں ۱۲ [5] یہ اس خواب کیطرف اشارہ ہے جو کسی نے یوں دیکھا تھا کہ میں لوگوں کے مونہوں اور شرمگاہوں پر مہر لگا رہا ہوں۔ ابن سیرینؒ سے جب اسکی تعبیر پوچھی تو انھوں نے کہا کہ شاید تم مؤذن ہوگے رمضان میں قبل از وقت اذان دیتے ہوگے، اور اس طرح لوگوں کا کھانا اور جماع کرنا بند کردیتے ہوگے، چنانچہ اسکے اس فعل کے معنے اس طرح واضح شکل و صورت میں دکھائے گئے ۱۲ مترجم

مقرر ہو کر پسند یا ناپسند کئے جاتے ہیں تو اس طرح کسی نیک کام کا کرنا گویا ملاء اعلیٰ کے اس الہام کو قبول کرنا ہوتا ہے کہ ہمارا تقرب حاصل کر، ہماری مشابہت اختیار کر، ہمارے انوار حاصل کر[۱] اور برا کام کرنے سے اسکے برخلاف حالت ہوتی ہے۔ ملاء اعلیٰ میں اعمال کا یہ تقرر چند وجوہات کی بنا پر ہوتا ہے منجملہ انکے ایک یہ ہے کہ انکو خدا تعالیٰ کیطرف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نظام بشری اسوقت تک نہیں سدھر سکتا جبتک کہ فلاں فلاں اعمال کو اختیار نہ کیا جائے اور فلاں فلاں اعمال سے اجتناب نہ کیا جائے لہذا وہ اعمال ملاء اعلیٰ میں متشکل ہو جاتے ہیں اور بعد ازاں وہاں سے (ہر نبی کی) شریعت میں نازل ہوتے ہیں۔ منجملہ انکے ایک یہ ہے کہ جب وہ نفوس بشریہ جو ان اعمال (صالحہ) کو لگاتار کرتے رہنے سے ان میں مہارت پیدا کر لیتے ہیں جب (بعد از وفات) ملاء اعلیٰ میں پہنچ جاتے ہیں تو وہاں بھی ان کو پسند یا ناپسند کرنے لگتے ہیں اور اسطرح جب اسی میں ایک زمانہ دراز گزر جاتا ہے تو ان اعمال کی صورتیں وہاں انکے پاس قرار پکڑ لیتی اور جم جاتی ہیں، وحاصل کلام یہ کہ اس صورت میں اعمال میں بالکل وہی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے جو بزرگوں سے منقولہ اور مجربہ تعویذوں اور منتروں میں ہوتی ہے۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

باب (۱۳) جزا و سزا کے اسباب

واضح ہو کہ جزا و سزا کے اسباب اگرچہ بہت ہیں لیکن وہ سب ان دو باتوں پر مبنی ہیں :- اوّل یہ کہ نفس انسانی اپنی قوت ملکیہ کے ذریعہ اپنی کسی بدفعلی یا بدخلقی کو نامناسب سمجھتا ہے اسکے اس احساس سے اس میں ایک ندامت، افسوس اور الم دل خراش پیدا ہوتا ہے بسا اوقات اسکی وجہ سے خواب یا بیداری میں ایسے ایسے واقعات تصور میں آتے ہیں جو رنج والم، ذلت و اہانت اور تخویف کا باعث ہوتے ہیں بہت سے نفوس ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو جسطرح کہ اور علوم کے الہام کی استعداد ہوتی ہے اسی طرح اس عمل کے نامناسب ہونے کے الہام کی بھی استعداد ہوتی ہے[۲] پس فرشتوں کی زبانی یہ خطاب ہوتا ہے کہ انکو ظاہر کر کے دکھلایا جائے اور بتایا جائے[۳] اور اسی بات کیطرف خدا تعالیٰ کی اس آیت میں اشارہ ہے کہ "ہاں! جنھوں نے گناہ کمائے اور انکے گناہوں نے انہیں گھیر لیا تو وہی جہنمی ہیں ہمیشہ وہیں رہیں گے"۔ دوم یہ کہ حظیرۃ القدس والے فرشتے بنی آدم کی طرف متوجہ رہتے ہیں (صورت حال یہ ہوتی ہے کہ) ملاء اعلیٰ کے پاس ہیئات نفسانی اور اخلاق و اعمال اچھے اور برے، پسندیدہ اور ناپسندیدہ سب لکھے ہوئے ہوتے ہیں پس وہ اپنے رب سے یہ دعاء و سوال کرتے ہیں کہ ان (نیکو کار) لوگوں کو راحت اور ثواب ملے اور ان (بدکار) لوگوں کو مصیبت و عذاب ملے۔ چنانچہ انکی دعاء قبول ہوتی ہے اور بنی آدم پر اپنا اثر اس طرح دکھاتی ہے کہ ان

فی التقرب منہم والتشبہ بہم واکتساب انوارہم ویکون اقتراف السیئۃ منہا خلاف ذٰلک، ھٰذا الاستقرار یکون بوجوہ منہا انہم یتلقون من بارئہم ان نظام البشر لا یصلح الا باداء اعمال والکف عن اعمال فتمثل تلک الاعمال عندہم ثم تنزل فی الشرائع من ھنالک ومنہا ان نفوس البشر التی مارست ولازمت الاعمال اذا انتقلت الی الملأ الاعلیٰ و توجہ الیہا استحسانہم واستہجانہم ومضی علیٰ ذٰلک القرون والدھور، واستقرت صور الاعمال عندہم، وبالجملۃ فتؤثر الاعمال حینئذ تاثیر العزائم والرقی المأثورۃ عن السلف بہیئتہا وصفتہا. واللہ اعلم.

باب اسباب المجازاۃ

اعلم ان اسباب المجازاۃ وان کثرت ترجع الی اصلین احدہما ان تحس النفس من حیث قوتہا الملکیۃ بعمل او خلق اکتسبتہ انہ غیر ملائم لہا فتتشبح فیہا ندامۃ وحسرۃ والم وربما اوجب ذٰلک تمثل واقعات فی المنام او الیقظۃ تشتمل علی ایلام واھانۃ وتھدید ورب نفس استعدت لالہام المخالفۃ فخوطبت علی السنۃ الملائکۃ بان تتراءی لہ کسائر ما تستعد لہ من العلوم والی ھٰذا الاصل وقعت الاشارۃ فی قولہ تعالیٰ "بلیٰ من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ فاولٰئک اصحاب النار ھم فیہا خٰلدون" والثانی توجہ حظیرۃ القدس الی بنی آدم فعند الملأ الاعلیٰ ھیئات فی اعمال واخلاق -رضیۃ و مسخوطۃ فتطلب من ربہا طلبا قویا تنعیم اھل ھٰذہٖ وتعذیب اھل تلک فیستجاب دعاؤہم فتحیط ببنی آدم ھممہم وتترشح

۱؎ یعنے ان اعمال کا تعلق دلی کیفیات سے نہیں ہوتا بلکہ وہ براہ راست ملاء اعلیٰ کے الہام سے انجام پذیر ہوتے ہیں ۱۲ منہ ۲؎ یعنے جسطرح اور علوم کا الہام انکو ہوتا ہے اسی طرح اس کا الہام بھی ہوتا ہے ۱۲ منہ ۳؎ یعنے انکو انکی غلطی پر خبردار کر دیا جاتا ہے ۱۲ منہ

پر جسطرح دیگر علوم نازل ہوتے ہیں اسی طرح رحمت و لعنت برستی ہے[1] جسکی وجہ سے المناک یا راحت کن واقعات ظہور میں آتے ہیں اور اسطرح ملأ اعلیٰ انھیں ڈراتے دھمکاتے ہوئے یا ان سے راضی و خوش نظر آتے ہیں۔ کبھی ان نفوس پر ملأ اعلیٰ کی ناراضگی کیوجہ سے ایسا اثر پڑتا ہے جس کی وجہ سے ان پر غشی یا مرض کی سی حالت طاری ہوجاتی ہے۔ اور کبھی انکا وہ قصد و ارادہ نازل ہوتا ہے جو انسان کی (کمزور حالتوں کو مضبوط کرتا ہے جیسے خواطر (کمزور خیالات) وغیرہ" تو اسکی وجہ سے ملائکہ یا بنی آدم کو الہام ہوتا ہے کہ وہ ان (بدکاروں) کے ساتھ برا سلوک اور ان (نیکوکاروں) کے ساتھ نیک سلوک روا رکھیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خود اسکے اعمال اصلاح یا فساد پیدا کرکے اسکی راحت و ثواب یا مصیبت و عذاب کا باعث بن جاتے ہیں، بلکہ دراصل سچی بات تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ازل سے جو انسان پر نظرِ عنایت ہے وہ کبھی یہ نہیں چاہتی کہ انسان یونہی بیکار آزاد چھوڑ دیا جائے اور اس سے اسکے اعمال کی باز پرس نہ ہو لیکن چونکہ یہ بات ذرا مشکل سے سمجھ میں آتی تھی (کہ خدا کس طرح اچھا برا بدلہ دیگا؟) اسلئے ہم نے اسکو فرشتوں کی دعا اور بد دعا کا عنوان دیدیا (کہ انکی دعا و بد دعا سے ایسا ہوجاتا ہے) باقی اللہ بہتر جانتا ہے، اور اسی دوسری بات کیطرف اس قولِ الٰہی میں اشارہ ہے کہ "جو لوگ کافر ہوتے اور اسی کفر کی حالت میں مرگئے ان پر خدا کی، فرشتوں کی اور سب آدمیوں کی لعنت ہے وہ ہمیشہ کیلئے اسی حالت میں رہیں گے تو کبھی ان پر سے عذاب کم ہوگا اور نہ (کسی قسم کی) مہلت و رعایت ملیگی"[2] ان دونوں اسباب کی ترکیب اور باہمی ملاوٹ سے عمل اور نفسِ انسانی کی استعداد کے مطابق بہت سی عجیب عجیب صورتیں پیدا ہوتی ہیں لیکن پہلی بات ان اعمال و اخلاق پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہے جن سے یا تو نفس کی اصلاح ہوتی ہے یا بگاڑ ہوتا ہے[3] اور زکی اور قوی (ملکیت والے) نفوس اسکو زیادہ قبول کرتے ہیں اور دوسری بات ان اعمال و اخلاق پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہے کہ جن سے نظامِ کلی میں فرق پیدا ہوتا ہے یعنی ان پر جو مصالحِ عامہ اور مفادِ کلی کے خلاف اور نظامِ انسانی کی اصلاح و درستگی کے منافی ہوتے ہیں[4] اور اسکو وہ نفوس زیادہ قبول کرتے ہیں جو ضعیف (ملکیت والے) اور بدتر و نکمے ہوتے ہیں۔ جزا و سزا کے ان دونوں اسباب کے بعض موانع بھی ہوا کرتے ہیں جو اسکو ایک خاص مدت تک کیلئے ملتوی کر دیتے ہیں پہلے سبب کو یہ چیز مانع ہوتی ہے کہ نفسِ انسانی میں ملکیت کمزور ہوجاتی ہے اور بہیمیت غالب آجاتی ہے اور یہ حالت بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ نفس سارا کا سارا بہیمی بن جاتا ہے اور پھر اسکو ملکیت کو تکلیف دینے والے افعال و اعمال سے ذرا بھی رنج اور تکلیف نہیں پہنچتی مگر جب نفس جسم سے جدا ہے بہیمی الگ ہوجاتا ہے اور بہیمیت سے امداد ملنی بھی کم ہوجاتی ہے

علیہم صورۃ الرضا واللعنۃ کما تترشح سائر العلوم فتتشبح واقعات ایلامیۃ او انعامیۃ وتتراءی الملأ الاعلیٰ مھددۃ لھم او منبسطۃ الیھم وربما تأثرت النفس من سخطھا فعرض لھا کھیئۃ الغشی او کھیئۃ المرض وربما ترشح ما عندھم من الھمۃ المتأکدۃ علی الحوادث الضعیفۃ کالخواطر ونحوھا فالھمت الملائکۃ او بنو ادم ان یحسنوا او یسیئوا الیہ وربما احیل امر من ملابساتہ الی صلاح او فساد وظھرت تقریبات لتنعیمہ او تعذیبہ بل الحق الصراح ان اللہ تبارک وتعالیٰ عنایۃ بالناس یوم خلق السموات والارض توجب ان لا یھمل افراد الانسان سدی وان یؤاخذھم علی ما یفعلونہ لکن لدقۃ مدرکھا جعلنا دعوۃ الملائکۃ عنوانا لھا واللہ اعلم، والی ھذا الاصل وقعت الاشارۃ فی قولہ تعالیٰ "ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار اولئک علیھم لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین خلدین فیھا لا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینظرون" ویترکب الاصلان فیحدث من ترکبھما بحسب استعداد النفس والعمل صور کثیرۃ عجیبۃ لکن الاول اقوی فی اعمال واخلاق تصلح النفس وتفسدھا واکثر النفوس له قبولا ازکاھا واقواھا والثانی اقوی فی اعمال واخلاق مناقضۃ للمصالح الکلیۃ منافرۃ لما یرجع الی صلاح نظام بنی ادم واکثر النفوس له قبولا اضعفھا واسمجھا ولکل من السببین مانع یصدہ عن حکمہ الی حین، فالاول یصد عنہ ضعف الملکیۃ وقوۃ البھیمیۃ حتی تصیر کانھا نفس بھیمیۃ فقط لا تتألم من الالم للملکیۃ فاذا تخففت النفس عن الجلباب البھیمی وقل

[1] رحمت نیک کام کے وقت اور لعنت برے کام کے وقت ۱۲ مص [2] مصنف نے جزا و سزا کے دو سبب بیان فرمائے ہیں جو سب سے اصل الاصول ہیں پہلے کا یہ خلاصہ ہے کہ جزا و سزا کا ایک یہ طریقہ ہے کہ نفوسِ قدسیہ اپنے افعال و اعمال پر حسرت و ندامت کریں یا خوش ہوں پس انکے لئے یہی عذاب و ثواب ہے مگر یہ خاص نفوسِ قدسیہ کی بابت ان افعال میں ہے جو خاص انہی کے ساتھ متعلق ہیں اور دوسرا طریقہ جزا و سزا کا یہ ہے کہ ملأ اعلیٰ کی دعا یا بد دعا سے ایسے واقعات ظہور میں آئیں جن سے رنج یا راحت پہنچے، لیکن یہ ان افعال کی نسبت ہے جو باہم معاملات سے متعلق ہیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عالمِ آخرت میں جنت و دوزخ کچھ نہ ہوگی بلکہ یہ ظاہرا دنیاوی جزا و سزا کیطرف اشارہ ہے ۱۲ م [3] یعنے ذاتی و شخصی اعمال میں ۱۲ مص [4] یعنے سوسائٹی کے اجتماعی معاملات سے اسکا تعلق ہوتا ہے ۱۲ مص

اوراسکی جگہ ملکیت کے انوار چمکنے لگتے ہیں تواسوقت اسکو رفتہ رفتہ رنج وعذاب یا راحت وثواب ملنا شروع ہوجاتا ہی اور دوسرے سبب یہ چیز مانع ہوتی ہی کہ اس کا جو حکم (عذاب) ہی اسکے مخالف اسباب جمع ہوجاتے ہیں اسلئے وہ جزا وسزا ایک خاص وقت تک کیلئے ملتوی رہتی ہی لیکن جب اسکا مقررہ وقت (موت) آجاتا ہی تواسوقت اس جزا وسزا کا بند ٹوٹ جاتا ہی اور وہ طوفان وسیلاب کیطرح آجاتی ہی چنانچہ اس قول الٰہی میں اسی طرف اشارہ ہی کہ ہر قوم (کے عذاب) کا ایک وقت معین ہی جب وہ وقت آپہنچتا ہی تو (جزا مل کر رہتی ہی) نہ ایک گھڑی دیر ہوتی ہی نہ سویر"

مبحث دوم۔ دُنیاوی واُخروی جزا وسزا کی کیفیت

پہلا باب (۱۲) دُنیا میں اعمال کی جزا وسزا۔

خداتعالیٰ فرماتا ہی کہ "تم پر جو کچھ مصیبت پڑتی ہی تو وہ تمھارے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہی اور بہت سی تو وہ معاف بھی کردیتا ہی" اور ایک جگہ فرماتا ہی کہ "اگر وہ لوگ توریت انجیل اور جو کچھ انکے پاس ان کے خدا کی طرف سے آیا ہے اس پر عمل کرتے تو آسمان اور زمین کی نعمتیں کھاتے (یعنی رزق آسمان سے برستا اور زمین سے اُبلتا)" اور جو کچھ کنجوس باغ والوں کے قصہ میں خداتعالیٰ نے (سورۂ نون میں) فرمایا ہی وہ تو معلوم ہی ہے اور نبی صلعم نے اس آیت کی تفسیر میں کہ "اپنے دل کی بات کو خواہ تم ظاہر کرو خواہ چھپاؤ خدا تم سے سب کا حساب لیگا" اور اس آیت کی تفسیر میں کہ "جو کوئی بھی بُرا کام کریگا وہ اس کا بدلہ پائیگا" یوں فرماتے ہیں کہ "اس بدلہ وجزا سے خدا کا وہ عتاب مراد ہی جو بندہ پر بخار یا اسی قسم کی کسی اور چھوٹی بڑی مصیبت وسختی کی صورت میں ہوتا ہی یہانتک کہ جو پریشانی اور گھبراہٹ اس کو جیب میں رکھی ہوئی چیز کے گم ہوجانے سے ہوتی ہی وہ بھی اسی میں شامل ہوتی ہی اور اس طرح انسان مصائب کی صورت میں اپنے صغیرہ گناہوں کا کفارہ ادا کرتے کرتے ان سے اس طرح پاک اور صاف ہوجاتا ہے جس طرح سونا بھٹی میں جلانے سے صاف ہوجاتا ہے۔" واضح ہو کہ قوت ملکیہ قوت بہیمیہ کے ہاتھوں سے مغلوب ہوکر پھر غالب ہوکر اور دب کر پھر ظاہر ہوجایا کرتی ہے۔ کبھی تو یہ بات طبعی موت سے حاصل ہوتی ہے اور کبھی اختیاری موت سے، طبعی موت سے اس طرح کہ اس وقت قوت بہیمیہ کو غذائی امداد ملنی بند ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے اس کے مواد رفتہ رفتہ اس طرح تحلیل ہوجاتے ہیں کہ نہ پھر ان کا کوئی بدل ہوتا ہے اور نہ بھوک، پیاس، غصہ وغیرہ سے نفس میں ہیجان و خواہش پیدا ہوتی ہے تو ان حالات میں اس پر عالم قدس کا رنگ

مدده وبرقت بوارق الملكية عذبت اونعمت شيئا فشيئا، والثاني يصد عنه تطابق الاسباب على ما يخالف حكمه حتى اذا جاء اجله الذي قدره الله ثم عند ذلك انجراء ثجا وهو قوله تبارك وتعالى "لكل امة اجل اذا جاء اجلهم فلا يستأخرون ساعة ولا يستقدمون"

المبحث الثاني

مبحث كيفية المجازاة في الحياة وبعد الممات

(باب الجزاء على الاعمال في الدنيا)

قال الله تعالى "وما اصابكم من مصيبة فبما كسبت ايديكم ويعفو عن كثير" وقال "ولو انهم اقاموا التوراة والانجيل وما انزل اليهم من ربهم لاكلوا من فوقهم ومن تحت ارجلهم" وقال الله تعالى في قصة اصحاب الجنة حين منعوا الصدقة ما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في قوله تعالى "وان تبدوا ما في انفسكم او تخفوه يحاسبكم به الله" وقوله تعالى "من يعمل سوءا يجز به" "هذه معاقبة الله العبد بما يصيبه من الحمى والنكبة حتى البضاعة يضعها في يد قميصه فيفقدها فيفزع لها حتى ان العبد ليخرج من ذنوبه كما يخرج التبر الاحمر من الكير" اعلم ان الملكية ربما تبرز بعد كمونها في البهيمية وانفكاكها بعد اشتباكها بها فتارة بالموت الطبيعي فانه حينئذ لا ياتي مددها من الغذاء، وتتحلل موادها لا الى بدل ولا تهيج النفس احوال طارئة كجوع وشبع وغضب ونحوها فيترشح لون

لہ مثلاً جب آدمی طاقتور ہوتا ہی تو کبھی کمزور پر ظلم کرتے ہوئے ذرا سا درد بھی محسوس نہیں کرتا لیکن جب وہ خود کمزور ہوجاتا ہی اور کوئی دوسرا طاقتور اسپر ظلم کرتا ہی تو اسکو اس ظلم کا احساس اور درد ہوتا ہی اسی طرح کی بہت سی مثالیں ہیں مثلاً جوان اور بوڑھا ہونا، دولتمند وغریب ہونا وغیرہ وغیرہ ۱۲ مصحح لہ یعنے اسکے اثرات کو روک لیتی ہیں ۱۲ مصحح سے یعنے کچھ ایسی باتیں پیش آجاتی ہیں جن کے نظر کیوجہ سے حکمت الٰہی اس عذاب کو ملتوی رکھنا چاہتی ہی جیسے ابھی ان میں صالح و نیکوکار لوگ بھی شامل ہوتے ہیں یا ابھی دعوت و تبلیغ مکمل طریقہ سے نہیں ہوتی وغیرہ وغیرہ ۱۲ مصحح لہ اس میں اس

قصہ کیطرف اشارہ ہی کہ یمن میں ایک باغ کے مالک تھے کھیتی کاٹتے وقت مسکین لوگ خدا واسطے مانگنے آجایا کرتے تھے تو یہ کچھ دیدیا کرتے تھے ایک دفعہ یہ مشورہ ہوکر راتوں رات فقیروں کے آنے سے پہلے ہی ... سلاوہ

تے لگتا ہے) اور اس طرح قوت ملکیہ بیدار ہو جاتی ہے، اور اختیاری موت سے اس طرح کہ جب انسان اپنی قوت بہیمیہ کو ریاضت نفس سے توڑتا اور مغلوب کرتا رہتا ہے اور عالم قدس کی طرف متوجہ ہو کر اسکا تصور دل میں جمائے رہتا ہے تو اس پر کسی قدر قوت ملکیہ کے انوار چمکنے لگتے ہیں اور یہ بھی واضح رہے کہ ہر چیز اپنی مناسب باتوں سے خوش ہو کر کھلتی اور پھیل جاتی ہے اور مخالف باتوں سے رنجیدہ خاطر ہو کر پژمردہ اور منقبض ہو جاتی ہے وہی حال قوت ملکیہ کا ہے۔ اور (یہ بھی معلوم رہنا چاہیے کہ) ہر درد و رنج اور لذت و خوشی کی ایک خاص صورت و شکل ہوتی ہے جس میں وہ متشکل ہو کر دکھائی دیتی ہے مثلاً خلط (مزاج) غیر معتدل کی شکل بدن میں خراش اور چبھن ہوتا ہے اور حرارت صفراء سے جو ایذا و تکلیف ہوتی ہے تو اس کی شکل کرب و بے چینی اور خواب میں آگ اور شعلے دکھائی دینا ہے اور بلغم کی ایذا دہی کی شکل سردی کی شدت اور خواب میں پانی اور برف دکھائی دینا ہے۔ اسی طرح جب قوت ملکیہ کا غلبہ ہوتا ہے اور انسان اس سے مناسبت رکھنے والی صفات مثلاً نظافت و پاکیزگی اور خشوع و خضوع وغیرہ اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے تو اسے خواب میں یا بیداری میں انس و سرور کی مخصوص صورتیں نظر آنے لگتی ہیں اور اگر اسکے برخلاف عمل کیا جائے تو وہ اعمال غیر معتدل کیفیات اور ایسے واقعات کی صورت میں نظر آئیں گے جن میں اہانت اور تہدید (ڈراوا اور دھمکی) پائی جاتی ہے مثلاً غصہ کاٹتے نوچتے اور غراتے ہوئے درندہ کی صورت میں ظاہر ہوگا اور بخل ڈستے ہوئے سانپ کی صورت میں نظر آئیگا۔ خارجی (یعنے دنیاوی) جزا و سزا کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ وہ اسباب کے فراہم ہونے پر ملتی ہے پس جو کوئی ان اسباب کو سمجھ لے اور ان اسباب سے جو نظام ظہور میں آتا ہے اس کو مد نظر رکھے تو وہ قطعی طور پر جان لیگا کہ خدا تعالی کسی گنہگار و نافرمان کو دنیا میں سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑتا مگر ساتھ ہی ساتھ اس نظام (کائنات کی مصلحتوں) کو بھی ملحوظ رکھتا ہے[1] ہوتا یوں ہے کہ جب انسان کو راحت و آرام اور رنج و عذاب دینے کے ظاہری اسباب موقوف ہو جاتے ہیں تو اس کو نیک اعمال ہی کے ذریعہ راحت و آرام دیا جاتا ہے اور بداعمال ہی کے ذریعہ رنج و عذاب دیا جاتا ہے اور جب کسی انسان کے لئے تکلیف و رنج کے اسباب جمع ہو جاتے ہیں لیکن درحقیقت وہ شخص ہوتا نیکوکار ہے تو اگر ان اسباب کا بند کرنا اس کی نیکوکاری کے مقابلہ میں کچھ برا بھی نہیں ہوتا تو اس کے نیک اعمال اس بلا و مصیبت کو جڑ سے دفع کرنے اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو اس کی سختی قدرے کم کرنے میں صرف کئے جاتے ہیں اور اسی طرح جب کسی کے لئے اسباب تو راحت و آرام کے جمع ہو جاتے ہیں لیکن وہ شخص بدکار ہوتا ہے تو اس کے (بد) اعمال اس نعمت و آرام کے دور کرنے میں صرف ہو جاتے ہیں اور گویا وہ ان اسباب کے عمل میں مانع ہو جاتا ہے اگر اس کے اعمال کے موافق اسباب جمع ہو جاتے ہیں تو اس وقت راحت بھی خوب ملتی ہے اور تکلیف سزا بھی خوب ملتی ہے لیکن کبھی اعمال کے حکم سے نظام کائنات کا حکم زیادہ ضروری ہوتا ہے[2] تو ایسے موقع پر بدکار کو تو نعمت و آرام دے کر کچھ عرصہ مہلت دیدی جاتی ہے

عالم القدس عليها وتارة بالموت الاختياري فلا يزال يكسر بهيميته برياضة واستدامة توجه الى عالم القدس فيفيض عليه بعض بوارق الملكية وان لكل شيء انشراحا وانبساطا بما يلائمه من الاحوال والهيئات وانقباضا وتقلصا بما يخالفه منها وان لكل الم ولذة شبحا يتشبح به، فشبح الخلط اللذاع النخس وشبح التأذي من حرارة الصفراء الكرب والضجر وان يرى في منامه النيران والشعل وشبح التأذي من البلغم مقاساة البرد وان يرى في المنام المياه والثلج فاذا برزت الملكية ظهر في اليقظة او المنام اشباح الانس والسرور وان كان اكتسب النظافة والخشوع وسائر ما يناسب الملكية ويتشبح اضدادها في صورة كيفيات متضادة للاعتدال وواقعات تشتمل على اهانة وتهديد ويظهر الغضب في صورة سبع ينهش والبخل في صورة حية تلدغ والضابط في المجازاة الخارجية انها تكون في تضاعيف اسباب من احاط بتلك الاسباب وتمثل عنده النظام المنبعث منها علم قطعا ان الحق لا يدع عاصيا الا يجازيه في الدنيا مع رعاية ذلك النظام فيكون اذا هدأت الاسباب عن تنعيمه وتعذيبه نعم بسبب الاعمال الصالحة او عذب بسبب الاعمال الفاجرة ويكون اذا اجتمعت الاسباب على ايلامه وكان صالحا وكان قبضها المعارضة صلاحه فان قبح صرفت اعماله الى رفع البلاء او تخفيفه او على انعامه و كان فاسقا صرفت الى ازالة نعمته وكان كالمعارض لسببها او اجتمعت على مناسبة اعماله امد في ذلك امدادا بينا وربما كان حكم النظام اوجب من حكم الاعمال فيستدرج بالفاجر

[1] یعنے اگر اس مجرم کو دنیاوی سزا دینے میں نظام کائنات میں کچھ خلل پیدا ہو جانیکا اندیشہ ہوتا ہے تو اسکی سزا کو ملتوی رکھتا ہے کیونکہ یہ دنیا جزا و سزا دینے کا مقام نہیں ہے بلکہ یہاں تو نظام کو درست رکھنا مقصود ہے اسلئے اگر صرف سزا مل سکتی ہو تو دیدیجاتی ہے ورنہ ملتوی رکھی جاتی ہے ۱۲ ص [2] یعنے زیادہ ضروری نہیں ہوتا کہ (دنیا میں) اعمال کی سزا و جزا اسی وقت دیدی جائے بلکہ یہ زیادہ ضروری ہوتا ہے کہ نظام کائنات موزونیت کے ساتھ چلتا رہے ۱۲ ص

اور نیکوکار کو ظاہری طور پر تنگی و مصیبت میں ڈالدیا جاتا ہے اور یہ تنگی اسکی قوت بہیمیہ کے توڑنے اور مغلوب کرنے میں صرف کیجاتی ہے اور پھر اسکو تنگی کی یہ مصلحت سمجھا دیجاتی ہے تب وہ اسپر اسطرح راضی ہوجاتا ہے جیسے کوئی شخص کڑوی دوا کو اسکے فائدہ کے مدنظر خوشی خوشی پی لیتا ہے نبی صلعم کی اس حدیث کا یہی مطلب ہے فرماتے ہیں کہ "مومن نرم شاخ کے مانند ہے جسکو ہوا کبھی ادھر جھکا دیتی ہے کبھی ادھر جھکا دیتی ہے کبھی زمین پر گرا دیتی ہے اور کبھی سیدھا کھڑا کردیتی ہے یہانتک کہ اس کا آخری وقت آجاتا ہے[1]۔ اور منافق چیڑ اور سرو کے سیدھے اور مضبوط درخت کے مانند ہے (ہوا سے) اسکا کچھ نہیں بگڑتا لیکن آخر کار یکبارگی جڑ سے اکھڑ جاتا ہے۔" اور اس حدیث سے بھی یہی مراد ہے فرماتے ہیں کہ "جس مسلمان کو بھی مرض یا اس قسم کی دوسری مصیبتیں پہنچتی ہیں تو خدا تعالیٰ ان سے اسکے گناہ صغیرہ اسطرح جھاڑ دیتا ہے جسطرح درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔" بہت سے ملک ایسے ہوتے ہیں جہاں شیطان کی اطاعت و پیروی زوروں پر ہوتی ہے وہاں کے لوگ (عیش نشاط ظلم وغیرہ میں) بہائم اور درندوں کیطرح ہوتے ہیں تو ایسے لوگوں کی جزا بھی ایک خاص مدت تک کیلئے ملتوی کردیجاتی ہے چنانچہ خدا تعالیٰ نے اپنے اس قول مبارک میں یہی کچھ فرمایا ہے کہ "ہم نے جب کسی نبی کو کسی بستی یا شہر میں بھیجا تو یہی کیا کہ وہاں کے لوگوں کو سختی، افلاس اور مصیبت میں ڈال دیا تاکہ وہ ڈھیلے پڑجائیں اور (خدا کے آگے) عاجزی کریں لیکن جب انھوں نے ایسا نہ کیا تو پھر ہم نے تکلیفوں کے بجائے نعمتیں دے کر انھیں خوب خوشحال کردیا جب انکی یہ حالت ہوئی، تو کہنے لگے کہ (اس سے پہلے) ہمارے آباء و اجداد کو بھی اسی قسم کی سختیاں اور نرمیاں پہنچتی رہی ہیں (انکا نیک و بد عمل سے کوئی تعلق نہیں ہے)۔ پھر ہم نے بھی انکو یکا یک اسطرح آپکڑا کہ انکو خبر بھی نہ ہوئی اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور ہماری بات مان کر پرہیزگاری اختیار کرتے (برے اعمال سے بچتے اور اچھے اعمال کرتے) تو ان پر ہم آسمان و زمین کی برکتوں کے دہانے کھول دیتے لیکن انھوں نے ہماری بات (نہ مانی بلکہ اس) کو جھٹلایا تو ہم نے بھی (ان کے اعمال بد کی وجہ سے) انکو (عذاب کے پھندے میں) جکڑ لیا۔" حاصل کلام یہ ہے کہ یہاں (دنیا) کی جزا و سزا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سردار اپنی رعیت کو جزا دینے کیلئے پوری طرح فارغ نہ ہو۔ پھر جب قیامت کا دن آئیگا تو وہ اعمال کی جزا دینے کے لئے سب کاموں سے فارغ ہوجائیگا (کسی اور طرف توجہ نہ رہیگی) اس قول الہٰی میں اسی طرف اشارہ ہے کہ "اے جن و انس! ہم عنقریب تمہارے (حساب کتاب کے) لئے فارغ ہوجانے والے ہیں۔" دنیاوی جزا و سزا کی کئی صورتیں ہیں کبھی تو وہ اسطرح ہوتی ہے کہ انسان کے دل میں خوشی و اطمینان یا رنج و گھبراہٹ پیدا ہوجاتی ہے اور کبھی اس طرح کہ اسکے بدن میں کچھ ہوجاتا ہے جیسے غم اور خوف سے پیدا ہونے والے امراض کا حملہ۔ نبی صلعم کا زمانہ نبوت سے قبل ستر کھلنے سے بیہوش ہوکر گرنا بھی جزائے بدنی کی ایک مثال ہے[2]۔ کبھی یہ دنیاوی جزا انسان کے مال و عیال کے ذریعہ دی جاتی ہے کبھی انسانوں، حیوانوں اور فرشتوں کو الہام ہوتا ہے کہ وہ اس (فلاں شخص) کے ساتھ نیک سلوک کریں یا بد سلوکی سے پیش آئیں اور کبھی خود اس کو ایسے الہام وغیرہ ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ برائی یا بھلائی کے قریب آجاتا ہے۔ جو شخص

بو يضيق عليه الصالح في الظاهر يصرف التضييق الى كسر بهيمية ويفهم ذلك فيرضى كالذي يشرب الدواء المر اغتباطاً فيه و هذا معنى قوله صلى الله عليه وسلم "مثل المؤمن كمثل الخامة من الزرع تفيئها الرياح تصرعها مرة وتعدلها اخرى حتى يأتيه اجله ومثل المنافق كمثل الارزة المجذية التي لا يصيبها شيء حتى يكون انجعافها مرة واحدة" وقوله صلى الله عليه وسلم "ما من مسلم يصيبه اذى من مرض فما سواه الا حط الله به سيئاته كما تحط الشجرة ورقها" وربَّ اقليم غلبت على طاعة الشيطان وصار اهله كمثل النفوس البهيمية فتتقلص عنه بعض المجازاة الى اجل وذلك قوله تعالى "وما ارسلنا في قرية من نبي الا اخذنا اهلها بالبأساء والضراء لعلهم يضرعون ثم بدلنا مكان السيئة الحسنة حتى عفوا وقالوا قد مس آباءنا الضراء والسراء فاخذناهم بغتة وهم لا يشعرون ولو ان اهل القرى آمنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء والارض ولكن كذبوا فاخذناهم بما كانوا يكسبون" وبالجملة فالامر ههنا يشبه بحال سيد لا يتفرغ للجزاء فاذا كان يوم القيامة صار كانه تفرغ واليه الاشارة في قوله تعالى "سنفرغ لكم ايها الثقلان" ثم المجازاة تارة تكون في نفس العبد بافاضة البسط والطمانينة او القبض والفزع وتارة في بدنه بمنزلة الامراض الطارئة من هجوم غم وخوف ومنه وقوع النبي صلى الله عليه وسلم مغشيا عليه قبل نبوته حين كشفت عورته، وتارة في ماله واهله وربما الهم الناس والملائكة والبهائم ان يحسنوا اليه او يسيئوا وربما قرب الى خير او شر بالهامات او خالات من

---

[1] یعنی مومن نرم شاخ کیطرح ہوتا ہے جب خدا کا کوئی حکم آتا ہے تو اسکے آگے سر جھکا دیتا ہے اور جب کوئی مصیبت یا ناگوار حالت پیش آتی ہے تو اسکے اجر کا منتظر رہتا ہے اور جب مصیبت ٹلجاتی ہے تو اسکا شکر ادا کرتا ہے۔ ... اسی لئے ... [illegible]

[2] ... [illegible] ... حضرت عباس ... ازار ... آسمان کی طرف ... [illegible]

ہٹ مذکورہ بالا مضمون کو اچھی طرح سمجھ لیگا اور ہر بات کو اپنے موقع پر رکھے گا تو وہ بہت سے اشکالات سے نجات پالیگا جیسے یہ اشکال کہ باہم ان دونوں قسم کی حدیثوں میں معارضہ واختلاف ہے کہ ایک قسم کی احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیکی سے رزق میں زیادتی اور گناہوں سے اس میں کمی ہوتی ہے لیکن دوسری قسم کی احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدکار لوگوں کو دنیا میں بل از وقت جلد بھلائیاں اور نعمتیں دیدیجاتی ہیں اور نیک لوگوں پر بلائیں اور مصیبتیں آتی ہیں جو زیادہ نیک اور افضل ہوتے ہیں ان پر زیادہ مصیبتیں پھر درجہ بدرجہ اسی طرح کی اور بہت سی احادیث ہیں جن میں اس قسم کا ظاہری اختلاف پایا جاتا ہے واللہ اعلم۔

دوسرا باب (۱۵) موت کی حقیقت

واضح ہو کہ صورت معدنی، نباتی، حیوانی اور انسانی ان میں سے ہر ایک صورت کی جدا جدا سواری اور جدا جدا کمالات ہوتے ہیں گو ظاہر میں یہ بات ذرا مشتبہ معلوم ہوتی ہے پس عناصر (آگ، ہوا، پانی، مٹی) جسوقت نہایت چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اور ریزہ ہو کر مختلف مقدار میں (کوئی تھوڑے کوئی زیادہ) باہم ملتے اور ممتزج ہوتے ہیں تو ان سے کئی قسم کے مرکبات پیدا ہوتے ہیں مثلاً مرکب ثنائی (دو عنصر والے مرکب) جیسے بخارات یعنی بھاپ غبار دھواں گیلی مٹی جتی ہوئی زمین انگارہ، نویا لیٹ اور شعلہ وغیرہ مرکب ثلاثی (تین عنصر والے مرکب) جیسے خمیر کردہ مٹی یا گارہ اور کائی وغیرہ اور مرکب رباعی اسکی بھی اسیطرح کی مثالیں ہیں ان تمام چیزوں کے جو خواص ہوتے ہیں وہ صرف انکے اجزا کے خواص ہی سے مرکب ہوتے ہیں اجزائے ترکیبی کے خواص کے علاوہ کوئی دوسری خاصیت باہر سے نہیں آجاتی اور نہ اندر سے پیدا ہوتی ہے اس قسم کی چیزوں کو کائنات الجو کہتے ہیں پھر اس ترکیب کے بعد معدنی صورت آتی ہے جو اس مرکب مادہ پر مسلط ہو کر اسکو اپنی سواری بنالیتی ہے اسکی نوع کے خواص اسکو عطا ہوتے ہیں اور وہ اس مادہ کے مزاج کو محفوظ رکھتی ہے۔ پھر اسکے بعد نباتی صورت آتی ہے اور اس مرکب مادہ کے جسم پر (جسکا مزاج محفوظ رہتا ہے) مسلط ہو جاتی ہے اور اب اس میں اتنی قوت آجاتی ہے کہ وہ مختلف اجزائے عنصری اور کائنات الجو کو بدل کر اپنے مزاج کے موافق بنالیتی ہے تاکہ ان اجزائے عنصری وغیرہ کو ایک کمال جو متوقع تھا بالفعل حاصل ہو جائے۔ پھر اسکے بعد حیوانی صورت آتی ہے جو روح ہوائی کو (جس میں غذا حاصل کرنے اور بڑھنے کی قوتیں) موجود ہوتی ہیں اپنی سواری بنالیتی ہے اور اس میں یہ تصرفات کرتی ہے کہ اس میں قوت حس و ارادہ پیدا کر دیتی ہے جس سے اس میں اتنا احساس و ارادہ آجاتا ہے کہ وہ اپنی مطلوب اور مفید چیز کے (حصول کے) لئے آمادہ اور کوشاں ہو جاتی ہے۔ اور مضر چیز سے (بچنے کے لئے) پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ پھر اسکے بعد انسانی صورت آتی ہے جو اس نسمہ یعنے روح کو (جو بدن میں تصرف کرتی ہے) اپنی سواری بنالیتی ہے اور ان اخلاق وملکات کی طرف جو کسی (اچھے) کام کے کرنے پر آمادہ اور (برے) کام کو کرنے سے روکتے ہیں خاص توجہ دیتی ہے

فهم مادة كرنا ووضع كل شئ في موضعه استراح من اشكالات كثيرة كمعارضة الاحاديث الدالة على ان البر سبب زيادة الرزق والفجور سبب نقصان والاحاديث الدالة على ان الفجار يعجل لهم الحسنات في الدنيا وان اكثر الناس بلاء ثم الامثل فالامثل ونحو ذلك والله اعلم.

باب ذكر حقيقة الموت

اعلم ان لكل صورة من المعدنية والنامية والحيوانية والانسانية مطية غير مطية الاخرى ولها كمال اوليا غير كمال الاخرى وان اشتبه الامر في الظاهر فالاركان اذا تصغرت وامتزجت باوضاع مختلفة كثرة وقلة حدثت ثنائيات كالبخار والغبار والدخان والثرى وارض المثارة والجمرة والسبخة والشعلة وثلاثيات كالطين المخمر والطحلب ورباعيات نظائرها كرنا وتلك الاشياء لها خواص مركبة من خواص اجزائها ليس فيها شئ غير ذلك وتسمى بكائنات الجو فتأتي المعدنية فتتخذ غارب ذلك المزاج وتتخذه مطية وتصير ذات خواص نوعية وتحفظ المزاج ثم تأتي النامية فتتخذ الجسم المحفوظ المزاج مطية وتصير قوة بجولة الاجزاء الاركان والكائنات الجوية الى مزاج نفسه لتخرج الى الكمال المتوقع لها بالفعل ثم تأتي الحيوانية فتتخذ الروح الهوائية الحاملة لقوى التغذية والتنمية مطية وتنفذ التصرف في اطرافها بالحس والارادة ابتغاء المطلوب وانخناسا عن المهرب ثم تأتي الانسانية فتتخذ النسمة المتصرفة في البدن مطية

لے سواری سے مراد وہ مادہ جس میں معدنیت یا حیوانیت پائی جاتی ہے اور کمال سے مراد اسکا عمل اور اثرات وغیرہ ۱۲ مس کے مثلاً بھاپ پانی اور آگ سے مرکب ہے اور غبار مٹی اور ہوا سے مرکب ہے علی ہذا القیاس ۱۲ مس سے یعنے آسمان کے نیچے کی مخلوقات فضائی موجودات ۱۲ سے مرکبات دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو کیمیائی دوسرے امتزاجی یا غیر کیمیاوی، کیمیاوی مرکبات میں اجزائے ترکیبی کے خواص کے علاوہ دیگر خواص پیدا ہو جاتے ہیں یعنے وہ پیدا شدہ خواص اجزائے ترکیبی میں نہیں پائے جاتے جیسے کو کہ جلنے سے راکھ پیدا ہو جاتی ہے غیر کیمیاوی مرکبات میں اجزائے ترکیبی کے خواص بدستور باقی رہتے ہیں جیسے نمک اور پانی کے ملنے سے نمکین پانی ہو جاتا ہے ۱۲ مس

ولقصد الى الاخلاق التي هي امهات الانبعاثات والاخناسات تقفيتها وتحسين سياستها وأخذها منصبة لما لغاية من فوقها والامر وان كان مشتبها بادي الرأي لكن النظر المتمعن يلجئ كل اثار منبعها ويفرد كل صورة مطيتها وكل صورة لابد لها من مادة تقوم بها وانما تكون المادة مناسبها وانما مثال الصورة كمثل خلقة الانسان القائمة بالشمعة في التمثال لا يمكن ان توجد الخلقة الا بالشمعة فمن قال بان النفس النطقية المخصوصة بالانسان عند الموت ترفض المادة مطلقا فقد خرص نعم لها مادة بالذات وهي النسمة ومادة بالعرض وهو الجسم الارضي فاذا مات الانسان لم يضر نفسه زوال المادة الارضية وبقيت حالة بمادة النسمة و يكون كالكاتب المجيد المشغوف بكتابته اذا قطعت يداه و ملكة الكتابة بحالها والمستهتر بالمشي اذا قطعت رجلاه و السميع والبصير اذا جعل اصم واعمى واعلم ان من الاعمال والهيأت ما يباشرها الانسان بداعية من قلبه فلو خلي ونفسه لانساق الى ذلك ولامتنع من مخالفه، ومنها ما يباشره لموافقة الاخوان او لعارض خارجي من جوع وعطش ونحوهما اذا لم يصر عادة لا يستطيع الاقلاع عنها فاذا انتفا العارض انحلت الداعية فرب مستهتر بعشق انسان او بالشعر او بشيء اخر يضطر الى موافقة قوم في اللباس والزي فلو خلي و نفسه وتبدل زيه لم يجد في قلبه بأسا ورب انسان يحب الزي بالذات فلو خلي ونفسه لما سمح بتركه وان من الانسان اليقظان بالطبع يتفطن بالامر الجامع بين اللذات ويمسك

لہٰذا وہ اپنے اس مقصد کے زیرِ نظر ان ملکات و اخلاقی قوتوں کو اجاگر کرتی اور ان کے نظام میں عمدگی پیدا کر کے ایک ضابطہ میں لے آتی ہے اور انہی کو عالمِ بالا سے حاصل ہونیوالی تمام چیزوں کی جلوہ گاہ بناتی ہے[1] یہ بات گو بادی النظر میں کسیقدر مشتبہ معلوم ہوتی ہے لیکن جب غور کیا جاتا ہے تو ہر اثر اور نتیجہ کو اسی کے اپنے علیٰحدہ مبدأ و منبع کی طرف منسوب کرنا پڑتا ہے اور ہر صورت کو اسکی اپنی جدا سواری پر بٹھانا پڑتا ہے[2] اور یہ بھی معلوم ہو لیتا ہے کہ ہر صورت کیلئے ایک مادہ کا ہونا نہایت ضروری ہے تاکہ اسکے ساتھ وہ صورت قائم و برقرار رہ سکے اور مادہ بھی ہر صورت کے مناسب ہے تاکہ صورت کو مادے کی ایسی احتیاج ہوتی ہے جیسے موم کی اس صورت انسانی کو ہوتی ہے جو موم میں بنادی گئی ہو چنانچہ وہ صورتِ انسانی بغیر موم کے وجود میں نہیں رہ سکتی لہٰذا جو شخص یہ کہتا ہے کہ "نفس انسانی (یعنی نفس ناطقہ) موت کے بعد مادہ سے بالکل علیٰحدہ ہو جاتا ہے" وہ غلط کہتا ہے ہاں یہ بات ضرور ہے کہ نفس انسانی کے دو مادے ہوتے ہیں ایک تو وہ سواری جو ان میں سے ایک اصلی ہوتا ہے جسے نسمہ یا روح ہوائی کہتے ہیں (اسکا تعلق اسی سے براہ راست ہوتا ہے) اور دوسرا عارضی ہوتا ہے جیسے جسم ارضی (زمینی بدن) کہتے ہیں (اسکا تعلق اس سے بالواسطہ ہوتا ہے) پس جب انسان مرتا ہے تو مادہ ارضی کے چھوٹ جانیسے اسکے نفس ناطقہ کا کچھ نہیں بگڑتا بلکہ وہ نسمہ (یعنے روح ہوائی) کے ساتھ برقرار رہتا ہے اور بالکل اسطرح رہتا ہے جیسے کسی ماہر خوشنویس کے اگر ہاتھ بھی کٹ جائیں تو اسکا ملکۂ کتابت اس میں بدستور باقی رہتا ہے یا کسی تیز رو آدمی کے پاؤں ٹوٹ جائیں یا کوئی دیکھنے سننے والا آدمی اندھا بہرا ہو جائے تو جسطرح ان سب کا ملکہ بغیر اعضائے متعلقہ کے باقی رہتا ہے اسیطرح نفس روحِ انسانی کا حال ہے کہ وہ بغیر مادہ ارضی کے صرف نسمہ کے ساتھ بھی رہتی ہے۔ واضح ہو کہ انسان کے افعال کی چند قسمیں ہیں:- بعض وہ افعال ہوتے ہیں جنکو وہ اپنی خواہش قلبی سے کرتا ہے اگر اسکو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ ضرور انکو عمل میں لائیگا اور انکے خلاف کبھی نہیں چلے گا اور بعض وہ افعال ہوتے ہیں جنکو وہ محض ابنائے جنس کی موافقت کیوجہ سے یا کسی اور خارجی وجہ سے کرتا ہے جیسے بھوک پیاس وغیرہ جب وہ (عارضی) سبب جاتا رہتا ہے تو پھر اسمیں ان افعال کی خواہش بھی نہیں رہتی بشرطیکہ انکا ایسا عادی نہ بن گیا ہو کہ اگر چھوڑ ہی نہ سکے۔ دیکھئے بہت سے ایسے لوگ ہوتے ہیں جو کسی خاص شخص یا فن شاعری یا کسی اور چیز کے عشق میں گرویدہ ہوتے ہیں لہٰذا انکو مجبوراً ان لوگوں کا سا طرز لباس و روش اختیار کرنی پڑتی ہے مگر جب انکو انکی طبیعت پر چھوڑ دیا جاتا ہے تو انکو اس روش کے ترک کر دینے میں کچھ بھی دریغ نہیں ہوتا لیکن بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ اس روش و لباس کو دل سے اختیار کرتے ہیں اگر انکو انکی طبیعت پر بھی چھوڑ دیا جائے تو تب بھی وہ اسکو ترک نہیں کرتے۔ اور بعض لوگ ایسے بیدار طبع ہوتے ہیں کہ وہ بہت سی متفرق باتوں میں سے اصل بات کو ذہن نشین کر لیتے ہیں انکی نظر معلولات (نتائج) کو چھوڑ کر علت (سبب) کیطرف لگتی ہے وہ ملکہ (مہارت) اسکے پابند رہتے ہیں اور ان افعال کیطرف دھیان نہیں کرتے جن سے یہ ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ اور بعض لوگ ایسے خفیہ طبع ہوتے ہیں کہ ایک اصل چیز سے غافل اور بہت سی چیزوں کی طرف

له حاصل یہ ہے کہ عناصر جب باہم مرکب ہو کر مزاج پیدا کرتے ہیں تو سب سے پہلے صورت معدنیہ فائض ہوتی ہے جسکی وجہ سے وہ ترکیب جدا نہیں ہونے پاتی بلکہ برقرار رہتی ہے پھر جب صورت نباتیہ فائض ہوتی ہے جسکی وجہ سے وہ عناصر پھل پھول لاکر اور بڑھ کر اپنا کمال منشودہ حاصل کرتے ہیں پھر جب صورت حیوانیہ فائض ہوتی ہے جس سے روح جسم میں اور حس و حرکت بالارادہ وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ پھر جب صورت انسانیہ فائض ہوتی ہے جس سے وہ اپنی اس حس و حرکت بالارادہ وغیرہ جیسی قوتوں کو اچھی طرح کام میں لاتی اور اخلاق حسنہ میں صرف کر کے اسکو اس قابل کر دیتی ہے کہ اس پر عالم بالا کے فیضانات نازل ہو سکیں اور یہ کمال جسم طبعی کا جو تھا وہ یہی کمال اعلیٰ ہے جیسا کہ معدنیت کمال اول اور نباتیت کمال دوم اور حیوانیت کمال سوم تھا ۱۲ مترجم کله یعنی ترکیبات اور صورتوں کی یہ ترتیب ۱۲ منہ سّله کہ انسانیت کے تحت پچھلی سب صورتیں (معدنیت نباتیت و حیوانیت) اپنا اپنا کام کر رہی ہیں ۱۲ منہ کله یعنے جسم انسانی میں ہر صورت خواہ معدنیت و نباتیت ہو یا حیوانیت سب اپنی اپنی سواری اور مادہ پر فائض ہو کر اپنا اپنا کام سرانجام دیتی ہے اسیطرح جسم حیوانی میں معدنیت و نباتیت اپنی اپنی سواری اور مادہ پر فائض ہو ... ۱۲ منہ شه مصنف کا مطلب ہے کہ انسان کی اصل روح (یعنے نفس ناطقہ) کا بدن سے براہ راست تعلق نہیں ہوتا بلکہ وہ نسمہ (یعنے روح ہوائی)

سو تجرد ہیں ملکات سے ان کو کوئی غرض نہیں ہوتی صرف افعال کی طرف نظر رکھتے ہیں۔ اور اسیطرح افعال کی ارواح سے تو بے خبر رہتے ہیں لیکن ان کی ظاہری صورتوں کو خوب ذہن میں رکھتے ہیں۔ واضح ہو کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا جسم ارضی گل سڑ کر ختم ہوجاتا ہے لیکن اس کا نفس ناطقہ (روح) نسمہ یعنی روح ہوائی کے ساتھ متعلق رہتا ہے اور اسکے اندر جو جو خاصیتیں ہوتی ہیں ان کیلئے وہ فارغ ہوجاتا ہے اور کہ نظاہر ہوں اور جسقدر افعال اس سے قلبی خواہش کے بغیر محض دنیاوی زندگی کی ضروریات کیوجہ سے سرزد ہوتے تھے سب علیحدہ ہوجاتے ہیں اور صرف وہ افعال باقی رہ جاتے ہیں جو مقصود بالذات اور خالص اسی کے تھے اور جن کو اس نے اپنے جوہر اصلی میں محفوظ کر رکھا تھا اور اس وقت ملکیت غالب اور بہیمیت مغلوب ہونے لگتی ہے اور اسکے بعد جب عالم بالا سے اسکے دل میں حظیرۃ القدس کا اور ان اعمال کا علم ویقین ڈالا جاتا ہے جو وہاں اسکے لئے محفوظ رکھے جاتے تھے تو اس وقت اسکی ملکیت یا تو رنج وغم اور تکلیف اٹھاتی ہے یا راحت و آرام حاصل کرتی ہے۔ یہ بھی معلوم رہے کہ جب ملکیت (دنیا میں) بہیمیت کے ساتھ گھلتی ملتی اور اختلاط پیدا کرتی ہے تو اس کا کچھ نہ کچھ اثر اس میں ضرور پہنچتا ہے اور وہ اسکی کچھ نہ کچھ باتیں ضرور مان لیتی ہے لیکن بڑی سے بڑی اور سخت نقصان دہ بات یہ ہے کہ ملکیت میں اسکے مقصد و انجام کے مخالف عادات وکیفیات جم کر پیوست ہو جائیں اور سب سے عمدہ اور مفید بات یہ ہے کہ اس میں اسکے مقصد و انجام کے موافق و مناسب عادات و کیفیات جاگزیں ہو جائیں۔ منجملہ مخالف باتوں کے ایک یہ بات ہے کہ اسکا دل مال اور اہل و عیال کی محبت میں اتنا گرفتار ہو جائے کہ اسکو سوائے ان دونوں چیزوں کے زندگی کا اور کوئی مقصد نظر نہ آئے اور دوسری بات یہ ہے کہ اسکے دل پر ادنیٰ درجہ کی بری بری عادات و کیفیات منقش ہو جائیں جو اسکو سماحت و تقویٰ سے دور کردیں۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ وہ نجاستوں میں ملوث اور خدا تعالیٰ سے متکبر ہو جائے یہاں تک کہ نہ کبھی اس کو جاننے کی کوشش کرے اور نہ کسی روز اسکے آگے عجز و انکساری کرے۔ الغرض ایسی باتیں پیدا ہوں جو نیکی ورا احسان کے برخلاف ہوں۔ اور چوتھی یہ بات ہے کہ اسکا[1] توجہ حق کی اعانت اور تعظیم امر الٰہی اور بعثت انبیاء اور پسندیدہ نظام خیر کے قیام میں عالم بالا یعنی حظیرۃ القدس کے خلاف ہو جائے۔ حتیٰ کہ اس پر وہاں سے بغض اور لعنت برسنے لگے۔ اور منجملہ مناسب اور موافق باتوں کے ایک یہ بات ہے کہ وہ ایسے اچھے کام کرنے لگے جن سے طہارت اور خدا کے حضور میں عجز و انکسار حاصل ہوتا ہے اور ملائکہ کے حالات یاد آتے ہیں اور ایسے عقائد کیطرف رہنمائی ہوتی ہے جن کی وجہ سے انسان صرف حیات دنیوی پر مطمئن ہو کر بیٹھا نہیں رہتا اور دوسری یہ بات ہے کہ وہ شخص سماحت اور تقویٰ کا پتلا بن جائے نرم دل و رحم دل ہو جائے اور تیسری یہ بات کہ (وہ اتنا پاکباز بن جائے کہ) عالم بالا یعنی ملأ اعلیٰ کی دعائیں اور انکی وہ توجہات (یعنی نظر خاص) جو پسندیدہ نظام خیر کیلئے مخصوص ہوتی ہیں انکو نصیب ہونے لگیں (تاکہ وہ نظام خیر کی طرف متوجہ ہو) باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

[1] یعنے بجائے اس کے کہ حق کی اعانت کرے اس سے عداوت کرتا ہے اور بجائے اسکے کہ اوامر الٰہی کی تعظیم و توقیر کرے اور ان کو بجالائے ان کی تحقیر اور مخالفت کرتا ہے، ان کے خلاف عمل کرتا ہے۔ وقس علیہ ۱۲ مترجم

قلبه بالعلة دون المعلولات والملكة دون الافاعيل، و منه الانسان بالطبع يبقى مشغولا بالكثرة عن الوحدة و بالافاعيل عن الملكات بالاشباح عن الارواح واعلم ان الانسان اذا مات انفسخ جسده الارضي وبقيت نفسه النطقية متعلقة بالنسمة متفرغة الى ما عندها وطرحت عنها ما كان لضرورة الحياة الدنيا من غير داعية قلبية وبقي فيها ما كانت تمسكه في جذر جوهرها وحينئذ تبرز الملكية وتضعف البهيمية ويترشح عليها من فوقها يقين بحظيرة القدس وبما احصي عليها هنالك وحينئذ تتالم الملكية او تتنعم، واعلم ان الملكية عند غوصها في البهيمية وامتزاجها بها لا بد ان تذعن لها اذعانا ما وتتأثر منها اثرا ما لكن الضر كل الضرر ان تتشبح فيها هيئات مأخوذة في الغاية والنافع كل النفع ان تتشبح فيها هيئات مناسبة في الغاية فمن المنافرات ان يكون قوي التعلق بالمال والاهل لا يستيقن ان وراءهما مطلوبا قوي الامساك للهيئات الدنية في جذر جوهرها ونحو ذلك مما يجمعه انه على الطرف المقابل للسماحة وان يكون متلبسا بالنجاسات متكبرا على الله لم يعرفه ولم يخضع له يوما ونحو ذلك مما يجمعه انه على الطرف المقابل للاحسان وان يكون ناقض توجه حظيرة القدس في نصر الحق وتنويه امره و بعثة الانبياء واقامة النظام المرضي فاصيب منهم بالبغضاء واللعن ومن المناسبات مباشرة اعمال تحاكي الطهارة والخضوع للبارئ وتذكر حال الملائكة وعقائد تنزعها من الاطمئنان بالحيوة الدنيا وان يكون سمحا سهلا وان يعطف عليه ادعية الملأ الاعلى و توجهاتهم للنظام المرضي والله اعلم.

تیسرا باب (۱۶): عالم برزخ میں لوگوں کے مختلف احوال

واضح ہو کہ عالم برزخ میں لوگوں کے مختلف احوال ہوا کرتے ہیں ان سب احوال و درجات کا شمار نہیں ہو سکتا لیکن ان کی بڑی بڑی قسمیں چار ہیں۔ قسم اول کے لوگ بیداری جیسے ہیں انکو آرام و ثواب اور تکلیف و عذاب محض مناسب اور مخالف ہیئات و کیفیات ہی سے دیکھنا پڑتا ہے چنانچہ اس آیت میں اسی قسم کے لوگوں کی طرف اشارہ ہے ارشاد ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل قیامت کو کوئی شخص یوں کہنے لگے کہ ہائے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا کے حق میں کی میں تو اسکی باتوں کا مذاق اڑانے ہی میں رہ گیا۔ میں نے اولیاء اللہ کا ایک گروہ دیکھا ہے جنکے نفوس ایسے ہو گئے تھے جیسے ساکن پانی سے بھرے ہوئے تالاب ہوں کہ پانی ہوا سے بھی حرکت نہ کرے پھر جب ان پر ٹھیک دوپہر کے وقت آفتاب کی شعاعیں پڑیں تو وہ سراپا نور کے ٹکڑے کی طرح ہو جائیں۔ وہ نور یا تو نیک اعمال کا نور ہے یا یاد داشت کا یا رحمت کا۔ قسم دوم کے لوگ انہی کے قریب قریب ہوتے ہیں لیکن یہ طبعی نیند والے ہوتے ہیں اور خواب میں نصیب ہوتے ہیں۔ اور خواب کی حقیقت یہ ہے کہ ہمارے آگے وہ چیزیں حاضر ہو جاتی ہیں جو ہماری حس مشترک میں جمع ہوتی ہیں مگر حالت بیداری ان کی طرف خیال کرنے اور توجہ دینے سے مانع ہوتی اور روکتی ہے اور یہی بات دل میں جمائے رکھتی ہے کہ یہ چیزیں محض خیالات ہیں لیکن جب ہم سو جاتے ہیں تو ان کو ہو بہو وہی چیزیں پاتے ہیں جن کی وہ تصویریں ہوتی ہیں مثلاً کبھی صفراوی مزاج والا خواب میں یہ دیکھتا ہے کہ وہ کسی خشک جنگل میں ہے گرمی کا موسم ہے سخت لو چل رہی ہے اسی اثنا میں جنگل میں آگ لگ جاتی ہے اور وہ آگ اسکو ہر طرف سے گھیر لیتی ہے وہ ادھر ادھر بھاگنے لگتا ہے مگر اسے بھاگ نکلنے کی کوئی جگہ نہیں ملتی لہٰذا وہ اس میں جل جاتا ہے اور اسطرح اسکو بہت سخت درد و تکلیف ہوتی ہے۔ اور بلغمی مزاج والا یہ دیکھتا ہے کہ سردی کی رات ہے اور وہ کشتی میں سوار ہے اور نہایت ٹھنڈا پانی بہہ رہا ہے سخت سرد ہوا چل رہی ہے اتنے میں دیکھتا ہے کہ موجوں نے اسکی کشتی کو الٹ دیا اور وہ ڈوبنے لگا اب وہ وہاں سے نکل بھاگنے کی کوشش کرتا ہے لیکن کامیاب نہیں ہوتا اور غرق ہو جاتا ہے تب اسکو بہت سخت درد و تکلیف ہوتی ہے۔ اگر آپ لوگوں کے حالات کو تلاش کریں گے تو ہر شخص کو ایسا ہی پائیں گے کہ اس نے خواب میں اس قسم کے مختلف پراگندہ خیالات و حوادث کو ضرور آرام یا تکلیف کی ایسی صورتوں میں دیکھا ہوگا جو ان خیالات اور اس شخص کی طبیعت دونوں سے مناسبت رکھتی ہوں۔ پس یہ عالم برزخ میں عذاب و ثواب میں مبتلا ہونا گویا خواب میں مبتلا ہونا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ یہ ایک ایسا خواب ہے

باب اختلاف احوال الناس في البرزخ

اعلم ان الناس في مثال العالم على طبقات شتى لا يحصى احصاؤها لكن نذكر من الاصناف اربعة صنف منهم اهل اليقظة واولئك يعذبون وينعمون بانفس تلك المنافرات والمناسبات الى هذا الصنف وقعت الاشارة في قوله تعالى ان تقول نفس يا حسرتا على ما فرطت في جنب الله وان كنت لمن الساخرين ورأيت طائفة من اهل الله صارت نفوسهم بمنزلة الحياض الممتلئة ماء اذا لم تحركها الرياح فغربها ضوء الشمس في الهاجرة فصارت بمنزلة قطعة من النور وذلك النور اما نور الاعمال الصالحة او نور الياد داشت او نور الرحمة وصنف قريب المأخذ منهم لكن هم اهل النوم الطبيعي فاولئك تصيبهم الرؤيا والرؤيا فيها حضور علوم مخزونة في الحس المشترك كانت مسكة اليقظة تمنع عن الاستغراق فيها والذهول عن كونها خيالات فلما نام لم يشك انها عين ما هي صورها وربما يرى الصفراوي انه في غيضة يابسة في يوم صائف وسموم فبينا هو كذلك اذ فاجأته النار من كل جانب فجعل يهرب ولا يجد مهربا ثم انه لفحته فقاسى الما شديدا ويرى البلغمي انه في ليلة شاتية ونهر بارد وريح زمهريرية فهاجت بسفينته الامواج فصار يهرب ولا يجد مهربا ثم انه غرق فقاسى الما شديدا وان انت استقريت الناس لم تجد احدا الا وقد جرب من نفسه نشج الحوادث المجتمعة بتخيلات وتوجهات متناسبة لها وللنفس الرائية جميعا فهذا المثال في الرؤيا غير انها رؤيا

لہ یعنی وہ اتنے صاف ہوتے ہیں کہ نیک عمل یا بد عمل کی ظاہری صورت ہی کو تصویریں لا کر راحت یا تکلیف پاتے ہیں ۱۲ ش ۲ لہ نیک اعمال کا نور نیک اعمال کو لگاتار کرتے رہنے سے پیدا ہوتا ہے اور یاد داشت والا ہر وقت خدا کی طرف دھیان لگائے رکھنے سے پیدا ہوتا ہے اسطرح کہ وہ شخص کوئی بھی کام کرے لیکن خدا کی یاد دل سے نہ جائے ہمیشہ خدا اور اسکے احکام کو مد نظر رکھے اگر کوئی یہ کہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ آدمی دو کام ایک وقت کر سکے دنیا کا بھی اور دین کا بھی انجام دے اور ساتھ ہی ساتھ خدا کی یاد بھی دل میں قائم رکھے تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ بالکل اسی طرح ہوتا ہے جیسے سائیکل چلانے والا جب چلتے چلتے کسی سے باتیں کرتا ہے تو وہ باتوں کی طرف بھی پوری توجہ رکھتا اور سائیکل کا توازن قائم رکھنے کی طرف بھی۔ چنانچہ اسی قسم کی اور دوسری مثالیں ہیں۔ ان صورتوں میں اگرچہ شروع شروع میں کچھ مشکل پڑتی ہے لیکن بعد میں یہ عادت ثانیہ بن جاتی ہے۔ رحمت کا نور

۳ دل میں برائی کا خیال تک نہ لانے سے پیدا ہوتا ہے اس صورت میں ان سے ایسا سلوک ہوتا ہے جیسے ماں باپ اپنے بچوں سے کرتے ہیں ۱۲ ش

جس سے انسان حشر (قیامت) بیدار نہیں ہوتا۔ خواب دیکھنے والا دورانِ خواب میں یہ نہیں جانتا کہ چیزیں جو میں دیکھ رہا ہوں انکا خارج میں وجود نہیں صرف خیال ہی خیال ہے۔ اور نہ یہ کہ اصلی حالت میں اس کو کچھ راحت و تکلیف نہیں ہو رہی، بلکہ وہ اس کو حالتِ اصلی جانتا ہے اور اگر وہ ہمیشہ خواب میں رہتا اور قیامت کی بیداری نہ ہوتا تو (حالتِ اصلی نہ ہونیکا) یہ راز اُسے کبھی معلوم نہ ہوتا لہٰذا اس عالم برزخ کو عالمِ خارجی کہنا عالمِ خواب کہنے سے زیادہ مناسب اور صحیح ہے۔ پس درندہ صفت انسان (عالم برزخ میں) اکثر یہ دیکھا کرتا ہے کہ اس کو کوئی درندہ چیر پھاڑ کر ہلاک کر رہا ہے اور بخیل شخص یہ دیکھتا ہے کہ اسکو سانپ بچھو کاٹ رہے ہیں۔ اور (انسان کا) عالمِ بالا کے علوم سے بے بہرہ ہونا دو فرشتوں (منکر نکیر) کی صورت میں نظر آتا ہے جو اس سے سوال کرتے ہیں کہ "تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تو نبی صلعم کو کیا سمجھتا ہے؟" قسم سوم کے وہ لوگ ہوتے ہیں جنکی قوتِ بہیمیہ اور ملکیہ دونوں کمزور اور ضعیف ہوتی ہیں وہ لوگ (مرنےکے بعد عالم برزخ میں) ملائکہ سافلہ (نچلے درجہ کے فرشتوں) میں جا ملتے ہیں کبھی تو جبلی اور پیدائشی اسباب کی بنا پر اور کبھی کبھی اسباب کیوجہ سے جبلی اسباب یہ ہیں کہ انکی قوتِ ملکیہ قوتِ بہیمیہ میں بہت ہی کم غرق ہوتی تھی نہ تو اسکا حکم مانتی تھی نہ اس سے متاثر ہوتی تھی۔ اور کسبی اسباب یہ ہیں کہ اس شخص نے قلبی خواہش وارادہ سے طہارت و پاکیزگی کا جامہ پہنا اور اُسے اچھی طرح اختیار کیا اور (ریاضت و عبادت کرکے) اپنی روح میں الہامات اور انوارِ ملکیہ کو خوب جگہ دی[1] (یہ سب بالکل اسیطرح ہوتا ہے جیسے کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض اشخاص پیدا تو مردانی صورت میں ہوتے ہیں لیکن انکے مزاج میں زنانہ پن اور عورتوں کی عادات کیطرف میلان ہوتا ہے اگرچہ لڑکپن میں وہ مرد وعورت کی جدا جدا شہوت میں تمیز نہیں کرسکتے بلکہ ان سے بالکل بیخبر ہوتے ہیں کیونکہ اس عمر میں انسان کو کھانے پینے اور کھیلنے کودنے ہی کی خواہش ہوا کرتی ہے دوسری طرف توجہ بالکل نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس عمر میں جب انکو مردانہ روش پر چلنے کا حکم دیا جاتا ہے اور زنانہ روش سے باز رکھا جاتا ہے تو وہ جبراً وقہراً اس زنانہ روش کو چھوڑ کر مردانہ روش ہی پر چلتے رہتے ہیں لیکن جب وہ جوان ہو جاتے ہیں اور اپنی بیباک طبیعت پر آجاتے ہیں تو پھر خوب اچھی طرح جم کر اور مستقل طور پر عورتوں کی روش اور انہی کی سی وضع قطع اور عادات و خصائل اختیار کر لیتے ہیں اور شہوت اُبنی (یعنے مفعول بننے کی خواہش) ہونے لگتی ہے اور پھر وہ عورتوں کے سے کام کرتے اور ان ہی کے مانند کلام کرتے ہیں اور ان ہی کے سے اپنے نام رکھتے ہیں (اور اس طرح ایک عرصہ تک زنانہ طریقہ پر زندگی بسر کرنے کے بعد) اب وہ مردوں کے زمرے سے بالکل نکل جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح انسان کا حال ہے کہ وہ اپنی دنیاوی زندگی میں کھانے پینے اور شہوتِ نفسانی اور اسی طرح کے دیگر طبعی تقاضوں کو پورا کرنے اور زندگی کے مختلف مراسم و معاملات میں مصروف رہتا ہے لیکن

لا يقظة منها الى يوم القيامة وصاحب الرؤيا لا يعرف في رؤياه انها لم تكن اسماء خارجية وان التوجع والتنعم لم يكن في العالم الخارجي ولولا يقظة لم يتنبه لهذا السر۔

فحسب ان يكون تسمية هذا العالم عالما خارجيا احق وافصح من تسميته بالرؤيا فيما يرى صاحب السبعية انه يخدشه سبع وصاحب البخل تنهشه حيات وعقارب ويتشبح زوال العلوم الفوقانية بملكين يسألانه من ربك ومادينك وما قولك في النبي صلى الله عليه وسلم؟ وصنف بهيميتهم و ملكيتهم ضعيفتان يلحقون بالملائكة السافلة لاسباب جبلية بان كانت ملكيتهم قليلة الانغماس في البهيمية غير مذعنة لها ولا متأثرة منها وكسبية بأن لابست الطهارة بداعية قلبية ومكنت من نفسها الالهامات وبوارق ملكية فكما ان الانسان ربما يخلق في صورة الذكران وفي مزاجه خنوثة و ميل الى هيات الاناث لكنه لا يتميز شهوات الانوثة من شهوات المذكورة في الصبا انما الهم حينئذ شهوة الطعام والشراب وحب اللعب فيجري جسما بوعمريه من التوسم بسمة الرجال ويتمنع عما ينهى عنه من اختيار زي النساء حتى اذا شب ورجع الى طبيعته الماجنة استبد باختيار زيهن و التعود بعاداتهن وغلبت عليه شهوة الابنة وفعل ما يفعله النساء وتكلم بكلامهن وسمى نفسه تسمية الانثى فعند ذلك خرج من حيز الرجال بالكلية فكذلك الانسان قد يكون في حياته الدنيا مشغولا بشهوة الطعام والشراب والغلمة وغيرها من مقتضيات الطبيعة والرسم لكنه

[1] یعنے یہ لوگ کوئی بڑا کام نہیں کرسکتے تھے اسکی جگہ یہ طہارت، ذکر و نوافل کا التزام کرتے رہے اور اس طرح اپنا درجہ بلند کیا ۱۲ س

اس کا قریبی تعلق ملائکہ سافل سے ہوتا ہے اور انہی کی جانب اس کو زیادہ میلان اور کشش ہوتی ہے۔ لہٰذا جب وہ مرجاتا ہے تو اس کے تمام جسمانی علاقے و تعلق ٹوٹ جاتے ہیں اور وہ اپنی اصلی طبیعت کیطرف عود کرآتا ہے اور پھر ملائکہ میں مل کر انہی میں کا ہوجاتا ہے[1] اور انہی کے سے الہامات اس کو بھی ہونے لگتے ہیں اور ان کے جیسے کام وہ بھی کرنے لگتا ہے (اور اس طرح ان کا دست و بازو بن جاتا ہے) چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ "میں نے جعفر بن ابی طالبؓ کو ایک فرشتہ کی صورت میں اور فرشتوں کے ساتھ دو بازوؤں اور پروں سے جنت میں اڑتے دیکھا ہے[2] (قسم سوم کے) یہ لوگ کبھی اعلاء کلمۃ اللہ اور حزب اللہ (خداوندی گروہ) کی مدد میں مصروف ہوجاتے ہیں[3] اور کبھی انسان کے دل میں نیکی کے خیال القاء کرتے ہیں اور کبھی ان میں سے بعض لوگ اپنے جبلی شوق کیوجہ سے صورت جسمانی کے بہت شائق ہوتے ہیں تو انکی اس خواہش کیوجہ سے عالم مثال کا دروازہ کھل جاتا ہے اور انکی روح ہوائی (نسمہ) میں ایک قسم کی مثالی قوت مل جل جاتی ہے اور وہ ایک نورانی جسم سا بن جاتا ہے اور کبھی ان میں سے بعض لوگ کھانے وغیرہ کی خواہش کرتے ہیں تو انکی خواہش پوری کرنے کیواسطے انکو وہاں سے ایسی ہی چیزیں ملتی ہیں (جنکی کہ وہ خواہش کرتے ہیں) چنانچہ قرآن مجید کی اس آیت میں اسیطرف اشارہ ہے خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ "جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انکو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس سے رزق پاتے ہیں اور جو کچھ انکو اللہ نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے اسپر خوش ہیں الآیۃ" اور انہی کے مقابل میں ایک اور قسم کے لوگ ہوتے ہیں جو شیاطین سے بہت مناسبت رکھتے ہیں یا تو جبلی طور سے یا کسبی طور سے، جبلی طور سے اسطرح کہ انکا مزاج ہی فاسد ہوتا ہے جس سے وہ ایسی باتیں سوچتے ہیں جو کہ حق کے مخالف، نظام کلی کی رائے کے برخلاف اور مکارم اخلاق سے بعید ہوتی ہیں۔ اور اختیاری و کسبی طور سے اس طرح کہ وہ خسیس و کمینی عادتوں اور فاسد افکارات و خیالات کا جامہ پہن لیتے ہیں اور شیطانی خیالات کے تابع ہوجاتے ہیں اور انکو خدا کی ناراضگی و لعنت گھیر لیتی ہے چنانچہ جب وہ مرجاتے ہیں تو شیاطین میں جا ملتے ہیں اور ظلمانی لباس پہنکر ان کو وہ کمینی عادتیں اور بری لذتیں جو وہ اپنی خواہش نفسانی کے پورا کرنے کے لئے کرتے تھے متشکل بنا کر دکھائی جاتی ہیں، پہلی قسم کے لوگ دل میں خوشی پیدا ہونے سے ثواب و آرام پاتے ہیں اور دوسری قسم کے لوگ گھٹنے اور غم و غصہ کھانے سے عذاب و تکلیف پاتے ہیں جیسے کہ مخنث یہ سمجھ کر کہ یہ زنانہ پن انسان کی بدترین حالت ہوتی ہے دل میں گھٹتا اور غم کھاتا ہے لیکن اس سے باز نہیں آسکتا۔ قسم چہارم میں وہ اہل اصطلاح (صاحب مصالحت[4]) لوگ ہوتے ہیں جن کی قوت بہیمیہ غالب اور قوت ملکیہ مغلوب ہوتی ہے اکثر لوگ اسی قسم کے ہوتے ہیں، ان کے اکثر امور اس صورت حیوانیہ کے تابع رہتے ہیں

قريب للمأخذ من الملأ السافل قوى الانجذاب اليهم فاذا مات انقطعت العلاقات فرجع الى مزاجه فلحق بالملائكة و صار منهم والهم كالهامهم وسعى فيما يسعون فيه، وفي الحديث "رأيت جعفر بن ابي طالب ملكا يطير في الجنة مع الملائكة بجناحين" وربما اشتغل هؤلاء باعلاء كلمة الله ونصر حزب الله وربما كان لهم لمة خير بابن ادم وربما اشتاق بعضهم الى صورة جسدية اشتياقا ناشئا من اصل جبلته فقرع ذلك بابا من المثال واختلطت قوة منه بالنسمة الهوائية وصار كالجسد النوراني وربما اشتاق بعضهم الى مطعوم ونحوه فامد فيما اشتهى قضاء لشوقه، واليه الاشارة في قوله تعالى "ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون فرحين بما آتاهم الله من فضله" الآية وبازاء هؤلاء قوم قريبو المأخذ من الشياطين جبلة بان كان مزاجهم فاسدا يستوجب آراء مناقضة للحق منافرة للرأي الكلي على طرف شاسع من محاسن الاخلاق و كسبا بان لابست هيئات خسيسة وافكارا فاسدة وانقادت لوسوسة الشياطين واحاط بهم اللعن فاذا ماتوا التحقوا بالشياطين والبسوا لباسا ظلمانيا وصور لهم ما يقضون به بعض وطرهم من الملاذ الخسيسة والاول ينعم بحدوث ابتهاج في نفسه والثاني يعذب بضيق وغم كالمخنث يعلم ان الخنوثة اسوأ حالات الانسان ولكن لا يستطيع الاقلاع عنها وصنف هم اهل اصطلاح قوية بهيميتهم ضعيفة ملكيتهم وهم اكثر الناس وجودا يكون غالب امورهم تابعا للصورة الحيوانية

[1] کیونکہ وہ مجبوراً دنیاوی معاملات میں پھنسا ہوا تھا اصل طبیعت اسکی وہی تھی جو فرشتوں کی ہوتی ہے لہٰذا جب مجبوریاں جاتی رہیں تو وہ انکو ترک کرکے فرشتوں سے جا ملا جیسے کہ مخنث پھر جوان ہو کر زنانوں میں مل جاتا ہے ۱۲ مترجم [2] جنگ موتہ میں لڑتے لڑتے جب آپکا ایک ہاتھ کٹ گیا تو آپنے دوسرے ہاتھ سے جھنڈا تھام لیا اور جب وہ بھی کٹ گیا تو اسکو چمٹا لیا اور جہاد میں شریک رہے آخر کار تلواروں اور برچھیوں کے نوے زخم کھانے کے بعد گرے اور شہادت پائی خداتعالیٰ نے انہیں دونوں کٹے ہوئے بازوؤں کے بجائے دو پر عطا کردیئے ۱۲ مص [3] چنانچہ جب ترکی اور روس میں سیباسٹپول کے قلعہ پر لڑائی ہوئی تو بہت سے م [illegible] ہا اہل اللہ نے مسجد نبوی میں تہجد کے وقت آنحضرت صلعم اور صحابہ کرام کو تیر ملتے دیکھا چنانچہ اسی روز صبح کو لشکر اسلام غالب آیا ۱۲ مترجم [4] اہل اصطلاح یا صاحب مصالحت کے معنے پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

جو بدن میں تصرف کرنے میں غرق رہتی ہے چنانچہ موت واقع ہو جانے سے ان کی روحوں کا تعلق ان کے جسم سے بالکل ہی منقطع نہیں ہو جاتا بلکہ یہ ہوتا ہے کہ تدبیری تعلق ٹوٹ جاتا ہے اور وہمی و خیالی تعلق باقی رہتا ہے ان کا نفس بغیر کسی شک و شبہ کے قطعی طور پر یہ جانتا اور یقین کرتا ہے کہ وہ عین جسم ہے حتیٰ کہ اگر جسم کو کچلا جائے یا کاٹا جائے تو ان کا نفس[ل] یہ یقین کرتا ہے کہ یہ معاملہ خود مجھ سے ہو رہا ہے ان لوگوں کی علامت یہ ہے کہ یہ لوگ خالص دل سے اس بات کے قائل ہوتے ہیں کہ ہماری روح خود جسم ہے یا وہ روح ایک عرض ہے جو جسم پر طاری ہے، گو کبھی کی تقلید یا وہم کی وجہ سے زبان قال سے اسکے خلاف کہیں، یہ لوگ جب مر جاتے ہیں تو ان پر اس عالم کے ہلکے سے انوار چمکتے ہیں اور اچھے ہوئے خیالات تصورات نظر آتے ہیں اور بالکل وہی حالت پیش آتی ہے جو یہاں اہل ریاضت کو پیش آتی ہے اور ان کو سب باتیں کبھی خیالی صورتوں کے پیرائے میں اور کبھی عالم مثال کی دوسری خارجی صورتوں کے پیرائے میں دکھائی جاتی ہیں جیسے کہ اہل ریاضت کو دکھائی جاتی ہیں پس اگر انھوں نے اعمال ملکیہ کئے ہوئے ہیں تو ان کے اعمال کی درستگی کا علم انکو ایسے فرشتوں کی صورت میں دکھایا جاتا ہے جن کی نہایت حسین شکل و صورت ہوتی ہے اور ان کے ہاتھوں میں ملائم ریشمی کپڑے ہوتے ہیں اور وہ ان سے نہایت نرم لہجہ اور عمدہ طرز سے گفتگو کرتے ہیں اور ان کے لئے جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے جس میں سے اس کی خوشبوئیں آنے لگتی ہیں۔ اور اگر انھوں نے بُرے اعمال کئے ہوتے ہیں (جو ملکیت کے خلاف اور موجب لعنت ہو گئے ہیں) تو ان (اعمال کی نادرستگی) کا علم ایسے بدشکل فرشتوں کی صورت میں نظر آتا ہے جنکے سیاہ چہرے ہوتے ہیں اور وہ سخت لہجہ سے ہیبت ناک باتیں کہتے ہیں[گ] یہ سب اسیطرح دکھایا جاتا ہے جسطرح غصہ کو درندہ کی صورت میں اور بزدلی و نامردی کو خرگوش کی صورت میں دکھایا جاتا ہے اور وہاں (عالم برزخ میں) ایسے فرشتے ہوتے ہیں جن کو انکی استعداد کے بموجب اسی قسم کے کاموں پر مقرر کیا گیا ہے اور انہیں (وہاں رہنے والے) لوگوں کو تکلیف و عذاب دینے یا راحت و ثواب پہنچانے پر بھی مامور کیا گیا ہے پس اہل عذاب و ثواب ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں گو وہ اہل دنیا کو ان کی (ناقص) نظروں سے دکھائی نہیں دیتے۔ واضح رہے کہ عالم قبر (یا عالم برزخ) کوئی علیحدہ نیا عالم نہیں بلکہ اسی عالم کا تتمہ اور بقایا حصہ ہے اور اس جگہ پردہ غیب کے پیچھے سے علوم مترشح ہوتے ہیں اور ہر شخص کے خاص خاص احوال (یعنے انفرادی احکام) ظاہر ہوتے ہیں برخلاف عالم حشر کے حوادث کے کہ وہاں یہ خاص خاص (انفرادی) احکام مٹ جائیں گے اور اس کی جگہ تمام افراد انسانی کے نوعی و اجتماعی احکام ظاہر ہوں گے[لا] باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔

المجبولة على التصرف فى البدن والانغماس فيه فلا يكون الموت انفكاكا للنفوسهم عن الابدان بالكلية بل تنفك تدبيرا ولا تنفك وهما فتعلم علما من كذا بحيث لا يختطر عندها امكان مخالفة انها عين الجسد حتى لو وطئ الجسد او قطع لا يقنت انه فعل ذلك بها وعلامتهم انهم يقولون من جذر قلوبهم ان ارواحهم عين اجسادهم او عرض طارئ عليها وان نطقت السنتهم لتقليد او وهم خلاف ذلك فاولئك اذا ماتوا برق عليهم بارق ضعيف وتراءى لهم خيال طفيف مثل ما يكون هنا للمرتاضين وتتشبح الامور فى صور خيالية تارة ومثالية خارجية اخرى كما تتشبح للمرتاضين فان كان لابس اعمالا ملكية درس علم الملائمة فى اشباح ملائكة حسان الوجوه بايديهم الحرير مخاطبات وهيئات لطيفة وفتح باب الى الجنة تاتى منه روائحها وان كان لابس اعمالا منافرة للملكية او جالبة للعن درس علم ذلك فى اشباح ملائكة سود الوجوه ومخاطبات وهيئات عنيفة كما قد يدرس الغضب فى صورة السبع والجبن فى صورة الارنب وهنالك نفوس ملكية استوجب استعدادهم ان يوكلوا بمثل هذا المواطن ويؤمروا بالتعذيب او التنعيم فيراهم المبتلى عيانا وان كان اهل الدنيا لا يرونهم عيانا واعلم انه ليس عالم القبر الا من بقايا هذا العالم وانما تترشح هنالك العلوم من وراء حجاب وانما تظهر احكام النفوس المختصة بفرد دون فرد بخلاف الحوادث الحشرية فانها تظهر عليها وهى فانية عن احكامها الخاصة بفرد فرد باقية باحكام الصورة الانسانية والله اعلم۔

[ل] روح ۱۲م [ع] عرض اس چیز کو کہتی ہیں جو اپنا الگ وجود نہیں رکھتی بلکہ کسی دوسرے جسم کے ساتھ ملکر پائی جاتی ہو جیسے رنگ وغیرہ ۱۲ مص [گ] یہ اشارہ اس حدیث کے مضمون کی طرف ہے جس میں یوں آیا ہے کہ جب مومن کو دفن کیجاتا ہے تو نہایت حسین صورت فرشتے ہاتھوں میں ریشم لئے ہوئے آتے ہیں اور اسکو قبر میں طرح طرح کے عیش و آرام پہنچاتے ہیں جنت کیطرف دریچہ کھولدیتے ہیں اور کافر سے اسکے برعکس معاملہ کیا جاتا ہے الحدیث ۱۲م

[لا] جو بحیثیت مجموعی تمام انسانوں سے تعلق رکھتے ہیں خاص خاص انسانوں کا حکم وہاں کبھی زیر غور نہ ہوگا یعنے وہ انفرادی درجہ یعنی قبر میں ختم ہو جائیگا اسکے بعد جسقدر ترقی ہوگی وہ اجتماعی ترقی ہوگی ۱۲ مص

چوتھا باب(۱۷): واقعاتِ حشر کے اسرار و رموز

واضح ہو کہ انسانی روحوں کا (عالم مثال میں) ایک مرجع اور مقام خاص ہے جس کی
طرف یہ روحیں اس طرح کھنچتی ہیں جیسے مقناطیس کی طرف لوہا کھنچتا ہے اور وہ مقام
"حظیرۃ القدس" کہلاتا ہے اس جگہ تمام روحیں بدنوں سے جدا ہو کر اس
"روح اعظم" سے جا ملتی ہیں جس کی تعریف نبی صلعم نے بہت سی مونہوں اور
بہت سی زبانوں اور بہت سی بولیوں کے وصف کے ساتھ بیان کی ہے۔ اور یہ اجتماع
گاہ (روح اعظم، عالم مثال یا عالم ذکر (جو چاہے نام لیجئے) اس) میں صورت نوع
انسانی کی شکل یا تصویر ہوتی ہے یہی وہ مقام ہے جہاں وہ احکام جو انفرادی خصوصیات
سے پیدا ہوتے ہیں فنا ہو جاتے ہیں[1] اور وہ باتیں جو نوع سے پیدا ہوتی
ہیں یا ان میں نوعی حالت غالب ہوتی ہے[2]، باقی رہ جاتی ہیں۔ تفصیل اس کی
یہ ہے کہ تمام فرد انسانی میں بعض باتیں تو ایسی ہیں جن کی وجہ سے وہ ایک
دوسرے سے جدا اور ممتاز نظر آتے ہیں اور بعض باتیں ایسی ہیں جن میں سب
شریک ہیں اور وہ سب میں پائی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ باتیں (جو سب میں پائی
جاتی ہیں) "احکام نوع" کہلائیں گی (انہیں فطرت بھی کہتے ہیں) اس حدیث میں
اسی طرف اشارہ ہے کہ "ہر بچہ (انسانی) فطرت (سلیمہ) پر پیدا ہوتا ہے (پھر اسکے
بعد اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں)"۔ پھر ہر نوع کے
احکام مخصوصہ کی دو قسمیں ہوتی ہیں: ان میں سے ایک تو ظاہری احکام کی ہوتی
ہے جیسے پیدائش و بناوٹ یعنے رنگ، شکل، مقدار اور آواز وغیرہ۔ پس نوع کا جو فرد
اس ہیئت اور شکل پر پایا جائیگا جس کو اس کی نوع چاہتی ہے تو اس میں یہ تمام ظاہری
احکام پوری طرح ضرور پائے جائیں گے بشرطیکہ اس کی ساخت کے مادہ میں کوئی کمی و
نقص نہ ہو۔ چنانچہ نوع انسان کا ہر فرد طویل القامت، ناطق اور صاف جلد
ہوتا ہے۔ اور گھوڑے کی نوع کا ہر فرد کج قامت، ہنہنانیوالا اور بال دار جلد کا
ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ بہت سی باتیں اور بھی ہیں جو افراد سے کبھی جدا نہیں ہوتیں بشرطیکہ
ان کا مزاج صحیح و سالم رہے۔ دوسری قسم باطنی احکام کی ہوتی ہے جیسے قوت ادراک
(سمجھنا) معاش کے لئے ہدایات حاصل کرنا اور اپنے مقصد کے حصول اور آنے والی
مصیبت سے بچاؤ کیلئے مستعد ہونا۔ غرض ہر نوع کا ایک جداگانہ طریقہ ہوتا ہے، چنانچہ
شہد کی مکھی کو دیکھئے کہ خدا تعالیٰ نے اس کو کس طرح وحی کی کہ وہ درختوں کو ڈھونڈ کر

[1] یہاں فنا سے ان کی ہستی کا گم ہو جانا مراد نہیں بلکہ چھپ جانا مراد ہے جیسا کہ سائنسدانوں کی
تحقیق ہے کہ دنیا میں مادے کا ایک ذرہ بھی ضائع نہیں ہوتا بلکہ ذرات ہٹ کر قوت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔
بالکل اسی طرح روحانیت والوں کا کہنا ہے کہ انسانیت کا ایک ذرہ بھی ضائع نہیں ہوتا بلکہ رفتہ
رفتہ ایک ایک ذرہ کی شخصیت روح اعظم کی اجتماعیت میں مل جاتی ہے ۱۲ مص [2] اور انفرادی
جبلت مغلوب ہوتی ہے ۱۲ مص۔

باب ذکر شیء من اسرار الوقائع الحشریۃ

اعلم ان للارواح البشریۃ حضرۃ تنجذب الیها
انجذاب الحدید الی المغناطیس وتلک الحضرۃ هی
حظیرۃ القدس محل اجتماع النفوس المتجردۃ عن جلابیب
الابدان بالروح الاعظم الذی وصفه النبی صلی الله
علیه وسلم بکثرۃ الوجوه والالسن واللغات وانما هو
تشبح لصورۃ نوع الانسان فی عالم المثال او فی الذکر
ایاما شئت فقل ومحل فنائها عن المتأکد من احکامها
الناشئۃ من الخصوصیۃ الفردیۃ وبقائها باحکامها
الناشئۃ من النوع او الغالب علیها جانب النوع و
تفصیله ان افراد الانسان لها احکام یمتاز بها
بعضها من بعض ولها احکام تشترک فیها جملتها و
تتوارد علیها جمیعها ولا جرم انها من النوع والیه
الاشارۃ فی قوله صلی الله علیه وسلم "کل مولود یولد
علی الفطرۃ" الحدیث ولکل نوع یختص به نوعان من
الاحکام احدهما الظاهرۃ کالخلقۃ ای اللون والشکل
والمقدار وکالصوت ای فرد وجد منه علی هیئۃ
یعطیها النوع ولم یکن مخدجا من قبل عصیان المادۃ
فانه لابد یتحقق بها ویتوارد علیها فالانسان مستوی
القامۃ ناطق بادی البشرۃ والفرس معوج القامۃ صاهل
اشعر الی غیر ذلک مما لا ینفک عن الافراد عند سلامۃ
مزاجها وثانیهما الاحکام الباطنۃ کالادراک والاهتداء
للمعاش والاستعداد لما یهجم علیها من الوقائع فلکل نوع
شریعۃ الا تری النحل کیف اوحی الله تعالی الیها ان تتبع الاشجار

ان کے پھل کھائے اور اپنے ہم جنسوں کے لئے ایک گھر بنائے اور پھر اس میں شہد جمع کرے۔ اور اسی طرح چڑیا کو یہ وحی کی کہ اس کا نر مادہ کی طرف راغب ہو پھر دونوں مل کر گھونسلہ بنائیں، انڈے سیئیں اور بچے نکالیں اور جب بچے اُڑنے لگیں تب ان کو یہ سکھاؤ کہ یہاں پانی اور وہاں دانہ ہے اور انھیں انکا دوست اور دشمن بتلادیا اور یہ بھی سکھلادیا کہ بلی اور شکاری وغیرہ دشمن سے بھاگ کر یوں اُڑ جانا چاہیئے اور اپنے ہم جنس سے حصول منفعت اور دفع مضرت کے لئے یوں لڑنا چاہیئے۔ کیا کوئی عقل سلیم والا یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ احکام نوع کے احکام نہیں ہیں ؟ واضح ہو کہ افراد کی سعادت (بہتری) یہی ہے کہ ان میں نوع کے احکام پورے پورے پائے جائیں اور ان کا مادہ ان سے گریز بھی نہ کرے اور نہ کوئی کمی چھوڑے کہ اس کے بعض نوعی خواص ظاہر نہ ہوسکیں اور اسی لئے آپ افراد نوع کو سعادت اور شقاوت میں مختلف الحال پاتے ہیں اور جب تک وہ افراد اپنی نوع کے مقتضار کے موافق رہتے ہیں ان کو تکلیف نہیں پہنچتی : لیکن ان افراد کی فطرت کبھی عارضی اسباب کی وجہ سے متغیر ہوجاتی ہے جیسے ورم وغیرہ، آنحضرتؐ کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے۔ " پھر اس (بچہ) کے ماں باپ اُسے یہودی نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں[1] ؛

معلوم ہونا چاہیئے کہ انسانی روحیں نوعی حیثیت سے " حظیرۃ القدس " کی طرف کبھی تو بصیرت اور ہمت سے کھنچ کر جاتی ہیں اور کبھی اس وجہ سے کہ ثواب و عذاب دینے کیلئے وہاں اس کے آثار متشکل ہوچکے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کے انجذاب و کشش (جو بصیرت و ہمت پر مبنی ہے اس) کا تو یہ حال ہے کہ جہاں کوئی شخص بہیمی نجاست سے پاک و صاف ہوجاتا ہے تو جھٹ وہاں پہنچ جاتا ہے اور وہاں کی کچھ نہ کچھ باتیں اس پر منکشف ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ نبی صلعم کی اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے کہ " آدمؑ اور موسیٰؑ اپنے خدا کے ہاں جمع ہوئے "۔ اور آنحضرتؐ سے متعدد طرق سے یہ روایت کیا گیا ہے کہ " صالح لوگوں کی ارواح " روحِ اعظم کے پاس اکٹھی ہوجاتی ہیں "۔ اور جہاں تک دوسری قسم کے انجذاب و کشش کا تعلق ہے تو اس کی تشریح یوں ہے کہ جسموں کا قیامت کے دن دوبارہ اُٹھنا اور پھر ان میں ارواح کا واپس آنا کوئی نئی زندگی نہیں ہے بلکہ یہ پہلی دنیاوی زندگی

فتاکل من ثمراتها ثم کیف تتخذ بیتا یجتمع فیه بنو نوعها ثم کیف تجمع العسل هنالك واوحی الی العصفور ان یرغب الذکر فی الانثی ثم یتخذ اعشا ثم یحضنا البیض ثم یزقا الفراخ ثم اذا نهضت الفراخ علمها این الماء واین الحبوب وعلمها ناصحها من عدوها وعلمها کیف تفر من السنور والصیاد وکیف تنازع بنی نوعها عند جلب نفع او دفع ضر وهل تظن الطبیعة السلیمة بتلك الاحکام انها لا ترجع الی قضاء الصورة النوعیة، واعلم ان سعادة الافراد ان تمکن منها احکام النوع وافرة کاملة وان لا تعصی مادتها علیه ولذلك یختلف افراد الانواع فیما یعد لها من سعادتها وشقاوتها و مهما بقیت علی ما یعطیه النوع لم یکن لها الم لکنها قد تغیر فطرتها باسباب طارئة بمنزلة الورم والیه وقعت الاشارة بقوله صلی الله علیه واله وسلم " ثم ابواه یهودانه او ینصرانه او یمجسانه " ؛

واعلم ان الارواح البشریة تنجذب الی هذه الحضرة تارة من جهة البصیرة والهمة وتارة من جهة تشبح آثارها فیها ایلاما وانعاما اما الانجذاب بالبصیرة فلیس احد یتنظف عن الوات البهیمیة الا وتلحق نفسه بها وینکشف علیها شیء منها وهو المشار الیه فی قوله صلی الله علیه وسلم " اجتمع آدم و موسی عند ربهما " وروی عنه صلی الله علیه وسلم من طرق شتی ان ارواح الصالحین تجتمع عند الروح الاعظم۔ واما الانجذاب الاخر فاعلم ان حشر الاجساد واعادة الارواح الیها لیست حیاة مستانفة انما هی تتمة للنشاة المتقدمة

---

[1] یعنے انسان بچپن میں صحیح فطرت پر رہتا پھر ماحول کے اثر سے وہ بگڑ جاتا ہے ۱۲ مس

جیسے بہت زیادہ کھانے کا تخمہ بدہضمی ہے۔ کیونکہ اگر یوں نہ ہوتا تو پھر وہ لوگ پہلے لوگ نہ ہوتے بلکہ ان کے غیر ہوتے اور اپنے افعال پر ماخوذ نہ ہوتے۔ لہ

واضح ہو کہ بہت سی ایسی چیزیں جو خارج میں پائی جاتی ہیں مناسب معنوی اجسام میں متشکل ہو کر عالم بیداری میں اسی طرح پیش ہوتی ہیں جیسے کہ عالم خواب میں پیش ہوا کرتی ہیں، مثلاً حضرت داؤدؑ کے سامنے دو فرشتے مدعی اور مدعیٰ علیہ کی صورت میں ظاہر ہوئے اور ایک جھگڑا فیصل کرانے لائے پس داؤدؑ نے جان لیا کہ یہ وہ قصور ہے جو مجھ سے اوریا کی بیوی کی بابت سرزد ہوا ہے لہٰذا انھوں نے مغفرت مانگی اور تائب ہوئے۔ لہ اور جیسے (شبِ معراج کو) آنحضرت صلعم کے روبرو دو پیالے پیش کئے گئے ایک شراب کا اور ایک دودھ کا، تو آپؐ نے دودھ کا پیالہ پسند فرمایا۔ اس واقعہ میں فطرت (اسلامی) اور شہوت (نفسانی) ان دو پیالوں کی صورت میں آکر آپؐ کی امت کے سامنے ظاہر ہوئی تھیں۔ اور آپ کا دودھ کو پسند فرمانا اہل رشد و ہدایت کا فطرت (اسلامی) کو اختیار کرنا ہے۔ اور جیسے آنحضرت صلعم و ابوبکرؓ اور عمرؓ کا ایک کنویں کی منڈیر پر مل کر بیٹھنا اور حضرت عثمانؓ کا (دوسری جگہ ہونے کی وجہ سے) ان سے علیحدہ ہو کر بیٹھنا اس امر کا تصور تھا کہ قبر میں یہ تینوں صاحب تو مجتمع رہیں گے اور یکجا دفن ہوں گے لیکن حضرت عثمانؓ ان سے علیحدہ دفن ہوں گے۔ چنانچہ سعد بن مسیب نے بھی اس معاملہ کی یہی تعبیر بیان فرمائی ہے۔ حشر کے واقعات سمجھنے کیلئے یہ مثالیں کافی ہیں کیونکہ وہاں اکثر واقعات اسی طرح کے پیش ہوں گے۔

واضح ہو کہ عام لوگوں کے نفوسِ ناطقہ (روحِ الٰہی) کا نسمہ (روحِ حیوانی یا ہوائی) سے بہت ہی گہرا تعلق ہوتا ہے اور وہ (عالمِ مثال کے) علومِ بعیدہ کے سمجھنے میں ایسے ہوتے ہیں جیسے مادرزاد اندھا ہوتا ہے کہ وہ رنگ اور روشنی کا تخیل ہی نہیں کر سکتا اور نہ ان کے تخیل کی خواہش رکھتا ہے۔ البتہ ایک مدتِ دراز اور طویل زمانہ میں مختلف صورتوں اور مثالوں کو سمجھ کر وہ ان کا تخیل قائم کر سکتا ہے اسی طرح ان عام لوگوں میں بصیرت پیدا کرنے کے لئے حشر میں کچھ واقعات ظہور پذیر ہونگے۔ لہ چنانچہ جب اول اول نفوس ہوں گے تو ان سے آسان حساب یا مشکل حساب لے کر جزا دی جائے گی اور بعض کو پل صراط پر سے گزارا جائیگا کچھ تو اس پر سے سلامتی کے ساتھ گزر جائیں گے اور کچھ خراشیں اور چوٹیں کھا کر یا اس طرح ہوگا کہ ہر شخص اپنے مقتدا و امام کے پیچھے جائے گا اور اس کی پیروی میں یا تو ہلاک ہو گا یا نجات پائے گا۔ یا اس طرح ہوگا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کلام کریں گے اور وہ نامۂ اعمال کو پڑھے گا۔ یا اس طرح ہوگا کہ اس کا بخل ظہور میں آئیگا اور اس کو وہ پیٹھ پر اٹھائے گا یا اس سے اس کو داغ دیا جائے گا۔ المختصر یہ سب کچھ جو ظہور میں آئے گا تو اس کے اعمال اور ادراکات اپنی اپنی صورت نوعیہ

بمنزلة التخمة لكثرة الأكل كيف ولولا ذلك لكانوا غير الأولين ولما اخذوا بما فعلوا. واعلم ان كثيرا من الاشياء المتحققة في الخارج تكون بمنزلة الرؤيا في تشبح المعاني باجسام مناسبة لها كما ظهرت الملائكة لداؤد عليه السلام في صورة خصمين ورفعت اليه القضية فعرف انه تشبح لما فرط منه في امرأة اوريا فاستغفر واناب، وكما كان عرض قدحي الخمر واللبن عليه صلى الله عليه وسلم واختياره اللبن تشبحا لعرض الفطرة والشهوات على امته واختيار الراشدين منهم الفطرة، وكما كان جلوس النبي صلى الله عليه وسلم وابي بكر وعمر مجتمعين على قف البئر وجلوس عثمان منفردا منهم تشبحا لما قدر الله تعالى من حال قبورهم و بذا فهم على ما اوّله سعيد بن المسيب وناهيك به و اكثر الوقائع الحشرية من هذا القبيل.

واعلم ان تعلق النفس الناطقة بالنسمة في شديد في حق اكثر الناس وانما مثلها بالنسبة الى العلوم البعيدة من مألوفها كمثل الاكمه لا يتخيل الالوان والاضواء اصلا ولا مطمع لها في حصول ذلك الا بعد احقاب كثيرة ومدد متطاولة في ضمن تشبحات وتمثلات، والنفوس اول ما تبعث تجازى بالحساب اليسير والعسير او بالمرور على الصراط ناجيا او مخدوشا او بان يتبع كل احد متبوعه فينجو او يهلك او تنطق الايدي والارجل وقراءة الصحف او بظهور ما بخل به او حمله على ظهره او الكي به، وبالجملة فتشبحات وتمثلات لما عندها بما تعطيه احكام الصورة

لہ یعنی اخروی زندگی اگر دنیاوی زندگی کا تتمہ اور اسی کا ایک سلسلہ نہ ہوتی تو عذاب دیئے جانیوالے لوگ کوئی اور لوگ ہوتے۔ وہ لوگ نہ ہوتے جو دنیا میں چلا ہو کر تھے ۱۲ مس لہ یہ قصہ اگر کسی کے نزدیک غلط ہو تو اسکی مثال دینے سے چنداں حرج واقع نہیں ہوتا۔ شاہ صاحبؒ ذاتی طور پر اس قصہ کے بدنما حصہ کو حذف کر کے ایک حد تک اسکو صحیح مانتے ہیں ملاحظہ ہو تاویل الاحادیث ۱۲ مس لہ تاکہ انکے روحانی احساسات تیز ہوں اور روحانی قوت بیدار ہو جائے جو دنیاوی زندگی میں خوابیدہ تھی ۱۲ مس لہ اس لئے دنیاوی ظلمات کے پردے ٹوٹ جائیں گے اور جو گمراہ تھا وہ علیٰ وجہ البصیرت تباہ ہو گا اور جو ہدایت یافتہ تھا وہ بھی علیٰ وجہ البصیرت سرخرو ہو گا ۱۲ مس

کے موافق متشکل اور مجسم ہوں گے اور ہر وہ انسان جس کا نفس پختہ اور وسیع اور روح ہوائی فراخ ہوگی تو یہ تمثیلات و تشکلات حشریہ اس کے حق میں خوب اور کامل طور پر ہوں گی۔[۱] اسی لئے نبی صلعم نے فرمایا ہے کہ "میری امت کو اکثر عذاب قبر ہی میں ہوگا"[۲] اور وہاں حشر میں بہت سے ایسے امور بھی متشکل ہوں گے جن کو سب لوگ برابر دیکھیں گے جیسے آنحضرت صلعم کی نبوتِ عامہ کی ہدایت حوض کوثر کی شکل میں اور نفوس انسانی کے محفوظ شدہ اعمال ترازو کی صورت میں ظاہر ہوں گے ان کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں ہوں گی۔ اور اسی طرح نعمتِ الٰہی نہایت لذیذ کھانوں، شراب طہور، لباس فاخرہ، حور مہ جبیں اور قصور دل نشیں کی صورت میں ظاہر ہوگی اور ظلماتِ تخلیط سے نجات پاکر نعمتِ الٰہی کی طرف آنے کے بہت سے عجیب عجیب طرز ہیں چنانچہ نبی صلعم نے اس شخص کا طویل حال بیان فرمایا ہے جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا۔ نفوس کو لوٹ تقاضے کے موافق خواہشات اور شہوات ہوں گی اور ان کے موافق نعمتِ الٰہی متمثل ہوگی اس کے علاوہ اور بھی شہوات ہوں گی جن کی وجہ سے ایک شخص دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے، چنانچہ نبی صلعم کی اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے فرماتے ہیں کہ میں جنت میں داخل ہوا تو ایک جوان لڑکی گندم گوں سرخ لب دکھائی دی، میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے جعفر ابن ابی طالب کی رغبت گندم گوں، سرخ لب لڑکی کی طرف پائی تو اسی کے موافق یہ عورت ان کے لئے پیدا کر دی۔" ایک اور جگہ نبی صلعم فرماتے ہیں کہ "جب تو جنت میں جاکر رہ جائیگا کہ یاقوت کے سرخ گھوڑے پر سوار ہوکر اسے ہر جگہ اڑاتا پھرے تو اسی وقت یہ بات تجھ کو حاصل ہو جائیگی اور تیری خواہش پوری ہو جائیگی۔" اور ایک جگہ فرمایا ہے "ایک جنتی شخص اپنے رب سے کاشتکاری کی اجازت چاہے گا خدا تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ کیا تجھ کو تیرے دل کے موافق ہر چیز نہیں دی گئی؟ عرض کرے گا کہ ہاں بے شک دی تو گئی ہے لیکن میں کھیتی سے بہت محبت رکھتا ہوں تب وہ بوئے گا اور جیسے ہی پلٹ کر دیکھے گا تو کھیتی اگ جائے گی اور پک پکا کر کٹ بھی جائیگی اور بھٹکے ہوئے اناج کے پہاڑوں جیسے ڈھیر لگ جائیں گے

النوعية وايما رجل كان اوثق نفسا واوسع نسمة فالتشبحات الحشرية في حقه اتم واوفى ولذلك اخبر النبي صلى الله عليه وسلم ان اكثر عذاب امته في قبورهم وهنالك تمثلات تستوي النفوس في مشاهدتها كالهداية المبسوطة ببعثة النبي صلى الله عليه وسلم تتشبح حوضا وتتشبح اعمالها المحصاة عليها وزنا الى غير ذلك وتتشبح النعمة بمطعوم هنئ ومشرب مرئ ومنكح شهى وملبس رضى ومسكن بهى.

والخروج من ظلمات التخليط الى النعمة تدريجات عجيبة كما بينه النبي صلى الله عليه وسلم في قصة الرجل الذي هو آخر اهل النار خروجا منها وان للنفوس شهوات تتوارد عليها من تلقاء نوعها تتمثل بها النعمة وشهوات دون ذلك يتميز بها بعضها من بعض وهو قول النبي صلى الله عليه وسلم دخلت الجنة فاذا جارية ادماء لعساء فقلت ما هذه يا جبريل؟ فقال ان الله تعالى عرف شهوة جعفر بن ابي طالب للادم اللعس فخلق له هذه وقوله صلى الله عليه وسلم ان الله ادخلك الجنة فلا تشاء ان تحمل فيها على فرس من ياقوتة حمراء تطير بك في الجنة حيث شئت الا فعلت وقوله ان رجلا من اهل الجنة استأذن ربه في الزرع فقال له الست فيما شئت قال بلى ولكني احب ان ازرع فبذر فبادر الطرف نباته واستواؤه واستحصاده فكان امثال الجبال

[۱] یعنی جستہ رجحانات زیادہ ہوں گے انکو زائل کرنے کے لئے اسی قدر زیادہ کوشش درکار ہوگی ۱۲ مص عفی عنہ

[۲] یعنی یہ امت بہ نسبت سابقہ امتوں کے کمزور ہے اس کو تمثیلاتِ حشریہ کی زیادہ ضرورت نہیں ہوگی یہ تھوڑی بات جلد سمجھ جائیں گے ۱۲ مص [۳] یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ ایک جہنمی شخص عرض کریگا اے اللہ! مجھ کو جہنم کی گرمی اور آگ نے جھلس دیا ہے تو اپنی رحمت سے مجھ کو محروم نہ فرما حکم ہوگا کہ تو کیا چاہتا ہے وہ عرض کریگا کہ میرا منہ آگ سے پھیر دے اسکے سوا اور کچھ نہیں چاہتا۔ اس پر وہ پکا عہد کریگا پھر جب اس کا منہ پھر جائیگا تو جنت کے سایہ دار درخت دکھائی دیں گے تب وہ صبر نہ کر سکے گا اور عرض کریگا کہ اے اللہ! ان درختوں تک مجھ کو پہنچا دے پھر میں اور کچھ نہیں مانگوں گا تب اس سے خدا تعالیٰ عہد لیکر اسکو ان درختوں کے پاس لے جائیگا وہ نہادھو کر صاف ستھرا ہوگا پھر جنت کی اندکے عیش و سامان دیکھ کر بکا بکا ہو جائیگا اور تھوڑی دیر دل تھام کر بیٹھے گا لیکن وہ نہ سکے گا آخر سوال کریگا الحدیث ۱۲ مترجم [۴] آپ کو تعجب اس لئے ہوا کہ عربی مزاج کے لحاظ سے وہ لڑکی خوبصورت نہ تھی تو جو خوبصورت نہ ہو اس کا یہاں کیا کام؟ مص [۵] حبشہ میں اس قسم کی لڑکی کو خوبصورت سمجھا جاتا ہے جعفر بن ابی طالب پہلی ہجرت میں کئی برس تک حبشہ میں رہے تھے ۱۲ مص

تب خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ اے ابنِ آدم بلے، تیرا پیٹ کسی چیز سے نہیں بھرتا۔ پھر ان سب چیزوں کے بعد خدا تعالیٰ کے دیدار کی تجلیات سے مشک کے ٹیلوں پر چڑھ کر فیضیاب ہوں گے اس کے بعد کچھ اور بھی ہوگا جس کو میں رسول اللہ صلعم کی اقتداء کرتے ہوئے ذکر نہیں کرتا اور سکوت اختیار کرتا ہوں۔ (کیونکہ نبی صلعم نے بھی اس بارے میں سکوت فرمایا ہے)۔

فیقول اللہ تعالیٰ دونك یا ابن آدم فانه لا یشبعك شیٔ ثم اٰخر ذٰلک رؤیة رب العالمین وظهور سلطان التجلیات فی جنة الکثیب ثم کائن بعد ذٰلک ما اسکت عنه ولا اذکره اقتداء بالشارع صلی اللہ علیه وسلم۔

مبحثِ سوم:- تدبیراتِ نافعہ کا بیان

المبحث الثالث مبحث الارتفاقات

پہلا باب[۱۸]: تدبیراتِ نافعہ کے حصول کی کیفیت

باب کیفیة استنباط الارتفاقات

واضح ہو کہ ہر انسان کھانے، پینے، نکاح کرنے، گرمی اور بارش میں سایہ حاصل کرنے اور سردی میں گرمی حاصل کرنے اور اسی طرح کی دیگر حاجات میں اپنے ہمجنسوں کے مشابہ ہے اور خدا تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت سے انسان کو اس کی صورت نوعیہ کے موافق اس بات کا طبعی الہام کیا ہے کہ وہ اپنی حاجات کو رفع کرنے کیلئے کیا کیا تدابیر اختیار کرے۔ چنانچہ اس صفت میں سب برابر کے شریک ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی فطری طور پر ہی ناقص الخلقت ہو اور اس کا مادہ ساتھ نہ دے تو وہ الگ بات ہے۔ دیکھئے شہد کی مکھیوں کو اس نے الہام کیا کہ وہ درختوں کے پھل اس طرح کھائیں اور اپنے ہم جنسوں کے باہم رہنے کیلئے اس طرح گھر بنائیں اور پھر اپنی سردار مکھی (ملکہ) کی اس طرح اطاعت کریں اور پھر اس طرح شہد بنائیں اور اسی طرح پرندوں کو وحی کی کہ وہ اس طرح کہیں سے دانے چن کر لائیں اور پانی اس طرح پئیں اور بلی، شکاری جیسے دشمنوں سے اسطرح بھاگ کر اڑ جائیں اور جو بھی انکی ضروریات میں مانع ہو اس سے اسطرح جنگ کریں اور بوقتِ خواہش نر، مادہ سے کس کس طرح جفتی کریں اور پھر وہ دونوں مل کر پہاڑ پہ کس طرح گھونسلا بنائیں اور پھر وہ دونوں انڈوں کے سینے میں ایک دوسرے کے اس طرح معاون بنے رہیں اور پھر اس طرح بچے نکالیں اور انہیں چگائیں۔ غرض اسی طرح ہر نوع کی ایک جداگانہ شریعت (طور طریق) ہے۔ ہر فرد کے دل میں اس کی صورتِ نوعیہ کے موافق احکام کا الہام ہوتا رہتا ہے چنانچہ

اعلم ان الانسان یوافق ابناء جنسه فی الحاجة الی الاکل والشرب والجماع والاستظلال من الشمس والمطر والاستدفاء فی الشتاء وغیرها، وکان من عنایة اللہ تعالیٰ به ان الهمه کیف یرتفق باداء هٰذه الحاجات الهاما طبیعیا من مقتضی صورته النوعیة فلا جرم یتساوی الافراد فی ذٰلک الا کل نادر عصت مادته کما الهم النحل کیف تأکل الثمرات ثم کیف تتخذ بیتا یجتمع فیه اشخاص من بنی نوعها ثم کیف تنقاد لیعسوبها ثم کیف تعسل وکما الهم العصفور کیف یبتغ الحبوب الغاذیة وکیف یرد الماء وکیف یفرعن السنور والصیاد وکیف یقاتل من صده عما یحتاج الیه وکیف یسافد ذکره الانثی عند الشبق ثم یتخذان عشا عند الجبل ثم کیف یتعاونان فی حضانة البیض ثم کیف یزقان الفراخ، وکذٰلک لکل نوع شریعة تنفث فی صدور افراده من طریق صورة النوعیة وکذٰلک

له یہ سب خاص خاص خواہشوں کی مثالیں ہیں جو وہاں پوری کی جائیں گی ۱۲

انسان کو بھی اس کی ضروریات کی بابت الہام ہوا کہ وہ ان کو رفع کرنے کے
لئے کیا کیا تدابیر اختیار کرے مگر اس قدر فرق ہے کہ اسکی صورتِ نوعیہ کے اقتضاء کے
موافق ان باتوں کے علاوہ اسکو تین اور ایسی باتیں دی گئی ہیں جن سے وہ تمام انواع پر
فائق شمار کیا گیا ہے اوّل رائے کلی کے موافق کسی چیز کا ارادہ کرنا چنانچہ چوپایوں کو صرف
طبعی خواہش کسی محسوس یا موہوم غرض کو پورا کرنے کیلئے آمادہ کرتی ہے جیسے بھوک
پیاس اور شہوت جماع۔ برخلاف انسان کے کہ وہ ایسے معقول نفع کیلئے قصد کرتا ہے
جو اسکی طبیعت کیطرف سے نہیں ہوتا چنانچہ کبھی تو وہ ملک و شہر میں عمدہ نظام قائم کرنیکا
قصد کرتا ہے اور کبھی اپنے اخلاق کی تکمیل اور نفس کی تہذیب کرتا ہے اور کبھی عذابِ آخرت
سے رستگاری کی فکر کرتا ہے اور کبھی لوگوں سے وجاہت حاصل کرنیکا قصد کرتا
ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ ان حاجات کے پورا کرنے میں عمدگی اور لطافت بھی چاہتا
ہے چنانچہ چوپائے صرف اپنی حاجت برآری سے کام رکھتے ہیں لیکن انسان حاجت
روائی کے علاوہ اپنے دل کی خوشی اور جی کی لذت بھی چاہتا ہے قدر حاجت
پر بس نہیں کرتا چنانچہ وہ حسین بیوی لذیذ کھانے عمدہ لباس اور بلند
مکان پسند کرتا ہے۔ سوم یہ کہ نوع انسانی میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنی عقل
اور دانشمندی سے عمدہ عمدہ تدبیراتِ نافعہ سوچتے اور اختیار کرتے ہیں اور اسمیں
وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے دلوں میں وہی تدبیرات آتی ہیں جو دانشمندوں
کے دل میں آتی ہیں لیکن یہ لوگ خود استنباط کر کے ان کو اختیار نہیں کر سکتے۔ چنانچہ
یہ جب کسی دانا شخص کو تدبیر و استنباط کرتے ہوئے دیکھتے یا سنتے ہیں تو اس کی تدبیر
کو دل سے پسند کرتے ہیں اور اس کو اپنے علم اجمالی کے موافق پاکر اس کے پابند
ہو جاتے ہیں۔ بہت سے آدمی آپ کو ایسے ملیں گے جو بھوکے اور پیاسے ہوتے
ہیں اور کھانا پانی نہ ملنے کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھاتے ہیں لیکن جب انکو وہ کھانا
پانی مل جاتا ہے تو اپنی حاجت رفع کرنے کے لئے اس کے موافق تدبیریں بھی
کرتے ہیں مگر اچھی طرح نہیں کر سکتے۔ پھر اتفاق سے جب کسی دانشمند اور حکیم کو بھی ایسے
حالات پیش آتے ہیں تب کھانے کے قابل اناج کی تمیز کرنا اسکی زراعت کرنا، اسمیں پانی سینچنا اور
پھر اسکو کاٹ کر خرمن کو کوٹ کر ہوا میں صاف کرنا اور آئندہ حاجت کیلئے جمع کر کے رکھنا سکھاتے ہیں۔

الهم الانسان كيف يرتفق من هذه الضروريات غير
انه انضم له مع هذا ثلاثة اشياء لمقتضى صورته
النوعية الرابية على كل نوع احدها الانبعاث
الى شئ من رأى كلى فالبهيمة انما تنبعث الى غرض
محسوس او متوهم من داعية ناشئة من طبيعتها
كالجوع والعطش والشبق والانسان ربما ينبعث
الى نفع معقول ليس له داعية من طبيعته
فيقصد ان يحصل نظاما صالحا فى المدينة او
يكمل خلقه ويهذب نفسه او يتفصى من عذاب
الآخرة او يمكن جاهه فى صدور الناس الثانى
انه يضم مع الارتفاق الظرافة فالبهيمة انما
تبتغى ما تسد به خلتها وتدفع حاجتها فقط و
الانسان ربما يريد ان تقر عينه وتلذ نفسه زيادة
على الحاجة فيطلب زوجة جميلة وطعاما لذيذا و
ملبسا فاخرا ومسكنا شامخا، والثالث انه يوجد منهم
اهل عقل ودراية يستنبطون الارتفاقات الصالحة
ويوجد منهم من يختلج فى صدره ما اختلج فى صدر اولئك
ولكن لا يستطيع الاستنباط فاذا رأى من الحكماء وسمع
ما استنبطوه تلقاه بقلبه وعض عليه بنواجذه لما
وجده موافقا لعلمه الاجمالى فرب انسان يجوع ويظمأ
فلا يجد الطعام والشراب فيقاسى المشاق الشديدة حتى يجد هما
فيحاول ارتفاقا بازاء هذه الحاجة ولا يهتدى سبيلا
ثم يتفق ان يلقى حكيما اصابه ما اصابه فذلك فتتبع الحبوب
الغاذية واستنبط بذرها وسقيها وحصادها ودياسها
وتذريتها وحفظها الى وقت الحاجة واستنبط حفر

اور اسی طرح چشموں اور نہروں سے بعید زمین کے لئے کنوئیں کھودنا تالاب مشکیزے اور رہٹ کے ڈونگے بنانا ایجاد کرتے ہیں بس انکی تدبیرات کا ایک دروازہ کھل جاتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ بھوکا پیاسا کچا اناج چباتا ہے جو اسکے معدہ میں ہضم نہیں ہوتا اور کچے پھل کھاتا ہے وہ اسکے پیٹ میں نہیں پچتے تب وہ اس بارہ میں کچھ کوشش کرتا ہے مگر کامیاب نہیں ہوتا اسی اثنا میں وہ کسی ایسے حکیم و دانا شخص سے ملتا ہے جسکو پکانا بھوننا اور روٹی پکانا آتا ہے وہ اسکو دیکھ کر ایک اور راہ اختیار کرلیتا ہے اور اسپر تدبیرات کا دوسرا دروازہ بھی کھل جاتا ہے پس اس پر انسان کی دیگر تمام حاجات کو قیاس کرلینا چاہیئے ان وجوہات سے جنکا ہم ابھی ذکر کرچکے ہیں ایک غور کرنیوالا شہروں میں ایسی تدابیر کو پاتا ہے جو پہلے ان میں نہ تھیں زمانہ گذرتا گیا اور لوگ اسی طرح کرتے رہے حتی کہ ایک مقدار معین ایسے علوم الہامیہ کی جنکو تجربات کی مدد ملتی رہی تھی اور جو لوگوں کے دلوں میں پیوست ہو گئے تھے حاصل ہو گئی اور انہی پر زندگی اور موت کا دارومدار ہے۔ **حاصل کلام** الہامات ضروریہ مع اپنے تینوں اقسام کے سانس اور نبض کے مانند ہیں کہ دونوں کا اصل وجود نہایت ضروری ہے باوجودیکہ چھوٹے اور بڑے سانس لینے میں اختیار ہے ؎

اور جبکہ یہ تینوں باتیں تمام انسانوں میں برابر درجہ کی نہیں پائی جاتیں کیونکہ مزاج اور عقول جن سے رائے کلی کا حصول ہوتا ہے لوگوں میں مختلف ہیں بعض لوگ ذہین ہوتے ہیں انکے حالات تدابیر کے حاصل کرنے میں غور و فکر اور پیروی کرنے میں یکساں نہیں ہوتے علاوہ بریں بہت سی باتیں وجہ تفاوت بنجاتی ہیں اسلئے تدابیر کی دو حدیں مقرر ہوئیں **حد اول**۔ یعنی تدابیر کا کم سے کم درجہ جس سے کسی کو مفر نہیں وہ درجہ ہے جس میں جنگلی پہاڑی اور مہذب بستیوں کے دور دراز رہنے والے لوگ سب شریک ہیں اسکو ہم اپنی اصطلاح میں **ارتفاق اول** کہتے ہیں۔ **حد دوم** یعنی وہ اعلی درجہ جس میں شہروں اور آباد بستیوں کے لوگ شریک ہیں جہاں حکما اور عمدہ اخلاق کے لوگ پیدا ہوتے ہیں کیوں کہ ایسی جگہوں میں اکثر لوگوں کا اجتماع رہتا ہے ضروریات اور تجربات سے واسطہ پڑتا ہے اور ایک عمدہ معاشرت پیدا ہو جاتی ہے جس کو ہر شخص دل و جان سے پسند کرتا ہے اس حد کی طرف اعلی وہ ہے جس کو سلاطین عمل میں لاتے ہیں جہاں پورے سامان تعیش کی وجہ سے اطراف و جوانب کے حکماء جمع ہو کر ایک عمدہ طریقہ معاشرت پیدا کرتے ہیں اسکو ہم **ارتفاق دوم** کہتے ہیں ؎ ؎ ؎ ؎

الأبار للبعيد من العيون والانهار واصطناع القلال والقرب والقصاع فيتخذ ذلك بابا من الارتفاق ثم انه يقضم الحبوب كما هي فلا تنهضم في معدته ويرتع الفواكه نيئة فلا تنهضم فيحاول شيئا بازاء هذه فلا يهتدي سبيلا فيلقى حكيما استنبط الطبخ والقلي والطحن والخبز فيتخذ ذلك بابا اخر وقس على ذلك حاجاته كلها والمستبصر يشهد عنده لما ذكرنا حدوث كثير من المرافق في البلدان بعد ما لم تكن فمضى على ذلك قرون ولم يزالوا يفعلون ذلك حتى اجتمعت جملة صالحة من العلوم الالهامية المؤيدة بالمكتسبة ونشبت عليها نفوسهم وعليها كان محياهم ومماتهم، وبالجملة فحال الالهامات الضرورية مع هذه الاشياء الثلاثة كمثل التنفس اصله ضروري بمنزلة حركة النبض وقد انضم معه الاختيار في صغر الانفاس وكبرها ؎

ولما كانت هذه الثلاثة لا توجد في جميع الناس على لاختلاف امزجة الناس وعقولهم الموجبة للانبعاث عن راي كلي وحب لظرافة ولاستنباط الارتفاقات والاقتداء فيها ولاختلافهم في التفرغ للنظر ونحو ذلك من الاسباب كان للارتفاقات حدان، الاول هو الذي لا يمكن ان ينفك عنه اهل الاجتماعات القاصرة كاهل البدو وسكان شواهق الجبال والنواحي البعيدة من الاقاليم الصالحة وهو الذي نسميه بالارتفاق الاول، والثاني ما عليه اهل الحضر والقرى العامرة من الاقاليم الصالحة المستوجبة ان ينشأ فيها اهل الاخلاق الفاضلة والحكماء فانه كثر هنالك الاجتماعات وازدحمت الحاجات وكثرت التجارب فاستنبطت سنن جزيلة وعضوا عليها بالنواجذ والطرف الاعلى من هذا الحد ما يتعامله الملوك اهل الرفاهية الكاملة الذين يرد عليهم حكماء الامم فينتحلون منهم سننا صالحة وهو الذي نسميه بالارتفاق الثاني ولما كمل

جب یہ ارتفاق پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے تو ارتفاق سوم پیدا ہو جاتا ہے یہ اسوقت ہوتا ہے جب لوگ بخیل حاسد اور نادہند ہو جاتے ہیں انمیں اختلافات اور جھگڑے پڑ جاتے ہیں، بری خواہشات سے مغلوب اور دلیری سے لوٹ مار کرنیکے عادی ہو جاتے ہیں کیونکہ ایسے لوگ تدابیر کی نفع رسانی میں ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں اور ان سب کو عملی صورت دینے کیلئے ایک شخص میں طاقت نہیں ہوتی یا اسکو سہولت نہیں ملتی یا اتنا باہمت نہیں ہوتا تو مجبوراً سب ملکر ایک رئیس مقرر کرتے ہیں جو ان میں عدل و انصاف سے فیصلے کرے جو مجرم اور سرکش لوگوں کو سزا دے جو لوگوں سے محصول و مالگذاری وصول کر کے ضروری مصارف پر خرچ کرے۔ اس تیسرے ارتفاق سے ارتفاق چہارم پیدا ہوتا ہے یہ اسوقت ہوتا ہے جب ہر رئیس اپنے اپنے شہر کا خود مختار ہو جاتا ہے ہر طرف سے اسکے پاس مال جمع ہونے لگتا ہے اور وہ اسمیں حق تلفی کرتا ہے اور آپس میں بخل، حرص اور رنجش پیدا ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے باہم قتال کرنے لگتے ہیں اور انکو ایک خلیفہ منتخب کرنے کی ضرورت پڑتی ہے یا ایسے شخص کو تسلیم کریں جسکا ان پر تسلط خلافت کبریٰ کیطرح ہمہ گیر ہو اور ہماری مراد خلیفہ سے ایسا شخص ہے جسکو اس درجہ شان و شوکت حاصل ہو کہ کوئی اسکے ملک چھین نہ سکتا ہو اور کثیر جماعتیں اور کثیر اموال کے خرچ کے بغیر کوئی اس سے تعرض نہ کر سکتا ہو۔ ایسے شخص زمانہ دراز کے بعد کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں، اور لوگوں کی اختلاف عادات کیوجہ سے خلیفہ بھی مختلف الحال ہوتا ہے اور جس قوم کی طبیعت میں شدت اور تیزی زیادہ ہوتی ہو وہ بہ نسبت ان لوگوں کے جنمیں بخل و عداوت کم ہوتی ہے خلفاء اور ملوک کی زیادہ محتاج ہوتی ہے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ ان تدابیر اور معاشرے کے اصول اسی طرح بتلا دیں جس طرح مہذب اور صاحب اخلاق قوموں نے پسند کیا اور طریقہ کار بنایا ہے جن میں چھوٹے بڑے سب شریک ہیں۔ پس جو کچھ آپ کو بتلایا جائے اس کو غور سے سُنئے ٭

دوسرا باب (۱۹) :- ارتفاق[1] اول کا بیان

منجملہ اس کے لغت ہے جسکے ذریعہ انسان دلی امور بیان کرتا ہے اور اس بارہ میں اصل افعال، ہیئت اور اجسام ہیں جن کا کسی نہ کسی آواز سے تعلق ہوتا ہے خواہ یہ تعلق قرب کا ہو یا سببیت کا ہو یا کسی اور وجہ سے ہو پس ہو بہو اس آواز کو لغت کے ذریعہ نقل کیا جاتا ہے پھر اس لغت سے باعتبار معانی کے مختلف صیغے بنائے جاتے ہیں ٭ ٭ ٭

الارتفاق الثانی اوجب ارتفاقا ثالثا وذلك انهم لما دارت بينهم المعاملات ودا خلها الشح والحسد والمطل والتجاحد نشأت بينهم اختلافات ومنازعات وانهم نشأ فيهم من تغلب عليه الشهوات الرديئة او يجبل على الجراءة فى القتل والنهب وانهم كانت لهم ارتفاقات مشتركة النفع لا يطيق واحد منهم اقامتها ولا تسهل عليه او لا تسمح نفسه بها فاضطروا الى اقامة ملك يقضى بينهم بالعدل ويزجر عاصيهم ويقاوم جريئهم ويجبى منهم الخراج ويصرفه فى مصرفه واوجب الارتفاق الثالث ارتفاقا رابعا وذلك انه لما انفرز كل ملك بمدينته وجبى اليه الاموال وانضم اليه الابطال وداخلهم الشح والحرص والحقد تشاجروا فيما بينهم وتقاتلوا فاضطروا الى اقامة الخليفة او الانقياد لمن تسلط عليهم تسلط الخلافة الكبرى واعنى بالخليفة من يحصل له من الشوكة ما يرى معه كالممتنع ان يسلبه رجل آخر ملكه اللهم الا بعد اجتماعات كثيرة وبذل اموال خطيرة لا يتمكن منها الا واحد فى القرون المتطاولة ويختلف الخليفة باختلاف الاشخاص والعادات واى امة طبائعها اشد واحد فهى احوج الى الملوك والخلفاء ممن هى دونها فى الشح والشحناء، ونحن نريد ان ننبهك على حصول هذه الارتفاقات وفهارس ابوابها كما اوجبه عقول الامم الصالحة ذوى الاخلاق الفاضلة واتخذوا سنة مسلمة لا يختلف فيها اقاصيهم ولا ادانيهم فاستمع لما يتلى عليك ؛

باب الارتفاق الاول

منه اللغة المعبرة عما فى ضمير الانسان والاصل فى ذلك افعال وهيآت واجسام تلابس تلبسا ما بالمجاورة او التسبب وغيرهما فيحكى ذلك الصوت كما هو ثم يتصرف فيه باشتقاق الصيغ بازاء اختلاف المعانى ويشبه

[1] ارتفاق سے مراد تدابیر اولیٰ ہے۔

اور جو امور نظروں میں مؤثر معلوم ہوتے ہیں یا نفس کی ہیئتِ وجدانیہ سے پیدا ہوتے ہیں ان سب کو قسم اول کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور بہ تکلف ہو بہو اسیطرح کی آواز بناتے ہیں۔ پھر بسبب مجاز کے جسمیں مشابہت یا مجاورت کا تعلق ہو یا بذریعہ نقل کے جو کسی علاقہ کیوجہ سے واقع ہو لغات میں اور بھی وسعت دیجاتی ہے۔ اس بارہ میں اور بھی قواعد ہیں جنکو آپ ہماری بعض تقریروں میں پائینگے منجملہ اسکے کھیتی کرنا، درخت لگانا، کنوئیں کھودنا، کھانا اور سالن پکانا نیز منجملہ اسکے برتن اور مشکیزے بنانا ہے منجملہ اسکے چوپایوں کو اپنے قابو میں کرنا اور جمع کرکے رکھنا ہے تاکہ ان پر بوجھ لادا جائے اور ان کے گوشت، کھال، بال، اون، دودھ اور بچوں سے نفع حاصل کیا جائے۔ منجملہ اسکے جائے سکونت ہے جو اسکو گرمی، سردی سے محفوظ رکھے خواہ پہاڑ کی کوئی کھو ہو یا پھونس کا جھونپڑا ہو یا کچھ اور ہو۔ منجملہ اسکے لباس ہے جو پروں کے قائم مقام ہے خواہ چوپایوں کے چمڑے کا ہو یا درختوں کے پتوں کا ہو یا ہاتھ سے بنا ہوا ہو۔ منجملہ اسکے کسی عورت سے عقد کرنا ہے جس میں کوئی اور شریک نہ ہو اس سے اپنی شہوت پوری کرے پیدائش نسل کرے اور امور خانہ داری میں اولاد کی پرورش اور تربیت میں اس سے مدد لے۔ انسان کے علاوہ دوسرے حیوانات میں زوجیت محض اتفاق کا نام ہے جو نر مادہ میں کسیوجہ سے یا ایک ساتھ پیدا ہونے اور دونوں کا بلوغ تک اکٹھا رہنے سے یا کسی اور بات کیوجہ سے پیدا ہوجاتا ہے۔ منجملہ اسکے ایسے آلات کا حاصل کرنا ہے جنکے بغیر کھیتی کرنا، درخت لگانا، کنواں کھودنا اور چوپایوں کا مسخر کرنا وغیرہ نہیں ہوسکتا، جیسے پھاوڑا، ڈول، ہل، رسیاں اور اسکے علاوہ دوسرے آلات ہیں۔ منجملہ اسکے اشیاء کا تبادلہ اور دوسرے معاملات جو بعض امور میں ضروری ہیں سیکھے۔ منجملہ اسکے انمیں سب سے زیادہ سلیم الرائے اور زور آور کا پیدا ہونا ہے جو دوسروں کو مغلوب کرکے انکا سردار بنجائے اور کسی نہ کسی طرح اپنی سرداری کو باقی رکھے۔ منجملہ اسکے یہ ہے کہ انمیں کوئی ایسا پختہ طریقہ ہو جسکی رو سے انکے معاملات کے فیصلے کئے جائیں۔ ظالم کو ظلم کی سزا ملے اور جو کوئی جنگ کا ارادہ رکھتا ہو تو اسکو روک دیا جائے۔ اور ہر قوم میں ایسے شخص کا ہونا بھی ضروری ہے جو مہتم بالشان امور میں تدابیر کے طریقے وضع کرے جسکا اور لوگ اتباع کریں۔ اور انمیں ایسے بھی ہوتے ہیں جو زینت، عیش و آرام اور سہولت کو پسند کرتے ہیں خواہ وہ کسیطرح سے ہو۔ اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے اخلاق شجاعت، سخاوت، فصاحت اور دانائی وغیرہ پر فخر کرتے ہیں۔ اور بعض اس بات کو دوست رکھتے ہیں کہ انکے نام کی شہرت ہو اور لوگوں میں عزت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بڑا احسان کیا کہ اپنی کتاب عظیم میں اس

امور موثرة فی الابصار او محدثة لهيات وجدانية فی النفس بالقسم الاول ويتكلف له صوت كمثله ثم اتسعت اللغات بالتجوز لمشابهة او مجاورة والنقل لعلاقة ما، وهنالك اصول اخرى ستجدها فی بعض كلامنا، ومنه الزرع والغرس وحفر الآبار وكيفية الطبخ والائتدام، ومنه اصطناع الاوانی والقرب، ومنه تسخير البهائم واقتناؤها ليستعان بظهورها ولحومها وجلودها واشعارها واوبارها والبانها واولادها، ومنه مسكن يؤويه من الحر والبرد من الغيران والعشوش ونحوها، ومنه لباس يقوم مقام الريش من جلود البهائم او اوراق الاشجار او مما عملت ايديهم، ومنه ان اهتدى لتعيين منكوحة لا يزاحمه فيها احد يدفع بها شبقة ويذرأ بها نسله ويستعين بها فی حوائجه المنزلية وفی حضانة الاولاد وتربيتها وغير الانسان لا يعينها الا بنحو من الاتفاق او بكونهما توأمين ادركا على المرافقة ونحو ذلك، ومنه ان اهتدى لصناعات لا يتم الزرع والغرس والحفر وتسخير البهائم وغير ذلك الا بها كالمعول والدلو والسكة والحبال ونحوها ومنه ان اهتدى لمبادلات ومعاونات فی بعض الامر، ومنه ان يقوم اشدهم رايا واشدهم بطشا فيسخر الآخرين ويراس ويربع ولو بوجه من الوجوه، ومنه ان تكون فيها سنة مسلمة لفصل خصوماتهم وكبح ظالمهم ودفع من يريد ان يغزوهم ولا بد ان يكون فی كل قوم من يستنبط طرق الارتفاق فيما يهمهم شانه فيقتدی به سائر الناس وان يكون فيهم من يحب الجمال والرفاهية والدعة ولو بوجه من الوجوه، ومن يباهی باخلاقه من الشجاعة والسماحة والفصاحة والكيس وغيرها ومن يحب ان يطير صيته ويرتفع جاهه وقد من الله تعالى فی كتابه العظيم على عباده بالهام شعب هذا الارتفاق لعلمه بان التكليف بالقرآن يعم اصناف الناس وانه لا يشملهم

اور ارتفاق کی یہ نوع ان سب میں پائی جاتی ہے والله اعلم +

تیسرا باب ۲۰ :- آداب معاش کا فن -

آداب معاش اس علم کا نام ہے جسمیں حد ثانی پر اُن حاجات کی تدابیر سے بحث کیجاتی ہے جو پہلے بیان کی جا چکی ہیں اور اس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ارتفاق اول کو صحیح تجربہ کے موافق کرنا چاہیے پس جو صورتیں ضرر بعید اور نفع رساں ہوں انکو اختیار کرنا چاہیے اور دوسری سب تدابیر کو چھوڑ دینا چاہیے اور اسیطرح ان اخلاق حمیدہ کے موافق کرنا چاہیے جو کامل مزاجوں کی فطرت میں ہیں پس جنکا اخلاق حمیدہ تقاضا کریں انکو اختیار کرنا چاہیے اور باقی سبکو چھوڑ دینا چاہیے - اور اسیطرح حسن صحبت جو لوگوں میں موجود ہے اور باہمی مشارکت اور اسکے مثل وہ مقاصد جو رائے کلی نے پیدا ہوتے ہیں ان سب کے موافق کرنا چاہیے - اس فن کے بڑے مسائل یہ ہیں :- کھانے پینے چلنے بیٹھنے سونے سفر کرنیکے آداب قضائے حاجت، جماع، لباس، مکان، پاکیزگی، زینت اور باہمی بات چیت کے آداب - دوا کرنے، آفات میں جھاڑ منتر کرنے، ہجوم حوادث میں پیش بینی کرنے اور ولادت، نکاح، عید، قدوم مسافر وغیرہ کی خوشی میں ولیمہ کے آداب مصائب کیوقت ماتم کرنے، مریضوں کی عیادت کرنے اور میت کے دفن کرنے کے آداب سے واقف ہونا ہے کیونکہ آباد شہروں میں رہنے والے جسقدر صحیح المزاج اور معتبر لوگ ہیں سب اس پر متفق ہیں کہ بُرا کھانا نہ کھانا چاہیے جیسے مردار جو اپنی موت کے مرا ہو اور متعفن اور وہ حیوان جسمیں اعتدال مزاج اور انتظام اخلاق نہ ہو - اور برتن میں کھانا رکھنا اور دسترخوان وغیرہ چیزوں پر رکھکر کھانا، منہ اور ہاتھوں کا کھاتے وقت صاف کرنا سب کے نزدیک مستحب ہے اور اسطرح کھانے سے جس میں حماقت یا حرص پائی جائے یا وہ طریقہ ساتھ والوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرے، احتراز واجب ہے - اور متعفن پانی کو نہ پیا جائے اور جانوروں کی طرح منہ سے پانی پینے اور گٹ گٹا کر پینے سے بچا جائے اور سب کا اسپر اتفاق ہے کہ بدن، لباس اور مکان دونوں قسم کی نجاستوں سے پاک وصاف رکھنا چاہیے - قسم اول وہ نجاستیں ہیں جن میں بدبو اور تعفن ہے - قسم دوم وہ میل کچیل ہے جو طبعی طور پر پیدا ہوتا ہے جیسے گندہ دہنی جو مسواک سے دور کی جاتی ہے اور جیسے بغل اور زیر ناف کے بال کپڑوں کا میل اور گھر کا کوڑہ کرکٹ - اور اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ آدمی لوگوں میں پاک وصاف رہے + + + + + + + + +

جميعا الاهذا النوع من الارتفاق والله اعلم +

باب فن اداب المعاش

وهى الحكمة الباحثة عن كيفية الارتفاق من الحاجات المبنية من قبل على الحد الثانى والاصل فيه ان يعرض الارتفاق الاول على التجربة الصحيحة فى كل باب فيختار الهيئات البعيدة من الضرر القريبة من النفع ويترك ماسوى ذلك وعلى الاخلاق الفاضلة التى يجبل عليها اهل الامزجة الكاملة فيختار ما توجبه وتقتضيه ويترك ماسوى ذلك وعلى حسن الصحبة بين الناس وحسن المشاركة معهم ونحو ذلك من المقاصد الناشئة من الرأى الكلى ومعظم مسائله اداب الاكل والشرب والمشى والقعود والنوم والسفر والخلاء والجماع واللباس والمسكن والنظافة والزينة ومراجعة الكلام والتمسك بالادوية والرقى فى العاهات وتقدمة المعرفة فى الحوادث المجمعة والولائم عند عروض فرح من ولادة ونكاح وعيد وقدوم مسافر وغيرها والمأتم عند المصائب وعيادة المرضى ودفن الموتى فانه اجمع من يعتد به من اهل الامزجة الصحيحة سكان البلدان المعمورة على ان لا يوكل الطعام الخبيث كالميت حتف انفه والمتعفن والحيوان البعيد من اعتدال المزاج وانتظام الاخلاق ويستحبون ان يوضع الطعام فى الاوانى وتوضع هى على السفر ونحوها وان ينظف الوجه واليدان عند ارادة الاكل ويحترز عن هيآت الطيش والشره والتى تورث الضغائن فى قلوب المشاركين وان لا يشرب الماء الاجن وان يحترز من الكرع والعب واجمعوا على استحبابا لنظافة نظافة البدن والثوب والمكان عن شيئين عن النجاسات المنتنة المتقذرة وعن الاوساخ النابتة على نهج طبيعى كالبخر يزال بالسواك كشعر الابط والعانة وكتوسخ الثياب واعشيشاب البيت وعلى استحباب ان يكون الرجل شامة بين الناس قد سوى

اس کا لباس درست ہو سر اور ڈاڑھی میں کنگھی کرنے اور عورت جب کسی کے نکاح میں ہو تو مہندی اور زیورات وغیرہ سے مزین رہے اور چونکہ برہنگی عیب اور لباس زینت ہے اور دونوں شرمگاہوں کا کھلا رکھنا بے شرمی ہے اور پورا لباس وہ ہے جس سے تمام بدن چھپا رہے اور شرمگاہ چھپانے کا لباس باقی بدن چھپانے کے لباس سے جدا ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ خواب یا نجوم یا شگون یا فال یا کہانت یا رمل وغیرہ سے کسی چیز کا پہلے سے معلوم ہو جانا معیوب ہے۔ اور جو شخص مزاج صحیح اور ذوق سلیم رکھتا ہے وہ اپنے کلام میں ضرور ایسے الفاظ استعمال کریگا جن میں بے تعلقی اور زبان پر گرانی نہ ہو اور کلام میں ایسی ترکیب اختیار کریگا جو نہایت درست ہو اور طرز کلام بھی ایسا رکھے گا کہ دل و کان اسکی طرف مائل ہوں۔ پس ایسا شخص فصاحت اور خوش بیانی کی میزان ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہر باب میں اجماعی مسائل کو تمام شہر والوں نے تسلیم کیا ہے گو وہ ایک دوسرے سے دور دراز ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کے بعد آداب معیشت کے قواعد مرتب کرنے میں لوگ مختلف ہیں۔ پس عالم طبیعت قواعد طب کے مستحسنات کو پسند کرتا ہے اور نجومی ستاروں کی خاصیت کا لحاظ رکھتا ہے اور الٰہیات کا واقف اخلاص و احسان کی رعایت کرتا ہے جیسا کہ آپ انکی کتابوں میں مفصل پاتے ہیں اور ہر قوم کی عادت و روش جدا جدا ہے کیونکہ انکے مزاج عادات و دیگر امور میں اختلاف ہے +

چوتھا باب ۲۱:- خانگی تدابیر کا بیان

یہ وہ علم ہے جسمیں ارتفاق ثانی پر اس رابطہ اور تعلق کے تحفظ کی کیفیت سے بحث کیجاتی ہے جو ایک مکان کے رہنے والوں میں ہوا کرتا ہے اور اسکے چار حصے ہیں ازدواج، ولادت، مالک ہونا اور باہمی صحبت، اسکی اصل یہ ہے کہ حاجت جماع نے مرد اور عورت کے درمیان تعلق اور صحبت کو پیدا کیا پھر بچہ پر شفقت والدین اسکی پرورش میں ایک دوسرے کے اعانت کی باعث ہوئی پھر چونکہ بالطبع عورت کو اولاد کی پرورش کے اچھے طریقے معلوم تھے وہ عقل میں کم محنت کے کاموں سے جی چرانیوالی، زیادہ حیادار، خانہ نشینی کی طرف مائل، ادنیٰ ادنیٰ امور میں خوب کوشش کرنے والی اور فرماں بردار تھی۔ اور مرد بہ نسبت عورتوں کے عقلمند، غیرت مند، باہمت، بامروت زور آور اور مقابلہ کرنے والا تھا + + + + + + + +

لباسه وسرح راسه ولحيته والمرأة اذا كانت تحت رجل تتزين بخضاب وحلى ونحو ذلك وعلى ان العرى شين واللباس زين وظهور السوأتين عار وان اتم اللباس ما ستر عامة البدن وكان ساتر العورة غير ساتر البدن وعلى تقدمة المعرفة بشئ من الاشياء اما بالرؤيا او بالنجوم او الطيرة او العيافة والكهانة والرمل ونحو ذلك وكل من خلق على مزاج صحيح وذوق سليم يختار لا محالة فى كلامه من الالفاظ كل لفظ غير وحشى ولا ثقيل على اللسان ومن التراكيب كل تركيب متين جيد ومن الاساليب كل اسلوب يميل اليه السمع ويركن اليه القلب وهذا الرجل هو ميزان الفصاحة، وبالجملة ففى كل باب مسائل اجماعية مسلمة بين اهل البلدان وان تباعدت والناس بعدها فى تمهيد قواعد الآداب مختلفون فالطبيعى يمهدها على استحسانات الطب والمنجم على خواص النجوم والالهى على الاحسان كما تجدها فى كتبهم مفصلة، ولكل قوم زى وآداب يتميزون بها يوجبها اختلاف الامزجة والعادات ونحو ذلك +

باب تدبير المنزل

وهو الحكمة الباحثة عن كيفية حفظ الربط الواقع بين اهل المنزل على الحد الثانى من الارتفاق وفيه اربع جمل، الزواج، والولاد، والملكة، والصحبة، والاصل فى ذلك ان حاجة الجماع اوجبت ارتباطا واصطحابا بين الرجل والمرأة ثم الشفقة على المولود اوجبت تعاونا منهما فى حضانته وكانت المرأة اهداهما للحضانة بالطبع واخفهما عقلا واكثرهما انجحاما من المشاق واتمهما حياء ولزوما للبيت واحذقهما سعيا فى محقرات الامور واوفرهما انقيادا وكان الرجل اسدهما عقلا واشدهما ذبا عن الذمار واجراهما على الاقتحام فى المشاق واتمهما تيها

اسلئے عورت کی زندگی بغیر مرد کے ناتمام تھی اور مرد کو عورت کی احتیاج تھی۔ اور
عورتوں کے بارہ میں مردوں کی مزاحمت اور غیرت اس بات کی باعث
ہوئی کہ انکی اصلاح اسی میں ہے کہ گواہوں کے سامنے اسکی بیوی کا اسی شخص کے
لئے خاص ہونا طے ہوجائے اور عورت کی جانب مرد کی رغبت ولی کی نظر میں
اسکی عزت اور حمایت اس بات کی باعث ہوئی کہ زوج کیجانب سے مہر اور منگنی
اور ولی کیجانب سے کچھ بے پروائی ہو۔ اگر محارم میں اولیاء کی رغبت جائز ہوتی
تو عورت کو اس سے بڑا ضرر پہنچ سکتا تھا ولی عورت کو اس شخص سے روکتا جو عورت
کی نظر میں مرغوب ہے اور عورت کیلئے کوئی ایسا شخص نہ ہوتا جو اس سے حقوق زوجیت
کا مطالبہ کرتا حالانکہ اسکو ان حقوق کی نہایت ضرورت ہے۔ اور سوکنوں کے
جھگڑے وغیرہ سے صلہ رحمی میں فرق آجاتا۔ اسکے علاوہ صحت مزاج کا تقاضہ یہ کہ
آدمی کو اس عورت کیطرف رغبت نہ ہو جس سے وہ خود پیدا ہوا ہے یا اس سے عورت
پیدا ہوئی ہے یا وہ دونوں ایک[1] درخت کی دو شاخوں کے مانند ہیں۔ اور حاجت
جماع کے ذکر کرنے میں حیا کا ہونا اس بات کا باعث ہوا کہ یہ ضمن عروج[2] میں پوشیدہ
طور پر اسطرح ہوا کرے گویا یہی دونوں کا مقصود اصلی تھا۔ اور لطف شہرت اور
ملاک منزلی جو عروج شمار کیجاتی ہے ولیمہ کی باعث ہوئی جسمیں لوگوں کو بلایا جائے
اور گانے بجانے کی خوشی ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بہت سی وجوہ ہیں جنمیں سے بعض کو
ہمنے ذکر کیا اور بعض کو لوگوں کے فہم پر اعتماد کرکے حذف کردیا۔ نکاح کی یہ حالت
کذائی کہ غیر محارم سے نکاح لوگوں کے مجمع میں ہو اس سے پہلے مہر اور منگنی ہو
اولیاء کیجانب سے بے اعتنائی اور کفو کی رعایت ہو، ولیمہ کیا جائے، مرد عورتوں
کے سرپرست اور انکی معاش کے کفیل رہیں، عورتیں خانگی خدمات میں مصروف
رہیں، اولاد کی پرورش میں اطاعت سے رہیں، تمام لوگوں کی نظر میں لازمی طریقہ اور امر مسلم
ہوگیا ہے اور امر فطری ہوگیا ہے جسپر لوگوں کو خدا نے پیدا کیا ہے عرب اور عجم میں کوئی
اس میں اختلاف نہیں کرتا۔ اور چونکہ دونوں کی باہم اعانت اور سعی اس طور پر کہ ہر ایک
دوسرے کے نفع ونقصان کو اپنا ہی نفع ونقصان خیال کرے بغیر اسکے ممکن نہ تھی
کہ ہر ایک نکاح کے باقی رہنے کو دل وجان سے قبول کرے اور جب آپس میں
ناموافقت ہو تو اسکے لئے کوئی خلاصی کا طریقہ بھی ضروری تھا اگرچہ یہ علیحدگی مباح
امور میں سے نہایت ہی مبغوض ہے اس لئے طلاق اور عدت میں قیود کا
لحاظ ضروری قرار دیا گیا۔ اور اسیطرح خاوند کی وفات میں عدت کا لحاظ
رکھا گیا تاکہ نکاح کی تعظیم دلوں میں باقی رہے ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وتسلطا ومناقشة وغيرة فكان معاش هذه لا تتم
الا بذلك، وذلك يحتاج الى هذه واوجبت مزاحمات
الرجال على النساء وغيرتهم عليهن ان لا يصلح امرهم الا
بتصحيح اختصاص الرجل بزوجته على رؤس الاشهاد واوجبت
رغبة الرجل في المرأة وكرامتها على وليها وذبه عنها ان
يكون مهر وخطبة وتصد من الولي وكان لو فتح رغبة
الاولياء في المحارم افضى ذلك الى ضرر عظيم عليها من
عضلها عمن ترغب فيه وان لا يكون لها من يطالب عنها
بحقوق الزوجية مع شدة احتياجها الى ذلك وتكدير
الرحم بمنازعات الضرات ونحوها مع ما تقتضيه سلامة
المزاج من قلة الرغبة في التي نشأ منها او نشأت منه
او كانا كغصني دوحة واوجب الحياء عن ذكر الحاجة
الى الجماع ان تجعل مدسوسة في ضمن عروج يتوقع لهما
كأنه الغاية التي وجدا لها واوجب التلطف في التشهير
وجعل الملاك المنزلي عروجا ان تجعل وليمة يدعى
الناس ليها ودف وطرب، وبالجملة فلوجوه جمة مما ذكرنا
ومما سكتنا اعتمادا على فهم الاذكياء-كان النكاح بالهيئة
المعتادة اعني نكاح غير المحارم بمحضر من الناس مع
تقديم مهر وخطبة وملاحظة كفاءة وتصد من الاولياء
ووليمة وكون الرجال قوامين على النساء متكفلين معاشهن
وكونهن خادمات حاضنات مطيعات سنة لازمة و
امرا مسلما عند الكافة وفطرة فطر الله الناس عليها لا
يختلف في ذلك عربهم ولا عجمهم، ولما لم يكن بذل
الجهد منهما في التعاون بحيث يجعل كل واحد ضرر
الآخر ونفعه كالراجع الى نفسه الا بان يوطنا انفسهما
على دوامة النكاح ولا بد من ابقاء طريق للخلاص اذا لم
يطاوعا ولم يتراضيا وان كان من ابغض المباحات
وجب في الطلاق ملاحظة قيود وعدة وكذا في وفاته
عنها تعظيما لامر النكاح في النفوس واداء لبعض حق

[1] بھائی بہن ۱۲ [2] عورت کو اپنی جانب مائل کرنا ۱۲

اور کسیقدر حق دوام اور معاہدۂ مصاحبت کی وفاداری ادا ہو جائے ۔ اور انساب خلط ملط بھی نہ ہوں اور اولاد کی آبار کیطرف احتیاج اور طبعًا والدین کی شفقت اس بات کی باعث ہوئی کہ وہ اولاد کو وہی باتیں تعلیم فرمائیں جو قانون فطرت کے موافق انکے کام آئیں ۔ اور آبار کا تقدم جو اولاد پر ہوتا ہے یہاں تک کہ اولاد بڑی ہو کر بھی عقل اور تجربہ میں انکو زیادہ ہی پاتی ہے ۔ اور صحت اخلاق جس کا حکم ہو کہ بھلائی کے بدلہ میں بھلائی کیجائے ' اور انکی تربیت میں آبار کا محنتیں برداشت کرنا جو کسی شرح کی محتاج نہیں ان سب باتوں نے والدین کیساتھ نیکی کرنے کو طریقۂ لازمہ بنا دیا اور چونکہ لوگوں کی استعداد میں فرق ہے اسلئے یہ بھی ضروری کہ انہیں ایک شخص بالطبع سردار ہو دانشمند ہو اور معاش میں مستقل ہو انمیں انتظام اور رفاہ عام کا پیدائشی مادہ ہو ۔ اور ایک شخص بالطبع غلام بیوقوف تابع کہنے کے بموجب چلنے والا ہو ۔ ایسے دونوں شخصوں کی معاش بغیر ایک دوسرے کے مکمل نہیں ہو سکتی اور ہر ایک دوسرے کی راحت و تکلیف میں جب ہی مدد کریگا کہ دونوں اس تعلق کے قیام و دوام کو دلوں میں ٹھان لیں اور بعض اتفاقات اسکا باعث بنتے ہیں کہ ایک دوسرے کو محکوم بنا لیتا ہے یہ حالت اسیری بھی لوگوں میں قابل لحاظ ہے اور علاقہ مالکیت اور مملوکیت کا منتظم ہو جاتا ہے سو ایک قانون کی ضرورت پڑتی ہے جسکی پابندی مالک اور مملوک میں سے ہر ایک کرے اور ترک پر قابل ملامت ہو ۔ اور اسیری سے رہا ہونیکا طریقہ بھی ضروری ہے خواہ مال کے ذریعہ سے ہو یا بغیر مال کے ۔ اور بسا اوقات انسان کو حاجات ' مصائب مرض ' درماندگی ' دوسری کے حقوق اور ضرورتیں ایسی پیش آتی ہیں کہ بغیر ابنائے جنس کی دستگیری کے اپنی حالت کی اصلاح بدقت ہوتی ہے اور ایسے ایسے عوارض پیش آئیں سب لوگوں کی حالت یکساں ہے تو لاچار آپس میں الفت ہمیشہ ہمیشہ قائم رکھنے کی محتاج ہوئے ۔ اور یہ بھی ضروری ہوا کہ حاجتمند کی اعانت اور مظلوم کی داد رسی کا ایک قاعدہ مقرر ہونا چاہیے جس کا ہر ایک سے مطالبہ کیا جائے اور بصورت ترک ملامت کیجائے ۔ اور چونکہ حاجت کی دو حدیں تھیں ایک ملے وہ ہے جو اسد رجہ پر ہو ہر ایک شخص دوسری کے نفع و نقصان کو اپنا نفع و نقصان سمجھے اور یہ اسکے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک دوسری کیلئے اپنی پوری طاقت صرف کرے اسکے اخراجات اور وراثت کا ذمہ دار بنے ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ایسی باتیں جانبین سے ہونی چاہئیں تاکہ جو نقصان برداشت کرے وہی فائدہ بھی حاصل کرے ۔ اور لوگوں میں اس حد کے لائق قریبی رشتہ دار ہی ہیں کیونکہ انکی دوستی اور محبت ایک قدرتی امر ہے اور دوسری حد اس سے کم درجہ پر ہے پس

الادامة ووفاء لعهد الصحبة ولئلا تشتبه الانساب ؛

واوجبت حاجة الاولاد الى الآباء وحدبهم عليهم بالطبع ان يكون تمرين الاولاد على ما ينفعهم فطرة واوجب تقدم الآباء عليهم فلم يكبروا الاو الآباء اكثر عقلا و تجربة مع ما يوجبه صحة الاخلاق من مقابلة الاحسان بالاحسان وقد قاسوا فى تربيتهم ما لا حاجة الى شرحه ان يكون بر الوالدين سنة لازمة ، واوجب اختلاف استعداد بنى آدم ان يكون فيهم السيد بالطبع وهو الاكيس المستقل بمعيشته ذو سياسة ورفاهية جبليتين والعبد بالطبع وهو الاخرق التابع ينقاد كما يقاد وكان معاش كل واحد لا يتم الا بالآخر ولا يمكن التعاون فى المنشط والمكره الا بان يوطنا انفسهما على ادامة هذا الربط ثم اوجبت اتفاقات اخر ان ياسر بعضهم بعضا فوقع ذلك منهم بموقع وانتظمت الملكة ولابد من سنة يؤاخذ كل واحد نفسه عليها ويلام على تركها ولابد من ابقاء طريق الخلاص فى الجملة بمال وبدونه وكان يتفق كثيرا ان تقع على الانسان حاجات وعاهات من مرض وزمانة وتوجه حق عليه وحوائج يضعف عن اصلاح امره معها الا بمعاونة بنى جنسه وكان الناس فيها سواسية فاحتاجوا الى اقامة الفة بينهم وادامتها وان تكون لاغاثة المستغيث واعانة الملهوف سنة بينهم يطالبون بها ويلامون عليها ولما كانت الحاجات على حدين حد لا يتم الا بان يعد كل واحد ضر الآخر ونفعه راجعا الى نفسه ولا يتم الا ببذل كل واحد الطاقة فى موالاة الآخر ووجوب الانفاق عليه والتوارث ، وبالجملة فبامور تلزمهم من الجانبين ليكون الغنم بالغرم وكان الیق الناس بهذا الحد الاقارب لان تحابهم واصطحابهم كالامر الطبيعى وحد يتأتى باقل من ذلك فوجب ان تكون مواساة اهل العاهات

اور صلہ رحمی ان سب سے زیادہ موکّد اور مضبوط ہے۔ اور اس فن کے بڑے مسائل یہ ہیں۔ ان اسباب کا دریافت کرنا جو نکاح یا طلاق کے مقتضی ہوتے ہیں۔ طریقہ نکاح اور میاں بیوی کی صفت کو جاننا حسن معاشرت۔ فحش اور عار سے اسکی آبرو محفوظ رکھنے کے زوج پر کیا کیا حقوق ہیں اور عورت پر اطاعت زوج اور گھر کے کاموں میں طاقت صرف کرنا بیوی پر کس حد تک واجب ہے اور باہم میاں بیوی کی ناراضی کو کس طرح سے دور کیا جائے اور طلاق کا کیا طریق ہے۔ خاوند کے مرنیکے بعد سوگ کا کیا طریقہ ہے اور اولاد کی پرورش کا کیا طریق ہے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کسطرح کرتے ہیں۔ غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ کیا کیا احسان کئے جاتے ہیں، غلام اپنے مالکوں کی کس طرح خدمتگذاری کریں اور انکو آزاد کرنیکا کیا طریق ہے، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کیساتھ کیا کیا سلوک کرنا چاہیئے شہر کے بیکسوں کے ساتھ ہمدردی کا کیا طریقہ ہے اور انکے مصائب کے دور کرنے میں کیا کیا کوششیں ہونی چاہئیں رئیس قوم کے کیا کیا آداب ہیں اور اسکو قوم کی نگرانی کسطرح کرنی چاہیئے اور باہم کسطرح تقسیم ترکہ ہونا چاہیئے اور انساب واحساب کی کسطرح محافظت کرنی چاہیئے۔ پس لوگوں میں کوئی ایسی قوم آپکو نہیں ملے گی جو ان اصولوں کی پابندی اور حتی الامکان بجا آوری نہ کرتی ہو حالانکہ انکے مذاہب میں اختلاف ہے اور انکے وطن جدا جدا ہیں۔

پانچواں باب (۲۲): معاملات کے فن کا بیان۔

یہ وہ علم ہے جس میں ارتفاق ثانی کے طور پر مبادلہ معاونت اور کسب کے احوال سے بحث کیجاتی ہے اور اس باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب انسان کی ضروریات بہت زیادہ ہوگئیں اور ان میں ہر ایک اپنی حاجت کو ایسے عمدہ طور پر پورا کرنا چاہتا تھا کہ جس سے آنکھوں کو تازگی اور دل کو سرور حاصل ہو تو ہر ایک کو تنہا انکی انجام دہی مشکل ہوگئی کیونکہ بعض کے پاس ضرورت سے زاید کھانا تھا لیکن پانی نہ تھا اور بعض کے پاس ضرورت سے زاید پانی تھا لیکن کھانا نہ تھا تو ہر ایک دوسرے کا محتاج ہوگیا۔ اور سوائے مبادلہ کے کوئی اور صورت نہ بن پڑی پس یہ مبادلہ انکی رفع حاجت کیلئے اچھا قرار پایا اور ضرورتاً یہ قرار پایا کہ ہر شخص ایک حاجت کے سرانجام کیطرف متوجہ ہو اسکو خوب مستحکم کرے اور اسی کے تمام وسائل مہیا کرنے کی کوشش کرے اور بہ واسطہ مبادلہ اپنی تمام حاجات کا ان کو ذریعہ بنائے۔ پس یہ لوگوں کی نظر میں ایک مسلّم قانون بن گیا۔

سنة مسلمة بين الناس وان تكون صلة الرحم اوكد و اشد من ذلك كله، ومعظم مسائل هذا الفن معرفة الاسباب المقتضية للزواج وتركه وسنة الزواج وصفة الزوج والزوجة وما على الزوج من حسن المعاشرة و صيانة الحرم عن الفواحش والعار وما على المرأة من التعفف وطاعة الزوج وبذل الطاقة في مصالح المنزل وكيفية صلح المتناشزين وسنة الطلاق واحداد المتوفى عنها زوجها وحضانة الاولاد وبر الوالدين وسياسة المماليك والاحسان اليهم وقيام المماليك بخدمة الموالي وسنة الاعتاق وصلة الارحام والجيران ومواساة فقراء البلد والتعاون في دفع عاهات طارئة عليهم و ادب نقيب القبيلة وتعهده حالهم وقسمة التركات بين الورثة والمحافظة على الانساب والاحساب فلن تجد امة من الناس الا وهم يعتقدون اصول هذه الابواب و يجتهدون في اقامتها على اختلاف اديانهم وتباعد بلدانهم والله اعلم۔

باب فن المعاملات

وهو الحكمة الباحثة عن كيفية اقامة المبادلات والمعاونات والاكساب على الارتفاق الثاني والاصل في ذلك انه لما ازدحمت الحاجات وطلب الاتقان فيها وان تكون على وجه تقر به الاعين وتلذ به الانفس تعذر اقامتها من كل واحد وكان بعضهم وجد طعاما فاضلا عن حاجته ولم يجد ماء وبعضهم ماء فاضلا ولم يجد طعاما فرغب كل واحد فيما عند الآخر فلم يجدوا سبيلا الا المبادلة فوقعت تلك المبادلة بموقع من حاجتهم فاصطلحوا بالضرورة على ان يقبل كل واحد على اقامة حاجة واحدة واتقانها والسعي في جميع ادواتها ويجعلها ذريعة الى سائر الحوائج بواسطة المبادلات وصارت تلك

اور جبکہ بعض لوگ ایسے تھے کہ انکو ایک چیز پسند تھی جو دوسروں کو ناپسند تھی اور انکو ایسا شخص نہ ملتا تھا جس سے وہ معاملہ کرتے تو لامحالہ انکو تقدمہ اور تہیا کرنا پڑا۔ اور انھوں نے معدنی جوہروں کو جو مدت طویلہ تک باقی رہتے ہیں معاملات میں ثمن قرار دیا اور یہ سب کے نزدیک امر مسلم ہوگیا اور ان جواہرات میں سے سونا اور چاندی زیادہ موزوں تھے کیونکہ انکا حجم چھوٹا، افراد مساوی اور بدن انسانی کیلئے نافع تھے اور ان سے زینت حاصل ہوتی تھی اس لئے یہی دونوں چیزیں قدرتی طور پر نقد قرار پائیں اور انکے ماسوا دوسری چیزیں مقرر کرنے سے ثمن بن سکتی ہیں؛

اور کسبی پیشوں کے اصول زراعت، چارپایوں کو چرانا اور خشکی وتری سے مباح چیزیں لانا جیسے معدنیات، نباتات اور حیوانات ہیں۔ اور نجاری آہنگری اور کپڑا بافی اور دیگر دستکاریاں ہیں جو قدرتی جوہروں کو کارآمد کرسکتی ہیں۔ پھر تجارت بھی ایک پیشہ ہوگیا اور شہر کے مصالح کا سرانجام دینا بھی پیشہ ہوگیا اسکے بعد ہر وہ کام جسکی طرف لوگ محتاج ہوئے پیشہ ہوتا گیا۔ پھر جوں جوں لوگوں نے ترقی کی اور عیش وعشرت میں غرق ہوتے گئے اسیقدر مکاسب کے متعلقات پھیلتے گئے اور ہر ایک شخص ایک ایک پیشے کے ساتھ مخصوص ہوگیا جسکی دو وجہیں ہیں۔ وجہ اول مناسبت قویٰ ہے پس بہادر آدمی جنگ کے لئے مناسب ہے دیرک اور قوی الحافظہ حساب وکتاب کیلئے، اور نہایت توانا باربرداری اور محنت کے کاموں کیلئے مناسب ہے۔ اور وجہ دوم اتفاقات ہیں۔ پس لوہار کے بیٹے اور اسکے ہمسایہ کیلئے جسقدر یہ کام آسان ہوگا کسی دوسرے کو نہیں ہوسکتا اور نہ ان کو کوئی دوسرا کام ایسا آسان معلوم ہوگا اسیطرح دریا کے ساحل پر بسنے والوں کے لئے مچھلی کا شکار کرنا جتنا آسان ہوسکتا ہے کسی دوسرے کیلئے اتنا سہل نہیں ہے اور نہ ہی انکے لئے کوئی دوسرا کام اسقدر سہل ہوسکتا ہے۔ باقی اب وہ لوگ جنکو کوئی اچھا پیشہ نہیں آتا تو انھوں نے شہر کیلئے ضرر رساں پیشے اختیار کئے جیسے چوری، جوا، گداگری۔۔ مبادلہ کی مختلف صورتیں ہیں۔ مبادلہ کبھی شیٔ کا شیٔ کے ساتھ ہوتا ہے اسکو بیع یعنی خرید وفروخت کہتے ہیں۔ اور کبھی شیٔ دیکر منفعت حاصل کیجاتی ہے اسکو اجارہ یعنی مزدوری کہتے ہیں۔ اور جبکہ شہری انتظام بغیر الفت اور محبت کے نہیں ہوسکتا تھا اور الفت موقوف یا مقتضی تھی کہ ضرورت کی چیزیں بلا معاوضہ دیجائیں تو ہبہ اور عاریت کی صورتیں پیدا ہوگئیں۔ اور یہ ہمدردی فقراء کی حاجت براری کے بغیر ناتمام تھی اسلئے صدقہ دینے کی ضرورت پڑی اور اس باہمی انتظام اور اعانت کی یہ بات بھی مقتضی ہے کہ بعض لوگ احمق بعض کارگذار

سنة مسلمة عندهم، ولما كان كثير من الناس يرغب في شيء وعن شيء فلا يجد من يعامله في تلك الحالة اضطروا الى تقدمة وتهيئة واندفعوا الى الاصطلاح على جواهر معدنية تبقى زمانا طويلا ان تكون المعاملة بها امرا مسلما عندهم وكان الاليق من بينها الذهب والفضة لصغر حجمهما وتماثل افرادهما وعظم نفعهما في بدن الانسان ولتاتي التجمل بهما فكانا نقدين بالطبع وكان غيرهما نقدا بالاصطلاح ؛

واصول المكاسب الزرع والرعي والتقاط الاموال المباحة من البر والبحر من المعدن والنبات والحيوان والصناعات من نجارة وحدادة وحياكة وغيرها مما هو من جعل الجواهر الطبيعية بحيث يتأتى منها الارتفاق المطلوب ثم صارت التجارة كسبا ثم صار القيام بمصالح المدينة كسبا ثم صار الاقبال على كل ما يحتاج الناس اليه كسبا وكلما دقت النفوس وامعنت في حب اللذة والرفاهية تفرعت حواشي المكاسب واختص كل رجل بكسب لاحد شيئين مناسبة القوى، فالرجل الشجاع يناسب الغزو، والكيس الحافظ يناسب الحساب، وقوي البطش يناسب حمل الاثقال وشاق الاعمال والتفاقات توجد فولد الحداد وجاره يتيسر له من صناعة الحدادة ما لا يتيسر له من غيرها ولا لغيره منها وقاطن ساحل البحر يتأتى منه صيد الحيتان دون غيره ودون غيرها وبقيت نفوس اعيت بهم المذاهب الصالحة فانحدروا الى اكساب ضارة للمدينة كالسرقة والقمار والتكدي وللمبادلة اما عين بعين وهو البيع او عين بمنفعة وهي الاجارة ولما كان انتظام المدينة لا يتم الا بانشاء الفة ومحبة بينهم وكانت الالفة كثيرا ما تفضي الى بذل المحتاج اليه بلا بدل وتتوقف عليه انشعبت الهبة والعارية ولا تتم ايضا الا بمواساة الفقراء انشعبت الصدقة واوجبت المعدات ان يكون منهم الاخرق والكافي والمملق والمثري والمستنكف من الاعمال الخسيسة وغير المستنكف والذي ازدحمت عليه الحاجات والمتفرغ

پس ہر شخص کی معیشت دوسرے کی اعانت کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی تھی اور معاونت بغیر عقد، شروط اور مصالحت کے نہیں ہو سکتی تھی اسلئے مزارعت مضاربت اجارہ، شرکت اور وکالت کی صورتیں پیدا ہوئیں اور حاجات کیوجہ سے قرض کا لین دین اور امانت رکھنے کی ضرورت پیش آئی اور اسمیں لوگوں کو خیانت انکار اور سستی کا تجربہ ہوا تو شہادت، تحریر، دستاویزات، رہن کفالت اور حوالہ کی ضرورت پڑی اور جوں جوں لوگ آسودہ حال ہوتے گئے اسیقدر معاونات کے اقسام پھیلتے گئے اور آپ ہر قوم میں ان معاملات پر عمل کرنے والا پائیں گے اور آپ یہ بھی دیکھینگے کہ ان معاملات میں ہر قوم عدل و ظلم کا امتیاز کرتی ہے۔ واللہ اعلم ؂

چھٹا باب (۲۳) :۔ شہری سیاست کا بیان

یہ وہ علم ہے جسمیں ان تعلقات کے حفظ ان کی کیفیت بیان کیجاتی ہے جو اہل شہر میں ہوا کرتے ہیں اور شہر سے مراد وہ جماعت ہے جو مساوی الحال ہو جنمیں باہم معاملات ہوتے ہوں اور وہ جدا جدا مکانوں میں بود و باش رکھتے ہوں اور اس بارہ میں اصل یہ ہے کہ شہر باعتبار اس باہمی ربط کے ایک شخص کے مانند ہے جو چند اجزاء اور مجموعی ہیئت سے مرکب ہے اور ہر مرکب چیز میں ممکن ہے کہ اسکے مادہ یا صورت میں نقصان واقع ہو جائے اور اسکو کوئی مرض ہو جائے یعنی اسمیں ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ اسکی نوع کیلئے کوئی دوسری حالت زیادہ مناسب ہو۔ اور یا صحت رہے یعنی ایسی حالت جس سے وہ حسین و جمیل معلوم ہو اور شہر میں چونکہ بہت سے لوگ ہوتے ہیں جنکا ایک قانونِ عادل پر متفق الرائے ہونا مشکل ہے اور بغیر کسی ممتاز منصب کے ایک دوسرے کی روک ٹوک بھی نہیں کر سکتا کیونکہ اس سے جنگ و جدال کا اندیشہ ہوتا ہے۔ پس شہر کا پورا انتظام بغیر ایسے شخص کے ناممکن ہے جسکی اطاعت تمام اہل حل و عقد تسلیم کریں، وہ پر شوکت ہو اور فوج کا مالک ہے اور جو شخص نہایت تنگدل، تیز مزاج، خونریزی اور غصہ میں بیباک ہے اسکو سیاست کی ضرورت اوروں سے زیادہ ہے۔ اور خرابیوں سے ایک یہ ہے کہ چند شریر جنکو قوت اور شوکت حاصل ہو نفسانی خواہشات کے اتباع پر اور قانون عادلہ کے ترک پر متفق ہو جائیں یا لوگوں کے مال لوٹنے کیلئے جمع ہو جائیں جنکو قطاع الطریق کہتے ہیں یا محض دشمنی حسد یا ملک کی طمع سے لوگوں کو ایذا پہنچائیں تو ایسی حالت میں لوگوں کو جمع کرنے اور ان سے جنگ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور منجملہ ان خرابیوں کے ایک یہ ہے کہ کوئی ظالم کسی شخص کو قتل کر دے یا زخمی کر دے یا زد و کوب کرے یا کسکے گھر میں اسکی بیوی کے م

فکان معاش کل واحد لا یتم الا بمعاونة اٰخر ولا معاونة الا بعقد وشروط واصطلاح علی سنة فانشعبت المزارعة والمضاربة والاجارة والشرکة والتوکیل ووقعت حاجات تسوق الی مداینة وودیعة وجربوا الخیانة والجحود والمطل فاضطروا الی اشهاد وکتابة وثائق ورهن وکفالة وحوالة ولما ترفهت النفوس انشعبت انواع المعاونات ولن تجد امة من الناس الا وهم یباشرون هذه المعاملات ویعرفون العدل من الظلم والله اعلم ؂

باب سیاسة المدینة

وهی الحکمة الباحثة عن کیفیة حفظ الربط الواقع بین اهل المدینة ۔ واعنی بالمدینة جماعة متقاربة تجری بینهم المعاملات ویکونون اهل منازل شتی ۔ والاصل فی ذلك ان المدینة شخص واحد من جهة ذلك الربط مرکب من اجزاء وهیئة اجتماعیة وکل مرکب یمکن ان یلحقه خلل فی مادته او صورته ویلحقه مرض اعنی حالة غیرها الیق به باعتبار نوعه وصحة ای حالة تحسنه وتجمله ولما کانت المدینة ذات اجتماع عظیم لا یمکن ان یتفق رایهم جمیعا علی حفظ السنة العادلة ولا ان ینکر بعضهم علی بعض من غیر ان یمتاز بمنصب اذ یفضی ذلك الی مقالات عریضة لم ینتظم امرها الا برجل اصطلح علی طاعته جمهور اهل الحل والعقد له اعوان وشوکة وکل من کان اشح واحد واجرأ علی القتل والغضب فهو اشد حاجة الی السیاسة ومن الخلل ان تجتمع انفس شریرة لهم منعة وشوکة علی اتباع الهوی ورفض السنة العادلة اما طمعا فی اموال الناس وهم قطاع الطریق واضرار لهم بغضب وحقدا ورغبة فی الملك فیحتاج فی ذلك الی جمع رجال ونصب قتال، ومنه اصابة ظالم انسانا بقتل وجرح او ضرب او فی اهله بأن یزاحم علی زوجته او یطمع فی بناته واخواته لغیر حق او فی ماله

من غصب جهرة او سرقة خفية او فى عرضه من نسبته
الى امر قبيح يلام به او اغلاظ القول عليه، ومنه اعمال
ضارة بالمدينة ضررا خفيا كالسحر ودس السم وتعليم
الناس الفساد وتخبيب الرعية على الملك والعبد على
المولى والزوجة على زوجها، ومنه عادات فاسدة فيها
اهمال للارتفاقات الواجبة كاللواطة والسحاقة واتيان
البهائم فانها تصد عن النكاح او انسلاخ عن الفطرة السليمة
كالرجل يؤنث والمرأة تذكر او حدوث لمنازعات عريضة
كالمزاحمة على الموطوءة من غير اختصاص بها وكادمان
الخمر، ومنه معاملات ضارة بالمدينة كالقمار والربا اضعافا
مضاعفة والرشوة وتطفيف الكيل والوزن والتدليس
فى السلع وتلقى الجلب والاحتكار والنجش، ومنه خصومات
مشكلة يتمسك فيها كل بشبهة ولا تنكشف جلية الحال فيحتاج
الى التمسك بالبينات والايمان والوثائق وقرائن الحال
ونحوها وردها الى سنة مسلمة وابداء وجه الترجيح ومعرفة
مكايد المتخاصمين ونحو ذلك، ومنه ان يبدو اهل المدينة
ويكتفوا بالارتفاق الاول ويتمدنوا فى غير هذه المدينة
او يكون توزعهم فى الاقبال على الاكساب بحيث يضر بالمدينة
مثل ان يقبل اكثرهم على التجارة ويدعوا الزراعة او يتكسب
اكثرهم بالغزو ونحوه وانما ينبغى ان يكون الزراع بمنزلة
الطعام والصناع والتجار والحفظة بمنزلة الملح المصلح له
ومنه انتشار السباع الضارية والهوام المؤذية فيجب السعى
فى افنائها ومن باب كمال الحفظ بناء الابنية التى يشتركون
فى الانتفاع بها كالاسوار والربط والحصون والثغور والاسواق
والقناطير، ومنه حفر الآبار واستنباط العيون وتهيئة
السفن على سواحل الانهار، ومنه حمل التجار على الميرة
بتأنيسهم وتأليفهم وتوصية اهل البلد ان يحسنوا المعاملة
مع الغرباء فان ذلك يفتح باب كثرة ورودهم وحمل الزراع
على ان لا يتركوا الارض مهملة والصناع ان يحسنوا الصناعات

یا اسکے مال کو زبردستی چھین لے یا چپکے سے چوری کرے یا اسکی آبروریزی کرے ایسی
بات منسوب کرے جو قابل ملامت ہو یا اسکے ساتھ بدکلامی کرے۔ اور ان خرابیوں میں
ایسے اعمال بھی داخل ہیں جو پوشیدہ طریقہ پر شہر کو نقصان پہنچاتے ہیں جیسے سحر، زہر
خورانی اور لوگوں کو مفسد باتوں کی تعلیم دینا، رعایا کو بادشاہ سے غلاموں کو مالک سے اور اہلیہ کو
شوہر سے برگشتہ کرنا۔ اور ان خرابیوں میں سے عادات فاسدہ ہیں جن سے فطری
منفعتیں تلف ہو جاتی ہیں جیسے لواطت، جلق، چارپایوں سے مجامعت کرنا۔
کیونکہ یہ سب امور نکاح سے باز رکھتے ہیں، یا ایسے عادات جو فطرت سلیمہ کے خلاف
ہیں جیسے مرد ہو کر زنانہ پن اختیار کرنا اور عورت کو مردانہ روش اختیار کرنا۔ یا ان
عادات سے بڑے بڑے نزاع پیدا ہوتے ہیں جیسے چند اشخاص کا باہم مزاحمت کرنا
ایسی عورت کیلئے جو انمیں سے کسی کے لئے خاص نہیں ہو اور جیسے ہمیشہ شراب پینا۔
اور ان خرابیوں میں سے وہ معاملات بھی ہیں جن سے شہری زندگی کو نقصان پہنچتا ہے
جیسے قماربازی، سود در سود کا حصول، رشوت کا لین دین، پیمانہ اور وزن میں کمی
کرنا، سامان تجارت میں عیب کو مخفی رکھنا، اونچے نرخ سے بیچنے کیلئے شہر سے باہر
ہی تاجروں سے مال خرید لینا، بوقت ضرورت غلہ کو بند کر کے رکھنا اور بغیر ارادہ خریداری
دوسرے کو پھنسانے کیلئے زیادہ دام لگانا۔ اور انہی خرابیوں سے مشکل مقدمات
ہیں جنمیں ہر فریق مشتبہ دلیل پیش کرتا ہے اور اصلیت کا پتہ نہیں چلتا بس ایسی حالت
میں شہادت، حلف، دستاویزات، قرائن حال وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہو اور ان مقدمات
میں کبھی قانون مسلم کی، حق کی وجہ ترجیح ظاہر کرنیکی اور فریقین کے مکاید معلوم کرنیکی
ضرورت پڑتی ہو۔ اور ان خرابیوں سے یہ کہ شہر کے رہنے والے بادیہ نشینی اختیار کرلیں
اور ارتفاق اول پر اکتفا کرلیں یا کسی دوسرے شہر میں جا بسیں یا مکاسب پر اس
طرز سے جھک پڑیں جس سے شہر کو ضرر پہنچے مثلاً اکثر لوگ زراعت چھوڑ کر تجارت پیشہ
ہو جائیں یا انکی اکثریت فوجی پیشہ اختیار کر لے۔ اور مناسب یہی ہے کہ زراعت
پیشہ لوگ بمنزلہ غذا کے قرار دیئے جائیں اور دستکار، تاجر، محافظین ملک بجائے نمک
کے سمجھے جائیں جس سے غذا کی اصلاح ہوتی ہے۔ ان خرابیوں سے حملہ آور درندوں
اور موذی حشرات الارض کا پھیلنا ہے سو انکے فنا کرنیکی کوشش ضروری ہو۔ اور شہر کی
پوری حفاظت کرنیوالی چیزوں میں سے ان عمارتوں کا بنانا ہے جنکے نفع میں سب لوگ یکساں
کے شریک ہوں مثلاً شہر پناہیں، سرائیں، قلعہ جات، سرحدیں، بازار، پل اور ایسے
ہی کنووں کا کھدوانا، چشموں کا نکالنا اور کشتیوں کا ساحل دریا پر فراہم کرنا اور نیز
سوداگروں کو مانوس و مالوف کرکے اسپر آمادہ کرنا کہ باہر سے اجناس وغیرہ لائیں، شہر

اہل شہر کو عمدہ فضائل حاصل کرنیکی تاکید کرنا کہ وہ لکھنا حساب، علم تاریخ و طب اور
پیش بینی کے عمدہ عمدہ طریقے سیکھیں اور اسیطرح شہر کے حالات کا علم رکھنا تاکہ
اچھے بُرے کا امتیاز رہے اور تاکہ محتاج کا حال معلوم ہو تو اسکی مدد کیجائے اور کوئی
عمدہ دستکار معلوم ہو جائے تا کہ اس سے مدد لیجائے۔ اور اس زمانہ میں شہروں کی ویرانی
کے دو بڑے سبب ہیں ایک سبب تو یہ ہے کہ وہ بیت المال پر بوجھ ہیں اسطرح کہ
غازی اور علماء نے جنکا بیت المال میں حق ہے شعراء اور زہاد وغیرہ نے جنکے ساتھ
سلاطین سلوک کرتے ہیں بیت المال سے حاصل کرنا پیشہ بنا لیا ہے یہ لوگ کوئی
خدمت نہیں کرتے اور انکا گذارہ بیت المال سے ہوتا ہے۔ پس ایسے لوگ یکے
بعد دیگرے آتے ہیں ایک دوسرے کی زندگی مکدر کرتے ہیں اور شہر پر ایک بار سا
ہو جاتے ہیں۔ دوسری وجہ کاشتکاروں، تاجروں اور اہل حرفت پر بھاری ٹیکس
لگا دینا اور پھر ان پر سختی کرنا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فرماں بردار لوگ چلے جاتے
ہیں اور ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور جن لوگوں کو قوت ہوتی ہے وہ درپے بغاوت
ہو جاتے ہیں۔ البتہ شہر کی اصلاح خفیف لگان سے اور بقدر ضرورت
محافظین ملک کے قائم کرنے سے ہوتی ہے۔ اہل زمانہ کو اس نکتہ سے
واقف رہنا چاہیے واللہ اعلم +

ساتواں باب (۲۴):- بادشاہونکی سیرت کا بیان

بادشاہ کیلئے ضروری ہے کہ اسمیں پسندیدہ اخلاق ہوں ورنہ وہ شہر پر بار ہو
جائیگا اگر وہ شجاع نہیں ہے تو اپنے مخالفوں سے پورا مقابلہ نہ کر سکیگا رعیت
اسکو حقارت کی نگاہ سے دیکھے گی اگر وہ بردبار نہیں ہے تو اپنی سطوت سے لوگوں کو
برباد ہی کر دیگا اور اگر صاحب حکمت نہیں ہے تو نفع بخش تدبیر کو عمل میں لانے
سے عاجز رہیگا اور بادشاہ کیلئے ضروری ہے کہ عقلمند بالغ آزاد مرد ہو،
صاحب رائے، بینا، شنوا اور گویا ہو۔ لوگ اسکے شرف اور اس کے
خاندان کے اعزاز کو تسلیم کرتے ہوں اسکے اور اسکے آباء و اجداد کے فضائل کو لوگ
دیکھ چکے ہوں اور خوب جانتے ہوں کہ بادشاہ مصالح ملکی کی پاسبانی میں کسی قسم کی کوتاہی
نہیں کرتا۔ یہ سب امور عقل کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اور تمام بنی آدم اسپر متفق ہیں
خواہ انکے شہر دنیا میں کیسا ہی بُعد کیوں نہ ہو اور وہ کسی ہی مذہب کے کیوں نہ ہوں کیونکہ وہ
خوب جانتے ہیں کہ بادشاہ کے مقرر کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے وہ بغیر امور بالا کے مکمل نہیں
ہوسکتی اگر بادشاہ ان امور میں فروگذاشت کریگا تو لوگ اسکو خلاف مقصود جانینگے +

ويتقنوها واهل البلد على اكتساب الفضائل كالخط والحساب
والتاريخ والطب والوجوه الصحيحة من تقدمة المعرفة، و
منه اخبار البلد ليتميز الداعر من الناصح وليعلم المحتاج
فيعان وصاحب صنعة مرغوبة فيستعان به وغالب
سبب خراب البلدان فى هذا الزمان شيئان احدهما
تضييقهم على بيت المال بان يعتادوا التكسب بالاخذ
منه على انهم من الغزاة او من العلماء الذين لهم حق فيه
او من الذين جرت عادة الملوك بصلتهم كالزهاد والشعراء
او بوجه من الوجوه التكدى ويكون العمدة عندهم هو
التكسب دون التعيش بالمصلحة فيدخل قوم على قوم فيبغضون
عليهم ويصيرون كلا على المدينة، والثانى ضرب ضرائب
الثقيلة على الزراع والتجار والمحترفة والتشديد عليهم حتى
يفضى الى اجحاف المطاوعين واستئصالهم والى تمنع اولى
باس شديد وبغيهم وانما تصلح المدينة بالجباية اليسيرة
واقامة الحفظة بقدر الضرورة فليتنبه اهل الزمان لهذه
النكتة والله اعلم

باب سيرة الملوك

يجب ان يكون الملك متصفا بالاخلاق المرضية
والا كان كلا على المدينة فان لم يكن شجاعا ضعف عن
مقاومة المحاربين ولم تنظر اليه الرعية الا بعين الهوان
وان لم يكن حليما كاد يهلكهم بسطوته وان لم يكن حكيما
لم يستنبط التدبير المصلح وان يكون عاقلا بالغا حرا
ذكرا ذا راى وسمع وبصر ونطق ممن سلم الناس شرفه
وشرف قومه وراوا منه ومن آبائه المآثر الحميدة و
عرفوا انه لا يالو جهدا فى صلاح المدينة هذا كله يدل
عليه العقل واجمعت عليه امم بنى آدم على تباعد بلدانهم
واختلاف ديانهم لما احسوا من ان المصلحة المقصودة من
نصب الملك لا تتم الا به فان وقع شئ من اهماله

اور انکے دل اس سے بیزار ہو جائیں گے اور اگر خاموش بھی رہیں گے تو درپردہ غصہ میں رہیں گے اور بادشاہ کیلئے ضروری ہے کہ اپنی رعایا کے دلوں میں وقار پیدا کرے اور پھر اس وقار کو محفوظ رکھے اور مناسب تدابیر سے ان امور کا تدارک کرتا رہے جو اسکی شان کے منافی ہوں۔ اور جو بادشاہ اپنے مرتبہ کو قائم رکھنا چاہے تو وہ ان اعلیٰ ترین اخلاق سے اپنے آپکو پیراستہ کرے جو اسکی ریاست کے شایاں ہوں مثلاً شجاعت، حکمت، فیاضی، ظالم سے (حسب مصلحت) درگزر کرنا اور سب کا بھلا چاہنا۔ اور وہ لوگوں سے ایسا معاملہ کرے جو صیاد شکار سے برتتا ہے۔ پس جسطرح شکاری جنگل میں جاکر ہرنوں کو دیکھتا ہے اور انکی طبیعت عادت کے مناسب صورت کو سوچتا ہے پس اس کیلئے تیار ہو جاتا ہے وہ دور سے ظاہر ہوتا ہے انکی آنکھوں اور کانوں کیطرف سے نگاہ کو نیچی کر لیتا ہے پس ہرنوں کیجانب سے جونہی اسکو کھٹکا معلوم ہوتا ہے تو وہیں بے حس و حرکت پتھر کے مانند کھڑا ہو جاتا ہے اور جب ذرا انھیں غافل پاتا ہے تو آگے کو لپکتا ہے۔ کبھی انکو نغمہ سے خوش کرتا ہے اور انکے سامنے انکی مرغوب تیز چارہ اسطرح سے ڈالتا ہے گویا یہ شخص اپنی کریمانہ عادت سے یہ سلوک کر رہا ہے اور اس سے شکار کرنا مقصود نہیں ہے۔ اور نعمت سے منعم کی محبت بڑھ جاتی ہے کیونکہ محبت کی زنجیر آہنی زنجیر سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ ایسے ہی جو شخص اپنے آپکو لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہو اسکے لئے مناسب ہے کہ ایسا لباس گفتگو و ادب اختیار کرے جو لوگوں کو پسند ہو پھر آہستہ آہستہ انکے قریب ہوتا جائے اور اخلاص و محبت کو بغیر لاف و گزاف کے ان پر ظاہر کرے اور کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جس سے وہ سمجھ جائیں کہ یہ مہربانیاں صرف انکو شکار کرنے کو ہیں۔ پھر یہ بات انکے دلوں میں دلنشین کر دے کہ اس جیسا انکے حق میں کوئی نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ یہ معلوم کرلے کہ لوگوں کے دلوں میں اسکی فضیلت اور بزرگی انکی ہوگئی انکے دل اسکی محبت اور تعظیم سے پُر ہوگئے اور انکے اعضا میں عاجزی و انکساری سرایت کرگئی ہے۔ پھر بادشاہ کو ان سب امور کی نگرانی چاہیے انکی طرف سے کوئی امر ایسا پیش آئے جس کی وجہ سے ان کی حالت میں کوئی تبدیلی پیدا ہو اگر کوئی کوتاہی بھی ہو جائے تو لطف و احسان کرکے فوراً اسکا تدارک کردے اور ظاہر کردے کہ جو کچھ عمل میں آیا ہے مصلحت اسی کی مقتضی تھی اور یہ انکے فائدہ کیلئے ہوا ہے نہ مضرت کیلئے۔ ان باتوں کے باوجود بادشاہ کیلئے ضروری ہے کہ اپنی فرمانبرداری ثابت کرنے کیلئے سرکشوں سے انتقام لے۔ پس جس شخص کے متعلق معلوم ہو کہ اس نے جنگ میں یا اخراج میں [illegible] یا کسی اور کام میں سرگرمی کی ہو تو اسکی تنخواہ بڑھا دے اس کی قدر دانی کرے اور اسکے حال پر مہربانی کرے۔ اور جسکو خیانت کرتے یا اطاعت سے منحرف ہوتا دیکھے تو اسکی

رأوه خلاف ما ينبغي وكرهته قلوبهم ولو سكتوا اسكتوا على غيظ ولابد للملك من انشاء الحياء في قلوب رعيته ثم حفظه وتدارك الخادشات له بتدبيرات مناسبة و من قصد الجاه فعليه ان يتحلى بالاخلاق الفاضلة مما يناسب رياسته كالشجاعة والحكمة والسخاوة والعفو عن ظالم وارادة نفع العامة ويفعل بالناس ما يفعل الصياد بالوحش فكما ان الصياد يذهب الى الغيضة فينظر الى الظباء ويتأمل لهيئة المناسبة لطبائعها وعاداتها فيتهيأ بتلك الهيئة ثم يبرز لها من بعيد ويقصر النظر على عيونها واذانها فمهما عرف منها تيقظا اقام بمكانه كانه جماد ليس به حراك ومهما عرف منها غفلة دب اليها دبيبا و ربما اطربها بالنغم والقى اليها اطيب ما ترومه من العلف على انه صاحب كرم بالطبع وانه لم يقصد بذلك صيدها والنعم تورث حب المنعم وقيد المحبة اوثق من قيد الحديد فكذلك الرجل الذي يبرز الى الناس ينبغي ان يؤثر هيئة ترغب فيها النفوس من زي ومنطق وادب ؛

ثم يتقرب منهم هونا ويظهر اليهم النصح والمحبة من غير مجازفة ولا ظهور قرينة تدل على ان ذلك لصيدهم ثم يعلمهم ان نظيره كالممتنع في حقهم حتى يرى ان نفوسهم قد اطمأنت بفضله وتقدمه وصدورهم قد امتلأت مودة وتعظيما وجوارحهم ذابت خشوعا واخباتا ثم ليحفظ ذلك فيهم فلا يكن منه ما يختلفون به عليه فان فرط شئ من ذلك فليتداركه بلطف واحسان واظهار ان المصلحة حكمت بما فعل وانه لهم لا عليهم والملك مع ذلك يحتاج الى ايجاب طاعته بالانتقام ممن عصاه فمهما استشعر من رجل كفاية في حرب او جباية او تدبير فليضاعف عطاءه وليرفع قدره وليبسط له بشره ومهما استشعر منه خيانة وتخلفا وانسلالا فلينقص من عطائه وليخفض من قدره وليطو

اور بادشاہ کو بہ نسبت عام لوگوں کے زیادہ سہولت پہنچانیکی بھی ضرورت ہے اسکے لئے مناسب یہ ہے کہ لوگونکو تنگ نہ کرے کہ کسی خراب زمین کے آباد کرنیکا حکم دے یا کوئی دور دراز جگہ جاکر بسے وغیرہ - اور بادشاہ کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ جب کسی کو سزا دے تو پہلے ارباب شوریٰ پر ثابت کردے کہ یہ اسکا مستحق ہے اور درحقیقت مصلحت اسی میں ہے - اور بادشاہ کیلئے ضروری ہے کہ اسمیں فراست کا مادہ ہو جس سے وہ لوگونکے دلی ارادے سمجھ لے اسمیں ایسی زیرکی ہو کہ اسکے گمان الیسے درست ہوں جیسا کہ کسی چیز کو دیکھ یا سن لیا ہو - اور بادشاہ کیلئے ضروری ہے کہ ضروری امر کو کل پر نہ چھوڑے - اور جب کسی کو پوشیدہ طور پر عداوت کرتا پائے تو جلتک اسکی طاقت کو پراگندہ اور کمزور نہ کردے اسکو تسلی نہ ہو - واللہ اعلم ÷

آٹھواں باب (٢٥) :- اعوان و انصار کی سیاست کا بیان

جبکہ بادشاہ تنہا تمدن کی تمام مصلحتوں کو سرانجام نہیں دے سکتا تو اسکے لئے ضروری ہے کہ اسکے پاس ہر کام کے معاون ہوں معاونین کیلئے یہ شرط ہے کہ انمیں امانت کی صفت ہو جو خدمت انکے متعلق ہے اسکے بجا آوری کی قدرت ہو بادشاہ کے فرمانبردار اور ظاہر و باطن میں خیرخواہ ہوں اور جس معاون میں یہ صفت نہ ہو وہ معزول کرنیکے لائق ہے - اگر بادشاہ نے اسکے معزول کرنے میں سستی کی تو گویا اسے شہر کیساتھ بددیانتی کی اور اپنی حالت کو خراب کیا اور یہ بھی مناسب ہے کہ ایسے لوگونکو اپنا معاون نہ بنائے جنکا معزول کرنا دشوار ہو اور نہ ایسے لوگونکو جنکا قرابت وغیرہ کے سبب بادشاہ پر استحقاق ہو جسکی وجہ سے انکو معزول کرنا نازیبا سمجھا جائے - اور بادشاہ اپنے مخلصین کی تمیز رکھے کیونکہ انمیں سے بعض کی دوستی خوف کیوجہ سے اور بعض کی لالچ کیوجہ سے ہوتی ہے ایسے لوگونکو کسی حیلہ اور ذریعہ سے اپنی طرف مائل رکھنا چاہئے - اور بعض بے غرضانہ بادشاہ کے مخلص ہوا کرتے ہیں کہ اسکے نفع کو اپنا نفع اور اس کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھتے ہیں البتہ یہ لوگ محب خالص ہیں - اور ہر شخص کی ایک پیدائشی جبلت ہوتی ہے اور ایک خاص عادت ہوتی ہے جسکا وہ عادی ہوتا ہے - اور بادشاہ کیلئے یہ مناسب نہیں کہ کسی سے اسکی حیثیت سے زائد کی طمع رکھے - اور معاونین کے چند اقسام ہیں بعض محافظ ہیں جو شریروں کے شر سے محفوظ رکھتے ہیں یہ بدن انسان کے ان ہاتھوں کے مانند ہیں جو ہتھیار تھامے ہوئے ہوں اور بعض شہر کے مدبر لوگ ہیں جیسے بدن انسان میں مدبر قوتیں - اور بعض لوگ مشیر ہیں جسطرح انسان کیلئے عقل و حواس - اور بادشاہ کا فرض ہے کہ روزانہ انکی خبر رکھے انکا علم رکھے اور اصلاح و فساد سے خبردار رہے اور جبکہ خود بادشاہ اور اسکے معاونین شہری امور میں مصروف رہتے ہیں تو انکے اخراجات بھی شہر کے ذمہ ہیں اور ضروری ہے کہ عشر اور خراج جمع کرنیمیں راہ راست اختیار کیا جائے جس میں لوگونکو ضرر نہ پہنچے ÷

عنه بشره ولي يسارا اكمل من يسار الناس وليكن مما لا يضيق عليهم كموات يحييه وناحية بعيدة يحييها ونحو ذلك والى ان لا يبطش باحد الا بعد ان يحتج على اهل الحل والعقد انه يستحقه وان المصلحة الكلية حاكمة به ولابد للملك من فراسة يتعرف بها ما اضمرت نفوسهم ويكون المعيار يظن بالظن كان قد راى وقد سمع ويجب عليه ان لا يؤخر ما لابد منه الى غد ولا يصبر ان راى منهم احدا يضمر عداوته دون فك نظامه واضعاف قوته والله اعلم ÷

باب سياسة الاعوان

لما كان الملك لا يستطيع اقامة هذه المصالح كلها بنفسه وجب ان يكون له بازاء كل حاجة اعوان ومن شرط الاعوان الامانة والقدرة على اقامة ما امروا به وانقيادهم للملك والنصح له ظاهرا وباطنا وكل من خالف هذه الشريطة فقد استحق العزل فان اهمل الملك عزله فقد خان المدينة وافسد على نفسه امره وينبغي ان لا يتخذ الاعوان ممن يتعذر عزله او ممن له حق على الملك من قرابة او نحوها فيقبح عزله وليميز الملك بين محبيه فمنهم من يحبه لرهبته او لرغبته فليجره اليه بحيلة ومنهم من يحبه لذاته ويكون نفعه نفعا له وضرره ضررا عليه فذلك المحب الناصح ولكل انسان جبلة جبل عليها وعادة اعتادها ولا ينبغي للملك ان يرجو من احد اكثر مما عنده والاعوان اما حفظة من شر المخالفين بمنزلة اليدين الحاملتين للسلاح من بدن الانسان واما مدبرون للمدينة بمنزلة القوى الطبيعية من الانسان او المشاورون للملك بمنزلة العقل والحواس للانسان ويجب على الملك ان يسأل كل يوم ما فيهم من الاخبار وليعلم ما وقع من الاصلاح وضده، ولما كان الملك واعوانه عاملين للمدينة عملا نافعا وجب ان يكون رزقهم عليها ولا بد ان يكون بجباية العشور والخراج سنة عادلة لا تضر بهم

اور حاجت روائی بھی ہو جائے اور یہ مناسب نہیں ہے کہ ٹیکس ہر شخص پر اور ہر مال پر مقرر کیا جائے۔ اور ایک خاص وجہ سے مشرقی اور مغربی قوموں کے سلاطین اس بات پر متفق ہیں کہ محاصل خوشحال لوگوں سے لیا جائے سونا چاندی اور ترقی پذیر مال جیسے نسل والے چارپائے، زراعت اور تجارت میں سے وصول کیا جائے۔ پس اگر اس سے زیادہ کی ضرورت پڑے تو پیشہ وروں سے وصول کیا جائے۔ اور بادشاہ کا یہ بھی فرض ہے کہ لشکر کی سیاست اسطرح کرے جیسے ایک ماہر شہسوار گھوڑے کی درستی کرتا ہے پس وہ گھوڑے کی چال پویا، ڈلکی اور دوڑنے وغیرہ کو، اسکی بری عادات بدرکابی وغیرہ کو خوب جانتا ہے جن پر کبھی ایڑ سے کبھی للکار سے اور کبھی چابک سے گھوڑے کی بخوبی تنبیہ کرنیکو سمجھتا ہے اور ان امور کا خوب لحاظ رکھتا ہے جب کوئی ناپسندیدہ حرکت وہ کرتا ہے یا پسندیدہ حرکت کو ترک کرتا ہے تو اسطرح اسکو تنبیہ کرتا ہے کہ اسکی طبیعت اسکو قبول کرلے اور اسکی تندی جاتی رہے اور اس تنبیہ میں وہ اسکا لحاظ رکھتا ہے کہ اسکی طبیعت پریشان نہ ہو اور جس وجہ سے اسکو مارا ہے اسکو نہ سمجھ سکے اور جس بات کی اسکو تعلیم دینا چاہتا ہے اسکی صورت اسکے سامنے متمثل کر دیتا ہے اور اسکے دل میں خوب بٹھا دیتا ہے اور اسکی طبیعت میں سزا کا خوف جما دیتا ہے اور جب وہ مرضی کے موافق کام کرنے لگتا ہے اور ناموافق باتوں سے باز رہنے لگتا ہے تو وہ اسکی مشاقی کو اسوقت تک ترک نہیں کرتا جبتک یہ نہیں دیکھ لیتا کہ اغراض مطلوبہ اسکی طبیعت اور عادت ہو گئی ہیں اور اسکی یہ حالت ہو گئی ہے کہ اگر روک ٹوک کبھی نہ کی جائیگی تو بھی خلاف اغراض کیطرف میلان نہ کریگا پس اسیطرح فوج کے منتظم پر ضروری ہے کہ وہ ان امور کو خوب جان لے جو کرنے کے لائق ہیں یا نہ کرنیکے لائق ہیں۔ اور ان امور سے بھی واقف ہو جن سے لشکریوں کو تنبیہ کرتے ہیں۔ اور منتظم کو ایسا ہونا چاہیے کہ ان امور کو کبھی ترک نہ کرے۔ اور معاونین کی تعداد محدود نہیں ہے بلکہ شہر کی ضرورتوں پر موقوف ہے کیونکہ کبھی ایک کام کیلئے دو دو معاون کی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی دو خدمتوں کیلئے ایک معاون کافی ہوتا ہے لیکن اصل معاون پانچ ہیں۔ اول قاضی پس یہ شخص آزاد مرد بالغ عاقل کام کے لائق ہو معاملات کے طریقے اور متخاصمین کے مکر و فریب کو خوب جانتا ہو طبیعت کا سخت اور حلیم بھی ہو کہ دونوں باتیں اسمیں پائی جائیں اسکو چاہیے کہ مقدمات میں دو باتوں پر نظر کرے۔ اول یہ کہ صورت حال دیکھے آیا یہ کوئی معاملہ ہے یا کوئی ظلم زیادتی ہے یا کوئی ناپسند کا سابقہ ہے۔ دوم یہ کہ ہر شخص اپنے مقابل سے کیا چاہتا ہے۔ آیا وہ صحیح ہے کہ نہیں۔ اور دوسرے معرفت کو بھی دیکھنا چاہیے کیونکہ ایک کے پاس ایسی صریح حجت ہوتی ہے جس میں لوگوں کو کچھ شک نہیں ہوتا اور وہ صریح حکم دینا چاہتی ہے۔ اور دوسرے کے پاس ایسی حکم

وقد كفت الحاجة ولا ينبغى ان يضرب على كل احد وفى كل مال والامر ما اجمعت ملوك الامم من مشارق الارض ومغاربها ان تكون الجباية من اهل البلد ثورو القناطير المقنطرة ومن الاموال النامية كماشية متناسلة وزراعة وتجارة فان احتيج الى اكثر من ذلك فعلى رؤس الكاسبين ولابد للملك من سياسة جنوده وطريق السياسة ما يفعله الرائض الماهر بفرسه حيث يتعرف اصناف الجرى من ارقال وهرولة وعدو وغيرها والعادات الذميمة من حرونة ونحوها والامور التى تنبه الفرس تنبيها بليغا كالنخس والزجر والسوط ثم يراقبه فكلما فعل ما لا يرتضيه او ترك ما يرتضيه ينبهه بما ينقاد له طبعه وتنكسر به سورته وليقصد فى ذلك ان لا يتشوش خاطره فلا يتفطن لماذا ضربه ولتكن صورة الامر الذى يلقيه اليه متمثلة فى صدره منعقدة فى قلبه والخوف من المجازاة مقيما فى خاطره ثم اذا حصل فعل المطلوب والكف عن المهروب لا ينبغى ان يترك الرياضة حتى يرى ان الطريقة المطلوبة صارت خلقا له وديدنا وصار بحيث لولا الزجر لما ذكر لى خلافها فكذلك يجب على رائض الجنود ان يعرف الطريقة المطلوبة فعلا وكفا والامور التى يقع بها تنبيههم وليكن من شانه ان لا يهمل شيئا من ذلك ابدا وليس للاعوان حصر فى عدد لكنه يدور على دوران حاجات المدينة فربما تقع الحاجة الى اتخاذ عونين فى حاجة وربما كفى عون لحاجتين غير ان رؤس الاعوان خمسة، القاضى وليكن حرا ذكرا بالغا عاقلا كافيا عارفا بسنة المعاملات وبمكائد الخصوم فى اختصامهم وليكن صلبا حليما جامعا للامرين ولينظر فى مقامين، احدهما معرفة جلية الحال وهى اما عقد او مظلمة او سابقة بينهما، وثانيهما ما يريد كل واحد من صاحبه اى الارادتين اصوب وارجح ولينظر فى وجه المعرفة فهنالك حجة لا يريب فيها الناس تقتضى الحكم الصراح وحجة ليست بذلك تقتضى حكما دون الحكم

دوم امیر لشکر کو اس شان کا ہونا چاہیے کہ وہ سامانِ حرب سے خوب واقف ہو فوج میں جوانمرد اور دلیر لوگوں کو بھرتی کرے اور ہر شخص کے مبلغ منفعت کو معلوم کرے فوج کی ترتیب، جاسوسوں کو مقرر کرنے کی کیفیت اسکو خوب معلوم ہو اور دشمنوں کے داؤں گھات سے بخوبی آگاہ ہو۔ سوم منتظم شہر (یعنی کوتوال شہر) ایسا شخص ہونا چاہیے جو دلیر ہو شہر کی اصلاح و فساد کی باتوں سے خوب واقف ہو اسمیں سختی اور حلم بھی ہو اور ایسے لوگوں میں سے ہو جو ناپسندیدہ بات کو دیکھ کر خاموش رہ سکتے ہوں اور اسکو چاہیے کہ ہر قوم کیلئے انہی میں ایک سرغنہ مقرر کرے جو انکے حالات سے پورا واقف ہو۔ اسکے ذریعہ انکا انتظام کیا کرے اور انکے افعال کا اسسے مواخذہ کیا کرے۔ چہارم عامل (یعنی تحصیلدار) جو تحصیل مال پر متعین ہو سو ایسا شخص ہونا چاہیے جو اموال پر محصول لینے اور آمدنی کو مستحقین میں تقسیم کرنے کی کیفیت سے بخوبی واقف ہو۔ پنجم وکیل جو بادشاہ کے معاشی امور کا متکفل ہو کیونکہ بادشاہ احوالِ ملکی کیوجہ سے اپنی اصلاح معاش کیطرف توجہ نہیں کر سکتا۔

نواں باب (۲۶): ارتفاق رابع کا بیان

یہ وہ علم ہے جسمیں شہروں کے حکام و سلاطین کی سیاست پر بحث ہوتی ہے اور ان تعلقات کے محفوظ رکھنے کی کیفیت بیان کیجاتی ہے جو مختلف اقالیم کے باشندوں کے مابین ہوتے ہیں اور یہ اسلئے کہ جب ہر رئیس اپنے شہر کا مستقل مالک ہو جاتا ہے اسکے پاس اموال آنے لگتے ہیں اسیطرح لوگوں کی جماعتیں اسکے ساتھ ملتی ہیں تو انہیں اختلاف مزاج اور اختلاف استعداد کیوجہ سے جور و ظلم ہونے لگتا ہے قانون عادل کو چھوڑ دیتے ہیں، ایک دوسرے کے شہر لینے کی طمع کرتے ہیں باہم حسد کرتے ہیں اور جزئی رجحانات مثلاً اموال و اراضی کی خواہش یا حسد و کینہ کیوجہ سے باہم جنگ و جدال کرنے لگتے ہیں، جب بادشاہوں میں یہ خرخشے بڑھتے ہیں تو خلیفہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ خلیفہ سے ایسا شخص مراد ہے جسکے پاس اتنا لشکر اور سامان ہو کہ دوسرے شخص کا اس سے ملک لینا عادتاً ناممکن ہو کیونکہ ایسے شخص سے ملک لینا نہایت درجہ کوشش اور محنت کے بعد بہت سی جماعتوں کے اتفاق اور کثیر اموال صرف کرنیکے بعد ہی متصور ہو سکتا ہے جسکے اہتمام سے لوگ قاصر ہیں اور عادتاً محال ہے۔ جب خلیفہ مقرر ہو جاتا ہے اور ملک میں اپنی عمدہ سیرت کا عملدرآمد کرتا ہے، سرکش لوگ اسکے فرمانبردار اور بادشاہ اسکے مطیع ہو جاتے ہیں تو خدا کی نعمت کامل ہو جاتی ہے، شہر میں سکون اور لوگوں کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے خلیفہ کو ایسے درندہ طبیعت لوگوں سے جنگ کرنیکی ضرورت پڑا کرتی ہے جو لوگوں کے مال لوٹتے ہیں انکی اولاد کو اسیر کرتے ہیں، انکے ننگ و ناموس کی پردہ دری کرتے ہیں۔ تاکہ ان

الاول، وامير الغزاة وليكن من شانه معرفة عدة الحرب وتاليف الابطال والشجعان ومعرفة مبلغ كل رجل فى النفع وكيفية تعبية الجيوش ونصب الجواسيس والخبرة بمكايد الخصوم، وسائس المدينة وليكن مجربا قد عرف وجوه صلاح المدينة وفسادها صلبا حليما وليكن من قوم لايسكتون اذا رأوا خلاف ما يرتضونه وليتخذ لكل قوم نقيبا منهم عارفا باخبارهم ينتظم به امرهم ويؤاخذه بما عندهم، والعامل وليكن عارفا بكيفية جباية الاموال و تفريقها على المستحقين، والوكيل المتكفل بمعايش الملك فانه مع ما به من الاشغال لايمكن ان يتفرغ للنظر الى اصلاح معاشه ❊

باب الارتفاق الرابع

وهى الحكمة الباحثة عن سياسة حكام المدن وملوكها وكيفية حفظ الربط الواقع بين اهل الاقاليم و ذلك انه لما انفرد كل ملك بمدينته وجبى اليه الاموال و انضم اليه الابطال وجب اختلاف امزجتهم وتشتت استعداداتهم ان يكون فيهم الجور وترك السنة الراشدة وان يطمع بعضهم فى مدينة الآخر وان يتحاسدوا ويتقاتلوا بازاء جزئية من نحو رغبة فى الاموال والاراضى وحسد و حقد فلما كثر ذلك فى الملوك اضطروا الى الخليفة وهو من حصل له من العساكر والعدد ما يرى كالممتنع ان يسلب رجل آخر ملكه فانه انما يتصور بعد بلاء عام وجهد كبير و اجتماعات كثيرة وبذل اموال خطيرة تتقاصر الانفس دونها وتحيله العادة واذا وجد الخليفة واحسن السيرة فى الارض وخضعت له الجبابرة وانقاد له الملوك تمت النعمة واطمانت البلاد والعباد واضطر الخليفة الى اقامة القتال دفعا للضرر اللاحق بهم من انفس سبعية تنهب اموالهم وتسبى ذراريهم وتهتك حرمهم وهذه الحاجة هى

اسی ضرورت کیوجہ سے بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا تھا (ہمارے لئے ایک بادشاہ کو بھیجو تاکہ ہم خدا کی راہ میں لڑیں) جب شہوت پرست اور درندہ سیرت لوگ اپنی عادت خراب کر لیتے ہیں اور ملک میں فساد مچاتے ہیں تو بلا واسطہ یا بالواسطہ انبیاء اللہ تعالیٰ الہام فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کا رعب داب اٹھا دیا جائے اور انمیں جو بالکل قابلِ اصلاح نہ ہو وہ قتل کر دیا جائے اس قسم کے لوگ نوعِ انسانی میں اس عضو کے مانند ہیں جو گل کر بیکار ہو جاتا ہے پس خلیفہ سب سے پہلے ان سے جنگ پر آمادہ ہوتا ہے اور یہ وہ حاجت ہے جسکی طرف اس آیت میں اشارہ ہے (اگر خدا تعالیٰ لوگوں کو بعض لوگوں کے ذریعے دفع نہ کرے تو تمام کلیسا اور عبادت خانے منہدم کر دیئے جائیں) اور اسی لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے (ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے) اور خلیفہ بغیر مال اور فوج کے سرکش بادشاہوں سے لڑ کر انکے رعب داب کو ختم نہیں کر سکتا اور ضروری ہے کہ خلیفہ ان اسباب سے واقف ہو جو جنگ و صلح کے مقتضی ہوتے ہیں اور خراج و جزیہ مقرر کرنیکے مقتضی ہوتے ہیں۔ اسکو پہلے سوچ لینا چاہئے کہ قتال سے کیا مقصود ہے، کسی ظلم کا دفع کرنا ہے یا ان ناپاک درندہ طبیعت لوگوں کو ہلاک کرنا جن کی اصلاح کی امید نہیں، یا ان سے کم درجہ کے برے لوگوں کو ان کی شوکت ختم کر کے سرزنش کرنا، یا مفسد لوگوں کو انکے سرداروں کو قتل کر کے جو انکو تدبیر بتلاتے ہیں تہدید کرنا، یا ان کو قید کرنا، یا انکے املاک و اموال ضبط کرنا، یا رعیت کا ان سے رُخ پھیر دینا۔ اور خلیفہ کیلئے یہ مناسب نہیں کہ کسی غرض کے حاصل کرنیکیلئے اس سے زیادہ سخت اور مشکل امر میں پھنس جائے پس موافقین کی ایک عمدہ جماعت فنا کر کے اموال جمع کرنے میں لگ جائے، خلیفہ کا فرض ہے کہ قوم کی دلجوئی کرے ہر ایک نفع رسانی کا اندازہ رکھے ہر شخص کی جو حالت ہے اس سے زیادہ کسی پر اعتماد نہ کرے سردار دل اور دانشمند لوگوں کی عزت کرے ترغیب اور تخویف سے انکو جنگ پر آمادہ کرے اور اسکی اول نظر اس بات کیطرف ہو کہ ماتحت بادشاہوں کی جماعت متفرق رہے انکی طاقت کمزور پڑ جائے اور انکے دل خائف ہیں حتی کہ وہ اسکے روبرو ایسے لاچار ہو جائیں کہ اپنے لئے کچھ منصوبہ نہ کر سکیں جب ایسا بنانے میں کامیابی ہو جائے تو انمیں وہ بات جاری کرے جس کا جنگ سے پہلے ارادہ کیا تھا پس اگر ان سے دوبارہ فساد کا خوف ہو تو گراں گراں خراج اور جزیہ ان پر مقرر کر دے ان کے قلعے گرا کر ایسا کر دے کہ پھر بغاوت نہ کر سکیں، چونکہ خلیفہ ایسے مزاج کا محافظ ہوتا ہے جو نہایت مخالف خلطوں سے حاصل ہوا ہے اس لئے ضروری ہے کہ بیدار مغز ہو ہر طرف جاسوس بھیجے ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷

القواد عن بني اسرائيل الى ان قالوا لنبي لهم ابعث لنا ملكا نقاتل في سبيل الله وابتلاءً اذا اساءت انفس شهوية او سبعية السيرة وافسدوا في الارض فالهمهم الله سبحانه اما بلا واسطة او بواسطة الانبياء ان يسلب شوكتهم ويقتل منهم من لا سبيل له الى الاصلاح اصلا وهم في نوع الانسان بمنزلة العضو المؤف بالاكلة وهذه الحاجة هي المشار اليها بقوله تعالى ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع الاية وقوله تعالى وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة، ولا يتصور للخليفة مقاتلة الملوك الجبابرة وازالة شوكتهم الا بالاموال وجمع رجال ولابد في ذلك من معرفة الاسباب المقتضية لكل واحد من القتال والهدنة وضرب الخراج والجزية وان يتامل ولا ما يقصد بالمقاتلة من دفع مظلمة او ازهاق انفس سبعية خبيثة لا يرجى صلاحها او كبت انفس دونها في الخبث بازالة شوكتها او كبت قوم مفسدين في الارض بقتل رؤسهم المدبرين لهم او حبسهم او حيازة اموالهم واراضيهم او صرف وجوه الرعية عنهم ولا ينبغي للخليفة ان يقتحم لتحصيل مقصد فيما هو اشد منه فلا يقصد حيازة الاموال بافناء جماعة صالحة من الموافقين ولابد من استمالة قلوب القوم ومعرفة مبلغ نفع كل واحد فلا يعتمد على احد اكثر مما هو فيه والتنويه بشان السراة والدهاة والتحريض على القتال ترغيبا وترهيبا وليكن اول نظره الى تفريق جمعهم وتكليل حدهم واخافة قلوبهم حتى يتمثلوا بين يديه لا يستطيعون لانفسهم شيئا فاذا ظفر بذلك فليتحقق فيهم ظنه الذي زوره قبل الحرب فان خاف منهم ان يفسدوا تارة اخرى الزمهم خراجا منهكا وجزية مستاصلة وهدم صياصيهم وجعلهم بحيث لا يمكن لهم ان يفعلوا فعلهم ذلك، ولما كان الخليفة حافظ الصحة مزاج حاصل من اخلاط متشاكسة جدا اوجب ان يكون متيقظا ويبعث عيونا في كل

اور اپنی فراست کاملہ سے کام لے۔ اور جب اپنی فوج میں کسی جماعت کے اتفاق کر لینے کو پائے تو فوراً ان کے مقابلہ میں دوسری جماعت متعین کرے جو ان کے موافقت نہ کر سکیں۔ اور جب کسی کو خلافت کا خواہاں دیکھے تو فوراً اس کی شوکت کو زائل کر دے اور اس کی قوت کو کمزور کر دے۔ اور خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ اپنے حکم کے منوانے کی اور خیر خواہی پر متفق رہنے کی لوگوں میں عادت ڈالے اور اس بارہ میں محض قبول کرنا کافی نہ سمجھے بلکہ قبول کی کوئی علامت ظاہرہ ہو جس سے رعایا پر دار و گیر کر سکے۔ مثلاً اس کے لئے دعا کرنا، بڑے بڑے مجمعوں میں اس کی تعظیم ہونا اور لوگوں کا ایک روش اور ہیئت پر جس کا خلیفہ نے حکم دیا ہے پابند رہنا، جیسے ہمارے زمانہ میں اشرفیوں پر خلیفہ کا نام کندہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم ؏

دسواں باب (۲۷) ؏

اصول ارتفاقات پر لوگوں کے اتفاق کا بیان ؏

واضح ہو کہ اقالیم معمورہ کے ہر شہر اور اخلاق حمیدہ اور معتدل مزاج اقوام سے ہر قوم آدم علیہ السلام کے عہد سے لیکر آج تک اصول تدابیر سے خالی نہیں رہی اور یہ اصول ہر زمانہ میں سب کے نزدیک مسلم ہوتے آئے ہیں جن کی مخالفت کرنیوالوں کو لوگ بہت برا سمجھتے ہیں اور بوجہ شہرت کے ان اصول کو بدیہی سمجھتے ہیں۔ اور بعض فروعات تدابیر اور ان کی بعض صورتوں میں اختلاف ہونے سے آپ ہمارے بیان میں شک نہ کریں۔ مثلاً سب کا اتفاق ہے کہ مُردوں کی عفونت دور کیجائے اور ان کا ستر چھپایا جائے لیکن اس کی صورتوں میں اختلاف ہے بعض نے زمین میں دفن کرنا پسند کیا اور بعض نے آگ میں جلانا اچھا سمجھا۔ سب اس پر متفق ہیں کہ نکاح کی شہرت کی جائے اور حاضرین کے سامنے اس میں اور زنا میں تمیز ہو جائے لیکن اس کی صورتوں میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بعض نے گواہوں، ایجاب، وقبول اور ولیمہ کو بہتر سمجھا اور بعض نے دف گانا باجہ اور لباس فاخرہ کو جو صرف بڑی بڑی دعوتوں میں ہی پہنا جاتا ہے اختیار کر لیا۔

زانی اور چور کو سزا دینے میں سب کا اتفاق ہے لیکن اس کی صورت میں اختلاف ہے پس بعض نے سنگسار اور ہاتھ کاٹنا پسند کیا اور بعض نے سخت مار پیٹ اور بامشقت قید بھاری بھاری جرمانوں کی سزا اختیار کی۔ اور نیز ان اصول سے دو فریقوں کی مخالفت ہمارے قول سابق سے آپکو نہ روکے۔ ایک فریق ان احمق لوگوں کا جو

ناحية ويستعمل فراسة نافذة فاذا رأى اجتماعا منعقدا من عساكره فلا يصبر بدون ان ينصب اجتماعا آخر مثله من مستحيل العادة مواطأتهم معهم واذا رأى من رجل التماس الخلافة فلا يصبر دون ابقاء جرأته وازالة شوكته واضعاف قوته ولا بد ان يجعل قبول امره والاتفاق على مناصحته سنة مسلمة عندهم ولا يكفي في ذلك مجرد القبول بل لا بد من امارة ظاهرة للقبول بها يؤاخذ الرعية كالدعاء له والتنويه بشأنه في الاجتماعات العظيمة وان يوطنوا انفسهم على زي وهيئة امرها الخليفة كالاصطلاح على الدنانير المنقوشة باسم الخليفة في زماننا والله اعلم ؏

باب اتفاق الناس على اصول الارتفاقات

اعلم ان الارتفاقات لا تخلو عنها مدينة من الاقاليم المعمورة ولا امة من الامم اهل الامزجة المعتدلة والاخلاق الفاضلة من لدن آدم عليه السلام الى يوم القيامة واصولها مسلمة عند الكل قرنا بعد قرن وطبقة بعد طبقة لم يزالوا ينكرون على من عصاها اشد نكير ويرونها امورا بديهية من شدة شهرتها، ولا يصدنك عما ذكرنا اختلافهم في صور الارتفاقات وفروعها فاتفقوا مثلا على ازالة نتن الموتى وستر سوأتهم ثم اختلفوا في الصور، فاختار بعضهم الدفن في الارض وبعضهم الحرق بالنار، واتفقوا على تشهير النكاح وتمييزه عن السفاح على رؤس الاشهاد ثم اختلفوا في الصور، فاختار بعضهم الشهود والايجاب والقبول والوليمة وبعضهم الدف والغناء ولبس ثياب فاخرة لا تلبس الا في الولائم الكبيرة واتفقوا على زجر الزناة والسراق ثم اختلفوا فاختار بعضهم الرجم وقطع اليد وبعضهم الضرب الاليم والحبس الوجيع والغرامات المنهكة، ولا يصدنك ايضا مخالفة طائفتين احدهما البله

جن کی حالت چارپایوں سے ملتی جلتی ہے۔ لوگوں کی بڑی اکثریت ان کے ناقص العقل اور ناقص المزاج ہونیکی کچھ شبہ نہیں کرتی اور انکی حماقت کی یہی دلیل ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان قیود کا پابند نہیں سمجھتے۔ دوسرا فریق فاسق لوگوں کا ہے اگر ان کے دلوں سے فسق نکال دیا جائے تو وہ ان تدابیر کے معتقد ہو جائیں لیکن ان پر نفسانی خواہشات غالب ہیں جسکی وجہ سے خود کو گنہگار سمجھتے ہوئے نافرمانی کرتے ہیں، لوگوں کی بیٹیوں اور بہنوں سے زنا کرتے ہیں اور اگر کوئی ان کی بیٹیوں اور بہنوں سے زنا کرے تو غصہ سے پھٹ پڑیں اور قطعاً جان لیں کہ لوگوں پر ان برائیوں کا وہی اثر ہوتا ہے جو ان پر ہوا ہے۔ اور ان باتوں سے شہر کے انتظام کو ضرر پہنچتا ہے لیکن خواہش نے ان کو اندھا کر رکھا ہے اور یہی حال چوری اور غصب وغیرہ کا ہے۔ اور کوئی یہ خیال نہ کرے کہ لوگوں نے بلاوجہ ان تدابیر پر اسطرح اتفاق کر لیا جس طرح تمام اہل مشرق و مغرب کا کھانے کی نسبت غذا بنانے میں اتفاق ہو جائے۔ کیا ایسا خیال کرنے سے بڑھکر کوئی دھوکہ ہو سکتا ہے؟ بلکہ فطرت سلیمہ یہ فیصلہ کرتی ہے کہ تمام لوگ باوجودیکہ ان کے مزاج مختلف، ان کے شہر دور دراز، ان کے مذہب جدا جدا ہیں ان اصول پر ضرور کسی مناسبت فطریہ کیوجہ سے متفق ہیں۔ یہ ایسی مناسبت فطریہ ہے جو نوعی صورت کیوجہ سے اور ان حاجات کثیرۃ الوقوع کیوجہ سے جنکو نوع کے افراد نے اختیار کیا ہے اور ان اخلاق کیوجہ سے جنکو صحت نوعی نے افراد کے مزاجوں میں قائم کر دیا ہے پیدا ہوتی ہے۔ اگر کوئی آدمی شہر سے دور دراز جنگل میں پرورش پائے اور کسی کی رسم و عادات سے واقف نہ ہو تو ضرور ہے کہ اسکو بھوک پیاس اور خواہش نفسانی کی حاجتیں پیش آئیں گی اور بلاشک عورت کیطرف رغبت پیدا ہوگی اور ان دونوں کے صحت مزاج سے اولاد بھی پیدا ہوگی اور گھر والے باہم ملکر رہنے لگیں گے اور ان میں معاملات پیش آئینگے پس ارتفاق اول منتظم ہوگا اور پھر جب انکی اور بھی کثرت ہوگی تو پھر ضرور ان میں صاحب اخلاق حمیدہ بھی پیدا ہوں گے اور انہیں معاملات پیش آئینگے جن سے تمام تدابیر عمل میں لانے کی ضرورت پڑے گی۔ واللہ اعلم۔

گیارہواں باب (۲۸): لوگوں کی باہمی رسوم کا بیان

واضح ہو کہ رسوم کو تدابیر سے وہی نسبت ہے جو دل کو بدن انسانی سے ہے۔ مذاہب کا مقصود اول یہی ہیں اور شرائع الٰہیہ میں انہی کے مباحث اور اشارات ہیں۔

الملتحقون بالبهائم ممن لا يشك الجمهور ان امزجتهم ناقصة وعقولهم مخدجة وصاروا يستدلون على بلاهتهم بما يرون من عدم تقييدهم انفسهم بتلك القيود، والثانية الفجار الذين لو نقر ما في قلوبهم ظهر انهم يعتقدون الارتفاقات لكن تغلب عليهم الشهوات فيعصونها شاهدين على انفسهم بالفجور، يزنون ببنات الناس واخواتهم ولو زني ببناتهم واخواتهم كادوا يتميزون من الغيظ ويعلمون قطعا ان الناس يصيبهم ما اصابوا، وان اصابة هذه الامور مخلة بانتظام المدينة لكن يعميهم الهوى، وكذلك الكلام في السرقة والغصب وغيرهما. ولا ينبغي ان يظن انهم اتفقوا على ذلك من غير شئ بمنزلة الاتفاق على ان يتغذى بطعام واحد اهل المشارق والمغارب كلهم وهل سفسطة اشد من ذلك؟ بل الفطرة السليمة حاكمة بان الناس لم يتفقوا عليها مع اختلاف امزجتهم وتباعد بلدانهم وتشتت مذاهبهم وآرائهم الا لمناسبة فطرية منشعبة من الصورة النوعية ومن حاجات كثيرة الوقوع يتوارد عليها افراد النوع ومن اخلاق توجبها الصحة النوعية في امزجة الافراد، ولو ان انسانا نشأ ببادية نائية عن البلدان ولم يتعلم من احد رسما كان له لاجرم حاجات من الجوع والعطش والغلمة واشتاق لا محالة الى امرأة ولا بد عند صحة مزاجهما ان يتولد بينهما اولاد وينضم اهل ابيات وينشأ فيهم معاملات فينتظم الارتفاق الاول عن آخره ثم اذا كثروا الابدان يكون فيهم اهل اخلاق فاضلة تقع فيهم وقائع ثم توجب سائر الارتفاقات والله اعلم.

باب الرسوم السائرة في الناس

اعلم ان الرسوم من الارتفاقات هي بمنزلة القلب من جسد الانسان واياها قصدت الشرائع اولا وبالذات وعنها البحث في النواميس الالهية واليها الاشارات

اور ان رسوم کے چند اسباب ہیں جن سے یہ پیدا ہوتی ہیں مثلاً حکماء کا ان کو مستنبط کرنا اور ان لوگوں کے دلوں میں جو نور ملکی سے مؤید ہیں الہام الٰہی کا ہونا۔ اور چند اسباب ہیں جن کی وجہ سے یہ رسوم لوگوں میں پھیلتی ہیں جیسے کسی بڑے بادشاہ کے طریقہ کا رسم ہو جانا جس کے لوگ مطیع ہوں یا ان رسوم کا لوگوں کے دلی خیالات کے مطابق ہونا جنکو لوگ اپنی دلی شہادت سے قبول کر لیتے ہیں اور انکی سخت پابندی کرنے کے یہی اسباب ہوتے ہیں کہ ان کے ترک کرنے میں غیبی سزا ملنے کا یا سستی کرنے میں فساد واقع ہونیکا تجربہ ہوتا ہے۔ یا صاحبِ رائے سلیم انکے ترک کرنے پر ملامت کرتے ہیں وغیر ذالک۔

اور دانا آدمی ان نظائر سے جنکو ہمنے ذکر کیا ان رسوم کے بعض شہروں میں جاری اور بعض شہروں میں فوت ہونے سے ہماری بات کی خوب تصدیق کر سکے گا۔ اور رسوم مروجہ نفس الامر میں صحیح ہیں کیونکہ تدابیر مناسبہ کی یہی محافظ ہیں۔ اور افراد انسانی کو انہی کے ذریعہ سے کمال نظری یا عملی حاصل ہوتا ہے اور ان کے نہ ہونے سے اکثر لوگ بہائم طبع ہو جائیں۔ بہت سے آدمی نکاح و دیگر معاملات ٹھیک ٹھیک طریقہ سے کرتے ہیں اور جب ان سے ان قیود کی پابندی کا سبب پوچھا جائے تو موافقتِ قوم کے سوا کوئی جواب نہ ملیگا۔ زیادہ سے زیادہ انکو ان رسوم کا علم اجمالی ہوتا ہے جسکو صاف طور پر انکی زبان بیان نہیں کر سکتی چہ جائیکہ ان تدابیر کے فوائد کی تمہید بیان کر سکیں۔ ایسا شخص اگر ان رسوم کی پابندی نہ کرے تو بہائم صفت شمار کیا جائیگا۔ لیکن ان رسوم میں بری رسمیں بھی داخل ہو جایا کرتی ہیں جسکی وجہ لوگوں کو اپنے اچھے طریقے کی تمیز میں اشتباہ پڑ جاتا ہے۔ اور برے رسوم کے پیدا ہونے کی وجہ ہوتی ہے کہ کبھی وہ لوگ سردار ہو جاتے ہیں جن پر جزئی رائیں غالب ہوتی ہیں اور مصالح کلیہ سے بعید ہوتے ہیں تو وہ درندوں کے سے کام کرنے لگتے ہیں جیسے رہزنی اور غصب وغیرہ۔ یا ان سے شہوت پرستی کے کام سرزد ہوتے ہیں جیسے لواطت اور مردوں کا زنانہ پن۔ یا مضر رساں پیشے اختیار کرتے ہیں جیسے سود خوری اور ناپ تول میں کمی۔ یا لباس اور ولیموں میں ایسے عادات اختیار کرتے ہیں جنکا انجام اسراف ہوتا ہے اور انکے مہیا کرنے میں بڑے اہتمام کی ضرورت پڑتی ہے۔ یا تفریح کیلئے اپنے شوق بڑھاتے ہیں جنکے سبب سے امور معاش و معاد معطل ہو جاتے ہیں جیسے گانا بجانا شطرنج شکار کبوتر بازی وغیرہ یا مسافروں پر پُر مشقت محصول مقرر کرتے ہیں اور رعیت سے ایسے خراج وصول کرتے ہیں جس سے وہ تباہ ہو جاتی ہے یا باہم حرص و بغض زیادہ کر لیتے ہیں پس انکو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں سے ایسا برتاؤ کریں۔ اور اسکو ناپسند کرتے ہیں کہ اور لوگ ان سے ایسا معاملہ کریں۔ انکی وجاہت اور دبدبہ کی

ولها اسباب تنشأ منها كاستنباط الحكماء وكالهام الحق فى قلوب المؤيدين بالنور الملكى واسباب تنتشر بها فى الناس مثل كونها سنة ملك كبير دانت له الرقاب او كونها تفصيلا لما يجده الناس فى صدورهم فيتلقونها بشهادة قلوبهم واسباب يعضون عليها بالنواجذ لاجلها من تجربة مجازاة غيبية على اهمالها او وقوع فساد فى اغفالها او كاقامة اهل الآراء الراشدة اللائمة على تركها ونحو ذلك والمستبصر ربما يوفق لتصديق ذلك من احياء سنن واماتتها فى كثير من البلدان بنظائر ما ذكرنا والسنن السائرة وان كانت من الحق فى اصل امرها لكونها حافظة على الارتفاقات الصالحة ومفضية بافراد الانسان الى كمالها النظرى والعملى ولولاها لالتحق اكثر الناس بالبهائم فكم من رجل يباشر النكاح والمعاملات على الوجه المطلوب واذا سئل عن سبب تقييده بتلك القيود لم يجد جوابا الا موافقة القوم وغاية جهده علم اجمالى لا يعرب عنه لسانه فضلا عن تمهيد ارتفاقه فهذا لو لم يلتزم سنة كاد يلتحق بالبهائم لكنها قد ينضم معها باطل فيلبس على الناس سنتهم وذلك بان يترأس قوم يغلب عليهم الآراء الجزئية دون المصالح الكلية فيخرجون الى اعمال سبعية كقطع الطريق والغصب او شهوية كاللواطة وتأنث الرجال او اكساب ضارة كالربا وتطفيف الكيل والوزن او عادات فى الزى والولائم تميل الى الاسراف وتحتاج الى تعمق بليغ فى الاكساب والاكثار من المستلذات بحيث يفضى الى اهمال الامر المعاشى والمعادى كالمزامير والشطرنج والصيد واقتناء الحمام ونحوها او جبايات منهكة لابناء السبيل وخراج مستأصل للرعية او التشاح والتشاحن فيما بينهم فيستحسنون ان يفعلوها مع الناس ولا يستحسنون ان يفعل ذلك معهم فلا ينكر عليهم احد لجاههم وصولتهم فيجيء فجرة القوم فيقتدون بهم وينصرونهم ويبذلون

اوران اعمال کے پھیلانےمیں بڑی کوشش کرتے ہیں - اور پھر ایک قوم ایسی آتی ہے جنکے دلوں میں نہ اعمال صالحہ کا قوی میلان ہوتا ہے نہ اعمال فاسدہ کا پس انکو رؤسا کی حالت دیکھ دیکھ کر انہیں بھی انہی امور کی آمادگی پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی انکو نیک باتوں کا پتہ ہی نہیں چلتا اور ایسے خاندانوں کے آخر میں ایسے لوگ باقی رہا کرتے ہیں جنکی فطرتیں درست ہوتی ہیں وہ ان سے میل جول نہیں رکھتے اور غصہ کی حالت میں خاموش رہتے ہیں پس ان کی خاموشی سے بری رسمیں قائم اور مستحکم ہو جاتی ہیں ـ کامل العقل لوگوں کا فرض ہے کہ حق کے پھیلانے و جاری کرنے میں اور باطل کے نابود کرنے میں پوری کوشش کریں اور بسا اوقات یہ بات بغیر جھگڑے اور لڑائیوں کے ممکن نہیں ہوتی ـ پس یہ لڑائی جھگڑے تمام نیک کاموں میں افضل شمار ہوں گے اور جب دنیا میں نیک روی کا طریقہ قائم ہو جائے پس ہر زمانہ میں لوگ اسکو تسلیم کریں حتیٰ کہ انکی زندگی اور موت ہونے لگے اور اسی پر ان کے نفوس اور خیالات جم جائیں اور وہ اس طریقہ کو وجوداً و عدماً اصول کا متلازم سمجھ لیں تو پھر کوئی اس سے باہر نہ ہو سکیگا سوائے اس شخص کے جسکا نفس ناپاک ہو، کم عقل ہو، شہوت اسپر غالب ہو اور اسکی گردن پر نفس پرستی سوار ہو پس جب وہ اس طریقہ سے باہر قدم رکھیگا تو اپنے دل میں گنہگار ہونیکی شہادت کو پائیگا ـ مصلحت کلی اور اسکے درمیان ایک پردہ حائل ہو جائیگا ـ اور جب وہ کام بے باکانہ طور پر کریگا تو اسکے مرض نفسانی کی یہی شرح ہو جائیگی (یعنی اسکے نفسانی مرض کی کیفیت صاف صاف معلوم ہو جائیگی) اور دین اسکے میں رخنہ ہوگا ـ پس یہ طریقہ نیک جب پورا پورا کامل اور مقرر ہو جاتا ہے تو ملاء اعلیٰ سے اس طریقہ کے موافقین کیلئے دعا اور مخالفین کیلئے بددعا صادر ہوتی ہے اور خطیرۃ القدس میں موافق کیلئے رضامندی اور مخالف کیلئے ناراضی ظاہر ہوتی ہے ـ جب نیک طریقوں کی یہ حالت ہوتی ہے تو وہ اس فطرت سے شمار کئے جاتے ہیں جن پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے ـ واللہ اعلم ✤

مبحث چہارم سعادت کا بیان ـ

پہلا باب (۲۹): سعادت کی حقیقت کا بیان ✤

واضح ہو کہ انسان کے کچھ کمالات ایسے ہیں جو باقتضائے صورت نوعی ہوتے ہیں اور بعض کمالات ایسے ہیں جو باقتضائے موضوع نوع یعنی جنس قریب و بعید کے اقتضاء سے ہوتے ہیں ـ انسانی سعادت جس کے مفقود ہونے سے مضرت ہوتی ہے

السعی فی اشاعة ذلك ويجئ قوم لم يخلق فی قلوبهم ميل قوی الی الاعمال الصالحة ولا الی اضدادها فيحملهم ما يرون من الرؤساء علی التمسك بذلك وربما اوعيت بهم المذاهب الصالحة ويبقی قوم فطرتهم سوية فی اخريات القوم لا يخالطونهم ويسكتون علی غيظ فتنعقد سنة سيئة وتتأكد، ويجب بذل الجهد علی اهل الآراء الكلية فی اشاعة الحق وتمشيته واخمال الباطل وصده فربما لم يمكن ذلك الا بمخاصمات ومقاتلات فيعد كل ذلك من افضل اعمال البر واذا انعقدت سنة راشدة فسلمها القوم عصرا بعد عصر وعليها كان محياهم ومماتهم وبنيت عليها نفوسهم وعلومهم فظنوها متلازمة للاصول وجودا وعدما لم تكن ارادة الخروج عنها وعصيانها الا ممن سمجت نفسه وطاش عقله وقويت شهوية واقتعد غاربه الهوی فاذا باشر الخروج اضمر فی قلبه شهادة علی فجوره وسدل حجاب بينه وبين المصلحة الكلية فاذا اكمل فعله صار ذلك شرحا لمرضه النفسانی وكان ثلمة فی دينه فاذا تقرر ذلك تقررا بينا ارتفعت ادعية الملا الاعلی وتضرعات منهم لمن وافق تلك السنة وعلی من خالفها وانعقد فی خطيرة القدس رضا وسخط عمن باشرها او عليه واذا كانت السنن كذلك عدت من الفطرة التی فطر الله الناس عليها والله اعلم ؞

المبحث الرابع مبحث السعادة

باب حقيقة السعادة

اعلم ان للانسان كمالا تقتضيه الصورة النوعية وكمالا يقتضيه موضوع النوع من الجنس القريب والبعيد وسعادته التی يضره فقدها ويقصرها اهل

اور درست عقل کے لوگ اسکا نہایت اہتمام اور قصد کرتے ہیں وہ نوعی کمالات ہیں اسلئے کہ عادۃً کبھی انسان کی مدح ان صفات کیوجہ سے ہوتی ہے جنمیں معدنی اجسام بھی شریک ہیں مثلاً طول اور عظیم القامۃ کا ہونا ۔ پس اگر اسی کو سعادت قرار دیں تو پہاڑوں کو یہ سعادت بدرجہ اتم حاصل ہے ۔ اور کبھی انسان کی مدح ایسی صفات کیوجہ سے جنمیں نباتات شریک ہیں مثلاً مناسب نشو ونما عمدہ عمدہ نقش ونگار اور تر و تازہ صورتیں ۔ پس اگر یہی سعادت ہے تو گل لالہ اور گلاب کو کامل سعادت حاصل ہے ۔ اور کبھی ایسی صفات کیوجہ سے مدح ہوتی ہے جنمیں حیوانات شریک ہیں جیسے زور آوری، بلند آوازی، جفتی کی طاقت، زیادہ کھانا پینا، غضب اور کینہ کا زیادہ ہونا پس اگر اسی کا نام سعادت ہے تو گدھے میں کامل درجہ کی سعادت پائی جاتی ہے ۔ اور کبھی ان صفات کیوجہ سے انسان کی مدح کیجاتی ہے جو صرف انسان ہی میں پائی جاتی ہیں جیسے مہذب اخلاق، عمدہ تدابیر، اعلیٰ قسم کی صنعتیں، بلندیٔ مرتبہ، پس بادی الرائے میں انہی امور کا نام سعادت انسانی ہے اور اسی لئے ہر قوم جس کو آپ بڑا عاقل اور دانشمند پاتی ہیں انہی اوصاف کے حاصل کرنیکا قصد کرتی ہے اور انکے سوا دوسری صفات کو صفات مدح ہی نہیں سمجھتی ۔ لیکن ابھی تک پوری تنقیح نہیں کیونکہ ان صفات کی اصل ہر ہر حیوان میں موجود ہے مثلاً شجاعت کی اصل غصہ، انتقام لینا، شدائد میں ثابت قدمی، خطرناک کاموں میں پیش قدمی کرنا ہے اور یہ سب امور بہائم کے نروں میں کثرت سے پائی جاتی ہیں لیکن انکو شجاعت اسیوقت کہا جاتا ہے کہ وہ نفس ناطقہ کے فیضان سے اس طرح مہذب ہو جائیں کہ مصلحت کلیہ کے مطیع اور عقلی خواہش سے پیدا ہونے والے ہوں ۔ اور اسی طرح اور صنعتوں کی اصل بھی حیوانات میں موجود ہے ۔ چڑیا اپنے آشیانہ کو بناتی ہے بلکہ بعض صنعتیں ایسی ہیں جنکو حیوانات بالطبع بناتے ہیں اور انسان بہ تکلف بھی ویسی نہیں بنا سکتا ۔

پس معلوم ہوا کہ یہ امور حقیقی سعادت نہیں بلکہ بالتبع سعادت شمار کی جاتی ہیں اور سعادت حقیقی یہ ہے کہ قوت بہیمیہ نفس ناطقہ کی مطیع ہو اور خواہش عقل کے تابع ہو اور نفس ناطقہ قوت بہیمیہ پر اور عقل ہوس پر غالب ہو ۔ باقی اور خصوصیات لغو ہیں ۔ واضح ہو کہ حقیقی سعادت سے جن امور کا تعلق ہے وہ دو قسم کے ہیں ایک قسم ایسی ہے جس میں پیدائشی طور پر نفس ناطقہ کا فیضان امور معاش میں ہوتا ہے لیکن اس قسم سے مقصد اصلی حاصل ہونا ممکن نہیں بلکہ بسا اوقات ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤

العقول المستقيمة قصدا مؤكدا هو الاول وذلك انه قد يمدح في العادة بصفات يشارك فيها الاجسام المعدنية كالطول وعظم القامة فان كانت السعادة هذه فالجبال اتم سعادة، وصفات يشارك فيها النبات كالنمو المناسب والخروج الى تخاطيط جميلة وهيأت ناضرة فان كانت السعادة هذه فالشقائق والاوراد اتم سعادة، وصفات يشارك فيها الحيوان ككثرة البطش وجهورية الصوت وزيادة الشبق وكثرة الاكل والشرب وفور الغضب في الحسد فان كانت السعادة هذه فالحمارة اتم سعادة وصفات يختص بها الانسان كالاخلاق المهذبة والارتفاقات الصالحة والصنائع الرفيعة والجاه العظيم فبادئ الرأي انها سعادة الانسان ولذلك ترى كل امة من امم الناس يستحب اتمها عقلا واسدها رأيا ان يكتسب هذه ويجعل ما سواها كانها ليست صفات مدح ولكن الامر الى الآن غير منقح لان اصل هذه موجود في افراد الحيوان فالشجاعة اصلها الغضب وحب الانتقام والثبات في الشدائد والاقدام على المهالك وهذه كلها موفرة في الفحول من البهائم لكن لا تسمى شجاعة الا بعد ما يهذبها فيض النفس النطقية فتصير منقادة للمصلحة الكلية منبعثة من داعية معقولة وكذلك اصل الصناعات موجودة في الحيوان كالعصفور الذي ينسج العش بل رب صنعة يصنعها الحيوان بطبيعته لا يتمكن منها الانسان بتجشم، كلا بل الحق ان هذه سعادة بالعرض وان السعادة الحقيقية هي انقياد البهيمية للنفس النطقية واتباع الهوى للعقل وكون النفس الناطقة قاهرة على البهيمية والعقل غالبا على الهوى وسائر الخصوصيات ملغاة، واعلم ان الامور التي تشتبك بالسعادة الحقيقية على قسمين، قسم هو من باب ظهور فيض النفس النطقية في المعاش بحكم الجبلة ولا يمكن ان يحصل للخلق المطلوب بهذا القسم بل ربما يكون

ان افعال کی زیبائش ہی میں غرق ہونا پڑتا ہے بالخصوص فکر جزئی کی صورت میں جیسا کہ یہ اسی کمال ناقص کی شان ہے جو کمال مطلوب کی ضد ہو جیسے کہ کوئی شخص غصہ پیدا کرکے اور کشتی لڑکر شجاعت حاصل کرنا چاہے یا عرب کے اشعار اور خطبوں کی واقفیت سے فصیح بننا چاہے۔ اور اخلاق اپنے ہم جنسوں کی مزاحمتوں سے ظاہر ہوتے ہیں اور ضرورتوں کے پیش آنے سے تدابیر حاصل ہوتی ہیں اور آلات و مادے سے صنعتوں کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور یہ سب چیزیں زندگی کے تمام ہوتے ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ پس جو شخص ان حالات میں ناقص رہ کر مرا اور ان امور سے کچھ بیزار بھی تھا تو وہ صرف اصلی کمال سے ہی محروم رہیگا۔ اور اگر ان تعلقات کی صورتیں نفس کو لپٹی ہوں گی تو نفع سے زیادہ اسکو مضرت ہوگی۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس کا اثر یہ ہے کہ قوت بہیمیہ ملکیہ کی فرمانبردار ہو جائے اسکے حکم کے بموجب کام کرے اور اسکے رنگ سے رنگین ہو جائے۔ اور قوت ملکی ایسی ہو کہ بہیمیت کے ادنی اثر کو قبول نہ کرے اسکے کمینہ نقوش اس میں جم سکیں جیسے موم میں انگشتری کے نقوش جم جاتے ہیں۔ اور اسکا طریقہ یہ ہے کہ جب ملکی طاقت کسی چیز کا تقاضہ کرے اور قوت بہیمیہ کو حکم کرکے اسکا مطالبہ کرے تو بہیمیت اسکی اطاعت کرے کسی قسم کی بغاوت نہ کرے اور اس کی تعمیل سے باز نہ رہے اور ایسے ہی ملکی طاقت اسکو حکم کرتی رہے اور بہیمیت اسکو قبول کرتی رہے اور اسکا امضا ہوتا رہے حتی کہ وہ اسکی عادی ہو کر مشتاق ہو جائے اور یہ امور جنکو قوت ملکیہ چاہے اور بہیمیہ مجبوراً قبول کرے انہی امور میں حاصل ہوتی ہے جن میں ملکیت کو خوشی اور بہیمیت کو تنگدلی حاصل ہو جیسے ملکوت کے ساتھ مشابہ ہونا اور جبروت کا ملاحظہ کرنا کیونکہ یہ حالتیں قوت ملکی کا خاصہ ہیں اور قوت بہیمی کو ان حالات سے نہایت بعد ہے۔ یا یہ بات جب حاصل ہوگی کہ قوت بہیمیہ کی خواہشات لذائذ اور مرغوبات کو ترک کر دیا جائے اس حصہ کا نام عبادت اور ریاضت ہے یہ ان مقصود اخلاق کو حاصل کرنے کے ذریعے ہیں جو موجود نہیں ہوتے۔ پس اس مقام کی تحقیق کا مرجع یہ ہوا کہ سعادت حقیقی بغیر عبادات کے حاصل نہیں ہو سکتی اسی لئے مصلحت کلی افراد انسان کو صورت نوعیہ کے ذریعہ سے ندا کرتی ہے اور نہایت تاکیدی حکم کرتی ہے کہ بقدر ضرورت ان صفات کی اصلاح کیجائے جو انسان کیلئے کمال ثانی ہیں اور اپنا مقصد اصلی اور بڑی مہم اس بات کو ٹھہرائے کہ نفس کو مہذب کرے اور ایسی ہیئت سے مزین کرے جنکی وجہ سے وہ ملاء اعلی کے مشابہ ہو جائے انکے ایسی استعداد پیدا ہو جائے

الغوص فی تلك الافعال بزینتها لاسیما بفکر جزئی کما هو شأن الناقص ضداً للکمال المطلوب کالذی یقصد تحصیل الشجاعة باثارة الغضب فی المصارعة ونحو ذلك او الفصاحة بمعرفة اشعار العرب وخطبهم والاخلاق لاتظهر الا عند مزاحمات من بنی النوع والارتفاقات لاتقتنص الا بحاجات طارئة والصنائع لاتتم الا بآلات ومادة وهذه کلها منقضیة بانقضاء الحیاة الدنیا فان مات الناقص فی تلك الحالة وکان سمحاً بقی عاریاً عن الکمال وان لزق بنفسه صور هذه العلاقات کان الضرر علیه اشد من النفع، وقسم انها روحه هیئة اذعان البهیمیة للملکیة بان تتصرف حسب وحیها وتنصبغ بصبغها وتمنع الملکیة منها بان لاتقبل الوانها الدنیة ولا انطبع فیها نقوشها الخسیسة کما تنطبع نقوش الخاتم فی الشمعة ولا سبیل الی ذلك الا ان تقتضی الملکیة شیئاً من ذاتها وتوحیه الی البهیمیة وتقترحه علیها فتنقاد لها ولا تبغی علیها ولا تمتنع منها ثم تقتضی ایضاً فتنقاد هذه ایضاً ثم وثم حتی تعتاد ذلك وتتمرن و هذه الاشیاء التی تقتضیها هذه من ذاتها وتعسر علیها تلك علی رغم انفها انما یکون من جنس ما فیه انشراح لهذه و انقباض لتلك وذلك کالتشبه بالملکوت والتطلع للجبروت فانها خاصة الملکیة بعیدة عنها البهیمیة غایة البعد او بترك ما تقتضیه البهیمیة وتستلذه وتشتاق الیه فی غلوائها

وهذا القسم یسمی بالعبادات والریاضات وهی شرکات تحصیل الفائت من الخلق المطلوب فال تحقیق المقام الی ان السعادة الحقیقیة لاتقتنص الا بالعبادات ولذلك کانت المصلحة الکلیة تنادی افراد الانسان من کوة الصورة النوعیة وتامرها امراً مؤکداً ان تجعل صلاح الصفات التی هی کمال ثان بقدر الضرورة وان تجعل غایة همتها ومطمح بصرها تهذیب النفس وتحلیتها بهیئات تجعلها شبیهة بما فوقها من الملاء الاعلی مستعدة لنزول انوار

عالم جبروت وملکوت کے اثر اس میں پیدا ہو سکیں۔ قوتِ بہیمی ملکی کے زیر فرمان اور نہایت مطیع رہے اور وہ ملکی احکام کا مظہر بن جائے۔ افراد انسانی میں جب نوعی تندرستی ہوتی ہے اور ان کا مادہ احکام نوع کے پوری طرح ظاہر ہونے کے قابل ہوتا ہے تو وہ اس سعادت کے نہایت مشتاق ہوتے ہیں اور جسطرح لوہا مقناطیس کیطرف کھچتا ہے اسیطرح یہ سعادت کیطرف کھچتے ہیں یہ ایک جبلی فطری امر ہے جس پر خدا نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا ہے اور اسی لیے جب بنی آدم میں کوئی قوم معتدل مزاج ہوئی توان میں وہ عظماء بھی ضرور ہوئے جو ان اخلاق حمیدہ کے تکمیل کی کوشش کرتے ہیں اور اسکو اعلی ترین سعادت سمجھتے ہیں سلاطین اور حکماء انہی کیطرف دیکھتے ہیں کم درجہ کے لوگ انہی سے فیضیاب ہوتے ہیں ان کو تمام دنیا کی سعادت نصیب ہوتی ہے اور یہ لوگ ملائکہ کی جماعت میں داخل ہوتے ہیں انہی کی جماعت میں منسلک ہوتے ہیں حتی کہ لوگ ان سے برکت حاصل کرتے ہیں اور ان کے ہاتھ پاؤں پر بوسہ دیتے ہیں کیا عرب وعجم باوجود اختلافِ عادات وادیان اور دوری بلدان واوطان بغیر کسی مناسبت فطریہ کے شئی واحد پہ متفق ہو سکتے ہیں اور یہ وحدت نوعی سب ایک سی حالت کا اقرار کر سکتے ہیں حالانکہ آپ ہر آدمی کی فطرت میں قوتِ ملکیہ کا موجود ہونا اور انکے افاضل اور عمدہ لوگوں کے مراتب بھی پہچان چکے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ واللہ اعلم ؀

دوسرا باب (٣): لوگوں کا سعادت میں مختلف ہونیکا بیان ؀

واضح ہو کہ شجاعت اور تمام اخلاق جسطرح افراد انسانی ان اوصاف میں مختلف ہیں یعنی بعض ایسے ہیں جنمیں وصفِ شجاعت بالکل مفقود ہے اور کسی ایسی مخالف حالت کی وجہ سے جو انکے نفس طبیعت میں ہوتی ہے شجاعت کے حاصل ہونیکی امید ہی نہیں ہوتی جیسے مخنث اور نہایت ضعیف القلب شجاعت سے محروم ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ ان میں شجاعت بالفعل نہیں ہوتی لیکن شجاعت کے مناسب افعال اقوال اور مناسب ہیئتوں کی مشاق کے بعد شجاع ہونیکی امید ہو سکتی ہے جبکہ شجاع لوگوں سے وہ ان افعال اقوال کو حاصل کرتے ہیں پیشوایان شجاعت کے واقعات یاد کرتے ہیں جو سختیوں میں ثابت قدم رہے اور ہلاکی کے موقعوں پر اقدام کیا۔ اور بعض ایسے ہیں جن میں اصل ملکہ پیدا کیا گیا ہے اور ان سے ہمیشہ لغزشیں ہوتی رہتی ہیں پس اگر انکو اس سے رکنے کا حکم دیا جائے تو انکی زیست تنگ ہو جائے اور ناگواری سے خاموش رہیں۔ اور اگر انکی پیدائشی حالت کے مناسب کوئی حکم دیا جائے تو انکی حالت گندھک کے مانند ہے جسکو آگ لگتے ہی جلنے میں

الجبروت والملكوت عليها وان تجعل البهيمية منذعنة للملكية مطيعة لها منصبة لظهور احكامها وافراد الانسان عند الصحة النوعية وتمكين المادة لظهور احكام النوع كاملة وافرة تشتاق الى هذه السعادة وتنجذب اليها انجذاب الحديد الى المغناطيس وذلك خلق خلق الله الناس عليه وفطرة فطرهم عليها ولهذا ما كانت فى بنى آدم امة من اهل المزاج المعتدل الا فيها قوم من عظمائهم يهتمون بتكميل هذا الخلق ويرونه السعادة القصوى ويراهم الملوك والحكماء فمن دونهم فائزين بما يجل عن سعادات الدنيا كلها ملتحقين بالملائكة منخرطين فى سلكهم حتى صاروا يتبركون بهم ويقبلون ايديهم وارجلهم فهل يمكن ان يتفق عرب الناس وعجمهم على اختلاف عاداتهم واديانهم وتباعد مساكنهم وبلدانهم على شئ واحد وحدة نوعية الا لمناسبة فطرية كيف لا وقد عرفت ان الملكية موجودة فى اصل فطرة الانسان وعرفت افاضل الناس وساطينهم من هم والله اعلم ؀

باب اختلاف الناس فى السعادة

اعلم ان الشجاعة وسائر الاخلاق كما يختلف افراد الانسان فيها، فمنهم الفاقد الذى لا يرجى له حصولها ابد القيام هيئة مضادة فى اصل جبلته كالمخنث وضعيف القلب جدا بالنسبة الى الشجاعة، ومنهم الفاقد الذى يرجى له ذلك بعد ممارسة افعال واقوال وهيئات تناسبها وتلقى ذلك من اهلها وتذكر احاديث ائمتها وما جرى عليهم من الحوادث فى الايام فثبتوا فى الشدائد واقدموا على المهالك، ومنهم الذى خلق فيه اصل الخلق ولا تزال تنبجس فيه فلتات كل حين فان امر بحبس نفسه عنها ضاق عليه الامر وسكت على غيظ وان امر بما يناسب جبلته كان كالكبريت يتصل به النار فلا

اور بعض ایسا ہے جس میں یہ ملکہ نہایت وافر اور کامل پیدا کیا گیا ہے وہ اپنے مقتضیات طبع کیطرف خود بخود دوڑتا ہے اگر اسکو بزدلی کیطرف بزور بلائیں تو وہ بالطبع اسکو قبول نہیں کرتا اور بغیر کسی رسم ورواج اور بغیر کسی دوسری کی خواہش کے اسکو اس ملکہ کے کاموں اور ہیئتوں کا کرنا آسان ہوتا ہے ایسا آدمی اس ملکہ کا امام ہوا کرتا ہے اسکو کسی پیشرو اور معلم کی ضرورت نہیں ہوتی اور جو لوگ اس ملکہ میں اس سے کم درجہ کے ہوتے ہیں انکو اسکے طرز کا اختیار کرنا اسکے رسوم کا اختیار کرنا اور بہ تکلف اسکی روش اختیار کرنا اور اسکے واقعات یاد کرنا ضروری ہے تاکہ ان کو وہ کمال جو ان کے حق میں مقدر اور ممکن ہے حاصل ہو جائے۔ اسیطرح لوگ اس حالت پر مختلف ہیں جس پر انکی سعادت کا مدار ہے پس بعض ایسے ہیں جنمیں سعادت کی صلاحیت ہی نہیں جیسے وہ لڑکا جسکو خضر نے مار ڈالا تھا بالطبع کافر تھا اسیطرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے (بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو یہ اب رجوع نہ ہونگے) اور بعض ایسے ہیں جو فاقد السعادت تو ہیں لیکن انمیں اصلاح کی امید ہے جبکہ وہ سخت سخت ریاضتیں کریں اعمال پر مداومت کریں نفس ان اعمال سے متاثر ہوتا ہے ایسے لوگ انبیاء علیہم السلام کی جوش دہندہ دعوت اور انکے طریقوں کے محتاج ہوتے ہیں اس قسم کے لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ بعثت انبیاء کیلئے اولا وبالذات یہی لوگ مقصود ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جنمیں اخلاق اجمالا رکھے گئے ہیں اور ان سے لغزشیں بھی ہوتی ہیں لیکن وہ تفصیلی امور میں اور اس خلق کو مناسب ہیئتوں کے درست کرنے میں بسا اوقات رہبر کے محتاج ہوتے ہیں اس آیت میں اسی مرتبہ کیطرف اشارہ ہے (قریب ہے کہ اسکا تیل روشن ہو جائے اگرچہ اسکو آگ بھی نہ لگے) ان لوگونکو سباق کہتے ہیں۔ لوگوں میں ایک طبقہ انبیاء کا ہے جنکو سعادت کامل نصیب ہوتی ہے انکے مناسب ہیئتوں کے اختیار کرنے، غیر حاصل کمال کے حاصل کرنے موجود کو باقی رکھنے اور ناقص کی تعلیم کرنے میں ان کو نہ رہبر کی حاجت ہوتی ہے اور نہ کسی کے کہنے کی ضرورت۔ اور وہ طریقہ جس پر وہ اپنے فطری مقتضی سے عمل کرتے ہیں لوگوں کی ہدایت کے لئے قانون اور سنن بن جاتا ہے جسکو لوگ یاد رکھتے ہیں اور اپنا دستور العمل کر لیتے ہیں اور چونکہ آہنگری اور تجارت وغیرہ عام لوگونکو بغیر اپنے بزرگوں کے منقول شدہ طریقوں کی پیروی کے حاصل نہیں ہوتی تو ان اعلیٰ مقاصد کی نسبت تم کیا خیال کر سکتے ہو جو سوائے اہل توفیق کے کسی اور کو نصیب نہیں ہوتے۔ اس مقام سے یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ انبیاء کیطرف متوجہ ہونے کی شدید ضرورت ہے ان کا اتباع واجب ہے اور ان کی احادیث سے شغل رکھنا نہایت ضروری امر ہے۔ واللہ اعلم ✤

يتراخوا حتواقه، ومنهم الذى خلق فيه الخلق كاملا وافرا وينذفع الى مقتضياته ضرورة وان دعى الى الجبن مثلا اشد دعوة لم يقبل ويتيسر له الخروج الى فعال هذا الخلق والهيأت المناسبة له بالطبع من غير رسم ولا دعوة وهذا هو الامام فى هذا الخلق لا يحتاج الى امام اصلا ويجب على الذين هم دونه فى الخلق ان يتمسكوا بسنته و يعضوا بنواجذهم على رسومه ويتكلفوا فى محاكاة هيأته ويتذكروا وقائعه ليتخرجوا الى الكمال المتوقع لهم من الخلق بحسب ما قدر لهم فكذلك يختلفون فى هذا الخلق الذى عليه مدار سعادتهم فمنهم الفاقد الذى لا يرجى صلاحه كالذى قتله الخضر طبع كافرا واليه الاشارة فى قوله تعالى صم بكم عمى فهم لا يرجعون ومنهم الفاقد الذى يرجى له ذلك بعد رياضات شاقة واعمال ديمة يؤاخذ بها نفسه فيحتاج الى دعوة حثيثة من الانبياء وسنن مأثورة منهم وهؤلاء اكثر الناس وجودا وهم المقصودون فى البعثة اولا وبالذات ومنهم الذى ركب فيه الخلق اجمالا وينبجس منه فلتاته الا انه يحتاج فى التفصيل وتمهيد الهيأت على ما يناسب الخلق فى كثير مما ينبغى الى امام وفيه قوله تعالى يكاد زيتها يضئ ولو لم تمسسه نار، وهم السباق، ومنهم الانبياء يتأتى لهم الخروج الى كمال هذا الخلق واختيار هيأت مناسبة له و كيفية تحصيل الفائت منه وابقاء الحاضر واتمام الناقص من غير امام ولا دعوة فينتظم من جريانهم فى مقتضى جبلتهم سنن يتذكرها الناس ويتخذونها دستورا كيف و لما كانت الحدادة والتجارة وامثالهما لا تتاتى من جمهور الناس الا بسنن مأثورة عن اسلافهم فما ظنك بهذه المطالب الشريفة التى لا يهتدى اليها الا الموفقون، ومن هذا الباب ينبغى ان يعلم شدة الحاجة الى الانبياء ووجوب اتباع سنتهم والاشتغال باحاديثهم والله اعلم ✤

تیسرا باب (۳۱) :- اُس سعادت کے حاصل کرنے کی کیفیت میں لوگوں کے مختلف طور طریقے

واضح ہو کہ یہ سعادت دو طریقہ سے حاصل ہوتی ہے ایک وہ طریقہ ہے جس میں
قوت بہیمیہ سے گویا بالکل الگ ہو جاتا ہے اور یہ اسطرح سے ہوتا ہے کہ ایسے ذرائع
اختیار کئے جائیں جن سے طبیعت کے احکام رک جائیں اس کی تیزی ختم ہو جائے اسکے
علوم اور حالات کا شعلہ بجھ جائے اور ہمہ تن عالم جبروت کیطرف متوجہ ہو جائے۔
نفس ان علوم کو قبول کرنے لگے جو مکان اور زمان سے بالکل بری ہیں اور ان لذتوں
کی خواہش اس میں پیدا ہو جائے جو مالوف لذتوں سے بالکل علیحدہ ہیں یہاں تک کہ
لوگوں سے ملنا جلنا ترک کردے ان کی مرغوب چیزوں میں رغبت نہ کرے انکے
خوف کرنیکی چیزوں سے بیخوف ہو جائے اور تمام لوگوں سے دور علیحدگی اختیار کرلے
یہ وہ سعادت ہے جس کی حکماء اشراقین اور صوفیہ میں مجاذیب طالب رہتے
ہیں۔ پس ان میں سے بعض اپنے مقصود کو پہنچ جاتے ہیں اور وہ بہت ہی کم ہیں۔ اور
باقی لوگ ہمیشہ اسکے مشتاق اور اسکی طرف آنکھیں لگائے رکھتے ہیں اور بہ تکلف اسکی
ہیات کی نقل کرتے ہیں۔ اور دوسرا طریقہ وہ ہے جس میں بہیمیت کی اصلاح ہو جایا
کرتی ہے اسکی کجی دور کردیجاتی ہے لیکن اسکی اصل حالت باقی رہتی ہے۔ یہ اسطرح
پر ہوتا ہے کہ اس بات کی کوشش کیجائے کہ نفس ناطقہ کے افعال ہیئتیں اور اذکار
وغیرہ کی قوت بہیمی ایسی ہی نقل کرتی رہے جیسے گونگا آدمی لوگوں کے اقوال کو اپنے اشاروں
سے نقل کرتا ہے اور کوئی مصور نفسانی حالات خوف اور شرمندگی وغیرہ کی ایسی صورتوں
سے نقل کرتا ہے جو ان حالات کے ساتھ ساتھ نظر آیا کرتی ہیں۔ اور جس عورت کا بچہ مرجاتا
ہے وہ اسکا غم ایسے کلموں اور دردمندی سے ظاہر کرتی ہے کہ اسکو جو سنتا ہے اسپر
غم طاری ہو جاتا ہے اور غم کی صورت اسکے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ اور چونکہ تدبیر الٰہی
کی بنیاد اس بات پر ٹھہری کہ عالم کی تدابیر میں اقرب سے اقرب اور اسہل سے اسہل
کو اختیار کیا جائے اور جملہ افراد کے امور کی اصلاح پر نظر کیجائے نہ یہ کہ شاذ و نادر کی
طرف توجہ کیجائے۔ اور مصالح دارین کے قائم کرنے میں انتظام ملحوظ رہے تو لطف
الٰہی اور رحمت خدا کا یہ تقاضہ ہوا کہ اولاً و بالذات طریقہ ثانیہ کے قائم کرنے اسکی
طرف دعوت اور آمادہ کرنیکے لئے رسولوں کو دنیا میں بھیجے اور پہلے طریقہ کیطرف
صرف ضروری اشارات اور ضمنی اظہارات سے رہبری کرے۔
ولله الحجة البالغة ۞ ۞ ۞ ۞

باب توزع الناس فی کیفیة تحصیل هذه السعادة

اعلم ان هذه السعادة تحصل بوجهين احدهما
ما هو كالانسلاخ عن الطبيعة البهيمية وذلك بالتمسك
بالحيل الجالبة لركود احكام الطبيعة وخمود سورتها و
انطفاء لهب علومها وحالاتها ويقبل على التوجه التام
الى ما وراء الجهات من الجبروت وقبول النفس لعلوم مقدسة
عن الزمان والمكان بالكلية ولذات مباينة للذات المالوفة
من كل وجه حتى يصير كالمتبرئ من الناس ولا يرغب فيما
يرغبون ولا يرهب مما يرهبون ويكون منهم على طرف شاسع
وصقع بعيد وهذا هو الذي يرومه المتألهون من الحكماء
والمجذوبون من الصوفية فوصل بعضهم غاية مناها و
قليل ما هم وبقي آخرون مشتاقين لها طامحة ابصارهم
اليها متكلفين لمحاكاة هيأتها، وثانيهما ما هو كالاصلاح
للبهيمية والاقامة لعوجها مع تحقق اصلها وذلك ان
يسعى في محاكاة البهيمية ما عند النفس النطقية بافعال
وهيأت واذكار ونحوها كمثل ما يحاكي الاخرس اقوال الناس
باشاراته والمصور الاحوال النفسانية من الوجل والخجل
بهيأت مبصرة يجعلها متعانقة متشابكة مع تلك
الاحوال والثكلى تفجعها بكلمات وترجيعات لا يسمعها
احد الا حزن وتمثل عنده صورة التفجع ولما كان مبنى
التدبير الالهي في العالم على اختيار الاقرب فالاقرب والاسهل
فالاسهل والنظر الى صلاح ما يجري مجرى جملة افراد
النوع دون الشاذة والفاذة واقامة مصالح الدارين من
غير ان يخرم نظام شيء منهما اقتضى لطف الله ورحمته ان
يبعث الرسل اولا وبالذات لاقامة الطريقة الثانية و
الدعوة اليها والحث عليها وينبهوا على الاولى باشارات
الزامية وتنويهات تضمينية لا غير ولله الحجة البالغة،

اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلا طریقہ ان لوگوں سے بن پڑتا ہے جن میں لاہوتی کشش زیادہ ہو اور ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں اس طریقہ کیلئے سخت ریاضتوں کی نہایت درجہ فراغ خاطر کی ضرورت ہے۔ اور ایسی مشقتیں جھیلنے والے بہت ہی کم ہیں۔ اس طریقہ کے پیشوا وہ لوگ ہیں جنہوں نے امور معاش کو ترک کر دیا اور دنیا میں انکو دعوت دین کا منصب حاصل نہیں ہے۔ اور نیز اس طریقہ کی تکمیل بغیر اسکے نہیں ہوتی کہ دوسرے طریقہ کا معقول مجموعہ بھی پیش نظر رکھا جائے اور نیز اس طریقہ سے ایک نہ ایک سعادت سے محرومی ہوگی یا دنیوی تدابیر کی اصلاح نہ ہوگی یا آخرت کیلئے نفس کی اصلاح نہ ہوگی۔ اگر سب لوگ اسی طریقہ کو اختیار کرلیں تو دنیا ویران ہو جائیگی اور اگر لوگوں کو اسکا حکم دیا جائے تو گویا تکلیف بالمحال ہوگی کیونکہ تدابیر نافعہ ایک فطری شی ہوگئے ہیں اور دوسرے طریقہ کے مقتدا ذوفہم اور صاحب اصلاح لوگ ہوتے ہیں دین و دنیا کی ریاست انکو حاصل ہوتی ہے انہی کی دعوت مقبول اور انہی کا طریقہ قابل اتباع ہے اور انکے طریقہ میں صالحین سابقین اور اصحاب الیمین کے کمالات منحصر ہیں اور دنیا میں یہی لوگ بہ کثرت ہیں اور اس طریقہ پر ذکی غبی مشغول اور فارغ البال سب چل سکتے ہیں اور اسمیں کچھ تنگی بھی نہیں اور بندہ کیلئے یہ طریقہ اسکے نفس کی اصلاح آراستگی اور ان تکالیف سے بچنے کیلئے جنکا آخرت میں اندیشہ ہے کافی بھی ہے۔ اسلئے کہ ہر شخص کیلئے ملکی افعال مقرر ہیں جنکے ہونے سے اسکو آخرت میں آرام ملیگا اور انکے نہ ہونے سے اسکو تکلیف ہوگی۔ اب رہے احکام تجرد تو وہ اسکو عالم قبر اور حشر میں حاصل ہو جائیں گے گو وہ انکی جبلت سے بالفعل واقف نہیں اگرچہ وہ ایک زمانہ کے بعد ہونگے (شعر ترجمہ) زمانہ عنقریب وہ حالات ظاہر کر دیگا جنکی تجھکو خبر ہی نہ تھی اور تیرے پاس خبر تکو وہ شخص لائیگا جسکے لئے تونے توشہ تیار نہ کیا تھا۔ اور حاصل کلام یہ ہے کہ خیر و سعادت کے تمام طریقوں کا پورے طور پر احاطہ کرنا اکثر لوگوں کے لئے محال سا ہے اور جہل بسیط سے کچھ نقصان بھی نہیں۔ واللہ اعلم ✚

چوتھا باب (۳۲) :- ان اصول کا بیان جو طریقہ ثانیہ کی تحصیل کا مرجع ہیں ۞

واضح ہو کہ دوسری قسم کی سعادت حاصل کرنیکے بیشمار طریقے ہیں لیکن خدا نے اپنے فضل سے مجھ کو سمجھایا ہے کہ ان کی انتہا چار خصلتوں پر ہوتی ہے ۞

تفصيل ذلك ان الاولى انما تتاتى من قوم ذوى تجاذب وقليل ما هم وبرياضات شاقة وتفرغ قوى وقليل من يفعلها وانما ائمتها قوم اهملوا معاشهم ولا دعوة لهم فى الدنيا ولا تتم الا بتقديم جملة صالحة من الثانية ولا يخلو من اهمال احدى السعادتين اصلاح الارتفاقات فى الدنيا واصلاح النفس للآخرة فلو اخذ بها اكثر الناس خربت الدنيا ولو كلفوا بها كان كالتكليف بالمحال لان الارتفاقات صارت كالجبلة، والثانية انما ائمتها المفهمون وذووا اصلاح وهم القائمون برياسة الدين والدنيا معا ودعوتهم هى المقبولة وسنتهم هى المتبعة وينحصر فيها كمال المصطلحين من السابقين اصحاب اليمين وهم اكثر الناس وجودا ويتمكن منها الذكى والغبى والمشتغل والفارغ ولا حرج فيها وتكفى العبد فى استقامة نفسه ودفع اعوجاجها ودفع الآلام المتوقعة فى المعاد عنها اذ لكل نفس افعال ملكية تتنعم بوجودها وتتالم بفقدها اما احكام التجرد فسيلقى اليها نشات القبر والحشر من حيث لا يدرى بجبلتها ولو بعد حين (شعر)

ستبدى لك الايام ما كنت جاهلا
ويأتيك بالاخبار من لم تزود

وبالجملة فالاحاطة واستقصاء وجوه الخير كالمحال فى حق الاكثرين والجهل البسيط غير ضار والله اعلم

باب الاصول التى يرجع اليها تحصيل الطريقة الثانية

اعلم ان طرق تحصيل السعادة على الوجه الثانى كثيرة جدا غير انى فهمنى الله تعالى بفضله ان رجع

جن کو قوت بہیمیہ قبول کر لیتی ہے جبکہ نفس ناطقہ کا قوت بہیمیہ پر فیضان ہوتا ہے اور نفس ناطقہ اسکو اپنی مناسب حالتوں پر مجبور کرتا ہو۔ انسان کی تمام حالات میں سے ان اوصاف کو ملاء اعلیٰ سے زیادہ ہمرنگی ہے انہی اوصاف کیوجہ انسان ملاء اعلیٰ میں ملنے اور انکی جماعت میں داخل ہونے کے قابل ہو جاتا ہے۔ خدا نے ہمکو سمجھایا ہے کہ انبیاء انہی باتوں کی تعلیم اور ترغیب کے لیے بھیجے گئے تھے اور تمام شریعتیں انہی کی تفصیل اور انہی کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ انہیں سے ایک وصف طہارت ہے اسکی حقیقت یہ ہو کہ جب آدمی کی فطرت سلیم ہوتی ہے اسکا مزاج صحیح ہوتا ہے اسکا دل تمام سفلی مشاغل سے جو تدبیر کے مانع ہوتے ہیں خالی ہوتا ہے تو ایسی حالت میں سبب اسکو پلید چیزوں سے آلودگی ہو جاتی ہے اور اسکو بول و براز کی ضرورت ہوتی ہے اور ان سے فارغ نہیں ہوتا اور وہ مجامعت اور اسکی دواعی کو ابھی ابھی کر چکا ہوتا ہے تو اسکا دل منقبض ہوتا ہے اسپر تنگی اور غم طاری ہوتا ہے اور اپنے آپکو نہایت گھٹن میں پاتا ہے پھر جب دونوں قسم کی نجاستیں دور ہو جاتی ہیں اور اپنے بدن کو ملتا ہے اور غسل کرتا ہے اور اچھے کپڑے پہن کر خوشبو لگاتا ہے تو اسکا انقباض دور ہو جاتا ہے اور اسکی جگہ دل میں کشادگی سرور اور انبساط پاتا ہے یہ لوگوں کے دکھلانے کیلئے یا انکی رسوم کی پابندی کیوجہ سے نہیں ہوتا بلکہ محض نفس ناطقہ کے حکم کیوجہ ہوتا ہے۔ پس پہلی حالت کو حدث اور دوسری حالت کو طہارت کہتے ہیں اور جو شخص ذکی ہے اسکے احکام نوع کی سلامتی ظاہر ہوتی ہے اور اسکا مادہ صورت نوعیہ کے احکام بجا لانے پر قادر ہے تو وہ دونوں حالتوں میں تمیز کریگا ایک کو پسند کریگا اور دوسرے کو ناپسند اور غبی آدمی جب اسکی قوت بہیمیہ ذرا کمزور ہوتی ہے یکسوئی اور طہارت کو اختیار کرتا ہے انکے پہچاننے کیلئے فرصت پاتا ہے تو وہ بھی ضرور ان دونوں کو پہچانتا ہے اور ایک کو دوسرے سے تمیز کر لیتا ہے۔ اور صفات نسانیہ میں سے طہارت کو بہیمی آلودگیوں سے علیحدہ ہونے میں اور اپنی نورانی کیفیت سے خوش ہونے میں ملاء اعلیٰ سے نہایت مشابہت ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ طہارات قوت عملی کے اعتبار سے کمالات حاصل کرنے میں نفس کو خوب مدد دیتی ہے۔ اور حدث جب انسان میں جم جاتا ہے اور ہر طرف سے احاطہ کر لیتا ہے تو آدمی میں شیطانی وساوس قبول کرنے کی، شیاطین کو حس مشترک کے سامنے دیکھنے کی، پریشان خوابوں کے دیکھنے کی، نفس ناطقہ کے قرب میں تاریکی کے غلبہ کی اور ملعون وکمینہ حیوانات کی صورتیں نظر آنے کی قابلیت پیدا کرتا ہے ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

الى خصال اربع تتلبس بها البهيمية متى غلظتها النفس النطقية وقسرتها على ما يناسبها وهى اشبه حالات الانسان بصفة الملاء الاعلى مما تحققه بهم وانخراطه فى سلكهم وفهمنى انه انما بعث الانبياء للدعوة اليها والحث عليها وان الشرائع تفصيل لها وراجعة اليها احدها الطهارة وحقيقتها ان الانسان عند سلامة فطرته وصحة مزاجه وتفرغ قلبه من الاحوال السفلية الشاغلة له عن التدبر اذا تلطخ بالنجاسات وكان حاقبا حاقنا قريب العهد من الجماع ودواعيه انقبضت نفسه واصابه ضيق وحزن ووجد نفسه فى غاشية عظيمة ثم اذا تخفف عن الاخبثين ودلك بدنه واغتسل ولبس احسن ثيابه وتطيب اندفع عنه ذلك الانقباض ووجد مكانه انشراحا وسرورا وانبساطا كل ذلك لا لمراعاة الناس والحفظ على رسومه بل بحكم النفس النطقية فقط، فالحالة الاولى تسمى حدثا، والثانية طهارة، والذكى من الناس والذى يرى منه سلامة احكام النوع وتمكين المادة لاحكام الصورة النوعية يعرف الحالتين متميزة كل واحدة من الاخرى فيحب احداهما ويبغض الاخرى لطبيعته، والغبى منهم اذا اضعف شيئا من البهيمية ولج بالطهارات والتبتل وتفرغ لمعرفتهما لابد يعرفهما ويميز كل واحدة من الاخرى والطهارة اشبه الصفات النسمية بحالات الملاء الاعلى فى تجردها عن الالواث البهيمية وابتهاجها بما عندها من النور ولذلك كانت معدة لتلبس النفس بكمالها بحسب القوة العملية والحدث اذا تمكن من الانسان واحاط به من بين يديه ومن خلفه اورث له استعداد القبول وساوس الشياطين ورؤيتهم بحاسة الحس المشترك والمنامات موحشة والظهور الظلمة عليه فيما يلى النفس النطقية وتمثل الحيوانات

اور جب طہارت آدمی میں جگہ پکڑ لیتی ہے اور اسکا احاطہ کر لیتی ہے اور آدمی اسکا خیال رکھتا ہے اور اسکی طرف میلان کرتا ہے تو اس سے فرشتوں کے الہامات قبول کرنے کی انکو دیکھنے کی عمدہ عمدہ خوابوں کی انوار ظاہر ہونے کی اچھی چیزوں کے عمدہ شکل میں نظر آنے کی اور بڑی مبارک اور معظم چیزیں دکھائی دینے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسری صفت خدا کے حضور میں عاجزی کرنا ہے۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ جب انسان کو خدا کی آیات اور صفات کے ذریعہ سمجھایا جاتا ہے تو نفس ناطقہ متنبہ ہو جاتا ہے اور حواس و بدن اسکے سامنے عاجزی کرتے ہیں اور وہ حیرت زدہ سا ہو جاتا ہے اور عالم قدس کی جانب اپنا میلان پاتا ہے اور اسکو ایک ایسی حالت پیش آتی ہے جو بازاری لوگوں کو بادشاہوں کے دربار میں اپنی عاجزی، ان کی عظمت اور بخشش دیکھ کر پیش آتی ہے۔ انسان کی حالتوں میں سے یہ حالت خدا کی طرف رجوع ہونے میں، اسکے جلال اور تقدس میں سراپا حیرت اور مستغرق ہونے میں ملاء اعلیٰ کے ساتھ بہت زیادہ مشابہ ہے۔ اسی لئے علمی کمال حاصل کرنے میں یعنی ذہن میں معرفت خداوندی منقش ہو جانے میں اور اس کی بارگاہ میں اس طرح سے جا ملنے میں جس کو بیان نہیں کر سکتے، یہ حالت انسان کی خوب مدد کرتی ہے

تیسری صفت سماحت یعنی جوانمردی اور سخاوت ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ایسا ہو جائے کہ قوت بہیمی کی خواہشوں کی اطاعت نہ کرے اس کے نقش اس میں نہ جم سکیں اور اس کی آلائش اس میں نہ اثر کرے، یہ کیفیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب نفس امور معاش میں مصروف ہوتا ہے، عورتوں کی اس میں خواہش ہوتی ہے، لذات کا عادی اور اچھے کھانوں کا شوق ہوتا ہے۔ اور ان کے حاصل کرنے میں اتنی کوشش کرتا ہے کہ اچھی طرح حاجت روائی کر لیتا ہے اور اسی طرح جب غصہ ہوتا ہے یا کسی چیز کا لالچ کرتا ہے تو اس حالت میں کس قدر مستغرق رہتا ہے اور دوسری چیز کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ پھر جب یہ حالت زائل ہو جاتی ہے، پس اگر وہ جوانمرد ہے تو اس حالت سے ایسا الگ ہو جاتا ہے گویا اس میں کبھی تھا ہی نہیں۔ اور اگر اس میں قوت سماحت نہیں ہے تو وہ کیفیتیں اس میں اپنا جال پھیلا دیتی ہیں اور اس طرح جم جاتی ہیں جس طرح مہر کے نقش موم میں جم جاتے ہیں۔ اور وہ کشادہ دل اور صاحب سماحت جب اپنے بدن سے جدا ہوگا اور تمام تاریک اور مجتمع تعلقات سے اسکو سبکدوشی ہوگی اور اپنی اصل حالت کی طرف رجوع کرے گا۔

الملعونة اللئيمة واذا تمكنت الطهارة منه واحاطت به وتنبه لها وركن اليها اورثت استعداد القبول الهامات الملائكة ورؤيتها ولمنامات صالحة ولظهور الانوار وتمثل الطيبات والاشياء المباركة المعظمة. الثانية الاخبات لله تعالى وحقيقته ان الانسان عند سلامته وتفرغه اذا ذكر بآيات الله تعالى وصفاته وامعن في التذكر تنبهت النفس النطقية وخضعت الحواس والجسد لها وصارت كالحائرة الكليلة ووجد ميلا الى جانب القدس وكان كمثل الحالة التي تعتري السوقة بحضرة الملوك وملاحظة عجز انفسهم واستبداد اولئك بالمنع والعطاء وهذه الحالة اقرب الحالات النسمية واشبهها بحال الملأ الاعلى في توجهها الى بارئها وهيمانها في جلاله واستغراقها في تقديسه ولذلك كانت معدة لخروج النفس الى كمالها العلمي اعني انتقاش المعرفة الالهية في لوح ذهنها واللحوق بتلك الحضرة بوجه من الوجوه وان كانت العبارة تقصر عنه. والثالثة السماحة وحقيقتها كون النفس بحيث لا تنقاد لدواعي القوة البهيمية ولا يتشبح فيها نقوشها ولا يلحق بها وضر لوثها وذلك لان النفس اذا تصرفت في امر معاشها وتاقت للنساء وعافست اللذات او قرمت لطعام فاجتهدت في تحصيل حتى استوفت منها حاجتها، وكذلك اذا غضبت او شحت بشئ فانها لابد في تلك الحالة تستغرق ساعة في هذه الكيفية لا ترفع الى ما وراءها النظر البتة ثم اذا زايلت تلك الحالة فان كانت سمحة خرجت من تلك المضايق كان لم تكن فيها قط وان كانت غير ذلك فانها تشتبك معها تلك الكيفيات وتتشبح كما تتشبح نقوش الخاتم في الشمعة فاذا فارقت الجسد وتخففت عن العلائق الظلمانية المتراكمة ورجعت الى ما عندها

تو وہاں دنیا کی ان کیفیات میں سے جو ملکی قوت کی مخالف تھیں کچھ بھی نہ پائیگا اسی واسطے اسکو وہاں انس اور فراخ عیش حاصل ہوگا۔

اور حریص طمع شخص میں ان تعلقات کے نقوش جمع رہتے ہیں اسکی مثال ایسی سمجھ لو جیسے کسیکا کوئی نفیس مال چوری ہو جائے پس اگر وہ سخی ہے تو کچھ پروا نہیں کرتا اور اگر وہ تنگدل ہے تو دیوانہ سا ہو جاتا ہے اور اس مال کی صورت اسکی آنکھوں میں پھرتی رہتی ہے اور سماحت اور اسکی مخالف کیفیت کے ان چیزوں کے لحاظ سے جن میں وہ ہوا کرتی ہیں بہت سے لقب ہیں۔ اگر وہ مال میں ہوں تو سخاوت اور بخل کہتے ہیں۔ اگر شرمگاہ اور شکم کی خواہشوں میں ہوں تو اسکو پارسائی اور حرص کہتے ہیں۔ اور اگر آرام اور مشقتوں سے دور رہنے کی بابت ہو تو اسکو صبر اور ناصبری کہتے ہیں۔ اور اگر ان معاصی کے بارہ میں ہے جنکو شرع نے ممنوع قرار دیا ہے تو اسکو تقویٰ اور بدکاری کہتے ہیں۔ اور جب انسان میں یہ سماحت خوب گھر کر لیتی ہے تو اسکا نفس دنیوی خواہشوں سے الگ ہو جاتا ہے اور اس میں بلند ترین لذات مجردہ حاصل کرنے کی استعداد ہو جاتی ہے۔ اور سماحت ایک حالت ہے جو کمال مطلوب علمی یا عملی کی مخالف باتوں سے انسان کو روکتی ہے۔

چوتھی صفت عدالت ہے اور وہ ایسا نفسانی ملکہ ہے جس کے افعال کی وجہ سے شہر اور قوم کا انتظام بہ سہولت قائم ہو جاتا ہے اور نفس ان افعال پر گویا مجبول ہو جاتا ہے۔ اس راز یہ ہے کہ ملائکہ میں اور ان نفوس میں جو تعلقاتِ جسمانی سے دور ہیں ارادۂ خداوندی منقش ہو جاتا ہے جسکو اللہ تعالیٰ انتظام عالم اور اسکی پیدائش وغیرہ امور کی نسبت چاہتا ہے۔ پس ملائکہ اور نفوس بھی انہی باتوں کو پسند کرتے ہیں جو اس انتظام کے مناسب ہیں۔ پس یہ طبیعت روح مجردہ کی ہے۔ جب نفس جسم سے جدا ہو جاتا ہے اور اس میں اس صفت کا اثر باقی رہتا ہے تو اسکو نہایت درجہ خوشی ہوتی ہے اور وہ اس لذت کیطرف راہ پا لیتا ہے جو خسیس لذتوں سے جدا ہے۔ اور اگر بدن سے جدا ہوتے وقت اس صفت کی ضد اس میں ہے تو اس کی حالت نہایت تنگ ہوتی ہے وہ متوحش اور ملول ہوتی ہے۔ پس خدا تعالےٰ جب نبی کو دین قائم کرنے کیلئے اور لوگوں کو تاریکی سے نور کیطرف لانے کیلئے مبعوث فرماتا ہے تاکہ تمام لوگ متصف بہ عدالت ہو جائیں۔ تو جو شخص اس نور کے پھیلانے میں کوشش کرتا ہے اور لوگوں میں اسکی اشاعت کرتا ہے وہ قابلِ رحمت ہو جاتا ہے اور جو اسکے روکنے میں اسکے معدوم کرنے میں کوشش کرتا ہے وہ قابلِ ملامت و سنگساری ہو جاتا ہے

لم تجد شيئا مما كان في الدنيا من مخالفات الملكية فحصل لها الانس وصارت في ارغد عيش۔

والشحيحة تتمثل نقوشها عندها كما ترى بعض الناس يسرق منه مال نفيس فان كان سخيا لم يجد له بالا وان كان ركيك النفس صار كالمجنون وتمثلت عنده والسماحة وضدها لهما القاب كثيرة بحسب ما يكونان فيه فما كان منهما في المال يسمى سخاوة وشحا وما كان في داعية شهوة الفرج او البطن يسمى عفة وشرة وما كان في داعية الرفاهية والنبوعن المشاق يسمى صبرا وهلعا وما كان في داعية المعاصي الممنوعة عنها في الشرع يسمى تقوى وفجورا واذا تمكنت السماحة من الانسان بقيت نفسه عرية عن شهوات الدنيا واستعدت للذات العلية المجردة والسماحة هيئة تمنع الانسان من ان يتمكن منه ضد الكمال المطلوب علما وعملا۔ الرابعة العدالة وهي ملكة في النفس تصدر عنها الافعال التي يقام بها نظام المدينة والحي بسهولة وتكون النفس كالمجبول على تلك الافاعيل والسر في ذلك ان الملائكة والنفوس المجردة عن العلائق الجسمانية ينطبع فيها ما اراد الله في خلق العالم من اصلاح النظام ونحوه فتنقلب مرضياتها الى ما يناسب ذلك النظام فهذه طبيعة الروح المجردة فان فارقت جسدها وفيها شيء من هذه الصفة ابتهجت كل الابتهاج ووجدت سبيلا الى اللذة المفارقة عن اللذات الخسيسة وان فارقت وفيها ضد هذه الخصلة ضاق عليها الحال وتوحشت وتألمت فاذا بعث الله تعالى نبيا لاقامة الدين وليخرج الناس من الظلمات الى النور ويقوم الناس بالعدل فمن سعى في اشاعة هذا النور وبثه في الناس كان مرحوما ومن سعى في رده واخمالها كان ملعونا مرجوما

پس جب انسان میں صفتِ عدالت متمکن ہوجاتی ہے تو اس میں اور حاملین عرش و مقربین بارگاہ فرشتوں میں جو جود الٰہی اور برکات کے لئے ذریعہ ہیں اشتراک پیدا ہوجاتا ہے اور اسمیں اور ان فرشتوں میں فیضان کا دروازہ کھل جاتا ہے اور یہ صفت اس پر ان کے رنگ اور اثر نازل کرتے میں مددگار بن جاتی ہے اس طرح پر کہ نفس میں الہام ملائکہ سے مستفیض ہونے کی صلاحیت ہوجاتی ہے اور وہ آگے علوم کیلئے آمادہ رہتا ہے۔ پس اگر ان چاروں اوصاف اور خصائل کی تو حقیقت معلوم کرلیگا اور اس کیفیت کو سمجھ لیگا جس سے کمالات علمی وعملی حاصل ہوتے ہیں اور یہ اوصاف کیونکر آدمی کو فرشتوں میں منسلک کردیتے ہیں اور یہ بھی بخوبی سمجھ لیگا کہ ان اوصاف سے ہر زمانہ کے موافق شرائع الٰہیہ کا کیونکر استخراج ہوتا ہے تو تجھ کو بڑی خیر اور بھلائی عطا ہوگی اور تو دین کا فقیہ بنجائیگا" ان لوگوں میں سے تیرا شمار ہوگا جنکی بہتری خدا کو منظور ہے۔ ان چاروں اوصاف سے جو حالت مرکب ہوتی ہے اسکو فطرت کہتے ہیں۔ فطرت حاصل کرنے کے چند اسباب ہیں بعض انمیں سے علمی ہیں اور بعض عملی۔ اور بعض حجابات ایسے ہیں جو انسان کو مقاصدِ فطری سے روکتے ہیں اور ان حجابات کے زائل کرنے کیواسطے حیلے بھی ہیں ہم چاہتے ہیں کہ تمکو ان سب امور پر مطلع کردیں اسلئے بتوفیق الٰہی جو ہم کہیں غور سے سُنو! ۔ واللہ اعلم ؎

پانچواں باب (۳۳):- ان خصائل کی حاصل کرنیکا ناقص کی تکمیل اور زائل کی تحصیل کا بیان

واضح ہو کہ ان خصائل کے حاصل کرنے کی دو تدبیریں ہیں تدبیر علمی اور تدبیر عملی۔ تدبیر علمی کی اسواسطے ضرورت ہے کہ طبیعت علمی قوتوں کے تابع اور مطیع ہو اسلئے آپ دیکھتے ہیں کہ جب انسان کے دل میں حیا اور خوف پیدا کرنیوالی باتیں آتی ہیں تو خواہش نفسانی اور جماع کی رغبت جاتی رہتی ہے۔ پس جب اسکا دل فطرت کے مناسب امور کے علم سے پُر ہوجاتا ہے تو یہ علم ان امور کے نفس میں راسخ ہونیکی طرف کھینچتا ہے اور یہ اسطرح سے ہوتا ہے کہ وہ اس بات کا اعتقاد کرے کہ میرا خدا تمام بشری عیب سے پاک ہے اس پر آسمان اور زمین کا ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں۔ جب تین آدمی سرگوشی کرتے ہیں تو وہاں وہ چوتھا ہوتا ہے۔ اور جہاں پانچ مل کر پوشیدہ باتیں کرتے ہیں تو چھٹا وہ بھی ہوتا ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جسکا چاہتا ہے حکم کرتا ہے اسکے حکم کو کوئی نہ رد کرسکتا ہے نہ پھیر سکتا ہے ؎

واذا تمكنت العدالة من الانسان وقع اشتراك بينه و بين حملة العرش ومقربي الحضرة من الملائكة الذين هم وسائط نزول الجود والبركات وكان ذلك بابا مفتوحا بينه وبينهم ومعدا لنزول الوانهم و صبغهم بمنزلة تمكين النفس من الهام الملائكة و الانبعاث حسبها فهذه الخصال الاربع ان تحققت حقيقتها وفهمت كيفية اقتضائها للكمال العلمي و العملي واعدادها للانسلاك في سلك الملائكة و فطنت كيفية انشعاب الشرائع الالهية بحسب كل عصر منها اوتيت الخير الكثير وكنت فقيها في الدين ممن اراد الله به خيرا والحالة المركبة منها تسمى بالفطرة وللفطرة اسباب تحصل بها بعضها علمية وبعضها عملية وحجب تصد الانسان عنها وحيل تكسر الحجب، ونحن نريد ان ننبهك على هذه الامور فاستمع لما يتلى عليك بتوفيق الله تعالى والله اعلم ؎

باب طريق اكتساب هذه الخصال وتكميل ناقصها ورد فائتها

اعلم ان اكتساب هذه الخصال يكون بتدبيرين تدبير علمي وتدبير عملي، اما التدبير العلمي فانما احتيج له لان الطبيعة منقادة للقوى العلمية ولذلك ترى سقوط الشهوة والشبق عند خطور ما يورث في النفس كيفية الحياء او الخوف فمتى امتلا علمه بما يناسب الفطرة جر ذلك الى تحققها في النفس وذلك ان يعتقد ان له ربا منزها عن الادناس البشرية لا يعزب عنه مثقال ذرة في الارض ولا في السماء ما يكون من نجوى ثلاثة الا هو رابعهم ولا خمسة الا هو سادسهم يفعل ما يشاء ويحكم ما يريد لا راد لقضائه ولا مانع

ہر چیز کو اپنے انعام سے موجود کرنیوالا ہے اور اسکے متعلق جسمانی اور نفسانی نعمتیں وہی بخشتا ہے۔ عمل کے بموجب بندے کو جزا دیتا ہے اگر عمل اچھے تو جزا بھی اچھی اور اگر عمل بُرے تو جزا بھی بُری۔ خدا تعالیٰ کے اس قول سے یہی مراد ہے (کہ میرا بندہ جس نے گناہ کیا ہے یہ جانتا ہے کہ میرا رب بھی ہے گناہ پر مواخذہ بھی کرتا ہے اور معاف بھی کر دیتا ہے۔ اچھا میں نے اسکو معاف کیا) حاصل کلام یہ ہے کہ وہ ایسا اعتقاد رکھے جو دل میں ہیبت اور نہایت تعظیم پیدا کرے اور اسکے دل میں خدا کے سوا کسی دوسرے کا ذرہ بھر بھی خوف اور عاجزی نہو اور خوب اعتقاد کرے کہ انسان کا اصلی کمال خدا کیطرف متوجہ ہو کر اسکی عبادت کرنیمیں ہے۔ اور انسان کی سب سے عمدہ حالت یہ ہے کہ فرشتوں کے مشابہ ہو جائے اور ان سے قریب ہو۔ یہی امور ہیں جن سے قرب ربانی حاصل ہوتا ہے اور انہی امور کو خدا لوگوں سے پسند کرتا ہے۔ بندہ پر خدا کے یہ حقوق ہیں ان کا پابند اوقات رہنا چاہیے ؛

خلاصہ یہ ہے کہ اس بات کا خوب یقین کرے کہ انسانی سعادت ان امور کے کرنے میں ہے اور انکے ترک کرنے میں اسکی بدبختی ہے۔ اور قوت بہیمیہ کے متنبہ کرنے کے واسطے ایک سخت تازیانہ بھی ضروری ہے جو اسکو خوب متنبہ کر دے اور اسکے بُرے ارادوں سے بزور روکے۔ انبیاء کے طریقے اس علمی اور اعتقادی حالت کے پختہ کرنے کیلئے مختلف رہے ہیں۔ پس سب سے عمدہ بات جو اللہ تعالےٰ نے ابراہیمؑ پر نازل فرمائی یہ تھی کہ لوگو نکو خدا کی واضح نشانیوں سے اسکی برتر صفات اور تمام آفاقی و نفسانی نعمتوں کے ذریعہ سمجھائے یہاں تک کہ بہت عمدہ طور پر یہ بات صحیح اور محقق ہو جائے کہ خدا تعالےٰ اس لائق ہے کہ تمام لذائذ کو اسکے لئے صرف کر دیں اسکے ذکر کو تمام ماسوائے الٰہی پر مقدم رکھیں نہایت درجہ کی اس سے محبت رکھیں اور انتہائی کوشش سے اسکی عبادت میں مصروف ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان امور کے ساتھ خدا کے شدائد سے بھی ڈرایا۔ اسطرح سے کہ یہ بات واضح کر دی کہ وہ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کو دنیا میں سزا و جزا دیتا ہے اور نعمتِ نکو تکالیف سے بدل دیتا ہے یہاں تک کہ لوگوں کے دلونمیں گناہوں کا خوف اور اطاعت کی رغبت ذہن نشیں ہوگئی اور ان علوم ہالا کے ساتھ ہمارے نبی علیہ السلام نے حوادث قبر و حشر کی خوش خبری سُنائی اور خوف دلایا۔ نیکی اور گناہ کے خواص بیان فرمائیے۔ ان امور کا محض معلوم کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ ہمیشہ انکی تکرار کا دور اور ملاحظہ بھی ضروری ہے یہ چیزیں آنکھوں کے سامنے رہیں تاکہ قوی علمیہ ان سے پُر ہو جائیں پھر تمام اعضا انکی بجا آوری کریں۔ یہ تینوں علوم (تذکیر بایات اللہ تذکیر بایام اللہ، وقائع حشریہ وغیرہا) مع دو علوم کے جن میں سے ایک یہ ہیں ؛

الحكمه منهم باصل الوجود وتوابعه من النعم الجسمانية والنفسانية مجاز على اعماله، ان خيرا فخير وان شرا فشر وهو قوله تعالى اذنب عبدى ذنبا فعلم ان له ربا يغفر الذنب ويأخذ بالذنب قد غفرت لعبدى وبالجملة فيعتقد اعتقادا مؤكدا ما يفيد الهيبة وغاية التعظيم وما لا يبقى ولا يذر فى قلبه جناح بعوضة من اخبات غيره ورهبته ويعتقد ان كمال الانسان ان يتوجه الى ربه ويعبده وان احسن حالات البشر ان يتشبه بالملائكة ويدنو منهم وان هذه الامور مقربة له من ربه وان الله تعالى ارتضى منهم ذلك وانه حق الله عليه لابد له من توفيته ؛

وبالجملة فيعلم علما لا يحتمل النقيض ان سعادته فى اكتساب هذه وان شقاوته فى اهمالها ولابد له من سوط ينبه البهيمية تنبيها قويا ويزعجها انزعاجا شديدا، واختلف مسالك الانبياء فى ذلك فكان عمدة ما انزل الله تعالى على ابراهيم عليه السلام التذكير بآيات الله الباهرة وصفاته العليا ونعمه الآفاقية والنفسانية حتى يصح بما لا مزيد عليه انه حقيق ان يبذلوا له الملاذ وان يؤثروا ذكره على ما سواه وان يحبوه حبا شديدا ويعبدوه باقصى مجهودهم وضم الله معه لموسى عليه السلام التذكير بايام الله وهو بيان مجازاة الله تعالى للمطيعين والعصاة فى الدنيا وتقليبه النعم والنقم حتى يتمثل فى صدورهم الخوف من المعاصى ورغبة قوية فى الطاعات وضم معهما لنبينا صلى الله عليه وسلم الانذار والتبشير بحوادث القبر وما بعده وبيان خواص البر والاثم ولا يفيد اصل العلم بهذه الامور بل لابد من تكرارها وتردادها وملاحظتها كل حين وجعلها بين عينيه حتى تمتلئ القوى العلمية بها فتنقاد الجوارح لها، وهذه الثلاثة مع اثنين آخرين احدهما

حلال وحرام کے احکام کا بیان اور دوسرے ہیں کفار سے مخاصمہ کا بیان ہے۔ پانچ فنون ہوتے ہیں جو قرآن مجید کے عمدہ علوم شمار کئے جاتے ہیں اور تدبیر عملی پس اسمیں عمدہ یہ ہے کہ انسان ایسی ہیئت افعال اور امور اختیار کرلے جو نفس کو خصلت مطلوبہ یاد دلائیں (اسمیں اوصاف مطلوبہ کی یاد پیدا ہو) اور نفس کو تنبیہ کرتے رہیں اور ان اوصاف کیطرف برانگیختہ کریں یا تو اسلئے کہ ان اوصاف اور افعال میں عادۃً تلازم ہے یا اسلئے کہ یہ افعال مناسبت فطری کی وجہ سے ان اوصاف کے حاصل ہونے کا گمان غالب پیدا کر دیتے ہیں۔ پس جب انسان یہ چاہتا ہے کہ نفس کو غصہ پر آمادہ کرے اور اپنے سامنے غصہ کی صورت پیش کرے تو وہ ان گالیوں کا خیال کرتا ہے جو اس کے مخالف نے اس کو بکی تھیں اور دشنام سے جو شرم وعار پیدا ہوتی ہے اس کو سوچتا ہے۔ اور نوحہ کرنے والی جب رونا چاہتی ہے تو مردہ کی خوبیوں کو یاد کرتی ہے اور اپنے خیال کے سوار اور پیادے ان کی طرف دوڑاتی ہے۔ اور جو ہم بستری کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی دواعی کو خیال میں لاتا ہے اور اس بات کی نظیریں بکثرت ہیں جو کلام کے ہر پہلو کا احاطہ کرنا چاہے گا وہ اس پر مخفی نہ رہیں گی۔ اسی طرح ان اوصاف کے اسباب ہیں جن کے ذریعہ وہ حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ اور ان امور کی معرفت اور پہچان میں ذوق سلیم رکھنے والوں کے ذوق کا اعتبار ہے مثلاً حدث کے اسباب یہ ہیں سفلی باتوں سے دل کا پُر ہو جانا جیسے جماع اور مباشرت کے ذریعہ عورتوں سے نفسانی رغبت کو پورا کرنا۔ بُری باتوں کا دل میں پوشیدہ رکھنا اور ملاء اعلیٰ کی لعنت کا دل کو گھیر لینا۔ بول وبراز کو روکنا۔ بول وبراز اور ریح سے نزدیک ہونا اور یہ تینوں معدہ کے فضلات ہیں۔ بدن کا میلا ہونا۔ گندہ دہنی، تھوک اور ناک بہنا، زیر ناف اور بغل کے بالوں کا بڑھنا۔ کپڑے اور بدن کا ناپاکی سے آلودہ ہونا۔ خیال میں ایسی صورتوں کا رکھنا جن سے حالت سفلیہ پیدا ہو جائے مثلاً قاذورات اور شرمگاہ کو دیکھنا۔ حیوانوں کی جفتی اور مجامعت کو خوب غور سے دیکھنا۔ فرشتوں اور نیک لوگوں کی شان میں طعن وتشنیع کرنا۔ لوگوں کو ایذا دینے میں کوشش کرنا۔ اور طہارت کے اسباب ان چیزوں کو دور کرنا ہے ان کے مخالف کام کرنا ہے ان چیزوں کو استعمال میں لانا ہے جو عادتاً پاکیزگی کا باعث ہیں جیسے غسل کرنا وضو کرنا اچھے کپڑے پہننا اور

بيان الاحكام من الواجب والحرام وغيرهما وثانيهما مخاصمة الكفار فنون خمسة هى عمدة علوم القرآن العظيم واما التدبير العملى فالعمدة فيه التلبس بهيآت وافعال واشياء تذكر النفس الخصلة المطلوبة وتنبهها لها وتجرها اليها وتحثها عليها اما لتلازم عادى بينها وبين الخصلة او لكونها مظنة لها بحكم المناسبة الجبلية فكما ان الانسان اذا اراد ان ينبه نفسه للغضب ويحضره بين عينيه يتخيل الشتم الذى تفوه به المغضوب عليه والذى يلحقه من العار ونحو ذلك والنائحة اذا ارادت ان تجد دمعها بالفجع تذكر نفسها محاسن الميت وتخيلها وتبعث من خواطرها الخيل والرجل اليها والذى يريد الجماع يتمسك بدواعيه ونظائر هذا الباب كثيرة جدا لا تخفى على من يريد الاحاطة بجوانب الكلام فكذلك لكل واحد من هذه الخصال اسباب تكتسب بها والاعتماد فى معرفة تلك الامور على ذوق اهل الاذواق السليمة، فاسباب الحدث امتلاء القلب بحالة سفلية كقضاء الشهوة من النساء جماعا ومباشرة واضماره مخالفة الحق واحاطة لعن الملأ الاعلى به وكونه حاقبا حاقنا وقرب العهد بالبول والغائط والريح وهذه الثلاثة فضول المعدة وتوسخ البدن والبخر واجتماع المخاط ونبات الشعر على العانة والابط وتلطخ الثوب والبدن بالنجاسات المستقذرة وامتلاء الحواس بصورة تذكر الحالة السفلية كالقاذورات والنظر الى الفرج ومسافدة الحيوانات والنظر الممعن فى الجماع والطعن فى الملائكة والصالحين والسعى فى ايذاء الناس، واسباب الطهارة ازالة هذه الاشياء واكتساب اضدادها واستعمال ما تقرر فى العادات كونه نظافة بالغة كالغسل والوضوء ولبس احسن ثيابه واستعمال الطيب فان استعمال

کیونکہ ان چیزوں کے استعمال سے نفس پاکیزگی کی طرف مائل ہوجاتا ہے اور رجوع الی اللہ کا سبب تعظیم کے اعلیٰ حالات کا التزام کرنا ہے مثلاً اس کے سامنے سرنگوں ہوکر کھڑے رہنا، سجدہ کرنا، ایسے لفظوں کو ادا کرنا جن سے مناجات عاجزی اور طلب حاجات پائی جائے، کیونکہ یہ وہ امور ہیں جن سے نفس کو عاجزی اور رجوع الی اللہ کی کمال درجہ تنبیہ ہوجاتی ہے اور سماحت کے اسباب سخاوت کا خوگر ہونا۔ داد و دہش درگذر کرنا۔ سختیوں میں صبر اختیار کرنا ہے۔ وغیر ذالک اور عدالت کے اسباب سنت راشدہ کی اسکی تمام تفاصیل کے ساتھ محافظت کرنا ہے (واللہ اعلم)

چھٹا باب ۳۲ ان حجابات کا بیان جو فطری امور کے ظاہر ہونے میں مانع ہیں

واضح ہو کہ بڑے حجاب تین ہیں، طبیعت کا حجاب، رسم کا حجاب۔ ناسمجھی کا حجاب، اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کی سرشت میں کھانے پینے اور نکاح کی خواہشیں پیدا کی گئی ہیں اور اس کا دل طبعی حالات کے لئے سواری ہے جیسے خوشی اور رنج غصہ اور خوف وغیرہ پس وہ ہمیشہ ان میں مصروف رہتا ہے ہر حالت کے حاصل ہونے سے پہلے نفس اس کے اسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کے مناسب امور کے لئے قوی علمیہ کو فرمانبرداری بھی کرنی پڑتی ہے اور نفس اس میں مستغرق رہتا ہے اور اس کے علاوہ تمام سے غافل ہوجاتا ہے۔ پس وہ رات دن انہی باتوں میں مصروف رہ کر کمال سے بے خبر رہتا ہے بہت سے آدمی ایسے ہیں جن کے قدم اس دلدل میں دھنس گئے ہیں اور پھر تمام عمر نکلنا نصیب نہیں ہوتا۔ اور بہت سے آدمیوں پر طبیعت کا حکم غالب ہے وہ تمام رسمی اور عقلی امور کو خیرباد کہہ کر ملامت سے بے خوف ہوجاتے ہیں۔ اسی حجاب کو حجاب نفس کہتے ہیں لیکن وہ شخص جس میں عقل کامل اور بیداری کافی ہوتی ہے وہ اپنے اوقات میں فرصت تلاش کرتا ہے طبعی حالات میں خاموشی پیدا کرتا ہے وہ اپنے نفس میں ان حالات کے علاوہ اور امور کی گنجائش پیدا کرتا ہے اور مقتضیات طبع کے علاوہ دوسرے علوم کے فیضان کے قابل ہوجاتا ہے اور اپنی عقلی اور عملی قوت کی وجہ سے کمال نوعی کا گرویدہ ہوجاتا ہے۔

هذه الاشياء تنبه النفس على صفة الطهارة، واسباب الاخبات مواخذة نفسه بما هو اعلى حالات التعظيم عنده من القيام مطرقا والسجود والنطق بالفاظ دالة على المناجاة والتذلل لديه ورفع الحاجات اليه فان هذه الامور تنبه النفس تنبيها قويا على صفة الخضوع والاخبات، واسباب السماحة التمرن على السخاوة و البذل والعفو عمن ظلم ومواخذة نفسه بالصبر عند المكاره ونحو ذلك، واسباب العدالة المحافظة على السنة الراشدة بتفاصيلها والله اعلم:

باب الحجب المانعة عن ظهور الفطرة

اعلم ان معظم الحجب ثلاثة، حجاب الطبع، و حجاب الرسم، وحجاب سوء المعرفة، وذلك لانه ركب فى الانسان دواعى الاكل والشرب والنكاح وجعل قلبه مطية للاحوال الطبيعية كالحزن والنشاط و الغضب والوجل وغيرها فلا يزال مشغولا بها في كل حاله يتقدمها توجه النفس الى اسبابها وانقياد القوى العلمية لما يناسبها ويجتمع معها استغراق النفس فيها وذهولها عما سواها ويتخلف عنها بقية ظلها ووضر لونها فتمر الايام والليالى وهو على ذلك لا يتفرغ لتحصيل غيرها من الكمال ورب انسان ارتطمت قدماه فى هذا الوحل فلم يخرج منه طول عمره ورب انسان غلب عليه حكم الطبع فخلع ربقته عن ربقة الرسم والعقل ولم ينزجر بالملامة وهذا الحجاب يسمى بالنفس لكن من تم عقله وتوفر تيقظه يختطف من اوقاته فرصا يركد فيها احواله الطبيعية ويتسع نفسه لهذه الاحوال وغيرها ويستوجب لفيضان علوم اخرى غير استيفاء مقتضيات الطبع ويشتاق الى الكمال النوعى بحسب القوتين العاقلة والعاملة فاذ

پس جب وہ اپنی چشم بصیرت کھولتا ہے تو فوراً وہ اپنی قوم کی تدابیر، لباس اور فخر ومباہات، فضائل فصاحت وصناعت کا مطالعہ کرتا ہے اس کے دل پر ان امور کا بڑا اثر پڑتا ہے اور ان کے حاصل کرنے میں عزم کامل اور قوی ہمت صرف کرتا ہے۔ یہ حجاب رسم ہے اور اس کو دنیا کہتے ہیں اور بعض لوگ ہمیشہ اسی میں مستغرق رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کو موت آ جاتی ہے اور یہ فضائل سب کے سب زائل ہو جاتے ہیں کیوں کہ ان خوبیوں کا تعلق بدن اور آلات سے ہے اس لئے مرنے کے بعد نفس ان سے بالکل عاری رہ جاتا ہے اور اس کا حال اس باغ والے کا سا ہو جاتا ہے جس کے باغ کو لو نے جھلس دیا۔ یا جس طرح کہ سخت آندھی راکھ کو اڑا لے گئی۔ اور اگر وہ شخص نہایت بیدار مغز اور زیرک ہے تو کسی دلیل عقلی یا ظنی یا شریعت کی پیروی سے یقین کرتا ہے کہ اس کا کوئی پروردگار ہے تمام بندوں پر غالب ان کے تمام ساز وسامان کا مدبر، تمام نعمتوں کی بخشش کرنے والا ہے پھر اس کے دل میں خدا کی طرف رغبت و میلان اور محبت پیدا ہوتی ہے پھر وہ اسی کے قرب کو چاہتا ہے اپنی حاجتوں کا اس سے طالب ہوتا ہے اور اسی کے آگے گرنا چاہتا ہے بعض اس مراد کو پاتے ہیں بعض محروم رہ جاتے ہیں اور اس محرومی کے دو سبب ہیں ایک یہ کہ خالق میں مخلوق کی صفات خیال کی جائیں۔ دوسری یہ کہ مخلوق میں خالق کی صفات کا اعتقاد کیا جائے۔ اول کو تشبیہ کہتے ہیں اس کا منشا ہوتا ہے غائب کی حالت کا حاضر پر قیاس کرنا۔ اور دوسرے کو شرک کہتے ہیں اس کا منشا ہوتا ہے مخلوق میں خلاف عادت باتیں دیکھ کر ان کی طرف منسوب کرنا اور ان کے ذاتی افعال سمجھنا۔ اور تم کو تمام افراد انسان کا تجسس کرنا چاہئے۔ تم ہمارے بیان میں کیا کہیں کچھ تفاوت پاتے ہو۔ میں نہیں گمان کرتا کہ تم کو تفاوت معلوم ہو بلکہ ہر انسان کے واسطے خواہ وہ کسی شریعت کا پابند ہو مختلف حالات ضرور ہوں گے ایک وقت ایسا ہوگا کہ وہ حجاب طبع میں مستغرق ہوگا خواہ وہ حجاب کم ہوں یا زیادہ اور یہ کہ وہ ہمیشہ رسمی افعال کا پابند ہوگا اور ایک وقت ایسا ہوگا کہ وہ حجاب رسم میں مستغرق ہوگا۔ اس وقت وہ قصد کرے گا کہ کلام لباس عادت اور معاشرت میں اپنے زمانہ کے عقلاء کے ساتھ مشابہت حاصل کرے اور ایک وقت اس کے لئے ایسا ہوگا کہ عالم بالا کی باتوں کو کان لگا کر سنے گا اور اس کو اس وقت احادیث جبروت اور عالم میں تدبیر غیبی کا

فتح حدقة بصيرته ابصر فى اول الامر قومه فى ارتفاقات وزى ومباهات وفضائل من الفصاحات والصناعات فوقعت من قلبه بموقع عظيم واستقبلها بعزيمة كاملة وهمة قوية وهذا حجاب الرسم ويسمى بالدنيا ومن الناس من لايزال مستغرقا فى ذلك الى ان يأتيه الموت فتزول تلك الفضائل باسرها لانها لاتتم الا بالبدن والالات فتبقى النفس عارية ليس بها شئ وصار مثله كمثل ذى جنة اصابها اعصار او كرماد اشتدت به الريح فى يوم عاصف فان كان شديد التنبه عظيم الفطنة استيقن بدليل برهانى او خطابى او بتقليد الشرع ان له ربا قاهرا فوق عباده مدبرا امورهم منعما عليهم جميع النعم ثم خلق فى قلبه ميل اليه ومحبة به واراد التقرب منه ورفع الحاجات اليه والطرح لديه فمن مصيب فى هذا القصد ومخطئ ومعظم الخطا شيأن ان يعتقد فى الواجب صفات المخلوق، او يعتقد فى المخلوق صفات الواجب. فالاول هو التشبيه ومنشؤه قياس الغائب على الشاهد، و الثانى هو الاشراك ومنشؤه رؤية الآثار الخارقة من المخلوقين فيظن انها مضافة اليهم بمعنى الخالق وانها ذاتية لهم وينبغى لك ان تستقرئ افراد الانسان هل ترى من تفاوت فيما اخبرتك ولا اظنك تجد ذلك بل كل انسان وان كان فى تشريع ما لابد له من اوقات تستغرق فى حجاب الطبع قلت او كثرت وان لم يزل مباشرا للاعمال الرسمية ومن اوقات تستغرق فى حجاب الرسم ويهمه حينئذ التشبه بعاقلى قومه كلاما وزيا وخلقا ومعاشرة واوقات يصغى فيها الى ما كان يسمع ولا يصغى من احاديث الجبروت و التدبير الغيبى فى العالم والله

اعلم

ساتواں باب ۳۵ ان حجابوں کے دور کرنیکا بیان

واضح ہو کہ حجاب طبع کی دو تدبیریں ہیں ایک یہ کہ اس پر حکم کریں ترغیب دلائیں، اس میں آمادگی پیدا کی جائے دوسرے ان امور پر زد و کوب کیا جائے وہ چاہے یا نہ چاہے لیکن اس سے مواخذہ کیا جائے پس پہلا طریقہ وہ ریاضات شاقہ ہیں جو بہیمی قوت کو کمزور کر دیتی ہیں مثلاً روزہ رکھنا، شب بیداری کرنا بعض لوگوں نے اس امر میں بڑی زیادتی کی کہ پیدائش الٰہی میں تبدیلی کر دی کسی نے آلات تناسل کاٹ ڈالے، کسی نے عمدہ اعضاء مثلاً دست و پا سکھا دیئے، ایسے لوگ جاہل ہیں درمیانہ حالت بہت عمدہ ہے روزہ اور شب بیداری ایک ہی علاج کے مانند ہیں اس کو بقدر ضرورت کرنی چاہئے، دوسرا طریقہ ان لوگوں کو ملامت کرنا ہے جنہوں نے طبیعت کا اتباع کر کے صحیح راستہ ترک کر دیا ان کو وہ طریقہ بتلانا چاہئے جس کی وجہ سے وہ غلبہ طبیعت سے چھٹکارا پائیں لیکن لوگوں پر بالکل سختی کرنا بھی مناسب نہیں۔ اور سب حالتوں میں صرف زبانی انکار بھی کافی نہیں بلکہ بعض امور میں خوب مارنا اور سخت جرمانہ کرنا بھی ضروری ہے اور یہ مار پیٹ ایسے امور میں زیادہ مناسب ہے جن کا ضرر متعدی ہے۔ جیسے زنا اور قتل اور حجاب رسم سے بچنے کی بھی دو تدبیریں ہیں ایک یہ کہ ہر کام میں ذکر الٰہی کی رعایت کی جائے کبھی ان الفاظ سے جن کی محافظت کا حکم ہے اور کبھی ان حدود و قیود کی رعایت سے جو خدا کے ساتھ مخصوص ہیں دوسری یہ کہ ہر قسم کی طاعت کو رسم بنا دیا جائے اور اس کی محافظت کا نہایت اہتمام کیا جائے۔ خواہ دل مانے یا نہ مانے اس کے ترک پر ملامت کی جائے۔ اور اگر کبھی ترک ہو جائے تو اس کے بدلے میں نفس کو جاہ و منزلت وغیرہ سے باز رکھا جائے۔ پس ان تدبیروں سے رسم کی کدورتیں زائل ہو جاتی ہیں اور عبادت الٰہی میں نفس کو بڑی تائید حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ ہمہ تن زبان بن کر لوگوں کو حق کی ہدایت کرتا ہے

سوء معرفت کی دونوں قسمیں (اشراک اور تشبیہ) دو وجوہ سے پیدا ہوتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو باوجودیکہ وہ صفات بشری سے پاک اور صفات محدثات و محسوسات سے بری ہے خوب اچھی طرح سے نہ سمجھتے۔ اس کی تدبیر یہی ہے کہ لوگوں سے ایسی باتیں نہیں کرنا چاہئیں جو ان کے اذہان میں نہ آسکیں۔

اسکی اصل حقیقت یہ ہے کہ کوئی موجود یا معدوم

باب طريق رفع هذه الحجب

اعلم ان تدبير حجاب الطبع شيآن احدهما يؤمر به و يرغب فيه ويحث عليه، والثاني يضرب عليه من فوقه ويؤاخذ به انشاء ام ابى، فالاول رياضات تضعف البهيمية كالصوم والسهر ومن الناس من افرط و اختار تغيير خلق الله مثل قطع آلات التناسل وتجفيف عضو شريف كاليد والرجل واولئك جهال العباد و خير الامور وسطها وانما الصوم والسهر بمنزلة دواء يجب ان يتقدر بقدر ضروري، والثاني اقامة الانكار على من اتبع الطبيعة فخالف السنة الراشدة وبيان طريق التفصي من كل غلبة طبيعية وضرب سنة له ولا ينبغي ان يضيق على الناس كل التضييق ولا يكفي في الكل الانكار القولي بل لابد من ضرب وجيع و غرامة منهكة في بعض الامور والاليق بذلك الاول ما فيه ضرر متعد كالزنا والقتل، وتدبير حجاب الرسم شيآن احدهما ان يضم مع كل ارتفاق ذكر الله تعالى تارة بحفظ الفاظ يؤمر بها وتارة بمراعاة حدود و قيود لا يراعي الا الله، والثاني ان يجعل انواع من الطاعات رسما فاشيا ويسجل على المحافظة عليها انشاء ام ابى ويلام على تركها ويحجم عن المرغوبات من الجاه وغيره جزاء لتفويتها فمن هذين التدبيرين تندفع غوائل الرسم وتصير مؤيدة لعبادة الله تعالى و تصير السنة تدعو الى الحق وسوء المعرفة بكلا قسميه ينشأ من سببين احدهما ان لا يستطيع ان يعرف ربه حق معرفته لتعاليه عن صفات البشر جدا و تنزهه عن سمة المحدثات والمحسوسات وتدبيره ان لا يخاطبوا الا بما تسعه اذهانهم

والاصل في ذلك انه ما من موجود او معدوم

مجسم یا مجرد ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ انسان کے علم کا تعلق نہ ہو یا تو اس کی صورت کو اپنے سامنے پیش کرکے جان لیتا ہے یا کسی مشابہت اور قیاس سے جان لیتا ہے حتی کہ عدم مطلق اور مجہول مطلق کو بھی جان لیتا ہے۔ پس وہ وجود کے معنی سمجھ کر اور اس بات کا لحاظ کرکے کہ عدم وجود سے موصوف نہیں ہوتا عدم کے معنی کا علم حاصل کر لیتا ہے اور وہ جہل سے مشتق صیغہ مفعول کے معنی سمجھتا ہے پھر مطلق کا مفہوم سمجھتا ہے پھر ان امور کو باہم ملا کر ایسی صورت ترکیبی درست کر لیتا ہے جس سے امر بسیط کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے جس کا خیال میں لانا مقصود تھا اور جو خارج میں موجود ہے نہ ذہن میں۔ جس طرح انسان کبھی مفہوم نظری کی طرف توجہ کرتا ہے اور اپنی سمجھ کے موافق اس کی جنس و فصل کو سوچ کر ترکیب دیتا ہے اور اس سے صورت ترکیبی پیدا کر لیتا ہے جس سے وہ مفہوم معلوم ہو جاتا ہے جس کا تصور کرنا مقصود ہے اسی طرح پر لوگوں کو بتانا چاہیے کہ اللہ موجود ہے زندہ ہے لیکن اس کا وجود اور زندہ ہونا ہمارا سا وجود اور ہمارا سا زندہ ہونا نہیں ہے حاصل کلام یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے لیے ایسی صفات کا قصد کرنا چاہیے جو موجود اشیاء میں باعث خوبی اور تعریف ہیں اور تین مفہوموں کا لحاظ رکھنا چاہیے جن کو ہم مشاہدات میں دیکھتے ہیں۔ بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں صفات مدح موجود ہیں اور صفات کے آثار بھی ان سے سرزد ہوتے ہیں اور بعض چیزوں میں نہ وہ صفات موجود ہیں اور نہ ان کی شان سے ہے کہ ان میں صفات پیدا ہوں۔ اور بعض چیزوں میں صفات موجود تو نہیں لیکن وہ قابل صفات ہیں۔ جیسے زندہ جماد اور مردہ۔ پس اللہ تعالیٰ کے حق میں صفات کا ثبوت ان کے آثار کے لحاظ سے کیا جاتا ہے اور اس تشبیہ کا تدارک اس طرح کیا جاتا ہے کہ وہ ہمارے مانند نہیں۔ دوسری وجہ ناسمجھی اور سوء معرفت کی یہ ہے کہ محسوس صورتوں کا اپنے حسن و زینت کے ساتھ پیش نظر رہنا اور قوی علمیہ کا ان حسی صورتوں سے پُر رہنا اور پھر دل کا ان کے تابع ہو جانا اور خدا کی جانب خالص توجہ نہ کرنا اس کی تدبیر یہ ہے کہ ریاضت شاقہ کی جائے۔ اور ایسے اعمال کی پابندی کی جائے جن سے انسان میں تجلیات عالیہ کی استعداد پیدا ہو جائے اگرچہ اس کا ظہور عالم آخرت ہی میں ہو اعتکاف کیا جائے اور بقدر امکان مشاغل

مبحث پنجم نیکی اور بدی کا بیان

(مقدمہ نیکی اور بدی کی حقیقت کا بیان)

جب کہ ہم جزا اور سزا کے دلائل کو بیان کر چکے اور ان کے متعلقات کا ذکر کیا جن پر

متحيز او مجرد الا يتعلق علم الانسان به اما بحضور صورته او بنحو التشبيه والمقايسة حتى العدم المطلق والمجهول المطلق فيعلم العدم من جهة معرفة الوجود وملاحظة عدم الاتصاف به ويعلم مفهوم المشتق على صيغة المفعول ويعلم مفهوم المطلق فيجمع هذه الاشياء ويضم بعضها الى بعض فينتظم صورة تركيبية هي مكشاف البسيط المقصود تصوره الذى لا وجود له فى الخارج ولا فى الاذهان كما انه ربما يتوجه الى مفهوم نظرى فيعمد الى ما يحسبه جنسا والى ما يحسبه فصلا فيركبهما فيحصل صورة مركبة هى مكشاف المطلوب تصوره فيخاطبوا مثلا بان الله تعالى موجود لا كوجودنا وبانه حى لا كحياتنا، وبالجملة فيعمد الى صفات هى مورد المدح فى الشاهد ويلاحظ ثلاثة مفاهيم فيما نشاهد شئ فيه هذه الصفات وقد صدرت منه آثارها، وشئ ليست فيه وليست من شانه وشئ ليست فيه ومن شانه ان تكون فيه كالحى والجماد والميت فيثبت هذه بثبوت آثارها ويجبر هذه التشبيه بانه ليس كمثلنا، والثانى تمثل الصورة المحسوسة بزينتها واللذات بجمالها وامتلاء القوى العلمية بالصور الحسية فينقاد قلبه لذلك ولا يصفو التوجه الى الحق وتدبيره هذه الرياضات واعمال يستعد بها الانسان للتجليات الشامخة ولو فى المعاد واعتكافات وازالة للشاغل بقدر الامكان كما هتك رسول الله صلى الله عليه وسلم القرام المصور ونزع خميصة فيها اعلام والله اعلم.

المبحث الخامس مبحث البر والاثم

مقدمة فى بيان حقيقة البر والاثم

اذ قد ذكرنا المية المجازاة وانيتها ثم ذكرنا

انسان کی جبلت ہے اور جو آدمیوں میں ہمیشہ پائی جاتی ہیں اور کبھی ان سے جدا نہیں ہوتیں۔ اسکے بعد ہم نے سعادت اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ بیان کیا تو اب ہم نیکی اور بدی کے معنی کی تحقیق میں مشغول ہوتے ہیں پس نیکی وہ عمل ہے جس کو انسان ملاء اعلیٰ کی اطاعت بجالانے کے واسطے اور الہام الٰہی کے قبول کرنے میں ہمہ تن محو ہو کر اور مراد الٰہی میں فانی ہو کر کرتا ہے اور ہر وہ عمل ہے جس پر دنیا یا آخرت میں جزاء خیر دی جائے اور ہر وہ عمل ہے جو انسان کی ان تدبیرات مناسبہ کے موافق ہو جن پر اس کا انتظام مبنی ہے اور ہر وہ عمل ہے جو حالت انقیاد پیدا کرے اور حجاب دور کرے اور بدی وہ عمل ہے جو شیطان کی تابعداری بجالانے کی وجہ سے اور اس کی مراد برآری کی وجہ سے کیا جائے اور ہر وہ عمل ہے جس پر دنیا یا آخرت میں بری جزا دی جائے۔ اور ہر وہ عمل ہے جو تدابیر مناسبہ میں فساد پیدا کرے اور ہر وہ عمل ہے جو اطاعت کے مخالف ہیئت کو پیدا کرے اور حجاب کو مستحکم کرے اور جس طرح اہل عقل نے تدابیر حسنہ کو مستنبط کیا اور پھر لوگوں نے دلی شہادت سے ان کی پیروی کی اور تمام اہل زمین یا جو معتبر ہیں ان پر متفق ہو جائے اسی طرح نیکی کے بھی طریقے ہیں جن کو خدائے تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں الہام کیا جو ملکی نور سے مؤید ہیں اور فطری حالت ان پر غالب ہے جیسے شہد کی مکھی کے دل میں ایسے امور کا الہام کیا جو اس کی معاش کی اصلاح کرنے والے ہیں سو وہ ان الہامی امور پر چلے۔ انکو مضبوطی سے پکڑا اور لوگوں کو ان کی تعلیم فرمائی اور ترغیب دلائی پھر لوگوں نے ان کا اقتدا کیا اور تمام اہل مذاہب فطری مناسبت اور نوعی اقتضاء کی وجہ سے انکے اصول پر متفق ہو گئے۔ حالانکہ انکے وطنوں میں بعد تھا اور انکے مذاہب مختلف تھے اور اصول پر اتفاق کر لینے کے بعد ان طریقوں کی صورتوں کا اختلاف اس اتفاق کو مانع نہیں ہو سکتا اور نہ یہ بات مانع ہو سکتی ہے کہ ایک گروہ ان طریقوں پر نہیں چلتا جنکی حالت کو اہل بصیرت غور سے دیکھیں تو اس میں شک نہ کریں کہ اس گروہ کا مادہ صورت نوعیہ کے مخالف ہے اور صورت نوعیہ کے احکام قبول نہیں کر سکتا اور یہ لوگ عضو زائد کے مانند ہیں جس کا نہ رہنا اسکے رہنے سے بہتر اور زینت بخش ہے اور ان طریقوں کے شائع ہونے کے بڑے بڑے اسباب اور پختہ تدابیر ہیں جن کو ان لوگوں نے مستحکم کر دیا جو مؤیدین بالوحی ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں پس انھوں نے لوگوں پر اپنا احسان قائم کر دیا۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ

الارتفاقات التي جبل عليها البشر فهي مستمرة فيهم لا تنفك عنهم ثم ذكرنا السعادة فطريق اكتسابها فحان ان نشتغل بتحقيق معنے البر والاثم فالبر كل عمل يفعله الانسان قضية لانقياده للملا الاعلى واضمحلاله في تلقي الالهام من الله وصيرورته فانيا في مراد الحق وكل عمل يجازى عليه خيرا في الدنيا او الاخرة وكل عمل يصلح الارتفاقات التي بني عليها نظام الانسان وكل عمل يفيد حالة الانقياد ويدفع الحجب، والاثم كل عمل يفعله الانسان قضية لانقياده للشيطان وصيرورته فانيا في مراده وكل عمل يجازى عليه شرا في الدنيا او الاخرة وكل عمل يفسد الارتفاقات وكل عمل يفيد هيئة مضادة للانقياد ويوكد الحجب وكما ان الارتفاقات استنبطها اولو الخبرة فاقتدى بهم الناس بشهادة قلوبهم واتفق عليها اهل الارض او من يعتد به منهم فكذلك للبر سنن الهمها الله تعالى في قلوب المؤيدين بالنور الملكي الغالب عليهم خلق الفطرة بمنزلة ما الهم في قلوب النحل ما يصلح به معاشها فجروا عليها واخذوا بها وارشدوا اليها وحثوا عليها فاقتدى بهم الناس واتفق عليها اهل الملل جميعها في اقطار الارض على تباعد بلدانهم واختلاف اديانهم بحكم مناسبة فطرية واقتضاء نوعي ولا يضر ذلك اختلاف صور تلك السنن بعد الاتفاق على اصولها ولا صدود طائفة مخدجة لو تامل فيهم اصحاب البصائر لم يشكوا ان مادتهم عصت الصورة النوعية ولم تمكن احكامها وهم في الانسان كالعضو الزائد من الجسد زواله اجمل من بقائه ولشيوع هذه السنن اسباب جليلة وتدبيرات محكمة احكمها المؤيدون بالوحي صلوات الله عليهم فاثبتوا لهم منة عظيمة في رقاب الناس ونحن نريد ان ننبهك

آپ کو ان کے وہ اصول بتلائیں جن پر ممالک کی بڑی بڑی صالح جماعتیں۔ اشراقین، اور سلاطین اور صاحب الرائے حکماء عرب اور عجم، یہود، ہنود اور مجوس سب متفق ہیں اور ہم ان اصول کے پیدا ہونے کی بھی شرح کریں گے جو قوت بہیمیہ کے قوت ملکیہ کی اطاعت کرنے سے پیدا ہوتے ہیں اور چند فوائد بھی بتلائیں گے۔ جن کا بارہا ہم نے ذاتی تجربہ کیا ہے اور عقل سلیم نے بتلایا ہے۔ واللہ اعلم۔

پہلا باب ٣٦ توحید کا بیان

سب نیکیوں کی اصل اور سب سے عمدہ توحید ہے اور یہ اس لئے کہ اللہ رب العالمین کے لئے عاجزی انکساری کرنا اسی پر موقوف ہے اور یہ عاجزی ہی سعادت کے تمام اسباب میں ایک بڑی چیز ہے یہ اس تدبیر علمی کی بنیاد ہے جو دونوں تدبیروں میں زیادہ مفید ہے اور اسی کی وجہ سے آدمی کو غیب کی طرف کامل توجہ ہوتی ہے اور اسی کی وجہ سے نفس انسانی وجہ مقدس میں مل جانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عظمت پر تنبیہ کی ہے اور اس کو تمام اقسام نیکی میں بمنزلہ دل کے قرار دیا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام بدن درست ہوتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جاتا ہے تو تمام بدن فاسد ہو جاتا ہے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص خدا کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ سمجھتا ہو اور وہ مر جائے تو خدائے تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا اور اس پر آگ حرام کر دے گا اور وہ جنت سے دور نہ رہے گا۔ اسی طرح بہت سے الفاظ فرمائے اور آپ نے خدائے تعالیٰ کی جانب سے فرمایا ہے کہ جو شخص مجھ سے ملے اور روئے زمین کے برابر اس کے گناہ ہوں تو میں اس کی اتنی ہی بخشش کروں گا بشرطیکہ وہ شرک نہ کرتا ہو۔ واضح ہو کہ توحید کے چار مرتبے ہیں پہلا یہ ہے کہ صفت وجوب وجود کو باری تعالیٰ کے ساتھ خاص کر دے اور اس کے سوا کوئی واجب نہ ہو۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ عرش آسمان اور زمین اور تمام جوہروں کا خالق خدا تعالیٰ ہی کو سمجھے۔ یہ دونوں مرتبے ایسے ہیں جن سے کتب الٰہیہ میں بحث نہیں کی گئی اور نہ ہی مشرکین عرب یہود و نصاریٰ نے ان میں مخالفت کی ہو بلکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ یہ دونوں مرتبے سب کے نزدیک مسلّم ہیں تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ زمین اور آسمان اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا مدبر خدا تعالیٰ کو سمجھے

على اصول هذه السنن مما اجمع عليه جمهور اهل الاقاليم الصالحة من الامم العظيمة التى يجمع كل واحدة اقواما من المتالهين والملوك والحكماء ذوى الرأى الثاقب من عربهم وعجمهم ويهودهم ومجوسهم وهنودهم ونشرح كيفية توليدها من انقياد البهيمية للقوة الملكية وبعض فوائدها حسبما جربنا على انفسنا غير مرة وادى اليه العقل السليم والله اعلم۔

باب التوحيد

اصل اصول البر وعمدة انواعه هو التوحيد وذلك لانه يتوقف عليه اخبات لرب العالمين الذى هو اعظم الاخلاق الكاسبة للسعادة وهو اصل التدبير العلمى الذى هو افيد التدبيرين وبه يحصل للانسان التوجه التام تلقاء الغيب ويستعد نفسه للحوق به بالوجه المقدس وقد نبه النبى صلى الله عليه وسلم على عظم امره وكونه من انواع البر بمنزلة القلب اذا صلح صلح الجميع واذا فسد فسد الجميع حيث اطلق القول فيمن مات لا يشرك بالله شيئا انه دخل الجنة وحرمه الله على النار او لا يحجب من الجنة ونحو ذلك من العبارات، وحكى عن ربه تبارك وتعالى من لقينى بقراب الارض خطيئة لا يشرك بالله شيئا لقيته بمثلها مغفرة - واعلم ان للتوحيد اربع مراتب احداها حصر وجوب الوجود فيه تعالى فلا يكون غيره واجبا، والثانية حصر خلق العرش والسموات والارض وسائر الجواهر فيه تعالى وهاتان المرتبتان لم تبحث الكتب الالهية عنهما ولم يخالف فيهما مشركو العرب ولا اليهود ولا النصارى بل القرآن العظيم ناص على انهما من المقدمات المسلمة عندهم، والثالثة حصر تدبير السموات والارض وما بينهما فيه تعالى - والرابعة

جو ضابطہ یہ ہے کہ اسکے سوا کوئی دوسرا عبادت کا مستحق نہیں ان دونوں مرتبوں میں قدرتی تعلق اور ربط ہے۔ اور ایک دوسرے کو لازم ہیں۔

ان دونوں مرتبوں میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے ان میں تین فریق بڑے ہیں اول نجومی لوگ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ستارے عبادت کے مستحق ہیں اور انکی پرستش سے دنیوی منفعت حاصل ہوتی ہے اور اپنی حاجتوں کو ان کے سامنے پیش کرنا بجا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس بات کی خوب تحقیق کرلی ہے کہ روزانہ حوادث میں انسان کی سعادت اور بدبختی میں اس کی تندرستی اور مرض میں ستاروں کا بڑا اثر اور دخل ہے ان کے نفوس مجردہ ہیں جو ان کو حرکت پر آمادہ رکھتے ہیں۔ اور وہ اپنے پجاریوں سے بے خبر نہیں پس ان لوگوں نے ان کے نام پر مورتیاں بنا کر پرستش کی دوسرا فرقہ مشرکین کا ہے وہ اہل اسلام سے اس بات میں تو متفق ہیں کہ تمام بڑے کاموں کی تدبیر خدا ہی کرتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے وہی کرتا ہے۔ اس میں کسی کو کچھ اختیار نہیں لیکن باقی امور میں مسلمانوں کے مخالف ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اچھے لوگ جو خدا کی خوب عبادت کرتے تھے اور بارگاہ الٰہی میں مقرب ہو گئے تھے پس ان کو خدا تعالیٰ نے الوہیت عطا فرمائی جس کی وجہ سے وہ پرستش کے مستحق ہو گئے جیسے کوئی شخص کسی بادشاہ کی نہایت خدمت کرے جس کے صلہ میں بادشاہ اس کو شاہی ملک کا خلعت عطا کرے اور اپنے کسی شہر کی حکومت سپرد کر دے پس وہ مستحق ہے کہ اس شہر کے لوگ اس کی خدمت اور اطاعت کریں اور اسکی بات سنیں اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا کی عبادت انکی عبادت شامل کئے بغیر مقبول نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کا رتبہ نہایت بلند ہے پس اسکی عبادت سے تقرب الٰہی حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ ان لوگوں کی پرستش ضروری ہے تاکہ یہ قرب الٰہی کیلئے ذریعہ بن جائیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ سنتے اور دیکھتے ہیں اور اپنے پجاریوں کی شفاعت کریں گے انکے امور کی تدبیر کرتے ہیں انکی مدد اور نصرت کرتے ہیں پس انکے ناموں کے پتھر تراش لئے جب ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان پتھروں کو اپنی توجہ کا قبلہ کرتے ہیں پھر ان مشرکین کے بعد اور لوگ پیدا ہوئے انہوں نے ان پتھروں میں اور ان لوگوں میں جن کیلئے یہ پتھر تراشے گئے کوئی فرق نہیں کیا اور خود انہی پتھروں کو اصلی معبود قرار دے لیا اسی لئے خدا نے مشرکین کی رد میں کبھی اس طرح تنبیہ فرمائی کہ حکومت اور قدرت صرف خدا ہی کا خاصہ ہے۔ اور کبھی بیان فرمایا کہ محض جمادات ہیں کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں یا ہاتھ ہیں جن سے وہ کچھ پکڑ سکتے ہیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھ سکیں یا کان ہیں جن سے کچھ سن سکیں ۔ ۔ ۔

انه لا يستحق غيره العبادة وهما متناسبتان متلازمتان الربط طبيعي بينهما۔

وقد اختلف فيهما طوائف من الناس معظمهم ثلاث فرق النجاميون ذهبوا الى ان النجوم تستحق العبادة وان عبادتها تنفع في الدنيا ورفع الحاجات اليها حق قالوا قد تحققنا ان لها تأثيرا عظيما في الحوادث اليومية وسعادة المرء وشقاوته وصحته وسقمه وان لها نفوسا مجردة عاقلة تبعتها على الحركة ولا تغفل عن عبادها فبنوا هياكل على اسمائها وعبدوها والمشركون وافقوا المسلمين في تدبير الامور العظام وفيما ابرم وجزم ولم يترك لغيره خيرة و لم يوافقوهم في سائر الامور ذهبوا الى ان الصالحين من قبلهم عبدوا الله وتقربوا اليه فاعطاهم الله الالوهية فاستحقوا العبادة من سائر خلق الله كما ان ملك الملوك يخدمه عبده فيحسن خدمته فيعطيه خلعة الملك ويفوض اليه تدبير بلد من بلاده فيستحق السمع والطاعة من اهل ذلك البلد وقالوا لا تقبل عبادة الله الا مضمومة بعبادتهم بل الحق في غاية التعالي فلا تفيد عبادته تقربا منه بل لابد من عبادة هؤلاء ليقربوا الى الله زلفى و قالوا هؤلاء يسمعون ويبصرون ويشفعون لعبادهم ويدبرون امورهم وينصرونهم فنحتوا على اسمائهم احجارا وجعلوها قبلة عند توجههم الى هؤلاء فخلف من بعدهم خلف فلم يفطنوا للفرق بين الاصنام و بين من هي على صورته فظنوها معبودات باعيانها ولذلك رد الله تعالى عليهم تارة بالتنبيه على ان الحكم والملك له خاصة وتارة ببيان انها جمادات الهم ارجل يمشون بها ام لهم ايد يبطشون بها ام لهم اعين يبصرون بها ام لهم اذان يسمعون بها

تیسرا فرقہ نصاریٰ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کو خدا سے خاص تقرب ہے اور تمام مخلوق سے ان کا مرتبہ بلند ہے اس لئے ان کو بندہ کہنا مناسب نہیں ورنہ وہ درجہ میں دوسروں کے برابر ہیں۔ اور یہ بات ان کی شان میں سوء ادبی ہے اور ان کے تقرب الٰہی کے لحاظ کو ترک کر دینا ہے پھر بعض نصاریٰ نے اس خصوصیت کے اظہار کے لئے کہ باپ بیٹے پر رحم کرتا ہے اس کی تربیت اپنے سامنے کرتا ہے اور اس کا درجہ بندوں سے زیادہ ہے ان کا نام ابن اللہ رکھا اور بعض نے یہ سمجھ کر ان کا نام خدا رکھا تھا کہ خدا تعالیٰ نے ان میں حلول کیا تھا۔ اور اسی لئے ان سے ایسے کام سرزد ہوئے جو آج تک کسی بشر سے سرزد نہ ہوئے مثلاً مردوں کا زندہ کر دینا پرندوں کو پیدا کرنا۔ پس عیسیٰ کا کلام بعینہٖ کلام الٰہی اور ان کی عبادت بالکل خدا کی عبادت ہے۔ ان کے بعد اور لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اس نام رکھنے کی وجہ کو نہ سمجھا اور وہ بیٹے کے لفظ سے اس کے حقیقی معنی ہی سمجھنے لگے یا ان کو من جمیع الوجوہ واجب الوجود سمجھنے لگے اسی واسطے خدا تعالیٰ نے ان کے اقوال کو کبھی اس طرح رد کیا کہ خدا تعالیٰ کی بیوی نہیں بیٹا کہاں سے ہو گیا۔ اور کبھی اس طرح تردید فرمائی کہ وہ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے اسکے حکم کے ساتھ ہی ہر چیز موجود ہو جاتی ہے پھر اسکو بیٹا جاننے کی کیا ضرورت ہے ان تینوں فرقوں کے بڑے لمبے چوڑے دعوے ہیں ان میں بکثرت خرافات ہیں جو واقف لوگوں پر مخفی نہیں ہیں ان دونوں مرتبوں کو قرآن عظیم نے خوب بیان کیا ہے اور کافروں کے شبہات کو خوب اچھی طرح رد کیا ہے۔

دوسرا باب حقیقت شرک کا بیان

واضح ہو کہ عبادت نہایت درجہ عاجزی کا نام ہے اور کسی سے نہایت درجہ عاجزی کے ظاہر ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ یا صوری مثلاً ایک شخص کا کھڑا ہونا۔ ایک کا سجدہ کرنا۔ یا قصد اور نیت سے ہوتی ہے۔ مثلاً سجدہ سے بندوں کی اپنے مولیٰ کے لئے تعظیم کرنا اور قیام سے رعیت کی بادشاہوں کے لئے۔ شاگردوں کی استاد کے لئے تعظیم کرنا اور کوئی تیسری صورت تعظیم کی نہیں ہے اور جب ثابت ہو چکا کہ سجدے فرشتوں نے حضرت آدم کی اور حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف کی تعظیم کی تھی حالانکہ سجدے سے زیادہ اور تعظیم نہیں ہے تو ضروری ہوا کہ نیت ہی سے فرق کیا جائے۔

والنصاری ذهبوا الی ان للمسیح علیه السلام قربا من الله وعلوا علی الخلق فلا ینبغی ان نسمی عبدا فیسوی بغیره لان هذا اسوء ادب معه واهمال لقربه من الله ثم مال بعضهم عند التعبیر عن تلك الخصوصیة الی تسمیته ابن الله نظرا الی ان الاب یرحم ابنه و یربیه علی عینیه وهو فوق العبید فهذا الاسم اولی به و بعضهم الی تسمیته بالله نظرا الی ان الواجب حل فیه فصار داخله ولهذا اصدرت منه اثار لم تعهد من البشر مثل احیاء الاموات وخلق الطیر فکلامه کلام الله وعبادته هی عبادة الله فخلف من بعدهم خلف لم یفطنوا الوجه التسمیة فکادوا یجعلون البنوة حقیقیة او یزعمون انه الواجب من جمیع الوجوه ولذلك رد الله تعالی علیهم تارة بانه لا صاحبة له وتارة بانه بدیع السموات والارض انما امره اذا اراد شیئا ان یقول له کن فیکون —

وهذه الفرق الثلاث لهم دعاوی عریضة وخرافات کثیرة لا تخفی علی المتتبع وعن هاتین المرتبتین بحث القران العظیم ورد علی الکافرین شبهتهم ردا مشبعا ؛

باب فی بیان حقیقة الشرك

اعلم ان العبادة هو التذلل الاقصی وکون تذلل اقصی من غیره لا یخلو اما ان یکون بالصورة مثل کون هذا قیاما وذلك سجودا او بالنیة بان نوی بهذا الفعل تعظیم العباد لمولاهم وبذلك تعظیم الرعیة للملوك او التلامذة للاستاذ لا ثالث لهما ولما ثبت سجود التحیة من الملائکة لادم علیه السلام ومن اخوة یوسف لیوسف علیه السلام والا سجود اعلی صور التعظیم وجب ان لا یکون التمیز الا بالنیة

لیکن یہ معنی تک اسکی پوری تنقیح نہیں ہوئی کیونکہ مولیٰ کے لفظ کئی معنی مستعمل ہوتے ہیں اور یہاں ضرور معبود کے معنی مراد ہیں پس وہ عبادت کی تعریف میں ماخوذ ہے پس اسکی یوں تنقیح کی جائے گی کہ تذلل یہ چاہتا ہے کہ ذلیل میں ضعف اور قوی میں قوت کا لحاظ کیا جائے۔ ذلیل میں ذلت اور پستی اور دوسرے میں شرف اور رفعت کو ملحوظ رکھا جائے۔ ذلیل میں فرماں برداری اور اطاعت اور دوسرے میں نفاذِ حکم اور تسخیر کا لحاظ رکھا جائے۔ اور انسان جب عقلی یا بالطبع ہوتا ہے تو وہ ضرور یہ بات معلوم کر لیتا ہے کہ قوت شرف اور تسخیر وغیرہ کے جنکو کمال کہتے ہیں دو مرتبہ ہیں۔ ایک مرتبہ تو یہ ہے کہ انسان اسکو اپنی ذات میں اور اپنی مشابہ چیز میں پاتا ہے۔ اور دوسرا مرتبہ ان چیزوں میں پایا جاتا ہے جو حدوث اور امکان کے داغ سے پاک ہیں یا جن میں ان پاک چیزوں کے بعض مخصوص اوصاف پائے جاتے ہیں پس علم غیب کے بھی دو مرتبے ہیں ایک وہ مرتبہ ہے جو غور و فکر اور مقدمات کے ترتیب دینے سے یا سرعتِ ذہن سے یا خواب سے یا الہام وغیرہ چیزوں سے جو بالکل اسکے مباین نہ ہوں معلوم کیا جائے۔ دوسرا مرتبہ علم ذاتی ہے جو خاص عالم کی ذات کا مقتضی ہے جس کو نہ وہ کسی دوسرے سے حاصل کرتا ہے اور نہ اس کو وہ استدلال سے حاصل کرتا ہے اور اسی طرح تدبیر یا تاثیر یا جس لفظ سے آپ تعبیر کریں اس کے دو درجہ ہیں۔ ایک یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں و دیگر اعضاء و قویٰ کو استعمال میں لایا جائے اور مزاجی کیفیات حرارت و برودت وغیرہ سے اعانت لی جائے یا اس کے مشابہ ان امور سے کام لیا جائے جنکی استعداد قریب یا بعید اس میں موجود ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ بغیر کیفیت جسمانیہ اور بغیر کسی امر کے استعمال کے کسی چیز کو پیدا کر دیا جائے۔ اور اس قول الٰہی میں یہی مراد ہے کہ "جس چیز کو خدا کرنا چاہتا ہے تو کُن کہتے ہی ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح عظمت شرف اور قوت کے دو درجہ معلوم ہوتے ہیں۔ ایک وہ مرتبہ ہے جیسے بادشاہ کو رعیت پر باعتبار کثرت اعوان اور زیادتی مال کے ہوتا ہے یا جیسے طاقت ور اور استاد کو ضعیف اور شاگرد پر ہوتا ہے۔ الغرض ایک قسم کی مشارکت اصل عظمت میں پائی جاتی ہے۔ اور دوسرا درجہ عظمت کا وہ ہے کہ وہ صرف اس میں ہو جس کی رفعت و شان نہایت اعلیٰ درجہ کی ہو۔ اور آپ اس سر کی تفتیش میں بس نہ کریں جب تک اس بات کا یقین نہ کر لیں کہ جو شخص سلسلۂ ممکنات کو ایسے واجب کی طرف منتہی جانتا ہے ؞ ؞ ؞

لكن الامر الى الآن غير منقح اذ المولى مثلاً يطلق على معان والمراد ههنا المعبود لا محالة فقد اخذ فى حد العبادة فالتنقيح ان التذلل يستدعى ملاحظة ضعف فى الذليل وقوة فى الآخر وخسة فى الذليل وشرف فى الآخر وانقياد واخبات فى الذليل وتسخير و نفاذ حكم للآخر والانسان اذا خلى ونفسه ادرك لا محالة انه يقدر للقوة والشرف والتسخير وما اشبهها مما يعبر به عن الكمال قدرين قدر النفسه ولمن يشبهه بنفسه وقدر المن هو متعال عن وسمة الحدوث والامكان بالكلية ؛

ولمن انتقل اليه شئ من خصوصيات هذا المتعالى فالعلم بالمغيبات يجعله عن درجتين علم برؤية وترتيب مقدمات اوحدس ومنام او تلقى الهام مما يجد نفسه لايباين ذلك بالكلية وعلم ذاتى هو مقتضى ذات العالم لايلقاه من غيره ولا يتجشم كسبه وكذلك يجعل للتاثير والتدبير والتسخير اى لفظ قلت على درجتين بمعنى المباشرة واستعمال الجوارح و القوى واستعانة بالكيفيات المزاجية كالحرارة و البرودة وما اشبه ذلك مما يجد نفسه مستعدة له استعدادا قريبا او بعيدا وبمعنى التكوين من غير كيفية جسمانية ولا مباشرة شئ وهو قوله تعالى انما امره اذا اراد شيئا ان يقول له كن فيكون وكذلك يجعل العظمة والشرف والقوة على درجتين كعظمة الملك بالنسبة الى رعيته مما يرجع الى كثرة الاعوان وزيادة الطول او عظمة البطل والاستاذ بالنسبة الى ضعيف البطش والتلميذ مما يجد نفسه يشارك العظم فى اصل الشئ وثانيتهما ما لا يوجد الا فى المتعالى جدا ولا تن فى تفتيش هذا السر حتى تستيقن ان المعترف بانصرام سلسلة الامكان الى واجب

جو کسی کا محتاج نہیں تو بالضرور ان صفات کو جن سے مدح کیجاتی ہے دو درجوں میں تقسیم کرتاہے ایک وہ درجہ جو شان خداوندی کے لائق ہو اور دوسرے وہ جو اپنی حالت اور شان کے مناسب ہے اور جبکہ وہ الفاظ جو دونوں کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں باہم معنی کے لحاظ سے قریب قریب تھے۔ پس بسا اوقات نصوص شرائع الٰہیہ غیر محمل پر محمول کئے جاتے ہیں اور اکثر اوقات انسان اپنے بعض افراد سے یا ملائکہ وغیرہ سے وہ اثر صادر ہوتے دیکھتا ہے جو اس کے ابنائے جنس سے نہایت مستبعد ہے اس لئے اسکی نظر میں اصل حالت مشتبہ ہوجاتی ہے تب اسکے لئے وہ قدسی مرتبہ اور تسخیر الٰہی ثابت کرتا ہے حالانکہ لوگ اس درجہ کے شناخت میں برابر نہیں۔ پس بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنے انوار کی قوتوں کا احاطہ کرلیتے ہیں جن کے اثر تمام مو الید پر غالب اور محیط ہوتے ہیں اور اس درجہ کو پہچان لیتے ہیں اور بعضوں کو اسے انضباط کرنے کی طاقت نہیں ہوا کرتی۔ اور ہر انسان کو اسقدر تکلیف دی گئی ہے جتنی اس سے ممکن ہے۔ اس حکایت کے یہی معنی ہیں جس کو نبی علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے کہ خدا نے اس شخص کو نجات دی تھی جس نے اپنے اہل کو حکم دیا تھا کہ مجھ کو جلا دینا اور میری راکھ کو ہوا میں اڑا دینا۔ اس کو خوف تھا کہ مبادا خدا مجھ کو پھر زندہ کرے اور مجھ پر قابو پالے۔ اس کو یہ یقین تھا کہ خدا میں بڑی قدرت ہے لیکن اسکو قدرت انہی چیزوں میں ہے جو کہ ممکن ہیں ممتنع چیزوں میں اس کو قدرت نہیں ہے وہ سمجھتا تھا کہ اس راکھ کا جمع کرنا محال ہے۔ جس کا نصف حصہ آدمی دریا میں بہادے اور نصف ہوا میں اڑا دے۔ پس اس خیال سے خدا کی ذات میں کچھ نقص نہیں ہوا جتنا اسکا علم تھا اتنا ہی ماخوذ ہوا اور کافروں میں اسکا شمار نہ ہوا۔ تو تشبیہ اور ستاروں اور نیک بندوں کے ساتھ شرک کرنا جن سے کشف و قبولیت دعا وغیرہ خلاف عادت امور ظاہر ہوتے ہیں لوگوں میں موروثی ہوگیا ہے اور جو نبی اپنی قوم میں بھیجا جاتا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ شرک کی حقیقت سمجھائے اور دونوں درجوں کی حقیقت تمیز کرکے دکھا دے اور مقدس درجہ کو خاص واجب تعالیٰ میں حصر کردے اگرچہ دونوں درجوں کے الفاظ قریب المعنی ہوں جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طبیب سے فرمایا تھا کہ تو صرف رفیق ہے طبیب درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے۔ اور جیسے آپ نے فرمایا کہ سردار صرف خدا ہی ہے ان حدیثوں میں طبیب اور سردار کے خاص معنی لئے ہیں اسکے بعد جب رسول اللہ کے حواری صحابہ اور حاملین

لایحتاج الی غیرہ یضطر الی جعل ھذہ الصفات التی یتمادحون بھا علی درجتین درجۃ لما ھنالک ودرجۃ لما یشبھہ بنفسہ ؛

ولما کانت الالفاظ المستعملۃ فی الدرجتین متقاربۃ فربما یحمل نصوص الشرائع الالھیۃ علی غیر محملھا وکثیرا ما یطلع الانسان علی اثر صادر من بعض افراد الانسان او الملائکۃ او غیرھا یستبعدہ من ابناء جنسہ فیشتبہ علیہ الامر فیثبت لہ شرفا مقدسا وتسخیرا الھیا ولیسوا فی معرفۃ الدرجۃ المتعالیۃ سواء فمنھم من یحیط بقوی الانوار المحیطۃ الغالبۃ علی المو الید ویعرفھا من جنسہ ومنھم من لا یستطیع ذلک وکل انسان مکلف بما عندہ من الاستطاعۃ وھذا تاویل ما حکاہ الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم من نجاۃ مسرف علی نفسہ امر اھلہ بحرقہ وتذریۃ رمادہ حذرا من ان یبعثہ اللہ ویقدر علیہ فھذا الرجل استیقن بان اللہ متصف بالقدرۃ التامۃ لکن القدرۃ انما ھی فی الممکنات لا فی الممتنعات وکان یظن ان جمع الرماد المتفرق نصفہ فی البر ونصفہ فی البحر ممتنع فلم یجعل ذلک نقصا فاخذ بقدر ما عندہ من العلم ولم یعد کافرا کان التشبیہ والاشراک بالنجوم وبصالحی العباد الذین ظھر منھم خرق العوائد کالکشف واستجابۃ الدعاء متوارثا فیھم وکل نبی یبعث فی قومہ فانہ لابد ان یفھمھم حقیقۃ الاشراک ویمیز کلا من الدرجتین ویحصر الدرجۃ المقدسۃ فی الواجب وان تقاربت الالفاظ کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لطبیب انما انت رفیق والطبیب ھو اللہ وکما قال السید ھو اللہ یشیر الی بعض المعانی دون بعض ، ثم لما انقرض الحواریون من اصحابہ

اور ناخلف لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کر دیا اور خواہشوں کی پیروی کی اور مستعمل اور مشتبہ الفاظ کے بیجا معنی بنالئے جیسے محبوبیت اور شفاعت کو خدا نے تمام شریعتوں میں بندگان خاص کے لئے ثابت کیا ہے لیکن لوگ اسکے بجا معنی مراد نہیں لیتے اور ایسے ہی خلاف عادت اور مکاشفات سے وہ لوگ یہ مراد لیتے ہیں کہ علم الٰہی اور غلبۂ الٰہی کی حالت اس شخص میں منتقل ہو آئی ہے جو ایسے ایسے کلام کرتا ہے حالانکہ یہ امور ناسوتی یا روحانی طاقتوں کا فیض ہیں جو تدبیر کے نزول کے لئے انسان کو آمادہ کر دیتی ہے اور در حقیقت ایجاد الٰہی نہیں ہیں اور نہ ہی خدا تعالیٰ کی خاص باتیں ہیں۔ اس مرض میں لوگ کئی طرح سے گرفتار ہوتے ہیں بعض وہ ہیں جو خدا تعالیٰ کی بزرگی کو بالکل بھول گئے اور صرف شرکا، کی ہی عبادت کرتے ہیں اور اپنی حاجتوں کو انہی سے مانگتے ہیں اور خدا کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتے اگرچہ یقینی دلیل سے خوب جانتے ہیں کہ سلسلۂ وجود خدا ہی پر ختم ہوتا ہے۔ اور بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ سردار اور مدبر تو خدا ہی ہے لیکن اپنے بعض بندوں کو بزرگی اور معبودیت کا خلعت پہنا دیتا ہے اور ان کو بعض امور کا اختیار دیتا ہے اور ان کی پرستش کرنے والوں کے حق میں ان کی سفارش قبول کرتا ہے جیسے کوئی شہنشاہ ہر ملک میں اپنی طرف سے اور بجز بڑے بڑے کاموں کے اس ملک کی پوری تدبیر اس کے سپرد کر دے۔ پس ایسے شخص کے حق میں ان لوگوں کو بندگانِ خدا کہنے کی جرأت نہیں ہوتی تاکہ کہیں وہ اوروں کے برابر نہ ہو جائیں۔ پس وہ اسکی بجائے ان کو ابن اللہ اور محبوب الٰہی کہتے ہیں اور اپنے نام میں انکی عبودیت ظاہر کرتے ہیں جیسے عبدالمسیح، عبدالعزیٰ۔ اور اس مرض میں یہود نصاریٰ اور مشرکین عام ہیں۔ اور فی زماننا اسلام میں بھی بعض ایسے غالی اور منافق موجود ہیں ؛

اور جبکہ شریعت کی بنیاد اس پر ہے کہ ظن کی چیز کو بجائے اصل کے سمجھے اس لئے وہ محسوس امور جن میں شرک کا گمان تھا کفر شمار کئے گئے جیسے بتوں کو سجدہ کرنا، ان کے لئے قربانی کرنا، اور ان کے نام کی قسم کھانا اور ایسے ہی اور امور۔ اول اول مجھ پر یہ علم اس طرح منکشف ہوا کہ میرے سامنے ایسی قوم پیش کی گئی ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛

وحملة دينه خلف من بعدهم خلف اضاعوا الصلوة واتبعوا الشهوات فحملوا الالفاظ المستعملة المشتبهة على غير محملها كما حملوا المحبوبية والشفاعة التى اثبتها الله تعالى فى قاطبة الشرائع لخواص البشر على غير محملها وكما حملوا اصد وخرق العوايد و الاشرافات على انتقال العلوم والتسخير الاقصيين الى هذا الذى يرمى منه والحق ان ذلك كله يرجع الى قوى ناسوتية اوروحانية تعد لنزول التدبير الالهى على وجه وليس من الايجاد والامور المختصة بالواجب فى شئ والمرضى بهذا المرض على اصناف منهم من نسى جلال الله بالكلية فجعل لا يعبد الا الشركاء ولا يرفع حاجته الا اليهم لا يلتفت الى الله اصلا وان كان يعلم بالنظر البرهانى ان سلسلة الوجود تنصرم الى الله ومنهم من اعتقد ان الله هو السيد وهو المدبر لكنه قد يخلع على بعض عبيده لباس الشرف والتاله ويجعله متصرفا فى بعض الامور الخاصة ويقبل شفاعته فى عباده بمنزلة ملك الملوك يبعث على كل قطر ملكا ويقلده تدبير تلك المملكة فيما عدا الامور العظام فيتلجلج لسانه ان يسميهم عباد الله فيسويهم وغيرهم فعدل عن ذلك الى تسميتهم ابناء الله ومحبوبي الله وسمى نفسه عبدا لاولئك كعبد المسيح وعبد العزى وهذا مرض جمهور اليهود والنصارى والمشركين وبعض الغلاة من منافقي دين محمد صلى الله عليه وسلم يومنا هذا ؛

ولما كان مبنى التشريع على اقامة المظنة مقام الاصل عد اشياء محسوسة هى مظان الاشراك كفرا كسجدة الاصنام والذبح لها والحلف باسمها وامثال ذلك وكان اول فتح هذا العلم على ان رفع

جوایک چھوٹی سی زہریلی مکھی کے لیے سجدہ کرتی تھی جو ہمیشہ اپنی دُم اور ہاتھ پاؤں ہلاتی رہتی تھی تو میرے دل میں القا ہوا کہ کیا تو ان میں بھی شرک کی تاریکی پاتا ہے۔ اور ان کو ان کے گناہوں نے بھی اسطرح گھیر رکھا ہے جس طرح بت پرستوں کو؟ میں نے کہا نہیں کیونکہ انھوں نے مکھی کو اپنا قبلہ قرار دیا ہے اور ذلت کے درجہ کو عزت کے درجہ سے نہیں ملایا ہے تو آواز آئی کہ تجھے راز کی رہبری ہوگئی پس اس دن سے میرا دل علم توحید سے بھر گیا اور اس میں مجھ کو بصیرت حاصل ہوگئی۔ اور توحید و شرک اور ان چیزوں کی حقیقت جنکو شرع نے توحید و شرک کا موقع قرار دیا ہے بخوبی مجھ کو معلوم ہوگئی اور تدبیر کے ساتھ عبادت کے تعلق کو میں خوب سمجھ گیا واللہ اعلم۔

تیسرا باب (۳۶) :- شرک کے اقسام کا بیان

شرک کی حقیقت یہ ہے کہ بعض بزرگوں کی نسبت کسی کا یہ اعتقاد ہو کہ عجیب عجیب اثر جو ان سے صادر ہوئے ہیں وہ محض ان صفات کی وجہ سے سرزد ہوئے ہیں جو انسان میں نہیں ہو سکتیں بلکہ صرف واجب تعالیٰ ہی میں پائی جا سکتی ہیں دوسرے کسی شخص میں اسکا جب ہی امکان ہے کہ خدا تعالیٰ الوہیت کا خلعت اس کو پہنا دے یا اس کو فنا کر کے اپنی ذات میں ملا لے یا ایسا ہی بیہودہ گمان کوئی اور ہو جس کا مشرکین اعتقاد کیا کرتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ مشرکین لبیک کہنے میں یہ الفاظ پڑھا کرتے تھے ہم حاضر ہیں ہم حضور میں ہیں تیرا کوئی شریک نہیں ہے ہاں وہ شریک جس کا تو مالک ہے اور جس کی تمام ملکیت کا تو مالک ہے اسی لیے اس شخص معبود کے سامنے نہایت تذلل کیا جائے اور اس سے ویسا ہی معاملہ کیا جائے جیسا کہ بندے خدا کے ساتھ کرتے ہیں۔

اور اس قسم کے معاملات کی مختلف صورتیں ہیں شریعت انہی قوالب اور صورتوں سے بحث کرتی ہے جن کو انسان بہ نیت شرک عمل میں لاتا ہے یہاں تک کہ وہ عادۃً مشرک سمجھا گیا۔ جیسا کہ شریعت تمام علل متلازمہ اصلاح و فساد کو ان اصلاح و فساد کی جگہ قائم رکھتی ہے۔ اور ہم آپ کو وہ امور بتلاتے ہیں جن کو خدا نے شریعت محمدیہ میں علی صاحبہا السلام

الی قوم یسجدون لذباب صغیر سمی لا یزال یحرک ذنبه واطرافه فنفث فی قلبی هل تجد فیهم ظلمة الشرك وهل احاطت الخطیئة بانفسهم کما تجدها فی عبدة الاوثان؟ قلت لا اجد فیهم لانهم جعلوا الذباب قبلة ولم یخلطوا درجة تذلل بالاخری قیل فقد هدیت الی السر فیومئذ ملئ قلبی بهذا العلم وصرت علی بصیرة من الامر وعرفت حقیقة التوحید والاشراك وما نصبه الشرع مظان لهما وعرفت ارتباط العبادة بالتدبیر والله اعلم۔

باب اقسام الشرك

حقیقة الشرك ان یعتقد انسان فی بعض المعظمین من الناس ان الآثار العجیبة الصادرة منه انما صدرت لکونه متصفا بصفة من صفات الکمال مما لم یعهد فی جنس الانسان بل یختص بالواجب جل مجده لا یوجد فی غیره الا ان یخلع هو خلعة الالوهیة علی غیره او یفنی غیره فی ذاته ویبقی بذاته او نحو ذلك مما یظنه هذا المعتقد من انواع الخرافات کما ورد فی الحدیث ان المشرکین کانوا یلبون بهذه الصیغة لبیك لبیك لا شریك لك الا شریکا هو لك تملکه وما ملك، فیتذلل عنده اقصی التذلل ویعامل معه معاملة العباد مع الله تعالی۔

وهذا معنی له اشباح وقوالب والشرع لا یبحث الا عن اشباحه وقوالبه التی باشرها الناس بنیة الشرك حتی صارت مظنة للشرك ولازما له فی العادة کسنة الشرع فی اقامة العلل المتلازمة للمصالح والمفاسد مقامها، ونحن نرید ان ننبهك علی امور جعلها الله تعالی فی الشریعة المحمدیة علی

شرک کے مواقع سمجھ کر ان سے منع کر دیا ہے منجملہ ان کے یہ ہے کہ مشرکین اصنام اور ستاروں کو سجدہ کیا کرتے تھے اسی لئے شریعت نے غیر خدا کے سجدہ منع فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی چاند اور سورج کو سجدہ نہ کرو، بلکہ جس اللہ نے ان کو پیدا کیا اس کو سجدہ کرو" اور سجدہ کرنے میں کسی کو شریک کرنا اس بات کو ضرور چاہتا ہے بلکہ لازم ہے کہ تدبیر الٰہی میں بھی اس کو شریک کرے گا جس کیطرف ہم اشارہ کر چکے ہیں اور متکلمین کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ توحید عبادت احکام الٰہیہ میں سے ایک حکم ہے جو مذہبوں کے اختلاف سے مختلف ہو سکتا ہے اس کے لئے دلیل یقینی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اگر یہی بات ہوتی تو خدا تعالیٰ مشرکین کو الزام نہ دیتا کہ وہ پیدا کرنے اور تدبیر کرنے میں یگانہ ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ "سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور مقبول لوگوں پر سلام ہے کیا خدا تعالیٰ بہتر ہے" اخیر پانچ آیتوں تک۔ بلکہ حق یہ ہے کہ وہ یہ بات تسلیم کرتے تھے کہ عبادت کا مدار انہیں دونوں باتوں پر ہے جیسا کہ ہم توحید کے معنی میں اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں پس اسی واسطے خدا تعالیٰ نے ان کو الزام دیا و للہ الحجۃ البالغۃ۔

اور انہی امور شرکیہ میں سے یہ ہے کہ مشرکین اپنے اغراض کے لئے غیر خدا سے امداد طلب کیا کرتے تھے۔ بیمار کی شفا اور غریبوں کی تونگری کو ان سے طلب کرتے تھے اور ان کے نام کی نذریں مان کر اپنی حاجات اور مقاصد کے حاصل ہونے کے متوقع رہتے تھے اور ان کی برکات کی امید میں ان کے نام جپا کرتے تھے اسیواسطے خدا تعالیٰ نے لوگوں پر واجب کیا کہ یہ پڑھا کریں "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے یاوری کے خواہاں ہیں"۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "خدا تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو مت پکارو" اور یہاں دعا کے معنی عبادت کے نہیں ہیں جیسے بعض مفسروں کا قول ہے بلکہ استعانت کے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے کہ "خدا ہی سے مدد طلب کرو تاکہ وہ حاجت پوری ہو جائے جس میں تم مدد کے خواہاں ہو"۔ اور ان ہی امور شرکیہ میں سے یہ ہے کہ مشرکین بعض شرکا انہی کو خدا کی بیٹیاں اور بعض کو بیٹے کہتے تھے پس اس ہی سختی کے ساتھ منع کر دیا اور اسکا راز ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور نیز امور شرکیہ میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے احبار اور رہبان کو خدا کے سوائے معبود اور

اصاحبھا الصلوات والتسلیمات مظنات للشرک فنھی عنھا، فمنھا انھم کانوا یسجدون للاصنام والنجوم فجاء النھی عن السجدۃ لغیر اللہ قال اللہ تعالیٰ "لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقھن" و الاشراک فی السجدۃ کان متلازما للاشراک فی التدبیر کما اومانا الیہ ولیس الامر کما یظن بعض المتکلمین من ان توحید العبادۃ حکم من احکام اللہ تعالیٰ مما یختلف باختلاف الادیان لا یطلب بدلیل برھانی کیف ولو کان کذلک لم یلزمھم اللہ تعالیٰ بتفردہ بالتخلیق والتدبیر کما قال عن من قائل "قل الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اللہ خیر" الی اخر خمس ایات بل الحق انھم اعترفوا بتوحید الخلق وبتوحید التدبیر فی الامور العظام وسلموا ان العبادۃ متلازمۃ معھما لما اشرنا الیہ فی تحقیق معنی التوحید فلذلک الزمھم اللہ تعالیٰ بما الزمھم وللہ الحجۃ البالغۃ ومنھا انھم کانوا یستعینون بغیر اللہ فی حوائجھم من شفاء المریض وغناء الفقیر وینذرون لھم یتوقعون انجاح مقاصدھم بتلک النذور ویتلون اسماءھم رجاء برکتھا فاوجب اللہ تعالیٰ علیھم ان یقولوا فی صلاتھم ایاک نعبد وایاک نستعین وقال تعالیٰ فلا تدعوا مع اللہ احدا ولیس المراد من الدعاء العبادۃ کما قالہ بعض المفسرین بل ھو الاستعانۃ لقولہ تعالیٰ بل ایاہ تدعون فیکشف ما تدعون، ومنھا انھم کانوا یسمون بعض شرکائھم بنات اللہ وابناء اللہ فنھوا عن ذلک اشد النھی وقد شرحنا سرہ من قبل ومنھا انھم کانوا یتخذون احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ تعالیٰ بمعنی انھم کانوا یعتقدون ان ما احلہ ھؤلاء حلال لا باس بہ فی نفس الامر و ان ما حرمہ ھؤلاء حرام یؤاخذون بہ فی نفس

اور جب یہ آیت نازل ہوئی "اتخذوا احبارھم ورھبانھم الآیہ" (کافروں نے علماء اور زاہدوں کو دوسرا خدا بنا رکھا ہے) تو عدی بن حاتم نے نبی علیہ السلام سے اسکا مطلب پوچھا آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ جس چیز کو حلال کہدیتے ہیں یہ لوگ اسکو حلال سمجھتے تھے اور جس کو حرام کہدیتے تھے اسکو حرام جانتے تھے۔ اسکا راز یہ ہے کہ تحلیل اور تحریم کے معنی ملکوت میں ایک حکم نافذ کردینا ہے کہ فلاں شئی پر مواخذہ ہے اور فلاں پر نہیں اور یہ کہدینا ہی مواخذہ اور عدم مواخذہ کا سبب ہوتا ہے اور یہ خدا کی صفات میں سے ہے لیکن وہ تحلیل و تحریم جس کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جاتی ہے تو اسکے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت کا قول اس کی تحلیل و تحریم کے لئے علامت ہے اور اس تحلیل و تحریم کو مجتہدین امت کی طرف منسوب کرنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ اشخاص اس حکم کو شارع سے روایت کرتے ہیں یا اس کے کلام سے استنباط کرتے ہیں ۞

واضح ہو کہ جب خدا تعالے نے رسول بھیجے اور اس کی رسالت معجزات سے ثابت ہوگئی اور اس کی زبان سے بعض امور کا حلال و حرام ہونا معلوم ہوگیا پھر بعض لوگ یہ سمجھ کر کہ ان کے مذہب میں یہ چیز حرام تھی اس سے باز رہیں اور دل میں کراہت کریں تو یہ توقف دو طرح کا ہوتا ہے اول یہ کہ اس شخص کو اس شریعت کے ثبوت ہی میں شک ہو تو ایسا شخص نبی کا منکر ہے اور کافر ہے۔ دوم یہ کہ اسکو پہلی تحریم کی نسبت یہ اعتقاد ہے کہ وہ منسوخ ہونے کے قابل ہی نہیں ہے کیونکہ خدا تعالے نے اپنے بندے کو الوہیت کا خلعت پہنا دیا تھا اور وہ شخص فنا فی اللہ اور باقی باللہ ہوگیا پس کسی امر سے اس کا منع کرنا یا کسی امر کو اس کا مکروہ سمجھنا مال اور اہل میں باعث محرومی ہے پس ایسا شخص مشرک ہے وہ غصہ اور ناراض ہونے میں، حلال اور حرام کرنے میں دو مقدس ہستیوں کا اعتقاد کرتا ہے۔ اور نیز امور شرکیہ میں سے یہ بھی ہے کہ وہ لوگ بتوں اور ستاروں سے تقرب ان کے لئے قربانیاں کر کے چاہا کرتے تھے یا تو اس طرح سے کہ ذبح کے وقت ان کا نام لیتے تھے یا اپنے خاص ستاروں پر ذبح کرتے تھے پس ایسا کرنے سے ان کو روکا گیا۔ مزید ان امور شرکیہ میں سے یہ ہے کہ وہ اپنے شرکاء کے نام پر سانڈ چھوڑتے تھے ۞ ۞ ۞

الامر ولما نزل قوله تعالى اتخذوا احبارهم ورهبانهم الآية سأل عدى بن حاتم رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فقال كانوا يحلون لهم اشياء فيستحلونها ويحرمون عليهم اشياء فيحرمونها، وسر ذلك ان التحليل والتحريم عبارة عن تكوين نافذ في الملكوت ان الشئ الفلاني يؤاخذ به او لا يؤاخذ به فيكون هذا التكوين سببا للمؤاخذة وتركها وهذا من صفات الله تعالى واما نسبة التحليل والتحريم الى النبى صلى الله عليه وسلم فمعنى ان قوله امارة قطعية لتحليل الله وتحريمه واما نسبتها الى المجتهدين من امته فبمعنى روايتهم ذلك عن الشرع من نص الشارع او استنباط معنى من كلامه ۞

واعلم ان الله تعالى اذا بعث رسولا وثبتت رسالته بالمعجزة واحل على لسانه بعض ما كان حراما عندهم ووجد بعض الناس فى نفسه انجماما عنه وبقى فى نفسه ميل الى حرمته لما وجد فى ملته من تحريمه فهذا على وجهين ان كان لتردد فى ثبوت هذه الشريعة فهو كافر بالنبى وان كان لاعتقاد وقوع التحريم الاول تحريما لا يحتمل النسخ لاجل انه تبارك وتعالى خلع على عبد خلعة الالوهية او صار فانيا فى الله باقيا به فصار نهيه عن فعل او كراهيته له مستوجبا الجرم فى ماله واهله فذلك مشرك بالله تعالى مثبت لغيره غضبا وسخطا مقدسين وتحليلا وتحريما مقدسين، ومنها انهم كانوا يتقربون الى الاصنام والنجوم بالذبح لاجلهم اما بالاهلال عند الذبائح باسمائهم واما بالذبح على الانصاب المخصوصة لهم فنهوا عن ذلك، ومنها انهم كانوا يسيبون السوائب والبحائر تقربا

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ماجعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ الآیۃ" (اللہ تعالےٰ نے نہ کان پھٹے کو مشروع کیا ہے اور نہ سانڈ) نیز انہی امور میں سے یہ ہے کہ وہ بعض لوگوں کے ناموں کو نہایت متبرک جانتے تھے اور یہ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کا نام لے کر جھوٹی قسم کھانے سے جان و مال کا نقصان ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے اہم معاملات میں اپنے شرکاء کے نام کی قسم کھایا کرتے تھے سو اس سے ان کو منع کیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ جس نے غیر اللہ کے نام کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ بعض محدثین نے اس کو تہدید اور تغلیظ پر محمول کیا ہے اور میں محدثین کی اس تفسیر کا قائل نہیں ہوں بلکہ میرے نزدیک اس حلف سے مراد یمین منعقدہ اور یمین غموس ہے جو اس اعتقاد کی بنا پر ہو جس کا ہم نے ذکر کیا۔ نیز ان امور شرکیہ میں سے غیر اللہ کی زیارت کرنا ہے اور وہ اس طرح سے ہوتا تھا کہ بعض مواضع کو یہ سمجھتے تھے کہ وہ نہایت متبرک اور شرکاء کے ساتھ مخصوص ہیں وہاں جانے سے ان کا تقرب نصیب ہوتا ہے۔ پس شریعت نے ایسا کرنے سے منع کر دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ تین مقامات کے سوا اور کسی جگہ کے لئے سواریاں نہ کسو۔ نیز ان امور شرکیہ میں سے یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کا نام عبدالعزیٰ و عبدالشمس وغیرہ رکھتے تھے سو اللہ تعالےٰ نے فرمایا "وہ ذات ایسی ہے جس نے تمہاری تخلیق نفس واحدہ سے کی اور اس کی جنس سے اسکی زوجہ کی تخلیق فرمائی تاکہ اسکو اس سے آرام ملے "فلما تغشّٰها الآیۃ" اور حدیث میں آیا ہے کہ حضرت حوا نے شیطان کے بہکانے پر اپنے بیٹے کا نام عبد الحارث رکھا تھا اور بے شمار احادیث سے ثابت ہے کہ جن لوگوں کے نام عبدالعزیٰ اور عبدالشمس وغیرہ تھے آں حضرت نے ان کو بدل کر عبداللہ و عبدالرحمٰن وغیرہ رکھدیے تھے۔ یہ سب مذکورہ بالا امور شرک کے قالب تھے اسواسطے شارع نے ان سب سے لوگوں کو روک دیا واللہ اعلم۔

چوتھا باب (۳۹): خدا کی صفات پر ایمان لانیکا بیان

واضح ہو کہ نیکی کی تمام قسموں میں سے سب سے زیادہ پر عظمت قسم خدا تعالےٰ کی صفات پر ایمان لانا ان کے ساتھ خدا کے متصف ہونیکا اعتقاد کرنا ہے اسکی وجہ سے بندے اور خدا تعالیٰ میں تعلق کا دروازہ کھل جاتا ہے

الی شرکائہم فقال اللہ تعالیٰ ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ الآیۃ، ومنها انهم کانوا یعتقدون فی اناس ان اسماءهم مبارکة معظمة وکانوا یعتقدون ان الحلف باسمائهم علی الکذب یستوجب حرما فی ماله واهله فلا یقدمون علی ذلک ولذلک کانوا یستحلفون الخصوم باسماء الشرکاء بزعمهم فنهوا عن ذلک، وقال النبی صلی اللہ علیه وسلم من حلف بغیر اللہ فقد اشرک، وقد فسره بعض المحدثین علی معنی التغلیظ والتهدید ولا اقول بذلک وانما المراد عندی الیمین المنعقدة والیمین الغموس باسم غیر اللہ تعالیٰ علی اعتقاد ما ذکرنا ومنها الحج لغیر اللہ تعالیٰ وذلک ان یقصد مواضع متبرکة مختصة بشرکائهم یکون الحلول بها تقربا من هؤلاء فنهی الشرع عن ذلک، وقال النبی صلی اللہ علیه وسلم لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد، ومنها انهم کانوا یسمون ابناءهم عبد العزی وعبد شمس ونحو ذلک فقال اللہ هو الذی خلقکم من نفس واحدة وجعل منها زوجها لیسکن الیها فلما تغشاها الآیة، وجاء فی الحدیث ان حواء سمت ولدها عبد الحرث وکان ذلک من وحی الشیطان، وقد ثبت فی احادیث لا تحصی ان النبی صلی اللہ وسلم غیر اسماء اصحابه عبد العزی وعبد شمس ونحوهما الی عبد اللہ وعبد الرحمٰن وما اشبههما فهذه اشباح وقوالب للشرک نهی الشارع عنها لکونها قوالب له واللہ اعلم

باب الایمان بصفات اللہ تعالیٰ

اعلم ان من اعظم انواع البر الایمان بصفات اللہ تعالیٰ واعتقاد اتصافه بها فانه یفتح بابا

جس سے وہاں کی بزرگی اور کبریائی کے منکشف ہونے میں مدد ملتی ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ کسی عقلی یا حسی چیز پر اسکو قیاس کر سکیں یا اسمیں صفات ایسے حلول کریں جیسے اپنے اپنے محل میں اعراض حلول کرتے ہیں یا عام عقلیں ان کا اندازہ کر سکیں یا معمولی الفاظ ان کو ادا کر سکیں۔ لیکن لوگوں کے واسطے ان کی تعریف بھی ضروری ہے تاکہ حتی الامکان وہ اپنے کمال کو پورا کر سکیں اس لئے ضرور ہے کہ صفات کے نتیجے اور غایتیں مراد لی جائیں نہ کہ ان کی ابتدائی حالتیں مثلاً رحمت کے معنی نعمتوں کا دینا مراد ہے نہ کہ دل کا میلان اور نرم ہونا۔ اور اسیطرح جمیع موجودات کو خدا تعالےٰ کا مسخر بیان کرنے میں ایسے الفاظ مستعار لئے جائیں جن کے معنی بادشاہ کا شہر کو مسخر کرنا ہے کیونکہ اس غرض کے لئے کوئی اور عبارت زیادہ خوش ادا نہیں ہے۔ اور تشبیہات کا اسطرح استعمال ہو کہ ان کے اصلی معنی مراد نہ ہوں بلکہ ایسے معنی مقصود ہوں جو عرفاً اصلی معنی کے مناسب ہوں مثلاً ہاتھ کی کشائش سے فیاضی مراد ہو۔ اور ان تشبیہات میں یہ بھی ضروری ہے کہ مخاطبین کو بہیمی آلودگیوں کا خدا کی ذات میں ہونے کا صریح شبہ نہ ہو اور یہ حالت مخاطبین کی فہم پر مختلف ہوتی ہے اسلئے یوں کہنا چاہئے کہ خدا سنتا ہے، دیکھتا ہے، یہ نہیں کہنا چاہئے کہ وہ چکھتا ہے یا چھوتا ہے۔

اور یہ بھی ضروری ہے کہ چند معانی جن کا ایک ہی اثر ہے ان کے فیضان کو ایک ہی نام سے تعبیر کریں جیسے کہیں رزاق یا مصور اور ان اوصاف کی خدا سے نفی کی جائے جو اس کی شان کے شایان نہ ہوں بالخصوص وہ اوصاف جن کو ظالمین نے خدا کے حق میں بیان کیا ہے۔ پس یوں کہینگے کہ خدا کے کوئی فرزند نہیں اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔ تمام آسمانی مذاہب نے اتفاق کیا ہے کہ خدا کی صفات اسطرح بیان کی جائیں۔ اور اس پر متفق ہیں کہ ان عبارات کو اسیطرح استعمال کرنا چاہئے اور معنی مستعمل سے زیادہ ان پر بحث نہیں کرنی چاہئے اور اسی حالت پر وہ قرون گذر گئے جنکے لئے حضرت نے خیر کی شہادت دی تھی (یعنی قرون ثلاثہ) پھر انکے بعد اہل اسلام میں سے ایک گروہ بغیر نص اور دلیل قطعی کے انکے معانی کی تحقیق اور بحث کرنے لگا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مخلوق میں غور کرو خالق میں غور نہ کرو۔ اور آیت وان الی ربك المنتھی کی تفسیر میں آنحضرت نے فرمایا کہ پروردگار کی ذات میں غور نہیں کیا جا سکتا اسکی صفات مخلوق اور نو پیدا نہیں ہیں اور ان میں غور کرنے کے معنی یہی

بين هذا العبد وبينه تعالى ويعده لانكشاف ما هنالك من المجد والكبرياء ٭

واعلم ان الحق تعالى اجل من ان يقاس بمعقول او محسوس او يحل فيه صفات كحلول الاعراض فى محالها او تعالجه العقول العامية او تتناوله الالفاظ العرفية ولابد من تعريفه الى الناس ليكملوا كما لهم الممكن لهم فوجب ان تستعمل الصفات بمعنى وجود غاياتها لا بمعنى وجود مباديها فمعنى الرحمة افاضة النعم لا انعطاف القلب والرقة وان تستعار الفاظ تدل على تسخير الملك لمدينته لتسخيره لجميع الموجودات اذ لا عبارة فى هذا المعنى افصح من هذه وان تستعمل تشبيهات بشرط ان لا يقصد الى انفسها بل الى معان مناسبة لها فى العرف فيراد ببسط اليد الجود مثلا وبشرط ان لا يوهم المخاطبين ايهاما صريحا انه فى الواث البهيمية وذلك يختلف باختلاف المخاطبين فيقال يرى ويسمع ولا يقال يذوق ويلمس وان يسمى افاضة كل معان متفقة فى امر باسم كالرزاق والمصور وان يسلب عنه كل ما لا يليق به لاسيما ما لهج به الظالمون فى حقه مثل لم يلد ولم يولد وقد اجمعت الملل السماوية قاطبتها على بيان الصفات على هذا الوجه وعلى ان تستعمل تلك العبارات على وجهها ولا يبحث عنها اكثر من استعمالها وعلى هذا مضت القرون المشهود لها بالخير ثم خاض طائفة من المسلمين فى البحث عنها وتحقيق معانيها من غير نص ولا برهان قاطع، قال النبى صلى الله عليه وسلم تفكروا فى الخلق ولا تفكروا فى الخالق وقال فى قوله تعالى وان الى ربك المنتهى لا فكرة فى الرب والصفات ليست بمخلوقات ولا محدثات والتفكر فيها انما هو ان الحق كيف اتصف

پس ان میں غور کرنا خالق میں غور کرنا ہے ۔ امام ترمذی نے حدیث "ید اللہ ملائی" (خدا کا ہاتھ بھرا ہوا ہے) کے متعلق بیان کیا ہے کہ ائمہ حدیث فرماتے ہیں کہ ہم اسپر اسی طرح سے ایمان رکھتے ہیں جس طرح یہ حدیث وارد ہے بغیر اس بات کے کہ کچھ اس کی تفسیر کریں یا اس میں وہم پیدا کریں، اکثر ائمہ کا یہی قول ہے، ان میں حضرت سفیان ثوری، مالک ابن انس، ابن عیینہ اور عبد اللہ ابن مبارک ہیں، یہ سب کہتے ہیں کہ یہ امور روایت سے ثابت ہیں، ہمارا ان پر ایمان ہے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایسا کیونکر ہے اور دوسرے موقع پر ترمذی ہی نے کہا ہے کہ ان صفات کو جیسا کا تیسا رکھنا تشبیہ نہیں ہے البتہ تشبیہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اسکی سماعت ہماری سماعت کے مانند ہو اور اسکی بینائی ہماری بینائی کے مانند ہے ۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کسی صحابی سے بسند صحیح اس بات کی تصریح منقول نہیں ہے کہ متشابہات میں تاویل کرنا ضروری ہے یا تاویل کرنا بالکل منع ہے ۔ اور یہ امر محال ہے کہ خدا تعالے اپنے نبی کو مَا اُنْزِلَ اِلَیْہِ کی تبلیغ کا حکم دے اور یہ آیت "الیوم اکملت لکم دینکم" نازل فرمائے پھر متشابہات کے باب میں کچھ نہ فرمائے اور اسکی کچھ تمیز نہ ہو کہ خدا تعالیٰ کیجانب کس امر کو منسوب کر سکتے ہیں اور کس کو منسوب نہیں کر سکتے حالانکہ آنحضرت نے تبلیغ بارہا بڑی تاکید فرمائی ہے اور حکم دیا ہے کہ حاضر شخص غائب کو سب خبر دیدے حتیٰ کہ لوگوں نے آپکے اقوال، افعال اور حالات کو اور ان امور کو جو آپ کے سامنے پیش آئے بخوبی نقل کر دیا ۔ پس معلوم ہوا کہ سب مسلمانوں کا اتفاق رہا کہ جو خدا کی ان متشابہات سے مراد ہے اسی پر ایمان رکھنا چاہیئے ۔ مخلوقات کی مشابہات سے خدا تعالیٰ ذاسطرح تنزیہ ذکر کردی ہے کہ "اسکی مثل کوئی نہیں ہے" جس شخص نے ان کے بعد اس قول کی مخالفت کی تو اس نے ان کے طریقہ کی مخالفت کی ۔ انتہی ۔ میں کہتا ہوں کہ سمع اور بصر، قدرت اور ضحک، کلام اور استواء میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اہل زبان کی نظر میں ان تمام اوصاف سے وہی معنی مفہوم ہوتے ہیں جو خدا کی بارگاہ قدس کے لائق نہیں ہیں، ضحک کو اسی لئے تو محال کہتے ہیں کہ اسکے لئے منہہ چاہیئے ۔ اور اسیطرح سے صفت کلام ہے ۔ اور بطش اور نزول میں بھی یہی استحالہ ہے کہ وہ ہاتھ اور پاؤں چاہتے ہیں اور اسیطرح سمع اور بصر، کان اور آنکھ چاہتے ہیں واللہ اعلم ۔

ان خوض کرنے والوں نے اہل حدیث پر بڑی زبان درازی کی ہے

بها فكان تفكرا فى الخالق قال الترمذى فى حديث يد الله ملائى وهذا الحديث قال الائمة نؤمن كما جاء من غير ان يفسر او يتوهم هكذا قال غير واحد من الائمة منهم سفيان الثورى ومالك بن انس وابن عيينة وابن المبارك انه تروى هذه الاشياء ويؤمن بها ولا يقال كيف، وقال فى موضع اخر ان اجراء هذه الصفات كما هى ليس بتشبيه انما التشبيه ان يقال سمع كسمع وبصر كبصر وقال الحافظ ابن حجر لم ينقل عن النبى صلى الله عليه وسلم ولا عن احد من الصحابة من طريق صحيح التصريح بوجوب تاويل شئ من ذلك يعنى المتشابهات ولا المنع من ذكره ومن المحال ان يأمر الله نبيه بتبليغ ما انزل اليه من ربه وينزل عليه اليوم اكملت لكم دينكم ثم يترك هذا الباب فلا يميز ما يجوز نسبته اليه تعالى مما لا يجوز مع حثه على التبليغ عنه بقوله ليبلغ الشاهد الغائب حتى نقلوا اقواله وافعاله واحواله وما فعل بحضرته فدل على انهم اتفقوا على الايمان به على الوجه الذى اراد الله تعالى منها واوجب تنزيهه عن مشابهات المخلوقات بقوله ليس كمثله شئ فمن اوجب خلاف ذلك بعدهم فقد خالف سبيلهم اه اقول ولا فرق بين السمع والبصر والقدرة والضحك والكلام والاستواء فان المفهوم عند اهل اللسان من كل ذلك غير ما يليق بجناب القدس وهل فى الضحك استحالة الا من جهة انه يستدعى الفم وكذلك الكلام وهل فى البطش والنزول استحالة الا من جهة انهما يستدعيان اليد والرجل وكذلك السمع والبصر يستدعيان الاذن والعين والله اعلم

واستطال هؤلاء الخائضون على معشر اهل

کہ ان کا نام مشبہہ اور مجسمہ رکھا ہے۔ مجھ کو خوب ظاہر ہو گیا ہے کہ ان کی زبان درازی محض بے معنی ہے عقلاً اور نقلاً یہی لوگ غلطی پر ہیں اور ائمۂ ہدایت کی نسبت ان کا طعن بیجا ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ متشابہات میں دو مقام ہیں ایک یہ کہ خدا تعالٰے ان صفات کے ساتھ کس طرح متصف ہے کیا یہ صفات ذات خداوندی پر زاید ہیں یا اسکی عین ذات ہیں۔ اور سمع بصر کلام وغیرہ کی حقیقت کیا ہے بادی الرائے میں جو معنی ان الفاظ سے سمجھے جاتے ہیں وہ خدا کی شان کے مناسب نہیں ہیں اس مقام کے متعلق حق بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں کچھ نہیں فرمایا بلکہ اس میں بحث و گفتگو کرنے سے اپنی امت کو روک دیا ہے اس لئے کسی کی تاب نہیں ہے کہ جس چیز کو آپ نے منع فرما دیا ہے اس کا اقدام کرے۔ اور دوسرا مقام یہ ہے کہ ایسی صفات کونسی ہیں جن سے خدا تعالٰے کو متصف ماننا شرعاً جائز ہے اور کن صفات کا اطلاق خدا کے لئے ناجائز ہے اسکے متعلق حق یہ ہے کہ خدا تعالٰے کی صفات اور اسماء توقیفی ہیں بایں معنی کہ ہم اگرچہ ان قواعد کو جانتے ہیں جنکو شرع نے صفات الٰہی کے بیان کرنے کیلئے معیار قرار دیا ہے جیسا کہ ہم شروع باب میں لکھ چکے ہیں۔ لیکن بہت سے لوگ ایسے ہیں جنکو اگر صفات میں خوض کرنے کی اجازت دیدیجائے تو خود بھی گمراہ ہو جائیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کردیں۔ اور بہت سی ایسی صفات ہیں جن کے ساتھ خدا کو موصوف کرنا اصل میں جائز ہے لیکن کفار کے بعض فرقوں نے ان کا بیجا استعمال کیا ہے اور یہ استعمال ان میں شائع ہو گیا اس لئے اس فساد کے دور کرنے کو شرع نے ان صفات کے استعمال سے منع کر دیا ہے۔ اور بہت سی صفات ایسی ہیں جنکو ظاہری معنی میں استعمال کرنے سے خلاف مقصود کا وہم ہوتا ہے اس واسطے ان صفات کا استعمال کرنے سے بھی احتراز ضروری ہوا پس ان مصلحتوں سے شرع نے اسماء و صفات کو توقیفی قرار دیا اور کسی کیلئے اپنی رائے سے ان میں خوض کرنیکو مباح نہ رکھا ✦

اور حاصل کلام یہ ہے کہ ضحک، فرحت، شادمانی، غضب اور رضا کا استعمال کرنا خدا کی شان میں جائز ہے اور گریہ، خوف وغیرہ کا استعمال درست نہیں ہے اگرچہ ان دونوں قسموں کا ماخذ قریب قریب ہے۔ اور یہ مسئلہ جس کی ہم نے تحقیق کی عقل اور نقل سے ثابت ہے۔ اس کے آگے اور پیچھے سے باطل کا گذر نہیں ہے ✦ ✦

الحديث وسموهم مجسمة ومشبهة وقالوا هم المتسترون بالبلكفة وقد وضح على وضوحا بينا ان استطالتهم هذه ليست بشئ وانهم مخطئون فى مقالتهم رواية ودراية وخاطئون فى طعنهم ائمة الهدى، تفصيل ذلك ان ههنا مقامين احدهما ان الله تبارك وتعالى كيف اتصف بهذه الصفات هل هى زائدة على ذاته او عين ذاته؟ وما حقيقة السمع والبصر والكلام وغيرها؟ فان المفهوم من هذه الالفاظ بادى الراى غير لائق بجناب القدس، والحق فى هذا المقام ان النبى صلى الله عليه وسلم لم يتكلم فيه بشئ بل حجر امته عن التكلم فيه والبحث عنه فليس لاحد ان يقدم على ما حجره، والثانى انه اى شئ يجوز فى الشرع ان نصفه تعالى به واى شئ لا يجوز ان نصفه به والحق انه صفاته واسمائه توقيفية بمعنى انا وان عرفنا القواعد التى بنى الشرع بيان صفاته تعالى عليها كما حررنا فى صدر الباب لكن كثيرا من الناس لو ابيح لهم الخوض فى الصفات لضلوا واضلوا وكثيرا من الصفات وان كان الوصف بها جائزا فى الاصل لكن قوما من الكفار حملوا تلك الالفاظ على غير محملها و شاع ذلك فيما بينهم فكان حكم الشرع النهى عن استعمالها دفعا لتلك المفسدة وكثير من الصفات يوهم استعمالها على ظواهرها خلاف المراد فوجب الاحتراز عنها فلهذه الحكم جعلها الشرع توقيفية ولم يبح الخوض فيها بالرأى.

وبالجملة فالضحك والفرح والتبشبش والغضب والرضا يجوز لنا استعمالها والبكاء والخوف ونحو ذلك لا يجوز لنا استعمالها وان كان المأخذان متقاربين والمسألة على ما حققناه معتضدة بالعقل والنقل لا يحوم الباطل من بين يديها ولا من خلفها الا الظالم

لوگوں کے اقوال اور مذاہب کے زیادہ ابطال کا موقع اور ہے۔ اب ہم ان الفاظ متشابہ کی تفسیر اور دوسرے معانی سے کرتے ہیں جو بہ نسبت ان علماء کے معنی کے زیادہ قریب الفہم اور مناسب ہیں، تاکہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ جو معنی انہوں نے ذکر کئے ہیں ابھی تک بالکل متعین نہیں ہوئے ہیں اور دلیل عقلی میں نظر کرنیوالا انہی معنی کیطرف مجبور نہیں ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے پھر ان کو ترجیح اور فضیلت بھی نہیں ہے، نہ انکے لئے یہ حکم ہے کہ یہی اقوال مراد الٰہی کے موافق ہیں نہ ان کے اعتقاد پر اجماع و اتفاق ہو گیا ہے، یہ بات ابھی بہت دور ہے اسلئے ہم کہتے ہیں، مثلاً تمہارے سامنے تین قسم کی چیزیں ہیں، زندہ، مردہ اور پتھر، زندہ کو خدا کے ساتھ عالم اور موثر ہونے میں بہت مشابہت ہے اسلئے ضروری ہے کہ ہم خدا کا نام حی رکھیں۔ اور جبکہ علم ہمارے نزدیک انکشاف کا نام ہے اور خدا تعالیٰ پر تمام اشیاء منکشف ہیں پہلے وہ سب اس کی ذات میں مندرج تھیں اسکے بعد ان کا وجود تفصیلی ہوا تو ضرور ہم اسکو علیم کہہ سکتے ہیں۔ اور جبکہ بینائی اور شنوائی سے نظر آنیوالی اور سنی گئی چیزوں کا پورا انکشاف ہوتا ہے اور خدا کو یہ انکشاف نہایت کامل درجہ کا ہے تو ضرور ہم اسکو سمیع اور علیم کہیں گے اور جبکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے ارادہ کیا تو جملے کے یہی معنی مراد لیتے ہیں کہ وہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنیکا قصد کرنیوالا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے افعال کسی شرط کے پیدا ہونے سے یا عالم میں استعداد کی وجہ سے کرتا ہے پس جو چیزیں پہلے ضروری نہ تھیں، شرط اور استعداد ان کو ضروری کر دیتی ہے۔ اور بعض جگہ میں اسکے اذن اور حکم سے اجماع پایا جاتا ہے حالانکہ پہلے سے وہ اتفاق نہیں ہوا کرتا اسوجہ سے خدا تعالیٰ کو مرید کہا جاتا ہے اور نیز جب اسکا ایک ارادہ ازلیہ جس کی تفسیر اقتضاء ذات کے ساتھ کرتے ہیں ایک مرتبہ تمام عالم کے ساتھ متعلق ہو چکا اور پھر یوماً بعد یوم نئی نئی چیزیں پیدا ہوتی رہیں تو ہر حادث کیطرف یہ نسبت کرنا صحیح ہو گیا کہ ہر حادث علیحدہ پیدا ہوا ہے اور کہا گیا کہ خدا نے ایسا ارادہ کیا اور ایسا ارادہ کیا۔ اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص قادر ہے تو ہم اسکے یہی معنی مراد لیتے ہیں کہ اسکے لئے وہ فعل ممکن ہو گیا ہے اور کوئی خارجی سبب اسکو نہیں روک سکتا اور دو مقدور چیزوں میں سے اگر قادر ایک ہی کو اختیار کرلے تو اس سے نفی قدرت نہیں ہو سکتی۔ اور رحمن ہر چیز پر قادر ہے وہ محض اپنی عنایت اور اقتضاء ذاتی سے بعض افعال کو اختیار کرتا ہے اور ان کے مخالف امروں کو

[illegible]

فی ابطال اقوالهم ومذاهبهم لها موضع اخر غير هذا الموضع ولنا ان نفسرها بمعان هی اقرب واوفق مما قالوا ابانة لان تلك المعانی لا يتعين القول بها ولا يضطر الناظر فی الدليل العقلی اليها وانها ليست راجحة علی غيرها ولا فيها مزية بالنسبة الی ما عداها ولا حكما بان مراد الله منقول ولا اجماعا علی الاعتقاد بها والاذعان بها هيهات ذلك فنقول مثلا لما كان بين يديك ثلاثة انواع حی وميت وجماد كان الحی اقرب شبها بما هناك لكونه عالما مؤثرا فی الخلق وجب ان يسمی حيا ولما كان العلم عندنا هو الانكشاف وقد انكشفت عليه الاشياء كلها بما هی مندمجة فی ذاته ثم بما هی موجودة تفصيلا وجب ان يسمی عليما ولما كانت الرؤية والسمع انكشافا تاما للمبصرات والمسموعات وذلك هناك بوجه اتم وجب ان يسمی بصيرا سميعا ولما كان قولنا اراد فلان انما نعنی به هاجس عزم علی فعل او ترك وكان الرحمن يفعل كثيرا من افعاله عند حدوث شرط او استعداد فی العالم فيوجب عند ذلك ما لم يكن واجبا ويحصل فی بعض الاحيان الشاهقة اجماع بعد ما لم يكن باذنه وحكمه وجب ان يسمی مريدا وايضا فالارادة الواحدة الازلية الذاتية المفسرة باقتضاء الذات لما تعلقت بالعالم باسره مرة واحدة ثم جاءت الحوادث يوما بعد يوم صح ان ينسب الی كل حادث علی حدته ويقال اراد كذا وكذا، ولما كان قولنا قدر فلان انما نعنی به انه يمكن له ان يفعل ولا يصده من ذلك سبب خارج اما ايثار احد المقدورين من القادر فانه لا ينفی اسم القدرة وكان الرحمن قادرا علی كل شیء وانما يؤثر بعض الافعال دون اضداده لعنايته واقتضائه الذاتی وجب ان يسمی قادرا، ولما كان قولنا كلم فلان

توہم اسکے یہی معنی مراد لیتے ہیں کہ اس نے اپنے معانی مقصود ان الفاظ سے ادا کردیئے جن سے وہ معانی معلوم ہوتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ اپنے بندے کو علمی فیض پہنچاتا ہے اور ان کے ساتھ ہی الفاظ کا بھی افاضہ کرتا ہے جن کی صورت اس بندہ کے خیال میں منعقد ہوجاتی ہے وہی الفاظ ان معانی پر دلالت کرتے ہیں اسکی وجہ سے تعلیم خوب صاف اور صریح ہوتی ہے اسوجہ سے خدا کو متکلم کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے "آدمی کا مرتبہ نہیں ہے کہ خدا اس سے ہمکلام ہو یاں وحی سے یا پردہ کی آڑ میں وہ کلام کرتا ہے یا کسی پیغمبر کو بھیجدیتا ہے وہ خدا کی اجازت سے جو چاہتا ہے وحی کرتا ہے بے شک خدا بڑا اور حکمت والا ہے" پس وحی دل میں القا ہونیکا نام ہے خواہ خواب میں خواہ اسطرح سے کہ غیب کیطرف توجہ کرنیکے بعد خدا علم بدیہی پیدا کردے۔ اور پردہ کی آڑ کے معنی یہ ہیں کہ خارج سے کلام منظوم سنائی دے اور اسکا قائل نظر نہ آئے' یا رسول کو بھیجے اور اسکے سامنے فرشتہ متشکل ہوکر نظر آئے۔ اور کبھی توجہ غیب اور ضعفِ حواس کے وقت ایک آواز جرس کی سی سنائی دیا کرتی ہے جیسا کہ غشی عارض ہوتے وقت سرخ و سیاہ رنگ دکھائی دیا کرتے ہیں ۞

اور جبکہ حظیرہ قدس میں یہ مطلوب ہے کہ لوگوں میں نظام قائم کیا جائے اگر انکی طبائع اس نظام کے موافق ہوتی ہیں تو وہ ملاء اعلےٰ میں شامل ہوکر تاریکیوں کو نور الٰہی میں آجاتے ہیں ان کو نفسانی بشاشت حاصل ہوتی ہے۔ فرشتوں اور لوگوں پر الہام ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ نیکی سے پیش آئیں اور اگر ان کی طبائع اس نظام کے مخالف ہوتی ہیں تو ملاء اعلیٰ سے ان کی علیحدگی ہوجاتی ہے اور ملاء اعلےٰ کی بیزاری سے ان پر مصیبت ہوتی ہے۔ اور جیسا پہلے ذکر ہوا ہے انکو تکلیف و عذاب ہوتا ہے اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ خدا خوشنود ہے شکر کی جزا دیتا ہے یا خدا ناخوش ہوا اسکی لعنت ہوئی۔ اور ان سب کا مرجع مقتضی مصلحت کے موافق عالم کا چلنا ہے۔ اور جبکہ منجملہ نظام عالم کے اس امر کا پیدا کرنا بھی ہے جس کی بندہ دعا کرتا ہے تو اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ خدا نے دعا قبول کرلی' اور جبکہ ہمارے استعمال میں رویت نظر آنیوالی چیز کے پورے طور پر منکشف ہونیکا نام ہے اور لوگ جب آخرت میں ان چیزوں کے پاس پہنچیں گے جنکا وعدہ کیا گیا ہے

ان کو تجلی حاصل ہوگی جو عالم مثال کے وسط میں قائم ہے تمام لوگ

اسوقت خدا کو آنکھ سے دیکھیں گے پس کہہ سکتے ہیں کہ

مؤمن اسکو اسطرح دیکھینگے جسطرح چودھویں رات کو

چاند کو دیکھتے ہیں۔ واللہ اعلم ۞

فلانا انما نعنى به اضافة المعانى المرادة مقرونة بالفاظ دالة عليها وكان الرحمٰن ربما يفيض على عبده علوما ويفيض معها الفاظا منعقدة فى خياله دالة عليها ليكون التعليم اصرح ما يكون وجب ان يسمى متكلما قال الله تعالىٰ وما كان لبشر ان يكلمه الله الا وحيا او من وراء حجاب او يرسل رسولا فيوحى باذنه ما يشاء انه على حكيم فالوحى هو النفث فى الروع برؤيا او خلق علم ضرورى عند توجهه الى الغيب ومن وراء حجاب ان يسمع كلاما منظوما كانه سمعه من خارج ولم ير قائله او يرسل رسولا فيتمثل الملك له وربما يحصل عند توجهه الى الغيب انقهار الحواس صوت صلصلة الجرس كما قد يكون عند عروض الغشى من رؤية الوان حمر وسود ۞

ولما كان فى حظيرة القدس نظام مطلوبة اقامته فى البشر فان وافقوه لحقوا بالملا الاعلى و اخرجوا من الظلمات الى نور الله وبسطته ونعموا فى انفسهم والهمت الملائكة وبنو آدم ان يحسنوا اليهم وان خالفوا باينوا من الملا الاعلى واصيبوا ببغضه منهم وعذبوا بنحو ما ذكر وجب ان يقال رضى وشكر او سخط ولعن والكل يرجع الى جريان العالم حسب مقتضى المصلحة وربما كان من نظام العالم خلق المدعو اليه فيقال استجاب الدعاء ولما كانت الرؤية فى استعمالنا انكشاف المرئى اتم ما يكون و كان الناس اذا انتقلوا الى بعض ما وعدوا من المعاد اتصلوا بالتجلى القائم وسط عالم المثال ورأوه رأى

عين باجمعهم وجب ان يقال انكم

سترونه كما ترون القمر

ليلة البدر

الله اعلم

پانچواں باب (۵) :- تقدیر پر ایمان لانیکا بیان ؟

تقدیر پر ایمان لانا بڑی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہے اور وہ اسطرح ہے کہ مسلمان اسپر ایمان لانیکی وجہ سے اس تدبیر کو نظر میں رکھتا ہے جو تمام عالم کو گھیرے ہوئے ہے جو شخص اسپر ٹھیک ٹھیک اعتقاد رکھتا ہے تو وہ ان چیزوں پر نظر رکھتا ہے جو خدا کے قبضے میں ہیں اور دنیا و مافیہا کو اسکے عکس کیطرح سمجھتا ہے اور قضاء الٰہی کیوجہ سے بندوں کے اختیارات کو ایسا سمجھتا ہے جیسے آئینہ میں صورت کا عکس ہوتا ہے اور اسکے یہاں کی تدبیر وحدانی کے انکشاف میں بڑی مدد پہنچتی ہے اگرچہ کامل انکشاف عالم معاد ہی میں ہوگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی عظمت پر لوگوں کو تنبیہ فرمائی جبکہ یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص نیکی و بدی کی تقدیر پر ایمان نہ لائے تو میں اس سے جدا ہوں اور نیز آپ نے فرمایا کہ آدمی مومن نہیں ہوتا جبتک کہ نیکی اور برائی کی تقدیر پر ایمان نہیں لاتا اور جبتک کہ اسکا یقین نہیں کرتا کہ جو اسکو پیش آتا ہے وہ ٹلنے والا نہیں اور جو نہیں پیش آتا ہے وہ ہرگز پیش نہیں آئیگا - واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ذاتی ہر اس چیز کو محیط ہے جو پیدا ہو چکی یا جو پیدا ہوگی - اور یہ محال ہے کہ کسی چیز کی اسکو خبر نہ ہو یا کوئی ایسی چیز پیدا ہو جائے جسکو وہ نہ جانتا ہو - اگر ایسا ہو تو وہ جہل ہوگا علم نہ ہوگا یہ مسئلہ شمول علم کا ہے قدر کا مسئلہ نہیں ہے اسمیں کسی اسلامی فرقہ نے مخالفت نہیں کی ہے اور یہ تقدیر جسکا حال احادیث مذکورہ سے معلوم ہوا ہے جسپر سلف صالحین کا اعتقاد رہا اور جسکے سمجھنے کی محققین ہی کو توفیق عطا ہوئی جسپر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ وہ مکلف کرنیکے مخالف ہے اور جب یہ حالت ہے تو عمل کی کیا ضرورت ہے' تقدیر ملزم کہلاتی ہے جو حوادثات کے وجود کو انکے موجود ہونے سے پہلے ضروری قرار دیتی ہے پس اسکے لازم کرنیکی وجہ سے وہ شئی موجود ہوتی ہے جس سے نہ انسان بھاگ سکتا ہے اور نہ کوئی تدبیر اسکو روک سکتی ہے اور یہ تقدیر پانچ مرتبہ واقع ہوئی ہے اول یہ کہ خدا تعالیٰ نے ازل میں ارادہ کر لیا تھا کہ عالم کو اس عمدہ طور سے پیدا کریگا جسمیں سب مصلحتوں کی رعایت ہوگی اور موجود ہونے کے وقت اضافی خوبیوں میں وہ موثر ہوگا - اور خدا تعالیٰ نے جملہ صورتوں میں سے ہر ایک صورت کو اپنے علم میں اسطرح سے متعین کر لیا تھا کہ کوئی دوسری صورت اسمیں شریک نہ ہو سکے پس حوادثات کا سلسلہ اسطرح سے مرتب تھا اور انکا وجود اسطرح سے یک جا تھا کہ انکے مصداق میں کثرت نہ تھی - پس خدا تعالیٰ کا جسپر کوئی امر...

باب الایمان بالقدر

من اعظم انواع البر الایمان بالقدر وذلك انه به یلاحظ الانسان التدبیر الواحد الذی یجمع العالم ثم من اعتقده علی وجهه یصیر طامح البصر الی ما عند الله یری الدنیا وما فیها کالظل ویری اختیار العباد من قضاء الله کالصورة المنطبعة فی المرآة وذلك عده لانکشاف غطاء ذلك من التدبیر الوحدانی ولو فی المعاد - ثم اعلم ان النبی صلی الله علیه وسلم نبه علی عظم أمره من بین انواع البر حیث قال: «من لم یؤمن بالقدر خیره وشره فأنا بریء منه» وقال صلی الله علیه وسلم: «لا یؤمن عبد حتی یؤمن بالقدر خیره وشره وحتی یعلم ان ما اصابه لم یکن لیخطئه وان ما اخطأه لم یکن لیصیبه». واعلم ان الله تعالی شمل علمه الازلی الذاتی کل ما وجد او سیوجد من الحوادث محال ان یتخلف علمه عن شئ او یتحقق غیر ما علم فیکون جهلا لا علما، وهذه مسألة شمول العلم ولیست بمسألة القدر ولا یخالف فیها فرقة من الفرق الاسلامیة انما القدر الذی دلت علیه الاحادیث المستفیضة ومضی علیه السلف الصالح ولم یوفق له الا المحققون ویتجه علیه السؤال بانه متدافع مع التکلیف وانه فیم العمل هو القدر الملزم الذی یوجب الحوادث قبل وجودها فیوجد بذلك الایجاب لا یدفعه هرب ولا تنفع منه حیلة وقد وقع ذلك خمس مرات فاولها انه اجمع فی الازل ان یوجد العالم علی احسن وجه ممکن مراعیا للمصالح مؤثرا لما هو الخیر النسبی حین وجوده وکان علم الله یتأتی الی تعیین صورة واحدة من الصور لا یشارکها غیرها فکانت الحوادث سلسلة مترتبة مجتمعا وجودها لا تصدق علی کثیرین فارادة ایجاد العالم ممن لا تخفی علیه خافیة هو بعینه تخصیص صورة وجوده الی آخر ما ینجر الیه الامر، وثانیها انه قدر المقادیر و

اور یہ بھی روایت کیجاتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے مقداروں کو آسمان وزمین کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار برس پیشتر لکھ لیا تھا یہ اسطرح ہوا کہ اس نے عرش کے وجود میں عنایت ازلیہ کے موافق تمام مخلوقات کو پیدا کیا پس اسجگہ تمام صورتیں بنائیں جسکو شریعت میں ذکر کہتے ہیں۔ مثلاً اس نے وہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت موجود کی وہ مقرر کر دیا گیا کہ وہ فلاں وقت میں لوگوں کیطرف مبعوث ہوں گے، لوگوں کو احکام الٰہیہ پر مطلع کریں گے۔ ابولہب ان کا انکار کرے گا تو دنیا میں خطا اور گناہ اسکے دل کو احاطہ کریگا اور آخرت میں آتش دوزخ سے اسپر عذاب ہوگا۔ پس یہ صورت ازلیہ یہاں اس کے موافق حوادث پیدا ہونیکا سبب ہے جسطرح ہمارے خیال میں دیواروں پر رکھی ہوئی لکڑی پر سے گرنے کی صورت پاؤں پھسلنے کا سبب ہے اور اگر وہ لکڑی زمین پر ہوتی تو کبھی پاؤں نہ پھسلتا۔ سوم یہ کہ اس نے جب آدم کو اسلئے پیدا کیا کہ ابوالبشر بنائے اور نوع انسانی کو اس سے ظاہر فرمائے تو اس نے ان کی اولاد کی صورتیں عالم مثال میں پیدا کردیں اور ان کی سعادت اور شقاوت کو نور یا تاریکی کی شکل میں ظاہر کیا اور ان کو مکلف ہونے کے قابل بنایا۔ ان میں اپنی عبادت اور معرفت کا مادہ پیدا کیا اور اس عہد کی اصل جو بنی آدم کی فطرت میں مخفی رکھا گیا ہے یہی ہے اسی کیوجہ سے مواخذہ ہے اگرچہ وہ واقعہ ان کو یاد نہ رہا ہو اس لیے جو نفوس اب زمین پر مخلوق ہیں یہ اس دن کی صور موجودہ کا عکس ہیں۔ پس ان میں وہ چیزیں مخفی ہیں جو اس روز ان میں مخفی رکھی جا چکی ہیں۔ چہارم یہ کہ جب جنین میں روح ڈالی جاتی ہے اور جس طرح سے تخم کو وقت مخصوص پر زمین میں ڈالتے ہیں اور اس کے ساتھ تدابیر مخصوصہ عمل میں لائی جاتی ہیں تو جو شخص درخت کے نوع کی خاصیت اور اس زمین پانی اور ہوا کی خاصیت پر مطلع ہے وہ جانتا ہے کہ یہ کیسا عمدہ درخت اُگے گا اور وہ اس کی بعض بعض حالات کا پتہ لگا لیتا ہے تو اسیطرح سے ملائکہ مدبرین کو اس روز اس کی عمر، رزق اور عمل کا حال معلوم ہو جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ایسے عمل کرے گا جن میں ملکیت کا غلبہ ہوگا یا ایسے عمل کرے گا جن میں بہیمیت کا غلبہ ہوگا۔ اور اس کی سعادت اور شقاوت کے سب ڈھنگ ان کو معلوم ہو جاتے ہیں۔ پنجم یہ کہ کسی حادثہ کے پیدا ہونے سے پہلے حکم حظیرہ قدس سے زمین کی طرف آکر شئی مثالی میں منتقل ہو جاتا ہے۔

یروی انه کتب مقادیر الخلائق کلها والمعنی واحد قبل ان یخلق السموات والارض بخمسین الف سنة وذلك انه خلق الخلائق حسب العنایة الازلیة فی خیال العرش فصور هنالك جمیع الصور وهو المعبر عنه بالذكر فی الشرائع فتحقق هنالك مثلاً صورة محمد صلی الله علیه وسلم وبعثه الی الخلق فی وقت كذا وانذاره لهم وانكار ابی لهب واحاطة الخطیئة بنفسه فی الدنیا ثم اشتعال النار علیه فی الآخرة و هذه الصورة سبب لحدوث الحوادث علی نحو ما كانت هنالك كتاثیر الصورة المتقشة فی انفسنا فی زلق الرجل علی الجذع الموضوع فوق الجدران ولم تكن لتزلق لو كانت علی الارض، وثالثها انه لما خلق آدم علیه السلام لیكون ابا للبشر ولیبدأ منه نوع الانسان احدث فی عالم المثال صور بنیه ومثل سعاداتهم وشقاوتهم بالنور والظلمة وجعلهم بحیث یكلفون وخلق فیهم معرفته والاخبات له وهو اصل المیثاق المدسوس فی فطرتهم فیؤاخذون به وان نسوا الواقعة اذ النفوس المخلوقة فی الارض انما هی ظل الصور الموجودة یومئذ فمدسوس فیها ما دس یومئذ، ورابعها حین نفخ الروح فی الجنین فكما ان النواة اذا القیت فی الارض فی وقت مخصوص واحاط بها تدبیر مخصوص علم المطلع علی خاصیة نوع النخل وخاصیة تلك الارض وذلك الماء و الهواء انه یحسن نباتها ویتحقق من شانه علی بعض الامر فكذلك تتطلع الملائكة المدبرة یومئذ و ینكشف علیهم الامر فی عمره ورزقه وهل یعمل عمل من غلبت ملكیته علی بهیمیته او بالعكس وای نحو تكون سعادته وشقاوته، وخامسها قبیل حدوث الحادثة فینزل الامر من حظیرة القدس

پس اسکے احکام زمین میں پھیل جاتے ہیں اور میں نے بارہا اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ اور ایک ان میں سے یہ ہے کہ ایک مرتبہ چند آدمی باہم جھگڑے اور ان میں رنجش پیدا ہو گئی پس میں نے خدا کی طرف رجوع کیا تو مجھ کو ایک نقطہ مثالیہ نورانیہ حظیرۃ القدس سے زمین پر اترتا دکھائی دیا پس وہ آہستہ آہستہ پھیلنے لگا اور جس قدر وہ پھیلتا جاتا تھا اسیقدر ان کا رنج و کینہ دور ہوتا جاتا تھا ابھی ہم مجلس ہی میں تھے کہ ہر شخص دوسرے پر مہربانی کرنے لگا اور الفت اور محبت کیطرف آگیا جیسا پہلے تھا یہ بات میرے نزدیک خدا کی عجیب نشانیوں میں سے تھی ۔

اور یہ بھی کہ میری بعض اولاد بیمار تھی اور میرا دل اسی کیطرف لگا ہوا تھا پس ایک بار میں ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ اسکی موت کو میں نے نازل ہوتے ہوئے دیکھا پس اس کا اسی رات میں انتقال ہو گیا۔ اور حدیث نے یہ بات خوب واضح کر دی ہے کہ خدا تعالے حوادث کو زمین پر پیدا ہونے سے پہلے پیدا کرتا ہے اسکے بعد اس عالم میں اسیطرح پیدا ہو کر ظاہر ہوتے ہیں جس طرح عالم مثال میں پیدا ہو چکے تھے، خدا کا قانون ایسا ہی ہے۔ پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خدا تعالے اس وجود کے اعتبار سے جو چیزیں وہاں موجود ہو چکی تھیں وہ مٹ جاتی ہیں۔ خدا تعالے فرماتا ہے "خدا جس چیز کو چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اسکے پاس ام الکتاب ہے" مثلاً خدا تعالے کسی بلا کو پیدا کرتا ہے، وہ مصیبت زدہ پر نازل ہونیکو ہوتی ہے کہ دعا اوپر کو چڑھتی ہے اور اسکو روک لیتی ہے۔ اور کبھی خدا تعالے موت کو پیدا کرتا ہے کہ کوئی نیکی اوپر کو چڑھتی ہے اور اسکو روک لیتی ہے اسکا راز یہ ہے کہ یہ نازل ہونیوالی شئی اسباب عادیہ میں سے ایک ایسا ہی سبب ہے جیسے بقائے زندگی کیلئے کھانا اور پینا اور موت کیلئے زہر کھا لینا یا تلوار مارنا۔ اکثر احادیث سے معلوم ہو گیا ہے کہ ایک عالم ایسا ہے جس میں تمام قائم بالغیر چیزیں مجسم ہوتی ہیں اور معانی اسمیں منتقل ہوتے ہیں اور زمین پر پیدا ہونے سے پہلے یہاں ہر شئی پیدا ہوتی ہے جیسے رحم کا عرش سے معلق ہونا اور بارش کے قطروں کیطرح فتنے نازل ہونا نیل اور فرات کا سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکلنا پھر ان کا زمین پر اتارنا، لوہے اور انعام کا نازل کرنا، مجموعہ قرآن کا آسمان دنیا کی طرف نازل کرنا، آنحضرت اور دیوار مسجد کے بیچ میں جنت اور دوزخ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح ہو جانا کہ خوشۂ انگور کو توڑ سکیں ۔

الى الارض وينتقل شئ مثالى فتنبسط احكامه فى الارض وقد شاهدت ذالك مرارا، منها ان ناسا تشاجروا فيما بينهم وتعاقدوا فالتجئت الى الله فرايت نقطة مثالية نورانية نزلت من حظيرة القدس الى الارض فجعلت تنبسط شيئا فشيئا وكلما انبسطت زال الحقد عنهم فما برحنا المجلس حتى تلاطفوا ورجع كل واحد منهم الى ما كان من الالفة وكان ذلك من عجيب آيات الله عندى ۔

ومنها ان بعض اولادى كان مريضا وكان خاطرى مشغولا به فبينما انا اصلى الظهر شاهدت موته نزل فمات فى ليلته، وقد بينت السنة بيانا واضحا ان الحوادث يخلقها الله تعالى قبل ان تحدث فى الارض خلقا ما ثم ينزل فى هذا العالم فيظهر فيه كما خلق اول مرة سنة من الله تعالى ثم قد يمحى الثابت ويثبت المعدوم بحسب هذا الوجود قال الله تعالى يمحو الله ما يشاء ويثبت وعنده ام الكتاب مثل ان يخلق الله تعالى البلاء خلقا ما فيتركه على المبتلى ويصعد الدعاء فيرده، وقد يخلق الموت فيصعد البر ويرده والفقه فيه ان المخلوق النازل سبب من الاسباب العادية كالطعام والشراب بالنسبة الى بقاء الحياة وتناول السم والضرب بالسيف بالنسبة الى الموت وقد دل احاديث كثيرة على ثبوت عالم تتجسم فيه الاعراض وتنتقل المعانى ويخلق الشئ قبل ظهوره فى الارض مثل كون الرحم معلقا بالعرش ونزول الفتن كمواقع القطر وخلق النيل والفرات فى اصل السدرة ثم انزالهما الى الارض وانزال الحديد والانعام وانزال القرآن الى السماء الدنيا مجموعا وحضور الجنة والنار بين يدى النبى صلى الله عليه وسلم وبين جدار المسجد بحيث يمكن تناول العنقود

اور دوزخ کی حرارت کو محسوس کر سکیں۔ بلا اور دعا کا باہم لڑنا' ذریتِ آدم اور عقل کا پیدا کرنا' پھر عقل کا آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹنا' سورہ بقرہ اور آلِ عمران کا پرندوں کی دو صفوں کی صورت میں ظاہر ہونا' اعمال کا وزن ہونا جنت کا ناگوار چیزوں سے اور دوزخ کا خواہشات سے بھرا ہوا ہونا اور ان کے مثل بہت سی چیزیں ہیں جو ادنیٰ ماہر حدیث پر مخفی نہیں۔

واضح ہو کہ تقدیر عالمِ اسباب کو مزاحم نہیں (یعنی سبب کی سببیت میں کچھ خلل انداز نہیں) کیونکہ اس کا تعلق اس سلسلہ سے ہے جو مجموعی طور پر ایک ہی مرتبہ مرتب ہو گیا ہے اور آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول کے یہی معنی ہیں جبکہ کسی شخص نے پوچھا تھا کہ منتر' دوا اور پرہیز کیا قضاء الٰہی سے بچا سکتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا یہ چیزیں بھی تقدیرِ الٰہی سے ہیں اور حضرت عمرؓ کے اس قول کے بھی یہی معنی ہیں جو انہوں نے سرغ (ایک گاؤں کا نام ہے) کے قصہ میں فرمایا تھا" کیا یہ بات نہیں ہے کہ اگر تم ناقہ کو شاداب جگہ میں چراتے تو تقدیرِ الٰہی سے ہی چراتے" بندوں کو اپنے افعال کا اختیار ہے لیکن اس اختیار میں ان کا کچھ اختیار نہیں ہے کیونکہ مطلوب کی صورت اور اسکا نفع دل میں آنے اور اسکی طرف عزم کرنے سے یہ اختیار پیدا ہوتا ہے جن کی بندہ کو کچھ خبر بھی نہیں ہوتی چہ جائیکہ اختیار ہو۔ اور آنحضرت کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے کہ بنی آدم کے دل خدا کی دو انگلیوں میں ہیں جس طرح چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے۔ واللہ اعلم ؀

چھٹا باب(۶): اس بات پر ایمان لانا کہ خدا کی عبادت کرنا بندوں پر اللہ کا حق ہے کیونکہ وہ انکو نعمت اور جزا بالارادہ دیتا ہے ؏

واضح ہو کہ نیکیوں کے تمام اقسام میں بڑی نیکیوں میں سے یہ بات بھی ہے کہ انسان خالص دل سے اسطرح یقینی اعتقاد کرے کہ دوسرے کسی خلاف اعتقاد کا اسمیں احتمال بھی نہ ہو کہ عبادت کرنا بندوں پر خدا تعالے کا حق ہے اور خدا کیطرف سے ان سے عبادت کے بارہ میں اسطرح سے مطالبہ کیا جائیگا جسطرح اور اہلِ حق اپنے حقداروں سے مطالبہ کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذؓ سے فرمایا تھا اے معاذ تم جانتے ہو کہ اللہ کا بندوں پر اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ حضرت معاذؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے' آپ نے فرمایا

ویاتی حر النار وکتعالج البلاء والدعاء وخلق ذریة ادم وخلق العقل وانه اقبل وادبر واتیان الزهراوین کانهما فرقان ووزن الاعمال وحفوف الجنة بالمکاره والنار بالشهوات وامثال ذلك مما لا یخفی علی من له ادنی معرفة بالسنة واعلم ان القدر لایزاحم سببیة الاسباب لمسبباتها لانه انما تعلق بالسلسلة المترتبة جملة مرة واحدة وهو قوله صلی الله علیه وسلم فی الرقی والدواء والتقاة هل ترد شیئا من قدر الله؟ قال هی من قدر الله. وقول عمر رضی الله عنه فی قصة سرغ الیس ان رعیتها فی الخصب رعیتها بقدر الله؟ الخ وللعباد اختیار افعالهم نعم لا اختیار لهم فی ذلك الاختیار لکونه معلولا لحضور صورة المطلوب ونفعه ونهوض داعیة وعزم مما لیس له علم بها فکیف الاختیار فیها وهو قوله ان القلوب بین اصبعین من اصابع الله یقلبها کیف یشاء والله اعلم ؀

باب الایمان بان العبادة حق الله تعالی علی عبادة لانه منعم علیهم مجازلهم بالارادة

اعلم ان من اعظم انواع البران یعتقد الانسان بجامع قلبه بحیث لایحتمل نقیض هذا الاعتقاد عنده ان العبادة حق الله تعالی علی عبادة وانهم مطالبون بالعبادة من الله تعالی بمنزلة سائر ما یطالبه ذوو الحقوق من حقوقهم قال النبی صلی الله علیه وسلم لمعاذ یامعاذ هل تدری ما حق الله علی عباده وما حق العباد علی الله؟ قال معاذ الله ورسوله اعلم قال فان

اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ خالص اسی کی عبادت کریں اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا حق خدا پر یہ ہے کہ جو شرک نہ کرتا ہو اللہ تعالےٰ اسکو عذاب نہ دے اسلئے کہ جس شخص کا اس امر پر کہ عبادت خدا کا حق ہے یقینی اعتقاد نہ ہوگا اور یہ خیال کریگا کہ انسان بیکار اور مہمل ہے اس سے نہ عبادت مطلوب ہے نہ پروردگار مرید و مختار کی طرف سے عبادت کا اس سے کچھ مواخذہ ہے تو وہ شخص دہریہ ہوگا اس کی عبادت دل سے نہ ہوگی گو اعضاء ظاہری سے عبادت بھی کرے اور نہ اسکے لئے خدا تک رسائی کا دروازہ کھلے گا اور اس کی یہ عبادت بھی دیگر عادات کیطرح ہوگی اسمیں اصلی امر یہ ہے کہ انبیاء اور ان کے وارثین کے معارف میں (صلوات اللہ علیہم والتسلیمات) یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ عالم جبروت کے موقعوں میں ایک ایسا موقع ہے جہاں قصد و ارادہ قرار پاتا ہے یعنی کسی کام کے کرنے کا فیصلہ ہوجاتا ہے۔ اور اس موقع کے لحاظ سے اس کام کو کرنا یا اس کو ترک کردینا دونوں دونوں صحیح ہوتے ہیں اگرچہ مصلحت فوقانیہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے سوائے اسکے کہ یا اس کا کرنا ضروری ہوگا یا نہ کرنا ضروری ہوگا۔ اس اعتبار سے وہاں کوئی حالت منتظرہ نہیں ہوتی ان لوگوں کا کچھ اعتبار نہیں ہے جن کو حکماء کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ارادہ میں کسی شئی کے ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ ہوا کرتا ہے ایسے لوگوں نے بعض چیزیں محفوظ رکھیں اور بہت سی چیزیں انکی نظر سے غائب رہیں وہ جبروت کے اس موقع کے مشاہدہ کرنے سے محجوب ہیں اور آفاقی و انفسی دلائل ان پر قائم ہو سکتے ہیں ان کے محجوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اس مقام کی رہبری نہیں ہوئی جو تجلی اعظم اور ملاء اعلیٰ کے بین بین ہے اس مقام کی حالت ایسی ہے جیسے شعاع کی جو جوہر میں قائم ہوتی ہے وللہ المثل الاعلیٰ۔ اس مقام میں کسی امر کے ہونے کی صورت قرار پاجاتی ہے جس کے تقرر کے باعث ملاء اعلےٰ کے علوم اور ان کے حالات ہوتے ہیں۔ لیکن اس شئی کا کرنا یا نہ کرنا امر اختیاری ہوتا ہے۔ اور ان حکماء کے مقابلہ میں دلیل اس طرح پر قائم ہو سکتی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص بالبداہۃ یہ جانتا ہے کہ وہ مثلاً ہاتھ بڑھا کر قلم لیتا ہے اور وہ شخص ایک شئی کا قصد کرنے والا ہی ہوتا ہے اس قصد کے اعتبار سے اس شئی کا کرنا نہ کرنا یکساں ہوتا ہے اور اس قوت کے لحاظ سے جو اس شخص کے نفس میں ہے ؟

حق الله على عباده ان يعبدوه ولا يشركوا به شيئًا وحق العباد على الله تعالى ان لا يعذب من لا يشرك به شيئًا۔ وذلك لان من لم يعتقد ذلك اعتقادا جازما واحتمل عنده ان يكون سدى مهملا لا يطالب بالعبادة ولا يؤاخذ بها من جهة رب مريد مختار كان دهريا لا تقع عبادته وان باشرها بجوارحه بموقع من قلبه ولا تفتح بابا بينه وبين ربه وكانت عادة كسائر عاداته۔ والاصل فى ذلك انه قد ثبت فى معارف الانبياء وورثتهم عليهم الصلوات والتسليمات ان موطنا من مواطن الجبروت فيه ارادة وقصد بمعنى الاجماع على فعل مع صحة الفعل والترك بالنظر الى هذا الموطن وان كانت المصلحة الفوقانية لا تبقى ولا تذر شيئا الا اوجب وجوده او اوجب عدمه لا وجود للحالة المنتظرة بحسب ذلك و لا عبرة بقوم يسمون الحكماء يزعمون ان الارادة بهذا المعنى فقد حفظوا شيئا وغابت عنهم اشياء وهم محجوبون عن مشاهدة هذا الموطن محجوجون بادلة الآفاق والانفس، اما حجابهم فهو انهم لم يهتدوا الى موطن بين التجلي الاعظم وبين الملاء الاعلى شبيه بالشعاع القائم بالجوهرة ولله المثل الاعلى، ففي هذا الموطن يتمثل اجماع على شئ استوجبه علوم الملاء الاعلى وهياتهم بعد ما كان مستوى الفعل والترك فى هذا الموطن، واما الحجة عليهم فهي ان الواحد منا يعلم بداهة انه يمد يده ويتناول القلم مثلا وهو فى ذلك مريد قاصد يستوى بالنسبة اليه الفعل والترك بحسب هذا القصد وبحسب هذه القوى المنبثة في نفسه

فعل یا ترک فعل میں ترجیح نہیں ہوتی اگرچہ مصلحت بالا کے اعتبار سے ہر چیز یا واجب الفعل ہے یا واجب الترک ہے۔ یہی حالت ان سب امور کی سمجھ لینی چاہیے کہ خاص خاص استعدادیں انکی باعث ہوا کرتی ہیں پس خالق صور کیجانب سے مادوں پر ان صورتوں کا نزول ہوتا ہے جنکے لئے مادے قابل اور مستعد ہوتے ہیں جیسے دعا کے بعد قبولیت مرتب ہوتی ہے کہ اس جدید شئ کے پیدا ہونے میں دعا کو ایک قسم کا دخل ہے، شاید آپ یہ کہیں گے کہ یہ (یعنی ایک چیز کو مساوی الطرفین کہنا) بہ لحاظ مصلحتِ فوقانیہ کے وجوب شئ سے ناواقفیت ہے پس ایسا کہنا صحیح اور حق کیسے ہوسکتا ہے۔ میں کہتا ہوں حاشا للہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ عین علم اور اس مقام کا حق پورا کرنا ہے، جہل جب ہوتا کہ یوں کہا جاتا کہ یہ شئ واجب نہیں ہے تمام شرائع الٰہیہ نے اس جہل کی نفی کی ہے اسلئے کہ انہوں نے ایمان بالقدر کو ثابت کیا ہے اور یہ سنا دیا کہ جو چیز تمکو پہنچی ہے اس میں چوک ہونیوالی نہ تھی اور جس چیز میں چوک ہوگئی وہ تم کو پیش آنے والی نہ تھی۔ جب یہ کہا جائیگا کہ اس موقعہ کے لحاظ سے اس شئ کا کرنا یا نہ کرنا برابر ہے تو یہ بھی علم حق ہے۔ یقیناً جب آپ بہائم میں سے کسی نر کو نرینہ کام کرتے ہوئے اور مادین کو مادینہ کام کرتے ہوئے دیکھو گے تو اسوقت اگر یہ حکم کروگے کہ یہ کام مجبوری سے ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے پتھر دوسرے کے لڑھکانے سے لڑکتا ہے تو تم خلاف واقع حکم کروگے۔ اور اگر یہ کہو گے کہ بلا سبب یہ کام صادر ہوئے ہیں نہ نر کا مزاج ان کا باعث ہے نہ مادین کا تب بھی تمہارا حکم خلاف واقع ہوگا۔ اور اگر یہ کہو گے کہ ان کا ارادہ جو ان کی طبیعت میں منقش ہے صرف فوقانی ضرورت کا ناقل ہے اسی پر اسکا سہارا ہے خود ان میں کوئی مستقل جوش اور ہیجان کسی امر کا نہیں ہے، اس فوقانی حالت کے علاوہ کوئی اور آماجگاہ نہیں ہے، تب بھی یہ حکم خلاف واقع ہوگا بلکہ امر حق اور یقینی بین بین حالت ہے۔ وہ یہ کہ اختیار ایک امر معلول ہے جو اپنے علل واسباب سے تخلف نہیں کرتا اور فعل مقصود کو علل واجب کرتے ہیں اور علل کے بعد یہ ممکن نہیں کہ فعل نہ پایا جائے۔ لیکن اس اختیار کی شان اور حالت یہ ہے کہ اس کی اپنی حالت کی وجہ سے اسمیں بہجت اور سرور حاصل ہو اور اس پر ہیں کسی امر فوقانی کا لحاظ نہ ہو۔ اگر آپ اس مقام کا حق ادا کریں اور یہ کہیں کہ میری ذات میں اسکا علم ہے کہ فعل کا کرنا یا نہ کرنا مساوی تھا لیکن میں نے اسکا کرنا اختیار کرلیا پس میرا یہ اختیار ہی اس کام کی علت ہے تو البتہ آپ اپنے قول میں سچے اور نیک ہیں۔ شرائع الٰہیہ نے اسی ارادہ کی خبر دی ہے + +

وان كان كل شئ بحسب المصلحة الفوقانية اما واجب الفعل او واجب الترك فكذلك الحال فى كل مايستوجبه استعداد خاص فينزل من بارئ الصور ونزول الصور على المواد المستعدة لها كالاستجابة عقيب الدعاء مما فيه دخل لمتجدد حادث بوجه من الوجوه ولعلك تقول هذا جهل بوجوب الشئ بحسب المصلحة الفوقانية فكيف يكون فى موطن من مواطن الحق؟ فاقول حاش لله بل هو علم وايفاء لحق هذا الموطن انما الجهل ان يقال ليس بواجب اصلا وقد نفت الشرائع الالهية هذا الجهل حيث اثبتت الايمان بالقدر وان ما اصابك لم يكن ليخطئك وما اخطأك لم يكن ليصيبك واما اذا قيل يصح فعله وتركه بحسب هذا الموطن فهو علم حق لامحالة كما انك اذا رايت الفحل من البهائم يفعل الافعال الفحلية ورايت الانثى تفعل الافعال الانثوية فان حكمت بان هذه الافعال صادرة جبرا كحركة الحجر فى تدحرجه كذبت وان حكمت بانها صادرة من غير علة موجبة لها فلا المزاج الفحلى يوجب هذا الباب ولا المزاج الانثوى يوجب لك كذبت وان حكمت بان الارادة المتشبحة فى انفسهما تحكى وجوبا فوقانيا وتعتمد عليه وانها لاتفور فورانا استقلاليا كان ليس وراء ذلك مرمى فقد كذبت بل الحق اليقين امر بين الامرين وهو ان الاختيار معلول لايتخلف عن علله والفعل المراد توجبه العلل ولايمكن ان لايكون ولكن هذا الاختيار من شانه ان يبتهج بالنظر الى نفسه ولاينظر الى ما فوق ذلك فان اديت حق هذا الموطن وقلت اجد فى نفسى ان الفعل والترك كانا مستويين واذا اخترت الفعل كان الاختيار علة لفعله صدقت وبررت فاخبرت الشرائع الالهية عن هذه الارادة

جواس مقام میں منقش ہوا کرتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ایسے ارادہ کا ثبوت ہے جس کا تعلق وقتاً فوقتاً پیدا ہوتا ہے اور اسکے لحاظ سے دنیا و آخرت میں اعمال پر جزا بھی ثابت اور مرتب ہوتی ہے۔ اور یہ امر بھی ثابت ہوا کہ مدبر عالم نے احکام شریعت کے واجب کرنے سے عالم میں تدابیر کو قائم کیا تاکہ لوگ اس شریعت پر عمل کریں اور نفع اٹھائیں۔ پس شریعت سے لوگوں کو مامور کرنا ایسا ہی جیسے کوئی آقا اپنے غلاموں سے کوئی خدمت لینا چاہتا ہے وہ ایسے ان غلاموں سے خوش ہوتا ہے جو ان کی خدمت کریں اور ان سے وہ ناخوش ہوتا ہے جو خدمت کرنے سے انکار کریں۔ اسی طرز و انداز پر شریعتوں کا نزول ہوا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا تھا کہ شرائع صفاتِ الٰہیہ وغیرہا کے بیان میں سب سے زیادہ فصیح اور سب سے زیادہ حق ظاہر کرنیوالی عبارت میں نازل ہوئی ہیں۔ شریعت کی تعبیر کبھی حقیقت لغوی کے طور پر ہوتی ہے اور کبھی متعارف مجاز کی صورت میں۔ پھر شریعت الٰہیہ نے اس امر کے دریافت کرنے پر کہ عبادت خداوند عالم کا حق ہے لوگوں کو تین مقامات کیوجہ سے قدرت دی ہے یہ تینوں اصول سب کے نزدیک مسلم ہیں اور بمنزلہ امور مشہور اور بدیہی کے انکی نظر میں ہو گئے ہیں۔ اوّل یہ کہ خدا تعالیٰ منعم ہے اور منعم کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ اور عبادت اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ دوئم یہ کہ وہ خداوند تعالےٰ سے اعراض کرنے والوں اور دنیا میں عبادت کو ترک کرنیوالوں کو سخت سزا دیگا۔ سوئم یہ کہ یہ خدا تعالےٰ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کو آخرت میں جزا و سزا دیگا پس اس مقام میں ان سے تین اور علوم کا اضافہ ہوا۔ اوّل انعامات الٰہی کے یاد دلانیکا علم دوئم خدا کے عذابوں سے یاد دلانیکا علم۔ سوئم معاد کی باتوں سے سمجھانیکا علم۔ پس قرآن مجید ان تینوں علوم کی شرح کرنے کیلئے نازل ہوا ہے ان علوم کی تشریح کیطرف عنایت الٰہی اسلئے زیادہ متوجہ ہوئی کہ انسان کی اصل فطرت میں باری تعالےٰ جل جلالہٗ کی جانب ذاتی میلان پیدا کیا گیا ہے اور یہ میلان ایک امر دقیق ہے۔ اسکی صورت آدمی کی خلقت میں ہی منقش ہے اور وجدان صحیح سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ انسانی خلقت میں یہ مندرج ہے کہ اسپر ایمان لایا جائے کہ عبادت خدا کا بندوں پر حق ہے کیونکہ وہی تمام لوگوں کا منعم ہے انکے اعمال کی جزا دیتا ہے۔ پس جو شخص ارادہ کا منکر ہے یا عبادت کا بندوں پر حق الٰہی ہونیکا انکار کرے یا جزا کو نہ مانے تو وہ شخص دہریہ ہے اسکی فطرت سلیم نہیں کیونکہ اس نے اس میلان کو کھو دیا جو فطرۃً اسکی طبیعت میں ودیعت رکھا گیا تھا ایسا ہی شخص دہریہ کا نائب اور خلیفہ ہے

المتشبحة فی هذا الموطن، وبالجملة فقد ثبتت ارادة یتجدد تعلقها وثبتت المجازاة فی الدنیا والاخرة وثبت ان مدبر العالم دبر العالم بایجاب شریعة یسلکونها لینتفعوا بها فکان الامر شبیها بان السید استخدم عبیده وطلب منهم ذلك ورضی عمن خدم وسخط علی من لم یخدم فنزلت الشرائع الالهیة بهذه العبارة لما ذکرنا ان الشرائع تنزل فی الصفات وغیرها بعبارة لیس هنالك افصح ولا ابین للحق منها اکانت حقیقة لغویة او مجازا متعارفا ثم مکنت الشرائع الالهیة هذه المعرفة الغامضة من نفوسهم بثلاثة مقامات مسلمة عندهم جاریة مجری المشهورات البدیهیة بینهم، احدها انه تعالیٰ منعم وشکر المنعم واجب والعبادة شکر له علی نعمه، والثانی انه یجازی المعرضین عنه التارکین لعبادته فی الدنیا اشد الجزاء، والثالث انه یجازی فی الاخرة المطیعین والعاصین فانبسطت من هنالك ثلاثة علوم، علم التذکیر بالاء الله، وعلم التذکیر بایام الله، وعلم التذکیر بالمعاد فنزل القرآن العظیم شرحا لهذه العلوم وانما عظمت العنایة بشرح هذه العلوم لان الانسان خلق فی اصل فطرته میل الی بارئه جل مجده وذلك المیل امر دقیق لایتشبح الا بخلیقته ومظنته، وخلیقته ومظنته علی ما اثبته الوجدان الصحیح الایمان بان العبادة حق الله تعالیٰ علی عباده لانه منعم لهم مجاز علی اعمالهم فمن انکر الارادة او ثبوت حقه علی العباد وانکر المجازاة فهو الدهری الفاقد لسلامة فطرته لانه افسد علی نفسه مظنة المیل الفطری الموضوع فی جبلته ونائبه وخلیفته والماخوذ مکانه، فا

اور اگر اس میلان کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہو تو سمجھو کہ روح انسانی میں ایک لطیفہ نورانی ہے جسکو بالطبع خداوند عالم کیجانب ایسی ہی کشش ہے جیسے لوہے کو مقناطیس کیطرف ہوتی ہے اور یہ بات وجدان سے معلوم ہو سکتی ہے۔ پس جو شخص اپنے لطائف نفسانی معلوم کرنیکا نہایت خوض سے متلاشی ہوگا اور ہر لطیفہ کی کیفیت کو معلوم کریگا تو وہ اس لطیفہ نورانی کی کیفیت بھی معلوم کرسکے گا اور اسکا میلان بالطبع خدا تعالیٰ کی طرف بھی معلوم کرسکیگا۔ اہل وجدان کے نزدیک اس میلان کا نام محبت ذاتی ہے اور اس کا حال تمام وجدانی امور کا سا ہے جو دلائل سے حاصل نہیں ہو سکتے جیسے گرسنہ کی بھوک اور پیاسے کی پیاس۔ جب آدمی لطائف سفلی کے احکام کی وجہ سے پردہ اور تاریکی کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے اس نے اپنے بدن میں کسی مخدر چیز کا استعمال کیا ہو اور اس کی بالکل حس جاتی رہی ہو اس پر گرمی اور سردی کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ پس جب انسان کے لطائف سفلی مزاحمت سے تھک جاتے ہیں یہ خواہ اضطراری موت سے ہو جس سے نسمہ[1] کے بہت سے اجزا منتشر ہو جاتے ہیں اور نسمہ کی اکثر خاصیتیں گھٹ جایا کرتی ہیں۔ یا اختیاری موت سے ہو کہ نفسانی اور بدنی ریاضتوں کے ذرائع عجیب عجیب اس نے استعمال کئے ہوں تب وہ بمنزلہ اس شخص کے ہوتا ہے کہ مخدر چیز کا اثر اس میں سے دور ہو گیا ہو اس وقت وہ اپنے ذاتی اثروں کو معلوم کرسکتا ہے جنکی پہلے اس کو خبر بھی نہ تھی۔ پس جب آدمی کی وفات ہوتی ہے اور اسکو خدا کی طرف توجہ نہیں ہوا کرتی اس حالت میں اگر اس کا اعراض محض جہل بسیط اور سادہ لاعلمی سے ہے تو ایسا شخص کمال نوعی کے لحاظ سے شقی ہے اسکو برزخ کے بعض حالات کا انکشاف تو ہوگا لیکن ذاتی استعداد نہ ہونے سے کامل انکشاف نہ ہوگا اس لئے وہ حیران ہکا بکا رہ جائیگا۔ اور اگر اس اعراض کے ساتھ اسکی علمی اور عملی قوتوں میں کوئی مخالف صورت توجہ الی اللہ کی قائم تھی تو اس شخص میں کشاکشی پیدا ہوگی اس کا نفس ناطقہ جبروت کی طرف اور نسمہ مخالف صورت حاصل کرنے کی وجہ سے عالم سفل کیطرف کھینچے گا۔ پس اسمیں وحشت نفس ناطقہ کے جوہر سے صعود کرے گی اور اس نسمہ کے جوہر پر پھیل جائے گی۔ اور لبسا اوقات تو حشت کے ہمرنگ اس کو واقعات بھی پیش آئیں گے جیسے صفراوی مزاج والے کو خواب

ان شئت ان تعلم حقيقة هذا الميل فاعلم ان في روح الانسان لطيفة نورانية تميل بطبعها الى الله تعالى عزوجل ميل الحديد الى المغناطيس و هذا امر مدرك بالوجدان فكل من امعن في الفحص عن لطائف نفسه وعرف كل لطيفة بحيالها لابد ان يدرك هذه اللطيفة النورانية ويدرك ميلها بطبعها الى الله تعالى ويسمى ذلك الميل عند اهل الوجدان بالمحبة الذاتية مثله كمثل سائر الوجدانيات لايقتنص بالبرهين كجوع هذا الجائع وعطش هذا العطشان فاذا كان الانسان في غاشية من احكام لطائفه السفلية كان بمنزلة من استعمل مخدرا في جسده فلم يحس بالحرارة والبرودة فاذا هدأت لطائفه السفلية عن المزاحمة اما بموت اضطراري يوجب تناثر كثير من اجزاء نسمته ونقصان كثير من خواصها و قواها او بموت اختياري وتمسك حيل عجيبة من الرياضات النفسانية والبدنية كان كمن زال المخدر عنه فادرك ما كان عنده وهو لا يشعر به فاذا مات الانسان وهو غير مقبل على الله تعالى فان كان عدم اقباله جهلا بسيطا وفقدا ساذجا فهو شقي بحسب الكمال النوعي وقد يكشف عليه بعض ما هنالك ولا يتم الانكشاف لفقد استعداده فيبقى حائرا مبهوتا وان كان ذلك مع قيام هيئة مضادة في قواه العلمية والعملية كان فيه تجاذب فانجذبت النفس الناطقة الى صقع الجبروت والنسمة بما كسبت من الهيئة المضادة الى السفل فكانت فيه وحشة ساطعة من جوهر النفس منبسطة على جوهرها وربما اوجب ذلك تمثل واقعات هي اشباح الوحشة كما يرى الصفراوي

[1] نسمہ روح ہوائی کو کہتے ہیں جو روح حقیقی کا اصل مرکب ہے اور موت کے بعد بھی ساتھ رہتا ہے۔ ۱۲

میں آگ کے شعلے نظر آیا کرتے ہیں اور معرفت نفس کی حکمت کی اصل توجیہ یہی ہے ۔ اور نیز ملاء اعلیٰ کیجانب سے ایسے شخص پر غضب ناک تند نظری ہی ہوگی جس کی وجہ سے ملائکہ وغیرہ ذی اختیار نفوس کے دلوں پر الہامات ہوں گے کہ ایسے لوگوں کو ایذا اور تکلیف پہنچائیں اور وہ ارادے اور خواہشات جو بنی آدم کے دلوں میں پیدا ہوئے ہیں ان کی معرفت کی اصل یہی توجیہ ہے ۔ حاصل یہ ہے کہ جبروت کی طرف میلان اور عمل کو واجب قرار دینا جس سے اس قید سے رہا ہو سکے جو لطائف سفلی کی مزاحمت سے پیدا ہوتی ہے اور اس واجب کردہ عمل کے ترک پر مواخذہ کرنا یہ صورت نوعیہ کے احکام اور اسکی قوتوں اور اثروں میں سے ہے جس کا خالق صور اور وجود کا فیضان عطا کرنے والے کی جانب سے افراد نوعی کے ہر فرد پر مصلحت کل کا لحاظ کر کے فیضان کیا گیا ہے لوگوں کے ذاتی التزام یا رسم و رواج کی پابندی سے نہیں ہے اور یہ تمام اعمال حقیقۃً اس لطیفہ نورانی کا ہی حق ہیں جو خدا تعالےٰ کی طرف کھینچتا ہے ان اعمال سے اسی لطیفہ کی خواہش کا پورا کرنا اور اس کی ہی کمی کا درست کرنا ہے ۔ اور چونکہ یہ معنی نہایت دقیق تھے اور اس لطیفہ کو بخوبی سمجھنے والے بہت کم لوگ ہیں اسواسطے اس حق کی نسبت اس لطیفہ کی جانب نہیں کی جاتی ہے بلکہ اس کو ذات خداوندی کی طرف منسوب کرتے ہیں جس کی طرف اس لطیفہ کا میلان اور وہی اس کا قبلہ مقصود ہے گویا کہ یہ نفسانی قوتوں میں سے ایک قوت کو معین کر لینا ہے جس کی وجہ سے یہ میلان کرتا ہے اور گویا کہ یہ ہمارے اس قول کا اختصار ہے کہ اس لطیفہ کا حق اس اعتبار سے ہے کہ اسکا خدا کی طرف میلان ہے پس شرائع الٰہیہ اس راز کو ایسی سہل عبارت میں واضح کرنے کے لئے نازل ہوئی ہیں جس کو بشر اپنے علوم فطریہ کے موافق سمجھ جائے خدا کا یہی طریقہ ہے کہ وہ دقیق معانی کو ان صورتوں کے لباس میں نازل کیا کرتا ہے جو وجود مثالی کے مناسب ہوا کرتی ہیں ۔ جیسے کہ ہم کو خواب کے ضمن میں مجرد معانی کسی شئ کی ایسی صورت میں نظر آیا کرتے ہیں جو ان معانی کو عادۃً لازم یا اس کے ہم رنگ اور مشابہ ہوا کرتی ہے اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ عبادت بندوں پر خدا تعالےٰ کا حق ہے اور اسی طرح پر قرآن مجید کا حق اور پیغمبر کا حق' آقا کا' والدین کا اور رشتہ داروں کا حق قیاس کر لینا چاہیے ۔

فی منامه النیران والشعل وهذا اصل توجیه حکمة معرفة النفس وکان ایضا فیه تحدیق غضب من الملأ الاعلیٰ یوجب الهامات فی قلوب الملائكة وغیرها من ذوات الاختیار ان تعذبه وتؤلمه وهذا اصل توجیه معرفة اسباب الخطرات والدواعی الناشئة فی نفوس بنی آدم، وبالجملة فالمیل الی صقع الجبروت ووجوب العمل بما یفك وثاقه من مزاحمة اللطائف السفلیة والمؤاخذة علی ترك هذا العمل بمنزلة احكام الصورة النوعیة وقواها وآثارها الفائضة فی كل فرد من افراد النوع من باریٔ الصور ومفیض الوجود وفق المصلحة الكلیة لا باصطلاح البشر والتزامهم علی انفسهم وجریان رسومهم بذلك فقط وكل هذه الاعمال فی الحقیقة حق هذه اللطیفة النورانیة المنجذبة الی الله وتوفیر مقتضاها واصلاح عوجها، ولما كان هذا المعنی دقیقا وهذه اللطیفة لا تدركها الا شرذمة قلیلة وجب ان ینسب الحق الی ما الیه مالت وایاه قصدت ونحوه انتحت كان ذلك تعیین لبعض قوی النفس التی مالت من جهته وكان ذلك اختصار قولنا حق هذه اللطیفة من جهة میلها الی الله فنزلت الشرائع الالٰهیة كاشفة عن هذا السر بعبارة سهلة یفهمها البشر بعلومهم الفطریة ویعطیها سنة الله من انزال المعانی الدقیقة فی صور مناسبة لها بحسب النشأة المثالیة كما یتلقی واحد منا فی منامه معنی مجردا فی صورة شئ ملازم له فی العادة او نظیره وشبهه فقیل العبادة حق الله تعالیٰ علی عباده وعلی هذا ینبغی ان یقاس حق القرآن وحق الرسول وحق المولی وحق الوالدین وحق

پس یہ سب انسان کے نفس کے حقوق اسی کے نفس پر ہیں تاکہ اسکو کمال حاصل ہو جائے اور وہ اپنے اوپر ظلم نہ کرے لیکن یہ حق اسکی طرف منسوب کر دیا گیا جسکی طرف سے یہ معاملہ اور جسکی جانب سے مطالبہ ہے، پس تو ان لوگوں میں سے نہ ہو جو ظاہر پر ٹھیر گئے، بلکہ ان میں سے ہو جو ہر بات کی اصل تحقیق کرتے ہیں۔ فقط ؛

ساتواں باب (۴۲) :۔ خدا کے نشانات اور شعائر کی تعظیم کا بیان

خدا تعالیٰ فرماتا ہے "دلی تقوی میں سے خدا کے نشانات کی تعظیم بھی ہے" واضح ہو کہ شریعتوں کی بنا شعائر الٰہی کی تعظیم اور ان کے ذریعہ سے خدا کے حضور میں تقرب حاصل کرنے پر ہے اس کی وجہ وہ ہے جسکی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ جس طریقہ کو خدا نے مقرر کیا ہے وہ یہی ہے کہ عالم تجرد کے امور کو ان چیزوں کے ساتھ نقل کیا جائے جنکو قوت بہیمیہ آسانی سے حاصل کر سکے اور شعائر سے مراد وہ ظاہر محسوس چیزیں ہیں جنکی وجہ سے خدا کی عبادت کیجائے اور اسکے ساتھ اسطرح سے مخصوص ہوں کہ ان شعائر کی تعظیم خدا کی تعظیم اور انہیں کوتاہی بارگاہ خداوندی میں کوتاہی سمجھی جائے یہ تعظیم لوگوں کے دلوں میں اس طرح سے راسخ ہو جائے کہ ان کے دلوں سے نہ نکل سکے اگرچہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں۔ اور شعائر کا وجود قدرتی طور پر ہو جایا کرتا ہے اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ کوئی عادت یا خصلت لوگوں کے دلوں میں اس طرح بیٹھ جاتی ہے کہ وہ ان میں مشہور اور شائع ہو کر بمنزلہ بدیہی امور کے ہو جاتی ہے اور اس میں شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ پس اسوقت رحمت الٰہی ایسی چیزوں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جن کو ان کی طبیعتیں اور مشہور علوم ضروری قرار دیتے ہیں وہ سب ان کو قبول کرتی ہیں اور ان کی حقیقت پر سے پردہ اٹھ جاتا ہے، قریب اور بعید دونوں کو برابر دعوت الٰہی پہنچتی ہے پس اسوقت ان پر شعائر کی تعظیم فرض ہو جاتی ہے اور ایسی ہی حالت ہو جاتی ہے جیسے خدا کے نام کی قسم کھانیوالا اپنی قسم توڑنے سے خدا کے حق میں گویا کمی اور کوتاہی دل میں رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے اسی اندرونی دلی بات پر مواخذہ کیا جاتا ہے پس اسیطرح ان لوگوں میں بہت سی ایسی چیزیں مشہور ہو جاتی ہیں

الاحكام فكل ذلك حق نفسه على نفسه لتكمل كمالها ولا تقترف على نفسها جورا ولكن نسب الحق الى من معه هذه المعاملة، ومنه المطالبة فلا تكن من الواقفين على الظواهر بل من المحققين للامر على ما هو عليه ؛

باب تعظيم شعائر الله تعالى

قال الله تعالى ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب، اعلم ان مبنى الشرائع على تعظيم شعائر الله تعالى والتقرب بها اليه تعالى وذلك لما اومأنا اليه من ان الطريقة التى نصبها الله تعالى للناس هى محاكاة ما فى صقع التجرد باشياء يقرب تناولها للبهيمية و اعنى بالشعائر امورا ظاهرة محسوسة جعلت ليعبد الله بها واختصت به حتى صار تعظيمها عندهم تعظيما لله والتفريط فى جنبها تفريطا فى جنب الله وركز ذلك فى صميم قلوبهم لا يخرج منه الا ان تقطع قلوبهم، والشعائر انما تصير شعائر بنهج طبيعى وذلك ان تطمئن نفوسهم بعادة وخصلة وتصير من المشهورات الذائعة التى تلحق بالبديهيات الاولية ولا تقبل التشكيك فعند ذلك تظهر رحمة الله فى صورة اشياء تستوجبها نفوسهم وعلومهم الذائعة فيما بينهم فيقبلونها ويكشف الغطاء عن حقيقتها وتبلغ الدعوة الادانى والاقاصى على السواء فعند ذلك يكتب عليهم تعظيمها ويكون الامر بمنزلة الحالف باسم الله يضمر فى نفسه التفريط فى حق الله ان حنث فيؤاخذ بما يضمر وكذلك هؤلاء يشتهر

جن کی اطاعت ان کے علوم کرتے ہیں۔ پس ان کے علوم میں ان چیزوں کی پابندی یہ بات واجب کرتی ہے کہ ان لوگوں پر رحمت الٰہی اسی چیز میں ظاہر ہو جس کے وہ مطیع ہوں۔ تدبیر کی بنا اسپر ہے کہ پہلے سب سے زیادہ آسان امر کیا جائے اسکے بعد اور آسان اور یہ بھی ضرور ہے کہ اپنے دل میں ان شعائر کی نہایت درجہ تعظیم کریں کیونکہ ان کا کمال ایسی تعظیم کرنا ہے جس میں اہمال اور سستی نہ ہو۔ اور خدا تعالےٰ نے اپنے فائدے کیلئے بندوں پر کوئی چیز واجب نہیں کی خدا کی شان اس سے برتر ہے بلکہ جو کیا ہے محض بندوں کے فائدے کے لئے کیا ہے اور چونکہ یہ فائدہ بغیر نہایت درجہ کی تعظیم کے حاصل نہ ہو سکتا تھا اسلئے جو امور ان کے نزدیک تعظیمی تھے انہیں کا مؤاخذہ کیا گیا اور یہ حکم ہوا کہ خدا کی شان میں کوتاہی نہ کریں اور تشریعی امور میں مقصود بالذات جماعت کا حال ہے نہ کہ فرد واحد کا۔ گویا کہ یہ جماعت ہی تمام لوگ ہیں۔ وللہ الحجۃ البالغہ ؛

خدا تعالےٰ کے بڑے شعائر چار ہیں قرآن، کعبہ، نبی، نماز۔ قرآن کا نشان الٰہی ہونا اس طرح پر ہے کہ لوگوں میں سلاطین کی طرف سے فرامین کا رعایا کی طرف بھیجنا رائج تھا اور بادشاہوں کی تعظیم کے تابع فرامین شاہی کی بھی تعظیم ہوتی ہے اور انبیاء کے صحیفے اور اور لوگوں کی تصانیف بھی شائع اور رائج ہوگئی تھیں۔ لوگوں کا ان کے مذہب کی پیروی کرنا ان کتابوں کی تعظیم اور تلاوت پر موقوف تھا اور عرصہ دراز تک ان کے علوم کا پابند ہونا بغیر ایسی کتاب کے جسکو وہ پڑھیں یا روایت کریں بادی الرائے میں محال بھی تھا اس واسطے لوگوں کا منشا رہوا کہ ایک کتاب کی صورت میں رحمت الٰہی کا ظہور ہو جو رب العلمین کی طرف سے نازل ہووے اور اس کی تعظیم کیجائے منجملہ تعظیم کے یہ ہے کہ مصحف کو بغیر وضو کے ہاتھ نہ لگایا جائے جب اس کتاب کو پڑھا جائے تو سب خاموش ہو کر سنیں اسکے اوامر کی فوراً تعمیل کریں سجدۂ تلاوت کریں جہاں تسبیح کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں تسبیح کریں۔ اور کعبہ کا شعائر میں سے ہونا اس لئے قرار پایا کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں لوگوں نے آفتاب اور ستاروں کے نام پر بکثرت عبادت خانے اور کنیسے بنائے تھے ان کی نظر میں کسی ذات مجرد غیر محسوس کی طرف متوجہ ہونا ہو کر

فيما بينهم امور تنقاد لها علومهم فيوجب انقياد علومهم لها ان لا تظهر رحمة الله بهم الا فيما انقاد واله اذ مبنى التدبير على الاسهل فالاسهل ويوجب ايضا ان يؤاخذوا انفسهم باقصى ما عندهم من التعظيم لان كما لهم هو التعظيم الذى لا يشوبه اهمال وما اوجب الله تعالى شيئا على عباده لفائدة ترجع اليه تعالى عن ذلك علوا كبيرا بل لفائدة ترجع اليهم وكانوا بحيث لا يكملون الا بالتعظيم الاقصى فاخذوا بما عندهم وامروا ان لا يفرطوا فى جنب الله وليس المقصود بالذات فى العناية التشريعية حال فرد بل حال جماعة كانها كل الناس ولله الحجة البالغة ؛

ومعظم شعائر الله اربعة، القرآن، والكعبة والنبى، والصلوٰة، اما القرآن فكان الناس شاع فيما بينهم رسائل الملوك الى رعاياهم وكان تعظيمهم للملوك مساوقا للتعظيم للرسائل وشاع صحف الانبياء ومصنفات غيرهم وكان تمذهبهم لمذاهبهم مساوقا لتعظيم تلك الكتب وتلاوتها وكان الانقياد للعلوم وتلقيها على مر الدهور بدون كتاب يتلى ويروى كالمحال بادى الراى فاستوجب الناس عند ذلك ان تظهر رحمة الله فى صورة كتاب نازل من رب العالمين ووجب تعظيمه، فمنه ان يستمعوا له وينصتوا اذا قرئ ومنه ان يبادروا لاوامره كسجدة التلاوة فالتسبيح عند الامر بذلك، ومنه ان لا يمسوا المصحف الا على وضوء، واما الكعبة فكان الناس فى زمن ابراهيم عليه السلام توغلوا فى بناء المعابد والكنائس باسم روحانية الشمس وغيرها من الكواكب وصار عندهم التوجه الى المجرد غير المحسوس

بغیر اسکے محال تھا کہ اسکے نام کی ہیکل بنائی جائے اور اس میں حلول سمجھا جائے اور اسکی پرستش کرنا باعثِ تقرب سمجھا جائے بادی الرائے میں انکی عقلوں میں اور کوئی بات نہیں آتی تھی اسواسطے اس زمانہ کے لوگوں نے چاہا کہ خدا کی رحمت کا ظہور ایک گھر کے ذریعے ہو' لوگ اسکا طواف کریں' اسکی وجہ سے تقرب الی اللہ حاصل کریں اسلئے خدا نے ان کو خانہ کعبہ کیطرف بلایا اور اسکی تعظیم کا حکم دیا۔ اسکے بعد قرناً بعد قرنٍ یہ علم پیدا ہوتا گیا کہ خانہ کعبہ کی تعظیم خدا کی تعظیم ہے اور اسمیں کمی کرنا خدا کی خدمت میں کمی کرنا ہے اس لئے خانہ کعبہ کا حج فرض ہوگیا اور اسکی تعظیم کا اسطرح حکم دیا گیا کہ بغیر صفائی اور طہارت کے اسکا طواف نہ کیا جائے' نمازمیں اسکی طرف رخ کریں اور بول وبراز کے وقت اسکی طرف منہ کرنا یا پشت کرنا مکروہ سمجھیں۔ اور نبی کا شعائر الٰہیہ میں سے ہونا' پس ان کا نام رسول اسواسطے ہے کہ ان کو بادشاہوں کے ایلچیوں سے مشابہت دی گئی ہے جنکو بادشاہ امرونہی کی اطلاع دینے کیلئے رعایا کیطرف بھیجا کرتے ہیں۔ اور رسولوں کی تعظیم کرنا بھیجنے والے کی تعظیم قرار دی گئی ہے پیغمبر کی تعظیم یہ ہے کہ اسکی اطاعت کو واجب سمجھیں اور اس پر درود بھیجیں اس سے بلند آواز سے گفتگو نہ کریں۔ اور نماز کا شعائر سے ہونا اسواسطے ہے کہ اس سے مقصود غلاموں کے حال کے ساتھ تشبیہ دینا ہے کہ جب وہ بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوکر درخواست اور عاجزی کرتے ہیں اور اسلئے دعا کرنے سے پہلے حمد وثنا ضروری ہوئی اور آدمی کو ایسی ایسی ہیئتیں اختیار کرنا ضروری ہوئیں جو مناجات کے وقت بادشاہوں کے سامنے اختیار کیجاتی ہیں یعنی ہاتھ باندھنا اور ادھر اُدھر التفات نہ کرنا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے "جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتا ہے تو خدا اسکے سامنے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم ❖

اٹھواں باب (۴۳) :- وضوء اور غسل کے اسرار کا بیان

واضح ہو کہ کبھی کبھی انسان طبعی تاریکیوں سے حظیرۃ القدس کی روشنیوں میں لایا جاتا ہے اس پر یہ انوار غالب آتے ہیں اور تھوڑی تھوڑی دیر کیلئے کسی نہ کسی طرح طبیعت کے احکام سے بری ہو جاتا ہے

بدون هيكل يبنى باسمه يكون الحلول فيه و التلبس به تقربا منه امرا محالا تدفعه عقولهم بادى الرائ فاستوجب أهل ذلك الزمان ان تظهر رحمة الله بهم فى صورة بيت يطوفون به ويتقربون به الى الله فدعوا الى البيت و تعظيمه ثم نشأ قرن بعد قرن على علم ان تعظيمه مساوق لتعظيم الله والتفريط فى حقه مساوق للتفريط فى حق الله فعند ذلك وجب حجه وامروا بتعظيمه، فمنه ان لا يطوفوا الا متطهرين، ومنه ان يستقبلوها فى صلاتهم و كراهية استقبالها واستدبارها عند الغائط واما النبى فلم يسم مرسلا الا تشبيها برسل الملوك الى رعاياهم مخبرين بامرهم ونهيهم ولم يوجب عليهم طاعتهم الا بعد مساوقة تعظيمهم لتعظيم المرسل عندهم فمن تعظيم النبى وجوب طاعته والصلاة عليه وترك الجهر عليه بالقول ❖ واما الصلاة فيقصد فيها التشبيه بحال عبيد الملك عند مثولهم بين يديه ومناجاتهم اياه وخضوعهم له ولذلك وجب تقديم الثناء على الدعاء و مؤاخذة الانسان نفسه بالهيات التى يجب مراعاتها عند مناجاة الملوك من ضم الاطراف وترك الالتفات وهو قوله صلى الله عليه وسلم اذا احدكم صلى فان الله قبل وجهه والله اعلم

باب اسرار الوضوء والغسل

اعلم ان الانسان قد يختطف من ظلمات الطبيعة الى انوار حظيرة القدس فتغلب عليه تلك الانوار ويصير ساعة ما بريئا

پس یہ ملائکہ کے مسلک میں منسلک ہوجاتا ہے اور باعتبار تجرید نفس
کے گویا انہی میں سے ہوجاتا ہے اسکے بعد پھر اسکی وہی اصلی حالت
ہوجاتی ہے اسکے بعد پہلی حالت کی مناسب چیزوں کا وہ مشتاق
ہوتا ہے تاکہ اسکی عدم موجودگی میں ان اموز کو غنیمت جانے اور ان
امور کے ذریعہ اس فوت شدہ حالت کو حاصل کرے۔ پس اسوقت بھی
اسکو ایک حالت منجملہ احوال کے پیش آتی ہے جسکو سرور اور انشراح کہتے
ہیں یہ کیفیت میل کچیل دو کرنے اور مطہرات کے استعمال کرنے سے حاصل
ہوتی ہے پس وہ ان امور کا پختگی سے پابند ہوتا ہے اور اسکے بعد یہ
شخص کا مرتبہ ہے کہ اسے مخبر صادق کو یہ تعلیم دیتے سُنا کہ یہ حالت آدمی کیلئے
موجب کمال ہے اور اسکا پروردگار اس سے ایسی حالت کو پسند کرتا ہے اور
اسمیں بے شمار فوائد ہیں یہ سنکر اس نے دلی شہادت سے اسکو سچ جانا اور
جیسا اسکو حکم دیا تھا ایسے ہی اسنے تعمیل کی جتنا وہ اسپر کاربند ہوتا گیا تو جیسا ہی
اسکی خبر دی تھی ویسا ہی حق پاتا گیا اور اسپر رحمت کے دروازے کھلتے گئے اور فرشتوں کی سی
حالت اسکی ہوتی گئی۔ اسکے بعد اس شخص کا رتبہ ہے جوکہ خود اس حالت کو کچھ
نہ سمجھ سکتا تھا لیکن انبیاء نے اسکو ایسی ہیئتوں کی طرف زبردستی کھینچا اور
مجبور کیا جو معاد میں آدمی کو فرشتوں کے ساتھ ملحق کردیتی ہیں یہی لوگ وہ ہیں
جو جنت کیطرف زنجیروں کے ذریعہ سے کھینچے جاتے ہیں اور وہ ناپاکی جسکا اثر بادی
الرائے میں نفس پر محسوس ہوتا ہے اور وہ ناپاکی جسکے انضباط مواقع کیلئے
تمام آدمی مخاطب ہوسکتے ہیں اور وہ ناپاکی جوکثیر الوقوع ہے اور اسکی تعلیم
میں کمی کرنے سے لوگوں کو بڑا ضرر پہنچ سکتا ہے' تلاش سے دو قسموں میں منحصر
ہیں۔ اول یہ کہ انسان کے معدہ میں فضلات 'پیشاب' پاخانہ' ریح
پیدا ہوتے ہیں اور ان سے اسکا دل رک جاتا ہے پس ہر شخص اپنے
نفس میں یہ بات پاتا ہے کہ جب اس کے پیٹ میں ریح یا
پیشاب' پاخانہ رکا ہوا ہوتا ہے تو اس کا دل برا ہوجاتا ہے
پس وہ زمین کی طرف رجوع کرتا ہے اور حیران وپریشان
ہوجاتا ہے۔ اس کے اور بشاشی کے درمیان پردہ حائل ہوجاتا
ہے۔ پس جب وہ پیشاب یا پاخانہ اور ریح سے فارغ ہوجاتا
ہے اور غسل و وضو وغیرہ کا استعمال کرتا ہے جس سے نفس کی پاکیزگی
پر تنبیہ ہوتی ہے تو اسوقت دل میں بشاشت اور سرور پاتا ہے

من احکام الطبیعة بوجه من الوجوه فینسلك
فی سلکهم ویصیر فیما یرجع الی تجرید
النفس کانه منهم ثم یرده الی حیث کان فیشتاق
الی ما یناسب الحالة الاولی لیغتنمه عند فقدها
ویجعله شرکا لاقتناص الفائت منها فیجد
بهذه الصفة حالة من احواله وهی السرور و
الانشراح الحاصل من هجر الرجز واستعمال
المطهرات فیعض علیها بنواجذه ویتلوه انسان
سمع المخبر الصادق یخبر بان هذه الحالة کمال
الانسان وانه ارتضاها منه بارئه وان فیها
فوائد لاتحصی فصدقه بشهادة قلبه ففعل
ما امر به فوجد ما اخبر به حقا وفتحت علیه
ابواب الرحمة وانصبغ بصبغ الملائکة ویتلوه
رجل لایعلم شیئا من ذلك لکن قاده الانبیاء
والجأوه الی هیأت تعد له فی معاده للانسلاك
فی سلك الملائکة واولئك قوم جروا بالسلاسل
الی الجنة والحدث الذی یحس اثره فی النفس بادی
الرأی والذی یلیق ان یخاطب به جمهور الناس
لانضباط مظانه والذی یکثر وقوع مثله وفی
اهمال تعلیمه ضرر عظیم بالناس منحصر استقراء
فی جنسین، احدهما اشتغال النفس بما یجد
الانسان فی معدته من الفضول الثلاثة الریح
والبول والغائط فلیس من البشر احد الا ویعلم
من نفسه انه اذا وجد فی بطنه الریاح او کان
حاقبا حاقنا خبثت نفسه فاخذت الی الارض و
صارت کالحائرة المنقبضة وکان بینها وبین
انشراحها حجاب فاذا اندفعت عنه الریاح و
تخفف عنه الاخبثان واستعمل ما ینبه نفسه
للطهارة کالغسل والوضوء وجد انشراحا وسرورا

اور ایسا خوش ہوتا ہے کہ گویا کوئی گم شدہ چیز مل گئی۔ دوم شہوتِ جماع سے نفس کا مشغول ہونا اور اسمیں غرق ہوجانا ہے۔ کیونکہ یہ چیز نفس کو طبیعت بہیمیہ کیطرف بالکل متوجہ کر دیتی ہے۔ جب بہائم کو ریاضت کے ذریعہ مقصود آداب کی مشق کرائی جاتی ہے اور شکاری جانوروں کو بھوکا اور بیدار رکھکر مطیع بنایا جاتا ہے اور شکار پکڑنا سکھایا جاتا ہے اور پرندوں کو آدمیوں کی بولیاں سکھائی جاتی ہیں حاصل یہ ہے کہ جب جانور کی خواہش اور مقتضائے طبیعت کے کھودینے کی بخوبی کوشش کیجاتی ہے اور خلاف طبع باتوں کی تعلیم دیجاتی ہے۔ پھر یہ جانور مادیوں میں رل مل کر اپنی خواہش ان سے پوری کرتا ہے اور چند روز انہیں لذائذ میں ڈوبا رہتا ہے تو سب سیکھے سکھائے امور بھول جاتا ہے اور ویسا ہی جاہل اندھا اور بیخبر ہوجاتا ہے۔ اور جو ان امور میں غور کریگا تو اسکو ضرور معلوم ہوجائیگا کہ شہوتِ نفس کی آلودگی جسقدر اثر کرتی ہے کوئی دوسری چیز (جو نفس کو بہیمیت کیطرف مائل کرتی ہے جیسے کثرت طعام اور نشہ وغیرہ) اسقدر اثر نہیں کرتی۔ آدمی کو اسکا تجربہ اپنی نفسانی حالت سے ہی کرلینا چاہیئے اور ان تدابیر کو یاد کرنا چاہیئے جنکا ذکر اطباء نے تارک دنیا راہبوں کی طبیعتوں کو نفس بہیمی کیطرف پھیر دینے کیلئے کیا ہے۔ اور طہارت جسکا اثر ظاہراً محسوس ہوتا ہے اور جو عام لوگوں کو سمجھائی جاسکتی ہے کیونکہ اس طہارت کا ذریعہ یعنی پانی آباد ملکوں میں بکثرت موجود ہے اور اسکے اوقات منضبط ہیں اور جو نفس بشر میں ہر طہارت سے زیادہ دل نشیں ہے اور جو باوجود قدرتی طریقہ ہونے کے تمام لوگوں میں مسلم اور مشہور بھی ہے ایسی طہارت تلاش کرنے سے دو قسموں میں پائی جاتی ہے (۱) طہارتِ صغریٰ (۲) طہارتِ کبریٰ۔ طہارتِ کبریٰ سے یہ مراد ہے کہ تمام بدن دھویا جائے اسلئے کہ پانی خود ایک پاک چیز ہے سب نجاستوں کو دور کر دیتا ہے۔ تمام طبیعتوں نے اسکے اثر کو تسلیم کرلیا ہے یہ نہایت عمدہ ذریعہ ہے کہ اسکی وجہ سے صفتِ طہارت پر نفس متنبہ کیا جائے اور اکثر آدمی شراب پیتے ہیں اور نشہ میں چور ہوجاتے ہیں اسی مدہوشی میں وہ ناحق خون کر ڈالتے ہیں یا نہایت نفیس مال کو ضائع کر دیتے ہیں تو دفعۃً ان کا نفس متنبہ ہوجاتا ہے ✤ ✤ ✤ ✤ ✤

وصار كأنه وجد ما فقد، والثانى اشتغال النفس بشهوة الجماع وغوصها فيها فان ذلك يصرف وجه النفس الى الطبيعة البهيمية بالكلية حتى ان البهائم اذا ارتيضت ومرنت على الآداب المطلوبة والجوارح اذا ذللت بالجوع والسهر وعلمت امساك الصيد على صاحبها والطيور اذا كلفت بمحاكاة كلام الناس، وبالجملة كل حيوان افرغ الجهد فى ازالة ماله من طبيعته واكتساب ما لا تقتضيه طبيعته ثم قضى هذا الحيوان شهوة فرجه وعافس الاناس و غاص فى تلك اللذة اياما لا بد ان ينسى ما اكتسبه ورجع الى عمه وجهل وضلال، ومن تأمل فى ذلك علم لا محالة ان قضاء هذه الشهوة يؤثر فى تلويث النفس ما لا يؤثره شئ من كثرة الاكل و المخامرة وسائر ما يميل النفس الى الطبيعة البهيمية وليجرب الانسان ذلك من نفسه و ليرجع الى ما ذكره الاطباء فى تدبير الرهبان المنقطعين اذا اريد ارجاعهم الى النفس البهيمية والطهارة التى يحس اثرها بادى الرأى والتى يليق ان يخاطب بها جمهور الناس لكثرة وجود آلتها فى الاقاليم المعمورة اعنى الماء وانضباط امرها والتى هى اوقع الطهارات فى نفوس البشر وكالمسلمات المشهورة بينهم مع كونها كالمذهب الطبيعى تنحصر بالاستقراء فى جنسين صغرى وكبرى، واما الكبرى فتعميم البدن بالغسل والدلك اذ الماء طهور مزيل للنجاسات قد سلمت الطبائع منه ذلك فهى آلة صالحة لتنبيه النفس على خلة الطهارة ورب انسان شرب الخمر وثمل وغلب السكر على طبيعته ثم فرط منه شئ من قتل بغير حق او اضاعة مال فى غاية النفاسة فتنبهت نفسه دفعة

وہ ہوش میں آجاتے ہیں اور ان کا نشہ دور ہوجاتا ہے اور اکثر ناتواں لوگوں کو نشست و برخاست کی طاقت نہیں ہوتی اور وہ کوئی کام نہیں کرسکتے پس اتفاقاً کوئی ایسا واقعہ پیش آتا ہے جس سے نفس متنبہ اور قوی ہوجاتا ہے جیسے غصہ یا حمیت یا رغبت - پس اسوقت وہ بڑے سے بڑا کام کرسکتے ہیں یا کوئی بڑی خونریزی کر بیٹھتے ہیں - بہرحال نفس کی حالت بعض امور سے دفعتہً بدل جایا کرتی ہے اور ایک عادت سے دوسری عادت کیلئے بیداری اسمیں آجاتی ہے اور نفسانی علاجوں میں اس قسم کی تبدیلیاں مفید اور عمدہ ہیں اس قسم کی بیداری اس چیز سے ہوتی ہے جسکا کامل طہارت ہونا طبیعتوں اور دلوں میں پیوست ہوگیا ہے اور ایسی چیز صرف پانی ہی ہے - اور طہارت صغریٰ صرف ہاتھ پاؤں اور منہ کے دھونے سے حاصل ہوتی ہے اور یہ اسلئے ہے کہ تمام آباد ملکوں میں یہ معمول جاری ہے کہ یہ اعضاء قدرتی طور سے کھلے رہتے ہیں اور لباس بدن سے باہر رہتے ہیں اور اسی کیطرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ ہے کہ آپ نے چادر میں لپٹنے سے منع فرمایا - تو ان اعضاء کے کھلا رہنے سے انکے دھونے میں کوئی دقت نہیں ہوتی اور یہ غسل تمام اعضاء کا نہیں ہے - تمام شہر والوں کا معمول ہے کہ ان اعضاء کو روزانہ دھوتے ہیں اور بادشاہوں اور امراء کے دربار میں جاتے وقت پاک و صاف کرتے ہیں - اور اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ اعضاء ظاہر اور کھلے رہتے ہیں بہت جلد میلے ہوجاتے ہیں اور باہم ملاقات کیوقت بھی یہی اعضاء نظر پڑتے ہیں - اور نیز تجربہ سے شہادت ملتی ہے کہ ہاتھ پاؤں کے دھونے سے منہ اور سر پر پانی چھڑکنے سے نفس پر بڑا اثر ہوتا ہے - خواب یا نہایت بیہوشی اس سے دور ہوجاتی ہے - اور انسان اس کا تجربہ کرسکتا ہے اس تجربہ اور علم کی تصدیق اطباء کی تجویز سے بھی ہوتی ہے وہ اس شخص کے لئے جسکو غشی ہو یا اسکو زیادہ اسہال آتے ہوں یا کسی کی فصد زیادہ لی گئی ہو یہی پانی چھڑکنا تجویز کرتے ہیں - تدابیر ثانیہ کے ابواب سے جن پر انسانی کمال کا مدار ہے اور لوگوں کے لئے وہ بمنزلہ فطرت کے ہوگئے ہیں طہارت بھی ایک باب ہے اور اس کی وجہ سے فرشتوں سے قرب اور شیاطین سے بعد حاصل ہوتا ہے اور عذاب قبر بھی اس سے دور ہوجاتا ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے .

وعقلت وكشفت عنها الثمالة ورب انسان ضعيف لا يستطيع ان ينهض ولا ان يباشر شيئاً فاتفقت واقعة تنبه النفس تنبيها قويا من عروض غضب او حمية او منافسة فعالج معالجة شديدة وسفك سفكا بليغا ، وبالجملة فللنفس انتقال دفعي وتنبه من خصلة الى خصلة هو العمدة في المعالجات النفسانية وانما يحصل هذا التنبه بما ركز في صميم طبائعهم وجذر نفوسهم انه طهارة بليغة وما ذلك الا الماء ، والصغرى الاقتصار على غسل الاطراف وذلك لانها مواضع جرت العادة في الاقاليم الصالحة بانكشافها وخروجها من اللباس لمذهب طبيعي اليه وقعت الاشارة حيث نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن اشتمال الصماء فلا يتحقق حرج في غسلها وليس ذلك في سائر الاعضاء ، وايضا جرت العادة في اهل الحضر بتنظيفها كل يوم وعند الدخول على الملوك و اشباههم وعند قصد الاعمال النظيفة وفقه ذلك انها ظاهرة تسرع اليها الاوساخ وهي التي ترى وتبصر عند ملاقاة الناس بعضهم لبعض وايضا التجربة شاهدة بان غسل الاطراف و رش الماء على الوجه والراس ينبه النفس من نحو النوم والغشي المثقل تنبيها قويا ما ليرجع الانسان في ذلك الى ما عنده من التجربة والعلم والى ما امر به الاطباء في تدبير من غشي عليه او افرط به الاسهال والفصد، والطهارة باب من ابواب الارتفاق الثاني الذي يتوقف كمال الانسان عليه وصار من جبلتهم وفيها قرب من الملائكة وبعد من الشياطين وتدفع عذاب القبر وهو قوله صلى الله عليه وآله وسلم

کہ پیشاب سے بچو کیونکہ عام عذابِ قبر اسی سے ہوتا ہے اور طہارت کو اس میں بڑا دخل ہے کہ اسکے ذریعہ سے نفس احسان کا درجہ حاصل کر سکتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اسیطرف اشارہ ہے "پاکیزہ رہنے والوں کو خدا دوست رکھتا ہے" جب طہارت کی کیفیت نفس میں خوب راسخ ہو جاتی ہے تو نور ملکی کا ایک شعبہ اسمیں ٹھیر جاتا ہے اور ذرہ بہیمیت کی تاریکی کا حصہ مغلوب ہو جاتا ہے۔ نیکیوں کے لکھے جانے اور خطاؤں کے دور ہونے کے یہی معنی ہیں۔ اور اگر رسمی طور سے بھی عمل میں لائی جائے تو رسمی بلاؤں میں مفید ثابت ہوتی ہے۔ اور جب کوئی پاک آدمی اسکی ان ہیئتوں کی پابندی کرتا ہے جنکا لوگ سلاطین کے حضور میں لحاظ رکھا کرتے ہیں اور انکے ساتھ ساتھ اذکار اور نیت کی بھی پابندی کرتا ہے تو سوء معرفت سے نجات پاتا ہے اور جب انسان خوب سمجھ جاتا ہے کہ طہارت اسکا کمال ہے تو بغیر کسی داعیہ حسیہ کے اسکے اعضاء عقل کے تابع ہو جاتے ہیں اور سب سے زیادہ نفع کی بات یہ ہوتی ہے کہ طبیعت عقل کی مطیع ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم ٭

استنزهوا من البول فأن عامة عذاب القبر منه ولها مدخل عظيم في قبول النفس لون الاحسان وهو قوله تعالى والله يحب المتطهرين» واذا استقرت في النفس وتمكنت منها تقررت فيها شعبة من نور الملائكة وانقهرت شعبة من ظلمة البهيمية وهو معنى كتابة الحسنات وتكفير الخطايا واذا جعلت رسما نفعت من غوائل الرسوم واذا حافظ صاحبها على ما فيها من هيات يؤاخذ الناس بها انفسهم عند الدخول على الملوك وعلى النية المستصحبة والاذكار نفعت من سوء المعرفة واذا عقل الانسان ان هذه كماله فآداب جوارحه حسبما عقل من غير داعية حسية واكثر من ذلك كانت تمرينا على انقياد الطبيعة للعقل والله اعلم ٭

نواں باب نماز کے اسرار کا بیان

واضح ہو کہ کبھی آدمی حظیرۂ قدس کی سی حالت کو اخذ کر لیتا ہے پس جناب باری سے اسکو نہایت قرب ہو جاتا ہے پھر اس پر وہاں سے مقدس تجلیات کا نزول ہوتا ہے اور یہ شخص اپنے نفس پر غالب اگر ایسی حالت کا مشاہدہ کرتا ہے جس کو زبان نہیں بیان کر سکتی جہاں تھا وہاں کا وہیں آجاتا ہے اور وہ بیقرار ہو جاتا ہے لہٰذا اپنے نفس کو ایسی حالت سے تسکین دیتا ہے جو حالات سفلیہ میں سب سے عمدہ ہے۔ یعنی اپنے پروردگار کی معرفت میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ پس وہ اسی کو پہلی حالت کے حاصل کرنیکا ذریعہ سمجھتا ہے اور یہ حالت خدا کی عظمت اور اپنی عاجزی کے اظہار سے اور اُن افعال و اقوال کے ذریعہ سے جو خدا کی حضور میں مناجات کرنے کیلئے مقرر ہیں ہوا کرتی ہے۔ اسکے بعد اس شخص کا درجہ ہے جو کسی مخبرِ صادق کو اس حالت کیطرف بلاتے اور رغبت دلاتے سنتا ہے پھر دلی شہادت سے اسکی تصدیق کرتا ہے اور اسکے احکام کی تعمیل کرتا ہے اور اسکے تمام وعدوں کو سچا پاتا ہے اور مراد کو پہنچ جاتا ہے۔ اسکے بعد اسکا مرتبہ ہے جسکو انبیاء نے نمازوں پر مجبور کیا لیکن

باب اسرار الصلوٰة

اعلم ان الانسان قد يختطف الى الحظيرة المقدسة فيلتصق بجناب الله تعالى اتم لصوق وينزل عليه من هنالك التجليات المقدسة فتغلب على النفس ويشاهد هنالك ما لا يقدر اللسان على وصفه ثم يرد الى حيث كان فلا يقر به القرار فيعالج نفسه بحالة هى اقرب الحالات السفلية من استغراق النفس فى معرفة بارئها ويتخذها شركا لاقتناص ما فاته منها وتلك الحالة هى التعظيم والخضوع والمناجاة فى ضمن افعال واقوال بنيت لذلك ويتلوه رجل سمع المخبر الصادق يدعوه الى هذه الحالة ويرغب فيها فصدقه بشهادة قلبه ففعل ووجد ما وعد به حقا وارتقى الى ما يرجوه ثم يتلوه رجل الجأه الانبياء الى الصلوات وهو

اسکو نماز کی خوبیوں کا ذاتی علم نہ تھا اسکی مجبوری ایسی ہی تھی جیسے باپ اپنے بیٹے کو مفید صنعتوں کی تعلیم دے اور وہ ان کو پسند نہ کرتا ہو۔ کبھی آدمی خدا تعالے سے مصیبت کے دور ہونے یا کسی نعمت کے ملنے کی درخواست کرتا ہے اسوقت زیادہ مناسب یہی ہوتا ہے کہ وہ تعظیمی افعال واقوال میں ہمہ تن مستغرق ہو جائے تاکہ اسکی ہمت کا جو دعا کی روح ہے کچھ اثر پڑ سکے۔ اور اسیوجہ سے نماز استسقا مسنون ہوئی ہے۔ نماز میں اصلی امور تین ہیں (۱) خدا تعالے کی بزرگی اور جلال دیکھ کر نہایت خشوع اور خضوع کرنا (۲) خدا کی بزرگی اور اپنی عاجزی کو خوش بیانی سے ظاہر کرنا (۳) اس عاجزی کی حالت کے موافق اعضا میں آداب کا استعمال کرنا۔

(شعر) تیری نعمتوں نے مجھ سے تین چیزیں خدمت میں لیں میرے ہاتھ اور زبان اور پوشیدہ دل میں اب ان تینوں سے تیری جناب میں شکر گذاری کرتا ہوں۔

افعال تعظیمی میں سے یہ ہے کہ اسکے روبرو کھڑا ہو کر مناجات کرے اور ہمہ تن اسکی طرف متوجہ ہو۔ اور کھڑے ہونے سے بھی زیادہ تعظیم اسمیں ہے کہ اپنی عاجزی اور خدا کی برتری کا خیال کر کے اسکے سامنے سرنگوں ہو جائے کیونکہ تمام بنی آدم اور بہائم میں یہ فطری امر ہے کہ گردن بلند کرنا تکبر اور خود پسندی کی علامت اور سرنگوں ہونا عاجزی اور تعظیم کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے "انکی گردنیں اسکے سامنے جھک گئیں" اور اس سے بھی زیادہ تعظیم کی بات یہ ہے کہ اپنے چہرے کو جو تمام اعضا میں زیادہ بزرگ اور حواس انسانی کے جمع ہونیکی جگہ ہے اسکے سامنے رکھدے۔ یہی تینوں قسم کی فعلی تعظیمیں تمام لوگوں میں رائج ہیں جنکو اپنی نمازوں میں اپنے سلاطین اور امرا کے درباروں میں عمل میں لاتے ہیں اور سب صورتوں میں نماز کی وہ صورت عمدہ ہے جس میں یہ تینوں امر جمع ہوں اور اسکے ساتھ ہی ادنی تعظیمی حالت سے اعلی کیطرف ترقی ہو تاکہ خشوع اور خضوع میں ترقی ہوتی جائے اور جو فائدہ اس ترقی کی حالت میں ہو سکتا ہے وہ تنہا اعلیٰ درجہ کی تعظیم میں یا اعلیٰ حالت سے ادنیٰ کی طرف منتقل ہونے میں معلوم نہیں ہو سکتا۔ نماز میں اعمال مخصوصہ ہی کو اصل قرار دیا گیا ہے

لا يعلم بمنزلة الوالد يحبس اولاده على تعليم الصناعات النافعة وهم كارهون وربما يسال الانسان من ربه دفع بلاء او ظهور نعمة فيكون اقرب حينئذ الاستغراق فى افعال و اقوال تعظيمية لتؤثر همته التى هى روح السؤال وذلك ما سن من صلاة الاستسقاء واصل الصلوة ثلاثة اشياء ان يخضع القلب عند ملاحظة جلال الله وعظمته ويعبر اللسان عن تلك العظمة وذلك الخضوع افصح عبارة وان يؤدب الجوارح حسب ذلك الخضوع قال القائل «شعر»

افادتكم النعماء منى ثلاثة
يدى ولسانى والضمير المحجبا

ومن الافعال التعظيمية ان يقوم بين يديه مناجيا ويقبل عليه مواجها واشد من ذلك ان يستشعر ذله وعزة ربه فينكس راسه اذ من الامر المجبول فى قاطبة البشر والبهائم ان رفع العنق اية التيه والتكبر وتنكيسه اية الخضوع والاخبات وهو قوله تعالى فظلت اعناقهم لها خاضعين، واشد من ذلك ان يعفر وجهه الذى هو اشرف اعضائه ومجمع حواسه بين يديه فتلك التعظيمات الثلاث الفعلية شائعة فى طوائف البشر لا يزالون يفعلونها فى صلواتهم وعند ملوكهم وامرائهم واحسن الصلوة ما كان جامعا بين الاوضاع الثلاثة مترقيا من الادنى الى الاعلى ليحصل الترقى فى استشعار الخضوع والتذلل وفى الترقى من الفائدة ما ليس فى افراد التعظيم الاقصى ولا فى الانحطاط من الاعلى الى الادنى وانما جعلت الصلوة

عظمت الٰہی میں صرف غور کر لینا یا ہمیشہ خدا کا ذکر کرنا اسمیں اصل نہیں ٹھیرائے گئے اسلئے کہ خدا کی عظمت کا صحیح خیال صرف ہی لوگ کر سکتے ہیں جنکی طبیعتیں اعلیٰ درجہ کی ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں اور ایسے لوگوں کے علاوہ اور عام لوگ اگر غور و خوض کرنے لگیں تو کند ذہن ہو جائیں اور فائدہ کے بجائے اصل مال کو بھی کھو بیٹھیں اور محض ذکر بغیر شرح کے اور بغیر اسکے کہ کوئی عمل تعظیمی بھی اسکے ساتھ لگایا جائے اور جوارح میں آداب کا لحاظ رکھا جائے اکثر لوگوں کے حق میں ایک بیکار درد سری ہے البتہ نماز سو وہ ایسا معجون ہے جسکی ترکیب میں ایک تو فکر ہے جو خدا کی عظمت کیطرف ثانوی ارادہ کے ساتھ پھیرا جاتا ہے - اور دوسری وہ توجہ ہے جو ہر شخص سے تبعاً پیدا ہوتی ہے اور جسکو گرداب شہود میں غوض کرنے کی استعداد حاصل ہو اسکو بھی کوئی مانع نہیں ہے وہ بخوبی اسمیں غور کر سکتا ہے بلکہ نماز اس امر میں اسکی خوب اعانت کرے گی - اور نماز میں وہ دعائیں بھی ہیں جو اخلاص عمل پر اسیطرف متوجہ ہونے پر اور اسی سے مدد مانگنے پر دلالت کرتی ہیں - اور تعظیمی افعال رکوع و سجود بھی ہیں جو ایک دوسرے کے معین مکمل اور تنبیہ کرنے والے ہیں اسلئے نماز ہر خاص و عام کے حق میں نافع اور تریاق قوی الاثر ہو گئی تاکہ ہر انسان اس سے اپنی استعداد کے موافق فائدہ اٹھائے - نماز ایمان والے کیلئے معراج ہے اور اس کو اخروی تجلیات کیلئے تیار کرتی ہے اور آنحضرت علیہ السلام کے اس قول میں اسیطرف اشارہ ہے کہ "تم عنقریب اپنے پروردگار کو دیکھو گے پس تم فجر اور عصر کی نماز سے غافل نہ ہو جایا کرو (ان کو پڑھا کرو)" اور یہ نماز خدا کی محبت اور رحمت کا بڑا سبب ہے اور آنحضرت علیہ السلام کے اس قول میں اسیطرف اشارہ ہے "جنت میں لیجانے کیلئے" کہ میں شفاعت کرکے لے جاؤنگا تو بھی میری اعانت کر کہ اکثر نماز پڑھا کر" اور خدا تعالیٰ کا اہل جہنم کے اس قول کے نقل کرنے میں بھی اسیطرف اشارہ ہے "ولم نک من المصلین" (ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے) اور جب نماز کا شوق مومن کے دل میں جم جاتا ہے تو وہ نور الٰہی میں غرق ہو جاتا ہے اور اسکے گناہ دور ہو جاتے ہیں (نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں) معرفت الٰہی کیلئے کوئی چیز نماز سے زیادہ مفید نہیں ہے بالخصوص جب نماز کے تمام افعال اقوال

اما الاعمال المقربة دون الفكر فی عظمة الله و دون الذكر الدائم لان الفكر الصحيح فيها لا يتأتى الا من قوم عالية نفوسهم وقليل ما هم وسوى اولئك لو خاضوا فيه تبلدوا وابطلوا راس مالهم فضلا عن فائدة اخرى والذكر بدون ان تشرحه ويعضده عمل تعظيمی يعمله بجوارحه ويعنو فی ادابها لقلقة خالية عن الفائدة فی حق الاكثرين اما الصلوة فهی المعجون المركب من الفكر المصروف تلقاء عظمة الله بالقصد الثانی والالتفات التبع المتاتی من كل واحد ولا حجر لصاحب استعداد الخوض فی لجة الشهود ان يخوض بل ذلك منبه له اتم تنبيه ، ومن الادعية المبينة اخلاص عمله لله وتوجيه وجهه تلقاء الله وقصر الاستعانة فی الله ومن افعال تعظيمية كالسجود والركوع يصير كل واحد عضد الاخر ومكمله والمنبه عليه فصارت نافعة لعامة الناس وخاصتهم ترياقا قوی الاثر ليكون لكل انسان منه ما استوجبه اصل استعداده والصلاة معراج المؤمن معدة للتجليات الاخروية وهو قوله صلى الله عليه وسلم انكم سترون ربكم فان استطعتم ان لا تغلبوا على صلاة قبل طلوع الشمس وقبل غروبها فافعلوا وسبب عظيم لمحبة الله ورحمته وهو قوله صلى الله عليه وسلم اعنی على نفسك بكثرة السجود وحكايته تعالى عن اهل النار ولم نك من المصلين واذا تمكنت من العبد اضمحل فی نور الله وكفرت عنه خطاياه، ان الحسنات يذهبن السيئات ولا شیٔ انفع من سوء المعرفة منها لاسيما اذا فعلت افعالها واقوالها على حضور القلب والنية الصالحة واذا جعلت رسما مشهورا

تو بھی رسمی برائیوں سے بچانے میں اسکا بین نفع ہوگا۔ اور مسلمانوں کے لئے ایسی علامت قرار دیجائیگی جو کافر سے تمیز کردیگی چنانچہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اہل اسلام اور کفار کے درمیان نماز کا عہد ہے پس جس نے نماز ترک کردی وہ کافر ہوگیا۔ اور اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ نفس کو عقل کے ماتحت رہنے کا اور اسکے احکام پر چلنے کا عادی بنانے میں نماز کے برابر کوئی چیز نہیں واللہ اعلم ❖

دسواں باب (۴۵): زکوٰۃ کے اسرار کا بیان ❖

واضح ہو کہ جب کسی مسکین کو کوئی حاجت پیش آتی ہے اور وہ زبانِ حال یا قول سے خدا کے حضور میں گریہ وزاری کرتا ہے تو اس کیلئے خدا کی بخشش کا دروازہ کھلتا ہے اور کبھی مصلحت یہ ہوتی ہے کہ کسی نیک بندے کے دل میں یہ الہام ہوتا ہے کہ مسکین کی حاجت روائی کردے۔ پس جب اسپر الہام چھا جاتا ہے اور اسکے موافق عمل کرتا ہے تو اس سے خدا خوش ہوتا ہے اور اوپر سے، نیچے سے، دائیں سے، بائیں سے اسپر برکتیں نازل ہوتی ہیں اور اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ ایک روز ایک مسکین نے اپنی انتہائی حاجت کیوقت مجھ سے سوال کیا تب میں نے اپنے دلمیں الہام کی آہٹ پائی کہ وہ اسکو کچھ دینے کا مجھے حکم کرتا ہے اور وہ دنیا و آخرت میں بڑے اجر کی بشارت دیتا تھا میں نے اس مسکین کی حاجت برآری کرائی اور میں نے اپنے پروردگار کے وعدہ کو سچا دیکھ لیا اس غریب کا جودِ الٰہی کے دروازہ کو کھٹکھٹانا اور اسکو دینے کیلئے مجھ پر اسروز الہام ہونا اور اجر کا ظاہر ہونا یہ سب امور آنکھ کے سامنے محسوس ہوئے اور کبھی کسی موقع پر خرچ کرنا رحمت الٰہی کا باعث ہوتا ہے مثلاً جب ملاء اعلیٰ کی خواہش کسی مذہب کے مشہور اور معزز کرنے کیلئے طے ہوجاتی ہے تو جو اس کی اعانت کے درپے ہوتا ہے اسپر رحمت ہوتی ہے اور اس روز اسکا اس امر میں صرف کرنا غزوۃ العسرت[لہ] کے مانند ہوتا ہے۔ یا مثلاً جب کوئی قوم ایام قحط میں نہایت محتاج ہو اور خدا کو انہیں زندہ رکھنا منظور ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ان وجوہات سے مخبر صادق ایک کلیہ بنا کر یوں فرماتا ہے کہ جو اس طرح کے فقیر کو ایسی ایسی حالت میں کچھ دیگا تو اس کا عمل مقبول ہوگا۔ پس ان امور کو کوئی شخص سنتا ہے

[لہ] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جہاد کا نام ہے جو آپ نے رومیوں کے مقابلہ میں تبوک کی طرف [illegible] ۹ھ

نفعت من غوائل الرسوم نفعا بينا وصارت شعارا للمسلم يتميز به من الكافر وهو قوله صلى الله عليه وسلم العهد الذى بيننا وبينهم الصلوة فمن تركها فقد كفر، ولا شئ فى تمرين النفس على انقياد الطبيعة للعقل وجريانها فى حكمه مثل الصلوة والله اعلم ❖

باب اسرار الزكوٰة

اعلم ان المسكين اذا عنت له حاجة وتضرع الى الله فيها بلسان المقال او الحال قرع تضرعه باب الجود الالهى وربما تكون المصلحة ان يلهم فى قلب زكى ان يقوم بسد خلته فاذا تغشاه الالهام وانبعث وفقه رضى الله عنه وافاض عليه البركات من فوقه ومن تحته وعن يمينه وعن شماله وصار مرحوما، وسألنى مسكين ذات يوم فى حاجة اضطر فيها فوجدت فى قلبى الهاما يامرنى بالاعطاء ويبشرنى باجر جزيل فى الدنيا والآخرة فاعطيت وشاهدت ما وعدنى ربى حقا وكان قرعه لباب الجود وانبعاث الالهام واختياره لقلبى يومئذ وظهور الاجر كل ذلك بمرائ منى وربما كان الانفاق فى مصرف مظنة لرحمة الهية كما اذا انعقدت داعية فى الملأ الاعلى بتنويه ملة فصار كل من يتعرض لتمشية امرها مرحوما وتكون تمشيته يومئذ فى الانفاق كغزوة العسرة وكما اذا كان ايام قحط وتكون امة هى احوج خلق الله ويكون المراد احياءهم وبالجملة فياخذ المخبر الصادق من هذه المظنة كلية فيقول من تصدق على فقير كذا وكذا فى حالة كذا وكذا تقبل منه عمله، فيسمعه

اس پر عمل کرتا ہے اور وعدہ الٰہی کو حق پاتا ہے۔ اور بعض اوقات یہ بھی
ہوتا ہے کہ بعض لوگ مال کی محبت اور حرص زر کو اپنے مقصود اصلی
کے لئے سدِ راہ اور مانع پاتے ہیں اسلئے اس سے انکو تکلیف ہوتی ہے
اس تکلیف کو وہ اسطرح دفع کر سکتے ہیں کہ وہ اس مالِ محبوب اور
زرِ مرغوب کے صرف کرنے پر دل کو عادی کریں اسلئے خرچ کرنا ہی انکے
حق میں سب چیزوں سے زیادہ نافع ہوتا ہے اگر وہ صرف نہ کرے تو
محبت اور بخیلی ویسی کی ویسی ہی اسمیں باقی رہ جائے اور آخرت میں
وہ بخل اور حرص سانپ بن کر نظر آئے یا یہ اموال کسی مضر چیز کی شکل
میں ظاہر ہو کر ایذاء پہنچائیں اور اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ قیامت کے
دن وہ اموال جنکی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی صاحب مال کو روندینگے اور اسکو
اسکے روبرو چٹیل میدان میں لٹا دیا جائیگا۔ اور اس آیت میں بھی اسیطرف
اشارہ ہے "جو لوگ سونا چاندی جمع کرکے رکھتے ہیں اور زکوٰۃ نہیں دیتے تو
اس سے انکی پیشانی، پہلو اور پشت پر داغ لگائے جائینگے"۔ اور کبھی
انسان کو بلا گھیر لیتی ہے اور اسکی ہلاکت کا عالم مثال میں حکم ہوچکتا ہے
اتنے میں وہ عمدہ عمدہ مال صرف کرتا ہے، وہ خود اور اسکے ساتھ اچھے لوگ دعا کرتے
ہیں تو مال کے صرف سے اسکی ہلاکی محو ہوجاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا "قضا کو دعا ہی ہٹا سکتی ہے اور عمر کو سوائے نیکی کے کوئی چیز
نہیں زیادہ کرتی" اور آدمی کبھی طبیعت کے غلبہ سے کوئی برا کام کرلیتا ہے پھر
اسکی برائی معلوم کرکے نہایت شرمندہ ہوتا ہے لیکن طبیعت پھر غالب آجاتی
ہے اور اسی کام کو پھر کرتا ہے ایسے نفس کا علاج یہی ہے کہ اپنے فعل کے تاوان
کیلئے بہت سا مال صرف کرے تاکہ یہ نقصان اسکے پیش نظر رہے اور پھر آئندہ
ایسے قصد سے اسکو باز رکھے۔ اور کبھی حسن خلق اور انتظام خاندانی کا حفظان
اسطرح سے ہوتا ہے کہ خوب کھانا کھلایا جائے، سلام میں تقدیم کیجائے اور
اور طرح طرح کے سلوک کئے جائیں، ان امور کا حکم دیا جاتا ہے اور یہ امور
اسکے لئے صدقہ شمار کئے جاتے ہیں۔ اور زکوٰۃ سے برکت زیادہ ہوتی ہے اس سے
غضب الٰہی بجھ جاتا ہے اور فیضان رحمت ہونے لگتا ہے اور عذاب آخرت
کو جو بخل پر مرتب ہوتا ہے، زکوٰۃ دور کردیتی ہے اور ان ملاء اعلیٰ کی دعا کو جو
زمین میں مصلح اور مدبر ہیں اس بندہ کے حق میں لوٹا
لاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

سامع وينقاد لحكمه بشهادة قلبه فيجد ما وعد
حقا وربما تفطنت النفس بأن حب الاموال و
الشح بها يضره ويصده عما هو بسبيله فيتأذى
منه اشد تأذ ولا يتمكن من دفعه الا بتمرين
على انفاق احب ما عنده فصار الانفاق في حقه
انفع شئ ولولا الانفاق لبقي الحب والشح كما
هو فيتمثل في المعاد شجاعا اقرع او تمثلت الاموال
ضارة في حقه وهو حديث بطح لها بقاع قرقر
وقوله تعالى والذين يكنزون الذهب والفضة
الآية، وربما يكون العبد قد احيط به وقضي
بهلاكه في عالم المثال فاندفع الى بذل اموال
خطيرة وتضرع الى الله هو وناس من المرحومين
فمحا هلاكه بنفسه باهلاك ماله وهو قوله صلى
الله عليه وسلم لا يرد القضاء الا الدعاء ولا يزيد
في العمر الا البر، وربما يفرط من الانسان ان
يعمل عملا شريرا بحكم غلبة الطبيعة ثم يطلع
على قبحه فيندم ثم تغلب عليه الطبيعة فيعود
له فتكون الحكمة في معالجة هذه النفس ان تلزم
بذل مال خطير غرامة على ما فعل ليكون ذلك
بين عينيه فيردعه عما يقصد وربما يكون حسن
الخلق والمحافظة على نظام العشيرة منحصرا في
اطعام طعام وافشاء سلام وانواع من المواساة
فيؤمر بها وتعد صدقة، والزكوة تزيد في
البركة وتطفئ الغضب بجلبها فيضا من الرحمة
وتدفع عذاب الآخرة المترتب على الشح و
تعطف دعوة الملأ الاعلى المصلحين
في الارض على هذا العبد
والله
اعلم

گیارھواں باب (۴۶): روزہ کے اسرار کا بیان

واضح ہو کہ کبھی انسان الہام الٰہی کے ذریعہ یہ بات معلوم کرتا ہو کہ طبیعت بہیمی کا جوش اسکو کمال ذاتی سے باز رکھتا ہے اور وہ کمال قوت ملکیہ کا مطیع ہونا ہے اسلئے وہ بہیمیت کو برا سمجھتا ہے وہ کوشش کرتا ہے کہ اسکے جوش کو مار دے۔ کوئی چیز اسکو اسکے تدارک کیلئے بجز اسکے نہیں ملتی کہ بھوکا پیاسا رہے، مجامعت ترک کردے، اپنی زبان، دل اور اعضاء کو روکے رہے، ان امور سے وہ مرض نفس انسانی کا علاج کرتا ہے۔ اسکے بعد اس شخص کا درجہ ہے جس نے سچی خبر دینے والے سے ان تدابیر کو دلی شہادت سے اخذ کیا ہو۔ اسکے بعد وہ شخص ہے جسکو انبیاء شفقت اور مہربانی سے اس حالت کیطرف لاتے ہیں اور اسکو ان خوبیوں کا ذاتی علم نہیں ہوتا پس اس کسر شہوت کا فائدہ وہ آخرت میں پائیگا۔ اور کبھی انسان کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ طبیعت کا مطیع عقل ہونا کمال ہے اور اس کی طبیعت باغی ہے کبھی اطاعت کرتی ہے اور کبھی نہیں کرتی تو لامحالہ محنت کی ضرورت پڑتی ہے اسلئے محنت کے کام روزہ جیسے اختیار کرنے پڑتے ہیں وہ اپنی طبیعت کو ایسے کاموں پر مجبور کرتا ہے اور اطاعت کے عہد کو طبیعت سے پورا کرتا ہے۔ وہ اسطرح انہیں امور کے اہتمام میں رہتا ہے حتی کہ اسکا مقصود اصلی حاصل ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی کسی شخص سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وہ مدتوں تک روزے رکھے چلا جاتا ہے جنمیں بہ نسبت گناہ کے زیادہ محنت ہوتی ہے تاکہ دوبارہ اس سے ایسا کام نہ ہو۔ اور نیز کبھی دلمیں عورتوں کی رغبت پیدا ہوتی ہے لیکن نکاح کرنے کی قدرت نہیں ہوتی اسلئے زنا کے خوف سے وہ اپنی رغبت کو روزہ سے مار دیتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جس شخص کو شادی کرنیکی طاقت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ شہوت کے زور کو ختم کر دیتا ہے"۔ اور روزہ ایک بڑی نیکی ہے اس سے ملکی قوت بڑھتی ہے اور بہیمی طاقت کمزور ہو جاتی ہے روح کی صفائی اور طبیعت کے دبانے کیلئے روزہ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ اسلئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے "روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اسکی جزا دونگا"۔ روزہ سے بہیمیت کا جوش جسقدر کمزور ہوتا ہے اسیقدر گناہ دور ہوتے ہیں اور اس سے انسان کو فرشتوں کی حالت کے ساتھ مشابہت

باب أسرار الصوم

اعلم انه ربما يتفطن الانسان من قبل الهام الحق اياه ان سورة الطبيعة البهيمية تصده عما هو كماله من انقيادها للملكية فيبغضها ويطلب كسر سورتها فلا يجد ما يغيثه فى ذلك كالجوع والعطش وترك الجماع والاخذ على لسانه وقلبه وجوارحه ويتمسك بذلك علاجا لمرضه النفساني ويتلوه من يأخذ ذلك عن المخبر الصادق بشهادة قلبه، ثم الذى يقوده الانبياء شفقة عليه وهو لا يعلم فيجد فائدة ذلك فى المعاد من انكسار السورة وربما يطلع الانسان على ان انقياد الطبيعة للعقل كمال له وتكون طبيعته باغية تنقاد تارة ولا تنقاد اخرى فيحتاج الى تمرين فيعمد الى عمل شاق كالصوم فيكلف طبيعته ويلتزم وفاء العهد ثم وثم حتى يحصل الامر المطلوب وربما يفرط منه ذنب فيلتزم صوما ايامًا كثيرة يشق عليه بازاء الذنب ليردعه عن العود فى مثله وربما تاقت نفسه الى النساء ولا يجد طولا ويخاف العنت فيكسر شهوته بالصوم وهو قوله صلى الله عليه وسلم فان الصوم له وجاء والصوم حسنة عظيمة يقوى الملكية ويضعف البهيمية ولا شئ مثله فى صيقلة وجه الروح وقهر الطبيعة ولذلك قال الله تعالى الصوم لى وانا اجزى به، ويكفر الخطايا بقدر ما اضمحل من سورة البهيمية ويحصل به تشبه عظيم بالملائكة فيحبونه فيكون متعلق الحب اثر ضعف البهيمية وهو قوله صلى الله عليه وسلم لخلوف فم الصائم اطيب عند الله من ريح المسك

اگر روزہ رسمی طور پر ہو، تاہم رسمی امور کے لحاظ سے مفید ہے۔ جب کوئی امت اسکی پابندی کرتی ہے تو ان کے شیاطین زنجیروں میں جکڑے جاتے ہیں، ان کے لئے جنت کے دروازے کھلجاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اور جب کوئی انسان نفس کو مغلوب کرنیکی اور اسکی برائی دور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو عالم مثال میں اسکے عمل کی ایک مقدس صورت پیدا ہو جاتی ہے اور بعض ازکیاء عارفین اس صورت کیطرف متوجہ ہوتے ہیں تو عالم غیب سے انکو علمی مدد ملتی ہے اور تنزیہ و تقدیس کے ذریعہ سے ذات باریتعالیٰ سے اس شخص کو قرب حاصل ہوجاتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے یہی معنی ہیں " روزہ میرا ہے اور میں ہی اسکی جزا ہوں" بسا اوقات انسان کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ امور معاش میں مصروف ہونا اور خارجی باتوں سے خواہش کا پُر ہونا اس کے لئے مضر ہے۔ اور ایک مسجد میں جو عبادت کیلئے ہی ہے یکسو ہو کر عبادت کرنا بہتر اور نافع ہے۔ اور ہمیشہ کیلئے تو علیحدگی نہیں ہو سکتی لیکن اگر تمام کا تمام نہ ہو سکے تو بالکل ترک بھی نہ کرنا چاہئے اسلئے اپنے اوقات میں کسیقدر فرصت نکال کر جتنا میسر ہے اعتکاف میں وقت گذارتا ہے۔ اسکے بعد اس شخص کی حالت ہے جس نے دل شہادت سے مخبر صادق کے ذریعہ سے اعتکاف کی خوبی کو قبول کر لیا ہو۔ اسکے بعد وہ شخص ہے جسکو زبردستی اعتکاف کیطرف بلایا جاتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص روزہ تو رکھتا ہے لیکن زبان کو بغیر اعتکاف کے پاک وصاف نہیں رکھ سکتا۔ کبھی لیلۃ القدر اور اسمیں فرشتوں کی ملاقات کا طالب ہوتا ہے یہ بھی بغیر اعتکاف کے میسر نہیں ہو سکتا۔ لیلۃ القدر کے معنی آپ کو عنقریب معلوم ہوں گے واللہ اعلم ؛

بارھواں باب (۴۷): حج کے اسرار کا بیان

واضح ہو کہ حج کی حقیقت یہ ہے کہ صالحین کی ایک بڑی جماعت ایک وقت خاص میں جمع ہو کر انبیاء اور صدیقین شہداء اور صالحین کے حالات کو جنپر خدا نے اپنا انعام کیا ہے یاد کرے اور ایسی جگہ میں جمع ہوں جہاں خدا کی ظاہر نشانیاں موجود ہوں۔ ائمۃ دین کی بڑی بڑی جماعتیں حج کیلئے گئی ہیں جنکا مقصود خدا کے شعائر کی تعظیم، خاکساری اور رغبت خدا سے گناہوں کی معافی اور خیر کی امید تھی جب اس کیفیت سے لوگوں کی ہمتیں جمع ہوتی ہیں تو لازمی طور پر خدا کی

واذا جعل رسما مشهورا نفع عن غوائل الرسوم واذا التزمته امة من الامم سلسلت شياطينها وفتحت ابواب جنانها وغلقت ابواب النيران عنها والانسان اذا سعى فى قهر النفس وازالة رذائلها كانت لعمله صورة تقديسية فى المثال ومن ازكياء العارفين من يتوجه الى هذه الصورة فيمد من الغيب فى علمه فيصل الى الذات من قبل التنزيه والتقديس وهو معنى قوله صلى الله عليه وسلم الصوم لى وانا اجزى به وربما يتفطن الانسان بضرر توغله فى معاشه وامتلاء حواسه مما يدخل عليه من خارج وينفع التفرغ للعبادة فى مسجد بنى للصلوات فلا يمكنه ادامة ذلك وما لا يدرك كله فيختطف من احواله فرصا فيعتكف ما قدر له ويتلوه المتلقى له من المخبر الصادق بشهادة قلبه والعامى المغلوب عليه كما مر وربما يصوم ولا يستطيع تنزيه لسانه الا بالاعتكاف وربما يطلب ليلة القدر واللصوق بالملائكة فيها فلا يتمكن منها الا بالاعتكاف وسياتيك معنى ليلة القدر والله اعلم ؛

باب اسرار الحج

اعلم ان حقيقة الحج اجتماع جماعة عظيمة من الصالحين فى زمان يذكر حال المنعم عليهم من الانبياء والصديقين والشهداء والصالحين ومكان فيه ايات بينات قد قصده جماعات من أئمة الدين معظمين لشعائر الله متضرعين راغبين وراجين من الله الخير وتكفير الخطايا فان الهمم اذا اجتمعت بهذه الكيفية لا يتخلف عنها نزول الرحمة والمغفرة وهو قوله صلى الله

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ شیطان جیسا کہ عرفہ کے روز نہایت ذلیل، صغیر اور حقیر اور غصہ میں نظر آتا ہے ایسا کسی روز نظر نہیں آتا۔ حج کی اصل ہر قوم میں موجود ہے کیونکہ ہر قوم کیلئے ایک ایسی جگہ ضرور ہوتی ہے جس میں خدا کی آیات ظاہر و دیکھ کر لوگ اسکو متبرک سمجھتے ہیں اور ہر اسے میں نذر و قربانی اور ایک ہیئت خاص بھی ہے جو ان کے بزرگوں سے چلی آتی ہے اور وہ اسکا التزام کرتے ہیں کیونکہ یہ ہیئت (احرام و تلبیہ و ہدی وغیرہ) مقربین کو ان کا وہ کام جسمیں وہ لگے ہوئے ہیں ہر قسمت یاد دلاتی رہتی ہے اور بیت اللہ ہی حج کرنے کے قابل ہے، اسمیں آیات بینات ہیں اسکو خدا کے حکم اور وحی سے صاف اور پاک زمین میں حضرت ابراہیم نے بنایا ہے اسکی مدح اکثر اقوام کی زبان پر چلی آتی ہے کیونکہ سوائے اس جگہ کے اور کوئی ایسی جگہ جہاں لوگ جاتے ہیں شرک سے یا بے اصل من گھڑت چیزوں سے خالی نہیں۔ طہارتِ نفسانی میں سے یہ بھی ہے کہ ایسی جگہ رہنا اور ٹھیرنا اختیار کیا جائے جسکی صلحا ہمیشہ تعظیم کرتے رہے ہوں ذکر الہی سے اسکو معمور رکھا ہو کیونکہ اس مقام پر ملائکہ ارضیہ کی توجہات ہوتی ہیں اور اہل خیر کے حق میں ملاء اعلی کی دعا نازل ہوتی رہتی ہے پس جب کوئی شخص اس جگہ میں ٹھیرتا ہے تو انکے رنگ اس پر غالب آجاتے ہیں اور میں نے اس کا بارہا مشاہدہ کیا ہے۔ اور ذکر الہی کے قسم میں خدا کے نشانات کا دیکھنا اور ان کی تعظیم کرنا بھی داخل ہے۔ پس ان چیزوں کے دیکھنے سے خدا اسطرح یاد آتا ہے جیسے ملزوم کے دیکھنے سے کوئی لازم چیز یاد آتی ہے بالخصوص ایسے وقت پر جبکہ تعظیمی حالتوں اور ان حدود کی پابندی کی جائے جن سے نفس کو کمال درجہ تنبیہ حاصل ہوتی ہے۔ اور کبھی انسان کو اپنے پروردگار کے دیدار کا شوق ہوتا ہے پس اس شوق کو پورا کرنے والی حج کے سوا اور کوئی چیز نہیں جس طرح پر ہر سلطنت کو ایک مدت کے بعد دربار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ سرکش اور فرماں بردار میں تمیز ہو، بادشاہت کی شہرت اور سلطنت کا بول بالا ہو اور اسکو ہر شخص جان جائے ایسے ہی مذہب کو حج کی ضرورت ہے تاکہ موافق اور مخالف میں تمیز ہو جائے

علیه وسلم ما رؤی الشیطان یوما هو فیه اصغر ولا ادحر ولا احقر ولا اغیظ منه فی یوم عرفة الحدیث واصل الحج موجود فی کل امة لابد لهم من موضع یتبرکون به لما رأوا من ظهور آیات الله فیه ومن قرابین وهیات ماثورة عن اسلافهم یلتزمونها لانها تذکر المقربین وما کانوا فیه، واحق ما یحج الیه بیت الله فیه آیات بینات بناه ابراهیم صلوات الله علیه المشهود له بالخیر علی السنة اکثر الامم بامر الله ووحیه بعد ان کانت الارض قفرا وعراً اذ لیس غیره محجوج الا وفیه اشراك او اختراع ما لا اصل له، ومن باب الطهارة النفسانیة الحلول بموضع لم یزل الصالحون یعظمونه ویحلون فیه ویعمرونه بذکر الله فان ذلك یجلب تعلق همم الملائکة السفلیة ویعطف علیه دعوة الملأ الاعلی الکلیة لاهل الخیر فاذا حل به غلب الوانهم علی نفسه وقد شاهدت ذلك رأی عین، ومن باب ذکر الله تعالی رؤیة شعائر الله وتعظیمها فانها اذا رؤیت ذکر الله کما یذکر الملزوم اللازم لاسیما عند التزام هیات تعظیمیة وقیود وحدود تنبه النفس تنبیها عظیما وربما یشتاق الانسان الی ربه اشد شوق فیحتاج الی شئ یقضی به شوقه فلا یجده الا الحج وکما ان الدولة تحتاج الی عرضة بعد کل مدة لیتمیز الناصح من الغاش والمنقاد من المتمرد ولیرتفع الصیت وتعلو الکلمة ویتعارف اهلها فیما بینهم فکذلك الملة تحتاج الی حج لیتمیز الموفق من المنافق و

اور دین الٰہی میں لوگوں کا گروہ گروہ ہو کر داخل ہونا عیاں ہو جائے۔ اور تاکہ ایک دوسرے سے مل کر ان فوائد کو حاصل کرے جو اسکو حاصل نہیں ہیں اسلئے کہ باہمی مقاصد ایک دوسرے کے ملنے ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور رسمی حج بھی بہت سے رسمی فوائد کا اضافہ کرتا ہے ائمۂ دین کی حالت یاد کرنے اور اسکے پابند ہونے میں حج سے زیادہ کوئی چیز مفید نہیں ہے۔ اور چونکہ حج میں دور دراز سفر کرنا پڑتا ہے وہ نہایت دشوار عمل ہے جو بغیر مشقت کے پورا نہیں ہوتا ہے اسلئے اسکا ادا کرنا خالص اللہ کی عبادت ہے جس سے خطائیں معاف ہوتی ہیں وہ پچھلے گناہوں کو ایسا دور کرتا ہے جیسا کہ ایمان ٭

تیرہواں باب (۴۸)

اقسامِ نیکی کے اسرار کا بیان

نیکی کے اقسام میں سے ذکر الٰہی ہے کیونکہ ذکر الٰہی اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے سو معرفت کی اصلاح کیلئے اور خدا کی حضوری حاصل کرنے کے لئے اور دل کی قساوت دور کرنے کیلئے کوئی چیز ذکر سے زیادہ مفید نہیں ہے چنانچہ اس حدیث میں اسیطرف اشارہ ہے "کیا تم کو سب اعمال میں افضل عمل نہ بتاؤں؟ الحدیث" خصوصاً اس شخص کے لئے جسکی قوتِ بہیمی فطری طور پر یا عملاً ضعیف ہوتی ہے یا اس شخص کیلئے بھی جو فطرتاً اپنے خیال میں محسوس چیزوں کے احکام مجرد میں خلط ملط کر دیتا ہے۔ اور انہیں اقسام میں سے دعا بھی ہے کیونکہ اس سے حضوری کا بڑا دروازہ کھلتا ہے اور نہایت درجہ اطاعت اور پروردگار عالم کیطرف احتیاج کو داعی کے سامنے کر دیتی ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں اسیطرف اشارہ ہے کہ "دعا عبادت کا مغز ہے"۔ یہ دعا مبدا کیجانب متوجہ ہونیکی ظاہری صورت ہے جو درخواست کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور اس چیز کے حاصل ہونیکی جس کیلئے دعا مانگی گئی ہے روح ہے۔ نیز بڑی نیکی تلاوتِ قرآن اور اسکی نصائح کا سُننا ہے جو شخص توجہ سے اسکو سنیگا اور اسکو دل میں جگہ دیگا تو بیم و امید کی حالتیں خدا کی عظمت میں حیرانی اسکے احسانات میں استغراق کے اثرات پیدا ہو جائینگے اور طبیعت کی پژمردگی سے نہایت درجہ نفع محسوس کریگا اور عالم بالا کے

لیظهر دخول الناس فی دین الله افواجا ولیری بعضهم بعضا فیستفید کل واحد ما لیس عنده اذ الرغائب انما تکتسب بالمصاحبة والترائی، واذا جعل الحج رسما مشهورا نفع عن غوائل الرسوم ولا شئ مثله فی تذکر الحالة التی کان فیها أئمة الملة والتحضیض علی الاخذ بها، ولما کان الحج سفرا شاسعا و عملا شاقا لا یتم الا بجهد الانفس کان مباشرته خالصا لله مکفرا للخطایا هادما لما قبله بمنزلة الایمان ٭

باب اسرار انواع من البرّ

منها الذکر فانه لا حجاب بینه و بین الله تعالیٰ ولا شئ مثله فی علاج سوء المعرفة و هو قوله صلی الله علیه وسلم الا انبئکم بافضل أعمالکم الحدیث وفی کسب المحاضرة وطرد القسوة لا سیما لمن ضعفت بهیمیته جبلة او ضعفت کسبا و لمن سکت خیاله جبلة عن خلط المجرد باحکام المحسوس، ومنها الدعاء فانه یفتح بابا عظیما من المحاضرة و یجعل الانقیاد التام والاحتیاج الی رب العالمین فی جمیع الحالات بین عینیه وهو قوله صلی الله علیه وسلم الدعاء مخ العبادة و هو شبح توجه النفس الی المبدأ بصفة الطلب لدی هو السر فی جلب الشئ المدعو الیه، ومنها تلاوة القرآن واستماع المواعظ فمن القی السمع الی ذلک و مکنه من نفسه انصبغ بحالات الخوف و الرجاء والحیرة فی عظمة الله والاستغراق فی منة الله و غیرها فینفع من خمود الطبیعة نفعا بینا و یعد النفس لفیضان الوان ما فوقها و لذلک کان

اوراسی لئے آخرت میں وہ نہایت نافع ہے اور ملائکۂ قبر کے اس قول سے یہی مراد ہے" تونے نہ حق کو جانا' نہ قرآن کی تلاوت کی" ۔ قرآن کی تلاوت سے نفس کو سفلی کیفیتوں سے پاکی حاصل ہوتی ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے" ہر چیز کیلئے ایک خاص صیقل ہوتی ہے اور دل کی صیقل قرآن کا تلاوت کرنا ہے"۔ اور نیز نیکیوں میں سے قرابت والوں اور ہمسایوں کے حقوق ادا کرنا ہے ۔ اہل شہر اور اہل مذہب کے ساتھ سلوک سے پیش آتا ہے اور غلاموں کو آزادی دینا ہے' ان امور سے رحمت اور اطمینان نازل ہوتا ہے' تدابیر دوم اور سوم کے انتظامات ان سے تکمیل ہوتے ہیں اور ان ہی امور کیوجہ سے فرشتوں کی نیک دعا لگتی ہے ۔ نیز نیکیوں میں سے جہاد ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالٰے کسی برے آدمی سے جسکا نہ ہونا مصلحت کلیہ کے موافق ہے اور وہ جمہور کو ضرر پہنچاتا ہے' ناراض ہوکر کسی نیک آدمی کے دل میں اسکے قتل کرنیکا الہام کرتا ہے اسکی طبیعت سے محض خدا کیلئے بغیر کسی سبب طبعی کے غصہ پیدا ہوتا ہے وہ اپنے تمام ذاتی امور سے اس کام کیلئے علیحدہ ہوکر خدا کی مرضی میں ہمہ تن مصروف ہوکر خدا کی رحمت اور نور میں غرق ہوجاتا ہے اور اور اس موذی کو قتل کرکے تمام آدمیوں اور شہروں کو نفع پہنچاتا ہے اسی کے قریب یہ حالت بھی ہے کہ خدا تعالٰی کو کسی ایسی قوم کا برباد کرنا منظور ہوتا ہے جو ظالم' خدا کی منکر اور نہایت بدکار ہوتی ہے اسلئے کسی نبی کو جہاد کرنے کا حکم دیاجاتا ہے' اسکی قوم کے دل میں جہاد کی خواہش پیدا کیجاتی ہے تاکہ سب قوموں میں اچھی قوم ہوجائے اور ان پر رحمت الٰہی ہو۔ اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ رائے کلی سے کسی قوم کو معلوم ہوتا ہے کہ مظلوموں کو درندہ خصلت لوگوں سے بچایا جائے اور نافرمانوں کو سزا دیجائے اور بری باتوں سے منع کیا جائے' ان کوششوں سے لوگوں میں امن و اطمینان پیدا ہوجاتا ہے اور خدا اس قوم کو اس خدمت کا بدلہ دیتا ہے ۔ اور انہی میں سے تقریبات ہیں جو بلاقصد پیش آجاتے ہیں جیسے مصائب اور امراض' پس یہ امور چند وجوہ سے نیکی میں شمار ہوتے ہیں انمیں سے ایک وجہ یہ ہے کہ جب رحمت الٰہی انسان کی اصلاحِ عمل چاہتی ہے اور اسباب عالم کا مقتضٰی ہوتا ہے کہ اسکی حالت تنگ ہوجائے تو وہی رحمت اسکے تکمیل نفس کی باعث ہوکر اسکی خطاؤں کو مٹاتی ہے اور اسکے لئے حسنات لکھے ۔ ایسے ہیں جیسے کہ جب پانی کے جاری ہونیکا راستہ بند کردیا جاتا ہے اور پانی اسکے اوپر اور نیچے سے بہنے لگتا ہے تو یہ بہنا اس تنگی کیطرف منسوب کیا جاتا ہے اور سر اسمیں خیرنیبی پر محافظت رکھنا ہے""

انفع شئ فی المعاد وهو قول الملك للمقبور" لادريت ولاتليت" وفی القرآن تطهير للنفس عن الهيأت السفلية وهو قوله صلى الله عليه وسلم لكل شئ مصقلة ومصقلة القلب تلاوة القرآن' ومنها صلة الارحام والجيران وحسن المعاشرة مع اهل القرية واهل الملة وفك العانی بالاعتاق فان ذلك يعد لنزول الرحمة والطمانينة وبها يتم نظام الارتفاق الثانی والثالث وبها يستجلب دعوة الملائكة ومنها الجهاد وذلك ان يلعن الحق انسانا فاسقا ضارا بالجمهور اهدامه اوفق بالمصلحة الكلية من ابقائه فيظهر الالهام فی قلب رجل زكی ليقتله فينبجس من قلبه غضب ليس له سبب طبيعی ويكون فانيا عن مراده باقيا بمراد الحق ويضمحل فی رحمة الله ونوره وينتفع العباد والبلاد بذلك ويتلوه ان يقضی الله بزوال دولة من جائرة كفروا بالله واساؤا السيرة فيؤمر نبی من انبياء الله تعالى بمجاهدتهم فينفخ داعية الجهاد فی قلوب قومه ليكون امة اخرجت للناس وتشمله الرحمة الالهية ويتلوه ان يطلع قوم بالرای الكلی على حسن ان يذبوا انفسا سبعية عن المظلومين فا اقامة الحدود على العصاة والنهی عن المنكر فيكون سببا لامن العباد وطمانينتهم فيشكر الله له عمله ومنها تقريبات ترد على البشر من غير اختيار كالمصائب والامراض فتعد من باب البر لمعان، ومنها ان الرحمة اذا توجهت الى عبد بصلاح عمله واقتضت الاسباب التضييق عليه انصرفت الى تكميل نفسه فكفرت خطاياه وكتبت له الحسنات كما اذا صد مجری الماء نبع الماء من فوقه ومن تحته فينسب الاجراء الى ذلك التضييق والسر فيه المحافظة على

اوران امور میں کبھی اسوجہ سے نیکی آجاتی ہے کہ جب مومن پر ایسی مصیبتیں پڑتی ہیں کہ زمین بھی اسپر تنگ ہوجاتی ہے تو اسوقت میں طبیعت اور رسم کا حجاب اٹھ جاتا ہے اور اسکا دل خدا کے سواسب سے ہٹ جاتا ہے لیکن کافر اپنی گم شدہ چیز کو ہمیشہ یاد کرتا رہتا ہے اور اسی زندگی میں ڈوبا رہتا ہے حتیٰ کہ یہ مصیبت پڑنے سے اور بھی خبیث تر ہوجاتا ہے۔ اور کبھی وہ سختیاں نیکی کا باعث اسلئے ہوتی ہیں کہ تمام روکنے والی برائیاں غلیظ اور کثیف قوت بہیمی میں جمع ہوتی ہیں پس جب یہ شخص بیمار ہوتا ہے اور کمزور ہوجاتا ہے اور جتنا کہ بدن کو پہنچتا ہے اس سے زیادہ مادہ تحلیل ہوجاتا ہے تو برائیوں کی قوتِ حاملہ بھی تحلیل ہوجاتی ہے اور بقدر قوت حاملہ کی تحلیل کے گناہ بھی کم ہوجاتے ہیں جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ مریض کی خواہش نفسانی غصہ وغیرہ سب دور ہوجاتے ہیں اسکے اخلاق بدل جاتے ہیں اور وہ پچھلے امور کو ایسا بھول جاتا ہے کہ گویا اسمیں وہ موجود ہی نہ تھے اور ایک صورت یہ ہے کہ جب مسلمان کی قوتِ بہیمی اسکی قوتِ ملکی سے آزاد ہوتی ہے تو دنیا ہی میں اسکے اکثر گناہوں پر مواخذہ ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ دنیا کی مصیبت مومن کے لئے عذاب ہے۔ واللہ اعلم ؛

چودھواں باب (۴۹) مراتب گناہ کا بیان

واضح ہو کہ جسطرح بہت سے عمل ہیں جو اطاعت کا جسم ہیں اور بہت سے طریقہ ہیں جن سے اطاعت حاصل ہوتی ہے جن سے قوتِ بہیمی کا قوتِ ملکی کے تابع ہونا معلوم ہوجاتا ہے۔ اسیطرح ایسے بھی اعمال مواقع اور طریقے ہیں جن سے نافرمانی کی حالت معلوم ہوتی ہے انہی امور کو گناہ کہتے ہیں ان گناہوں کے مختلف مرتبے ہیں (۱) وہ گناہ ہیں جو انسانی کمال اور ترقی کا راستہ بالکل مسدود کردیں ایسے بڑے گناہ دو قسم کے ہیں۔ اول قسم خدا تعالیٰ سے متعلق ہے وہ یہ کہ اپنے رب کو ہی نہ پہچانتا ہو یا اسکا علم تو رکھتا ہو لیکن مخلوقین کے اوصاف اسمیں ثابت کرتا ہو یا خدا کی صفات مخلوقین میں ثابت کرتا ہو۔ دوسری صورت تشبیہ کی ہے اور تیسری شرک کی کیونکہ نفس اسوقت مقدس ہوتا ہے جب تجرد فوقانی کا اور تدبیر عام کا جو تمام عالم کو محیط ہو رہی ہے بصیرت کی آنکھ سے مطالعہ کرتا رہے جب اس قسم کا غور ضائع کردیگا تو نفس اپنی ہی حالت میں مشغول رہیگا یا اپنی ہی جیسی حالت

الخير النسبى ومنها ان المؤمن اذا اشتدت به المصائب ضاقت عليه الارض بما رحبت فانكسر حجاب الطبع والرسم وانقلع قلبه الا عن الله اما الكافر فلا يزال يتذكر الفائت ويغوص فى الحياة الدنيا حتى يصير اخبث منه قبل ان يصيبه ما اصاب، ومنها ان حامل السيأت المتحجرة انما هو البهيمية الغليظة الكثيفة فاذا مرض وضعف وتحلل منه اكثر مما يدخل فيه اضمحل كثير من الحامل وانتقص بقدر ذلك المحمول كما نرى ان المريض يزول شبقه وغضبه وتبدل اخلاقه وينسى كثيرا مما كان فيه كانه ليس الذى كان، ومنها ان المؤمن الذى انفكت بهميته عن ملكيته نوع انفكاك اخذ على سيأته فى الدنيا غالبا وذلك حديث، نصيب المؤمن من العذاب نصب الدنيا - والله اعلم ؛

باب طبقات الاثم

اعلم انه كما ان لانقياد البهيمية للملكية اعمالا هى اشباحه ومظانه والسنن الكاسبة له فكذلك للحالة المضادة للانقياد كل المضادة اعمال ومظان وكواسب وهى الاثام وهى على المرتبة الاولى ان ينسد سبيله الى الكمال المطلوب راسا ومعظم ذلك فى نوعين، احدهما ما يرجع الى المبدأ بان لا يعرف ان له ربا او يعرفه متصفا بصفات المخلوقين او يعتقد فى مخلوق شيئا من صفات الله، فالثانى التشبيه، والثالث الاشراك فان النفس لا تتقدس ابدا حتى تجعل مطمح بصيرتها التجرد الفوقانى والتدبير العام المحيط بالعالم فاذا فقدت هذه بقيت مشغولة بنفسها او بما هو

میں مقید رہیگا اور بیگانگی کا پردہ ذرا سا بھی نہ ہٹا سکے گا پس یہ سب سے بڑی بلا ہے۔ اور دوسری قسم بڑے گناہ کی اس امر کا اعتقاد کرنا ہے کہ بجز اس بدنی زندگی کے اور کوئی زندگی نہیں ہے اور بدن کیلئے اور کوئی کمال دوسرا نہیں ہے جس کا طلب کرنا اسکے لئے ضروری ہو۔ پس جب دل میں یہ برا اعتقاد قائم ہوگا تو کمال کیطرف نظر نہ کریگا اور جب کہ اس بات کا ثبوت کہ نفس کیلئے کمال جسمانی کے علاوہ اور بھی کمال ہے عام لوگوں کیلئے بغیر اسکے ممکن نہ تھا کہ وہ ایک ایسی حالت کا تصور کریں جو حالت موجودہ کے بالکل مخالف ہو کیونکہ اگر ایسی حالت کا تصور نہ کیا جائے گا تو انسان معقول کو چھوڑ کر محسوس ہی میں مشغول ہو جائیگا پس اسلئے ایک یاد دلانے والی چیز مقرر کی گئی اور وہ اللہ تعالے کے سامنے حاضر ہونے اور اور روز قیامت کے آنے پر ایمان لانا ہے چنانچہ اس آیت میں یہی مراد ہے "جو لوگ آخرت کا یقین نہیں کرتے انکے دل منکر ہیں اور وہ متکبر ہیں" حاصل کلام یہ ہے کہ جب انسان اس درجہ کے گناہ میں رہ کر مرجاتا ہے اور اسکی قوت بہیمی مضمحل ہو جاتی ہے تو نہایت درجہ کی نفرت آسمانی جانب سے اسکو لپٹتی ہے جس سے وہ کبھی چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ اور دوسرا مرتبہ گناہ کا یہ ہے کہ قوت بہیمی کے غرور سے آدمی ان فضائل سے تکبر کرتا ہے جو خدا تعالے نے لوگوں کیلئے اپنے کمالات تک پہنچنے کیلئے قرار دئے ہیں اور ملاء اعلے نہایت اہتمام سے پیغمبروں اور شریعتوں کے ذریعہ سے انکے شائع کرنے اور انکی شان بلند کرنے کا قصد کرتے ہیں لیکن ایسا شخص ان امور کا انکار کرکے ان سے دشمنی کرتا ہے اور جب یہ مرجاتا ہے تو ملاء اعلی کی تمام ہمتیں اس سے نفرت کرتی ہیں اور اسکو عذاب دینے کیطرف مائل ہوتی ہیں اور اسکے گناہ اسکو اسطرح گھیر لیتے ہیں کہ پھر اسکو نکلنے کا موقع نہیں ملتا اور چونکہ وہ اپنے کمال کو نہیں پہنچتا اور اگر پہنچتا بھی ہے تو وہ پہنچنا قابل لحاظ نہیں ہوتا اسواسطے یہ حالت اس سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ یہ مرتبہ آدمی کو تمام مذہبوں میں اپنے نبی کے طریقہ سے باہر کر دیتا ہے۔ اور تیسرا مرتبہ گناہ کا یہ ہے کہ آدمی نجات کے کاموں کو ترک کر دے اور ایسے ایسے کام کرے جنکے کرنے والے پر لعنت مقرر ہے یا تو ان کاموں کی وجہ سے زمین میں کسی بڑے فساد کا گمان غالب ہوتا ہے یا اسکی صورت تہذیب نفس کے بالکل خلاف ہوتی ہے اسکی چند صورتیں ہیں یا وہ شریعت کے ان احکام کی تعمیل نہ کرے جن سے فرماں برداری حاصل ہوتی ہے یا فرماں برداری کی کچھ نہ کچھ اس میں آمادگی پیدا ہوتی ہے

مثل نفسها فى التقيد، كل الشغل لايقدح حجاب النكرة ولاموضع ابرة فهذا هو البلاء كل البلاء والثانى ان يعتقد ان ليس للنفس نشأة غير النشأة الجسدية وانه ليس لها كمال آخر يجب عليها طلبه فان النفس اذا اضمرت ذلك لم يطمح بصرها الى الكمال اصلا، ولما كان القول باثبات كمال غير كمال الجسد لايتأتى من الجمهور الا بتصور حالة تباين الحالة الحاضرة من كل وجه ولولا ذلك لتعارض الكمال المعقول والمحسوس فمال الى المحسوس واهمل المعقول نصب له مظنة هو الايمان بلقاء الله واليوم الآخر وهو قوله تعالى فالذين لايؤمنون بالآخرة قلوبهم منكرة وهم مستكبرون - و بالجملة فاذا كان الانسان فى هذه المرتبة من الاثم فمات واضمحلت بهيميته وشحت عليه المنافرة من فوقه كل المنافرة بحيث لايجد سبيلا الى الخلاص ابدا - والمرتبة الثانية ان يتكبر بكبره البهيمى على ما نصبه الله تعالى لوصول الناس الى كمالهم وقصدت الملأ الأعلى باقصى همها اشاعة امره وتنويه شانه من الرسل والشرائع فينكرها ويعاديها فاذا مات انعطف جميع هممهم منافرة له ومؤذية اياه واحاطت به خطيئته من حيث لم يجد للخروج منه سبيلا على انه لاتنفك هذه الحالة من عدم الوصول الى كماله او الوصول لذي لايعتد به وهذه المرتبة تخرج الانسان من ملة نبيه فى جميع الشرائع والمرتبة الثالثة ترك ما ينجيه و فعل ما انعقد فى الذكر اللعن على فاعله من جهة كونه مظنة غالبا لفساد كبير فى الارض و هيئة مضادة لتهذيب النفس، فمنها ان لايفعل من الشرائع الكاسبة للانقياد او المهيئة له ما يعتد به

شرائع کی تعمیل لوگوں کیلئے جداگانہ اور مختلف طور پر ہے جو لوگ بہیمیت میں ڈوبے ہوئے ہوں اور یہ قوت انہیں کمزور ہو ان کو تو احکام شرعیہ کی کثرت کی ضرورت ہوتی ہے اور جنمیں یہ قوت شدید اور غلیظ ہوتی ہے ان کو اعمالِ شاقہ کی کثرت کی ضرورت ہوا کرتی ہے ان اعمال میں سے بعض اعمال درندوں کے سے ہوتے ہیں جو بڑی لعنت کے مستحق ہوتے ہیں مثلاً قتل بعض اعمال شہوانی ہیں بعض ضرر پہنچانیوالے پیشے ہیں جیسے جوا اور سود اور ان تینوں قسم کے گناہوں سے نفس میں بڑا رخنہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ ان امور میں راہ راست کے خلاف اقدام ہے جیسا کہ ہمنے ذکر کیا اور ان گناہوں کے سبب سے ملاء اعلےٰ کیجانب سے ایسی لعنت پڑتی ہے جو انسان کا ہر طرف سے احاطہ کرلیتی ہے اسلئے ان دونوں کے ملنے سے عذاب حاصل ہوتا ہے یہ تیسرا مرتبہ سب گناہوں سے بڑا ہے حظیرۃ القدس میں اسکی حرمت اور اسکے مرتکب پر لعنت قرار پاچکی ہے تمام انبیا ہمیشہ اسکو بیان کرتے آئے ہیں انمیں سے اکثر تمام شرائع میں متفق علیہ ہیں۔ چوتھا مرتبہ ان شرائع اور طریقوں کی نافرمانی کرنا ہے جو زمانہ اور اقوام کے بدلنے سے بدلتے جاتے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ جب کسی قوم کیطرف کوئی نبی مبعوث کرتا ہے تاکہ انکو تاریکیوں سے روشنی کیطرف لائے، انکے نقص کی اصلاح کرے اور انہیں اچھے طور پر سیاست جاری کرے تو اسکے مبعوث ہونے میں یہ بات داخل ہوتی ہے کہ نہایت اہم امور جنکے بغیر انکی اصلاح اور سیاست نہیں ہوسکتی واجب قرار پاتے ہیں اسلئے ہر ایک مقصد کی ایک معیار دائمی یا اکثری ضرور ہوتی ہے اسکے لحاظ سے ان سے مؤاخذہ اور خطاب کیا جاتا ہے۔ ہر ایک امر کیلئے اوقات متعین کرنے کیلئے ضروری قاعدے ہوا کرتے ہیں۔ اور بعض امور کسی مصلحت یا فساد کی طرف داعی ہوتے ہیں تو انکے بموجب حکم کیا جاتا ہے اور انمیں سے بعض امور کا مامور بہ اور منہی عنہ ہونا قطعی ہے اور بعض کا قطعی نہیں ہے۔ انمیں سے قلیل کے بارہ میں وحی ظاہر نازل ہوئی ہے اور انمیں سے اکثر نبی کے اجتہاد سے ثابت ہوئے ہیں۔ پانچواں مرتبہ وہ ہے جسکی نسبت نہ تو شارع نے کچھ تصریح کی اور نہ ملاء اعلیٰ میں اسکا کوئی حکم ثابت ہوا لیکن بندہ جب خدا کیطرف اپنی پوری ہمت سے متوجہ ہوتا ہے تو اسکو قیاس یا تخریج وغیرہ سے کسی چیز کے مامور یا ممنوع ہونیکا گمان ہوتا ہے جس طرح بعض عوام کو ناقص تجربہ سے یا حکیم کے کسی علت پر حکم لگا دینے سے بعض دواؤں کی تاثیر معلوم ہوجاتی ہے

ويختلف باختلاف النفوس الا ان المنغمسة فى الهيأت البهيمية الضعيفة احوج الناس الى اكثارها والامم التى بهيميتها اشد واغلظ احوج الناس الى اكثار الشاق منها، ومنها اعمال سبعية تستجلب لعنا عظيما كالقتل، ومنها اعمال شهوية ومنها مكاسب ضارة كالقمار والربا وفى كل شئ من هذه المذكورات ثلمة عظيمة فى النفس من جهة الاقدام على خلاف السنة اللازمة كما ذكرنا ولعن من الملا الاعلى يحيط به فبمجموع الامرين يحصل العذاب وهذه المرتبة اعظم الكبائر قد انعقد فى حظيرة القدس تحريمها ولعن صاحبها ولم يزل الانبياء يترجمون ما انعقد هنالك واكثرها مجمع عليه فى الشرائع المرتبة الرابعة معصية الشرائع والمناهج المختلفة باختلاف الامم والاعصار وذلك ان الله تعالى اذا بعث نبيا الى قوم ليخرجهم من الظلمات الى النور وليقيم عوجهم وليسوسهم احسن السياسة كان بعثه متضمنا لايجاب ما لا يمكن اقامة عوجهم وسياستهم الا به فلكل مقصد مظنة اكثرية او دائمة يجب ان يؤاخذوا عليها ويخاطبوا بها وللتوقيف قوانين توجبه ورب امر يكون داعيا الى مفسدة او مصلحة فيؤمرون حسبما يدعون اليه ومن ذلك ما هو مامور او منهى عنه حتما، ومنه ما هو مامور او منهى عنه من غير عزم واقل ذلك ما نزل به الوحى الظاهر واكثره ما لا يثبته الا اجتهاد النبى صلى الله عليه وسلم۔

المرتبة الخامسة ما لم ينص عليه الشارع ولم ينعقد فى الملا الاعلى حكمه لكن توجه عبد الى الله بمجامع همته فاعتراه شئ يظنه ممنوعا عنه او مامورا به من قبل قياس او تخريج او نحو ذلك كما يظهر للعوام تاثير بعض الادوية من قبل تجربة ناقصة

حالانکہ نہ اسکو تاثیر کی وجہ معلوم ہے نہ طبیب نے تصریح فرمائی ہے اس قسم کی چیزوں سے بھی انسان بغیر احتیاط برتے بری الذمہ نہیں ہو سکتا ورنہ اسکے اور خدا تعالیٰ کے درمیان اسکے گمان کی وجہ سے ایک پردہ حائل ہو جائیگا اور وہ اسکی وجہ سے ماخوذ ہوگا۔ اس مرتبہ میں اصل خوشنودی کے قابل یہ ہے کہ ان چیزوں کو چھوڑ دے اور ان کی طرف بالکل توجہ نہ کرے لیکن بعض لوگ ایسی چیزوں کو از خود اپنے اوپر واجب کر لیتے ہیں پھر اسکے بموجب خدا تعالیٰ ان سے مطالبہ کرتا ہے چنانچہ اس بارے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میں بندہ کے گمان کے موافق پیش آتا ہوں"۔ اور یہ آیت بھی اسی بارے میں وارد ہے "رہبانیت جسکو انھوں نے خود ایجاد کر لیا ہے ہم نے ان پر اسکو اسلئے واجب کیا تھا کہ خدا کی رضامندی کی تلاش میں رہیں"۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اپنے اوپر سختی نہ کرو ورنہ خدا تم پر سختی کرے گا۔ اور فرمایا کہ گناہ وہی ہے جو تیرے دل میں برا اثر پیدا کرے۔ یہی حال اس حکم کی نافرمانی کا ہے جو کسی مجتہد کے اجتہاد سے ثابت ہوا ہو اور اسی مجتہد کا جس نے یہ حکم دیا ہے نافرمانی کرنیوالا پیرو اور مقلد ہو۔ واللہ اعلم ❖

پندرہواں باب (۵۰)۔ گناہوں کی خرابیوں کا بیان

واضح ہو کہ گناہ صغیرہ اور کبیرہ کا اطلاق دو لحاظ سے کیا جاتا ہے اول نیکی اور گناہ کی حکمت کے لحاظ سے دوئم شریعتوں اور طریقوں کے لحاظ سے جو ہر زمانہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ نیکی اور گناہ کی حکمت کی نظر سے گناہ کبیرہ ایسے گناہ کو کہتے ہیں جسکے سبب سے قبر یا قیامت میں عذاب واجب یا ضروری ہو جائے اور تدابیر نافعہ میں بڑی خرابی پیدا کردے اور فطرت کے بالکل خلاف ہو۔ اور صغیرہ گناہ وہ ہے جس میں امور بالا میں سے کسی امر کے ہونے کا شبہ ہو یا اکثر اوقات ان امور کیطرف مفضی ہو یا ایک وجہ سے ان میں اس قسم کی کوئی خرابی پیدا ہوتی ہو اور دوسری وجہ سے وہ خرابی نہ پیدا ہوتی ہو، مثلاً کوئی شخص خدا کی راہ میں خرچ کرے اور گھر کے لوگ بھوکے رہ جائیں تو اس نے بخل کا عیب تو دفع کیا لیکن خانہ داری کی تدبیر کو کھو دیا۔ اور گناہ کبیرہ باعتبار شریعت کے وہ گناہ ہے جسکے حرام ہونیکی شارع نے تصریح کردی ہو یا اسکے مرتکب کیلئے دوزخ ہونیکی وعید کی گئی ہو یا اس پر کوئی حد مقرر کی ہو یا اس فعل کی برائی کی شدت بیان کرنے کیلئے اسکے مرتکب کو کافر دائرہ اسلام سے خارج کہا ہو

او دوران حكم الطبيب الحاذق على ملة ولا يعلمون وجه التاثير ولا ينص عليه الطبيب فلا يخرج مثل هذا الانسان من العهدة حتى ياخذ بالاحتياط والا كان بينه وبين ربه حجاب فيما يظن فيؤاخذ بظنه، واصل المرضى في هذه المرتبة ان يهمل امرها ولا يلتفت اليها غيران في الوجود انفسا يستوجبون ذلك فيوفر عليهم الجواد ما استوجبوه وفيها قوله تعالى انا عند ظن عبدى بى وقوله تعالى في القرآن العظيم ورهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم الا ابتغاء رضوان الله وقوله صلى الله عليه وسلم لا تشددوا فيشدد الله عليكم وقوله صلى الله عليه وسلم الاثم ما حاك في صدرك ويلحق بها معصية حكم مجتهد فيه اذا كان مقلدا مجمعا تقليده من برى ذلك والله اعلم ❖

باب مفاسد الآثام

واعلم ان الكبيرة والصغيرة تطلقان باعتبارين احدهما بحسب حكمة البر والاثم، وثانيهما بحسب الشرائع والمناهج المختصة بعصر دون عصر، اما الكبيرة بحسب حكمة البر والاثم فهى ذنب يوجب العذاب في القبر وفي المحشر ايجابا قويا ويفسد الارتفاقات الصالحة افسادا قويا ويكون من الفطرة على الطرف المخالف جدا، والصغيرة ما كان مظنة لبعض ذلك او مفضيا اليه في الاكثر او يوجب بعض ذلك من وجه ولا يوجبه من وجه كمن ينفق في سبيل الله واهله جياع فيه فم رذيلة البخل ويفسد تدبير المنزل، واما بحسب الشرائع الخاصة فما نصت الشريعة على تحريمه او اوعد الشارع عليه بالنار او شرع عليه حدا او سمى مرتكبه كافرا

خارجا من الملة ابانة لقبحه وتغليظا الامره فهو كبيرة
وربما يكون شئ صغيرة بحسب حكمة البر والاثم
كبيرة بحسب الشريعة وذلك ان الملة الجاهلية ربما
ارتكبت شيئا حتى فشا الرسم به فيهم لا يخرج منهم
الا ان تنقطع قلوبهم ثم جاء الشرع ناهيا عنه
فحصل منهم لجاج ومكابرة وحصل من الشرع
تغليظ وتهديد بحسب ذلك حتى صار ارتكابها كالمنابذة
الشديدة للملة ولا يأتي الاقدام على مثله الا من
كل مارد متمرد لا يستحي من الله ولا من الناس
فكتب كبيرة عند ذلك، وبالجملة فنحن نؤخر الكلام
في الكبائر بحسب الشريعة الى القسم الثاني من هذا
الكتاب لان ذلك موضعه وننبه على مفاسد
الكبائر بحسب حكمة البر والاثم ههنا كما فعلنا
في انواع البر نحوا من ذلك.

وقد اختلف الناس في الكبيرة اذا مات العاصي
عليها ولم يتب هل يجوز ان يعفو الله عنه اولا
وجاء كل فرقة بادلة من الكتاب والسنة، وحل
الاختلاف عندي ان افعال الله تعالى على وجهين
منها الجارية على العادة المستمرة، ومنها الخارقة
للعادة، والقضايا التي يتكلم بها الناس موجهة
بجهتين، احداهما في العادة، والثانية مطلقا و
شرط التناقض اتحاد الجهة مثل ما قرره المنطقيون
في القضايا الموجهة وقد تحذف الجهة فيجب اتباع
القرائن فقولنا كل من تناول السموم مات معناه
بحسب العادة المستمرة وقولنا ليس كل من تناول
السموم مات معناه بحسب خرق العادة فلا تناقض
وكما ان لله تعالى في الدنيا افعالا خارقة ومنها لا
جارية على العادة فكذلك في المعاد افعال خارقة
وعادية، اما العادة المستمرة فان يؤاخذ العاصي

کبھی بعض امور نیکی اور گناہ کے لحاظ سے صغیرہ ہوتے ہیں لیکن شریعت
کے لحاظ سے وہی کبیرہ قرار پاتے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ زمانہ جاہلیت
میں بعض گناہ صغیرہ یہاں تک رواج پا جاتے ہیں کہ وہ رسم ہو کر ایسے پھیل
جاتے ہیں، ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں جب بھی وہ انکے دلوں
سے نہیں نکلتے، اسکے بعد زمانہ شریعت میں انکی ممانعت ہوتی ہے
لیکن وہ لوگ اس کام پر اڑ جاتے ہیں اسکے کرنے پر اصرار کرتے ہیں، شرع
سے ان کے اصرار پر تہدید اور سختی ہوتی ہے یہاں تک کہ ان کا مرتکب
شریعت کا دشمن سمجھا جاتا ہے ایسے فعل کو وہی شخص کرتا ہے جو مردود اور سرکش
ہو جسکو خدا سے اور لوگوں سے کسی قسم کی حیا نہ ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہم ان گناہوں کی تفصیل جو شریعت کے لحاظ سے
کبیرہ قرار دئے گئے ہیں اس کتاب کی دوسری قسم میں بیان کرینگے وہیں
انکے بیان کا موقع ہے لیکن ان گناہوں کی خرابیاں جو بر و اثم کی حکمت
سے کبیرہ قرار دی گئی ہیں ہم یہیں بیان کرتے ہیں جیسا کہ ہم نے انواع بر
میں اسی طور پر کلام کیا تھا۔

لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ کوئی شخص جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے
بغیر توبہ کے مر جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں کہ خدا اس گناہ کو معاف کر دے،
ہر فریق نے کتاب و سنت سے اپنے اپنے دلائل بیان کئے ہیں لیکن
میرے نزدیک اس اختلاف کا حل یہ ہے کہ خدا کے افعال دو طرح پر ہیں
اول وہ افعال جو بعادت استمراری ہوتے رہتے ہیں دوم وہ جو
خلاف عادت ظہور پذیر ہوتے ہیں اور جو مسائل لوگوں کے سامنے ذکر
کئے جاتے ہیں وہ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک موافق عادت اور دوسری
مطلق۔ اور تناقض کی شرط جہت کا ایک ہونا ہے جیسا کہ منطقیوں نے
قضایا موجہہ میں ذکر کیا ہے۔ اور کبھی جب جہت کو ذکر نہیں کرتے تو وہاں
قرائن کو دیکھنا ضروری ہو جاتا ہے سو جب ہم یہ کہتے ہیں کہ جو زہر کھائیگا مر جائیگا
تو اسکے معنی یہ ہیں کہ عادت کے موافق زہر کا یہ اثر ضرور ہوگا اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ
ایسا نہیں ہے کہ جو زہر کھائے وہ مر ہی جائے تو اسکے معنی یہ ہیں کہ اگر ایسا ہوگا
تو خلاف عادت ہوگا پس ان دونوں قولوں میں جہت و اعتبار کے مختلف ہونے
کی وجہ سے کوئی تناقض نہیں ہے اور جسطرح خدا تعالے کے افعال دنیا میں
عادت کے موافق اور عادت کے خلاف ہیں اسیطرح آخرت میں اسکے افعال
عادت کے موافق اور عادت کے خلاف ہیں۔ پس عادت مستمرہ تو یہی ہے کہ وہ اس گنہ گار کو جو بغیر توبہ کے مر جائے ایک مدت دراز تک

عذاب میں رکھے اور کبھی خلاف عادت بھی گزر جاتا ہے ایسے ہی حقوق العباد
کا حال ہے۔ اور صاحب کبیرہ کا ہمیشہ عذاب میں رہنا صحیح نہیں ہے
کیونکہ یہ بات خدا کی حکمت سے بہت بعید ہے کہ وہ صاحبِ
کبیرہ سے ایسا ہی معاملہ کرے جو کافر کے ساتھ کرے گا یعنی دونوں کو
مساوی کردے واللہ اعلم ۔

سولہواں باب (۵۱) :- ان گناہوں کا بیان جو بندے کے نفس سے متعلق ہیں

واضح ہو کہ انسان کی قوت ملکیہ کا قوت بہیمیہ نے ہر طرف سے احاطہ
کر رکھا ہے اسکی حالت اس پرندہ کے مانند ہے جو قفس میں بند ہے
اس پرند کی خوش نصیبی اسی میں ہے کہ اس قفس سے نکل کر اپنے اصلی مکان کو
چمن میں پہنچ جائے اور وہاں بیٹھکر اچھے اچھے دانے اور عمدہ عمدہ پھل
کھائے اور اپنے ہم جنس پرندوں میں ملکر خوشیاں منائے اسیطرح انسان
کی حد درجہ بدنصیبی اسمیں ہے کہ وہ دہریہ بن جائے، دہریہ کی حقیقت
یہی ہے کہ وہ ان علوم نظریہ کا مخالف ہو جائے جو خدا تعالیٰ نے اسمیں
پیدا کئے ہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انسان کی اصل فطرت میں
مبدأ جل جلالہٗ کیجانب ذاتی میلان ہے اور نہایت درجہ اس کی
تعظیم کرنے کی خواہش ہے اس آیت میں اسیطرف اشارہ ہے "اور
اسوقت کو یاد کرو جبکہ تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے انکی اولاد
کو نکالا اور ان کو اپنی جانوں پر گواہ کیا" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
قول میں کہ "سب کی پیدائش فطرتِ اسلام پر ہوتی ہے" اسیطرف اشارہ
ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی بے انتہا تعظیم دل میں جب ہی راسخ ہوتی ہے کہ
خدا کی نسبت اعتقاد کیا جائے کہ وہ اپنے قصد اور اختیار سے ہر قسم کا تصرف
کرتا ہے اعمال کی جزا دیتا ہے ان کے لئے شریعت مقرر کرتا ہے جو شخص
اسکا منکر ہو کہ اسکا کوئی پروردگار ہے جسپر تمام ہستی کا سلسلہ ختم ہوتا ہے، یا
ایسا اعتقاد کرے کہ خدا تعالیٰ معطل ہے عالم میں کوئی تصرف نہیں کرتا
یا تصرف کرتا ہے تو بلا قصد اور مجبورانہ کرتا ہے، یا وہ اپنے بندوں کے اچھے
برے افعال کی جزا نہیں دیتا، یا وہ خدا تعالیٰ کو دیگر مخلوقات جیسا
اعتقاد کرے یا اس کے سے صفات کا مخلوق میں اعتقاد کرے،

اذا مات من غير توبة زمانا طويلا وقد تخرق
العادة وكذلك حال حقوق العباد واما خلود
صاحب الكبيرة في العذاب فليس بصحيح ليس
من حكمة الله ان يفعل بصاحب الكبيرة مثل
ما يفعل بالكافر سواء والله اعلم ۔

باب في المعاصي التي هي فيما بينه و بين نفسه

اعلم ان القوة الملكية من الانسان قد
اكتنفت بها القوة البهيمية من جوانبها وانما
مثلها في ذلك مثل طائر في قفص سعادته
ان يخرج من هذا القفص فيلحق بحيزه الاصلي
من الرياض الاريضة وياكل الحبوب الغاذية
والفواكه اللذيذة من هنالك ويدخل في زمرة
ابناء نوعه فيبتهج بهم كل الابتهاج فاشد شقاوة
الانسان ان يكون دهريا وحقيقة الدهري ان
يكون مناقضا للعلوم الفطرية المخلوقة فيه وقد
بينا ان له ميلا في اصل فطرته الى المبدئ جل
جلاله وميلا الى تعظيمه اشد ما يجب من التعظيم
واليه الاشارة في قوله تبارك وتعالى واذ اخذ
ربك من بني ادم الاية وقوله صلى الله عليه وسلم
كل مولود يولد على الفطرة والتعظيم الاقصى لا
يتمكن من نفسه الا باعتقاد تصرف في بارئه
بالقصد والاختيار ومجازاة وتكليف لهم وا
تشريع عليهم فمن انكر ان له ربا تنتهي اليه
سلسلة الوجود او اعتقد ربا معطلا لا يتصرف
في العالم او يتصرف بالايجاب من غير ارادة اولا
يجازي عباده على ما يفعلون من خير وشر او اعتقد
ربه كمثل سائر الخلق او اشرك عباده في صفاته

یا یہ اعتقاد کرے کہ خدا بندوں پر کسی نبی کی معرفت شریعت فرض نہیں کرتا پس ایسا ہی شخص دہریہ ہے جسکے دل میں نہ اللہ تعالےٰ کی تعظیم ہے اور نہ اسکے فہم کو حظیرۃ القدس تک رسائی ہے وہ بمنزلہ ایک پرندے کے ہے جو لوہے کے قفس میں بند ہے جسمیں سوئی کے برابر بھی سوراخ نہیں مرنے کے بعد اسپر سب چیزیں ظاہر ہوجائیں گی اور کسیقدر قوت ملکی ظاہر ہوگی اور اسکے فطری میلان میں حرکت پیدا ہوگی لیکن پروردگار کے علم اور حظیرۃ القدس کی رسائی سے عوائق مانع ہونگے اور اس سے اسکے نفس میں نہایت وحشت کا جوش ہوگا اور اس ناپاک حالت پر باریتعالےٰ اور ملاء اعلےٰ کی نظر پڑیگی تو ناخوشی اور حقارت کی نگاہ تند سے وہ دیکھا جائیگا اور ملائکہ کیطرف اس کو عذاب دینے کا الہام ہوگا اور وہ عالم مثال اور عالم خارجی میں عذاب پائیگا - اور اسمیں بھی انسان کی بڑی بدبختی ہے کہ وہ کافر ہوجائے اور خدا تعالےٰ کی اس شان سے تکبر کرے جس کا اس آیت میں ذکر ہے "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" اور شان سے مراد یہ ہے کہ عالم کیلئے حکمت الٰہی کے موافق دور اور طریقے معین ہوتے ہیں پس جب کوئی دور شروع ہوتا ہے تو خدا تعالےٰ ہر آسمان میں اسکے احکام جاری کرتا ہے اور ملاء اعلےٰ کو مناسب تدابیر پر لگاتا ہے اور لوگوں کے لئے ایک شریعت اور مصلحت مقرر کرتا ہے +

پھر خدا تعالےٰ ملاء اعلےٰ کو الہام کرتا ہے کہ عالم میں اس طریقہ کے پھیلانے پر متفق ہوجائیں پس انکے اتفاق سے لوگوں کے دلوں پر الہام ہوتا ہے یہ مرتبہ شان کا' اسی قدیم مرتبہ کا پرتو ہے جسمیں حدوث کا شائبہ بھی نہیں اور یہ بھی اس پہلے مرتبہ کی طرح باریتعالیٰ کے کمالات کو ظاہر کرنے والا ہے پس جو شخص اس شان کے خلاف ہوا' اس سے بیزاری ظاہر کی اور لوگوں کو روکا تو اسپر ملاء اعلیٰ سے ایسی لعنت پڑتی ہے جو ہر طرف سے اسکا احاطہ کرلیتی ہے اور اسکی وجہ سے اسکے عمل ضائع ہوجاتے ہیں' دل سخت ہوجاتا ہے اور اچھی باتوں کو جو اسکے لئے نفع بخش ہوں حاصل نہیں کرسکتا چنانچہ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے "جو لوگ ہماری کھلی نشانیوں اور ہدایت کو اسکے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کے لئے کتاب میں صاف صاف بیان کردیا ہے انپر خدا اور لعنت کرنیوالے لعنت کرتے ہیں" اور اس آیت میں بھی اسیطرف اشارہ ہے "خدا نے ان کے دلوں اور

او اعتقد انه لا يكلفهم بشريعة على لسان نبى فذلك الدهرى الذى لم يجمع فى نفسه تعظيم ربه وليس لعلمه نفوذ الى حيز القدس اصلا وهو بمنزلة الطائر المحبوس فى قفص من حديد ليس فيه منفذ ولا موضع ابرة فاذا مات شف الحجاب وبرزت الملكية بروزاما وتحرك الميل المفطور فيه وعاقته العوائق فى علمه بربه وفى الوصول الى حيز القدس فهاجت فى نفسه وحشة عظيمة ونظر اليها بارئها والملا الاعلى وهى فى تلك الحالة الخبيثة فاحدقت فيها بنظر السخط والازدراء وترشحت فى نفوس الملائكة الهامات السخط والعذاب فعذب فى المثال وفى الخارج او كافرا تكبر على الشأن الذى تطوربه الله تعالى كما قال كل يوم هو فى شان واعنى بالشأن ان للعالم ادوارا واطوارا حسب الحكمة الالهية فاذا جاء دورة اوحى الله تعالى فى كل سماء امرها و دبر الملأ الاعلى بما يناسبها وكتب لهم شريعة و مصلحة +

ثم الهم الملا الاعلى ان يجمعوا تمشية هذا الطور فى العالم فيكون اجماعهم سببا لالهامات فى قلوب البشر فهذا الشأن تلو المرتبة القديمة التى لا يشوبها حدوث وهذه ايضا شارحة لبعض كمال الواجب جل مجده كالمرتبة الاولى فكل من باين هذا الشأن وابغضه وصد عنه اتبع من الملا الاعلى بلعنة شديدة تحيط بنفسه فتحبط اعماله ويقسو قلبه ولا يستطيع ان يكسب من اعمال البر ماينفعه واليه الاشارة فى قوله تعالى ان الذين يكتمون ما انزلنا من البينات والهدى من بعد ما بيناه للناس فى الكتاب اولئك يلعنهم الله ويلعنهم اللاعنون، وقوله ختم الله على قلوبهم

پس یہ شخص اس پرندہ کے مانند ہے جو ایسے قفس میں بند ہے جسمیں سوراخ ہیں لیکن اسکے اوپر بڑا غلاف پڑا ہوا ہے۔ اس دہریہ اور کافر سے کم مرتبہ میں وہ شخص ہے جو توحید اور تعظیم الہٰی کا اعتقاد تو ٹھیک رکھتا ہے لیکن نیکی اور گناہ کی حکمت کے لحاظ سے جن احکام کا حکم دیا گیا تھا اس نے انکی تعمیل نہیں کی، اسکی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو شجاعت کو اور اس کے فائدہ کو تو جانتا ہے لیکن یہ صفت شجاعت اسمیں حاصل نہیں ہے کیونکہ شجاعت کا جاننا اور چیز اور صفت شجاعت کا حاصل ہونا اور ہے یہ شخص اس سے اچھا ہے جو شجاعت کے معنی بھی نہیں جانتا۔ اسکی حالت اس پرندہ کی سی ہے جو ایسے قفس میں ہے جسمیں سوراخ ہیں وہ سبزہ زار اور میوہ جات کو دیکھتا ہے، مدتوں وہاں رہ چکا تھا لیکن اب اپھنسا پس اسی کے شوق میں بازو پھڑ پھڑاتا ہے اور سوراخوں میں چونچ ڈال ڈال دیتا ہے لیکن باہر نکلنے کا راستہ نہیں پاتا۔ نیکی اور گناہ کی حکمت کے لحاظ سے کبائر یہی ہیں۔ اور اس شخص سے بھی کمتر درجہ اس شخص کا ہے جس نے تمام احکام کی بجا آوری تو کی لیکن ان شرائط کے ساتھ نہیں کی جو ان کے لئے ضروری ہیں پس اسکی مثال اس پرندہ کی ہے جو ایک شکستہ قفس میں بند ہے جس میں سے بدقت نکل سکتا ہے جبتک جلد میں خراش نہ ہو اور پر نچ نہ جائیں وہاں سے نکلنا متصور نہیں۔ پس وہ بڑی جد و جہد سے باہر نکل سکتا ہے لیکن چونکہ اسکے پروں میں اور بازو میں نکلتے وقت خراش پہنچی ہے اسلئے اپنے ابنا جنس کے ساتھ نہ باغ کے پھل کھا سکتا ہے نہ ان کے ساتھ مل کر خوشیاں منا سکتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اعمال صالحہ کے ساتھ برے اعمال بھی کیے ہیں ان کے لئے عوائق اور مانع وہ گناہ ہیں جو نیکی اور گناہ کی حکمت کے اعتبار سے صغیرہ گناہ ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پلصراط کی حدیث میں ان تین کی طرف اشارہ کیا ہے آپ نے فرمایا بعض

لوگ پلصراط سے گر کر جہنم میں چلے جائیں گے بعض
زخمی ہو کر نجات پالیں گے اور بعض کو آگ
کی لپٹ کے بعد نجات ملجائیگی
واللہ اعلم

وعلى سمعهم فهذا كطائر فى قفص له منافذ الا انه قد غشى من فوقه بغاشية عظيمة وادنى من ذلك ان يعتقد التوحيد والتعظيم على وجههما ولكن ترك الامتثال لما امر به فى حكمة البر والاثم ومثله كمثل رجل عرف الشجاعة ما هى وما فائدتها ولكن لا يستطيع الاتصاف بها لان حصول نفس الشجاعة غير حصول صورتها فى النفس وهو احسن حالا ممن لا يعرف معنى الشجاعة ايضا ومثله كمثل طائر فى قفص مشبك يرى الخضرة والفواكه وقد كان فيما هنالك ايما ثم طرأ عليه الحبس فيشتاق الى ما هنالك ويضرب بجناحه ويدخل فى المنافذ مناقيره ولا يجد طريقا يخرج منه وهذه هى الكبائر بحسب حكمة البر والاثم، وادنى من ذلك ان يفعل هذه الاوامر ولكن لا على شريطتها التى تجب لها فمثله كمثل طائر فى قفص مكسور فى الخروج منه حرج ولا يتصور الخروج الا بخدش فى جلده ونتف فى ريشه فهو يستطيع ان يخرج من قفصه ولكن يجد وكدا ولا يبتهج فى ابناء نوعه كل الابتهاج ولا يتناول من فواكه الرياض كما ينبغى لما اصابه من الخدش والنتف وهؤلاء هم الذين خلطوا عملا صالحا واخر سيئا وعوائقهم هذه هى الصغائر بحسب حكمة البر والاثم وقد اشار النبى صلى الله عليه وسلم فى حديث الصراط الى هذه الثلاثة حيث

قال ساقط فى النار ومخردل
ناج ومخدوش ناج و
الله اعلم

سترہواں باب (۵۲) :- ان گناہوں کا بیان جن کا تعلق لوگوں سے ہوتا ہے

واضح ہو کہ حیوانات کی قسمیں مختلف ہیں بعض تو ایسے ہیں جو کیڑوں کیطرح زمین میں پیدا ہوتے ہیں ان کا حق ہو ہے کہ پروردگار مصور کیطرف سے یہ الہام ہوتا ہے کہ وہ کیسے اپنی غذا حاصل کریں انکو تدبیر منازل کا الہام نہیں ہوتا۔ اور بعض حیوانات ایسے ہیں کہ ان میں توالد و تناسل ہوتا ہے بچوں کی پرورش میں نر و مادہ مل کر باہم ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں انکے لئے حکمت الہٰی سے تدبیر المنزل کی نسبت بھی الہام ہوتا ہے۔ پس پرندوں کو یہ الہام ہوتا ہے کہ کسطرح سے غذا حاصل کریں کس طرح سے پرواز کریں اور یہ کہ کیسے وہ جفتی کریں کیسے اپنا آشیانہ بنائیں اور اپنے بچوں کو کیسے پرورش کریں۔ ان سب حیوانات میں انسان مدنی الطبع ہے وہ اپنی بنی نوع کی دستگیری کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا کیونکہ نہ وہ گھاس کھا سکتا ہے نہ کچے پھل کھا کر جی سکتا ہے اور نہ پشم سے اپنے اندر گرمی پیدا کر سکتا ہے اسکے علاوہ اور بہت سے امور ہیں جنکو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں انسان کا حق ہے کہ خانہ داری کی تدابیر اور آداب معاش کے ساتھ سیاست مدن کا بھی الہام کیا جائے انسان اور حیوانات میں فرق اسقدر ہے کہ اور حیوانات کو ضرورت کیوقت طبعی الہام ہوتا ہے اور انسان پر علوم معیشت کے ایک مختصر حصہ کا الہام ہوتا ہے مثلاً یہ الہام ہوتا ہے کہ دودھ پیتے وقت پستان کو کیسے چوستے ہیں آواز کی تنگی کیوقت کیسے کھانستے ہیں دیکھنے کیوقت پلکوں کو کیسے کھولتے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکا خیال خود ہر ایک چیز کو بناتا اور اہتمام کرتا ہے وہ تدبیر منزل اور سیاست مدن کے علوم کو رسم و رواج سے اور ان لوگوں کی پیروی سے حاصل کرتا ہے جنکی ملکی روشنی سے خدا تائید کرتا ہے یہ روشنی ان علوم میں ظاہر ہوتی ہے جو وحی کے ذریعے انکو معلوم ہوتے ہیں نیز تجربہ اور تدابیر علیمی سے وہ ان علوم کو حاصل کرتا ہے نیز وہ خود غور کر کے قیاس اور برہان سے انکو معلوم کرتا ہے اور اس کی مثال اس امر کے حاصل کرنے میں جس کا فیضان باوجود اختلاف استعداد کے باری المصور کیجانب سے ضروری ہوتا ہے خواب کی

بَابُ الْاٰثَامِ الَّتِیْ هِیَ فِیْمَا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ النَّاسِ

اعلم ان انواع مراتب الحیوان علی نسق، منها ما یتکون تکون الدیدان من الارض و من حقها ان تلهم من بارئ الصور کیف تتغذی ولا تلهم کیف تدبر المنازل، ومنها ما یتناسل و یتعاون الذکر والانثی منها فی حضانة الاولاد و من حقها فی حکمة الله تعالی ان تلهم تدبیر المنازل ایضا فالهم الطیر کیف یتغذی ویطیر والهم ایضا کیف یسافد وکیف یتخذ عشا وکیف تزق الفراخ و الانسان من بینها مدنی الطبع لا یتعیش لا یتعاون من بنی نوعه فانه لا یتغذی الحشیش النابت بنفسه ولا بالفواکه نیئة ولا یتدفأ بالوبر الی غیر ذلک مما شرحنا من قبل، ومن حقه ان یلهم تدبیر المدن مع تدبیر المنازل وآداب المعاش غیر ان سائر الانواع تلهم عند الاحتیاج الهاما جبلیا و الانسان لم یلهم الهاما جبلیا الا فی حصة قلیلة من علوم التعیش کمص الثدی عند الارتضاع والسعال عند البحة و فتح الجفون عند ارادة الرؤیة ونحو ذلک وذلک لان خیاله کان صناعا همما ففوض له علوم تدبیر المنازل وتدبیر المدن الی الرسم وتقلید المؤیدین بالنور الملکی فیما یوحی الیهم والی تجربة ورصد تدبیر غیبی ورؤیة بالاستقراء والقیاس والبرهان ومثله فی تلقی الامر الشائع الواجب فیضانه من بارئ الصور مع الاختلاف الناشئ من قبل استعداداتهم کمثل الواقعات التی یتلقاها

پھر وہ اپنی مناسب چیزوں کی صورتوں میں متشکل ہو کر نظر آتے ہیں۔ ان کی صورتیں مفیض کیوجہ سے نہیں بلکہ لوگوں کی حالت کیوجہ سے مختلف ہوتی ہیں ان علوم میں سے جو تمام افراد انسانی کو عطا ہوتے ہیں خواہ وہ عرب ہوں یا عجم، شہری ہوں یا بدوی گو ان کے حاصل ہونیکا طریقہ مختلف ہو، چند خصائل کا حرام ہونا ہے جنکی وجہ سے تمام انتظام بلاد درہم برہم ہو جاتا ہے۔ ایسے خصائل تین قسم کے ہیں شہوانی اعمال، درندوں کے سے اعمال، باہمی بدمعاملگی۔ ان کے حرام ہونیکی دلیل یہ ہے کہ انسان اپنے ہی نوع کے ساتھ شہوت، غیرت اور حرص کے اوصاف میں شریک ہے اور جیسے قوی بہائم کو مادہ کیطرف میلان ہوتا ہے وہ دوسرے کی مداخلت کو اپنے جوڑے میں گوارہ نہیں کرتے ایسے ہی قوی انسانونکی طبیعت ہوتی ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ نر بہائم باہم لڑنے لگتے ہیں جو زور آور اور تیز ہوتا ہے وہ کمزور پر غالب ہو جاتا ہے دوسرا اسکے سامنے سے بھاگ جاتا ہے یا جنگی کرتے ہوئے نہ دیکھنے کیوجہ سے اسکو مزاحمت کرنے کا خیال ہی نہیں ہوتا۔ اور انسان نہایت زیرک پیدا کیا گیا ہے اٹکل سے چیزوں کو ایسا معلوم کر لیتا ہے گویا ان کو دیکھ رہا ہے یا سُن رہا ہے اور اسکو الہام سے یہ معلوم ہو گیا کہ ایسے امور میں لڑنے جھگڑنے سے شہر ویران ہو جائیں گے کیونکہ شہروں کی آبادگی بغیر باہمی تعاون کے نہیں ہو سکتی اور اس تعاون اور مدنیت میں بہ نسبت عورتوں کے زیادہ دخل قوی مردوں کو ہے اسلئے بہ الہام الٰہی ان میں یہ خیال پیدا کیا گیا کہ ہر شخص اپنی ہی بیوی سے کام رکھے اور اپنے بھائی کی بیوی سے مزاحمت نہ کرے۔ حرمت زنا کی وجہ یہی ہے۔ اور زوجات کے مخصوص ہونیکی صورت رسوم اور شرائع سے تعلق رکھتی ہے۔ نیز انسانوں میں مرد، نر بہائم سے اس بات میں بھی مشابہ ہیں کہ فطرتِ سلیمہ کی حالت میں مرد کی رغبت عورت کی جانب رہتی ہے جسطرح بہائم میں سے نر سوائے مادینوں کے کسی سے مانوس نہیں ہوتا البتہ جن لوگوں پر ناپاک خواہش نفسانی غالب ہوتی ہے ان کا مزاج ایسا فاسد ہو جاتا ہے جیسے کسی کو مٹی یا کوئلہ کھانے میں مزا معلوم ہوتا ہے وہ سلامتی فطرت سے بالکل نکل جاتے ہیں ایسے لوگ اپنی خواہش نفسانی مردوں سے پوری کرتے ہیں

في المنام يفاض عليهم العلوم الفوقانية من حيزها فتتشبح عندهم باشباح مناسبة فتختلف الصور لمعنى في المفاض عليه لا في المفيض ؛

فمن العلوم الفائضة على افراد الانسان جميعا عربهم وعجمهم حضرهم وبدوهم - وان اختلف طريق التلقي منهم حرمة خصال تبر نظام مدنهم وهي ثلاثة اصناف - منها اعمال شهوية، ومنها اعمال سبعية، ومنها اعمال ناشئة من سوء الاخذ في المعاملات، والاصل في ذلك ان الانسان متوارد ابناء نوعه في الشهوة والغيرة والحرص، والفحول منهم يشبهون الفحول من البهائم في الطموح الى الاناث وفي عدم تجويز المزاحمة على الموطوءة غير ان الفحول من البهائم تتحارب حتى يغلب اشدها بطشا واحدها نفسا وينهزم ما دون ذلك او لا تشعر بالمزاحمة لعدم رؤية المسافدة والانسان المعي يظن الظن كانه يرى ويسمع والهم ان التحارب لاجل ذلك مدبر لمدنهم لانهم لا يتمدنون الا بتعاون من الرجال والفحول ادخل في التمدن من الاناث فالهم انشاء اختصاص كل واحد بزوجته وترك المزاحمة فيما اختص به اخوه وهذا اصل حرمة الزنا، ثم صورة الاختصاص بالزوجات امر موكول الى الرسم والشرائع والفحول منهم ايضا يشبهون الفحول من البهائم من حيث ان سلامة فطرتهم لا تقتضي الا الرغبة في الاناث دون الرجال كما ان البهائم لا تلتفت هذه اللفتة الا قبل الاناث غير ان رجالا غلبتهم الشهوة الفاسدة بمنزلة من يتلذذ باكل الطين و الحممة فانسلخوا من سلامة الفطرة يقتضي

اور یہ مغتلم ایسی لذت حاصل کرتا ہے جو سلیم الطبع لوگوں کو حاصل نہیں
ہوتی۔ پس ان عادات کی وجہ سے ان کا مزاج بدل جاتا ہے انکے دل
روگی ہوجاتے ہیں اور نیز ان عادات سے نسل انسانی کی بیخ کنی ہوتی ہے
کیونکہ جب اس نے اپنی اس حاجت کو جسکو خدا نے نسل پھیلانے کے
لئے پیدا کیا ہے مخالف طریقہ سے پورا کیا تو خدائی انتظام میں خلل اندازی
کی اسلئے ان افعال کا مذموم ہونا لوگوں کے دلوں میں پیوست ہوگیا
ہے اسلیوجہ سے فاسق، فاجر اس کام کو خاموشی سے کرتے ہیں اور اسمیں
اپنی شہرت نہیں چاہتے اور اگر انکی طرف ایسے افعال کی نسبت کیجائے
تو شرم کے مارے مرجائیں، ہاں انسانیت سے جب وہ بالکل نکل گئے
ہوں تو برملا ایسے افعال عمل میں لاتے ہیں۔ جب یہاں تک نوبت
پہنچ جائے تو غضب الٰہی نازل ہونے میں بھی کچھ دیر نہ ہوگی جیساکہ
سیدنا لوط علیہ السلام کے وقت میں ہوا اور یہی وجہ حرمت لواطت
کی ہے۔ اور چونکہ لوگوں کی معاش، خانگی تدبیر اور سیاست مدن بغیر عقل
اور تمیز کے مکمل نہیں ہوسکتیں اور ہر وقت کی شراب خوری انتظام
کیلئے سخت مخل ہے، جنگ و جدل اور کینہ پیدا کرتی ہے لیکن بعض
لوگوں پر بیہودہ خواہشیں غالب آئیں انہوں نے اس رذالت کو
اختیار کیا اور انتظامی تدابیر کو تلف کیا۔ اگر ان کو اس فعل بد سے روکنے
کا قانون نہ ہوتا تو سب لوگ ہلاک ہوجاتے یہی وجہ دائم الخمری کے
حرام ہونے کی ہے لیکن اسکے کم و زیادہ حرام ہونے کو پس وہ ہم
شرائع کی بحث میں بیان کریں گے۔ اور جسطرح نر بہائم میں اس
چیز پر غصہ کرنے کا مادہ ہوتا ہے جو ان کو اپنے مقصود سے باز رکھے یا
کوئی نفسانی یا بدنی تکلیف ان کو پہنچائے اسیطرح لوگوں میں بھی اس
قسم کا مادہ ہوتا ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ بہائم محسوس یا موہوم مقصود
کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور انسان محسوس اور معقول دونوں کی
جستجو کرتا ہے اور بہ نسبت بہائم کے آدمی میں حرص کا مادہ
زیادہ ہے۔ اور بہائم آپس میں لڑتے ہیں جب ان میں
سے کوئی بھاگ جاتا ہے تو ان کی طبیعت میں کینہ باقی
نہیں رہتا۔ ہاں بعض بہائم ایسے ہیں جن میں کینہ کا اثر
بعد کو بھی رہتا ہے جیسے اونٹ، بیل، گھوڑا وغیرہ۔

هذا اشهوته بالرجال وذلك صار مابونا يستلذ
ما لا يستلذه الطبع السليم فاعقب ذلك تغيرا
لامزجتهم ومرضا في نفوسهم وكان مع ذلك
سببا لاهمال النسل من حيث انهم قضوا حاجتهم
التي قيض الله تعالى عليهم منهم ليذرابها
نسلهم بغير طريقها فغيروا النظام الذي خلقهم
الله تعالى عليه فصار قبح هذه الفعلة مندمجا
في نفوسهم فلذلك يفعلها الفساق ولا يعترفون
بها ولا نسبوا اليها لماتوا حياء الا ان يكون
انسلاخا قويا فيجهرون ولا يستحيون فلا
يتراخى ان يعاقبوا كما كان في زمن سيدنا
لوط عليه السلام، وهذا اصل حرمة اللواطة
ومعاش بني ادم وتدبير منازلهم وسياسة
مدنهم لا يتم الا بعقل وتميز، وادمان الخمر
ترجع الى نظامهم بجزم قوي ويورث محاربات
وضغائن غير ان انفسا غلبت شهوتهم الرديئة
على عقولهم اقبلوا على هذه الرذيلة وافسدوا
عليهم ارتفاقاتهم فلو لم يجر الرسم بمنع عن
فعلتهم تلك لهلك الناس، وهذا اصل حرمة
ادمان الخمر، اما حرمة قليلها وكثيرها فلا
يبين الا في مبحث الشرائع والفحول منهم
يشبهون الفحول من البهائم في الغضب على
من يصد عن مطلوب ويجري عليه مؤلما
في نفسه او في بدنه لكن الفحول من البهائم
لا تتوجه الا الى مطلوب محسوس او متوهم
والانسان يطلب المتوهم والمعقول وحرصه
اشد من حرص البهائم وكانت البهائم تتقاتل
حتى ينهزم واحد ثم ينسى الحقد الا ما كان
من مثل الفحول من الابل والبقر والخيل

لیکن آدمی اپنی عداوت کو نہیں بھولتا پس اگر انسانوں میں باہم جنگ جاری رہے تو تمام شہر برباد ہو جائیں اور تمام امور معاش مختل ہو جائیں، اسواسطے قتل اور زدوکوب کے حرام ہونیکا انکو الہام ہوا ہاں کسی مصلحت عظیمہ کیوجہ سے جائز ہے جیسا کہ قصاص وغیرہ میں ہوتا ہے اور کبھی لوگوں کے دلوں میں قاتلین کیطرح کینہ کا جوش پیدا ہوتا ہے اور قصاص کا ان کو اندیشہ ہوتا ہے پس ایسے لوگ کھانے میں زہر دیکر یا سحر سے مارنے کی فکر کرتے ہیں اسکا حال بھی قتل کا سا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے قتل تو برملا ہوتا ہے اس سے انسان بچ سکتا ہے لیکن اس سے بچنا مشکل ہے اور کبھی متہم کر کے قتل کروا دینے کی غرض سے بادشاہ کے پاس چغلخوری کیجاتی ہے اور معاش کے طریقے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے یہی قرار دیئے ہیں کہ مباح زمین سے کوئی چیز حاصل کریں اسمیں مویشی چرائیں یا زراعت و تجارت وغیرہ سے معاش پیدا کریں شہر اور مذہب کا انتظام کریں جو پیشے ان کے علاوہ ہیں انکے لئے تمدن میں کوئی جگہ نہیں لیکن بعض لوگ برے پیشے اختیار کر لیتے ہیں جن سے ضرر پہنچتا ہے مثلاً چوری اور غصب ان سے شہر تباہ ہو جاتے ہیں، اسواسطے خدا نے لوگوں کو اپنے الہام سے ان سب مضر پیشوں کو حرام ہونا تلقین کیا ہے تمام بنی آدم ان کی حرمت پر متفق ہیں گو سرکش لوگ ان کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن انصاف پسند سلاطین انکو مٹانے اور دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب بعض نے یہ سمجھا کہ سلاطین ان کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں تو انھوں نے جھوٹے دعاوی، جھوٹی قسمیں، جھوٹے گواہوں کا پیشہ اختیار کر لیا، ناپ تول میں کمی کی، جوا کھیلنا اختیار کیا، دو چند، سہ چند سود کھانے لگے ان سب امور کا حکم بھی انہی مضر پیشوں کا سا ہے اور خراج زیادہ لینا بھی بمنزلہ رہزنی کے ہے بلکہ اس سے بدتر ہے بہرحال انہیں اسباب سے لوگوں کے دلوں میں ایسے امور کی حرمت آگئی ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

٭ ٭ ٭ ٭

٭

والانسان يحقد ولا ينسى فلو فتح فيهم باب التقاتل لفسدت مدينتهم واختلت معايشهم فالهموا حرمة القتل والضرب الا لمصلحة عظيمة من قصاص ونحوه وهاج من الحقد في صدور بعضهم مثل ما هاج في صدور الاولين وخافوا القصاص فاخلدوا الى ان يدسوا السم في الطعام او يقتلوا بسحر، وهذه حالة بمنزلة القتل بل اشد منه فان القتل ظاهر يمكن التخلص منه وهذه لا يمكن التخلص منها واخلدوا ايضا الى القذف والمشي به الى ذي سلطان ليقتل والمعايش التي جعلها الله تعالى لعباده انما هي الالتقاط من الارض المباحة والرعي و الزراعة والصناعة والتجارة وسياسة المدينة والملة وكل كسب تجاوز عنها فانه لا مدخل له في تمدنهم واخلد بعضهم الى اكساب ضارة كالسرقة والغصب وهذه كلها مدمرة للمدينة فالهموا انها محرمة و اجتمع بنو آدم كلهم على ذلك وان باشرها العصاة منهم في غلواء نفوسهم وسعى الملوك العادلة في ابطالها ومحقها واستشعر بعضهم سعي الملوك في ابطالها فاخلدوا الى الدعاوى الكاذبة واليمين الغموس وشهادة الزور وتطفيف الكيل والوزن والقمار و الربا اضعافا مضاعفة وحكمها حكم تلك الاكساب الضارة واخذ العشر النهك بمنزلة قطع الطريق بل اقبح، وبالجملة فلهذه الاسباب دخلت في نفوس بني آدم حرمة هذه

جو لوگ زیادہ عقل مند، سلیم الرائے، مصالح عامہ کے زیادہ واقف ہوتے ہیں وہ ہمیشہ قرناً بعد قرنٍ ان سے منع کرتے آئے ہیں یہاں تک کہ یہ عام رواج ہو کر بدیہیات اولیۃ میں۔ بمنزلہ دیگر مشہورات کے شامل ہوگئیں۔ پس اسوقت ان کا اثر ملاء اعلےٰ کی طرف پہنچتا ہے جسطرح سے ملاء اعلیٰ کی طرف سے اولاً یہ الہام ہوا تھا کہ یہ چیزیں حرام ہیں اور یہ نہایت مضر ہیں اس لئے جب کوئی شخص ایسے افعال کا مرتکب ہوتا ہے تو ملاء اعلیٰ کو سخت اذیت ہوتی ہے جس طرح کہ کوئی شخص انگارے پر پاؤں رکھتا ہے تو فوراً اسی لحظہ میں قوائے ادراکیہ تک اس کا اثر منتقل ہو جاتا ہے، اور اس سے تکلیف پاتا ہے۔ پھر ملاء اعلےٰ کے ایذا پانے سے خطوط شعاعیہ پیدا ہوتے ہیں جو اس عاصی کو گھیر لیتے ہیں، اور ملائکہ وغیرہ مستعدین کے دلوں میں یہ الہام ہوتا ہے کہ اس کو ایذا پہنچائیں اور وہ مصلحت جو اس کے حق میں مقرر ہو چکی ہے جس کو شرع میں الہام ملائکہ کہتے ہیں کہ اسقدر اس کا رزق ہے اور اسقدر عمر ہے اور فلاں وقت تک زندگی ہے، اور وہ نیک ہے یا بُرا ہے اور جس کو نجوم میں احکام طالع کہتے ہیں اسکے حق میں وسیع کردی جاتی ہے۔ پس جب مر جاتا ہے اور وہ مصلحت پوری ہو جاتی ہے تو اس کے لئے خدا تعالےٰ فارغ ہوتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے "اے انس و جن میں تمہارے لئے عنقریب فارغ ہونے والا ہوں" اور اس کو پوری پوری جزا دیتا ہے

والله اعلم

الاشياء وفاما اقواهم عقلاً واسدهم رأيا واعلمهم بالمصلحة الكلية يمنع عن ذلك طبقة بعد طبقة حتى صار رسما فاشيا ودخلت فى البديهيات الاولية كسائر المشهورات الذائعة فعند ذلك يرجع الى الملا الاعلى لون منهم حسبما كان انحدر اليهم من الالهام ان هذه محرمة وانها ضارة اشد الضرر فصاروا كلما فعل واحد من بنى آدم شيئا من تلك الافعال تأذوا منه مثل ما يضع احدنا رجله على الجمرة فتنتقل الى القوى الادراكية فى تلك اللمحة وتتأذى منه ثم صار لتأذيها خطوط شعاعية تحيط بهذا العاصى وتدخل فى قلوب المستعدين من الملائكة وغيرهم ان يؤذوه اذا امكن ايذاؤه ورخصت فيه مصلحته المكتوبة عليه المسماة فى الشرع بالهام الملائكة ما رزقه وما اجله وما عمره وشقى وسعيد وفى النجوم باحكام الطالع حتى اذا مات وهدأت عنه هذه المصلحة فرغ له بارئه كما قال سنفرغ لكم ايها الثقلان وجازاه الجزاء الاوفى والله اعلم

چھٹا مبحث سیاستِ مذہبی کا بیان

پہلا باب (۵۳):- مذہبی رہنماؤں اور مذہب کے قائم کرنے والوں کی ضرورت کا بیان

خدا تعالیٰ فرماتا ہے "بے شک تو ڈرانے والا ہے اور ہر ایک قوم کیلئے کوئی نہ کوئی رہبر ہوا کرتا ہے" واضح ہو کہ وہ طریقے جن سے قوتِ بہیمیت، قوتِ ملکی کی مطیع ہو جاتی ہے اور وہ گناہ جو قوتِ ملکی کے بالکل مخالف ہیں اگرچہ عقل سلیم ان کو جان سکتی ہے اور ان طریقوں کے فوائد اور ان گناہوں کی مضرتوں کو پہچان سکتی ہے لیکن اکثر لوگ ان سے غافل ہیں کیونکہ ان کی سمجھ پر پردے پڑے ہوئے ہیں اسلئے ان کی وجدانی قوت صفراوی آدمی کی طرح بگڑ جاتی ہے پس مقصود حالت اور اسکی منفعت اور اندیشناک حالت اور اسکی مضرت ان کے خیال میں نہیں آتی اسلئے تمام لوگوں کو ایک ایسے واقف کی ضرورت ہے جو رہنمائی کے قوانین کو خوب جانتا ہو، لوگوں کا انتظام کرے، ان کو اچھی باتوں کا حکم کرے، ان کو ہدایت کر کے آمادہ کرے اور ان قوانین کی مخالفت سے باز رکھے۔ بعض لوگوں کی رائے ایسی فاسد ہوتی ہے کہ وہ طریقہ مطلوب کے خلاف ہی قصد کرتے ہیں اسلئے وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں پس قوم کی اصلاح ایسے خیالات کے مٹائے بغیر نہیں ہوتی۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ انکی رائے کسی قدر ٹھیک ہوتی ہے، انکو ہدایت کا بہت مختصر سا حصہ حاصل ہوتا ہے اسلئے چند امور انکی یاد میں رہتے ہیں اور بہت سے امور ان کی نظر سے چوک جاتے ہیں یا انکو خیال ہوتا ہے کہ وہ فی نفسہٖ بڑے کامل ہیں، انکو کسی مکمل کی حاجت نہیں ہے اسلئے انکی اصلاح کیواسطے ایسے شخص کی ضرورت پڑتی ہے جو انکو جہل پر مطلع کر دے۔ المختصر لوگوں کو ایسے کامل اور عالم کی ضرورت ہے جو غلطیوں سے محفوظ ہو اور جبکہ شہر، باوجودیکہ اس کے اکثر باشندے عقل معاش رکھتے ہیں جو تمدن کی اصلاحات اور انتظامات مستقل طور پر معلوم کر سکتے ہیں ایک ایسے شخص کا ضرورت مند ہے جو تمدن کی مصلحتوں سے بخوبی واقف ہو۔ لوگوں کی سیاست شائستگی سے کر سکتا ہو۔ تو پھر جب ایسا فرقہ ہو جن میں مختلف استعدادیں ہوں

المبحث السادس

مبحث السياسات الملية

باب الحاجة الى هداة السبل ومقيمى الملل

قال الله تعالى انما انت منذر ولكل قوم هاد واعلم ان السنن الكاسبة لانقياد البهيمية للملكية والآثام المباينة لها وان كان العقل السليم يدل عليها ويدرك فوائد هذه ومضار تلك لكن الناس فى غفلة منها لانه تغلب عليهم الحجب فيفسد وجدانهم كمثل الصفراوى فلا يتصورون الحالة المقصودة ولا نفعها ولا الحالة المخوفة ولا ضررها فيحتاجون الى عالم بالسنة الراشدة يسوسهم ويامر بها ويحض عليها وينكر على مخالفتها، ومنهم ذو راى فاسد لا يقصد بالذات الا اضداد الطريقة المطلوبة فيضل ويضل فلا يستقيم امر القوم الا بكبته واخماله، ومنهم ذو راى راشد فى الجملة لا يدرك الا حصة ناقصة من الاهتداء فيحفظ شيئا ويغيب عنه اشياء او يظن فى نفسه انه الكامل الذى لا يحتاج الى مكمل فيحتاج الى من ينبه على جهله، وبالجملة فالناس يحتاجون لا محالة الى عالم حق العلم تؤمن فلتاته، ولما كانت المدينة مع استبداد العقل المعاشى الذى يوجد عند كثير من الناس بادراك النظام المصلح لها تضطر الى رجل عارف بالمصلحة على وجهها يقوم بسياستها فما ظنك بامة عظيمة من الامم تجمع استعدادات

اور ایسے طریقے کے بارہ میں ہو کہ اسکو دلی شہادت سے وہی لوگ قبول کر سکیں جو نہایت زیرک ہوں، ان کی فطرت علائق سے صاف ہو، کامل تجربہ انکو حاصل ہو، اس طریقہ کی رہبری صرف انہی کو ہو سکتی ہو جو انسانی طبقہ میں اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہیں، حالانکہ ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔ تو ایسی حالت میں کیوں کر کامل کی حاجت نہ ہوگی۔ اور اسیطرح جبکہ آہنگری اور نجاری وغیرہ پیشے عام لوگوں کو بغیر سلف کے طریقوں کی پیروی کے اور بغیر اساتذہ کی رہبری کے حاصل نہیں ہو سکتے تو آپ ان عمدہ مطالب کے متعلق کیا گمان کر سکتے ہیں جنکو سوائے اہل توفیق کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا اور جنکی طرف سوائے مخلصین کے اور کوئی رغبت نہیں کرتا ؎

پھر ایسے عالم کے لئے ضروری ہے کہ برملا لوگوں کے سامنے یہ ثابت کر دے کہ وہ راہ راست کا عالم ہے، اپنے اقوال میں خطا اور گمراہی سے معصوم اور محفوظ ہے اور وہ اس سے بھی محفوظ ہے کہ اصلاح کے ایک حصہ کو اختیار کرے اور دوسرے ضروری حصہ کو ترک کر دے، اسکی دو صورتیں ہیں (۱) یہ کہ یہ کسی ایسے شخص سے کلام کو نقل کرے جسپر سلسلہ کلام کا ختم ہوتا ہے کیونکہ لوگ اسکے کمالات اور عصمت پر متفق ہوتے ہیں اور لوگوں میں اسکی روایت محفوظ ہوتی ہے پس وہ انہی کے اعتقاد کے موافق لوگوں سے مؤاخذہ کرتا ہے اور ان ہی کی دلیل پیش کر کے ان کو ساکت کر دیتا ہے (۲) یہ کہ خود یہ وہ شخص ہو جسپر بات ختم ہو جائے اور وہ سب کا متفق علیہ ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ لوگوں کے واسطے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو معصوم ہو اور اسکی عصمت پر سب کا اتفاق ہو یا اس سے روایت محفوظ ہو۔ اب رہا اس بات کا معلوم کرنا کہ اس شخص کو اطاعت کے علوم حاصل ہیں اور ان سے اچھے طریقے پیدا ہوتے ہیں اور یہ شخص ان طریقوں کی بھلائی، برائی کی وجوہات سے واقف ہے، سو یہ بات نہ تو دلیل سے معلوم ہوتی ہے نہ اس عقل سے جو معاش میں تصرف کرتی ہے اور نہ حس سے بلکہ یہ وہ امور ہیں جن کو خاص وجدان ہی جانتا ہے۔ پس جس طرح بھوک، پیاس اور دوا حار یا بارد کی تاثیر بغیر وجدان کے معلوم نہیں ہوتی

مختلفة جدا فی طریقة لایقبلها بشهادة القلوب الا الاذکیاء اهل الفطرة الصافیة اولی التجرید البالغ ولایهدی الیها الا الذین هم فی اعلی درجة من اصناف النفوس وقلیل ما هم۔ وکذلك ایضا لما کانت الحدادة والنجارة وامثالهما لا تتأتی من جمهور الناس الا بسنن ماثورة عن اسلافهم واساتذة یهدونهم الیها ویحضونهم علیها فما ظنك بهذه المطالب الشریفة التی لایهتدی الیها الا الموفقون ولایرغب فیها الا المخلصون ؎

ثم لابد لهذا العالم ان یثبت علی رؤس الاشهاد انه عالم بالسنة الراشدة وانه معصوم فیما یقوله من الخطا والضلال ومن ان یدرك حصة من الاصلاح ویترك حصة اخری لابد منها وذلك ینحصر فی وجهین، اما ان یکون راویا عن رجل قبله انقطع عنده الکلام لکونهم مجمعین علی اعتقاد کماله وعصمته وکون الروایة محفوظة عندهم فیمکن له ان یؤاخذهم بما اعتقدوه ویحتج علیهم ویفحمهم او یکون هو الذی انقطع عنده الکلام واجمعوا علیه، وبالجملة فلابد للناس من رجل معصوم یقع علیه الاجماع یکون فیهم او تکون الروایة محفوظة عندهم وعلمه بحالة الانقیاد وتولید هذه السنن منها ووجوه منافعها وعلمه الآثام ووجوه مضارها لایمکن ان یحصل بالبرهان ولا بالعقل المتصرف فی المعاش ولا بالحس بل هی امور لایکشف عن حقیقتها الا الوجدان فکما ان الجوع والعطش وتاثیر الدواء

اسطرح کہ کسی شئی کا روح کے موافق یا مخالف ہونا بغیر ذوق سلیم
کے دریافت نہیں ہوسکتا اور اس شخص کے خطاسے محفوظ ہونے کی
صورت یہ ہے کہ خدا تعالٰے اسکی ذات میں علم بدیہی پیدا کرتا ہے
کہ وہ چیزیں جنکا اس نے ادراک کیا ہے بالکل حق اور واقع کے
مطابق ہیں جیسے کہ دیکھنے والے کو دیکھتے ہی معلوم ہوجاتا ہے۔
اسکو کچھ احتمال نہیں ہوتا کہ میری بینائی میں کچھ فرق ہے، یا
خلاف واقع چیزوں کو میں دیکھ رہا ہوں۔ اور جیسے زبان کے موضوع
الفاظ کا علم ہوتا ہے مثلاً عربی داں کو اسمیں شک نہیں ہوتا کہ ماء (پانی)
اس عنصر کے لئے موضوع ہے اور ارض (زمین) کا لفظ اس عنصر
کے لئے موضوع ہے حالانکہ اس علم کے لئے نہ کوئی عقلی دلیل ہے
اور نہ اس لفظ اور معنی میں کوئی لزوم عقلی ہے تاہم خدا تعالٰے ان
امور کا بدیہی علم طبیعتوں میں پیدا کرتا ہے۔ اور اکثر لوگوں میں یہ علم
اسطرح سے پیدا ہوتا ہے کہ ان کے نفوس میں ایک ملکہ جبلیہ ہوتا
ہے جس سے ان کو صحیح صحیح طریقہ پر ہمیشہ علم وجدانی حاصل ہوتا
رہتا ہے اور وہ تجربہ سے اپنے وجدان کو صحیح اور سچا پاتے ہیں
اور عام لوگوں کو اس رہبر کے معصوم ہونے کا اس طرح سے
علم ہوتا ہے کہ ان کو بہت سے یقینی یا مشہور دلائل سے خوب
ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ شخص جن امور کی طرف ہم کو بلاتا ہے
وہ سب حق ہیں اور اس کی عادت حمیدہ سے جھوٹ بولنا بعید
ہے۔ اور کبھی اس کے معصوم ہونے کا اس طرح علم ہوتا ہے کہ
اس کی ذات میں تقرب کے آثار دیکھتے ہیں' معجزات اس
سے صادر ہوتے ہیں' اس کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں جن سے
ان کو یقین ہو جاتا ہے کہ سماوی تدابیر میں اس کا بڑا مرتبہ ہے
اور اسکا نفس ان نفوس قدسیہ میں سے ہے جو ملائکہ سے ملحق ہیں
ایسے شخص سے کبھی یہ نہیں ہوسکتا کہ خدا کی طرف جھوٹی بات
منسوب کرے اور کسی گناہ کو عمل میں لائے۔ اس کے بعد
اس شخص سے ایسے ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں جن سے وہ لوگ
باہم مجتمع ہوکر اس شخص کو اپنے مال سے' اولاد سے اور سرد پانی سے
جس کو پیاس کے وقت دوست رکھتے ہیں' زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔

المستحسن او المبرد لا یدرک الا بالوجدان فکذلک
معرفة ملاءمة الشئ للروح ومباینته
لها لا طریق الیها الا الذوق السلیم وکونه
مأمونا عن الخطاء فی نفسه انما یکون بخلق
الله علما ضروریا فیه بان جمیع ما ادرک
وعلم حق مطابق للواقع بمنزلة ما یقع
للمبصر عند الابصار فانه اذا ابصر شیئا
لا یحتمل عنده ان تکون عینه مؤفة وان
یکون الابصار علی خلاف الواقع وبمنزلة
العلم بالموضوعات اللغویة فان العربی مثلا
لا یشک ان الماء موضوع لهذا العنصر ولفظ
الارض لذلک مع انه لم یقم له علی ذلک
برهان ولیس بینهما ملازمة عقلیة ومع
ذلک فانه یخلق فیه علم ضروری وانما
یحصل ذلک فی الاکثر بان یکون لنفسه ملکة
جبلیة یکون بها تلقی العلم الوجدانی علی سنن
الصواب دائما وان یتعاضد الوجدان ویتکرر
تجربة صدق وجدانه وعند الناس انما
یکون بان یصح عندهم بادلة کثیرة برهانیة
اوخطابیة ان ما یدعوالیه حق وان سیرته
صالحة یبعد منها الکذب وان یروا منه
اثار القرب کالمعجزات واستجابة الدعوات
حق لا یشکوا ان له فی التدبیر العالی منزلة
عظیمة وان نفسه من النفوس القدسیة
اللاحقة بالملائکة وان مثله حقیق بان
لا یکذب علی الله ولا یباشر معصیة، ثم
بعد ذلک تحدث امور تؤلفهم تالیفا عظیما
وتصیره عندهم احب من اموالهم و
اولادهم والماء الزلال عند العطشان

بغیر ایسے شخص کے کسی فرقہ اور قوم میں حالت مقصودہ کا رنگ نہیں چڑھ سکتا ہے اسی وجہ سے لوگ اس قسم کی عبادت میں مصروف رہا کرتے ہیں اور اپنے تمام امور کی ایسے شخص کی طرف نسبت کرتے ہیں جس میں ایسے امور کے ہونے کا ان کو اعتقاد ہوا کرتا ہے خواہ اس اعتقاد میں وہ صحیح ہوں یا غلط۔ واللہ اعلم۔

دوسرا باب (۵۴):۔ نبوت کی حقیقت اور اسکے خواص کا بیان

واضح ہو کہ انسانی طبقوں میں سب سے اعلیٰ درجہ کے لوگ اہل فہم ہیں یہ لوگ اہل اصطلاح ہوتے ہیں ان کی ملکی قوت نہایت بلند ہوتی ہے یہ لوگ حقانی خواہش سے انتظام مقصود کے قائم کرنے پر آمادہ ہونیکی صلاحیت رکھتے ہیں اور ملاء اعلیٰ سے ان پر علوم اور احوال الہیہ نازل ہوتے ہیں۔ مفہم کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے مزاج خلقت اور خلق میں اعتدال اور تناسب ہو نہ اس میں جزئی رایوں کے اعتبار سے بیتابی ہو اور نہ ایسے بڑے درجہ کی ذکاوت ہو کہ کلی سے جزئی کو اور روح سے صورت کو معلوم نہ سکے اور نہ ایسا غبی ہو کہ جزئی سے کلی کی طرف اور صورت سے روح کی جانب منتقل نہ ہو سکے۔ اور سب لوگوں میں راہ راست کا زیادہ التزام رکھنے والا ہو، عبادت میں ہمیشہ مصروف ہو، لوگوں کے ساتھ معاملات میں انصاف کو پسند کرتا ہو، تدابیر کلی کو ہمیشہ پسند کرتا ہو منفعت عام میں راغب رہتا ہو، کسی شخص کو ایذا نہ دیتا ہو، ہاں، اگر تکلیف اور ایذا پر عام نفع موقوف ہو یا نفع عام کو ایذا لازم ہو تو البتہ اس سے ایذا پہنچ سکتی ہے عالم غیب کیجانب ہمیشہ اسکا میلان رہتا ہو، اس میلان کا اثر اس کی بات میں، چہرہ میں اور ہر کام میں محسوس ہوتا ہو، اسکے ہر پہلو سے معلوم ہوتا ہو کہ عالم غیب سے اسکو تائید پہنچتی ہے ادنیٰ ریاضت سے اسکو ایسا قرب اور تسکین حاصل ہو جو دوسروں کو بڑی ریاضت اور عبادت سے حاصل نہ ہو۔ مفہمین کی چند قسمیں ہیں اور ان کی استعدادیں مختلف ہیں۔ پس جسکی اکثر یہ حالت ہو کہ خدا کیجانب

فهذا كله لا يتحقق انصباغ امة من الامم بالحالة المقصودة بدونه ولذلك لم يزل المشغولون بنظائر هذه العبادات يسندون امرهم الى من يعتقدون فيه هذه الامور اصابوا ام اخطأوا والله اعلم۔

باب حقيقة النبوة وخواصها

اعلم ان اعلى طبقات الناس المفهمون وهم ناس اهل اصطلاح ملكية هم فى غاية العلو يمكن لهم ان ينبعثوا الى اقامة نظام مطلوب بداعية حقانية ويترشح عليهم من الملا الاعلى علوم واحوال الهية ومن سيرة المفهم ان يكون معتدل المزاج سوى الخلق والخلق ليس فيه خبابة مفرطة بحسب الاراء الجزئية ولا ذكاء مفرط لا يجذبه من الكلى الى الجزئى ومن الروح الى الشبح سبيلا ولا غباوة مفرطة لا يتخلص بها من الجزئى الى الكلى ومن الشبح الى الروح ويكون الزم الناس بالسمة الراشدة ذا سمت حسن فى عباداته ذا عدالة فى معاملة مع الناس محبا للتدبير الكلى راغبا فى النفع العام لا يؤذى احدا الا بالعرض بان يتوقف النفع العام عليه او يلازمه لا يزال مائلا الى عالم الغيب يحس اثر ميله فى كلامه ووجهه وشانه كله يرى انه مؤيد من الغيب ينفتح له بادنى رياضة ما لا ينفتح لغيره من القرب والسكينة۔ والمفهمون على اصناف كثيرة واستعدادات مختلفة فمن كان اكثر حاله ان يتلقى من الحق علوم تهذيب

جن سے عبادتوں کے ذریعہ سے نفس میں تہذیب پیدا ہوتی ہے اسکو
کامل کہتے ہیں۔ اور جسکا اکثر حال یہ ہو کہ اخلاق حمیدہ اور تدبیر منزل وغیرہ
چیزوں کے علوم حاصل کرتا ہو تو وہ حکیم ہے۔ اور جسکے اکثر احوال یہ
ہوں کہ وہ سیاستِ کلیہ کو حاصل کرے پھر اسکو لوگوں میں عدل کرنے
اور ظلم کے مٹانے کی توفیق ہو تو وہ خلیفہ ہے اور جسکو ملاءِ اعلیٰ کی حضوری
ہو، یہ فرشتے اسکو تعلیم دیں اس سے خطاب کریں اور اسکو آنکھوں
سے نظر آئیں اور مختلف قسم کی کرامتیں اس سے ظاہر ہوں اس کا
نام مؤید بروح القدس ہے۔ اور جس کی زبان اور دل پُر نور ہوں،
جس کی صحبت اور نصیحت سے لوگ نفع حاصل کریں اور پھر وہی تسلی،
اور نور اس کے خاص صحابہ اور حواریین میں منتقل ہو وہ اسکے ذریعہ
سے کمال درجات تک پہنچ جائیں اسکو ان کی ہدایت اور رہبری
کی نہایت ہی حرص ہو تو اسکو ہادی مزکّی کہتے ہیں۔ اور جس کا بڑا حصہ
علمی مذہب کے قواعد اور مصالح ہوں وہ اسکا زیادہ مشتاق ہو کہ ان
علوم کو قائم کرے جو محو ہو گئے ہیں تو اسکو امام کہتے ہیں۔ اور جسکے دل میں
القا کیا گیا ہو کہ لوگوں کو ان مصائب کا حال بتادے جو دنیا میں ان کے
لئے مقدر ہیں، یا کسی قوم کے ملعون ہونے کو معلوم کر کے ان کو اسکی
اطلاع دے، یا بعض اوقات تجرید نفس کیحالت میں ان واقعات
کو اس نے معلوم کیا جو قبر اور حشر میں لوگوں کو پیش آنے والے ہیں
اور یہ اسی قسم کے حالات لوگوں کو بتائے تو اس کو منذر کہتے ہیں
جب حکمت الٰہی کا اقتضا ہوتا ہے کہ کسی مفہم کو لوگوں کی طرف بھیجے
تو خدا تعالےٰ اس شخص کے باعث سے لوگوں کو ظلمتوں سے نور
کیطرف نکالتا ہے۔ بندوں پر خدا کا فرض ہوتا ہے کہ اپنی زبانوں
اور دلوں سے اس کے آگے سر بہ تسلیم ہوں، ملاءِ اعلےٰ کو اسکی
تاکید ہوتی ہے کہ اس کے فرماں برداروں سے خوشنود ہو کر
ان کے شریک رہیں اور جو اس کی مخالفت کرے اور عداوت سے
پیش آئے اسپر لعنت کریں اور اس سے علیحدگی کریں، خدا لوگوں
کو اسکی اطلاع کرتا ہے، ان پر اسکی اطاعت واجب کرتا ہے، ایسا
شخص نبی ہوتا ہے۔ اور سب میں معظم الشان وہ نبی ہے جسکے لئے
بعثت کی کوئی اور نوع بھی ہو اور وہ یہ کہ خدا کو یہ منظور ہو کہ

النفس بالعبادات فهو الكامل، ومن كان
اكثر حاله تلقي الاخلاق الفاضلة وعلوم
تدبير المنزل ونحو ذلك فهو الحكيم، و
من كان اكثر حاله تلقي السياسات الكلية
ثم وفق لاقامة العدل في الناس وذب
الجور عنهم يسمى خليفة، ومن المت به
الملا الاعلى فعلمته وخاطبته وتراءت له
وظهرت انواع من كراماته يسمى بالمؤيد
بروح القدس، ومن جعل منهم في لسانه
وقلبه نور فنفع الناس بصحبته وموعظته
وانتقل منه الى حواريين من اصحابه سكينة
ونور فبلغوا بواسطته مبالغ الكمال وكان
حثيثا على هدايتهم يسمى هاديا مزكيا، ومن
كان اكثر علمه معرفة قواعد الملة ومصالحها
وكان حثيثا على اقامة المندرس منها يسمى
اماما، ومن نفث في قلبه ان يخبرهم بالداهية
المقدرة عليهم في الدنيا او تفطن بلعن الحق
قوما فاخبرهم بذلك او جرد بنفسه في بعض
اوقاته فعرف ما سيكون في القبر والحشر
فاخبرهم بتلك الاخبار يسمى منذرا، واذا
اقتضت الحكمة الالهية ان يبعث الى الخلق
واحدا من المفهمين فيجعله سببا لخروج
الناس من الظلمات الى النار وفرض الله
على عباده ان يسلموا وجوههم وقلوبهم
له وتاكد في الملا الاعلى الرضا عمن انقاد له
وانضم اليه واللعن على من خالفه وناواه
فاخبر الناس بذلك والزمهم طاعته فهو النبي
واعظم الانبياء شانا من له نوع اخر من
البعثة ايضا وذلك ان يكون مراد الله تعالى

اسکو لوگوں کے لئے ظلمات سے نکل کر نور میں آنے کا سبب بنائے اور اسکی قوم عام لوگوں کے لئے رہبر بنے اسطرح پر اس نبی کی بعثت میں ایک دوسرے قسم کی بعثت ہوا کرتی ہے پہلی بعثت کیطرف اس آیت میں اشارہ ہے "خدا ہی نے ان پڑھوں میں انہیں سے ایک نبی بھیجا" اور دوسری کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے "تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "تم لوگوں میں آسانی کے لئے بھیجے گئے ہو نہ کہ دشواری کے لئے" اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم میں مفہمین کے جمیع فنون پائے جاتے تھے اور آپ کے لئے دونوں بعثتیں حاصل تھیں اور گذشتہ انبیاء میں کسی کو ایک فن کسی کو دو فن حاصل تھے۔

واضح ہو کہ حکمت الٰہیہ انبیاء کی بعثت کی اسلئے مقتضی ہوتی ہے کہ لوگوں کی اضافی اور قابل اعتبار بہتری تدابیر بعثت میں ہی منحصر ہوتی ہے اور اس بہتری کی اصلی حقیقت کا علم سوائے علام الغیوب کے اور کوئی نہیں جانتا۔ لیکن ہم اس قدر جانتے ہیں کہ چند ایسے ایسے اسباب ہیں جو بعثت کے لئے ضروری ہیں اور ان سے بعثت جدا نہیں ہو سکتی اور یہ بھی جانتے ہیں کہ طاعت جب ہی فرض ہوتی ہے جب خدا تعالےٰ کسی قوم کی اصلاح اور بہبودی اس بات میں پائے کہ یہ لوگ خدا کی عبادت کریں۔ اور ان لوگوں کے نفوس اس قابل نہیں ہوتے کہ وہ خود علوم الٰہی کو اخذ کریں۔ اور انکے حال کی درستی اسمیں ہوتی ہے کہ وہ نبی کی اطاعت کریں اسلئے خدا حظیرۃ القدس میں مقرر فرماتا ہے کہ نبی کی اطاعت واجب ہے۔ وہاں اس امر کا فیصلہ ہو جاتا ہے کہ ایک قوم کی ترقی اور دوسری قوم کے تنزل کا وقت آگیا ہے۔ پس اسوقت خدا تعالےٰ اس با اقبال قوم میں نبی پیدا کرتا ہے تاکہ انکے دین کی اصلاح فرمائے جیسا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا یا یہ کہ خدا کو منظور ہوتا ہے کہ کسی قوم کو باقی رکھے اور دوسروں پر اسکو فضیلت عطا کرے اسلئے ایسے شخص کو مبعوث کرتا ہے جو انکی کجی کو درست کردے اور ان کو کتاب الٰہی کی تعلیم دے جیسے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت۔ یا جس قوم کی دولت اور دین کا استمرار مقدر ہوتا ہے اسکے انتظام کیواسطے کسی نبی مجدد کو بھیجتا ہے

فيه ان يكون سببا لخروج الناس من الظلمات الى النور وان يكون قومه خير امة اخرجت للناس فيكون بعثه يتناول بعثا آخر،

والى الاول وقعت الاشارة فى قوله تعالى هو الذى بعث فى الاميين رسولا منهم الآية والى الثانى فى قوله تعالى كنتم خير امة اخرجت للناس وقوله صلى الله عليه وسلم فانما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين - ونبينا صلى الله عليه وسلم استوعب جميع فنون المفهمين واستوجب اتم البعثين وكان من الانبياء قبله من يدرك فنا او فنين ونحو ذلك - واعلم ان اقتضاء الحكمة الالهية لبعث الرسل لا يكون الا لانحصار الخير النسبى المعتبر فى التدبير فى البعث ولا يعلم حقيقة ذلك الا علام الغيوب الا انا نعلم قطعا ان هنالك اسبابا لا يتخلف عنها البعث البتة وافتراض الطاعة انما يكون بان يعلم الله تعالى صلاح امة من الامم ان يطيعوا الله ويعبدوه ويكونوا بحيث لا تستوجب نفوسهم التلقى من الله ويكون صلاح امرهم محصورا يومئذ فى اتباع النبى فيقضى الله فى حظيرة القدس بوجوب اتباعه ويتقرر هنالك الامر وذلك اما بان يكون الوقت وقت ابتداء ظهور دولة وكبت الدول بها فيبعث الله تعالى من يقيم دين اصحاب تلك الدولة كبعث سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم او يقدر الله تعالى بقاء قوم واصطفاءهم على البشر فيبعث من يقوم عوجهم ويعلمهم الكتاب كبعث سيدنا موسى عليه السلام او يكون نظم ما قضى لقوم من استمرار دولة او دين يقتضى بعث مجدد

جیسے داؤد اور سلیمان اور انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کی ایک جماعت کی یہی حالت تھی - اور خدا تعالیٰ نے یہ بات مقرر کر دی تھی کہ ہم ان انبیاء کو ان کے اعداء پر غالب کرینگے - جیسے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے " اپنے پیغمبر بندوں کے لئے ہمارا قول پہلے ہی طے ہو چکا تھا کہ وہ ہمیشہ فتحمند رہیں گے اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہیگا " ان انبیاء کے علاوہ ایسے لوگ بھی ہوا کرتے ہیں جو اتمام حجت کیلئے پیدا کئے جاتے ہیں واللہ اعلم ؛

اور جب کسی قوم کیطرف نبی بھیجا جائے تو ان پر اسکی پیروی واجب ہو جاتی ہے خواہ وہ راہ راست پر ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ ایسے بلند مرتبہ شخص کی مخالفت کرنے سے ملاء اعلیٰ کی لعنت پیدا ہوتی ہے اور مخالف کی ذلت پر اجماع ہو جاتا ہے جس سے تقرب الی اللہ کا راستہ انپر بند ہو جاتا ہے اور ان کی سعی کچھ کام نہیں آتی ' ان کے مرنے کے بعد چاروں طرف سے ان کے دلوں کو لعنت گھیر لیگی - علاوہ اسکے یہ ایک فرضی صورت ہے واقع میں نہیں - تمکو یہود کی حالت سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے انہوں نے دین میں کیسی کیسی زیادتیاں اور کتاب الٰہی میں کیسی تحریف کی تھی اسلئے سب لوگوں سے زیادہ انکے لئے پیغمبر کی بعثت کی ضرورت تھی - اور انبیاء کی بعثت سے بندوں پر حجت الٰہی اسطرح قائم ہے کہ اکثر لوگونکی پیدائش اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ بغیر کسی کے بتلائے مفید اور مضر امور کو حاصل کر سکیں بلکہ یا تو انکی استعداد ضعیف ہوتی ہے جو انبیاء کے خبر دینے اور بتلانے سے قوی ہو جاتی ہے - یا ایسے موانع اور مفاسد ہوتے ہیں جو بغیر جبر اور دلیل کے دفع نہیں ہو سکتے اور انکی حالت یہ ہوتی ہے کہ دنیا اور آخرت میں انکو عذاب دیا جائے تب بعض اسباب علوی اور سفلی کے جمع ہونیکے بعد لطف خداوندی کا اقتضا ہوتا ہے کہ کسی قوم میں سے نہایت ذکی شخص پر وحی کرے کہ لوگونکو حق کیجانب رہنمائی کرے اور راہ راست کیجانب انکو بلائے پس نبی کا حال رہبری کے بارہ میں ایسا ہے جیسے کسی سردار کے کئی غلام بیمار ہو جائیں اور وہ کسی اپنے خاص رازدان کو انکے لئے دوا پلانے پر متعین فرمائے کہ یہ کہنا مانتے ہیں یا نہیں پس اگر وہ انکو زبردستی پلائیگا تب بھی حق پر ہوگا لیکن انکے لطف کامل نے تو یہ کیا کہ اول ان کو بتلایا کہ تم بیمار ہو اور یہ دوا تمہارے لئے نافع ہے اور اپنے اقوال میں سچا ہونے کیلئے اس نے امور خارق عادت دکھلائے

كداؤد وسليمان وجمع من انبياء بني اسرائيل عليهم السلام وهؤلاء الانبياء قد قضى الله بنصرتهم على اعدائهم كما قال ولقد سبقت كلمتنا لعبادنا المرسلين انهم لهم المنصورون وان جندنا لهم الغالبون» ووراء هؤلاء قوم يبعثون لاتمام الحجة والله اعلم ؛

واذا بعث النبي وجب على المبعوث اليهم ان يتبعوه وان كانوا على سنة راشدة لان مناواة هذا المنوه شانه يورث لعنا من الملا الاعلى واجماعا على خذلانه فينسد سبيل تقربهم من الله ولا يفيد كدهم شيئا واذا ماتوا احاطت اللعنة بنفوسهم على ان هذا صورة مفروضة غير واقعة ولك عبرة باليهود كانوا احوج خلق الله الى بعث الرسل لغلوهم في دينهم وتحريفاتهم في كتابهم وثبوت حجة الله على عباده ببعثه الرسل انما هو بان اكثر الناس خلقوا بحيث لا يمكن لهم تلقي ما لهم وما عليهم بلا واسطة بل استعدادهم اما ضعيف يتقوى باخبار الرسل او هناك مفاسد لا تندفع الا بالقسر على رغم انفهم وكانوا بحيث يؤاخذون في الدنيا والآخرة فاوجب لطف الله عند اجتماع بعض الاسباب العلوية والسفلية ان يوحي الى اذكى القوم ان يهديهم الى الحق ويدعوهم الى الصراط المستقيم فمثله في ذلك كمثل سيد مرض عبيده فامر بعض خواصه ان يكلفهم شرب دواء اشاؤا ام ابوا فلو انه اكرههم على ذلك كان حقا ولكن تمام اللطف يقتضي ان يعلمهم اولا انهم مرضى وان الدواء نافع وان يعمل امورا خارقة تطمئن

تاکہ ان کے دل مطمئن ہوجائیں - اور نیز اسکو مناسب ہے کہ اس دوا میں کوئی شیریں جز بھی ملادے، پس اسوقت وہ اسکے احکام کی بجاآوری اپنی بصیرت اور رغبت سے کرینگے اسیوجہ سے معجزات اور قبولیتِ دعاء وغیرہ امور اصل نبوت سے خارج ہیں - ہاں، اکثر حالتوں میں لازم ضرور ہوا کرتے ہیں اور بڑے بڑے معجزات کا ظہور اکثر تین اسباب سے ہوا کرتا ہے (۱) اس نبی کا مفہمین میں سے ہونا، اسوجہ سے بعض حوادث اسپر منکشف ہوجاتے ہیں اور یہ ظہور دعاؤں کی قبولیت اور ان امور میں موجب برکات ہوجاتا ہے جسکے لئے برکت کی دعاء کیجاتی ہے اور برکت کے ہونیکی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، کبھی کسی شئی کا نفع زیادہ ہوجاتا ہے مثلاً اعداء کے دلوں میں نبی کی طرف سے یہ خیال جما دیا جائے کہ اس کا لشکر بہت ہے، اس لئے وہ بزدل ہوجاتے ہیں - یا طبیعت غذاء کو خلط صالح بنادیتی ہے تب ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دو چند کھانا کھایا ہے - اور کبھی خود اصل شئی ہی بڑھ جاتی ہے، اور اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مادہ ہوائی قوت مثالی کے حلول کرنے کی وجہ سے اس صورت میں تبدیل ہوجاتا ہے - ان اسباب کے علاوہ اور بھی اسباب ظہور برکات کے ہوتے ہیں جنکا شمار کرنا دشوار ہے —

دوسرا سبب ظہور معجزات کا یہ ہوتا ہے کہ ملاءاعلےٰ متفق ہو کر نبی کے احکام جاری کرنا چاہیں، اسوجہ سے الہامات، انتقالات اور تقریبات پیش آتے ہیں جو پہلے سے نہ ہوتے تھے پس نبی کے احباب فتحمند اور اعداء خوار و خراب ہوتے ہیں - اور حکم الٰہی کا ظہور ہوتا ہے اگرچہ کفار کو ناگوار معلوم ہو - تیسرا سبب معجزات کا یہ ہوتا ہے کہ اسباب خارجی کیوجہ سے بہت سے حوادث پیدا ہوجائیں جیسے نافرمانوں کو سزا دیجائے اور جو میں بڑے بڑے امور کا احداث ہو، پس ان امور کو خدا تعالےٰ کسی نہ کسی وجہ سے معجزہ بنا دیتا ہے یا تو نبی پہلے سے انپر لوگوں کو مطلع کردیتا ہے یا اسکی نافرمانی پر لوگوں کو سزا مل جاتی ہے یا جو طریقہ سزا کا نبی نے بتادیا تھا وہ حوادث اسی کے موافق ہوتے ہیں، یا اسی قسم کے اور امور ہوا کرتے ہیں - انبیاء کے معصوم ہونیکے بھی تین اسباب ہیں

(۱) یہ کہ خدا تعالیٰ انسان کو شہوات رذیلہ سے پاک اور آزاد پیدا کرے، بالخصوص ان امور میں جو محافظتِ حدود اور شریعت سے متعلق ہیں

(۲) یہ کہ وحی کے ذریعہ نیکی کی بھلائی اور گناہ کی برائی اور اسکا انجام اسکو معلوم ہوجائے

(۳) یہ کہ اسکے اور شہوات رذیلہ کے درمیان خود خدا تعالیٰ حائل ہوجائے -

نفوسهم بها على انه صادق فيما قال وان يشوب الدواء بحلو فحينئذ يفعلون ما يؤمرون به على بصيرة منه وبرغبة فيه فليست المعجزات ولا استجابة الدعوات ونحو ذلك الامور اخارجة عن اصل النبوة لازمة لها فى الاكثر وظهور معظم المعجزات يكون من اسباب ثلاثة، احدها كونه من المفهمين فان ذلك يوجب انكشاف بعض الحوادث عليه ويكون سببا لاستجابة الدعوات وظهور البركات فيما يبرك عليه +

والبركة اما زيادة نفع الشئ بان يخيل اليهم مثلا ان الجيش كثير فيفشلوا او بصرف الطبيعة الغذاء الى خلط صالح فيكون كمن تناول اضعاف ذلك الغذاء او زيادة عين الشئ بان تنقلب المادة الهوائية بتلك الصورة لحلول قوة مثالية ونحو ذلك من الاسباب التى يعسر احصاؤها، والثانى ان تكون الملا الاعلى مجمعة الى تمشية امره فيوجب ذلك الهامات واحالات وتقريبات لم تكن تعهد من قبل فينصر الاحباء ويخذل الاعداء ويظهر امر الله ولو كره الكافرون والثالث ان تحدث حوادث لاسبابها الخارجية من مجازاة العصاة وحدوث الامور العظام فى الجو فيجعلها الله تعالى معجزة له بوجه من الوجوه اما لتقدم اخباره بها او ترتب المجازاة على مخالفة امره او كونها موافقة بما اخبر من سنة المجازاة او امر ما يشبه ذلك والعصمة لها اسباب ثلاثة، ان يخلق الانسان نقيا عن الشهوات الرذيلة سيما لاسيما فيما يرجع الى محافظة الحدود الشرعية وان يوحى اليه حسن الحسن وقبح القبيح ومآلهما وان يحول الله بينه وبين ما يريد من الشهوات

واضح ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت میں سے یہ ہے کہ وہ خدا کی ذات
اور صفات میں غور اور فکر کرنیکا حکم نہ کریں کیونکہ عام لوگ اسکی طاقت نہیں
رکھتے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "خدا کی ذات میں
غور نہ کرو بلکہ اسکی مخلوق میں غور کرو"۔ اور اس آیت کی تفسیر میں "تیری رب
کی طرف نہایت ہے" فرمایا کہ خدا کی ذات میں کچھ غور نہ کرنا چاہئے۔ انبیاء
ہمیشہ خدا تعالیٰ کے نعائم اور عجائب قدرت میں فکر کرنیکا حکم دیتے ہیں۔ نیز
انبیاء علیہم السلام کی سیرت میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں سے ان کی عقلوں کے
موافق اور ان کے علوم کے مناسب جو ان کے اندر پیدائشی طور پر پائے جاتے
ہیں، کلام کیا کریں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ نوع انسان کیلئے خواہ وہ کہیں ہو،
ادراک کی ایک حد معین ہے جسکا مرتبہ تمام حیوانی ادراک سے زیادہ ہے
مگر جسکا مادہ اس قسم کے انسانی ادراک کے قابل نہ ہو تو وہ حیوانات سے زاید
نہیں۔ اور اس نوع انسان کے لئے اس ادراک کے علاوہ اور زاید علوم
اور ادراک بھی ہیں جو ایسی عادت مستمرہ کے خلاف حاصل ہوتے ہیں،
جیسا کہ انبیاء اور اولیاء کے قدسی نفوس کو حاصل ہوتے ہیں یا ان ریاضات
شاقہ سے حاصل ہوتے ہیں جو نفس میں ان علوم کی صلاحیت بخشتے ہیں،
جیسا کہ حساب سے یا ایک مدت تک قواعد حکمت اور کلام اور اصول و
فقہ وغیرہا کی ممارست کرنے سے۔ پس انبیاء علیہم السلام لوگوں سے
اس سادہ ادراک کے موافق کلام کرتے ہیں جو بلحاظ اصلی پیدائش کے
لوگوں کی طبائع میں موجود ہوتا ہے اور ان امور کیطرف التفات نہیں
کرتے جنکے علوم کے اسباب نادر ہیں اور ان کے موجود ہونیکا کمتر اتفاق
ہوتا ہے پس اسی لئے انبیاء نے لوگوں سے یہ نہیں فرمایا کہ تم اپنے رب کو
تجلیات اور مشاہدات سے پہچانو اور نہ یہ فرمایا کہ براہین اور قیاسات
سے جانو اور نہ یہ فرمایا کہ اسکو جمیع جہات سے منزہ سمجھو کیونکہ اسطرح پر
معلوم کرنا ان لوگوں کیلئے محال سا ہے جنہوں نے ایک مدت تک ریاضیات
کا شغل نہیں رکھا اور نہ ایک مدت دراز تک معقولیوں کے ساتھ صحبت رکھی
جو ان کو استنباط اور استدلال کے طریقے بتلاتے اور استحسانات کے
طریقے اور ان مقدمات کے ذریعہ سے جن کے ماخذ پر دقت ہیں،
اشباہ اور نظائر میں فرق کرنا سکھاتے ہیں یا اور دیگر وہ امور سکھلاتے
جن کی وجہ سے اصحاب الرائے اہل حدیث پر فخر کیا کرتے ہیں۔

الرذيلة واعلم ان من سيرة الانبياء عليهم السلام
ان لا يامروا بالتفكر فى ذات الله تعالى وصفاته فان
ذلك لا يستطيعه جمهور الناس وهو قوله صلى
الله عليه وسلم تفكروا فى خلق الله ولا تفكروا
فى الله وقوله فى اية وان الى ربك المنتهى قال
لا فكرة فى الرب وانما يامرون بالتفكر فى نعم
الله تعالى وعظيم قدرته، ومن سيرتهم ان
لا يكلموا الناس الا على قدر عقولهم التى خلقوا
عليها وعلومهم التى هى حاصلة عندهم باصل
الخلقة وذلك لان نوع الانسان حيثما وجد فله
فى اصل الخلقة حد من الادراك زائد على ادراك
سائر الحيوانات الا اذا عصت المادة جدا وله
علوم لا يخرج اليها الا بخرق العادة المستمرة
كالنفوس القدسية من الانبياء والاولياء او
برياضات شاقة تهيئ نفسه لادراك مالم يكن
عنده بحساب او بممارسة قواعد الحكمة والكلام
واصول الفقه ونحوها مدة طويلة فالانبياء لم
يخاطبوا الناس الا على منهاج ادراكهم الساذج
المودع فيهم باصل الخلقة ولم يلتفتوا الى ما
يكون نادر الاسباب قلما يتفق وجودها فلذلك
لم يكلفوا الناس ان يعرفوا ربهم بالتجليات و
المشاهدات ولا بالبراهين والقياسات ولا ان
يعرفوه منزها عن جميع الجهات فان ذلك كالممتنع
بالاضافة الى من لا يشتغل بالرياضات ولم يخالط
المعقوليين مدة طويلة ولم يرشدوهم الى
طرق الاستنباط والاستدلالات ووجوه استحسانات
والفرق بين الاشباه والنظائر بمقدمات دقيقة
الماخذ وسائر ما يتطاول به اصحاب الراى على
اهل الحديث، ومن سيرتهم ان لا يشتغلوا بما

اور نیز انبیا کی سیرت میں یہ امر بھی داخل ہے کہ وہ ان امور کیجانب توجہ نہیں رکھتے جو تہذیبِ نفس اور سیاستِ امت سے تعلق نہ رکھتے ہوں - وہ ان اسباب کو بیان نہیں کرتے جو عالم جو میں پیدا ہوتے ہیں مثلاً بارش کسوف اور ہالہ کے اسباب - نباتات اور حیوان کے عجائب، چاند اور سورج کی چال کا اندازہ، روزمرہ حوادث کے اسباب، انبیا، سلاطین اور شہروں وغیرہ کے حالات اور قصے - ہاں، اسمیں کچھ مضائقہ نہیں کہ آسان طریقہ پر چند باتیں جن سے ان کے کان آشنا اور دل خوگر ہوں اس غرض سے بیان کیجائیں کہ انکے سننے سے خوف اور رغبت پیدا ہو - لیکن ان کو بھی طبعاً اور اجمالاً اسطرح سے بیان کرنا چاہئے جسمیں استعارات اور مجازات کا استعمال کرنا جائز رکھا جائے اور یہی وجہ ہے کہ جب لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے چاند کے کم اور زیادہ ہونیکا سبب پوچھا تو خدا تعالی نے اس سے اعراض فرماکر مہینوں کا فائدہ بیان کر دیا اور فرمادیا "تجھ سے لوگ ہلالوں کا حال دریافت کرتے ہیں ان سے کہدو لوگوں کا اور حج کا وقت معلوم ہوتا ہے" - اکثر لوگوں کو تم دیکھو گے کہ ان فنون رسمی کی الفت سے یا اور وجوہ سے انکا ذوق سلیم خراب ہو گیا ہے اسلئے انھوں نے رسول کے کلام کے بے موقع معنی لگا لئے واللہ اعلم ٭

تیسرا باب (۵۵): اس بیان میں کہ مذہب کی اصل ایک ہی ہے اسکے طریقے اور راستے مختلف ہیں

خدا تعالیٰ فرماتا ہے "خدا نے دین کا تمکو وہی راستہ بتایا ہے جسکی نوح کو وصیت کی تھی اور جو وحی ہم نے تمپر نازل کی، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی اسی کی وصیت کی تھی وہ یہی بات تھی کہ دین حق کو ٹھیک رکھنا اور اسمیں تفرقہ نہ ڈالنا" مجاہد اسکی تفسیر میں کہتے ہیں کہ "اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم، ہمنے تجھکو اور نوح کو ایک ہی دین کی وصیت کی تھی - اور خدا تعالےٰ فرماتا ہے "تم سب کی امت ایک ہی ہے میں ہی تمہارا رب ہوں مجھ سے ڈرتے رہو پھر اپنے کام کو انہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جو انکے پاس ہے اسپر ہر ایک فریق خوش ہے" یعنی ملت اسلام تم سب کی ایک ملت ہے پھر مشرکین، یہود، نصاری اسمیں مختلف ہو گئے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے" ہمنے تم میں سے ہر ایک کیلئے ایک ایک طریق اور راستہ مقرر کر دیا" ابن عباس کہتے ہیں اسکے معنی یہ ہیں کہ ہر ایک کیلئے ایک دستور اور طریقہ جدا بنا دیا - اور نیز خدا تعالیٰ فرماتا ہے "ہر ایک گروہ کے لئے ایک طریقہ ہم نے بنا دیا ہے جس پر وہ عمل کرتے ہیں" ٭

لايتعلق بتهذيب النفس وسياسة الامة كبيان اسباب حوادث الجو من المطر والكسوف والهالة وعجائب النبات والحيوان ومقادير سير الشمس والقمر واسباب الحوادث اليومية وقصص الانبياء والملوك والبلدان ونحوها اللهم الا كلمات يسيرة الفها اسماعهم وقبلتها عقولهم يؤتى بها في التذكير بآلاء الله والتذكير بايام الله على سبيل الاستطراد بكلام اجمالي يسامح في مثله بايراد الاستعارات والمجازات ولهذا الاصل لما سألوا النبي صلى الله عليه وسلم عن لمية نقصان القمر وزيادته اعرض الله تعالى عن ذلك الى بيان فوائد الشهور فقال يسئلونك عن الاهلة قل هي مواقيت للناس والحج وترى كثيرا من الناس فسد ذوقهم بسبب الالفة بهذه الفنون او غيرها من الاسباب فحملوا كلام الرسل على غير محمله والله اعلم ٭

باب بيان ان اصل الدين واحد والشرائع والمناهج مختلفة

قال الله تعالى شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا والذي اوحينا اليك وما وصينا به ابراهيم وموسى وعيسى ان اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه، قال مجاهد اوصيناك يا محمد واياهم دينا واحدا، وقال تعالى وان هذه امتكم امة واحدة وانا ربكم فاتقون فتقطعوا امرهم بينهم زبرا كل حزب بما لديهم فرحون، يعني ملة الاسلام ملتكم فتقطعوا يعني المشركين واليهود والنصارى وقال تعالى لكل جعلنا منكم شرعة ومنهاجا، قال ابن عباس سبيلا وسنة وقال تعالى لكل امة جعلنا

واضح ہو کہ سب کا دین ایک ہی ہے جسپر انبیاء علیہم السلام متفق ہیں محض شریعتوں اور دستوروں اختلاف ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ نبیوں کا اسپر اتفاق ہے کہ استعانت اور عبادت میں خدا کا کوئی شریک نہیں اور جو امور اسکی بارگاہ کے مناسب نہیں ان سے پاک ہے اور اسکے اسماء میں کجروی کرنا حرام ہے اور بندوں پر خدا کا یہ حق ہے کہ اسکی نہایت درجہ تعظیم کریں جس میں ذرہ کوتاہی نہ ہو اور اپنے منہ اور دلوں کو اسکے آگے جھکاویں اور اسکے شعائر کے ذریعے قرب خداوندی حاصل کریں اور یہ بھی متفق علیہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جمیع حوادث کے پیدا ہونے سے پیشتر ان کا اندازہ کر لیا تھا۔ اور فرشتے خدا کی مخلوق میں سے ہیں۔ جو خدا کی کسی امر میں نافرمانی نہیں کرتے اور اسی کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اور خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی کتاب نازل فرما کر اپنی اطاعت کو بندوں پر فرض کر دیتا ہے۔ اور قیامت کا ہونا حق ہے اور مرنے کے بعد جی اٹھنا حق ہے۔ جنت و دوزخ حق ہیں۔ اور اسیطرح سے تمام انبیاء نیکی کے تمام اقسام طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور عبادات نافلہ دعا، ذکر کتاب الٰہی کی تلاوت کے ذریعہ سے خدا کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے پر متفق ہیں۔ اور اسیطرح سے ان امور پر اتفاق ہے کہ نکاح جائز اور زنا حرام ہے، لوگوں میں عدل و انصاف کرنا فرض اور ظلم کرنا حرام ہے، نافرمانوں پر حدود مقرر کرنا اور دشمنان الٰہی سے جہاد کرنا، احکام الٰہی اور دین کی اشاعت میں کوشش کرنا واجب ہے۔ پس یہ امور دین کی بنیاد ہیں اور اسی لئے قرآن عظیم نے ان امور کی لمیت سے بحث نہیں کی مگر شاذ و نادر، اسلئے کہ یہ سب امور ان لوگوں کے نزدیک جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے مسلم اور متفق علیہ تھے البتہ ان امور کی صورتوں میں اختلاف ہے پس موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں نماز کے وقت بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا دستور تھا اور ہمارے پیغمبر علیہ السلام کی شریعت کعبہ کی طرف رخ کرنا چاہیے۔ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں زانی کے لئے فقط رجم کی سزا تھی اور ہماری شریعت میں محصن کے لئے رجم ہے اور غیر محصن کے لئے تازیانہ مارنے کی سزا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں محض قصاص تھا

منسکا ھم ناسکوہ یعنی شریعۃ ھم عاملون بھا۔

اعلم ان اصل الدین واحد اتفق علیہ الانبیاء علیھم السلام وانما الاختلاف فی الشرائع والمناھج تفصیل ذلک انہ اجمع الانبیاء علیھم السلام علی توحید اللہ تعالیٰ عبادۃ واستعانۃ وتنزیھہ عما لایلیق بجنابہ وتحریم الالحاد فی اسمائہ وان حق اللہ علی عبادہ ان یعظموہ تعظیما لایشوبہ تفریط وان یسلموا وجوھھم وقلوبھم الیہ وان یتقربوا بشعائر اللہ الی اللہ وانہ قدر جمیع الحوادث قبل ان یخلقھا وان للہ ملائکۃ لایعصونہ فیما امرھم یفعلون مایؤمرون وانہ ینزل الکتاب علی من یشاء من عبادہ ویفرض طاعتہ علی الناس و ان القیامۃ حق والبعث بعد الموت حق والجنۃ حق والنار حق وکذلک اجمعوا علی انواع البر من الطھارۃ والصلاۃ والزکوۃ والصوم والحج و التقرب الی اللہ بنوافل الطاعات من الدعاء والذکر وتلاوۃ الکتاب المنزل من اللہ وکذلک اجمعوا علی النکاح وتحریم السفاح واقامۃ العدل بین الناس وتحریم المظالم واقامۃ الحدود علی اھل المعاصی والجھاد مع اعداء اللہ والاجتھاد فی اشاعۃ امر اللہ ودینہ فھذا اصل الدین ولذلک لم یبحث القرآن العظیم عن لمیۃ ھذہ الاشیاء الا ماشاء اللہ فانھا کانت مسلمۃ فیمن نزل القرآن علی السنتھم و انما الاختلاف فی صور ھذہ الامور واشباحھا فکان فی شریعۃ موسی علیہ السلام الاستقبال فی الصلاۃ الی بیت المقدس وفی شریعۃ نبینا صلی اللہ علیہ و سلم الی الکعبۃ وکان فی شریعۃ موسی علیہ السلام الرجم فقط وجاءت شریعتنا بالرجم للمحصن والجلد لغیرہ وکان فی شریعۃ موسی علیہ السلام القصاص

ہماری شریعت میں قصاص اور دیت دونوں ہیں اور ایسے ہی طاعتوں کے اوقات اور ان کے آداب وارکان میں اختلاف ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ نیکی اور تدابیر نافعہ کی جو خاص خاص صورتیں مقرر کی گئی ہیں ان کا نام شریعت اور منہاج ہے۔

واضح ہو کہ ہر مذہب اور ملت میں جس عبادت اور طاعت کا اللہ تعالٰی نے حکم فرمایا ہے وہ انہی اعمال کا نام ہے جنکا اصل منشا، اور مبداء انسان کی ایک دلی حالت ہے جو اسکو آخرت میں فائدہ یا نقصان پہنچائے گی۔ اصل طاعت اور عبادت یہ دلی حالت ہی ہے اور اعمال اور افعال اسکی صورت اور شرح ہیں۔ یہی دلی حالت عبادت کے لئے میزان اور مدار علیہ ہے جو اس امر کو معلوم نہ کرے گا اسکو اعمال کے کرنے میں بصیرت حاصل نہ ہوگی اور اکثر ان اعمال پر اکتفا کرے گا جو غیر کافی ہونگے بغیر قرأت اور دعا کے ہی نماز پڑھ لیا کریگا اسلئے نماز کچھ مفید نہ ہوگی پس دین میں ایک ایسے کامل شناسا کی سیاست کی ضرورت ہے جو مخفی اور مشتبہ امور کو صاف صاف قرائن اور نشانات سے منضبط کردے انکو بمنزلہ امر محسوس کے بنادے جنکو ادنی اور اعلیٰ قسم کے لوگ تمیز کر سکیں اور لوگوں کو نیز اعمال کے سمجھنے میں اشتباہ نہ رہے تاکہ خدا تعالٰی کیجانب سے حجت اور دلیل کیساتھ مطالبہ کرنا درست ہو جائے۔

اور کبھی گناہ غیر گناہ سے مشابہ ہو جایا کرتا ہے جیسا کہ مشرکین نے کہا تھا کہ بیع بھی ربوا ہی کے مانند ہے ایسا اشتباہ یا علم کی کوتاہی سے ہوتا ہے یا دنیوی غرض کیوجہ سے جو اسکو اندھا کر دیتی ہے پس اسلئے ایسے نشانات کی ضرورت پڑی جنکی وجہ سے گناہ غیر گناہ سے ممیز ہو سکے۔ اور اگر عبادات کیلئے اوقات معین نہ کئے جاتے تو بہت سے لوگ تھوڑے ہی سے نماز روزہ کو زیادہ خیال کرتے جو کہ انکے کچھ کام نہ آتا اور انکی حیلہ بازی اور بہانہ جوئی پر کوئی سرزنش نہ ہو سکتی اور اگر لوگوں کیلئے عبادتوں کے ارکان اور شروط معین نہ ہوتے تو وہ بے بصیرتی سے ہاتھ پاؤں مارتے علاوہ اگر گناہوں پر سزائیں مقرر نہ ہوئیں تو سرکش لوگ کبھی باز نہ آتے۔ حاصل کلام تمام لوگوں کے حق میں احکام الٰہیہ کی تکلیف جب ہی مکمل ہو سکتی ہے کہ انکے لئے اوقات، ارکان، شروط، سزائیں، احکام کلیہ وغیرہ قرار دئے جائیں اور اگر آپ تشریع کا قاعدہ معلوم کرنا چاہیں تو آپ طبیب حاذق کی حالت پر غور کیجئے جب وہ مریضوں کی درستی میں نہایت درجہ کوشش کرتا ہے

فقط، وجاءت شريعتنا بالقصاص والدية جميعاً وعلى ذلك اختلافهم في اوقات الطاعات وآدابها وأركانها، وبالجملة فالاوضاع الخاصة التي مهدت وبنيت بها انواع البر والارتفاقات هي الشرعة والمنهاج، واعلم ان الطاعات التي امر الله تعالىٰ بها في جميع الاديان انما هي اعمال تنبعث من الهيأت النفسانية التي هي في المعاد للنفوس او عليها وتمد فيها وتشرحها وهي اشباحها وتماثيلها ولا جرم ان ميزانها وملاك امرها تلك الهيأت فمن لم يعرفها لم يكن من الاعمال على بصيرة فربما اكتفى بما لا يكفي وربما صلى بلا قراءة ولا دعاء فلا يفيد فلابد من سياسة عارف حق المعرفة يضبط الخفي المشتبه بامارات واضحة ويجعلها امراً محسوساً يميزه الاداني والاقاصي ولا يشتبه عليهم ليطالبوا به ويؤاخذوا عليه على حجة من الله واستطاعة منهم؛

والآثام ربما تشتبه بما ليس باثم كقول المشركين انما البيع مثل الربا اما لقصور العلم او لغرض دنيوي يفسد بصيرته فمست الحاجة الى امارات يتميز بها الاثم من غيره ولو لم يوقت الاوقات لاستكثر بعضهم القليل من الصلاة والصوم فلم يغن ذلك عنهم شيئاً ولم تتمكن المعاقبة على تسللهم واحتيالهم ولو لم يعين لهم الاركان والشروط لخبطوا خبط عشواء ولولا الحدود لم ينزجر اهل الطغيان، وبالجملة فجمهور الناس لا يتم تكليفهم الا باوقات واركان وشروط وعقوبات واحكام كلية ونحو ذلك واذا شئت ان تعرف للتشريع ميزاناً فتأمل حال الطبيب الحاذق عند ما يجتهد في سياسة المرضى

جن چیزوں کو وہ نہیں جانتے انکی خبر دیتا ہے، جن امور سے وہ واقف نہیں ہیں احکام مریضوں کو حکم دیتا ہے، دیکھئے وہ کسطرح امور محسوسہ کو مخفی امور کے قائم مقام قرار دیتا ہے جیسا کہ چہرہ کی سرخی اور مسوڑوں سے خون جاری ہونے کو غلبہ خون کی علامت قرار دیتا ہے۔ اور کسطرح سے مرض کی قوت، مریض کی عمر، اسکے شہر اور موسم کی حالت میں غور کرتا ہے، دوا کی قوت اور علاج کے تمام متعلقات میں غور کرتا ہے پس اپنے اندازہ سے دوا کی ایک مقدار مخصوص جسکو مریض کی حالت کے مناسب سمجھتا ہے مریض کو اسکے استعمال کا حکم دیتا ہے۔ اور کبھی علامت بجائے سبب مرض کے قرار دیکر اور دوا کی خاص مقدار کو جسکو اپنی فطانت سے مادہ موذیہ کے ازالہ کی بجائے یا اس مادہ کے ہیئت فاسد کے بدل دینے کے قائم مقام جان کر ایک قاعدہ کلیہ بنا لیتا ہے مثلاً وہ کہتا ہے کہ جسکا چہرہ سرخ ہو اسکے مسوڑوں سے خون نکلتا ہو تو اسکو طبی احکام کے لحاظ سے نہار منہ شربت عناب یا ماء العسل پینا چاہئے اور جو ایسا نہیں کریگا وہ عنقریب ہلاک ہو جائیگا۔ یا وہ کہتا ہے جو شخص فلاں معجون کو اتنی مقدار میں فلاں مرض کے لئے کھائیگا تو اسکا مرض زائل ہو جائے گا اور اس مرض سے محفوظ رہیگا، پس اسطرح کا کلیہ طب اخذ کیا جاتا ہے، لوگ اسکے کلیہ پر عمل کرتے ہیں جس سے خدا تعالےٰ ان کو بڑا نفع پہنچاتا ہے۔ یا اس تشریع کے قاعدہ کو سمجھنے کیلئے اس بادشاہ کی حالت میں غور کرنا چاہئے جو نہایت حکیم، ملکی اصلاحات اور انتظامات لشکر کا نگراں رہتا ہے، وہ کسطرح سے زمین، اسکی پیداوار، کاشتکاروں کے کام اور مشقت پر نظر رکھتا ہے اور کسطرح سے سپاہیوں، انکی کارگذاری اور کفایت پر غور کرتا ہے، پس اسی کے موافق عشر اور خراج مقرر کرتا ہے، وہ کسطرح محسوس صورتوں اور قرائن کو ان اخلاق اور ملکات کے قائم مقام قرار دیتا ہے جنکا معاونین ملک میں پایا جانا ضروری ہے اسی قانون سے وہ ان کی گرفت کرتا ہے، وہ بادشاہ کسطرح سے ضرورتوں پر نظر رکھتا ہے جو ملک کے لئے کافی ہو سکیں، معاونین اور انکی تعداد پر نظر رکھتا ہے پس ان کو ہر ہر کام پر اسطرح سے تقسیم کرتا ہے جس سے کار برآری ہو جائے اور کسی پر تنگی نہ ہو۔ اور اسیطرح معلم اطفال کا حال اسکے شاگردوں کی نسبت اور مالک کا حال اسکے غلاموں کی نسبت دیکھئے۔ استاد لڑکوں کی تعلیم چاہتا ہے اور مالک حاجت مقصودہ کو غلاموں کے ہاتھوں پورا کرانا چاہتا ہے حالانکہ شاگرد اور غلام نہ تو مصلحت کی حقیقت سمجھتے ہیں اور نہ اسکی پابندی کو دوست رکھتے ہیں،

ویخبرهم بما لا یعرفون ویکلفهم بما لا یحیطون بدقائقه علما کیف یعمد إلی مظنات محسوسة فیقیمها مقام الامور الخفیة کما یقیم حمرة البشرة وخروج الدم من اللثة مقام غلبة الدم وکیف ینظر الی قوة المرض وسن المریض وبلده وفصله والی قوة الدواء وجمیع ما هناك فیحدس بمقدار خاص من الدواء یلائم الحال فیکلفه به وربما اتخذ قاعدة کلیة من قبل اقامة المظنة مقام سبب المرض واقامة هذا القدر الذی تفطن به من الدواء مقام ازالة المادة المؤذیة او تغییر هیئتها الفاسدة فیقول مثلا من احمرت بشرته ودمیت لثته وجب علیه بحکم الطب ان یحتسی علی الریق شراب العناب او ماء العسل ومن لم یفعل ذلك فانه علی شرف الهلاك ویقول من تناول من معجون کذا وکذا وزن مثقال زال عنه مرض کذا وامن من مرض کذا فیؤثر عنه تلك الکلیة و فیجعل الله فی ذلك نفعا کثیرا، وتامل حال الملك الحکیم الناظر فی اصلاح المدینة وسیاسة الجیوش کیف ینظر الی الاراضی وریعها والی الزراع ومؤنتهم والی الحراس وکفایتهم فیضرب العشر والخراج حسب ذلك وکیف یقیم هیأت محسوسة وقرائن مقام الاخلاق والملکات التی یجب وجودها فی الاعوان فیحذوهم علی ذلك القانون وکیف ینظر الی الحاجات التی لابد من کفایتها والی الاعوان وکثرتهم فیوزعهم توزیعا یکفی المقصود ولا یضیق علیهم، وتامل حال معلم الصبیان بالنسبة الی صبیانه والسید بالنسبة الی غلمانه یرید هذا تعلیمهم وذلك کفایة الحاجة المقصودة بایدیهم وهم لا یعرفون حقیقة المصلحة ولا یرغبون فی اقامتها

بلکہ حیلہ اور بہانہ کرکے اس سے الگ ہونا چاہتے ہیں لیکن معلم اور مالک خوب جانتے ہیں کہ اس امر سے یہ رخنہ پیدا ہوگا وہ پہلے ہی سے خلل کو روکتے ہیں اور ان کو اسطرح سے حکم دیتے ہیں کہ رات کو دن اور دن کو رات کہنا پڑتا ہے جس سے نہ ان کو حیلہ میسّر ہوتا ہے اور نہ وہ کسیطرح سے عدول حکمی کر سکتے پس اسطرح سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے خواہ وہ اس سے واقف ہوں یا نہ ہوں، حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص بہت بڑے گروہ کی اصلاح کا ذمہ دار ہوتا ہے جنکی استعدادیں مختلف ہیں، جنکو نہ بصیرت ہے نہ اصلاح کی طرف رغبت ہے تو وہ مجبوراً ہر چیز کا اندازہ کرتا ہے، وقت معین کرتا ہے، اسکے طریقوں اور صورتوں کو مقرر کرتا ہے جو مطالبہ اور مؤاخذہ میں نہایت عمدہ قانون سمجھا جاتا ہے ✦

واضح ہو کہ جب خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ رسول بھیجکر لوگوں کو تاریکی سے روشنی کی طرف نکالے تو اس کام کے لیے ان پر وحی بھیجی، اپنا نور ان کے دلوں میں ڈالا اور ان میں اصلاح عالم رغبت پیدا کی - اس زمانہ میں ان لوگوں کے ہدایت یافتہ ہونے کے لئے خاص خاص امور اور مقدمات کی ضرورت تھی اسلیے بحکمتِ الٰہی ضرور ہوا کہ تمام ان مصلح امور کو انبیاء کے ارادہ بعثت میں شامل کردے اور انبیاء کی اطاعت اور فرماں برداری کی فرضیت میں ان مقدماتِ اصلاح کی فرضیت بھی شامل ہو اور ہر وہ امر شامل ہو جسکے بغیر اطاعتِ انبیاء عقلاً یا عادۃً مکمل نہیں ہو سکتی - پس یہ ایک ایسا مجموعہ ہے جس کا بعض بعض کے ساتھ وابستہ ہے - اور خدا تعالےٰ پر کوئی امر مخفی نہیں ہے، اور دین الٰہی میں بیہودگی نہیں ہے - پس کوئی شئی جب واجب کی جاتی ہے اور اسکے نظائر کا وہ حکم نہیں ہوتا تو اس میں حکمتیں اور اسباب ہوتے ہیں جنکو راسخین فی العلم ہی جانتے ہیں - ہم چاہتے ہیں کہ ان حکمتوں اور اسباب کے ایک عمدہ مجموعہ پر لوگوں کو متنبہ کریں - واللہ اعلم ✦

ویتسللون ویعتذرون ویحتالون کیف یحرفان مظنۃ الثلمۃ قبل وقوعہا فیسد ان الخلل ولا یخاطبانہم الا بطریقۃ لیلہا نہارہا ونہارہا لیلہا لایجدون منہا حیلۃ ولا یتمکنون من التسلل وہی تفضی الی المقصود من حیث یعلمون اولا یعلمون، وبالجملۃ فکل من تولی لاصلاح جم غفیر مختلفۃ استعدادہم ولیسوا من الامر علی بصیرۃ ولا فیہ علی رغبۃ یضطر الی تقدیر وتوقیت وتعیین اوضاع وہیئات یجعلہا العمدۃ فی المطالبۃ والمؤاخذۃ ✦

واعلم ان اللہ تعالی لما اراد ببعثۃ الرسل ان یخرج الناس من الظلمات الی النور فاوحی الیہم امرہ لذلک والقی علیہم نورہ ونفث فیہم الرغبۃ فی اصلاح العالم وکان اہتداء القوم یومئذ لایتحقق الا بامور ومقدمات وجب فی حکمۃ اللہ ان یلتوی جمیع ذلک فی ارادۃ بعثتہم وان یکون افتراض طاعۃ الرسل وانقیادہم منفسحا الی افتراض مقدمات الاصلاح وکل ما لایتم فی العقل او العادۃ الابہ فانہ جملۃ یجر بعضہا بعضا واللہ لاتخفی علیہ خافیۃ ولیس فی دین اللہ جزاف فلا یعین شئ دون نظائرہ الالحکم واسباب یعلمہا الراسخون فی العلم ونحن نرید ان ننبہ علی جملۃ صالحۃ من تلک الحکم والاسباب واللہ اعلم ✦

چوتھا باب (۵۶) :- خاص خاص شرائع کا ایک قوم اور ایک زمانہ کے ساتھ مخصوص ہونیکے اسباب

اسکی دلیل خدا تعالےٰ کا یہ قول ہے "بنی اسرائیل کے لیے سب کھانے حلال تھے البتہ توریت کے نازل ہونے سے پہلے جو یعقوبؑ نے اپنے اوپر حرام کر لیے تھے وہ حلال نہ تھے اگر تم سچے ہو تو توریت لاکر پڑھو" اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام ایک بار سخت بیمار ہوئے پس انھوں نے اپنے دل میں یہ نذر مانی کہ اگر خدا نے مجھ کو تندرست کر دیا تو میں اپنے اوپر سب چیزوں سے زیادہ مرغوب کھانے اور پینے کی چیز حرام کر لوں گا۔ چنانچہ جب تندرست ہوئے تو اونٹ کا گوشت اور دودھ اپنے اوپر حرام کر لیا اور ان کی پیروی کرتے ہوئے ان کی اولاد نے بھی ان چیزوں کو حرام ہی سمجھا' ان امور کی حرمت پر زمانے گذرتے گئے یہاں تک کہ لوگوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اگر کسی نے ان چیزوں کو کھا کر انبیاء کی مخالفت کی تو اس نے انکی شان میں بے ادبی کی، پس اسلئے تورات میں ان چیزوں کی حرمت نازل ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بیان فرمایا کہ میں ملت ابراہیم پر ہوں تو یہود نے اعتراض کیا کہ آپ تو اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کا دودھ پیتے ہیں آپ کیسے ملت ابراہیم پر ہو سکتے ہیں' اسواسطے خدا تعالےٰ نے انکے قول کو رد کیا کہ اصل میں سب کھانے حلال تھے لیکن اونٹ ایک عارضی وجہ سے جو یہودیوں کو لاحق ہوئی تھی حرام ہو گئے تھے - اور جبکہ نبوت اولادِ اسمٰعیل میں ظاہر ہوئی اور اس عارضی امر سے وہ بری ہیں تو اسکی رعایت ان پر واجب نہ رہی اور اس امر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی دلیل ہے جو آپنے نماز تراویح کے بارہ میں فرمایا تھا" یہ تمہارا فعل یعنی تراویح پڑھنا میں ہمیشہ دیکھتا ہوں جس سے مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر فرض نہ ہو جائے اگر فرض ہو گئی تو تم سے ادا نہ ہو سکے گی اسلئے اے مسلمانوں اسکو جدا جدا اپنے گھروں میں پڑھ لیا کرو" اسلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تراویح کے شائع ذائع کرنے سے منع فرمایا تاکہ شعائر دین نہ ہو جائے اور لوگ اسکے ترک کو خدا کی شان میں تقصیر کا اعتقاد نہ کرنے لگیں اور یہی فرضیت کا باعث نہ ہو جائے' اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ گنہگار وہ شخص ہو جس نے کسی امر کا

باب اسباب نزول الشرائع الخاصة بعصر دون عصر وقوم دون قوم

والاصل فيه قوله تعالى كل الطعام كان حلا لبني اسرائيل الا ما حرم اسرائيل على نفسه من قبل ان تنزل التورٰة قل فاتوا بالتورٰة فاتلوها ان كنتم صٰدقين تفسيرها ان يعقوب عليه السلام مرض مرضا شديدا فنذر لئن عافاه الله ليحرمن على نفسه احب الطعام والشراب اليه فلما عوفي حرم على نفسه لحمان الابل والبانها واقتدى به بنوه في تحريمها ومضى على ذلك القرون حتى اضمروا في نفوسهم التفريط في حق الانبياء ان خالفوهم باكلها فنزل التوراة بالتحريم، ولما بين النبي صلى الله عليه وسلم انه على ملة ابراهيم قالت اليهود كيف يكون على ملته وهو ياكل لحوم الابل والبانها فرد الله تعالى عليهم ان كل الطعام كان حلا في الاصل وانما حرمت الابل لعارض لحق باليهود فلما ظهرت النبوة في بني اسماعيل وهم براء من ذلك العارض لم يجب رعايته وقول النبي صلى الله عليه وسلم في صلاة التراويح ما زال بكم الذي رايت من صنيعكم حتى خشيت ان يكتب عليكم ولو كتب عليكم ما قمتم به فصلوها ايها الناس في بيوتكم فكبحهم النبي صلى الله عليه وسلم عن جعلها شائعا ذائعا بينهم لئلا تصير من شعائر الدين فيعتقد واتركها تفريطا في جنب الله فتفترض عليهم، وقوله صلى الله عليه وسلم اعظم المسلمين في المسلمين جرما من سال عن

سوال کیا پس اسکی پوچھ گچھ ہی سے وہ شی حرام ہوگئی - اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اسکے لئے انھوں نے دعا کی تھی - اور جیسے حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں اور اسکی مُد (ایک پیمانہ ہے) اور صاع (ایک پیمانہ ہے) میں برکت کی ایسی ہی دعا کرتا ہوں جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کیلئے کی تھی - اور ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حج کے متعلق سوال کیا کہ کیا حج ہر سال ہونا چاہیے آپنے فرمایا اگر میں ہاں کہدوں تو ہر سال ہی حج کرنا فرض ہو جائے اور پھر ادا نہ ہو سکتا اور جب ادا نہ ہو سکتا تو عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاتے - واضح ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں چند مصالح اور اسباب کی وجہ سے مختلف ہوگئی ہیں - اور یہ اختلاف اسطرح ہوا کہ شعائر خداوندی کا شعار قرار پانا معدات کیوجہ سے ہے اور انکی مقداریں مقرر کرنے میں مکلفین کی عادات اور حالات کا لحاظ رکھا گیا ہے - چنانچہ نوح علیہ السلام کی قوم نہایت قوی المزاج اور شہ زور تھی جیسا کہ خدا تعالےٰ نے اسکی خبر دی ہے اسلئے وہ اسی قابل تھے کہ انکو ہمیشہ کیلئے روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے تاکہ ان کی قوت بہیمی کمزور ہو جائے - اور چونکہ اس امت کے مزاج ضعیف تھے اسلئے ہمیشہ روزہ رکھنے سے منع کردئے گئے - اور اسیطرح مال غنیمت کو خدا تعالےٰ نے اگلے لوگوں کے لئے حلال نہیں کیا تھا لیکن ہمارے نبی کی امت کا ضعف دیکھ کر ہمارے لئے اسکو حلال کر دیا اور یہ بھی ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا اصل مقصد لوگوں کے کاروبار اور معاملات کی اصلاح کرنا ہے اسلئے وہ امر مالوف سے تجاوز نہیں کرتے تھے اِلّا ماشاء اللہ - اور اصلاح کے طریقے عادات اور زمانوں کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں اسی بناء پر نسخ کا ہونا صحیح ہے - نسخ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی طبیب اس امر کا قصد کرے کہ سب حالتوں میں مزاج حالت اعتدال پر محفوظ رہے اسی لئے ہر زمانہ میں اور ہر شخص کیلئے اسکے جدا جدا احکام ہیں وہ جوان کو ایسی باتیں بتائے گا کہ ان سے بوڑھے کو منع کر دے گا - وہ گرمی میں باہر سونے کا حکم کرے گا کیونکہ اسمیں

٭ ٭ ٭ اعتدال کا احتمال ہے اور ٭ ٭ ٭ ٭

٭ ٭ ٭ ٭ سردی میں اندر سونے کا ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ حکم کرے گا ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

شئ محرم لاجل مسالته، وقوله صلى الله عليه وسلم ان ابراهيم حرم مكة ودعالها واني حرمت المدينة كما حرم ابراهيم مكة ودعوت لها في مدها وصاعها مثل ما دعا ابراهيم لمكة وقوله صلى الله عليه وسلم لمن ساله عن الحج اهو في كل عام لو قلت نعم لوجبت ولو وجبت لم تقوموا بها ولو لم تقوموا بها عذبتم - واعلم انه انما اختلفت شرائع الانبياء عليهم السلام لاسباب ومصالح وذلك ان شعائر الله انما كانت شعائر لمعدات وان المقادير يلاحظ في شرعها حال المكلفين وعاداتهم ؛

فلما كانت امزجة قوم نوح عليه السلام في غاية القوة والشدة كما نبه عليه الحق تعالى استوجبوا ان يؤمروا بدوام الصيام ليقاوم سورة بهيميتهم، ولما كانت امزجة هذه الامة ضعيفة نهوا عن ذلك وكذلك لم يجعل الله تعالى الغنائم حلالا للاولين واحلها لنا لما راى ضعفنا وان مراد الانبياء عليهم السلام اصلاح ما عندهم من الارتفاقات فلا يعدل عنها الى ما يباين المالوف الا ما شاء الله وان مظان المصالح تختلف باختلاف الاعصار والعادات ولذلك صح وقوع النسخ وانما مثله كمثل الطبيب يعمد الى حفظ المزاج المعتدل في جميع الاحوال فتختلف احكامه باختلاف الاشخاص والزمان فيامر الشاب بما لا يامر به الشائب ويامر في الصيف بالنوم في الجو لما يرى ان الجو مظنة الاعتدال حينئذ ويامر في الشتاء بالنوم داخل البيت لما يرى انه مظنة البرد حينئذ

پس جو شخص اصلیت دین سے واقف ہے اور ان اسباب سے واقف ہے جنکی وجہ سے مذہبی طریقے مختلف ہوتے ہیں تو اسکی نظر میں نہ کوئی تغیر ہے اور نہ تبدیلی، اسیوجہ سے شریعتوں کی نسبت ہر قوم کیطرف جدا جدا کی گئی، اور چونکہ وہ قوم اپنی استعدادی حالت کیوجہ سے اس شریعت کی مستحق ہو گئی تھی اور انہوں نے بزبانِ حال نہایت اصرار سے گویا اسکی درخواست کی تھی اسلئے وہی ہدفِ ملامت ہوئی، اور اسیواسطے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ جمعہ کا روز ان کے حق میں معین کیا گیا کیونکہ وہ ناواقف تھے اور تمام علوم کسبی سے بری تھے۔ اور یہود کے لئے ہفتہ کا دن قرار دیا گیا، کیونکہ یہود کا اعتقاد تھا کہ ہفتہ ہی کے روز خدا تعالیٰ دنیا کے پیدا کرنے کے کام سے فارغ ہوا تھا اسلئے عبادت کیلئے یہی دن بہت اچھا ہے حالانکہ دونوں دنوں کا تقرر محض امر الٰہی اور وحی سے ہوا ہے، اور شریعتوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی امرِ مامور بہ کی حالت ہوتی ہے جسکا حکم دیا جاتا ہے لیکن اسکے بعد عذر اور حرج پیش آجاتے ہیں اسلئے ان لوگوں کی ذاتی حالت کے لحاظ سے اجازتیں اور رخصتیں مشروع ہو جاتی ہیں، تو اسوجہ سے کہ انہوں نے اپنی ذاتی حالت کیوجہ سے اس امر کے قابل اپنے آپ کو بنا لیا تھا۔ کبھی کبھی وہی لوگ قابل ملامت ہوتے ہیں خدا تعالےٰ فرماتا ہے "جب تک لوگ اپنی ذاتی حالت کو نہ بدلیں خدا تعالےٰ کسی قوم کو نہیں بدلا کرتا" اور اسی ذاتی اور استعدادی اختلاف کیوجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اے عورتو! میں نے تم سے زیادہ کسی ناقص عقل اور ناقص دین کو بڑے دانشمند کی عقل خراب کرنے والا نہیں دیکھا" پھر آپنے انکے دین کا نقصان بیان کیا کہ جب عورت حیض سے ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے۔

واضح ہو کہ مذہب کے ایک صورتِ خاصہ میں نازل ہونے کے بہت سے اسباب ہیں لیکن وہ دو نوع میں منحصر ہیں، اول قسم بمنزلہ امر طبعی کے ہے جسکی وجہ سے لوگ احکام کے مکلف ہوتے ہیں، پس جسطرح تمام افرادِ انسانی کیلئے ایک خاص طبیعت اور حالات معین ہیں جو نوع انسانی کیطرف سے سبکو وراثۃً ملے ہیں اور جنکی وجہ سے لوگ احکام کے مکلف ہوتے ہیں اور جسطرح مادر زاد اندھے کے خزانۂ خیال میں رنگتیں اور صورتیں نہیں ہوتیں بلکہ محض الفاظ اور وہ چیزیں ہوتی ہیں جو چھوئی جا سکتی ہیں اور اسی قسم کی اور چیزیں ہوتی ہیں پس جب غیب سے اسکو کوئی علم یا واقعہ وغیرہ خواب میں حاصل ہوتا ہے تو صرف انہی چیزوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو اسکے خزانۂ خیال میں جمع ہیں نہ کہ اور چیزوں کی صورت میں، اور جسطرح اس عربی کیلئے جو سوائے زبانِ عرب کے اور کوئی زبان نہیں جانتا

فمن عرف اصل الدين واسباب اختلاف المناهج لم يكن عنده تغيير ولا تبديل ولذلك نسبت الشرائع الى اقوامها ورجعت اللائمة اليهم حين استوجبوها بما عندهم من الاستعداد وسالوها جهد سوالهم بلسان الحال وهو قوله تعالى فتقطعوا امرهم بينهم زبرا كل حزب بما لديهم فرحون ولذلك ظهر فضل امة نبينا صلى الله عليه وسلم حين استحقوا تعيين الجمعة لكونهم اميين براء من العلوم المكتسبة واستحقت اليهود السبت لاعتقادهم انه يوم فرغ الله فيه من الخلق وانه احسن شئ لاداء العبادة مع ان الكل بامر الله ووحيه، ومثل الشرائع فى ذلك كمثل العزيمة يؤمرون بها اولا ثم يكون هنالك اعذار وحرج فتشرع لهم الرخص لمعنى يرجع اليهم فربما توجه بذلك بعض اللائمة اليهم لكونهم استوجبوا ذلك بما عندهم قال الله تعالى ان الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بانفسهم وقال النبى صلى الله عليه وسلم ما رايت من ناقصات عقل ودين اذهب للب الرجل الحازم من احداكن وبين نقصان دينهن بقوله ارايت انها اذا حاضت لم تصل ولم تصم - واعلم ان اسباب نزول المناهج فى صورة خاصة كثيرة لكنها ترجع الى نوعين احدهما كالامر الطبيعى الموجب لتكليفهم بتلك الاحكام فكما ان لافراد الانسان جميعها طبيعة واحوالا ورثتها من النوع توجب تكليفهم باحكام، وكما ان الاكمه لا يكون فى خزانة خياله الا لوان والصور انما هنالك الالفاظ والملموسات ونحو ذلك فاذا تلقى من الغيب علما فى رؤيا او واقعة او نحو ذلك فانما يتشبح علمه فى صورة ما اختزنه خياله دون غيره، وكما ان العربى الذى لا يعرف غير لغة العرب اذا

الفاظ کے ذریعہ سے کوئی بات معلوم کرائی جاتی ہے تو محض لغت عربیہ میں نہ کہ غیر عربی زبان میں - اور جسطرح کہ جن شہروں میں ہاتھی وغیرہ حیوانات ہیبت ناک ہوتے ہیں تو ان شہروں کے باشندوں کی نظر میں جنوں کا سامنے آجانا یا بھوتوں اور شیاطین کا ڈرانا انہی حیوانات کی صورت میں ہوتا ہے اور جن ملکوں میں جو چیزیں معظم ہوتی ہیں اور جو عمدہ کھانے اور لباس پائے جاتے ہیں تو ان کو ملائکہ کی خوشی اور نعمتیں انہی چیزوں میں دکھائی دیتی ہیں اور جیسے کوئی عربی شخص جب کسی کام کے کرنے کا قصد کرتا ہے یا کسی سفر کا ارادہ کرتا ہے اور وہ راشد یا نجیح (کامیاب) کے لفظ کو سنتا ہے تو آئندہ حالت کی عمدگی اور کامیابی کی دلیل اسکو قرار دیتا ہے جو عربی نہیں ہے اس پر ان الفاظ کا کوئی اثر نہیں ہوتا چنانچہ کسیقدر احادیث میں بھی اسکا ذکر آیا ہے، تو جیسے کہ امور بالا کے اثر اپنا پرتو حالات پر ڈالتے ہیں ایسے ہی شرائع میں ان علوم کا جو کسی قوم میں مخزون اور جمع ہوتے ہیں اور ان اعتقادات کا جو انمیں مخفی ہوتے ہیں اور ان کی عادات کا جو کلب[1] بیماری کیطرح انمیں ساری اور جاری ہوتی ہیں لحاظ اور اعتبار ہوا کرتا ہے -

اسی واسطے اونٹوں کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل کے لئے حرام تھا، نہ بنی اسمٰعیل کے لئے - اور اسی وجہ سے اچھے اور برے کھانوں کی تمیز عادات عرب پر تفویض کی گئی، اور اسیوجہ سے ہمشیرہ زادیاں ہمارے لئے حرام کی گئیں، یہودیوں میں وہ حرام نہ تھیں کیونکہ یہود ان کو ان کے باپ کی قوم سے شمار کرتے تھے، ان سے کسی قسم کا میل جول، ربط و صحبت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کو بمنزلہ اجنبیہ کے سمجھتے تھے - بخلاف عرب کے کہ ان میں یہ رسم نہ تھی - اور ایسے ہی گائے کے بچہ کا گوشت اسکی ماں کے دودھ میں پکانا یہودیوں میں حرام تھا، ہمارے یہاں حرام نہیں ہے کیونکہ یہودیوں کو معلوم تھا کہ اس سے خدا کی پیدائش اور تدبیر الٰہی کی مخالفت ہوتی ہے جو چیز خدا تعالیٰ نے گائے کے بچہ کی پیدائش اور نشو و نما کیلئے پیدا کی ہے اس سے ہی اس صورت میں گویا اسکی بنیاد اکھاڑنا اور اسکے اجزاء کو جدا جدا کر دینا ہوگی - اور عرب کے لوگ اس قسم کے علم و فہم سے نہایت درجہ دور تھے، اگر انکو اس قسم کے راز سمجھائے جاتے تاہم انکی سمجھ میں نہ آتے، وہ اس امر کو کبھی معلوم نہ کر سکتے جو حکم دینے کا مناسب مدار علیہ تھا اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ نزول شرائع میں صرف انہی علوم محالات اور ان اعتقادات کا ہی اعتبار نہیں کیا جاتا ہے جو لوگوں کے سینہ میں متمثل ہوتے

تمثل له علم فی نشأة اللفظ فانما یتمثل له فی لغة العرب دون غیرها، وکما ان البلاد التی یوجد فیها الفیل وغیره من الحیوانات سیئة المنظر یتراءی لاهلها المام الجن وتخویف الشیاطین فی صورة تلك الحیوانات دون غیر تلك البلاد والتی یعظم فیها بعض الاشیاء ویوجد فیها بعض الطیبات من الاطعمة والالبسة تتراءی لاهلها النعمة وانبساط الملائکة فی تیك الصور دون غیر تلك البلاد، وکما ان العربی المتوجه الی شیٔ لیفعله او طریق لیسلکه اذا سمع لفظة راشد او نجیح کان دلیلا علی حسن ما یستقبله دون غیر العربی وقد جاءت السنة ببعض هذا النوع فکذلك یعتبر فی الشرائع علوم مخزونة فی القوم و اعتقادات کامنة فیهم وعادات تتجاری فیهم کما یتجاری الکلب -

ولذلك نزل تحریم لحوم الابل والبانها علی بنی اسراءیل دون بنی اسماعیل ولذلك کان الطیب والخبیث فی المطاعم مفوضا الی عادات العرب، و لذلك حرمت بنات الاخت علینا دون الیهود فانهم کانوا یعدونها من قوم ابیها لا مخالطة بینهم وبینها ولا ارتباط ولا اصطحاب فهی کالاجنبیة بخلاف العرب ولذلك کان طبخ العجل فی لبن امه حراما علیهم دوننا فان علم کون ذلك تغییرا لخلق الله ومضادة لتدبیر الله حیث صرف ما خلقه الله لنشئ العجل ونموه الی فك بنیته وحل ترکیبه کان راسخا فی متجادیا فیهم وکان العرب ابعد خلق الله عن هذا العلم حتی لو القی علیهم لما فهموه ولما ادرکوا المناط المناسب للحکم، والمعتبر فی نزول الشرائع لیس العلوم والحالات والعقائد المتمثلة فی صدورهم فقط بل اعظمها اعتبارا واولاها اعتدادا ما نشأوا

[1] کتے کے کاٹنے سے جو دیوانگی ہو جاتی ہے اسکو کلب کہتے ہیں ١٢ -

جنکی طرف انکی عقلیں مائل ہوتی رہتی ہیں خواہ ان امور کا ان کو علم ہو یا نہ ہو، تم اس نکتہ کو ان تعلقات میں دیکھ سکو گے کہ جب ایک شئی کسی دوسری شکل اور پیرایہ میں ظاہر ہوتی ہے جیسے موہنوں پر مہر لگانے کی صورت میں لوگوں کو سحری سے باز رکھنا ظاہر ہوا تھا، اسلئے کہ لوگوں کی نظر میں مہر لگانا ایک شئی کے بند کرنے اور روکنے کی صورت ہوا کرتی ہے خواہ یہ امر لوگوں کے پیش نظر ہو یا نہ ہو۔ اور خدا تعالے کا بندوں پر یہ حق اور فرض ہے کہ غایت درجہ اسکی تعظیم کریں اور کسیطرح مخالفت نہ کریں۔ اور لوگوں کا باہم یہ فرض ہے کہ ہمدردی اور باہمی الفت کی مصلحت کو ہمیشہ قائم رکھیں اور کوئی کسی کو نہ ستائے، ہاں جبکہ رائے کلی وغیرہ اسکا حکم کرے۔ اسیوجہ سے اگر کوئی شخص کسی عورت کو اجنبی خیال کرکے اس سے ہم بستر ہو جائے تو خدا تعالیٰ کے اور اسکے درمیان پردہ حائل ہو جائیگا، خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں یہ کام اسکی دلیری کا خیال کیا جائے گا اگرچہ یہ عورت واقع میں اسکی بیوی ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس نے حکم الٰہی کی مخالفت پر پیش قدمی کی۔ اور جس شخص نے کسی اجنبی عورت سے اپنی بیوی سمجھ کر ہم بستری کرلی تو بلاشک وہ خدا کے نزدیک معذور سمجھا جائیگا۔ اور جو شخص روزہ کی نذر مانتا ہے وہی اسکے مطالبہ میں ماخوذ ہوتا ہے اور جس نے نذر نہ کی ہو وہ ماخوذ نہیں ہوتا۔ اور جو دین میں اپنے اوپر سختی کرتا ہے اسپر سختی کیجاتی ہے۔ اور یتیم کو ادب سکھانے کے لئے طمانچہ مارنا نیکی ہے اور ایذا دینے کیلئے مارنا گناہ ہے۔ خطا کار اور بھول چوک کرنے والا بہت سے احکام میں قابل معافی ہے، پس یہ وہ اصل ہے جسکے مطابق لوگوں کے علوم اور عادت ظاہر اور پوشیدہ ہیں، پس انہی کے موافق ان کے حق میں شریعتوں کی تعیین ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ اکثر عادات اور مخفی علوم ایسے ہیں کہ ان پر تمام عرب و عجم اور تمام معتدل اقالیم کے باشندے اور ایسے لوگ جنکا مزاج عمدہ اور بزرگ ترین اخلاق کے قابل ہے متفق ہیں جیسے اپنے مردہ پر غم کرنا، اسکے حق میں نرم دلی کو پسند کرنا، حسب و نسب پر فخر کرنا، چوتھائی یا تہائی شب کے گذرنے کے بعد سونا، علی الصبح بیدار ہونا ان کے علاوہ اور اکثر امور ہیں جنکی طرف ہم نے ارتفاقات کے بیان میں اشارہ کیا ہے۔ تو اس قسم کے جتنے عادات اور علوم ہیں انکا سب چیزوں سے زیادہ اعتبار اور لحاظ کیا جاتا ہے، اسکے بعد اکثر عادات اور عقائد ایسے ہوتے ہیں جو صرف انہی لوگوں میں خاص ہوتے ہیں جن میں نبی مبعوث کیا جاتا ہے اس لئے

عليهم واندفعت عقولهم اليه من حيث يعلمون و من حيث لا يعلمون كما ترى ذلك فى علاقات تمثل شئ بصورة غيره كتمثل منع الناس عن السحور فى صورة الختم على الافواه فان الختم شبه المنع عند القوم استحضروه امرا او حق الله على عباده فى الاصل ان يعظموه غاية التعظيم ولا يقدموا على مخالفة امره بوجه من الوجوه والواجب فيما بين الناس ان يقيموا مصلحة التاليف والتعاون ولا يؤذى احد احدا الا اذا امر به الرأى الكلى ونحو ذلك، ولذلك كان الذى وقع على امرأة يعلم انها اجنبية قد ارخى بينه وبين الله حجاب وكتب ذلك من اجترائه على الله وان كانت امراته فى الحقيقة لانه اقدم على مخالفة امر الله وحكمه والذى وقع على اجنبية وهو يعلم انها امراته لا يالو فى ذلك معذورا فيما بينه وبين الله وكان الذى نذر الصوم ماخوذا بنذره دون من لم ينذر وكان من تشدد فى الدين شدد عليه وكانت لطمة اليتيم للتاديب حسنة وللتعذيب سيئة و كان المخطئ والناسى معفوا عنهما فى كثير من الاحكام فهذا الاصل يتلقاه علوم القوم وعاداتهم الكامنة منها والبارزة فيتشخص الشرائع فى حقهم حسب ذلك واعلم ان كثيرا من العادات والعلوم الكامنة يتفق فيها العرب والعجم وجميع سكان الاقاليم المعتدلة واهل الامزجة القابلة للاخلاق الفاضلة كالحزن لميتهم واستحباب الرفق به وكالفخر بالاحساب والانساب وكالنوم اذا مضى ربع الليل او ثلثه او نحو ذلك والاستيقاظ فى تباشير الصبح الى غير ذلك مما اومأنا اليه فى الارتفاقات، فتلك العادات والعلوم احق الاشياء بالاعتبار ثم بعدها عادات وعقائد تختص بالمبعوث اليهم فتعتبر تلك ايضا وقد

ان عادات کا اعتبار بھی ضروری ہوتا ہے' اور خدا تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ کر رکھا ہے۔
واضح ہو کہ نبوت بسا اوقات ملت کے تابع ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ" اور فرمایا "اور نوحؑ کے طریقہ والوں میں سے ابراہیم بھی تھے" اسکا راز یہ ہے کہ سالہائے دراز تک لوگ ایک مذہب کی پابندی کرتے ہیں اور اس دین کے شعائر کی تعظیم کرتے ہیں' اس مذہب کے احکام نہایت مشہور اور شائع بمنزلہ بدیہیات اولیٰ کے ہو جاتے ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ پھر جب اس مذہب کے نبی کی روایتوں میں اختلاط ہو جاتا ہے تو اسکے بعد ایک دوسری نبوت کا زمانہ آتا ہے تاکہ پہلے مذہب کی کجی بالکل دور ہو جائے' اسکی بگڑی ہوئی باتیں درست ہو جائیں' یہ دوسری نبوت لوگوں میں مشہور اور معتبر احکام کی تفتیش کرتی ہے۔ پس جو صحیح سیاست ملی کے قواعد کے موافق ہوتے ہیں دوسری نبوت ان کو نہیں بدلتی بلکہ انکی لوگوں کو رغبت دلاتی ہے اور ان پر عمل کرنے کی تاکید فرماتی ہے' اور جو احکام کھوٹے ہوتے ہیں' جن میں تحریف ہو گئی ہے ان میں بقدر ضرورت تبدیلی کر دیتی ہے اور جو احکام قابل اضافہ ہوتے ہیں تو ان میں کچھ اضافہ کر دیتی ہے' اور بسا اوقات یہ نبی آخر ان امور سے جو پہلی شریعت کے باقی رہ جاتے ہیں' اکثر اپنے مطالب اور دعاوی پر استدلال کرتا ہے پس اسوقت یہ کہا جاتا ہے کہ یہ نبی فلاں نبی کی ملت میں ہے یا اسکے گروہ میں سے ہے۔ اور بسا اوقات یہ نبوتیں اختلاف ملل کے سبب مختلف بھی ہو جاتی ہیں۔ مذاہب جو ایک صورت خاصہ میں نازل ہوئے کی دوسری قسم بمنزلہ ایک امر عارضی طاری کے ہے اور یہ اسلئے ہے کہ خدا تعالیٰ گو زمانے سے بلند و برتر ہے لیکن اسکو کسی نہ کسی وجہ سے زمانہ اور زمانہ کی چیزوں سے ربط اور تعلق ہے چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ ہر ایک صدی کے بعد خدا تعالیٰ حوادثات عظیمہ میں سے ایک نہ ایک حادثہ کو پیدا کرتا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء نے بھی حدیث شفاعت میں کسیقدر اس بارہ میں خبر دی ہے کہ ہر ایک نبی قیامت کے روز کہیگا کہ آج کے دن خدا تعالیٰ ایسا غضبناک ہے کہ ایسا کبھی غضبناک نہیں ہوا ہے اور نہ آئندہ کبھی ہو گا پس جب عالم آمادہ اور تیار ہوتا ہے کہ شریعتوں کا انپر فیضان کیا جائے اور امور دینی کے حدود معین کیے جائیں' اور اللہ تعالیٰ تجلی فرما کر دین کو لوگوں پر نازل کرتا ہے اور اسی کے موافق ملاء اعلیٰ بلند ہمتی کو لبریز ہو جاتے ہیں تو ایسے وقت میں عارضی اسباب میں سے ایک ادنیٰ سبب بھی جود الٰہی کا دروازہ کھٹکھٹانے کیلئے کافی ہو جاتا ہے اور جو کریم کا دروازہ

جعل الله لكل شئ قدرا.
واعلم ان النبوة كثيرا ما تكون من تحت الملة كما قال الله تعالى ملة ابيكم ابراهيم وكما قال وان من شيعته لابراهيم وسر ذلك انه تنشأ قرون كثيرة على التدين بدين وعلى تعظيم شعائره وتصير احكامه من المشهورات الذائعة اللاحقة بالبديهيات الاولية التي لا تكاد تنكر فتجئ نبوة اخرى لاقامة ما اعوج منها وصلاح ما فسد منها بعد اختلاط رواية نبيها فتفتش عن الاحكام المشهورة عندهم فما كان صحيحا موافقا لقواعد السياسة الملية لا تغيره بل تدعوا اليه وتحث عليه وما كان سقيما قد دخله التحريف فانها تغيره بقدر الحاجة وما كان حريا ان يزاد فانها تزيده على ما كان عندهم، وكثيرا ما يستدل هذا النبي في مطالبه بما بقي عندهم من الشريعة الاولى فيقال عند ذلك هذا النبي في ملة فلان النبي او من شيعته، وكثيرا ما تختلف النبوات لاختلاف الملل النازلة تلك النبوة فيها، والنوع الثاني بمنزلة طارئ عارض وذلك ان الله تعالى وان كان متعاليا عن الزمان فله ارتباط بوجه من الوجوه بالزمان والزمانيات، وقد اخبر النبي صلى الله عليه وسلم ان الله يقضي بعد كل مائة بحادثة عظيمة من الحوادث واخبر آدم وغيره من الانبياء عليهم السلام في حديث الشفاعة بشئ من هذا الباب حيث قال كل واحد منهم ان ربي تبارك وتعالى قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله فاذا تهيأ العالم لافاضة الشرائع وتعيين الحدود وتجلى الحق منزلا عليهم الدين وامتلأ الملأ الاعلى بهمة قوية حسب ذلك يكون حينئذ ادنى سبب من الاسباب الطارئة كافيا في قرع باب الجود ومن دق باب الكريم انفتح

کھٹکھٹاتا ہے تو وہ کھل ہی جاتا ہے، آپ موسم بہار پر ہی نظر ڈالئے کہ اس موسم میں بونے اور تخم ریزی کرنے کیلئے ادنیٰ سبب اثر کر جاتا ہے کہ اور موسم میں اس سے کئی گنا اہتمام بھی اثر نہیں کرتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کسی شئی کیلئے اسکا انتظار کرنا اور اس شئی کیلئے اسکا دعا کرنا اور نہایت شوق کے ساتھ اس کو طلب کرنا اس امر میں احکام کے نازل ہونیکا قوی سبب ہوتا ہے۔ اور جب نبی کی دعا روشن طریقہ کو زندہ کرتی ہے اور دعا کیوجہ سے بڑی بڑی جماعتوں پر غلبہ حاصل ہو جاتا ہے اور اس سے نظر کے سامنے کھانے پینے کی زیادتی ہو جاتی ہے تو اسکی وجہ سے نزول حکم جو روح لطیف ہے اور اسکا تعین محض وجودِ مثالی میں ہے کیا بعید ہے۔ اور اسی قاعدہ پر سمجھ لینا چاہیے کہ اس زمانہ کے وہ بڑے بڑے حوادث جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تشویش ہوتی تھی جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان کا قصہ، یا جب کوئی سائل ایک امر دریافت کرتا تھا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسمیں بار بار پوچھ گچھ کرتا تھا جسکی وجہ سے آپ کو فکر ہو جاتی تھی جیسے ظہار کا قصہ، تو یہ امور نزولِ احکام کے سبب بن جاتے تھے اور اس سے اصل حال کا انکشاف ہو جاتا تھا۔ اور اسیطرح سے کسی قوم کا طاعت میں سستی کرنا، فرماں برداری میں پہلو تہی کرنا اور ہمیشہ گناہ میں مصروف رہنا اور ایسے ہی کسی چیز کی نہایت رغبت کرنا اور نہایت اہتمام اور قصد سے اسکی پابندی کرنا اور اسکے ترک کو خدا تعالیٰ کا گناہ سمجھنا بھی ان پر کسی چیز کے فرض اور حرام ہونیکا سبب ہوتا ہے اور بارانِ جود برسانے میں ان سب کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص صالح قوی الہمت روحانیت کے منتشر ہونے اور سعادت کی کمالیت کے وقت قصد کر کے خدا کی بارگاہ میں نہایت اہتمام کے ساتھ درخواست کرتا ہے تو اسیوقت وہ مقبول ہو جاتی ہے اور انہی معانی کی طرف خدا تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے "مسلمانو، بہت سی چیزوں کا سوال مت کیا کرو اگر وہ تمہارے لئے کھل جائینگی تو تم کو ناگوار معلوم ہونگی اگر قرآن کے نازل ہوتے وقت پوچھو گے تو خود بخود تم کو معلوم ہو جائیں گی۔" خداوند کریم کی اصل مرضی یہی ہے کہ نزولِ شرائع کے اس قسم کے سوالات کم ہوا کریں کیونکہ اس سے وہ امور نازل ہو جاتے ہیں جن میں مصلحتِ خاص کا حکم اور اثر غالب ہوتا ہے، پس اکثر اس میں آئندہ نسلوں کے لئے تنگی پیش آ جاتی ہے اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرنے کو برا سمجھتے تھے ۞۞۞۞

ولك عبرة بفصل الربيع يؤثر فيه ادنى شئ من الغرس والبذر ما لا يؤثر في غيره اضعاف ذلك وهمة النبي صلى الله عليه وسلم واستشرافه للشئ ودعوته له مع اشتياقه اليه وطلبه اياه سبب قوي لنزول القضاء في ذلك الباب واذا كانت دعوته تحيي السنة الشهباء وتغلب فئة عظيمة من الناس وتزيد الطعام والشراب زيادة محسوسة فما ظنك في نزول الحكم الذي هو روح لطيف وانما يتعين بوجود مثالي وعلى هذا الاصل ينبغي ان يخرج ان حدوث حادثة عظيمة فخيمة في ذلك الزمان يفزع لها النبي صلى الله عليه وسلم كقصة الافك وسوال سائل يراجع النبي صلى الله عليه وسلم ويحاوره فيهمه صلى الله عليه وسلم كقصة الظهار يكون سببا لنزول الاحكام وان يكشف عليه فيها جلية الحال وان استبطاء القوم عن الطاعة وتبلدهم عن الانقياد واخلادهم الى العصيان وكذا رغبتهم في شئ وعضهم عليه بالنواجذ واعتقادهم التفريط في جنب الله عند تركه يكون سببا لان يشدد عليهم بالوجوب الاكيد والتحريم الشديد، ومثل ذلك كله في استمطار الجود كمثل الانسان الصالح قوي الهمة يتوخى ساعة انتشار الروحانية وقوة السعادة فيسال الله فيها بجهد همته فلا تتراخى اجابته، والى هذه المعاني وقعت الاشارة في قوله تبارك وتعالى يايها الذين امنوا لا تسالوا عن اشياء ان تبد لكم تسؤكم وان تسالوا عنها حين ينزل القران تبد لكم واصل المرضي ان يقل هذا النوع من اسباب نزول الشرائع لانه يعد لنزول ما يغلب فيه حكم المصلحة الخاصة بذلك الوقت فكثيرا ما كان تضييقا على الذين ياتون من بعد ولذلك كان النبي صلى الله عليه وسلم يكره المسائل

اور فرماتے تھے کہ جو کچھ میں تم کو بتلاؤں اسی پر بس کرو اور مجھ سے نہ پوچھو کیونکہ پہلی امتوں کی ہلاکی کا یہی سبب بنا ہے کہ انہوں نے بہت سوالات کئے اور انبیاء کی مخالفت پر کمر باندھی اور فرمایا کہ مسلمانوں میں وہ شخص بڑا گنہگار ہے جس کے سوال کرنے سے کوئی چیز حرام کر دیجائے ۔ اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ بنی اسرائیل جس گائے کو ذبح کر ڈالتے وہی کافی ہو جاتی ، لیکن انھوں نے سختی کی اسلئے ان پر خدا نے بھی سختی کی ، واللہ اعلم ؛

پانچواں باب (۵۷) :- شریعت کے طریقوں پر مؤاخذہ کرنیکے اسباب کا بیان ؛

ہم اس امر کو بیان کرتے ہیں کہ خدا تعالٰے نے جو شرائع اپنے بندوں کیلئے مقرر فرمائی ہیں ان پر عذاب و ثواب ایسے ہی مرتب ہوتا ہے جیسے کہ نیکی اور گناہ کے اصول پر مرتب ہوتا ہے یا صرف انہی امور پر مرتب ہوتا ہے جو نیکی اور گناہ کے مواقع ، صورت اور قالب قرار دیئے گئے ہیں ، مثلاً کسی شخص نے ایک وقت کی نماز ترک کر دی لیکن اسکے دل میں خشوع و خضوع ہے تو نماز ترک کرنے پر اس شخص کو عذاب ہوگا یا نہ ہوگا ، اور ایک شخص نے نماز تو ادا کی اور اسکے ارکان و شروط اسطرح سے ادا کئے کہ وہ بری الذمہ ہو گیا لیکن نہ اس میں خشوع و خضوع تھا اور نہ حضور قلب تو اس نماز پر اسکو ثواب ملے گا یا نہ ملے گا ، اس میں کچھ کلام نہیں ہے کہ شریعت کے طریقوں کی نافرمانی کرنے میں فساد عظیم ہے اس جہت سے کہ اس سے سنت راشدہ میں روک ہوتی ہے معصیت کا دروازہ کھلتا ہے اور جماعت مسلمین میں تکدر آتا ہے ، قوم ، شہر اور ملک کو ضرر پہنچتا ہے جیسے شہر کی مصلحت کے لئے سیلاب کی وجہ سے بند باندھا تھا ، ایک شخص نے نقب دیکر اس بند کو توڑ دیا ، وہ شخص خود تو بچ گیا لیکن اہل شہر کو اسنے ہلاک کر دیا گفتگو اس میں ہے کہ گناہ یا نیکیاں خود اس شخص کا احاطہ کرتی ہیں یا نہیں ؛

پس تمام اہل مذاہب کا یہ مسلک ہے کہ خود ان شرائع پر ثواب و عذاب ہوتا ہے ۔ اور ان میں سے اہل تحقیق راسخین فی العلم اور انبیاء علیہم السلام کے حواری لوگ اسکے ساتھ انکے قوالب ،

؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛ ؛

وكان يقول ذرونى ما تركتكم فانما هلك من قبلكم بكثرة سؤالهم واختلافهم على انبيائهم وقال ان اعظم المسلمين فى المسلمين جرما من سأل شيئا فحرم لاجل مسئلته ، وجاء فى الخبر ان بنى اسراءيل لو ذبحوا اى بقرة شاء وا كفت عنهم لكن شددوا فشدد عليهم والله اعلم

باب اسباب المؤاخذة على المناهج

لنبحث عن المناهج والشرائع التى ضربها الله تعالى لعباده هل يترتب الثواب والعذاب عليها كما يترتب على اصول البر والاثم او لا يترتب الا على ما جعلت مظنات واشباحا و قوالب له ؛ فمن ترك صلاة وقت من الاوقات وقلبه مطمئن بالاخبات هل يعذب بتركها ومن صلى صلاة وادى الاركان والشروط حسبما يخرج عن العهدة ولم يرجع بشئ من الاخبات و لم يدخل ذلك فى صميم قلبه هل يثاب على فعلها ؛ وليس الكلام فى كون معصية المناهج مفسدة عظيمة من جهة كونها قد حاف السنة الراشدة وفتحا لباب الاثم وغشا بالنسبة الى جماعة المسلمين وضررا للحى والمدينة والاقليم بمنزلة سيل سد مجراه لمصلحة المدينة فجاء رجل و نقب السد ونجا بنفسه واهلك اهل مدينته و لكن الكلام فيما يرجع الى نفسه من احاطة السيئات بها او احاطة الحسنات ؛

فذهب اهل الملل قاطبة الى انها توجب الثواب والعذاب بنفسها فالمحققون منهم و الراسخون فى العلم والحواريون من اصحاب الانبياء عليهم السلام يدركون مع ذلك وجبه

ارواح، اشباح اور اصول میں وجہ مناسبت بھی نکالتے ہیں اور جانتے ہیں اور عام حاملانِ دین اور حافظانِ شریعت پہلی بات پر اکتفا کرتے ہیں،

فلاسفہ اسلام یہ کہتے ہیں کہ ثواب وعذاب صفات نفسانیہ اور ان اخلاق کی وجہ سے ہوتے ہیں جو انسان کی روح کے ساتھ متعلق ہیں ان صفات کے قالبوں اور صورتوں کا شرائع میں مذکور ہونا محض سمجھانے کے لئے اور دقیق معانی کو لوگوں کے ذہنوں سے قریب کرنے کیلئے ہے مذاقِ قوم کے موافق اس مقام کے متعلق یہ تحریر کیا گیا ہے،

میں کہتا ہوں کہ مذہبی محققین کا مذہب حق ہے، اسکا بیان یہ ہے کہ شرعی امور کے لئے اسباب اور باعث ہوتے ہیں جن سے بعض شرعی امور کو بعض پر ترجیح ہوتی ہے اور ان کی تشخیص ہوتی ہے۔ خدا تعالے خوب جانتا ہے کہ بغیر ان شرعی احکام کے لوگ دین پر عمل نہ کرسکیں گے اور یہ بھی خدا تعالے کو معلوم ہے کہ یہی طریقے لوگوں پر واجب کر دینے کے قابل ہیں، پس یہ طریقے خدا کی اس توجہ میں مندرج ہوتے ہیں جو ازل میں لوگوں کے ساتھ تھی، پھر جب یہ عالم اس امر کے لئے مستعد اور تیار ہو گیا کہ اسپر شرعی صورتوں کا فیضان کیا جائے اور اسکے پیکر پیدا کئے جائیں تو اسوقت خدا تعالے نے اسکو پیدا کیا اور شرعی امور پیدا کرکے اپنا فیضان پورا کیا اور ازل سے اسکا تعین ہو گیا اسلئے یہی امور بمنزلہ اصل کے ہو گئے اسکے بعد جب خدا تعالے نے ملاءِ اعلیٰ کو اس سے مطلع کر دیا اور انکو الہام سے بتا دیا کہ یہی موقع شرعی اصول کے قائم مقام ہیں اور یہی اصول کی صورتیں اور اشباح ہیں، اور ان اشباح اور صورتوں کے بغیر لوگ مکلف نہیں ہو سکتے تب حظیرۃ القدس میں اسپر اتفاق ہو گیا کہ ان صُوَر کو ایسی ہی نسبت ہے جو لفظ کو اپنے معنی موضوع لہ سے اور صورِ ذہنیہ کو حقیقت خارجیہ سے ہوا کرتی ہے جو اسی صورت خارجی سے حاصل کیجاتی ہے، یا جو تصویری صورت کو اس شئی سے نسبت ہوتی ہے جس کی یہ تصویر ہے یا جو خطوط کو الفاظ موضوعہ سے ہوتی ہے کیونکہ جب ان سب امور میں دال اور مدلول میں نہایت قوی تعلق اور ان میں باہمی لزوم اور گرفت ثابت ہو گئی تو اپنے موقع پر یہ طے ہو گیا کہ یہ دال ہی مدلول ہے اور دونوں شئی واحد ہی ہیں، اسکے بعد اس علم کا پرتو یا اس علم کی خود حقیقت تمام بنی آدم عرب اور عجم کی عقلوں پر منکشف کر دی گئی اور سبنے اتفاق کر لیا کہ وہ شرائع اور اصول

المناسبة والارتباط لتلك الاشباح والقوالب باصولها وارواحها وعامة حملة الدين ودعاة الشرائع يكتفون بالاول وذهب فلاسفة الاسلام الى ان العذاب والثواب انما يكونان على الصفات النفسانية والاخلاق المتشبثة بذيل الروح وانما ذكر قوالبها واشباحها فى الشرائع تفهيما وتقريبا للمعانى الدقيقة الى اذهان الناس، هذا تحرير المقام على مشرب القوم

اقول والحق ما ذهب اليه المحققون من اهل الملل، بيان ذلك ان الشرائع لها معدات واسباب تشخصها وترجح بعض محتملاتها على بعض والحق يعلم ان القوم لا يستطيعون العمل بالدين الا بتلك الشرائع والمناهج ويعلم ان هذه الاوضاع هى التى يليق ان تكون عليهم فتندرج فى عناية الحق بالقوم ازلا ثم لما تهيأ العالم لفيضان صور الشرائع وايجاد شخوصها المثالية فاوجدها وافاضها وتقرر هنالك امرها كانت اصلا من الاصول ثم لما فتح الله على الملأ الاعلى هذا العلم والهمهم ان المظنات قائمة مقام الاصول وانها اشباحها وتماثيلها وانه لا يمكن تكليف القوم الا بتلك حصل فى حظيرة القدس اجماع ما على انها هى بمنزلة اللفظ بالنسبة الى الحقيقة الموضوع لها والصورة الذهنية بالنسبة الى الحقيقة الخارجية المنتزعة منها والصورة التصويرية بالنسبة الى من انتقشت مكشافاله والصورة الخطية بالنسبة الى الالفاظ الموضوعة هى لها فانه فى كل ذلك لما قويت العلاقة بين الدال والمدلول وحصل بينهما تلازم وتعانق اجمع فى حيز ما من الاحياذ انه هو ثم ترشح شبح هذا العلم او حقيقته فى مدركات بنى ادم عربهم وعجمهم فاتفقوا عليه فلن ترى احدا

ایک ہی شئی ہیں۔ تم ایسا کوئی شخص نہ دیکھو گے جسکے دل میں اس علم کا ایک حصہ نہ ہو، اکثر ہم نے اسکا نام وجود شبہی للمدلول رکھا ہے۔ اور کبھی اس وجود کے آثار عجیبہ ہوتے ہیں جو غور کرنے والے پر مخفی نہیں ہیں شرائع میں اسکے بعض بعض آثار کا لحاظ کیا گیا ہے اسی وجہ سے صدقہ کو صدقہ دینے والوں کا میل کچیل قرار دیا گیا ہے اور اسی وجہ سے کسی کام کی برائی مزدوری میں بھی سرایت کر جاتی ہے۔ اسکے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو روح القدس سے آپ کی تقویت کی گئی، آپ کے دل میں قومی اصلاح کا الہام ہوا، اور آپ کی روح کے لئے ایک وسیع راستہ جو شریعت کے نازل ہونے اور صور مثالیہ کے صادر کرنے کی ہمت کیطرف جاتا ہے مفتوح ہو گیا تب آپنے نہایت درجہ کی اولوالعزمی سے اس اصلاح کا اہتمام فرمایا اور موافقین کے لئے نہایت قصد اور ہمت سے دعائیں کیں، مخالفین پر لعنت کی اور انبیاء علیہم السلام کی ہمتیں ساتوں آسمان کے طبقوں کو پھاڑ کر پار ہو جاتی ہیں۔ وہ جب پانی برسنے کی دعا کرتے ہیں اور آسمان پر ابر کا ذرا سا ٹکڑا بھی نہیں ہوتا تو ان کی دعا سے اسیوقت پہاڑوں جیسے بادل پیدا ہو جاتے ہیں اور ان کی دعا سے مردے زندہ ہو جاتے ہیں اسلئے حظیرۃ القدس میں ان کی وجہ سے خوشی اور ناخوشی پختگی سے قرار پا جاتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں یہی مراد ہے کہ "ابراہیم تیرے نبی اور بندے نے مکہ کیلئے دعا کی تھی اور مدینہ کیلئے میں دعا کرتا ہوں" الحدیث۔ پھر جس بندہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ خدا نے ایسا ایسا حکم کیا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ملاء اعلیٰ تمام اوامر اور نواہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کرتے ہیں اور اس بات کو خوب جان لے کہ مامور بہ کو ترک کرنا اور منہی عنہ کام کا اقدام کرنا خدا کے مقابلہ میں دلیری اور خدا کی شان میں کوتاہی کرنا ہے پھر جان بوجھ کر قصداً و عمداً کسی کام کو کر بیٹھتا ہے تو اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ حجابات کی گہری تاریکی میں مبتلا ہے اور اسکی ملکی قوت منکسر ہو گئی ہے اور اس فعل سے دل پر گناہ جم جاتا ہے اور وہ جب کوئی پر مشقت کام کرتا ہے جس سے اسکی طبیعت بھاگتی ہے اسکو وہ کسی کی نمائش کیلئے نہیں کرتا بلکہ تقرب الٰہی اور اس کی رضامندی کی حفاظت کیلئے کرتا ہے تو اسکی وجہ سوائے اسکے کچھ نہیں ہو سکتی کہ مرتبہ احسان کی فضیلت میں وہ لپٹا ہوا ہے اسکی بہیمی قوت اچھی طرح کمزور ہو گئی ہے اور اسکے دل پر ایک نیکی جم جاتی ہے اب جو شخص کسیوقت کی نماز ترک کر دے تو اس میں

الا ويضم في نفسه شعبة من ذلك وربما سميناه وجوداً شبهياً للمدلول وربما كان لهذا الوجود آثار عجيبة لا تخفى على المتتبع، وقد روعي في الشرائع بعض ذلك ولذلك جعلت الصدقة من أوساخ المتصدقين وسرت شناعة العمل في الأجرة ثم لما بعث النبي صلى الله عليه وسلم وأيد بروح القدس ونفث في روعه إصلاح القوم وفتح تجوهر روحه فج واسع الى الهمة القوية في باب نزول الشرائع وصدور الشخوص المثالية فعزم على ذلك أقصى عزيمته ودعا للموافقين ولعن على المخالفين بجهد همته وان هممهم تخترق السبع الطباق وانهم يستسقون وما هنالك قزعة سحاب فتنشأ أمثال الجبال في الحال وانهم يدعون فيحيي الموتى بدعوتهم تأكد انعقاد الرضا والسخط في حظيرة القدس هو قوله صلى الله عليه وسلم ان ابراهيم نبيك وعبدك دعا لمكة وانا ادعو للمدينة الحديث ثم ان هذا العبد اذا علم ان الله تعالى أمر بكذا وكذا وان الملأ الأعلى تؤيد النبي صلى الله عليه وسلم فيما يأمر وينهى وعلم ان اهمال هذا والاقدام على ذلك اجتراء على الله وتفريط في جنب الله، ثم اقدم على العمل عن قصد وعمد وهو يرى ويبصر فان ذلك لا يكون الا لغاشية عظيمة من الحجب وانكسار تام للملكية وذلك يوجب قيام خطيئة بالنفس واذا اقدم على عمل شاق تنجم عنه طبيعته لا لمراءاة الناس بل تقرباً من الله وحفظاً على مرضاته فان ذلك لا يكون الا لغاشية عظيمة من الاحسان وانكسار تام للبهيمية وذلك يوجب قيام حسنة بالنفس اما من ترك صلاة وقت من الأوقات فيجب ان يبحث عنه لم

اس امر کی تفتیش ضروری ہے کہ اس نے نماز کیوں ترک کیا اور کس امر نے اسکو اسپر آمادہ کیا۔ پس اگر وہ بھول گیا تھا یا سوگیا تھا یا نماز کی فرضیت سے ناواقف تھا یا کسی ضروری کام نے اسکو روک لیا تھا تو شریعت نے تصریح کردی کہ ایسا شخص گنہگار نہیں ہے اور اگر اس نے جان بوجھکر اور یاد رکھتے ہوئے نماز کو ترک کردیا اور اسکو ادا کرنے کی قدرت تھی تو بلاشک یہ فعل دین میں سستی اور شیطانی حجاب سے ہوا جس نے اسکی بصیرت کو ڈھانک لیا ہو اور اسکا اثر اسکے نفس پر ہی پڑتا ہے۔ اور جس شخص نے نماز پڑھ لی اور وہ اس فرض سے فارغ الذمہ ہوگیا تو ہمکو اسکے حال میں بھی تفتیش کرنی چاہیے اگر اس نے نمائش کیلئے یا لوگوں کی تعریف سننے کیلئے یا قومی عادت کی پابندی کیوجہ سے یا عبث سمجھ کر نماز پڑھی ہے تو شریعت نے تصریح کردی کہ یہ شخص مطیع نہیں ہے اور اسکی یہ نماز قابل اعتبار نہیں ہے اور اگر اس نے تقرب الی اللہ کیوجہ سے اور ایمان کیوجہ اور نیکی سمجھ کر اور خدائی وعدہ کی تصدیق کرتے ہوئے نماز پڑھی ہے اور حضور نیت اور خدا کے دین میں خلوص کے ساتھ یہ کام کیا ہے تو ضرور اسکے اور خدا کے درمیان ایک راستہ کھل جاتا ہے گو وہ سوئی کے ناکہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ جو کہا گیا تھا کہ اس شخص نے بند میں نقب لگانے سے شہر کو ہلاک کردیا اور اپنے آپ کو بچالیا، اسکو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اسنے خود اپنے آپ کو بچالیا یہ کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ خدا تعالے کے ایسے فرشتہ مقرر ہیں جنکی کامل توجہ اس طرف مصروف رہتی ہے کہ جو شخص عالم کی اصلاح کرنے میں کوشش کرتا ہو اسکے لئے دعا کرتے ہیں اور جو فساد پھیلانے میں سعی کرتا ہے اسپر بد دعا کرتے ہیں ان کی دعا کے اثر سے رحمت الٰہی کا دروازہ کھلتا ہے اور کسی نہ کسی طرح پر جزاء نازل ہوتی ہے اور لوگوں کی طرف خدا تعالیٰ کی توجہ جزاء کے باعث ہوا کرتی ہے اسکا سمجھنا چونکہ مشکل تھا اسلئے فرشتوں کی دعا کو ہمنے اسکا عنوان قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

چھٹا باب(۵۸): حکمتوں اور علتوں کے اسرار کا بیان

واضح ہو کہ بندوں کے بعض افعال ایسے ہیں جن سے پروردگار عالم خوش ہوتا ہے اور بعض افعال ایسے ہیں جن سے ناخوش ہوتا ہے اور بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جن سے نہ وہ خوش ہوتا ہے اور نہ ناخوش، اسلئے حکمت بالغہ اور رحمت تامہ کا اقتضا ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرے اور انکے ذریعے لوگوں کو ان افعال پر مطلع کردے جن سے اس کی خوشی اور ناخوشی کا تعلق ہوتا

ترکها وای شیٔ حمله علی ذلك فان نسیها او نام عنها اوجهل وجوبها اوشغل عنها بما لا یجد منه بدا فنص الملة انه لیس باثم وان ترکها وهو یعلم ویتذکر وامره بیده فان ذلك لا یکون لا محالة الا من حزازة فی دینه وغاشیة شیطانیة او نفسانیة غشیت بصیرته وهو یرجع الی نفسه، واما من صلی صلاة وخرج عن عهدة ما وجب علیه فیجب ان یبحث عنه ایضا ان فعلها ریاء وسمعة اوجریا علی عادة قومه اوعبثا فنص الملة انه لیس بمطیع ولا یعتد بفعله ذلك وان فعلها تقربا من الله واقدم علیها ایمانا واحتسابا وتصدیقا بالموعود واستحضر النیة واخلص دینه لله فلاجرم انه فتح بینه وبین الله باب ولو کرأس ابرة واما من اهلك المدینة ونجا بنفسه فلا نسلم انه نجا بنفسه کیف وهنالك لله ملائکة اقصی همتهم الدعاء لمن یسعی فی اصلاح العالم وعلی من سعی فی افساده وان دعوتهم تقرع باب الجود ویکون سببا لنزول الجزاء بوجه من الوجوه بل هنالك لله تعالی عنایة بالناس توجب ذلك ولدقة مدرکها جعلنا دعوة الملائکة عنوانا لها والله اعلم

باب اسرار الحکم والعلة

اعلم ان للعباد افعالا یرضی لاجلها رب العالمین عنهم وافعالا یسخط لاجلها علیهم وافعالا لا تقتضی رضا ولا سخطا فاقتضت حکمته البالغة ورحمته التامة ان یبعث الیهم الانبیاء ویخبرهم علی السنتهم بتعلق الرضا والسخط بتلك الافعال ویطلب منهم الفصل الاول وینهی عن الثانی ویخبرهم فیما سوی ذلك لیهلك من هلك عن بینة ویحیی من حی عن

[illegible]

ہے اور یہ کہ لوگوں سے قسم اول کا مطالبہ ہو اور دوسری قسم کے افعال ممنوع ہیں اور باقی امور میں انکو اختیار رہتا کہ جو ہلاک ہو تو جان بوجھ کر ہلاک ہو اور جو حیات ابدی حاصل کرے۔

پس کسی فعل سے خدا تعالیٰ کی رضا یا عدم رضا کا متعلق ہونا یا دونوں افعال سے افعال کا غیر متعلق ہونا اور لوگوں سے کسی فعل کا مطالبہ کرنا اور اس سے روکنا یا اس میں مختار ٹھیرانا جو چاہو سو کہو اسکو حکم کہتے ہیں۔ اور مطالبہ کبھی مؤکد ہوتا ہے جس سے فعل مطلوب کرنے پر رضا اور ثواب اور ترک کرنے پر ناراضی اور عذاب ہوتا ہے۔ اور کبھی غیر مؤکد ہوتا ہے جسکے کرنے پر رضا اور ثواب ہوتا ہے اور نہ کرنے پر ناراضی اور عذاب نہیں ہوتا۔

اور اسیطرح نہی کبھی مؤکد ہوتی ہے جسکی وجہ سے فعل کے نہ کرنے پر رضا اور ثواب ہوتا ہے اور اسکے کرنے سے ناراضی اور عذاب ہوتا ہے۔ اور نہی کبھی غیر مؤکد ہوتی ہے جسکی وجہ سے نہ کرنے سے رضا اور ثواب ہوتا ہے اور اسکے کرنے پر ناراضی اور عذاب نہیں ہوتا۔ تم اسکا اندازہ اپنے اور لوگوں کے محاورات کے الفاظ طلب اور منع میں کرسکتے ہو کیونکہ جو بات اولاً کہی جاتی ہے اسکے خلاف میں رضامندی اور ناراضی کے اثر سے ہر قسم کی دو قسمیں تم پاؤگے اور یہ بمنزلہ امر طبعی کے ہے جس سے چارہ نہیں، اسوجہ سے احکام کی پانچ قسمیں ہیں:۔ وجوبؔ، استحبابؔ، اباحتؔ، کراہتؔ، حرمتؔ۔ اور مکلفین کے احوال میں سے ہر فعل کی حالت علیحدہ علیحدہ لوگوں کے سامنے پیش کرنا ناممکن ہے کیونکہ یہ افعال حصر میں نہیں آسکتے اور نہ ہی لوگ پورے طور پر ان کو معلوم کرسکتے ہیں اسواسطے یہ ضروری ہوا کہ جس امر میں لوگوں سے خطاب کیا جائے وہ قواعد کلیہ ہوں جن میں ایک ایسی وحدت ہو جس میں بے شمار چیزیں مندرج ہوں تاکہ لوگ اسکو معلوم کرکے اپنے افعال کی حالت معلوم کرسکیں۔ تم فنون کلیہ ہی میں غور کرلو کہ ان میں خاص خاص امور کے لئے قواعد کلیہ مقرر ہیں، دیکھو نحوی کہتا ہے کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے تو سامع اسکا یہ قول محفوظ کرکے قامَ زیدٌ میں زید کا حال اور قعد عمرٌو میں عمرو کا حال معلوم کرسکتا ہے، وعلیٰ ہذا القیاس،

اور وہ وحدت جس میں کثرت معتبر ہوتی ہے اسکو علت کہتے جسپر حکم کا مدار ہوتا ہے اور اس علت کی دو قسمیں ہیں۔ قسم اول وہ ہے جس میں اسی حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے جو مکلفین میں موجود ہوا کرتی ہے اور وہ ہمیشہ نہیں پائی جاتی کیونکہ اگر کسی دائمی حالت کا اعتبار کیا جاتا تو احکام ہمیشہ اور ہمہ وقت ایسے لازم ہوجاتے کہ کبھی جدا نہ ہوتے اور یہ امر

بينها فتعلق الرضا والسخط بالفعل وكونه غفلاً منهما وكون الشئ بحيث يطلب منهم وينهون عنه ويخيرون فيه اياً ما شئت فقل هو الحكم والطلب منه مؤكد يقتضى الرضا والثواب على فعل المطلوب والسخط والعقاب على تركه، ومنه غير مؤكد يقتضى الرضا والثواب على فعل المطلوب دون السخط والعقاب على تركه، وكذلك النهى منه مؤكد يقتضى الرضا والثواب على الكف منه لاجل النهى ويقتضى السخط والعقاب على فعل المنهى عنه، ومنه غير مؤكد يقتضى الرضا والثواب على الكف عنه لاجل النهى دون السخط والعقاب على فعله، واعتبر بما عندك من الفاظ الطلب والمنع ومحاورات الناس فى ذلك فانك ستجد تثنية كل قسم من جهة سريان الرضا والسخط فى ضد المنطوق اولا امرا طبيعيا لا محيص عنه، فالاحكام خمسة، ايجاب، وندب، واباحة وكراهية وتحريم والذى يؤتى به فى مخاطبة الناس لا يمكن ان يكون حال كل فعل على حدته من احوال المكلفين لعدم انحصارها ولعدم استطاعة الناس الاحاطة بعلمها فوجب اذا ان يكون ما يخاطبون به قضايا كلية معنوية بوحدة تنظم كثرة ليحيطوا بها علما فيعرفوا منها حال افعالهم ولك عبرة بالصناعات الكلية التى جعلت لتكون قانونا فى الامور الخاصة يقول النحوى الفاعل مرفوع فيعى مقالته السامع فيعرف بها حال زيد فى قولنا قام زيد وعمرو فى قولنا قعد عمرو وهلم جرا وتلك الوحدة التى تنظم كثرة هى العلة التى يدور الحكم على دورانها وهى قسمان، قسم يعتبر فيها حالة توجد فى المكلفين ولا يمكن ان تكون حالة دائمة لا تنفك عنهم فيكون مضمون الخطاب تكليفهم بالامر دائما اذ لا يستطيعون

مکلفین کے قابو سے باہر ہے ایسی تکلیف صرف ایمان میں ہی ہوسکتی ہے پس اس وجہ سے ضروری ہوگیا کہ ایک ایسی حالت کا اعتبار کیا جائے جو دو شیٔ سے مرکب ہو، ایک مکلف کی صفتِ لازمہ جس سے وہ مخاطب ہونیکی صلاحیت رکھتا ہے اور دوسرے ایک عارضی ہیئت کہ کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی اور یہ قسم اکثر عبادات میں پائی جاتی ہے ۔ اور یہ ہیئت یا وقت ہے یا استطاعتِ میسرہ ہے یا مظنہ حرج ہے یا کسی شیٔ کا قصد کرنا ہے وغیرِ ذالک ۔ مثلاً شارع کا قول ہے جس عاقل، بالغ شخص کو نماز کا وقت مل جائے تو اس پر نماز پڑھنا فرض ہے ۔ اور جو عاقل بالغ رمضان کو پالے اور وہ روزہ رکھنے پر قادر بھی ہو تو روزہ رکھنا اس پر فرض ہے ۔ اور جو شخص نصاب کا مالک ہو اور اس کے مال پر ایک سال گذر جائے تو ایسے شخص پر اس مال کی زکوٰۃ دینا فرض ہے ، اور جو شخص حالتِ سفر میں ہو تو اسکے لئے نماز میں قصر کرنا اور روزہ افطار کرنا جائز ہے اور جو شخص نماز پڑھنا چاہے اور وہ بے وضو ہے تو اسکو وضو کرنا ضروری ہے ۔ اس قسم میں اکثر ان صفات کا لحاظ نہیں کیا جاتا جو اکثر امور میں معتبر ہوتی ہیں اور صرف اس صفت کا اعتبار کیا جاتا ہے جس سے ایک حکم کو دوسرے سے امتیاز ہوگیا ہے اسلئے مسامحۃً اسی کو علت کہدیتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں کہ نماز کی علت وقت کا آنا ہے اور روزے کی علت ماہ رمضان کا آنا ہے ، اور کبھی شارع ان اوصاف میں سے بعض کو بالخصوص مؤثر قرار دیتا ہے جیسے مالک نصاب کے لئے ایک سال یا دو سال کی پیشگی زکوٰۃ دینا جائز قرار دیا ہے اور غیر مالک نصاب کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے اسلئے وجہ سے فقیہ ہر ایک امر کا ٹھیک اندازہ کرتا ہے کسی صفت کو سبب اور کسی کو شرط قرار دیتا ہے ۔

اور علت کی دوسری قسم وہ ہے جس میں اس شیٔ کی حالت کا اعتبار ہوتا ہے جس پر کسی کام کا اثر ہوتا ہے یا کام کا اس سے کچھ تعلق ہوتا ہے ، اور یہ علت کبھی صفتِ لازمہ ہوتی ہے جیسے شارع کا قول ہے کہ شراب پینا حرام ہے ، خنزیر کھانا حرام ہے اور درندوں اور پرندوں میں سے پنجہ دار جانوروں کا کھانا حرام ہے ماؤں سے نکاح کرنا حرام ہے ۔ اور کبھی کوئی عارضی صفت ہوتی ہے جو اس شیٔ کے قائم مقام ہوتی ہے جیسے خدا کا قول ہے "چور مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ ڈالو" اور جیسے کلام الٰہی "زنا کرنے والے اور زنا کرنے والی کے سو درّے لگاؤ" اور کبھی وہ شیٔ جس پر فعل واقع ہوتا ہے اسکے حالات میں سے دو یا زیادہ کا لحاظ کیا جاتا ہے جیسے شارع کا قول ہو: محصن زانی کو سنگسار کرنا چاہئے اور زانی غیر محصن کو درّے لگانا چاہئے"

ذلك اللهم الا فی الایمان خاصة فلا جرم ان تعتبر حالة مركبة من صفة لازمة فی المكلف بها يصح كونه مخاطبا وهيئة طارئة تنوبه مرة بعد مرة واكثر ما يكون هذا القسم فی العبادات والهيئة اما وقت او استطاعة ميسرة او مظنة حرج او ارادة شئ ونحو ذلك كقول الشرع "من ادرك وقت صلاة وهو عاقل بالغ وجب عليه ان يصليها ومن شهد الشهر وهو عاقل بالغ مطيق وجب عليه ان يصومه ومن ملك نصابا وحال عليه الحول وجب عليه ان يزكيه ومن كان على سفر جاز له القصر والافطار ومن اراد الصلاة وكان محدثا وجب عليه الوضوء" وفی مثل هذا ربما تسقط الصفات المعتبرة فی اكثر الاوامر وتخص الصفة التی بها امتاز بعضها من البعض فيسامح بتسميتها علة فيقال علة الصلاة ادراك الوقت وعلة الصوم شهود الشهر وربما يجعل الشارع لبعض تلك الاوصاف دون بعض اثرا كما جوز تعجيل الزكاة لسنة او سنتين لمن ملك النصاب دون من لم يملكه فيعطی الفقيه كل ذی حق حقه فيخص بعضها بسبب والاخر بالشرط، وقسم يعتبر فيه حال ما يقع عليه الفعل او يلابسه وهی اما صفة لازمة له كقول الشارع "يحرم شرب الخمر ويحرم اكل الخنزير ويحرم اكل كل ذی ناب من السباع وكل ذی مخلب من الطير ويحرم نكاح الامهات"، او صفة طارئة تنوبه كقوله تعالى السارق والسارقة فاقطعوا ايديهما وقوله تعالى الزانية والزانی فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة وربما يجمع بين اثنين فصاعدا من احوال ما يقع عليه الفعل كقول الشارع "يجب رجم الزانی المحصن وجلد زان

اور کبھی مکلف کا اور جس پر کہ فعل واقع ہوتا ہے دونوں کے احوال کا لحاظ کیا جاتا ہے جیسے شارع کا قول ہے کہ اس امت کے مردوں پر سونا اور حریر حرام ہے لیکن عورتوں پر حرام نہیں ہے۔ دین الٰہی میں کسی قسم کی لغویت نہیں ہے پس ان افعال سے رضا یا عدم رضا کا جو تعلق ہوتا ہے تو اسکی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے۔ اور یہ اسلئے کہ ان افعال کے ایسے امور معینہ ہیں جن سے فی الحقیقت رضا اور ناراضی متعلق ہوتی ہے، یہ امور دو قسم کے ہیں، اوّل نیکی اور گناہ، تدابیر نافع اور ان کا ضائع کرنا اور انہی کی مثل اور امور، دوّم وہ امور ہیں جو احکام شریعت اور مذہب سے متعلق ہیں جیسے تحریف کا دروازہ بند کرنا، حیلہ جوئی وغیرہ سے باز رکھنا۔

اور ان معین امور کے مواقع اور لوازم ہیں جن سے رضا اور عدم رضا کا بالعرض تعلق ہوتا ہے۔ اور ان مواقع اور لوازم کی طرف رضامندی اور ناراضی کو مجازاً منسوب کر دیتے ہیں اسکی ایسی مثال ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ دوا کا کھانا آرام پانے کی علت ہے اور درحقیقت شفاء کی علت، اخلاط کا نضج یا ان کا اخراج ہے۔ اور یہ نضج اور اخراج عادۃً دوا پینے سے حاصل ہوتا ہے اور یہ خود علت نہیں ہے۔ اور جیسے کہا کرتے ہیں کہ تمازتِ آفتاب میں بیٹھنا یا محنت کا کام کرنا یا کسی گرم غذا کا کھانا بخار کی علت ہے اور بخار کی اصل علت اخلاط کا گرم ہو جانا ہے اور اخلاط کا گرم ہونا ایک ایسی چیز ہے جس کے بہت سے ذرائع ہیں اور متعدد صورتیں ہیں، اور محض اصول پر اکتفار کرنا اور ان کے متفرق وسائل اور مواقع کو ترک کر دینا ان لوگوں کا مذاق ہے جنکی نگاہ علوم نظری میں عمیق ہوا کرتی ہے اور عام لوگوں کی یہ شان نہیں ہے اور شرع عام لوگوں کے موافق نازل ہوئی ہے اور یہ ضروری ہے کہ حکم کی علت ایسی صفت ہونی چاہیے جسکو عام لوگ بھی سمجھ سکیں ان پر اس علت کی حقیقت مخفی نہ رہے اور ہر شخص اسکے وجود اور عدم میں تمیز کر سکے اور ان قاعدوں میں سے کسی نہ کسی قاعدہ سے ملتی جلتی ہو جن سے رضا یا عدم رضا متعلق ہوتی ہے یا اس وجہ سے کہ یہ علت اس قاعدہ کی طرف مفضی ہے یا اسکے قریب قریب ہے یا اس قسم کا کوئی اور علاقہ ہے مثلاً شراب خوری یہ بہت سی خرابیوں کا مظنہ ہے جن سے خدا تعالیٰ کی ناخوشی ہوتی ہے جیسے اچھے کاموں سے اعراض کرنا اور بری باتوں سے رغبت کرنا، تمدن اور خانہ داری کے انتظامات کا برہم ہو جانا اور چونکہ یہ خرابیاں اکثر شراب خوری کو لازم ہوتی ہیں اسلئے شراب کی ہر قسم کو

غير محصن، وربما يجمع بين حال المكلف وحال ما يقع عليه الفعل كقول الشارع، يحرم الذهب و الحرير على رجال الامة دون نسائها، وليس فى دين الله جزاف فلا يتعلق الرضا والسخط بتلك الافعال الا بسبب وذلك ان ههنا شخوصا يتعلق بها الرضا والسخط فى الحقيقة وهى نوعان احدهما البر والاثم والارتفاقات واضاعتها وما يحذو وحذو ذلك، وثانيهما ما يتعلق بالشرائع والمناهج من سد باب التحريف والاحتراز من التسلل ونحو ذلك ولها محال ولوازم يتعلقان بها بالعرض وينسبان اليها توسعا نظيره ما يقال من ان علة الشفاء تناول الدواء وانما العلة فى الحقيقة نضج الاخلاط او اخراجها وهو شئ يعقب الدواء فى العادة وليس هو هو ويقال علة الحمى قد تكون الجلوس فى الشمس وقد تكون الحركة المتعبة وقد تكون تناول غذاء حار والعلة فى الحقيقة سخونة الاخلاط وهى واحدة فى ذاتها و لكنها طرق اليها واشباح لها وكان الاكتفاء بالاصول وترك اعتبار تعدد الطرق والمحال لسان المتعمقين فى الفنون النظرية دون العامة وانما نزل الشرع بلسان الجمهور و يجب ان يكون علة الحكم صفة يعرفها الجمهور ولا تخفى عليهم حقيقتها ولا وجودها من عدمها ويكون مظنة لاصل من الاصول التى تعلق بها الرضا والسخط اما لكونها مفضية اليها او مجاورة له ونحو ذلك كشرب الخمر فانه مظنة لمفاسد يتعلق بها السخط من الاعراض عن الاحسان والاخلاد الى الارض وافساد نظام المدينة و المنزل وكان لازما لها غالبا فتوجه المنع الى

روکدیا پڑا - اور جب ایک شئ کے چند لوازم اور وسائل ہوں تو ان میں سے خاص اسی کو علت قرار دیا جائیگا جسکا علت ہونا بہ نسبت اوروں کے زیادہ ظاہر ہوگا اور زیادہ منضبط ہوگا یا اصل سے اسکو زیادہ تعلق اور لزوم ہوگا یا اسطرح کی کوئی اور وجہ ہو مثلاً نمازِ قصر اور افطارِ روزہ کی رخصت سفر اور مرض پر رکھی گئی ہے نہ کہ حرج کے دوسرے احتمالات پر، اسلئے کہ سخت پیشے جیسے کاشتکاری اور آہنگری، اگرچہ ان میں بھی حرج ہوتا ہے لیکن ان کے اعتبار کرنے سے طاعت میں خلل آتا ہے کیوں کہ ان پیشوں کے لوگ ہمیشہ انہیں مصروف رہتے ہیں انکی معاش انہی پیشوں پر موقوف ہوتی ہے اور گرمی اور سردی کا ہونا تو ان کا ٹھیک اندازہ نہیں ہو سکتا کیونکہ انکے مراتب مختلف ہیں جنکی تعداد کا لحاظ کرنا مشکل ہے اور قرائن اور علامات سے انکی بخوبی تعیین نہیں ہو سکتی اسلئے وہ احتمالات معتبر کئے جاتے ہیں جو قرن اول میں اکثر اور مشہور تھے اور سفر اور مرض ایک ایسا امر ہے جسکا سمجھنا کسی پر مشتبہ نہیں ہو سکتا اگرچہ اس زمانہ میں کسیقدر انمیں اشتباہ اسوجہ سے پیدا ہوگیا ہے کہ عرب اول کا زمانہ ختم ہوگیا اور لوگوں نے احتمالات میں زیادہ چھان بین کرنا شروع کی یہاں تک کہ وہ ذوق سلیم جو خالص عرب کو حاصل تھا اب لوگوں میں نہ رہا واللہ اعلم ؛

ساتواں باب (۵۹) :- اُن مصلحتوں کا بیان جن سے فرائض اور ارکان اور آداب وغیرہ معین کئے گئے ہیں ؛

واضح ہو کہ امت کی درستی اور سیاست کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک قسم کی طاعت کی دو حدیں قرار دیجائیں ایک اعلیٰ اور دوسری ادنیٰ - پس اعلیٰ وہ ہے جس سے پوری طرح پر مقصود حاصل ہوجائے اور ادنیٰ کے یہ معنی ہیں کہ اس سے کسیقدر مقصود حاصل ہو کہ اسکے بعد کا درجہ لحاظ کے قابل بھی نہ ہو - یہ دو قسمیں اس واسطے قرار پائی ہیں کہ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ لوگوں سے کوئی شئ طلب کیجائے اور ان کے لئے اس شئ کے اجزاء، اسکی صورت، اس شئ مطلوب کی مقدار نہ بیان کیجائے کیونکہ ایسا ابہام تو موضوع شرع کے خلاف ہے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ تمام لوگ اس پر مکلف کئے جائیں کہ ہر شئ کے آداب اور متمم اشیاء کی وہ تعمیل کریں ان لوگوں کو ایسی تکلیف بمنزلۂ تکلیف بالمحال کے ہے

نزع الخمر واذا كان لشئ لوازم وطرق لم يخص للعلية منها الا ما تميز من سائر ما هنالك برجحان من جهة الظهور والانضباط او من جهة لزوم الاصل او نحو ذلك كرخصة القصر والافطار اديرت على السفر والمرض دون سائر مظنات الحرج لان الاكساب الشاقة كالفلاحة والحدادة وان كان يلزمها الحرج لكنها مخلة بالطاعة لان المكتسب بها يداوم عليها ويتوقف عليها معاشه، واما وجود الحر والبرد فغير منضبط لان لهما مراتب مختلفة يعسر احصاؤها وتعيين شئ منها بامارات وعلامات وانما يعتبر عند السبر مظنات كانت فى الامة الاولى اكثرية معروفة وكان السفر والمرض بحيث لا يشتبه عليهم الامر فيهما وان كان اليوم بعض الاشتباه لانقراض العرب الاول وتعمق الناس فى الاحتمالات حتى فسد ذوقهم السليم الذى يجده قح العرب والله اعلم ؛

باب المصالح المقتضية لتعيين الفرائض والاركان والاداب ونحو ذلك

اعلم انه يجب عند سياسة الامة ان يجعل لكل شئ من الطاعات حدان اعلى وادنى فالاعلى هو ما يكون مفضيا الى المقصود منه على الوجه الاتم، والادنى هو ما يكون مفضيا الى جملة من المقصود وليس بعدها شئ يعتد به وذلك لانه لا سبيل الى ان يطلب منهم الشئ ولا يبين لهم اجزاءه وصورته ومقدار المطلوب منه فانه ينافى موضوع الشرع ولا سبيل الى ان يكلف الجميع باقامة الاداب والمكملات لانه بمنزلة التكليف بالمحال

جو کاروبار میں مصروف رہتے ہیں یا تنگ حال رہتے ہیں۔ امت کی سیاست اور انتظام کی بنیاد میانہ روی پر ہے نہ نہایت درجہ پرہیزگاری کی حالت کو پہنچانا، اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اعلیٰ حالت کو چھوڑ کر ادنیٰ حالت پر ہی اکتفا کیا جائے کیونکہ یہ اعلیٰ حالت سابقین امت کا مشرب اور مخلصین کا حصہ ہے ایسے درجہ کو بالکل ترک کرنا لطف الٰہی کے منافی ہے اسلئے یہ ضروری ہوا کہ ادنیٰ حالت کی بخوبی توضیح کر کے اسکے ساتھ لوگ مکلف قرار دئے جائیں اور اس سے زائد اور اعلیٰ امور کیطرف بھی لوگ مائل کئے جائیں لیکن ہر شخص پر انکو ضروری نہیں قرار دینا چاہئے۔ جن امور سے لوگ مکلف کئے جاتے ہیں انکے حصے مختلف ہیں، ایک حصہ تو عبادت کی مخصوص مقدار ہے جیسے پنج وقتہ نماز، رمضان کے روزے۔ اور بعض امور اس طاعت کے اجزا ہوتے ہیں جنکے بغیر وہ طاعت قابل اعتبار نہیں ہوتی جیسے تکبیر اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا نماز کے لئے، ایسے اجزا کا نام ارکان ہے۔ اور بعض امور اس طاعت سے خارج ہوتے ہیں لیکن بدون ان امور کے طاعت غیر معتبر ہوتی ہے ان امور کا نام شروط ہے جیسے نماز کے لئے وضو۔

واضح ہو کہ کبھی تو کوئی شئ رکن امر طبعی کی وجہ سے قرار دیجاتی ہے اور کبھی کسی امر عارض کی وجہ سے، پہلی صورت میں بغیر اس رکن کے عبادت پوری نہیں ہوتی اور نہ فائدہ مند ہوتی ہے جیسے نماز میں رکوع اور سجدہ اور روزہ میں کھانے پینے اور مجامعت سے باز رہنا، یا ایسے رکن کی وجہ سے کوئی امر مخفی اور مبہم جو نہایت ضروری ہوتا ہے منضبط ہو جاتا ہے جیسے تکبیر سے نیت کا انضباط، اور حضوری حاصل ہوتی ہے اور سورہ فاتحہ سے دعا کا انضباط ہو جاتا ہے اور سلام کے ذریعے نماز سے باہر آنے کی صورت ایسے عمدہ فعل سے منضبط ہو جاتی ہے جو وقار اور تعظیمی حالت کے منافی نہیں، اور جو امر عارضی کی وجہ سے رکن قرار دیا جاتا ہے وہ کسی اور سبب کی وجہ سے واجب ہو جاتا ہے وہ نماز کا رکن اسلئے قرار دیا جاتا ہے کہ اس سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے اور پوری طرح سے نماز کی غرض اس سے حاصل ہو جاتی ہے اور اسکی پابندی وقت بھی نہایت عمدگی سے ظہور میں آتی ہے جیسے کہ اس شخص کے مسلک کے موافق جو کسی سورہ قرآنی کے پڑھنے کو رکن قرار دیتا ہے تو اس کا رکن ہونا اس لئے ہے کہ قرآن شعائر الٰہی میں سے ہے اس کی تعظیم واجب ہے اور اس سے بے پروائی نہیں کرنی چاہئے اور اس کی پابندی وقت میں اس سے بہتر کوئی بات نہیں کہ اس کی تلاوت کا اس عبادت میں حکم دیا جائے جو سب عبادتوں میں زیادہ مؤکد، کثیر الوجود ہے ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فی حق المشتغلین او المتعسر وانما بناء سياسة الامة على الاقتصاد دون الاستقصاء ولا سبيل الى ان يهمل الاعلى ويكتفى بالادنى فانه مشرب السابقين وحظ المخلصين واهمال مثله لا يلائم اللطف فلا محيص اذًا من ان يبين الادنى ويسجل على التكليف به ويندب الى ما يزيد عليه من غير ايجاب، والذى يسجل على التكليف به ينقسم الى مقدار مخصوص من الطاعة كالصلوات الخمس وصيام رمضان والى ابعاض لها لا يعتد بها بدونها كالتكبير وكقراءة فاتحة الكتاب للصلاة وتسمى بالاركان، وامور خارجة منها لا يعتد بها بدونها وتسمى بالشروط كالوضوء للصلوة ۔

واعلم ان الشئ قد يجعل ركنا بسبب يشبه المذهب الطبيعى وقد يجعل بسبب طارئ فالاول ان تكون الطاعة لا تتقوم ولا تفيد فائدتها الا به كالركوع والسجود فى الصلاة والامساك عن الاكل والشرب والجماع فى الصوم او يكون ضبطا لمبهم خفى لا بد منه فيها كالتكبير فانه ضبط للنية واستحضار لها وكالفاتحة فانها ضبط للدعاء وكالسلام فانه ضبط للخروج من الصلاة بفعل صالح لا ينافى الوقار والتعظيم، و الثانى ان يكون واجبا بسبب آخر من الاسباب فيجعل ركنا فى الصلاة لانه يكملها ويوفر الغرض منها ويكون التوقيت بها احسن توقيت كقراءة سورة من القران على مذهب من يجعلها ركنا فان القران من شعائر الله يجب تعظيمه وان لا يترك ظهريا ولا احسن فى التوقيت من ان يؤمروا بها فى آكد عباداتهم واكثرها وجودا و

اور لوگ بہ نسبت دوسری عبادتوں کے اسکے زیادہ مکلف ہیں یا اسکی وجہ سے دو مشتبہ چیزوں میں تمیز ہوتی ہے اس سے مقدمۃ الشئ اور اس شئ مستقل میں جو کسی شئ پر موقوف ہے تفریق ہوتی ہے ایسی شئ کو بھی رکن کر لیتے ہیں اور اسکی بجا آوری کا حکم کیا جاتا ہے جیسے رکوع اور سجود میں قومہ، اسکی وجہ سے سر جھکانے میں جو سجدہ کا مقدمہ ہے اور رکوع میں جو مستقل تعظیم ہے فرق ہو جاتا ہے۔ اور جیسے نکاح میں ایجاب وقبول اور گواہوں کا حاضر ہونا اور ولی کا موجود ہونا اور عورت کی رضامندی، کیونکہ بغیر ان امور کے نکاح اور زنا میں تمیز نہیں ہو سکتی اور ممکن ہے کہ تعیین ارکان میں دونوں وجہیں ذاتی اور عرضی جمع ہو جائیں اور جو کچھ ہم نے رکن میں گفتگو کی ہے اسی پر شرط کا حال قیاس کر لینا چاہئے اور کبھی کوئی شئ کسی وجہ سے واجب ہوتی ہے پس اسکو کسی شعائر دین کیلئے اسکی عظمت شان کی وجہ سے شرط بنا دیا جاتا ہے اور اس شرط کے ملجانے ہی سے اس طاعت کی کمالیت ہوتی ہے جیسے نماز میں قبلہ کیطرف منہ کرنا جبکہ خانہ کعبہ شعائر الٰہی میں سے ہے اسلئے اسکی تعظیم واجب ہے اور بڑی تعظیم کی صورت یہ ہے کہ عمدہ حالات اور افضل اوقات میں اسکی جانب اپنا رخ کریں اور نماز میں بھی ایک خاص جانب رخ کرنا شعائر الٰہی میں سے تھا کیونکہ اس سے نمازی کو خدا کی حضوری میں اظہار عاجزی وفرماں برداری پر آگاہی ہوتی ہے اور اس سے اسکو وہ حالت یاد آتی ہے جو مالکوں کے سامنے غلاموں کے کھڑا ہونے سے ہوتی ہے، اسلئے نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنا شرط قرار دیا گیا۔

اور بسا اوقات ایک شئ بغیر ایک خاص ہیئت کے معتد بہ فائدہ نہیں دیتی پس اس لئے اس کی صحت کے واسطے اس ہیئت کو شرط قرار دیا جاتا ہے جیسے نماز میں نیت کرنا کیونکہ اعمال کا اثر محض اسوجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ وہ دلی حالت کی تصویر اور صورت ہوتے ہیں۔ اور نماز خشوع اور خضوع کی تصویر ہے اور یہ خشوع بغیر نیت کے نہیں ہو سکتا، اور استقبال قبلہ بھی ایک دوسری وجہ سے شرط قرار دیا گیا کیونکہ دل کا باحضور اور متوجہ ہونا ایک مخفی امر تھا اس لئے بیت اللہ کی طرف رُخ کرنا جو کہ خدا تعالیٰ کے شعائر میں سے ہے بجائے حضور دل کے قرار دیا گیا۔ اور مثلاً وضو، ستر ڈھانکنا اور ناپاکی دور کرنا، کیونکہ دلی تعظیم ایک مخفی امر تھا اس لئے وہ حالتیں اس دلی تعظیم کے قائم مقام کی گئیں جن کا بادشاہوں

اشملها بتكليف او يكون التمييز بين مشتبهين او التفريق بين مقدمة الشئ والشئ المستقل موقوفا على شئ فيجعل ركنا ويؤمر به كالقومة بين الركوع والسجود بها يحصل الفرق بين الانحناء الذى هو مقدمة السجود وبين الركوع الذى هو تعظيم براسه وكالايجاب والقبول والشهود وحضور الولى ورضا المرأة فى النكاح فان التمييز بين النكاح والسفاح لا يحصل الا بذلك ويمكن ان يجتمع بعض الاركان على الوجهين جميعا وعلى ما ذكرنا فى الركن ينبغى ان يقاس حال الشرط فربما يكون الشئ واجبا بسبب من الاسباب فيجعل شرطا لبعض شعائر الدين تنويها به ولا يكون ذلك حتى تكون تلك الطاعة كاملة بانضمامه كاستقبال القبلة لما كانت الكعبة من شعائر الله وجب تعظيمها وكان من اعظم التعظيم ان تستقبل فى احسن حالاتهم وكان الاستقبال الى جهة خاصة هنالك بعض شعائر الله منبها للمصلى على صفات الاخبات والخضوع مذكراله هيئة قيام العبيد بين ايدى ساداتهم جعل استقبال القبلة شرطا فى الصلاة وربما يكون الشئ لا يفيد فائدة بدون هيئة فيشترط لصحته كالنية فان الاعمال انما تؤثر لكونها اشباح هيات نفسانية والصلاة شبح الاخبات ولا اخبات بدون النية وكاستقبال القبلة ايضا على تخريج آخر فان توجيه القلب لما كان خفيا نصب توجيه الوجه الى الكعبة التى من شعائر الله مقامه، وكالوضوء وستر العورة وهجر الرجز فانه لما كان التعظيم امرا خفيا نصبت الهيات التى يؤاخذ الانسان بها

اور امراء کی حضوری میں جاتے وقت انسان لحاظ کیا کرتا ہے اور جنکو لوگ آداب تعظیمی سے شمار کرتے ہیں، یہ امور ان کے دل نشین ہو گئے ہیں اور تمام عرب وعجم ان پر متفق ہیں - اور جب کوئی عبادت فرض ہونے کیلئے معین کیجائے تو چند اصول کا لحاظ کرنا ضروری ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کو صرف آسان امر کی تکلیف دینی چاہیے چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں یہی مراد ہے کہ "اگر میں اپنی امت پر گراں نہ سمجھتا تو میں ہر نماز کے لئے وضو کی طرح مسواک کرنا فرض کر دیتا"

اور ان اصول میں سے ایک یہ ہے کہ جب امت کسی مقدار خاص کے متعلق یہ سمجھ لے کہ اسکے ترک کرنے سے خدا تعالےٰ کی شان میں کوتاہی کرنا ہے اور یہ امر ان کے دلوں میں اس لئے خوب جم جائے کہ وہ شی انبیاء علیہم السلام سے منقول ہوتی چلی آتی ہے اور سلف کا برابر اس پر اتفاق رہا ہے، یا ایسے ہی امور اور بھی ہوں تو ایسی حالت میں مقتضائے حکمت یہی ہے کہ جیسے لوگوں نے اسکو اپنے ذمہ واجب ٹھیرا لیا ہے ان پر وہ شی واجب ہی کر دیجائے جیسے اونٹوں کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل پر حرام کر دیا گیا تھا - اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں جو آپ نے رمضان میں قیام کی نسبت فرمایا تھا یہی مراد ہے کہ میں اس بات سے ڈر گیا کہ کہیں یہ قیام تم پر فرض نہ ہو جائے"

اور ان اصول میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب تک کوئی شی خوب صاف صاف اور ظاہر اور منضبط نہ ہو لوگوں پر وہ فرض نہ کیجائے یہی وجہ ہے کہ حیا اور تمام اخلاق اسلام کے ارکان نہیں قرار دیئے گئے گو وہ اسلام کے شعبے ہیں - اور ادنیٰ طاعت کی حالت آسائش وسختی کی وجہ سے مختلف ہوتی ہے پس طاقت رکھنے والے کے لئے قیام فرض کیا گیا اور ناتواں کے لئے بیٹھنے کو قیام کا جانشیں ٹھیرایا - اور ایسے ہی طاعت حد اعلیٰ میں کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے زیادہ ہوتی ہے - کمیت کی زیادتی اس طرح ہے کہ نوافل کو بمنزلہ فرائض کے ادا کرنا، جیسے سنت مؤکدہ اور نماز تہجد اور ہر ماہ میں تین روزے رکھنا اور نفل صدقات دینا وغیرہ - اور کیفیت کی زیادتی اسطرح ہوتی ہے کہ خاص خاص سُنتیں اور اذکار ادا کرنا اور ان امور سے پرہیز کرنا جو عبادت کے نامناسب ہیں

نفسه عند الملوك واشباههم ويعدونها تعظيما وصار ذلك كامنا في قلوبهم واجمع عليه عربهم وعجمهم مقامه واذا عين شيء من الطاعات للفرضية فلا بد من ملاحظة اصول، منها ان لا يكلف الا بالميسر وذلك قوله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لولا ان اشق على امتي لامرتهم بالسواك عند كل صلوة، وتفسيره ما جاء في رواية اخرى، لولا ان اشق على امتي لفرضت عليهم السواك عند كل صلوة كما فرضت عليهم الوضوء، ومنها ان الامة اذا اعتقدت في مقدار ان تركه واهماله تفريط في جنب الله واطمانت به نفوسهم اما لكونه ماثورا عن الانبياء مجمعا عليه من السلف او نحو ذلك كانت الحكمة ان يكتب ذلك المقدار عليهم كما استوجبوه كتحريم لحوم الابل والبانها على بني اسرائيل وهو قوله صلى الله عليه وآله وسلم في قيام ليالي رمضان حتى خشيت ان يكتب عليكم، ومنها ان لا يسجل على التكليف بشيء حتى يكون ظاهرا منضبطا لا يخفى عليهم فلذلك لا يجعل من اركان الاسلام الحياء وسائر الاخلاق وان كانت من شعبة ثم الادنى قد يختلف باختلاف حالتي الرفاهية والشدة فيجعل القيام ركنا للصلوة في حق المطيق ويجعل القعود مكانه في حق غيره، واما الحد الاعلى فيزيد كما وكيفا، اما الكم فنوافل من جنس الفرائض كسنن الرواتب وصلاة الليل وصيام ثلاثة ايام من كل شهر، وكصدقات المندوبة ونحو ذلك واما الكيف فهيآت واذكار وكف لا يلائم

پس ان امور کا عبادت میں اسلئے حکم دیا جاتا ہے کہ تکمیل ہوجائے اور ان کی بجا آوری پورے طور پر مقصود تک پہنچا دے جیسے وضو میں ان جوڑوں کا خیال رکھنا جنمیں میل جمع ہوجاتا ہے، پس انکے دھونیکا اسلئے حکم کیا گیا ہے کہ پورے طور پر پاکیزگی حاصل ہوجائے اور جیسے دائیں جانب سے ابتدا کرنیکا اسلئے حکم دیا گیا ہے تاکہ نفس عبادت کی عظمت پر متنبہ ہو اور اعمال مہمہ میں عبادت کیطرف متوجہ ہو،

واضح ہو کہ جب کوئی انسان کسی خلق کو حاصل کرنا چاہے اور قصد کرے کہ یہ قصد اسکی رگ وپے میں سرایت کرجائے اور اسکا ہر طرف سے احاطہ کرے تو اسکے حصول کا ذریعہ یہی ہے کہ اسکے مناسب جو جو افعال ہوں ان سب کو انجام دے اگرچہ وہ تمام لوگوں کی نظر میں ادنیٰ اور نا قابل اعتبار ہی کیوں نہ ہوں جیسے شجاعت کی مشق کرنیوالا کہ وہ نہ دلدلوں میں چلنے سے جھجکتا ہے نہ آفتاب کی گرمی میں اور شب تاریک میں چلنے سے گھبراتا ہے۔ ایسے ہی جسکو خوف خدا کی مشق منظور ہو تو ہر حال میں آداب تعظیمہ کا التزام کرے، رفع حاجت کے وقت سرنگوں اور باحیا ہو کر بیٹھے اور جب خدا تعالیٰ کا ذکر کرے تو اپنے ہاتھ پاؤں سمیٹ لے، اور جو عدالت کی مشق کرنا چاہے تو وہ ہر چیز کا حق ادا کرے، کھانے اور پاکیزہ چیزوں کے لئے دائیں ہاتھ کو خاص کرے اور نجاست دور کرنے کیلئے بائیں ہاتھ کو کام میں لائے اور یہی راز تھا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا تھا کہ بڑے کو مسواک دو، (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواب میں میں نے دیکھا کہ مسواک کر رہا ہوں اتنے میں دو شخص آئے انمیں ایک بڑا تھا میں نے مسواک چھوٹے کو دیدی اسوقت مجھ سے کہا گیا کہ بڑے کو دو) ایسے ہی حویصہ اور محیصہ کے قصہ میں آپ نے فرمایا بڑے کو پہلے گفتگو کرنے دو (جنگ خیبر میں جب ابن سہیل قتل ہوگئے اور کوئی انکا قاتل معلوم نہ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عبدالرحمن مقتول کے بھائی اور مسعود کے دونوں بیٹے حویصہ اور محیصہ آئے عبدالرحمن نے گفتگو شروع کردی لیکن وہ عمر میں چھوٹے تھے اسلئے آپ نے ارشاد فرمایا بڑے کو پہلے گفتگو کرنے دو) پس آداب کے بارہ میں یہ بڑا قاعدہ کلیہ ہے،

واضح ہو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے، اور ایسے ہی اور جگہ بھی شیاطین کی طرف بعض افعال کی نسبت کی گئی ہے اس کے معنی میرے رب تبارک وتعالیٰ نے مجھ کو یہ سمجھائے ہیں کہ شیاطین کو خدا تعالیٰ نے قدرت دی ہے کہ خواب میں یا بیداری

[illegible]

الطاعة يؤمر بها في الطاعة لتكمل وتكون مفضية الى المقصود منها على الوجه الاتم كتعهد المغابن يؤمر به في الوضوء لتكمل النظافة وكالابتداء باليمين يؤمر به لتكون النفس متنبهة على عظم امر الطاعة وتقبل عليها حين اخذت نفسها بما يفعل في الاعمال المهمة - واعلم ان الانسان اذا اراد ان يحصل خلقا من الاخلاق وتنصبغ نفسه ويحيط بها من جميع جوانبها فحيلة ذلك ان يؤاخذ نفسه بما يناسب ذلك الخلق من فعل وهيأت ولو في الامور القليلة التي لا يعبأ بها العامة كالمتمرن على الشجاعة يؤاخذ نفسه ان لا ينجحم عن الخوض في الوحل والمشي في الشمس والسرى في الليلة الظلماء ونحو ذلك وكذلك المتمرن على الاخبات يحافظ على الآداب لتعظيمة كل حال فلا يجلس على الخائط الا مطرقا مستحييا واذا ذكر الله جمع اطرافه ونحو ذلك والتمرن على العدالة يجعل لكل شئ حقا فيجعل اليمين للاكل والطيبات واليسار لازالة النجاسة وهو سر ما قيل للنبي صلى الله عليه وسلم في السواك كبر كبر وقوله صلى الله عليه وسلم في قصة حويصة ومحيصة "كبر الكبر" فهذا اصل ابواب من الآداب ؛

واعلم ان سر قوله صلى الله عليه وسلم "ان الشيطان ياكل بشماله" ونحو ذلك من نسبة بعض الافعال الى الشياطين على ما فهمني ربي تبارك وتعالى ان الشياطين قد اقدرهم الله تعالى على ان يتشكلوا في رؤيا الناس ولابصارهم في اليقظة باشكال تعطيها امزجتهم

ان احوال سے جو ان پر شکل بننے کے وقت طاری ہوتے ہیں حاصل ہوتی ہیں
جن لوگوں کا وجدان سلیم ہوتا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ شیاطین کے مزاج
کی وجہ سے ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جو نہایت شنیع، خفیف اور برے
ہوتے ہیں اور ان کی مزاجی حالت ناپاکیوں سے قریب کر دیتی ہے، ذکر الٰہی
میں اسکی وجہ سے سنگ دلی ہو جاتی ہے، جتنے عمدہ انتظامات ہوتے
ہیں انہیں انکی مزاجی حالت کی وجہ سے ابتری ہو جاتی ہے، افعالِ
شنیعہ سے ہماری مراد ایسے افعال ہیں کہ جب انسان انکا ارتکاب کرے
تو لوگوں کے دل اسکی وجہ سے نہایت بیزار ہوں، انکے رونگٹے کھڑے
ہو جائیں، وہ زبان سے ان افعال پر لعن وطعن کریں۔ اور یہ بنی آدم کا
قدرتی طریقہ ہے جو صورتِ نوعیہ کے فیضان سے انہیں پیدا ہوا ہے اور
اور اس قدرتی طریقہ کے حصول میں تمام فرقے بلالحاظ رسم اور قوم اور ملت و
مذہب کے مساوی ہیں۔ ایسے افعالِ شنیعہ مثلاً اپنی شرمگاہ کو ہاتھ میں لینا،
کودنا، ناچنا، اپنی دبر میں انگلی داخل کرنا، اپنی ڈاڑھی کو تھوک سے آلودہ کرنا
یا ناک کان کاٹ کر سیاہ رو ہونا، لباس کو الٹا پہننا، قمیص کا اوپر والا حصہ
نیچے کر لینا، یا کسی چوپایہ پر سوار ہو کر اسکی دم کیطرف اپنا منہ کر لینا یا ایک
پاؤں میں موزہ پہنکر دوسرا برہنہ چھوڑ دینا، ایسے ہی اور افعال ہیں جنکو دیکھتے
ہی ہر شخص لعنت ملامت کرتا ہے۔

اور میں نے بعض واقعات میں شیاطین کو بعض ایسے افعال کرتے ہوئے دیکھا ہے، اور خفیف کاموں سے میری مراد یہ ہے کہ اپنے کپڑے یا کنکریوں سے کھیلنا یا بدنما طور پر ہاتھ پاؤں ہلانا،

حاصل کلام یہ ہے کہ خداوند کریم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان افعال کو منکشف کیا کہ یہ افعال شیطانی مزاجوں سے پیدا ہوتے ہیں، پس شیاطین جب کسی کو خواب میں یا حالتِ بیداری میں نظر آئیں گے تو ضرور ان افعال میں سے کوئی نہ کوئی حرکت کرتے ہوئے دکھائی دیں گے، اور خدا تعالٰے نے اپنے نبی کو یہ بتلایا کہ خدا تعالٰے مومن کے لئے یہ پسند کرتا ہے کہ حتی الامکان شیاطین اور ان کی حالتوں سے گریز کیا جائے پس اس لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان افعال اور صورتوں کو بیان فرما دیا، ان کی کراہت ظاہر فرمائی

واحوال طارئة عليهم فى وقت التشكل، وقد علم اهل الوجدان السليم ان مزاجهم يعطى التلبس بافعال شنيعة وافعال تميل الى طيش وضجر والتقرب من النجاسات والقسوة عن ذكر الله والافساد لكل نظام مستحسن مطلوب، واعنى بالافعال الشنيعة ما اذا فعله الانسان اشمأزت قلوب الناس عنه واقشعرت جلودهم وانطلقت السنتهم باللعن والطعن ويكون ذلك كالمذهب الطبيعي لبني آدم تعطيه الصورة النوعية ويستوى فيه طوائف الامم لا للمحافظة على رسم قوم دون قوم او ملة دون ملة مثل ان يقبض على ذكره و يثب ويرقص او يدخل اصبعه فى دبره و يلطخ لحيته بالمخاط او يكون اجدع الانف و الاذن مسخم الوجه او ينكس لباسه فيجعل اعلى القميص اسفل او يركب دابة فيجعل وجهه من قبل ذنبها او يلبس خفا فى رجل والرجل الاخرى حافية ونحو ذلك من الافعال والهيئات المنكرة التى لا يراها احد الا لعن وسب وشتم، وقد شاهدت فى بعض الواقعات الشياطين يفعلون بعض ذلك، واعنى بافعال الطيش مثل العبث بثوبه وبالحصى وتحريك الاطراف على وجه منكر، وبالجملة فكشف الله على نبيه صلى الله عليه وآله وسلم تلك الافعال وانها تعطيها امزجة الشياطين فلا يتمثل الشيطان فى رؤيا احد او يقظته الا وهو يتلبس ببعضها وان المرضى فى حق المؤمن ان يتباعد من الشياطين وهيأتهم بقدر الاستطاعة، فبين النبى صلے الله عليه و

اوران سے محترز رہنے کا حکم دیا۔ اور اسی قسم سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ قضائے حاجت کے موقعوں پر شیاطین آموجود ہوتے ہیں، اور اسی قسم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ شیاطین بنی آدم کی مقعدوں سے کھیل کرتے ہیں اور جب انسان جمائی لیتے وقت ہاہ ہاہ کرتا ہے تو شیاطین ہنستے ہیں، اور ملائکہ کی حالتوں کی جو رغبت لوگوں کو دلائی گئی ہے اسکو بھی اسی پر قیاس کرلو۔ چنانچہ اس باب میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ "تم ایسی صفیں کیوں نہیں باندھتے ہو جیسی ملائکہ صفیں باندھتے ہیں" اور یہ حدیث ابواب آداب کیلئے ایک دوسرا قاعدہ ہے،

واضح ہو کہ جب کوئی شئی فرض کفایہ مقرر کی جاتی ہے تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ اگر سب لوگ مجتمع ہو کر اسکو کرنے لگیں تو انتظام معاش درہم برہم ہو جائے، ان کی تدابیر نافع معطل ہو جائیں اور یہ بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ بعض لوگ ایک کام کے لئے خاص کر دئے جائیں اور اوروں سے کوئی دوسرا کام لیا جائے۔ مثلاً جہاد ہے اگر سب لوگ اسکے لئے جمع ہو جائیں اور زراعت، تجارت اور صناعات کو سب لوگ چھوڑ دیں تو معاش درہم برہم ہو جائیگی، اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ بعض کو جہاد کا کام سپرد کر دیا جائے اور بعض کو تجارت کا اور بعض کو زراعت کا اور بعض کو قضاء اور تعلیم علوم کی خدمت پر مقرر کر دیا جائے اسلئے کہ کسی کو کسی امر میں آسانی ہوتی ہے جو دوسرے کو نہیں ہوتی، اور جس امر کیلئے جو قابل ہو اس کا علم ناموں اور اقسام سے ہو نہیں سکتا کہ انکو حکم کا مدار علیہ بنایا جاسکے،

اور فرض کفایہ کے اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ اس امر کا یہ ہو ایسی مصلحت مقصود ہو کہ اس سے انتظام باقی رہے اور اسکے ترک سے کوئی نفسانی ابتری اور بہیمیت کا غلبہ نہ ہو مثلاً قاضی ہونا، علوم دین کی تعلیم اور خلافت کا بندوبست کرنا کیونکہ یہ سب امور انتظاماً مقرر ہوئے ہیں، اور یہ امور ایک آدمی کے ذریعہ بھی حاصل ہوسکتے ہیں، اور جیسے مریض کی عیادت اور جنازہ کی نماز پڑھنا اس لئے مشروع ہوئے ہیں کہ ان سے مقصود یہ ہے کہ بیمار اور مردہ ضائع نہ ہو جائے اور یہ مقصود بعض لوگوں کے پورا کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے، واللہ اعلم،

سلم تلك الافعال والهيأت وكرهها وامر بالاحتراز عنها، ومن هذا الباب قوله صلى الله عليه وسلم ان هذه الحشوش محتضرة وقوله صلى الله عليه وسلم ان الشيطان يلعب بمقاعد بني آدم وانه يضحك اذا قال الانسان هاه هاه وقس على ذلك الترغيب في هيأت الملائكة وهو قوله صلى الله عليه وسلم "الا تصفون كما تصف الملائكة" وهذا اصل اخر الابواب من الآداب - واعلم ان من اسباب جعل الشئ فرضا بالكفاية ان يكون اجتماع الناس عليه باجمعهم مفسدًا المعاشهم ومفضيًا الى اهمال ارتفاقاتهم ولا يمكن تعيين بعض الناس له وتعيين آخرين لغيره كالجهاد لو اجتمعوا عليه وتركوا الفلاحة والتجارة و الصناعات لبطل معاشهم ولا يمكن تعيين بعض الناس للجهاد واخرين للتجارة واخرين للفلاحة واخرين للقضاء وتعليم العلم فان كل واحد يتيسر له مالا يتيسر لغيره ولا يعلم المستعد لشئ من ذلك بالاسامي و الاصناف ليدار الحكم عليها، ومنها ان تكون المصلحة المقصودة به وجود نظام ولا يلحق بتركه فساد حال النفس وغلبة البهيمية كالقضاء وتعليم علوم الدين والقيام بالخلافة فانها شرعت للنظام وتحصل بقيام رجل واحد بها وكعيادة المريض و الصلاة على الجنازة فان المقصود ان لا تضيع المرضى والموتى و تحصل بقيام البعض بها
والله اعلم؛

آٹھواں باب (۲۰): ۔ اوقات کے اسرار کا بیان

امت کی سیاست بغیر اسکے پوری نہیں ہوتی کہ انکی عبادت کے اوقات مقرر کر دیے جائیں اور تعیین اوقات میں اصلی امر فراست ہے جس سے مکلفین کی حالت خوب معلوم کیجا سکتی ہے اور اس سے وہ چیز اختیار کر لیجاتی ہے جو لوگوں پر گراں نہ ہو اور اصل مقصود کیلئے اسی قدر بات کافی ہے مگر اسکے علاوہ تعین اوقات میں اور بھی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جن کو علم میں کامل اشخاص خوب جانتے ہیں اور ان حکمتوں کا تین قاعدوں پر استنباط ہوتا ہے، اولاً یہ کہ اگرچہ خداوند کریم زمانہ سے برتر ہے لیکن آیات اور احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ بعض اوقات میں خدا تعالے اپنے بندوں سے قریب ہوتا ہے اور بعض اوقات میں لوگوں کے اعمال اسکے سامنے پیش ہوتے ہیں، اور بعض اوقات میں وہ بعض بعض حوادث کو دنیا میں مقرر اور مقدر کرتا ہے۔ اور اسی قسم کے بہت سے احوال متجددہ ہیں اگرچہ ان کی اصلی حقیقت خدا تعالے ہی کو معلوم ہے، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو خدا تعالے ہر شب آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن لوگوں کے اعمال خدا کے حضور میں پیش ہوتے ہیں، اور آپ کا فرمان ہے کہ خدا تعالی نصف شعبان کی شب آخیر میں جھانکتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آسمان دنیا کی طرف نزول کرتا ہے۔ اس باب میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں جو سب کو معلوم ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ امر ضروریات دین سے ہے کہ بعض اوقات میں زمین پر روحانیت پھیلتی ہے اور ان اوقات میں مثالی قوت سرایت کرتی ہے، قبول طاعت اور قبولیت دعا کے لئے ان اوقات سے عمدہ وقت کوئی نہیں ہوتا ہے، ان اوقات میں ذرا سی کوشش کرنے سے نہایت وسعت کے ساتھ قوت بہیمی ملکی طاقت کے مطیع ہوجاتی ہے اور ملاء اعلی اس روحانیت اور مثالی قوت کے پھیلنے کو دورت آسمانی کے حساب سے نہیں پہچانتے بلکہ اپنے ذوق اور وجدان سے اسکو اس طور پر معلوم کر لیتے ہیں کہ انکے دلوں میں اولاً کوئی شی منطبع ہوتی ہے اس سے وہ سمجھ جاتے ہیں کہ

باب اسرار الاوقات

لا تتم سياسة الامة الا بتعيين اوقات طاعاتها، والاصل في التعيين الحدس المعتمد على معرفة حال المكلفين واختيار ما لا يشق عليهم وهو يكفي من المقصود، ومع ذلك ففيه حكم ومصالح يعلمها الراسخون في العلم وهي ترجع الى اصول ثلاثة، احدها ان الله تعالى وان كان متعاليا عن الزمان لكن قد تظاهرت الآيات والاحاديث على انه في بعض الاوقات يتقرب الى عباده، وفي بعضها تعرض عليه الاعمال، وفي بعضها يقدر الحوادث الى غير ذلك من الاحوال المتجددة وان كان لا يعلم كنه حقيقتها الا الله تعالى قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ينزل ربنا كل ليلة الى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الآخر وقال ان اعمال العباد تعرض يوم الاثنين ويوم الخميس، وقال في ليلة النصف من شعبان ان الله ليطلع فيها، وفي رواية ينزل فيها الى السماء الدنيا، والاحاديث في هذا الباب كثيرة معلومة، وبالجملة فمن ضروريات الدين ان هنالك اوقاتا يحدث فيها شئ من انتشار الروحانية في الارض وسريان قوة مثالية فيها وليس وقت اقرب لقبول الطاعات واستجابة الدعوات من تلك الاوقات ففي ادنى سعي حينئذ ينفتح باب عظيم من انقياد البهيمية للملكية والملأ الاعلى لا يعرفون انتشار تلك الروحانية وسريان تلك القوة بحساب الدورات الفلكية بل بالذوق والوجدان بان ينطبع شئ في قلوبهم فيعلموا ان هنالك

کوئی روحانیت پھیلنے والی ہے اور کوئی حکم الٰہی نازل ہونے والا ہے، اسی روحانیت کے پھیلنے کو حدیث میں اس بات سے تعبیر کیا ہے کہ یہ گویا زنجیر کی آواز ہے جو پتھر پر مارنے سے پیدا ہوتی ہے ❊

انبیاء علیہم السلام کے قلوب میں یہ علوم ملاء اعلےٰ کیجانب سے منطبع ہوتے ہیں، پس وہ بھی ان علوم کو وجدان اور ذوق سلیم سے معلوم کرتے ہیں اور آسمانی دورات کا ان کو حساب لگانا نہیں پڑتا، اس کے بعد انبیاء اس موقع کے مقرر کرنے میں کوشش کرتے ہیں جہاں اس ساعت کے ہونے کا گمان ہوتا ہے انکے تعین کے بعد لوگوں کو حکم کرتے ہیں کہ اس ساعت کی محافظت کریں، پس ان ساعتوں میں بعض وہ ساعتیں ہیں جو دورہ سال کے ساتھ دورہ کرتی ہیں چنانچہ اس قول الٰہی میں اسی طرف اشارہ ہے "ہم نے قرآن کو مبارک شب میں نازل کیا ہے ہم برائیوں سے لوگوں کو ڈرانے والے ہیں ہمارے حکم سے اس شب میں مضبوط کام جدا جدا کئے جاتے ہیں ہم ہی پیغمبر بھیجا کرتے ہیں" اور اس ساعت میں اول آسمان میں قرآن کی روحانیت معین ہو گئی تھی، اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ یہ ساعت رمضان میں واقع ہوئی تھی، اور ان میں سے بعض وہ ساعتیں ہیں جو ہفتہ کے بعد آتی ہیں اور وہ ایک تھوڑا سا وقت ہے جس میں دعاء اور عبادت کے قبول ہونے کی بڑی امید ہوتی ہے اور جب لوگ عالم معاد کی طرف رجوع کریں گے تو اسی وقت میں خدا تعالےٰ ان پر تجلی کرے گا اور اسی ساعت میں اللہ تعالےٰ بندوں کے قریب ہوگا - اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ ساعت جمعہ کے دن واقع ہوتی ہے اس پر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ دلیل بیان فرمائی ہے کہ بڑے بڑے واقعات جمعہ کے دن ہی ہوئے ہیں جیسے آدم علیہ السلام کی پیدائش اسی روز ہوئی، اور نیز بہائم کو ملائکہ سفلی کے ذریعہ سے بسا اوقات اس ساعت کی عظمت معلوم ہو جاتی ہے اُسوقت وہ خوف زدہ اور ایسے مرعوب رہتے ہیں جیسے کوئی سخت آواز سے خوف زدہ رہتا ہے، جمعہ کے روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو مشاہدہ کیا تھا ان میں سے بعض ساعتیں ہر روز آتی ہیں اسوقت کی روحانیت اور روحانیتوں کی نسبت کسی قدر ضعیف ہوتی ہے اور اصحاب ذوق سلیم جن کو ملاء اعلےٰ سے علوم حاصل ہوتے ہیں ان کا اتفاق ہے کہ روزانہ ایسے اوقات چار ہیں، (۱) آفتاب کے طلوع ہونے سے پیشتر (۲) نصف النہار سے ذرا پہلے (۳) آفتاب کے غروب ہونے کے بعد (۴) نصف شب سے لیکر صبح تک، پس خاص ان اوقات میں ؛

قضاء نازلا وانتشارا للروحانية ونحو ذلك وهذا هو المعبر عنه فى الحديث "بمنزلة سلسلة على صفوان" ❊

والانبياء عليهم السلام تنطبع تلك العلوم فى قلوبهم من الملأ الاعلى فيدركونها بالوجدان دون حساب الدورات الفلكية ثم يجتهدون فى نصب مظنة لتلك الساعة فيامرون القوم بالمحافظة عليها فمن تلك الساعات ما يدور بدوران السنين وذلك قوله تبارك وتعالىٰ "انا انزلناه فى ليلة مباركة انا كنا منذرين فيها يفرق كل امر حكيم امرا من عندنا انا كنا مرسلين"، وفيها تعينت روحانية القرآن فى السماء الدنيا واتفق انها كانت فى رمضان، ومنها ما يدور بدوران الاسبوع وهى ساعة خفيفة ترجى فيها استجابة الدعاء وقبول الطاعات واذا انتقل الناس الى المعاد كانت تلك هى ساعة تجلى الله عليهم وتقربه منهم، وقد بين النبى صلى الله عليه وآله وسلم ان مظنتها يوم الجمعة واستدل على ذلك بان الحوادث العظيمة وقعت فيه كخلق آدم عليه السلام وبان البهائم ربما تتلقى من الملأ السافل علما بعظم تلك الساعة فتصير دهشة مرعوبة كالذى هاله صوت عظيم، وانه شاهد ذلك فى يوم الجمعة ومنها ما يدور بدوران اليوم وتلك روحانية اضعف من الروحانيات الاخرى، وقد اجمعت اذواق من شأنهم التلقى من الملأ الاعلى انها اربع ساعات قبيل طلوع الشمس وبعيد استوائها وبعد غروبها وفى نصف الليل الى السحر ففى تلك الاوقات

اور کسی قدر ان سے پہلے اور بعد تک روحانیت پھیلتی ہے اور برکات ظاہر ہوتے ہیں۔ اور دنیا کے تمام اہل مذاہب جانتے ہیں کہ ان اوقات میں عبادت زیادہ مقبول ہوتی ہے لیکن مجوس نے دین کی تحریف کرلی تھی اور خدا تعالےٰ کو چھوڑ کر ان اوقات میں سورج کی پوجا کرنے لگے تھے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریف کا سدباب کرنے کے لئے ان اوقات کو ایسے وقتوں سے بدل دیا جو ان اوقات سے کچھ دور بھی نہ تھے اور اصلی غرض بھی اس تبدیلی سے فوت نہ ہوتی تھی اور نصف شب میں اسلئے نماز فرض نہیں کی کہ اس میں حرج تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت صحیح ثابت ہے آپ نے فرمایا "شب میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اگر وہ مسلمان بندہ کو مل جائے اور اسمیں دنیا اور آخرت کی کسی بھلائی کو خدا تعالےٰ سے مانگے تو اسکو خدا قبول فرماتا ہے اور دیتا ہے" اور ہر شب میں یہ ساعت ہوتی ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے "نصف شب کی نماز سب نمازوں سے افضل ہے لیکن اسکے پڑھنے والے لوگ کم ہیں"۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سے وقت میں دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے" آپ نے فرمایا کہ نصف شب میں۔ اور زوال کی ساعت کی نسبت فرمایا کہ وہ ایسی ساعت ہے جس میں آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اسلئے میں پسند کرتا ہوں کہ اس ساعت میں میرے اچھے عمل اوپر جائیں" اور فرمایا کہ دن کے فرشتے رات کے فرشتوں کے آنے سے پہلے آسمان کی طرف جاتے ہیں اور رات کے فرشتے دن کے فرشتوں کے آنے سے پہلے آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں" ان مضامین کی طرف خدا تعالےٰ نے بھی اپنی محکم کتاب میں اشارہ فرمایا ہے" اس کا ارشاد ہے "خدا تعالےٰ کی پاکی ہے جس وقت کہ تم شام کرتے ہو اور جس وقت کہ تم صبح کرتے ہو، اور آسمانوں اور زمین میں خدا کی تعریف ہے شام کے وقت اور جبکہ تمہارا وقت ظہر آتا ہے"۔ اور اس امر میں بہت سی نصوص ہیں جو سب کو معلوم ہیں اور میں نے اسکے متعلق بڑے بڑے مشاہدے کئے ہیں ؀

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ ہونے کا مناسب وقت وہ ہے کہ انسان تمام طبعی تشویشات سے فارغ ہو مثلاً زیادہ بھوک، زیادہ پیاس، زیادہ سیری، نیند کا غلبہ، سستی کا ظہور اور بول و براز کی حاجت وغیرہ امور نہ ہوں اور خیالی پریشانیوں سے بھی انسان آزاد ہو

وقبلها بقليل وبعدها بقليل تنتشر الروحانية وتظهر البركة وليست فى الارض ملة الاوهى تعلم ان هذه الاوقات اقرب شئ من قبول الطاعات لكن المجوس كانوا حرفوا الدين فجعلوا يعبدون الشمس من دون الله فسد النبى صلى الله عليه وسلم مدخل التحريف فغير تلك الاوقات الى ما ليس ببعيد منها ولا مفوت لاصل الغرض ولم يفرض عليهم الصلاة فى نصف الليل لما فى ذلك من الحرج، وقد صح عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال ان فى الليل لساعة لا يوافقها عبد مسلم يسأل الله تعالى فيها خيرا من امر الدنيا والاخرة الا اعطاه اياه، وذلك كل ليلة، وعنه عليه الصلوة والسلام انه قال "افضل الصلوة نصف الليل وقليل فاعله وسئل اى الدعاء اسمع؛ قال جوف الليل وقال فى ساعة الزوال انها ساعة تفتح فيها ابواب السماء فاحب ان يصعد لى فيها عمل صالح وقال ملائكة النهار تصعد اليه قبل ملائكة الليل وملائكة الليل تصعد اليه قبل ملائكة النهار، وقد اشار الله تعالى فى محكم كتابه الى هذه المعانى حيث قال فسبحان الله حين تمسون وحين تصبحون وله الحمد فى السموات والارض وعشيا وحين تظهرون، والنصوص فى هذا الباب كثيرة معلومة وقد شاهدت منه امرا عظيما ؀

الاصل الثانى ان وقت التوجه الى الله هو وقت كون الانسان خاليا عن التشويشات الطبيعية كالجوع المفرط والشبع المفرط وغلبة النعاس وظهور الكلال وكونه حاقبا حاقنا والخيالية كامتلاء

مثلاً لغو اور بیہودہ گفتگوؤں سے کان بھرے ہوئے نہ ہوں اور مختلف صورتوں و پریشان کرنے والی رنگتوں سے آنکھ پر نہ ہو اور اسی قسم کی تشویشات سے فراغت ہو اور یہ فراغت اور آزادی عادات کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہوا کرتی ہے لیکن وہ وقت جو تمام عرب اور عجم، مشرق و مغرب کے لوگوں کے لئے بمنزلہ طریقۂ طبعی کے ہوگیا ہے اور جو اس قابل ہے کہ نوامیس کلی میں اسکو دستور بنا دیا جائے اور اسکے خلاف وقت کو شاذ و نادر ہی سمجھا جاتا ہے وہ صبح اور شام کا وقت ہے ۔ اور انسان کو ایک صیقل کی ضرورت ہے جس سے دل کا زنگ دور ہو جائے جبکہ وہ اپنے نفس پر قادر ہوتا ہے اور یہ وہ وقت ہے جب وہ بستر کی طرف رجوع کرتا ہے اور اسکو سونے کی خواہش ہوتی ہے اور اسی لئے نبی علیہ السلام نے عشاء کے بعد قصہ گوئی اور شعر خوانی سے منع فرمایا ہے ۔ سیاستِ امت کے اتمام کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ کچھ کچھ زمانہ کے بعد نفس کو عبادت کے لئے آمادہ رہنے کا حکم دیا جائے تاکہ نماز کا انتظار اور نماز پڑھنے سے پہلے اسکی تیاری اور آمادگی اور نماز پڑھنے کے بعد اسکا بقیہ نور اور رنگ نماز کے حکم میں سمجھا جائے اور اسطرح پر اگر تمام اوقات کا استیعاب نہ ہو سکے تو اکثر اوقات کا استیعاب ہو جائے ۔ اور ہم نے اسکا تجربہ کیا ہے کہ جو شخص نمازِ تہجد کے قصد سے سوتا ہے وہ بہیمی خواب میں غرق نہیں ہوتا ۔ اور یہ بھی تجربہ کیا ہو کہ جسکا دل کسی انتظامِ دنیوی یا محافظتِ وقتِ صلوٰۃ یا وظیفہ میں لگا رہتا ہے کہ وہ ناغہ نہ ہو تو اسکو بہیمی حالت میں محویت نہیں ہوتی، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں یہی راز ہے " جو شخص خواب سے بیدار ہو اور پڑھے لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیٔ قدیر وسبحان اللہ والحمد للہ و لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ" اسکے بعد کہے رب اغفر لی تو خدا تعالیٰ اسکی دعا قبول کر لیتا ہے اور اگر یہ شخص وضو کر کے نماز پڑھیگا تو اسکی نماز بھی قبول ہوگی) اور خدا تعالیٰ کے اس قول میں بھی یہی راز ہے " وہ ایسے لوگ ہیں جنکو نہ تجارت خدا کی یاد سے غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت " اور مناسب یہ ہے کہ دو وقتوں کے درمیان چوتھائی دن کا فاصلہ دیا جائے پس اتنے عرصہ میں تین گھنٹہ کی مہلت مل جاتی ہے اور یہ تین گھنٹہ مقدار مستعمل کی اول حد کثرت ہے جو تمام عرب و عجم کے ہاں شب و روز کی تقسیم میں معتبر ہے، حدیث میں آیا ہے ۔ سب سے پہلے نوح علیہ السلام نے دن و رات کے حصے کئے تھے ۔ ۔ ۔ ۔

السمع بالاراجیف واللغط والبصر بالصور المختلفة والالوان المشوشة ونحو ذلك من الانواع التشویشات وذلك مختلف باختلاف العادات لكن الذی یشبه ان یكون كالمذهب الطبیعی لعربهم وعجمهم ومشارقتهم ومغاربتهم، والذی یلیق ان یتخذ دستورا فی النوامیس الكلیة والذی یعد مخالفه كالشئ النادر هو الغدوة والدلجة و الانسان یحتاج الی مصقلة تزیل عنه الرین بعد تمكنه من نفسه وذلك اذا اوی الی فراشه ومال للنوم، ولذلك نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن السمر بعد العشاء وعن قرض الشعر بعده، وسیاسة الامة لا تتم الا بان یؤمر بتعهد النفس بعد كل برهة من الزمان حتی یكون انتظاره للصلوة واستعداده لها من قبل ان یفعلها وبقیة لونها وصبابة نورها بعد ان یفعلها فی حكم الصلوة فیتحقق استیعاب اكثر الاوقات ان لم یمكن استیعاب كلها، وقد جربنا ان النائم علی عزیمة قیام اللیل لا یتغلغل فی النوم البهیمی وان المتوزع خاطره علی ارتفاق دنیوی وعلی محافظة وقت صلاة او ورد ان لا یفوته لا یتجرد للبهیمیة، وهذا اسر قوله صلی الله علیه وآله وسلم من تعار من اللیل، الحدیث وقوله تعالی رجال لا تلهیهم تجارة ولا بیع عن ذكر الله ویصلح ان یجعل الفصل بین كل وقتین ربع النهار فانه یحتوی علی ثلاث ساعات وهی اول حد كثرة للمقدار المستعمل عندهم فی تجزئة اللیل والنهار عربهم وعجمهم، وفی الخبر ان اول من جزء النهار واللیل الی الساعات نوح علیه السلام

ان کے بعد ان کی اولاد بھی جسے کرتی چلی آئی ۔

تیسرا قاعدہ اوقات میں یہ ہے کہ عبادت کا وقت ایسا ہونا چاہیے جو کسی نعمتِ الٰہی کو یاد دلائے مثلاً یوم عاشورہ کہ اس روز خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر غلبہ عطا فرمایا تھا اسلئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ اور جیسے ماہ رمضان کہ اس ماہ میں قرآن نازل ہوا اور ملت اسلام کے ظہور کی ابتدا اسی سے ہوئی، یا انبیاء علیہم السلام کی عبادت اور اسکے مقبول ہونے کو یاد دلائے جیسے عید الضحیٰ کا دن کیونکہ یہ روز حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح اور انکے فدا ہونیکو یاد دلاتا ہے، یا یہ کہ اس روز عبادت کرنے سے بعض شعائر الٰہی کی تعظیم معلوم ہوتی ہو جیسے عید الفطر کے دن نماز پڑھتے ہیں صدقہ کرتے ہیں اس سے رمضان کی تعظیم اور خدا نے روزہ رکھنے کی جو توفیق عطا فرمائی تھی اسکے ادائے شکر کی ایک شان معلوم ہوتی ہے۔ اور جیسے عید الضحیٰ کا دن کہ اس میں حجاج کے ساتھ ایک قسم کی مشابہت ہوتی ہے اور جو رحمتیں خدا تعالیٰ نے حجاج کے لئے مقرر کی ہیں ان کو اپنے سامنے پیش کرنا ہوتا ہے یا یہ ہو کہ ان اوقات میں عبادت کرنا ان صالحین کی سنت ہو جن کو سب لوگ اچھا کہتے ہیں جیسے نماز پنجگانہ کے اوقات، حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا یہ تمہارا وقت ہے اور تم سے پہلے انبیاء کا وقت بھی یہی تھا۔ اور جیسے رمضان کے روزوں کے متعلق ارشاد الٰہی ہے " تم پر روزے ایسے ہی فرض ہوئے جیسے اگلے لوگوں پر فرض ہوئے تھے"۔ اس آیت کی ایک تفسیر بھی ہے۔ اور ہمارے متعلق یوم عاشورہ کے روزہ کا بھی یہی حال ہے۔ اور یہ تیسرا قاعدہ اکثر اوقات میں معتبر ہے، اور دونوں پہلے قاعدے اوقات کے اصل الاصول ہیں۔ واللہ اعلم ۔

نواں باب (۶۱)

اعداد اور مقداروں کے اسرار کا بیان

واضح ہو کہ شریعت نے ایک چیز کی مقدار معین کی اور اسکی دوسری نظیر کی مقدار معین نہیں کی تو اسکی حکمتیں اور مصلحتیں خاص ہیں اگرچہ اس امر کا مدار اعتماد انسان کی فراست پر ہے جس سے مکلفین کی حالت اور وہ امور جانے جاتے ہیں

وتوارث ذلك بنوه ۔

الأصل الثالث ان وقت اداء الطاعة هو الوقت الذي يكون مذكرا لنعمة من نعم الله تعالى مثل يوم عاشوراء نصر الله تعالى فيه موسى عليه السلام على فرعون فصامه وامر بصيامه . وكرمضان نزل فيه القران وكان ذلك ابتداء ظهور الملة الاسلامية ، او مذكرا لطاعة انبياء الله تعالى لوهم، وقبولها منهم كيوم الاضحى يذكر قصة ذبح اسمعيل عليه السلام وفداه بذبح عظيم او يكون اداء الطاعة فيه تنويها ببعض شعائر الدين كيوم الفطر في ايقاع الصلوة والصدقة تنويه برمضان واداء شكر ما انعم الله تعالى من توفيق صيامه وكيوم الاضحى فيه تشبه بالحاج وتعرض لنفحات الله المعدة لهم ، او تكون جرت سنة الصالحين المشهود لهم بالخير على السن الامم ان يطيعوا الله تعالى فيه ، مثل اوقات الصلوات الخمس لقول جبرئيل هذا وقتك ووقت الانبياء من قبلك ، ومثل رمضان على وجه واحد في تفسير قوله تعالى كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم وكصوم يوم عاشوراء بالنسبة الينا - ويشبه ان يكون الاصل الثالث معتبرا في اكثر الاوقات ، والاصلان الاولان اصل الاصل والله اعلم ۔

باب اسرار الاعداد والمقادير

اعلم ان الشرع لم يخص عددا ولا مقدارا دون نظيره الا لحكم ومصالح وان كان الاعتماد الكلي على الحدس المعتمد على معرفة حال المكلفين

جو لوگوں کی سیاست کے لائق ہیں اور یہ مصلحتیں اور حکمتیں چند اصول کی طرف رجوع
کرتی ہیں (۱) یہ کہ طاق ایک ایسا مبارک عدد ہے کہ جب تک یہ کافی
ہو سکے گا اسکو ترک نہیں کریں گے - اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس
فرمان میں یہی مراد ہے "بے شک خدا طاق ہے اور طاق کو پسند کرتا ہو پس
اے قرآن والو وتر نماز پڑھا کرو" اس میں راز یہ ہے کہ ہر کثرت کی ابتدا وحدت
سے ہوتی ہے' اور طاق عدد تمام کثرت کے عددوں میں وحدت کے قریب تر
ہے کیونکہ عدد کے ہر مرتبہ میں ایک غیر حقیقی وحدت شامل ہوتی ہے جسکی وجہ
سے وہ مرتبہ قرار پاتا ہے مثلاً دس کا عدد چند وحدتوں کا مجموعہ ہے جو ایک
عدد اعتبار کیا گیا ہے' پانچ اور پانچ کے دو عددوں کا نام دس نہیں ہے
اسی پر اور عددوں کو بھی قیاس کرلو - اور یہ غیر حقیقی وحدت ان مراتب عدد کی
میں حقیقی وحدت کا نمونہ ہے اور اسکی جانشین ہے' اور طاق عدد میں ایک تو
یہ غیر حقیقی وحدت ہوتی ہے اور اسکے ساتھ اسی قسم کی ایک اور وحدت ہوتی ہے
اور وہ یہ کہ اسکی تقسیم دو صحیح عددوں پر مساویانہ نہیں ہو سکتی اسلئے طاق عدد
بہ نسبت جفت عدد کے وحدت سے قریب تر ہے' اور ہر موجود شئی کا اپنے
مبدا سے قریب ہونا خدا تعالے کے قریب ہونے کی طرف رجوع کرتا ہے
کیونکہ خدا تعالے تمام مبدؤں کا مبدا ہے اور وحدت کامل اسمیں ہوگی
جو خلق الٰہی کا ایک نمونہ ہوگا -

واضح ہو کہ طاق عدد کے چند مراتب ہیں' بعض طاق عدد جفت کے
مشابہ اور قریب ہوتے ہیں جیسے نو اور پانچ کا عدد' کیونکہ اگر انمیں سے
ایک ایک ہندسہ کم کردیا جائے تو ان کی تقسیم صحیح دو دو جفت عدد کیطرف
ہو جاتی ہے اور نو کا عدد اگرچہ دو صحیح عدد پر مساوی تقسیم نہیں ہوتا لیکن
اسکے برابر برابر تین حصے ہو سکتے ہیں - اور اسیطرح جفت کے بھی چند
مرتبے ہیں' بعض جفت عدد ایسے ہیں جو طاق عدد سے مشابہ ہوتے ہیں'
جیسے بارہ کا عدد کہ وہ تین بار چار چار عدد لینے سے حاصل ہوا ہے' اور جیسے
چھ کا ہندسہ ہے کہ وہ دو کو تین بار لینے سے بنا ہے - اور سب طاق عددوں
میں امام اور جس میں جفت کے ساتھ مشابہت بھی نہیں ہے وہ ایک کا
عدد ہے اور اسکے بعد اسکے وارث اور جانشین تین اور سات کے عدد ہیں
اور جو عدد انکے علاوہ ہیں وہ ایک عدد کی قوم اور امت میں سے ہیں اسیوجہ سے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی مقادیر میں ایک' تین اور سات کو اختیار فرمایا

وما يليق بهم عند سياستهم، وهذه الحكم
والمصالح ترجع الى اصول، الاول ان الوتر عدد
مبارك لايجاوزعنه ماكان فيه كفاية، وهو
قوله صلى الله عليه وسلم ان الله وتر يحب
الوتر فاوتروا يا اهل القرآن، وسره انه ما
من كثرة الا مبدؤها وحدة، واقرب الكثرات
من الوحدة ماكان وترا اذ كل مرتبة من العدد
فيها وحدة غير حقيقية بها تصير تلك المرتبة
فالعشرة مثلا وحدات مجتمعة اعتبرت واحدا
لاخمسة وخمسة، وعلى هذا القياس، وتلك
الوحدة نموذج الوحدة الحقيقية فى تلك المراتب
وميراثها منها، وفى الوتر هذه الوحدة و
مثلها معها وهو الوحدة بمعنى عدم الانقسام
الى عددين صحيحين متساويين - فهو اقرب
الى الوحدة من الزوج وقرب كل موجود من
مبدئه يرجع الى قربه من الحق لانه مبدأ
المبادى والاتم فى الوحدة متخلق بخلق الله -

ثم اعلم ان الوتر على مراتب شتى، وتر
يشبه الزوج ويجنحه كالتسعة والخمسة فانهما
بعد اسقاط الواحد ينقسمان الى زوجين، و
التسعة وان لم تنقسم الى عددين متساويين
فانها تنقسم الى ثلاثة متساوية، كما ان
الزوج ايضا على مراتب زوج يشبه الوتر كاثنى
عشر فانه ثلاث اربعات وكالستة فانها ثلاث
اثنينات، وامام الاوتار وابعدها من مشابهة
الزوج الواحد ووصيه فيها وخليفته ووارثه
ثلاثة وسبعة وماسوى ذلك فانه من قوم
الواحد وامته، ولذلك اختار النبى صلى الله
عليه وسلم الواحد والثلاثة والسبعة فى كثير

اور جہاں بمقتضائے حکمت ان اعداد سے زیادہ کسی اور عدد کا حکم دیا گیا ہے تو وہاں وہ عدد اختیار کیا جو ان تینوں میں سے کسی کے بڑھ جانے سے حاصل ہوتا ہے مثلاً ایک کا عدد ہے جو صفر سے دس، دو صفر سے سو اور تین صفر سے ہزار ہو جاتا ہے۔ اور اسیطرح سے اسکے ساتھ ایک اور ملانے سے گیارہ کا عدد ہو جاتا ہے۔ اور اسیطرح سے تین کا عدد ہے اسکے ساتھ صفر ملانے سے تیس اور تین ملانے سے تینتیس اور دو صفر ملانے سے تین سو ہو جاتے ہیں، اور اسیطرح سات کا عدد صفر ملانے سے ستر اور دو صفر ملانے سے سات سو تک پہنچتا ہے جو عدد بڑھانے کے بعد حاصل ہوتا ہے وہ گویا بعینہٖ وہی عدد ہوتا ہے جسکو بڑھا لیا ہے، اسیواسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کے بعد سو کلموں کا پڑھنا مسنون کر دیا پھر تین مرتبہ تینتیس سے اسکو تقسیم کر دیا اور ایک کو زاید کرکے چونتیس بار کر دیا تاکہ مجموعہ ملکر طاق ہو جائے جو طاق عددوں کے امام یا جانشین کیطرف رجوع کرتا ہو۔ اور اعداد کیطرح ہر ایک مقولہ جوہر اور عرض کیلئے بھی ایک اور جانشین ہوتا ہے ہوتا ہے مثلاً نقطہ بمنزلہ امام کے ہے اور دائرہ اور کرہ اس کے جانشین ہیں اور تمام شکلوں میں اس سے زیادہ قریب ہیں ؁

میرے والد قدس سرہ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ انھوں نے ایک بڑے واقعہ کا معائنہ کیا جس میں حیات، علم، ارادہ اور تمام صفات الٰہیہ، یا انہوں نے فرمایا حی، علیم، مرید اور کل اسماء الٰہی (ان دونوں میں مجھ کو یاد نہیں کہ کونسا جملہ فرمایا تھا) روشن دائروں کی شکل میں سامنے آئے اور پھر مجھ سے یہ بھی فرمایا کہ بسیط شئ عالم اشکال میں وہ صورت قبول کرتی ہے جو نقطہ سے زیادہ قریب ہو اور ایسی شکل سطح میں دائرہ ہے اور جسم میں کرہ ہے، انتہی کلامہٗ۔

واضح ہو کہ عادت اللہ یہ رہی ہے کہ وحدت کا عالم کثرت میں نازل ہونا عالم مثال کے تعلقات کی وجہ سے ہوتا ہے اور انہی ارتباطات میں واقعات صورت پکڑتے ہیں اور زبان قدم کا ترجمان حتی الامکان انہیں ارتباطات کی رعایت رکھتا ہے ؁

؁ ؁ ؁ ؁ ؁ ؁ ؁ ؁ ؁ ؁ ؁ ؁
؁ ؁ ؁ ؁ ؁ ؁ ؁ ؁ ؁

دوسرا قاعدہ ان اعداد کے راز ظاہر کرنے میں ہے جن کا بیان ترغیب یا ترہیب کے موقع میں آیا ہے۔ معلوم ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نیکی اور برائی کے خصائل پیش کیے جاتے ہیں،

من المقادير، وحيث اقتضت الحكمة ان يؤمر باكثر منها اختار عددا يحصل من احدها بالترفع كالواحد يترفع الى عشرة ومائة والف وايضا الى احد عشر، وكالثلاثة تترفع الى ثلاثين و ثلاثة وثلاثين و ثلاثمائة، وكالسبعة الى سبعين و سبع مائة فان الذى يحصل بالترفع كانه هو بعينه، ولذلك سن النبى صلى الله عليه وسلم مائة كلمة بعد كل صلاة ثم قسمها الى ثلاثة وثلاثين ثلاث مرات، و افضل واحد ليصير الامر كله وترا راجعا الى الامام او وصيه، وكذلك لكل مقولة من مقولات الجوهر والعرض امام ووصى كالنقطة امام والدائرة والكرة وصياه، واقرب الاشكال اليه ؞

وحدثنى ابى قدس سره انه راى واقعة عظيمة تمثل فيها الحياة والعلم والارادة و سائر الصفات الالهية - او قال الحى والعليم والمريد وسائر الاسماء لا ادرى اى ذلك قال بصورة دوائر مضيئة ثم نبهنى على ان تمثل الشئ البسيط فى نشأة الاشكال انما يكون باقربها الى النقطة وهو فى السطح الدائرة وفى الجسم الكرة انتهى كلامه ؞

واعلم ان سنة الله جرت بان نزول الوحدة الى الكثرة انما يكون بارتباطات مثالية وعلى ذلك الارتباطات تتمثل الوقائع واياها يراعى تراجمة لسان القدم ما امكنت مراعاتها ؞

الاصل الثانى فى كشف السر ما بين فى الترغيب والترهيب ونحو ذلك من العدد - اعلم انه ربما يعرض على النبى صلى الله عليه وآله وسلم خصال

اور نیکی کے فضائل اور برائی کے عیوب آپ پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ پس خداتعالےٰ نے جسطرح آپ کو بتلایا ویسے ہی آپ بیان کر دیتے ہیں اور انکشاف کے وقت جس شئی کا جو حال معلوم ہوا اسکا عدد آپ بتلاتے ہیں لیکن اس عدد کے بیان کرنے سے آپ کا قصد حصر کرنا نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے بُرے اور بھلے اعمال مجھ کو دکھائے گئے" پس اچھے اعمال میں راستہ سے ایذاء کا دور کر دینا بھی تھا۔ اور بُرے اعمال میں یہ بھی تھا کہ کوئی شخص مسجد میں لعاب دہن پائے اور بغیر دبائے ویسے ہی چھوڑ دے" اور نیز آپ نے فرمایا کہ میری امت کے اجر میرے سامنے پیش ہوئے حتیٰ کہ جو شخص مسجد سے ناپاکی دور کر دے اسکا بھی اجر تھا۔ اور میری امت کے گناہ بھی مجھ کو دکھائے گئے" ان میں میں نے اس سے زیادہ کوئی گناہ نہیں پایا کہ کسی شخص کو قرآن کی کوئی سورت یا آیت یاد ہو اور اسکو وہ بھلا دے" اسی قاعدہ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو قیاس کرنا چاہئے کہ "تین شخصوں کو دو دو اجر ملینگے (اول) اہل کتاب جو اپنے پیغمبر پر بھی ایمان لایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا" دوسرے کسی کا غلام خدا کا حق بھی ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی تیسرے وہ شخص جسکے پاس کوئی کنیز ہو وہ اس سے ہم بستر ہوتا تھا پھر اسکو ادب سکھایا اور اچھی طرح اسکو تعلیم دی اور اسکو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا) اور اسیطرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین شخصوں سے خدا کلام نہ کریگا (اور نہ انکو ستھرا کریگا) ایک بوڑھا آدمی زانی" دوسرے جھوٹا بادشاہ تیسرے متکبر حاکم) اسیطرح آپؐ نے فرمایا کہ چالیس[له] خصلتیں ایسی ہیں کہ جو انمیں سے ایک خصلت کو بھی ثواب کی امید سے اور اسکے وعدہ کی تصدیق کرکے کریگا خدا اسکو جنت میں داخل کریگا۔ ان خصلتوں میں سب سے اعلیٰ یہ ہے کہ کسی کو بکری دیدے (تاکہ وہ شخص اسکے دودھ اور اون سے فائدہ اٹھائے اور پھر یہ شخص اسکو واپس لے لے) اور کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی عمل کے فضائل یا کسی شئی کے اجمالی حصے منکشف ہو جاتے ہیں پس آپ اسکو منضبط کرنے کی وجہ قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسا عدد مقرر کر کے خبر دیتے ہیں جسمیں اسکا کثیر الوقوع ہونا یا عظیم الشان ہونا محصور ہو جائے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو کہ "تنہا نماز پڑھنے پر جماعت کی نماز کو ستائیس درجہ فضیلت ہے" اسی پر قیاس کر لینا چاہئے اسلئے کہ ستائیس کا عدد تین میں تین کو ضرب دیکر پھر حاصل ضرب کو تین میں ضرب دینے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر میں جماعت کے منافع تین قسم کے تھے" ایک وہ جسکا اثر خود نمازی کے جسم پر ہوتا ہے کہ اسکے نفس کی تہذیب ہو جاتی ہے قوت ملکی غالب اور بہیمی قوت دب جاتی ہے" دوم لوگوں میں سنت راشدہ کا اجراء ہوتا ہے" نماز پڑھنے میں ان کی رغبت بڑھ جاتی ہے اسکے ذریعہ انکے نفس کی تہذیب ہوتی ہے اور سب میں

من اللمم والاثم ويكشف عليه فضائل هذه و مثالب تلك فيخبر عما علمه الله ويذكر عدد ما علم حاله حينئذ وليس من قصده الحصر قال صلى الله عليه وسلم عرضت على اعمال امتى حسنها وسيئها فوجدت فى محاسن اعمالها الاذى يماط عن الطريق ووجدت فى مساوى اعمالها النخاعة تكون فى المسجد لا تدفن، و قال عرضت على اجور امتى حتى القذاة يخرجها الرجل من المسجد، وعرضت على ذنوب امتى فلم ار ذنبا اعظم من سورة من القرآن او اية اوتيها رجل ثم نسيها، وعلى هذا ينبغى ان يخرج قوله صلى الله عليه واله وسلم ثلاثة لهم اجران الحديث وقوله صلى الله عليه وسلم ثلاثة لا يكلمهم الله تعالى الحديث، وقوله صلى الله عليه وسلم اربعون خصلة اعلاهن منحة العنز لا يعمل عبد بخصلة منها رجاء ثوابها او تصديق موعودها الا ادخله الله بها الجنة، و ربما يكشف عليه فضائل عمل او ابعاض شئ اجمالا فيجتهد فى اقامة وجه ضبط لها ونصب عدد يحصر فيه ما كثر وقوعه او عظم شانه ونحو ذلك، فيخبر بذلك وعلى هذا ينبغى ان يخرج قوله صلى الله عليه وسلم صلوة الجماعة تفضل صلوة الفذ بسبع وعشرين درجة، فان هذا العدد ثلاثة فى ثلاثة فى ثلاثة و قد راى ان منافع الجماعة ترجع الى ثلاثة اقسام ما يرجع الى نفع نفسه من تهذيبها و ظهور الملكية وقهر البهيمية، وما يرجع الى الناس من شيوع السنة الراشدة فيهم وتنافسهم فيها وتهذيبهم بها واجتماع كلمتهم

[له] تین اور چالیس کے عدد سے کثرت مراد ہے، حصر مقصود نہیں ہے ۱۲۔

اتفاق پیدا ہوجاتا ہے۔ سوم یہ کہ ملت مصطفویہ کو بقا اور تازگی حاصل ہوتی ہے جس میں تحریف اور سستی خلط نہیں ہوسکتی، اور نیز پہلے حصہ میں تین منفعتیں ہیں، اللہ تعالےٰ اور ملا اعلیٰ سے تقرب، نیکیوں کا لکھا جانا گناہوں کا معاف ہونا۔ ایسے ہی دوسرے حصہ میں بھی تین منافع ہیں، قوم اور شہر کا انتظام، دنیا میں برکات کا نازل ہونا، ایک کا دوسرے کے لئے قیامت کے دن شفاعت کرنا۔ اور تیسرے حصہ میں بھی تین منافع ہیں، ملا اعلےٰ کی اتفاقی کوشش کا جاری ہونا، لوگوں کا خدا تعالےٰ کی دراز رسی کو پکڑنا، ایک دوسرے کے انوار کا باہم پرتو پڑنا۔ اور پھر ان نو امور میں سے ہر ایک کے لئے یہی تین منافع ہیں، خدا تعالےٰ کی رضامندی، فرشتوں کا ان پر رحمت بھیجنا، شیاطین کا ان سے دور ہونا۔ اور ایک روایت میں بجائے ستائیس کے پچیس کا عدد آیا ہے، اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ جماعت میں پچیس خوبیاں ہیں، دلوں کا استقلال، جماعت میں باہمی الفت، ملت کی پائداری، ملائکہ کا نزول، شیاطین کی روپوشی۔ اور ان پانچ میں سے ہر ایک صورت میں پانچ پانچ منافع ہیں، خدا تعالےٰ کی رضامندی، دنیا میں لوگوں پر برکات کا نازل ہونا، ان کے لئے نیکیوں کا لکھا جانا، گناہوں کا معاف ہونا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور فرشتوں کی ان کے لئے شفاعت کرنا۔ اختلاف روایت کا سبب وجوہِ انضباط میں اختلاف واقع ہونا ہے۔ واللہ اعلم۔

اور کبھی عدد کو کسی شئی کی بڑائی اور عظمت ظاہر کرنے کے لئے لایا کرتے ہیں، پس عدد کو صرف مثالی طور پر بیان کرتے ہیں، اس کی نظیر یہ ہے کہ لوگ کہا کرتے ہیں، فلاں شخص کی محبت میرے دل میں پہاڑ کے برابر ہے یا فلاں شخص کا مرتبہ آسمان تک بلند ہے، پس آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو اسی معنی پر حمل کرنا چاہیے، آپ نے فرمایا کہ مومن کی قبر ستر گز تک کشادگی ہوجاتی ہے، اور فرمایا کہ جہاں تک نگاہ جاتی ہے وسعت ہوجاتی ہے، اور فرمایا کہ میرے حوض کی وسعت اتنی ہے جس قدر کعبہ اور بیت المقدس میں فاصلہ ہے، اور فرمایا کہ میرے حوض کی وسعت اس سے زیادہ ہے جتنی شہر ایلہ سے عدن تک ہے۔ ایسی صورتوں میں کبھی کوئی مقدار بیان کی جاتی ہے

عليها وما يرجع الى الملة المصطفوية من بقائها غضة طرية لم يخالطها التحريف ولا التهاون، وفي الاول ثلاثة - القرب من الله والملأ الاعلى وكتابة الحسنات لهم وتكفير الخطيات عنهم وفي الثاني ثلاثة، انتظام حيهم ومدينتهم، ونزول البركات عليهم في الدنيا وشفاعة بعضهم لبعض في الآخرة، وفي الثالث ثلاثة، تمشية اجماع الملأ الاعلى، وتمسكهم بحبل الله الممدود وتعاكس انوار بعضهم على بعض، وفي كل من هذه التسعة ثلاثة، رضا الله عنهم وصلوات الملائكة عليهم، وانخناس الشياطين عنهم وفي رواية اخرى بخمس وعشرين ووجهه ان منافع الجماعة خمسة في خمسة، استقامة نفوسهم، وتالف جماعتهم، وقيام ملتهم، وانبساط الملائكة وانخناس الشياطين عنهم وفي كل واحد خمسة، رضا الله عنهم، ونزول البركات في الدنيا عليهم، وكتابة الحسنات لهم، وتكفير الخطيات عنهم، وشفاعة النبي صلى الله عليه وآله وسلم والملائكة لهم، وسبب اختلاف الروايات في ذلك اختلاف وجوه الضبط والله اعلم۔

وربما يؤتى بالعدد لاظهار العظم الشيء وكبره فيخرج العدد مخرج المثل، نظيره ما يقال محبة فلان في قلبي مثل الجبل، وقدر فلان يصل الى عنان السماء وعلى هذا ينبغي ان يخرج قوله صلى الله عليه وسلم يفسح في قبره سبعون ذراعا، وقوله مد البصر، وقوله ان حوضي ما بين الكعبة وبيت المقدس، وقوله حوضي لابعد من ايلة الى عدان، وفي مثل ذلك

اور کبھی کوئی مقدار لیکن اصل غرض کے لحاظ سے ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔

تیسرا قاعدہ مقادیر کے اندازہ میں یہ ہے کہ کسی شئی کی مقدار ایسی ظاہر معلوم مقرر کیجائے جسکو مخاطبین اس حکم کے نظائر میں استعمال بھی کرتے ہوں اور اسکو حکم کے مدار علیہ اور حکم کی حکمت سے مناسبت ہو اسلئے درہموں کا اوقیوں[1] سے اور خرما کا وسقوں[2] سے اندازہ کرنا مناسب ہے۔ اور ایسی کسر بھی نہ لانی چاہئے جس کو حساب والے ہی غور و خوض سے معلوم کرسکیں جیسے سترہواں حصہ اور انیسواں حصہ، اسیواسطے خداتعالے نے فرائض میں ایسی کسریں ذکر فرمائی ہیں جنکا نصف اور دو چند کرنا اور ان کا مخرج دریافت کرنا نہایت آسان ہے، ان فرائض اور سہام کے خدا تعالے نے دو حصے قرار دیے ہیں (۱) چھٹا، تہائی، دو تہائیاں، (۲) آٹھواں، چوتھائی، نصف۔ اور اسکا راز یہ ہے کہ ان میں قابل زیادہ کی زیادتی اور قابل کمی کی کمی ظاہر نظر میں معلوم ہو جاتی ہے، اور مسائل کا سمجھنا ادنیٰ اور اعلےٰ پر آسان ہو جاتا ہے، اور جہاں ایسی مقدار مقرر کرنے کی ضرورت پڑے جو ان مقادیر معتبرہ مذکورہ کے علاوہ ہے اور انمیں باہم ضعف کی نسبت بھی نہیں ہے تو یہی مناسب ہے کہ دو ثلث سے تجاوز نہ کریں جو نصف سے زاید اور ایک سے کم ہے، اور ایک ثلث سے تجاوز نہ کریں جو ربع سے زاید اور نصف سے کم ہے، اس لئے کہ اور حصے ان دونوں حصوں کی نسبت زیادہ مخفی ہیں، اور جب کسی شئی کثیر کی مقدار بیان کرنا مقصود ہو تو اس کو تین کے عدد سے بیان کرنا چاہئے اور اگر اس سے بھی زیادہ اس کی کثرت بیان کرنی ہو تو دس کے عدد سے اس کا اظہار کریں۔

اور جب کوئی شئی کبھی کم ہوتی ہے اور کبھی زیادہ ہوتی ہے تو اسکے لئے مناسب یہ ہے کہ اس کی کم حد اور زیادہ حد جمع کر کے نصف کریں، زکوٰۃ کے باب میں پانچواں، دسواں، بیسواں اور چالیسواں حصہ معتبر کیا گیا ہے اس لئے کہ زکوٰۃ کے زیادہ ہونے کا مدار کثرت منافع اور قلت مشقت پر ہے اور تمام اہل ولایت کے پیشے چار مراتب سے زیادہ میں منحصر نہ تھے ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷

ربما يذكر تارة مقدار و اخرى مقدار آخر و لا تناقض فى ذلك بحسب ما يرجع الى الغرض

الاصل الثالث انه لا ينبغى ان يقدر الشئ الا بمقدار ظاهر معلوم يستعمله المخاطبون فى نظائر الحكم وله مناسبة بمدار الحكم وحكمته فلا ينبغى ان يقدر الدراهم الا بالاوراق ولا التمر الا بالاوساق ولا ينبغى ان يؤتى بجزء لا يستخرجه الا المتعمقون فى الحساب كجزء من سبعة عشر وجزء من تسعة وعشرين ولذلك ماذكر الله تعالى فى الفرائض الاكسور ايسهل تنصيفها وتضعيفها ومعرفة مخرجها وذلك فصلان، احدهما سدس وثلث وثلثان، وثانيهما ثمن وربع ونصف، وسره ان يظهر فضل ذى الفضل ونقصان ذى النقصان بادى الراى وان يسهل تخريج المسائل على الادانى والاقاصى، وحيثما وقعت الحاجة الى مقدار دون المقدار المعتبر اولا لاتكون النسبة بينهما نسبة الضعف فلا ينبغى ان يتعدى من الثلثين بين النصف والواحد ومن الثلث بين الربع والنصف لان سائر الاجزاء اخفى منهما، و اذا اريد تقدير ما هو كثير فى الجملة فالمناسب ان يقدر بثلاثة، واذا اريد تقدير ما هو اكثر من ذلك فالمناسب تقديره بعشرة، واذا كان الشئ قد يكون قليلا وقد يكون كثيرا فالمناسب ان يؤخذ اقل حد واكثر حد فينصف بينهما والمعتبر فى باب الزكاة خمس وعشر ونصف العشر وربع العشر لان زيادة الصدقة تدور على كثرة الريع وقلة المؤنة وكانت مكاسب جمهور اهل الاقاليم لاتنتظم الا فى اربع

---

[1] ایک اوقیہ کے چالیس درہم ہوتے ہیں ۱۲۔ [2] وسق ایک پیمانہ جسمیں ساٹھ صاع یا تقریباً

اور ہر مرتبہ میں بین فرق رکھنا مناسب تھا اور وہ فرق یہ ہے کہ ہر مرتبہ دوسرے مرتبہ سے دوچند ہو، آئندہ اسکی تفصیل بیان کی جائے گی۔

جب دولت مندی کا اندازہ کیا جائے تو ان امور کا لحاظ کرنا چاہئے جنکو عرفاً دولت مندی میں دخل ہے، اور دولت مندی کے احکام و آثار کو دیکھنا چاہئے اور عرب و عجم اور اہل مشرق و مغرب کے حالات سے ان امور کو اخذ کرنا چاہئے اور مانع نہ ہونے کی صورت میں جو قدرتی طریقہ کے موافق ان کی حالت ہے اسکو دیکھنا چاہئے، پس اگر جمہور کے احوال کے اختلاف کی وجہ سے جمہور کی عادت پر مدار کار نہ ہو تو ان عرب اول کا اعتبار کیا جائیگا جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا، اور ان کی عادت کے مطابق شریعت متعین ہوئی۔ اسی لئے شریعت نے دوسو درہم سے کنز کا اندازہ کیا ہے، کیونکہ آباد ملکوں میں ایک چھوٹے سے خاندان کو ایک سال تک کے لئے یہ مقدار کافی ہو سکتی ہے، ہاں اگر قحط سالی ہو یا شہر ہی بہت بڑے بڑے ہوں یا ان کے امراء کو کافی نہیں ہو سکتے۔

اور بکریوں کے چھوٹے ریوڑ کا اندازہ چالیس کے ساتھ اور بڑے کا ایک سو بیس کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اور زیادہ کھیتی کا اندازہ پانچ وسقوں سے کیا گیا ہے کیونکہ گھر میں کم از کم میاں بیوی اور تیسرا کوئی نوکر یا لڑکا ہوتا ہے، اور روزانہ خوراک آدمی کی ایک مد[1] یا ایک رطل ہوگی اور اسکے ساتھ سالن وغیرہ کی بھی ضرورت ہوگی اور ایک سال کے لئے اتنی مقدار سے کاربراری ہو سکتی ہے اور آب کثیر کا اندازہ قلتین[2] سے کیا گیا ہے کیونکہ یہ ایک ایسی مقدار ہے جس سے کم کوئی چشمہ نہیں ہوتا اور عادت عرب میں ظروف میں اتنا پانی نہیں سما سکتا، انہی پر باقی تمام اندازوں کو قیاس کر لینا چاہئے

واللہ اعلم۔

دسواں باب (۶۲): قضاء اور رخصت کے اسرار کا بیان۔

واضح ہو کہ امور سیاست سے یہ بھی ہے کہ جب کسی شی کا حکم کیا جائے یا کسی شی سے روکا جائے اور مخاطبین کو اچھی طرح سے اس حکم کی غرض معلوم نہ ہو

مراتب وكان المناسب ان يظهر الفرق بين كل مرتبتين، اصرح ما يكون، وذلك ان تكون الواحدة منها ضعف الاخرى وسياتيك تفصيل واذا وقعت الحاجة الى تقدير اليسار مثلا ينبغي ان ينظر الى ما يعد في العرف يسارا ويرى فيه ما هو من احكام اليسار، وذلك بحسب عادة جمهور المكلفين مشارقهم ومغاربهم عربهم وعجمهم وبحسب ما هو كالمذهب الطبيعي لهم لولا المانع فان لم يكن بناء الامر على عادة الجمهور لتشتت حالهم فالمعتبر حال العرب الاول الذين نزل القرآن بلغتهم وتعينت الشريعة في عاداتهم ولذلك قدر الشرع الكنز بخمس اواق لانها تكفي اقل اهل بيت سنة كاملة في اكثر اطراف المعمورة اللهم الا في الجدب او البلاد العظيمة جدا او اعمالها وقدر الثلة الصغيرة من الغنم باربعين والكبيرة بمائة وعشرين، وقدر الزرع الكثير بخمسة اوساق لان اقل البيت زوج وزوجة وثالث اما خادم او ولد بينهما واكثر ما ياكله الانسان في اليوم والليلة مد او رطل ويحتاج مع ذلك الى ادام وهذا القدر يكفي من ذلك سنة كاملة، وقدر الماء الكثير بقلتين ولانه حد لا ينزل منه المعادن ولا يرتقي اليه الاواني في عادة العرب وقس على ذلك سائر التقديرات والله اعلم۔

باب اسرار القضاء والرخصة

اعلم ان من السياسة انه اذا امر بشيء او نهي عن شيء وكان المخاطبون لا يعلمون

[1] دو مُد کا ایک رطل ہوتا ہے اور ایک رطل آدھ سیر سے کچھ زیادہ کا ہوتا ہے۔ ۱۲

[2] قلہ اس مٹکے کو کہتے ہیں جس میں پانچ سو رطل پانی آتا ہے۔ ۱۲

تو ضروری ہے کہ اس حکم کو اسطرح سمجھیں جسطرح ایک شی مؤثر بالخاصیت ہوتی ہے جس کی تاثیر کی تصدیق کی جاتی ہے اور تاثیر کا سبب معلوم نہیں ہوتا، یا جسطرح کسی منتر کی تاثیر معلوم ہوتی ہے مگر اس کی وجہ معلوم نہیں ہوتی اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر جگہ اوامر ونواہی کے صریح طور پر اسرار کے بیان کرنے سے سکوت فرمایا البتہ اپنی امت کے راسخین فی العلم کیلئے ان اسرار کو کسیقدر ذہن نشین کر دیا، اسی لئے حاملین دین یعنی خلفاء راشدین اور ائمہ دین کی توجہ شریعت کی صورت قائم کرنے کی طرف بہ نسبت ان کی ارواح قائم کرنے کے زیادہ ترتھی حتی کہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نماز کی حالت میں بحرین کا جزیہ شمار کرتا ہوں اور لشکرکشی کی تدابیر سوچا کرتا ہوں، اسی لئے سلف اور خلف میں مفتیوں کا یہ دستور رہا ہے کہ فتوٰی دیتے وقت مسئلہ کی دلیل کیطرف توجہ نہیں کرتے تھے اور یہ بھی ضروری ہے کہ امر مامور پر سخت تاکید کر دی جائے اور اسکے ترک پر سخت باز پرس ظہور میں آئے اور ان کو مامور بہ کیطرف نہایت رغبت اور الفت دلائی جائے حتی کہ حق باتوں کی خواہش ان کے ظاہر اور باطن کو ہر طرف سے احاطہ کر لے اور جب کسی ضروری مانع سے وہ کام ترک ہو جائے تو کوئی بدل اس کے قائم مقام قرار دیا جائے اس لئے کہ ایسی ضرورتوں میں مکلف کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں، یا تو اس شخص سے باوجود مشقت اور دقت کے احکام کی تعمیل کرائی جائے اور یہ شرعی قاعدہ کے خلاف ہے، خدا تعالےٰ فرماتا ہے "خدا تعالیٰ تمہارے لئے آسانی کا قصد کرتا ہے، دقت اور دشواری وہ تمہارے لئے نہیں چاہتا"

یا ان احکام کی تعمیل بالکل ترک کرا دی جائے، اس وقت میں نفس ان کے ترک کا خوگر ہو جائے گا اور مہمل چھوڑ دیا جائے گا اور نفس کو کسی فعل کی مشق کرانا ایسا ہے جیسے کسی تند چارپایہ کو تابع کرنا جس میں امر مطلوبہ کی رغبت اور الفت غنیمت سمجھی جاتی ہے جو لوگ اپنے نفس کی ریاضت کرتے ہیں، یا لڑکوں کو تعلیم دیتے ہیں یا چارپایوں کو مشق کرواتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ کسی کام پر مداومت

الغرض من ذلك حق العلم وجب ان يجعل عندهم كالشئ المؤثر بالخاصية، يصدق بتاثيره ولا يدرك سبب التاثير وكالرقى لا يدرك سبب تاثيرها ولذلك سكت النبي صلى الله عليه وسلم عن بيان اسرار الاوامر والنواهي تصريحا في الاكثر وانما لوح بشئ منه للراسخين في العلم من امته، ولذلك كان اعتناء حملة الملة من الخلفاء الراشدين وائمة الدين باقامة اشباح الملة اكثر من الاعتناء باقامة ارواحها حتى روى عن عمر رضى الله عنه انه قال احسب جزية البحرين وانا في الصلوة واجهز الجيش وانا في الصلوة، ولذلك كان سنة المفتين قديما وحديثا ان لا يتعرضوا الدليل المسالة عند الافتاء ووجب ان يسجل على الاخذ بالمامور حق التسجيل ويلام على تركه اشد الملامة وتجعل انفسهم ترغب فيها وتالفها حق الرغبة والالفة حتى تصير داعية الحق محيطة بظواهرهم وبواطنهم واذا كان كذلك ثم منع من المامور به مانع ضرورى وجب ان يشرع له بدل يقوم مقامه لان المكلف حينئذ بين امرين، اما ان يكلف به مع ما فيه من المشقة والحرج وذلك خلاف موضوع الشرع قال الله تعالى يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر، واما ان ينبذ وراء الظهر بالكلية فتالف النفس بتركه وتسترسل مع اهماله، وانما تمرن النفس تمرين الدابة الصعبة يغتنم منها الالفة والرغبة، ومن اشتغل برياضة نفسه او تعليم الاطفال او تمرين الدواب ونحو ذلك يعلم كيف تحصل

کرنے میں رغبت پیدا ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے عمل کرنا سہل ہو جاتا ہے اور ترک کرنے سے رغبت جاتی رہتی ہے اور پھر اسکا کرنا نفس پر گراں معلوم ہوتا ہے اور دل تنگ ہوتا ہے پھر اگر اسکو دوبارہ کرنے کا ارادہ کیا جائے تو از سرِ نو الفت اور میلان پیدا کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اسواسطے ضرور ہے کہ جب کسی کام کے کرنے کا وقت ہاتھ سے نکل جائے تو اسکے لئے قضاء مشروع ہو اور اسکی تعمیل میں رخصت دی جائے تاکہ بہ آسانی اس امر کو بجالائے۔ قضاء اور رخصت کے قرار دینے میں عمدہ شئی قوتِ فراست ہے جس سے مکلفین کی حالت کی شناخت' اس عمل کی غرض اور عمل کے اجزاء جو اس غرض کے حاصل کرنے میں ضروری ہیں معلوم ہو سکتے ہیں۔

علاوہ فراست کے اس قضاء اور رخصت کے قواعد بھی ہیں جن کو راسخین فی العلم جانتے ہیں۔ اول قاعدہ یہ ہے کہ رکن اور شرط میں دو امر ہیں' ایک امر اصلی ہے جو شئی کی حقیقت میں داخل یا اسکو لازم ہے کہ اصل غرض کا لحاظ کرتے ہوئے اس لازم کے بغیر وہ شئی غیر معتبر ہو جائے جیسے دعاء یا جھکنا' جس سے تعظیم معلوم ہوتی ہے' اور جیسے خصائلِ طہارت وخصائلِ خشوع کے لئے نفس کو متنبہ کرنا' یہ امور اس قسم کے ہیں جنکو تنگی اور آسانی میں ہر وقت یکساں ادا کرنا چاہیے اسلئے کہ ایسے امور کے ترک کرنے سے عمل بالکل بے اثر ہو جاتا ہے۔

اور دوسرا امر تکمیلی ہے جو اور معنی کے لئے واجب قرار دیا جاتا ہے' اور جو پابندیِ وقت کا محتاج ہوتا ہے' اور اس کے لئے اس اطاعت سے بہتر کوئی وقت نہیں' اور یا اس لئے واجب قرار دیا جاتا ہے کہ کامل اور عمدہ طرح پر غرض حاصل ہونے کے لئے یہ صحیح آلہ ہے' یہ قسم اس قابل ہے کہ ضرورتوں اور ناگواریوں کی حالت میں اس میں رخصت دی جاسکتی ہے۔ اسی قاعدہ کے موافق تاریکی وغیرہ کی حالت میں استقبال قبلہ کے ترک ہونے کی رخصت اور تحری کا حکم ہے' اور جس کو کپڑا میسر نہ ہو وہ سترِ عورت کو ترک کر سکتا ہے' اور جس کو پانی نہ ملے وہ وضوء ترک کرکے تیمم کر سکتا ہے' اور جو سورہ فاتحہ نہ پڑھ سکتا ہو وہ اس کی جگہ کسی ذکر کو کر سکتا ہے' اور جس میں قیام کی طاقت نہ ہو وہ بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز ادا کر سکتا ہے' اور جس میں رکوع کرنے یا سجدہ کرنے کی طاقت نہ ہو

الالفة بالمداومة ويسهل بسببها العمل وكيف تذهب الالفة بالترك والاهمال فتضيق النفس بالعمل ويثقل عليها فان رام العود اليه احتاج الى تحصيل الالفة ثانيا فلابد اذا من شرع القضاء اذا فات وقت العمل ومن الرخص في العمل ليتاتى منه ويتيسر له والعمدة في ذلك الحدس المعتمد على معرفة حال المكلفين وغرض العمل واجزائه التى لابد منها في تحصيل ذلك الغرض ومع ذلك فله اصول يعلمها الراسخون في العلم احدها ان الركن والشرط فيهما شيأن * احدهما الاصلى الذى هو داخل حقيقة الشئ او لازمه الذى لايعتد به بدونه بالنظر الى اصل الغرض منه كالدعاء وفعل الانحناء الدال على التعظيم والتنبه لخلق الطهارة والخشوع وهذا القسم من شانه ان لايترك في المكره والمنشط سواء اذ لايتحقق من العمل شئ عند تركه *، وثانيهما التكميلى الذى انما شرع لكونه واجبا لمعنى آخر محتاجا الى التوقيت ولاوقت له احسن من هذه الطاعة او لانه آلة صالحة لاداء اصل الغرض كاملا وافرا، وهذا القسم من شانه ان يرخص فيه عند المكاره، وعلى هذا الاصل ينبغى ان تخرج الرخصة في ترك استقبال القبلة الى التحرى في الظلمة ونحوها، وترك ستر العورة لمن لايجد ثوبا، وترك الوضوء الى التيمم لمن لا يجد ماء، وترك الفاتحة الى ذكر من الاذكار لمن لايقدر عليها، وترك القيام الى القعود والاضطجاع لمن لايستطيعه، وترك الركوع والسجود الى

وہ صرف سر جھکا کر نماز پڑھ سکتا ہے ؂

دوم قاعدہ یہ ہے کہ بدل میں کوئی ایسی شئ ضرور باقی رکھنا چاہئے جس سے اصل یاد آئے اور معلوم ہو جائے کہ یہ اسکا نائب اور بدل ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ رخصتوں کو مشروع کر کے غرض مطلوب کو ثابت کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے عمل سے الفت بدستور باقی رہے اور نفس کو پہلے عمل کا انتظار سا باقی رہے، یہی وجہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنے کے لئے موزہ پہننے کے وقت طہارت کا ہونا شرط قرار دیا گیا، اور اس مسح کی ایک مدت قرار دی گئی جس سے مسح کا اختتام ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے قبلہ میں تحری کو شرط قرار دیا گیا ؂

سوم قاعدہ یہ ہے کہ ہر حرج کی صورت میں رخصت نہ دیجائے اسلئے کہ حرج واقع ہونے کے بہت سے اسباب ہیں، پس اگر ہر ایک میں رخصت دی جائے تو طاعت بالکل متروک ہو جائے، اور رخصتوں میں زیادہ اہتمام کرنے سے محنت اور سختی کی برداشت بالکل مفقود ہو جائے، اور سختی کو برداشت کرنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کی پیروی ہو رہی ہے اور نفس میں استقامت ہے۔ اسواسطے حکمتِ الٰہی کا یہی مقتضیٰ ہوا کہ رخصتوں کا تعلق انہی وجوہ سے ہو جو کثیر الوقوع ہیں اور وہ اکثر پیش آتی ہیں، بالخصوص وہ ان لوگوں کو زیادہ پیش آتی جنکی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے اور جن کی عادات کے موافق شریعت متعین ہوئی ہے، اور یہ بھی مناسب نہیں کہ حتی الامکان طاعت کے موثر بالخاصیت ہونیکو لحاظ نہ کیا جائے اسیواسطے سفر میں قصر نماز جائز ہوا، اور مشقت کے کاموں میں کاشتکاروں یا اور کاریگروں کے قصر کرنا جائز نہیں کیا گیا۔ اور خوشحال مسافر کے لئے بھی وہ چیز جائز کر دی گئی جو غیر آسودہ حال مسافر کے لئے جائز ہوئی۔

قضاء کے چند اقسام ہیں، بعض قضا بمثل معقول ہوتی ہے اور بعض بمثل غیر معقول، اور جبکہ اصل طاعت خداوندی حکم کی دل سے طاعت کرنا اور نفس میں خداوندی تعظیم قائم کرنا ہے تو جس شخص کا عمل بغیر قصد کے ہوتا ہے یا اس کا قصد کامل نہیں ہوتا اور نہ اچھی طرح تعظیم پر پابند ہو سکتا ہے تو اس کو معذور سمجھنا چاہئے اور اسکو زیادہ تنگی میں نہ ڈالنا چاہئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو اسی پر

الانحناء لمن لا يستطيعهما ؂

الاصل الثاني انه ينبغي ان يلتزم في البدل شئ يذكر الاصل ويشعر بانه نائبه وبدله، وسره تحقيق الغرض المطلوب من شرع الرخص وهو ان تبقى الالفة بالعمل الاول وان تكون النفس كالمنتظرة، ولذلك اشترط في المسح على الخفين الطهارة وقت اللبس وجعل له مدة ينتهي اليها واشترط التحري في القبلة ؂

والاصل الثالث انه ليس كل حرج يرخص لاجله فان وجوه الحرج كثيرة والرخصة في جميع ذلك تفضي الى اهمال الطاعة والاستقصاء في ذلك ينفي العناء ومقاساة التعب وهو المعرف لانقياد الشرع واستقامة النفس فاقتضت الحكمة ان لا يدور الكلام الا على وجوه كثر وقوعها و عظم الابتلاء بها لاسيما في قوم نزل القران بلغتهم وتعينت الشريعة في عاداتهم، ولا ينبغي ان يجاوز من ملاحظة كون الطاعة مؤثرة بالخاصية متى ما امكن، ولذلك شرع القصر في السفر دون الاكتساب الشاقة ودون الزراع والعمال وجوز للمسافر المترفة ما جوز لغير المترفة والقضاء منه قضاء بمثل معقول ومنه بمثل غير معقول، و لما كان اصل الطاعة انقياد القلب لحكم الله ومواخذة النفس بتعظيم الله كان كل من عمل عن غير قصد ولا عزيمة او هو من جنس من لا يتكامل قصده ولا يتمكن من مؤاخذة نفسه بالتعظيم كما ينبغي من حقه ان يعذر وان لا يضيق عليه كل التضييق

معمول کرنا چاہے، آپ نے فرمایا "میری امت میں تین شخص مرفوع القلم ہیں ایک وہ جو نیند میں ہو، دوم وہ جو لڑکا ہو، سوم وہ جو کم عقل ہو" یعنی ان سے مؤاخذہ نہیں کیا جاتا - واللہ اعلم۔

گیارہواں باب (۶۳) :- تدابیر کی اقامت اور رسوم کی اصلاح کا بیان

ہم نے پہلے صراحۃً یا اشارۃً ذکر کیا ہے کہ تدابیر ثانی یا ثالث جن پر آدمی مجبول ہے اور جن کی وجہ سے وہ تمام حیوانات سے ممتاز ہے، ان تدابیر کا چھوڑ دینا یا ان میں سستی کرنا لوگوں کے لئے محال ہے، اور لوگ ان تدابیر کے اکثر حصہ کے پورا کرنے میں ایسے حکیم کے محتاج ہوتے ہیں جو انسانی ضرورتوں سے واقف ہو - ان تدابیر سے منتفع ہونے کا طریقہ جانتا ہو، مصالح کلیہ کا لحاظ رکھتا ہو، وہ غور و فکر سے ان اصول کو مستنبط کرتا ہو یا اسکے نفس میں پیدائشی طور پر قوت ملکی موجود ہو جس کی وجہ سے اسکا نفس ملاء اعلےٰ کے علوم نازل ہونے کے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہو، یہ طریقہ انکشاف کا ان دونوں طریقوں میں سے زیادہ کامل اور قابل اعتماد ہوتا ہے۔

تدابیر کے باب میں رسوم کو ایسا ہی درجہ حاصل ہے جیسے دل کو بدن میں حاصل ہے - اور رسموں میں ایسے لوگوں کی سرداری کی وجہ سے خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جنکو عقل کلی سے کچھ مس نہیں ہوتا اور وہ درندوں کے سے اعمال یا شہوانی اور شیطانی افعال کرتے ہیں اور لوگوں میں ان کو رواج دیتے ہیں اور اکثر لوگ ان کے پیرو ہو جاتے ہیں - اور اسکے علاوہ اور وجوہ سے بھی رسوم میں ابتری بڑھ جاتی ہے، بہر حال ان رخنوں کو روکنے کیلئے ایک ایسے شخص کی ضرورت پڑتی ہے جو غیب سے مؤید ہو اور مصلحت کلیہ کا پابند ہو تاکہ ان رسوم کو راہ راست کی جانب ایسی تدابیر کے ذریعہ مائل کردے جن کیطرف رہبری اکثر انہی لوگوں کو ہوا کرتی ہے جو روح القدس سے مؤید ہوتے ہیں۔

پس جب اسقدر آپ کو معلوم ہو چکا تو اب سمجھنا چاہیے کہ انبیاء کی بعثت اگرچہ اولاً اور بالذات عبادت کے طریقوں کی تعلیم دینے کے لئے ہوتی ہے لیکن ان کے ساتھ ساتھ یہ ارادہ بھی شامل ہوتا ہے کہ

وعلى هذا ينبغي ان يخرج قوله صلى الله عليه وآله وسلم رفع القلم عن ثلاثة الحديث والله اعلم

باب اقامة الارتفاقات واصلاح الرسوم

قد ذكرنا فيما سبق تصريحا او تلويحا ان الارتفاق الثاني والثالث مما جبل عليه البشر وامتاز وابه عن سائر انواع الحيوان محال ان يتركوهما او يهملوهما وانهم يحتاجون في كثير من ذلك الى حكيم عالم بالحاجة وطريق الارتفاق منها منقاد للمصلحة الكلية اما مستنبط بالفكر والروية او يكون نفسه قد جبلت فيها قوة ملكية فيكون مهيا لنزول علوم من الملا الاعلى - وهذا اتم الامرين واوثق الوجهين - وان الرسوم من الارتفاقات هي بمنزلة القلب من الجسد، وانه قد يدخل في الرسوم مفاسد من جهة تراس قوم ليس عندهم مسكة العقل الكلي فيخرجون الى اعمال سبعية او شهوية او شيطانية فيروجونها فيقتدي بهم اكثر الناس - ومن جهة اخرى نحو ذلك فتمس الحاجة الى رجل قوي مؤيد من الغيب منقاد للمصلحة الكلية ليغير رسومهم الى الحق بتدبير لا يهتدي له في الاكثر الا المؤيدون من روح القدس، فان كنت قد احطت علما بما هنالك، فاعلم ان اصل بعثة الانبياء وان كان لتعليم وجوه العبادات اولا وبالذات لكنه قد تضمن مع ذلك

خراب رسوم کو مٹا دیا جائے اور تدابیر کے طریقوں کی رغبت دلائی جائے، آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا یہی مطلب ہے "میں دفوں اور لہوؤں کے مٹانے کے لئے پیدا ہوا ہوں"، اور ارشاد فرمایا ہے "میں مکارم اخلاق کے پورا کرنے کو بھیجا گیا ہوں"۔

واضح ہو کہ نہ تو خدا تعالیٰ کی مرضی اس میں ہے کہ تدابیر دوم وسوم متروک کر دی جائیں اور نہ انبیاء میں سے کسی نے ایسا حکم کیا ہے۔ اور معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے۔ جو پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے ہیں اور برائی بھلائی میں انھوں نے لوگوں سے میل جول بالکل ترک کر دیا ہے اور وحشیوں کی طرح ہو گئے ہیں اسی واسطے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا رد فرمایا جس نے عورتوں سے کنارہ کشی چاہی تھی اور فرمادیا "میں رہبانیت سکھلانے کے لئے نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ میں تو ایک پاک اور آسان دین کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں"۔ البتہ انبیاء علیہم السلام تدابیر ومنافع میں میانہ روی کا حکم دیتے تھے کہ نہ تو عیش وآرام میں مستغرق لوگوں کی حالت سلاطین عجم کی سی، اور نہ یہ کہ لوگوں کی زندگی پہاڑی باشندوں کی سی ہو جو وحشیوں سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔

اس موقعہ پر دو قیاس باہم متعارض ہیں، ایک یہ کہ آسودگی اور آرام سے بسر کرنا عمدہ بات ہے جس سے مزاج صحیح ہوتا ہے، اخلاق درست ہوتے ہیں اور وہ اوصاف ظاہر ہوتے ہیں جن کی وجہ سے انسان اپنے تمام ابنائے جنس سے ممتاز ہے، غباوت اور عاجزی وغیرہ اوصاف سوء تدبیر سے پیدا ہوتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ آسودگی بری چیز ہے، اس سے باہمی نزاع پیدا ہوتا ہے، تکالیف جھیلنی پڑتی ہیں، جانب غیب سے اسکی وجہ سے اعراض ہو جاتا ہے، اخروی تدابیر کو آسودگی کی وجہ سے لوگ ترک کر دیتے ہیں، اسی واسطے پسندیدہ امر میانہ حالت ہے اور یہ کہ تدابیر کو باقی رکھیں اور ان کے ساتھ اذکار وآداب کو ملائیں، اور عالم جبروت کی جانب متوجہ ہونے کے لئے فرصت کے متلاشی رہیں۔

اس باب میں تمام انبیاء علیہم السلام نے جو خدا کی جانب سے لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے وہ یہی ہے کہ لوگوں کی حالت دیکھنی چاہیئے، ان کے کھانے پینے کے آداب، لباس،

ارادة اخمال الرسوم الفاسدة والحث على وجوه من الارتفاقات، وذلك قوله صلى الله عليه وآله وسلم بعثت لمحق المعازف وقوله عليه الصلوة والسلام بعثت لاتمم مكارم الاخلاق - واعلم انه ليس رضا الله تعالى في اهمال ارتفاق الثاني والثالث ولم يأمر بذلك احد من الانبياء عليهم السلام وليس الامر كما ظنه قوم فروا الى الجبال وتركوا مخالطة الناس راسا في الخير والشر وصاروا بمنزلة الوحش، ولذلك رد النبي صلى الله عليه وآله وسلم على من اراد التبتل وقال ما بعثت بالرهبانية وانما بعثت بالملة الحنيفية السمحة لكن الانبياء عليهم السلام امروا بتعديل الارتفاقات وان لا يبلغ بها حال المتعمقين في الرفاهية كملوك العجم ولا ينزل بها الى حال سكان شواهق الجبال اللاحقين بالوحش، وههنا قياسان متعارضان احدهما ان الترفه حسن يصح به المزاج ويستقيم به الاخلاق ويظهر به المعاني التي امتاز به الآدمي من سائر بني جنسه، والغباوة والعجز ونحوهما تنشأ من سوء التدبير، وثانيهما ان الترفه قبيح لاحتياجه الى منازعات في مشاجرات وكد وتعب واعراض عن جانب الغيب واهمال لتدبير الآخرة، ولذلك كان المرضي التوسط وابقاء الارتفاقات وضم الاذكار معها والآداب وانتهاز فرص للتوجه الى الجبروت، والذي اتى به الانبياء قاطبة من عند الله تعالى في هذا الباب هو ان ينظر الى ما عند القوم من آداب الاكل و

تعمیر اور آرائش کے اسباب کیا ہیں، ان میں نکاح کا طریقہ کیا ہے اور زن وشوہر کس طرح باہم پیش آتے ہیں، وہ باہمی خرید و فروخت کن وجوہ سے کرتے ہیں، جرائم سے باز رکھنے کے لئے کیا کیا تعزیرات ان میں مستعمل ہیں، مقدمات کا فیصلہ وہ کس طرح کرتے ہیں، پس اگر یہ امور رائے کلی کے مطابق اور مناسب ہوں تو ان میں کسی قسم کی تبدیلی بے معنی ہے بلکہ لوگوں کو ان کی پابندی پر اور زیادہ آمادہ کرنا چاہئے اور انکی ان کی رائے کو درست کہنا اور ان امور کی مصلحتیں بیان کردینا چاہئے۔ اور اگر وہ امور رائے کلی کے موافق نہ ہوں اور ان امور میں اس وجہ سے تبدیلی کی ضرورت پیش آئے کہ ان کے سبب سے ایک شخص دوسرے کے لئے ایذا رساں ہو سکتا ہو یا دنیوی لذات میں ان کی وجہ سے زیادہ انہماک ہو یا ان کی وجہ سے آخرت اور اچھی باتوں سے اعراض ہوتا ہو، یا ان کی وجہ سے بے غمی پیدا ہوتی ہو جن سے دنیا و آخرت کی مصلحتیں فوت ہوتی ہوں یا اسی طرح کی کوئی اور بات پیش آتی ہو تو اسوقت ضروری ہے کہ ان امور کی تبدیلی ایسی صورت میں کرنا چاہئے جو لوگوں کے مالوف کے بالکل مخالف نہ ہو بلکہ ایسے نظائر میں ان کو تبدیل کرنا چاہئے جو لوگوں میں شائع ہوں، یا ایسے نظائر کی جانب ان کو بدلیں جو ایسے صالحین میں مشہور ہوں جن کی بھلائی کی لوگوں کی زبان شہادت دیتی رہی ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ تبدیل شدہ امور ایسے ہوں کہ اگر وہ انکے سامنے پیش کئے جائیں تو ان کی عقلیں ان امور کو رد نہ کریں بلکہ اسپر مطمئن ہوجائیں کہ یہ تبدیلی حق اور صحیح ہے، اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں اختلاف واقع ہوا۔ وہ لوگ جنکا علم راسخ ہے اس امر کو خوب جانتے ہیں کہ شریعت نے ابواب نکاح، طلاق، معاملات، زینت، لباس، فیصلہ جات، حدود، تقسیم میراث میں وہ امور مقرر نہیں کئے ہیں جن سے لوگ ناواقف ہوں، یا ان کے مکلف کرنے سے وہ تردد میں پڑجائیں، بلکہ شریعت نے ان امور کی کجی کو درست کردیا ہے اور کمزور حالت کو مضبوط کردیا ہے۔ اسوقت کے لوگوں میں سود خواری کی کثرت ہوگئی تھی پس اس سے وہ روک دیے گئے۔ اور باغوں کے پھل کار آمد ہونے سے پیشتر فروخت کردیا کرتے تھے اور جب پھلوں کو نقصان پہنچتا تھا تو باہم جھگڑا کرتے تھے۔

الشرب واللباس والبناء ووجوه الزينة ومن سنة النكاح وسيرة المتناكحين ومن طرق البيع والشراء ومن وجوه المزاجر عن المعاصي وفصل القضايا ونحو ذلك فان كان الواجب بحسب الرأي الكلي منطبقا عليه فلا معنى لتحويل شئ منه من موضعه ولا العدول عنه الى غيره بل يجب ان يحث القوم على الاخذ بما عندهم وان يصوب رايهم في ذلك ويرشد والى ما فيه من المصالح وان لم ينطبق عليه ومست الحاجة الى تحويل شئ او اخماله لكونه مفضيا الى تاذى بعضهم من بعض او تعمقا في لذات الحياة الدنيا واعراضا عن الاحسان او من المسليات التي تؤدى الى اهمال مصالح الدنيا والاخرة ونحو ذلك فلا ينبغي ان يخرج الى ما يباين مالوفهم بالكلية بل يحول الى نظير ما عندهم او نظير ما اشتهر من الصالحين المشهود لهم بالخير عند القوم، وبالجملة فالى ما لو القى عليهم لم تدفعه عقولهم بل اطمأنت بانه حق، ولهذا المعنى اختلفت شرائع الانبياء عليهم السلام والراسخ في العلم يعلم ان الشرع لم يجئ في النكاح والطلاق والمعاملات والزينة واللباس والقضاء والحدود وقسمة الغنيمة بما لم يكن لهم به علم او يتردد وا فيه اذا كلفوا به نعم انما وقع اقامة المعوج وتصحيح السقيم كان قد كثر فيهم الربا فنهوا عنه وكانوا يبيعون الثمار قبل ان يبدو صلاحها يختصمون ويحتجون

اسواسطے اس بیع سے بھی روکے گئے۔ عبدالمطلب کے زمانہ میں دیت کے دس اونٹ معین تھے جب انھوں نے دیکھا کہ اب بھی لوگ قتل سے باز نہیں آتے تو سو اونٹ مقرر کردیئے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی سو باقی رکھے اور سب سے پہلے قسامۃ[1] ابوطالب کے حکم سے واقع ہوئی تھی ۔ اور سردار قوم کے لئے مال غنیمت میں چہارم حصہ مقرر تھا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکی جگہ ہر غنیمت میں سے خمس مقرر فرمایا قباذ اور اسکے بیٹے نوشیرواں نے لوگوں پر خراج اور عشر مقرر کیا تھا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کے قریب قریب قرار دیا۔ بنی اسرائیل زانیوں کو سنگسار کرتے تھے اور چوروں کے ہاتھ کاٹتے تھے، جان کے بدلہ جان لیتے تھے' پس قرآن میں بھی یہی احکام نازل ہوئے ۔ اس قسم کے احکام بے شمار ہیں جو تتبع کرنے والے پر مخفی نہیں ہیں بلکہ اگر کوئی فہیم ہو احکام کے اطراف وجوانب پر اسکی نظر محیط ہو تو ضرور اس کو یہ بات معلوم ہوجائے گی کہ انبیاء علیہم السلام نے عبادات میں سوائے ان امور کے جو لوگوں میں پائے جاتے تھے یا ان کی نظیر تھے کوئی نیا طریقہ مقرر نہیں کیا ہاں انبیاء نے جاہلیت کی تحریفات کو مٹایا اور مبہم احکام کو اوقات وارکان سے منضبط کردیا اور جو پوشیدہ تھے ان کو لوگوں میں شائع کیا۔

واضح ہو کہ ایران اور روم میں جبکہ سالہا سال سے سلطنت چلی آئی اور دنیوی لذت میں مستغرق ہوگئے اور دار آخرت کو بھول گئے اور شیطان ان پر غالب آگیا تو وہ معیشت کے اسباب پیدا کرنے میں ہمہ تن مصروف ہوگئے، اور ان اسباب پر فخر کرنے لگے ۔ اطراف عالم سے حکماء کی ان کے پاس آمد ورفت رہی' یہ لوگ معاش کے دقائق اور کار آمد باتیں مستنبط کرتے رہے، پس ہمیشہ وہ ان امور پر عملدر آمد کرتے رہے، ہر ایک شخص دوسرے پر ان امور میں سبقت کرنے اور فخر کرنے کی کوشش کرتا رہا یہاں تک کہ یہ بات مشہور ہوگئی کہ اگر ان کے سرداروں میں سے جو شخص ایسی پیٹی یا تاج نہ رکھتا تھا جسکی قیمت لاکھ درہم سے

[1] قاتل کا حال معلوم نہ ہو تو قسم سے فیصلہ کیا جائے ۱۲

بعاهات تصيبها فنهوا عن ذلك البيع وكانت الدية على عهد عبد المطلب عشرة من الابل فلما رای ان القوم لا يرتدعون عن القتل بلغها مائة فابقاها النبي صلى الله عليه وسلم على ذلك، واول قسامة وقعت هي التي كانت بحكم ابي طالب وكان لرئيس القوم مرباع كل غارة فسن رسول الله صلى الله عليه وسلم الخمس من كل غنيمة و كان قباذ وابنه انوشروان وضعا عليهم الخراج والعشر فجاء الشرع بنحو من ذلك وكانوا بنو اسرائيل يرجمون الزناة و يقطعون السراق ويقتلون النفس بالنفس فنزل القران بذلك وامثال هذه كثيرة جدا لا تخفى على المتتبع بل لو كنت فطنا محيطا بجوانب الاحكام لعلمت ايضا ان الانبياء عليهم السلام لم يأتوا في العبادات غير ما عندهم هو او نظيره لكنهم نفوا تحريفات الجاهلية وضبطوا بالاوقات و الاركان ما كان مبهما واشاعوا بين الناس ما كان خاملا ؛

اعلم ان العجم والروم لما توارثوا الخلافة قرونا كثيرة وخاضوا في لذة الدنيا ونسوا الدار الآخرة واستحوذ عليهم الشيطان تعمقوا في مرافق المعيشة وتباهوا بها وورد عليهم حكماء الآفاق يستنبطون لهم دقائق المعاش ومرافقه فما زالوا يعملون بها ويزيد بعضهم على بعض و يتباهون بها حتى قيل انهم كانوا يعيرون من كان يلبس من صناديدهم منطقة او

کم ہوتی تھی، یا جس کے پاس بلند محل، آبزن، حمام اور باغ نہ ہوتے تھے اور اسکے پاس عمدہ عمدہ گھوڑے اور خوبصورت غلام نہ ہوتے تھے اور اس کو کھانے اور پینے میں فراغ دستی نہ ہوتی تھی اور لباسوں میں تجمل نہ ہوتا تھا تو اس پر طعن و تشنیع کرتے تھے، ایسے ہی بہت سے امور تھے جنکا ذکر کرنا طوالت ہے۔ اور اپنے شہروں کے سلاطین کے حالات جو تم خود دیکھ رہے ہو ان کے ہوتے ہوئے ان گذشتہ کے حالات بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ پس یہ تکلفات ان کے اصول معاش میں اسطرح پیوست ہو گئے کہ اگر ان کے دلوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جاتا تو یہ باتیں ان سے نکلنے والی نہ تھیں اور اس سے ایک ایسا سخت مرض پیدا ہوا جو شہر کے ایک ایک جزو میں سرایت کر گیا اور ایسی آفت برپا ہوئی جس سے نہ دہقانی بچا نہ بازاری اور نہ غریب بچا اور نہ امیر بلکہ یہ عیش و آرام کی آفت ہر ایک پر غالب آگئی تھی اور ان کے دست بگریباں ہو گئی تھی اور اس نے ہر ایک کو تھکا دیا تھا اور ایسے مصائب اور رنجشوں میں پھنسا دیا تھا جن کی کوئی انتہا نہ رہی، یہ عیش و آرام زیادہ تکالیف کے باعث اسلئے ہو گئے تھے کہ جب تک بہت سامان صرف نہ کیا جائے یہ لطف حاصل نہیں ہو سکتے اور مال کی اتنی مقدار حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کاشتکاروں، تاجروں اور پیشہ وروں پر ٹیکس زیادہ کئے جائیں ان پر سختی کیجائے اور اگر وہ ادا نہ کریں تو حکام ان سے جنگ کریں اور ان کو طرح طرح کی تکلیف دیں اور اگر وہ لوگ ان کے احکام کی تعمیل کرتے رہیں تو انکو بمنزلہ گدہے اور بیل کے کر دیں جو آب پاشی، جوتنے اور اناج کی کٹائی میں استعمال کئے جاتے ہیں، اور اگر ان کو ذخیرہ کیا جاتا ہے تو محض اپنے کام میں لانے کے لئے، پھر ذرا دیر بھی ان کو مشقت سے آرام نہیں دیا جاتا۔ یہ امراء ایسے ہی گرفتار بلا ہو کر سعادت اخروی کیطرف سر بھی نہیں اٹھا سکتے اور نہ اس مرتبہ کے قابل رہتے ہیں،

اور اکثر بڑی سے بڑی مملکت میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہوتا جس کو دین کا اہتمام اور خیال ہو۔ اور یہ عیش کے سامان بھی ایسے ہی لوگوں کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں جو کھانے، لباس، مکانات وغیرہا کے حاصل کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور کاروبار کے ان اصول کو جن پر نظام عالم کا مدار ہے ترک کرتے ہیں

تاج اقیمتها دون مائة الف درهم ولا یکون له قصر شامخ و ابزن وحمام وبساتین ولا یکون له دواب فارهة وغلمان حسان ولا یکون له توسع فی المطاعم وتجمل فی الملابس وذکر ذلك یطول وما تراه من ملوك بلادك یغنیك عن حکایاتهم فدخل کل ذلك فی اصول معاشهم وصار لا یخرج من قلوبهم الا ان تنزع وتولد من ذلك داء عضال دخل فی جمیع اعضاء المدینة وآفة عظیمة لم یبق منهم احد من اسواقهم ورستاقهم وغنیهم وفقیرهم الا قد استولت علیه واخذت بتلابیبه واعجزته فی نفسه وهاجت علیه غموما وهموما لا ارجاء لها وذلك ان تلك الاشیاء لم تکن لتحصل الا ببذل اموال خطیرة ولا تحصل تلك الاموال الا بتضعیف الضرائب علی الفلاحین والتجار واشباههم والتضییق علیهم فان امتنعوا قاتلوهم وعذبوهم وان اطاعوا جعلوهم بمنزلة الحمیر والبقر یستعمل فی النضح والدیاس والحصاد ولا تقتنی الا لیستعان بها فی الحاجات ثم لا تترك ساعة من العناء حتی صاروا لا یرفعون رؤسهم الی السعادة الاخرویة اصلا ولا یستطیعون ذلك وربما کان اقلیم واسع لیس فیهم احد یهمه دینه ولم یکن لیحصل ایضا الا بقوم یتکسبون بتهیئة تلك المطاعم والملابس والابنیة وغیرها ویترکون اصول المکاسب التی علیها بناء نظام العالم وصار عامة من

اور عموماً جو لوگ ان سے ملتے جلتے ہیں تو وہ ان سب امور میں انہی کی نقل کرتے ہیں ورنہ ان کو ان امراء کی خدمت میں باریابی نہ ہو اور نہ انکے دلوں میں ان کی کچھ وقعت رہے۔

اور تمام لوگ بادشاہ کے محتاج ہوتے ہیں، اس سے اپنی ضروریات کی کفالت چاہتے ہیں، بعض اسوجہ سے کہ وہ لشکری اور شہر کے منتظم ہیں یہ لوگ ان سرداروں کی روش تو اختیار کر لیتے ہیں لیکن اپنے فرائض ادا کرنے کا کچھ بھی قصد نہیں کرتے صرف اپنے رسوم اور سلف کے طریقہ کو پورا کرتے ہیں، اور بعض اسلئے کہ وہ شاعر ہیں جن پر انعام واکرام کرنے کے سلاطین عادی ہوتے ہیں، بعض اسلئے کہ وہ درویش اور پارسا ہیں، اور بادشاہوں کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اُن کی خبر گیری نہ کریں۔ اسواسطے یہ فرقے ایک دوسرے پر تنگی کرتے ہیں اور ان کے ذرائع معاش اسپر موقوف ہوتے ہیں کہ وہ بادشاہوں کی خدمت میں ہیں اُن سے نرم کلامی اور خوشامد سے پیش آئیں انہی فنون میں ان کی فکریں ڈوبی رہتی ہیں، اور ان کے اوقات ضائع ہوتے رہتے ہیں۔ پس جب ان اشغال کی کثرت ہو جاتی ہے تو لوگوں کے دلوں میں ایک خسیس حالت پیدا ہو جاتی ہے اور عمدہ اخلاق سے وہ اعراض کرتے ہیں،

اگر تم اس مرض کی حقیقت معلوم کرنا چاہو تو ان قوموں کو دیکھو جن میں کوئی سلطنت نہیں اور نہ لذیذ کھانوں اور عمدہ لباسوں میں انہماک ہے بلاشک تم ان اقوام میں سے ہر شخص کو آزاد پاؤ گے، نہ ان پر بھاری محصول مقرر ہوں گے جن سے ان کی کمر جھک گئی ہو پس ایسے لوگ دین وملت کے امور میں مصروف ہو سکتے ہیں۔ پھر انہی لوگوں کی حالت کو اسطرح خیال کرو کہ ان میں سلطنت قائم ہو جائے، سلاطین وامراء ان کو اپنا مطیع بنا کر ان پر اپنا قبضہ کر لیں۔

جب ایسی مصیبت زیادہ بڑھ گئی اور یہ بیماری سخت ہو گئی تو خدا تعالےٰ اور ملائکہ مقربین نے ان پر غصہ ظاہر فرمایا اور خدا کی مرضی ہوئی کہ اس مرض کو بالکل زائل کر دے اس واسطے اس نے ایک نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم کو بھیجا جس کا عجم اور روم سے کوئی میل جول نہ تھا، اس نے ان کے رسوم کو بالکل اختیار نہ کیا۔ اس پیغمبر کو خدا تعالےٰ نے ہدایت کے لئے میزان قرار دیا ہے،

يطوف عليهم يتكلفون محاكاة الصناديد في هذه الاشياء والا لم يجد وا عند هم حظوة ولا كانوا عند هم على بال، وصار جمهور الناس عيالا على الخليفة يتكففون منه تارة على انهم من الغزاة والمدبرين للمدينة يترسمون برسومهم ولا يكون المقصود دفع الحاجة ولكن القيام بسيرة سلفهم، وتارة على انهم شعراء جرت عادة الملوك بصلتهم، وتارة على انهم زهاد وفقراء يقبح من الخليفة ان لا يتفقد حالهم فيضيق بعضهم بعضا وتتوقف مكاسبهم على صحبة الملوك والرفق بهم وحسن المحاورة معهم والتملق منهم وكان ذلك هو الفن الذى تتعمق افكارهم فيه وتضيع اوقاتهم معه فلما كثرت هذه الاشغال تشبح فى نفوس الناس هيأت خسيسة واعرضوا عن الاخلاق الصالحة، وان شئت ان تعرف حقيقة هذا المرض فانظر الى قوم ليست فيهم الخلافة ولا هم متعمقون فى لذائذ الاطعمة والالبسة تجد كل واحد منهم بيده امره وليس عليه من الضرائب الثقيلة ما يثقل ظهره فهم يستطيعون التفرغ لامر الدين والملة ثم تصور حالهم لو كان فيهم الخلافة وملأوها وسخروا الرعية وتسلطوا عليهم فلما عظمت هذه المصيبة واشتد هذا المرض سخط عليهم الله والملائكة المقربون وكان رضاه تعالى فى معالجة هذا المرض بقطع مادته فبعث نبيا اميا صلى الله عليه وآله وسلم لم يخالط العجم والروم ولم يترسم برسومهم وجعله ميزانا يعرف به الهدى الصالح

جس کے ذریعہ ان طریقوں میں جو خدا کے نزدیک پسندیدہ یا ناپسندیدہ ہیں، تمیز ہوجاتی ہے خدا تعالٰے نے انکی عجمیوں کی رسموں کی مذمت بیان کرادی اور دنیوی زندگی میں مطمئن اور مستغرق ہوجانے کی قباحتیں ظاہر کرادیں اس پیغمبر کے دل میں خدا تعالٰے نے الہام فرمایا کہ وہ بڑے بڑے امور جن کے عجمی خوگر ہو گئے تھے اور ان پر فخر کرتے تھے لوگوں پر حرام ہیں، مثلاً ریشمی لباس، ارغوانی کپڑے پہننا، سنہری اور روپہلی برتن، سونے کے زیور، ایسے کپڑے جن میں تصویریں بنی ہوئی ہوں، مکانوں پر نقش و نگار کرنا وغیرہ، خدا تعالٰے نے مقدر کردیا کہ انکی دولت سے انکی دولتوں کا خاتمہ کردے اور انکی حکومت سے ان کی حکومتوں کا خاتمہ کردے انکے وجود سے کسریٰ ہلاک ہوگیا اب اسکے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا، اور ہلاک ہوگیا قیصر اب کوئی قیصر نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ زمانہ جاہلیت میں ایسے ایسے جھگڑے پیدا ہوگئے تھے جن سے تمام لوگ تنگ آگئے تھے اور ان کا رفع ہونا جب ہی ممکن تھا کہ ان کو اصل سے ہی ختم کردیا جائے جیسے مقتولوں کے بدلہ میں خون لینا، ایک شخص دوسرے کو قتل کردیتا تھا پھر مقتول کا ولی قاتل کے بھائی یا بیٹے کو مار ڈالتا تھا پھر اس مقتول کا ولی بھی قاتل کے بھائی یا بیٹے کو قتل کرتا تھا اور اسیطرح سے ہیر پھیر رہتا تھا اسکے رفع کرنے کیلئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تمام خون میرے اس پاؤں کے نیچے باطل کردئے گئے اور سب سے پہلے میں نے ربیعہ کے خون کو معاف کیا۔"

اور اسیطرح سے میراث کے باب میں قوم کے رؤسا مختلف طور پر فیصلے کیا کرتے تھے اور اس زمانہ کے لوگ غصب اور سود خوری وغیرہ سے باز نہیں آتے تھے اور اسی پر عملدرآمد کرتے تھے۔ پھر اسکے بعد ایک اور زمانہ آیا تھا جس میں لوگ طرح طرح کی دلیلیں پیش کرتے تھے، اسواسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سرے سے یہ جھگڑا ہی ختم کردیا اور فرمایا زمانہ اسلام میں ہر چیز کی تقسیم قرآن کے موافق ہوگی اور جو شئی زمانہ جاہلیت میں تقسیم ہوچکی یا وہ کسی نہ کسی طرح کسی شخص کے قبضہ میں آگئی تو وہ بدستور اپنے حال پر باقی رہے گی اور وہ اس سے نہ لیجائیگی، مثلاً سود، اس زمانہ میں کوئی شخص قرض دیتا تھا اور کسیقدر اسپر بیشی کی شرط کرلیا کرتا تھا اسکے بعد مدیون کو تنگ کرتا تھا اور اصل و شرط کو اصل سرمایہ قرار دیتا تھا اور اسپر اور بیشی کی شرط کرلیا کرتا تھا اسیطرح

المرضى عند الله من غير المرضى وانطقه بذم عادات الاعاجم وقبح الاستغراق في الحياة الدنيا والاطمئنان بها ونفث في قلبه ان يحرم عليهم رؤس ما اعتاده الاعاجم وتباهوا بها كلبس الحرير والقسي والارجوان واستعمال أواني الذهب والفضة وحلى الذهب غير المقطع والثياب المصنوعة فيها الصور وتزويق البيوت وغير ذلك وقضى بزوال دولتهم بدولته ورياستهم برياسته وبانه هلك كسرى فلا كسرى بعده وهلك قيصر فلا قيصر بعده واعلم انه كان في اهل الجاهلية مناقشات ضيقت على القوم وصعبت ولم يكن زوالها الا بقطع رؤسهم في ذلك الباب كثأر القتلى كان الانسان يقتل انسانا فيقتل ولى المقتول اخا القاتل او ابنه ويعود هذا فيقتل واحدا منهم ويدور الامر كذلك فقال النبي صلى الله عليه وسلم كل دم موضوع تحت قدمي هذه واول دم اضعه دم ربيعة وكالمواريث كان رؤساء القوم يقضون فيها بقضايا مختلفة وكان الناس لا يمتنعون من نحو غصب وربا فيمرقون على ذلك ثم ياتي قرن آخر فيحتجون بحجج فقطع النبي صلى الله عليه وسلم المناقشة من بينهم فقال كل شئ ادركه الاسلام يقسم على حكم القرآن وكل ما قسم في الجاهلية او حازه انسان في الجاهلية بوجه من الوجوه فهو على ما كان لا ينقض وكالربا كان احدهم يقرض مالا ويشترط زيادة ثم يضيق عليه فيجعل المال وما اشترط جميعا اصلا ويشترط الزيادة عليه وهلم جرا

بڑھتے بڑھتے وہ مال ایک تو دو ہو جاتا ہے، پس آپنے سرے سے سود ہی کو مٹا دیا اور اصل سرمایہ ادا کرنیکا حکم فرمایا، اور فرمایا "نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ کسی کا ظلم سہو" انکے علاوہ اور بھی بہت سی خرابیاں تھیں کہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود نہ ہوتا تو لوگ ان کو ترک کرنے والے نہ تھے۔

واضح ہو کہ بہت سی رسمیں اسواسطے مشروع ہوئی ہیں کہ لوگوں کی دلی رنجشیں دور ہو جائیں جیسے پانی پلانے میں ابتداء دائیں جانب سے کرنا، اسلئے کہ بعض اوقات مخالف لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی بزرگی تسلیم نہیں کرتا جس سے کہ ابتداء کیجائے تو دفع خصومت کیلئے اسی قسم کا کوئی طریقہ ہو سکتا ہے اور جیسے (امامت جنازہ میں) مالک مکان کا امامت کرنا اور جب دو شخص ایک گھوڑے پر سوار ہونیکا قصد کریں تو گھوڑے کے مالک کا آگے بیٹھنا اور ساتھ والے کا پیچھے بیٹھنا وغیر ذالک، واللہ اعلم۔

بارہواں باب (۶۴) - ان احکام کا بیان جو ایک دوسرے سے پیدا ہوتے ہیں

خدا تعالےٰ فرماتا ہے "ہم نے تجھ سے پہلے انہی لوگوں کو پیغمبر کیا ہے جن پر وحی بھیجی ہے اگر تم نہیں جانتے ہو تو ذکر والوں سے دریافت کر لو" اور ہم نے تجھ پر قرآن اسواسطے نازل کیا ہے کہ تو لوگوں سے نازل شدہ باتیں بیان کر دے اور امید ہے کہ لوگ غور کریں"۔

واضح ہو کہ خدا تعالےٰ نے نبی علیہ السلام کو اسواسطے مبعوث کیا ہے کہ لوگوں کو وہ عبادت کے طریقے بیان فرمادیں جو بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہوئے ہیں تاکہ لوگ اس پر عمل کریں، اور گناہوں کے ابواب کو بتلا دیں تاکہ لوگ ان سے پرہیز کریں، اور عمدہ تدابیر سے آگاہ کریں تاکہ لوگ اسکا اتباع کریں۔ اسی بیان میں یہ بھی ہے کہ نبی لوگوں کو ان امور کی بھی تعلیم دے جو وحی کے اقتضاء یا ایماء سے ثابت ہوں۔

اور یہ قواعد کلیہ ہیں جن پر احادیث نبوی کا بہت بڑا حصہ منطبق کیا جاتا ہے ہم یہاں اس میں سے بڑے بڑے قواعد ذکر کرتے ہیں۔ ان قواعد میں سے ایک یہ ہے کہ جب عادت الہی اس طور پر جاری ہے کہ اسباب کو مرتب کرکے مسببات کو ان سے پیدا کرتا ہے تاکہ وہ مصلحت حاصل ہو جائے جو خدا تعالیٰ کی حکمت بالغہ

حتى يصير قناطير مقنطرة فوضع الربا وقضى برأس المال لا يظلمون ولا يظلمون، الى غير ذلك من امور لم تكن لتترك لولا النبي صلى الله عليه وسلم.

واعلم انه ربما يشرع للناس رسم قطعا لضغائنهم كالابتداء من اليمين في السقي ونحوه فانه قد يكون ناس متشاكسون ولا يسلم الفضل لبيد أصاحبه فلا تنقطع المناقشة بينهم الا بمثل ذلك وكامامة صاحب البيت وكتقدم صاحب الدابة على رفيقه اذا ركباها ونحو ذلك والله اعلم.

باب الاحكام التي يجر بعضها البعض

قال الله تعالى "وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحي اليهم فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون بالبينت والزبر وانزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم ولعلهم يتفكرون" اعلم ان الله تعالى بعث نبيه صلى الله عليه وسلم ليبين للناس ما اوحاه اليه من ابواب العبادات ليأخذوا بها ومن ابواب الآثام ليجتنبوها وما ارتضاه لهم من الارتفاقات ليقتدوا بها، ومن هذا البيان ان يعلمهم ما يقتضيه الوحي او يومي اليه ونحو ذلك.

وهذه اصول يخرج عليها جملة عظيمة من احاديث النبي صلى الله عليه وسلم ونذكر ههنا معظمها، منها ان الله تعالى اذا اجرى سنته على نحو بأن رتب الاسباب مفضية الى مسبباتها لتنتظم المصلحة المقصودة بحكمته

اور رحمت کاملہ سے مقصود ہے تو اس انتظامی حالت کا مقتضا ر یہ ہے کہ مخلوق الہی کو بدل دینا شر کی بات ہوگی اور خرابی برپا کرنے کی کوشش ہوگی اور ملاء اعلےٰ سے نفرت نازل ہونیکا سبب بنے گی، پس جبکہ خدا تعالےٰ نے انسان کو اس طرح پیدا کیا کہ اکثر اوقات اسکی پیدائش ایسی نہ ہو جسطرح کیڑے مکوڑے زمین سے پیدا ہو جاتے ہیں، اور حکمت الہی کا مقتضا ر بھی یہ تھا کہ نوع انسانی باقی رہے بلکہ کثرت کے ساتھ دنیا میں پھیلے تو اس نے انسان میں تناسل کے قویٰ پیدا کئے اور طلب نسل کی انکو رغبت دلائی اور خواہش نفسانی کو ان پر غالب کر دیا تاکہ اسکی وجہ سے اللہ تعالےٰ اس کام کو پورا کر دے جسکو اسکی حکمت بالغہ نے ضروری قرار دیا ہے،

جب خدا تعالےٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس راز پر مطلع کر دیا اور اصلی حالت آپ پر بالکل منکشف ہوگئی تو ضروری ہوا کہ آپ اس راستہ کے بند کرنے کو یا ان قویٰ کے معطل کر دینے کو یا ان کے بیجا استعمال کو منع فرمائیں، یہی وجہ ہے کہ خصی کرنے سے اور لواطت سے نہایت سختی کے ساتھ منع کر دیا اور عزل[1] کو مکروہ قرار دیا،

واضح ہو کہ جب لوگوں کا مزاج سلیم ہوتا ہے اور ان کے مادہ میں احکام نوعی کے ظہور کی قوت ہوتی ہے تو اسکی ایک معین صورت اور شکل ہوتی ہے، یعنی قد کا سیدھا ہونا، جلد کا صاف ہونا وغیرہ ذالک، یہ امور لوگوں میں نوع کا حکم، ارکا مقتضا ر اور اثر ہوتے ہیں، اور عالم بالا کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ انواع باقی رہیں اور ان کی صورتیں زمین پر باقی رہیں اسی واسطے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً کتوں کو مار ڈالنے کا حکم کیا تھا لیکن بعد میں اس کو منع فرما دیا اور ارشاد کیا "کتا بھی گروہوں میں سے ایک گروہ ہے" یعنی یہ ایک نوع ہے جس کو اللہ تعالےٰ موجود رکھنا چاہتا ہے اور اس کا زمین سے مٹا دینا خدا کو پسند نہیں اس قسم کی خواہش کا یہ اثر ہے کہ نوع کے احکام تمام افراد نوع میں ظہور پذیر ہوں اس واسطے اس خواہش کے خلاف کرنا اور اس کے رد کرنے میں کوشش کرنا قبیح اور مصلحت کلی کے خلاف ہے،

البالغة ورحمته التامة اقتضى ذلك ان يكون تغيير خلق الله شرا وسعيا في الافساد وسببا لترشح النفرة عليه من الملا الاعلى، فلما خلق الله الانسان على وجه لا يتكون في اكثر الاوقات والاحيان من الارض تكون الديدان منها وكانت حكمته تقتضي بقاء نوع الانسان بل انتشار افراده وكثرتهم في العالم اودع فيهم قوى التناسل ورغبهم في طلب النسل وجعل الغلمة مسلطة عليهم منهم ليقضي الله بذلك امرا اوجبته الحكمة البالغة، فلما اطلع الله النبي صلى الله عليه وسلم على هذا السر وكشف عليه جلية الحال اقتضى ذلك ان ينهى عن قطع هذا السبيل واهمال تلك القوى المقتضية او صرفها في غير محلها ولذلك نهى اشد النهي عن الخصاء واللواطة وكره العزل واعلم ان افراد الانسان عند سلامة مزاجها وتمكين المادة احكام النوع من نفسها تكون على هيئة معلومة من استواء القامة وظهور البشرة ونحو ذلك وهذا احكم النوع ومقتضاه واثره في الافراد، وفي الخبر العالي طلب واقتضاء لبقاء الانواع وظهور اشباحها في الارض ولذلك كان النبي صلى الله عليه وسلم امر بقتل الكلاب ثم نهى عن ذلك وقال، انها امة من الامم، يعني ان النوع له مقتض عند الله ونفي اشباحه من الارض غير مرضي وهذا الاقتضاء ينجر الى اقتضاء ظهور احكام النوع في الافراد فمناقضة هذا الاقتضاء والسعي في رده قبيح مناف للمصلحة الكلية وعلى هذه القاعدة يخرج

[1] یعنی انزال کے وقت عورت سے علیحدہ ہو جانا تاکہ حمل نہ قرار پائے ۱۲

اسی قاعدہ سے ان بدنی تصرفات کا حکم نکلتا ہے جن کو نوعی احکام نہیں چاہتے
جیسے خصی کرنا، اگلے دانتوں کے بیچ میں کشادگی پیدا کرنا اور چہرہ سے بالوں
کا چننا وغیر ذالک، لیکن آنکھوں میں سرمہ لگانا یا بالوں میں کنگھی کرنا یہ ایسے
امور ہیں جن سے احکام مقصودہ کے ظہور کو مدد ملتی ہے اور انکے موافق ہیں،

جب خدا تعالٰے نے بنی آدم کے لئے ایک شریعت مقرر کر دی جس سے
ان کے حالات منتظم اور درست ہوں اور عالم بالا میں بھی اس شریعت کے
ظہور کا منشا تھا اسلئے شریعت کی حالت بھی انواع کی سی ہوگئی جو زمین میں
اپنے افراد کا ظہور چاہتی ہے اور اسیوجہ سے شریعت کے بگاڑنے میں سعی
کرنا عالم بالا میں ناراضی کا باعث ہے، ان کے مقتضار کے بالکل خلاف
اور ان کی سطح ہمت سے بعید ہے۔ ایسے ہی وہ منافع اور تدابیر بھی بمنزلہ
امر طبعی کے ہوگئے ہیں جن پر لوگوں کے عام فرقوں نے عرب ہوں یا
عجم ادنی ہوں یا اعلٰے اتفاق کر لیا ہے۔

اور جبکہ اللہ تعالے نے قسموں اور دستاویزوں کو مشروع فرمایا
جن سے اصل حال اور واقعہ کا انکشاف ہوتا ہے تو اس سے یہ ضروری
ہوگیا کہ جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم خدا اور اسکے ملائکہ کی نظر میں ناخوشی کا
باعث ہے۔

ان قواعد میں سے یہ بھی ہے کہ جب خدا تعالٰے اپنے پیغمبر کو کسی حکم
شرعی کی وحی کرتا ہے اور اسکی حکمت اور سبب بھی بتا دیتا ہے تو نبی کو
مناسب ہے کہ اس مصلحت کا پابند ہو جائے اور اسکی کوئی علت مقرر
کرکے اس حکم کا مدار علیہ اس علت کو ٹھیرائے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کا قیاس ہے۔ اور امت کا قیاس یہ ہے کہ حکم منصوص کی علت معلوم
کرکے جہاں علت پائی جائے وہاں اس حکم کو بھی پہنچا دیں اسکی مثال
وہ اذکار ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح، شام اور سوتے وقت
معین فرمائے، اس لئے کہ جب آپ نماز کے مشروع ہونیکی حکمت
پر مطلع ہوگئے تو آپ نے یہ بھی اجتہاد سے ثابت کر لیا۔

انہی قواعد میں سے یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کسی آیت سے سیاق کلام کی وجہ دریافت فرما لیتے تھے اگرچہ
اور لوگ دقت کلام یا کثرت احتمالات کے ہونے سے وجہ نہ سمجھ سکتے تھے

التصرف في البدن بما لا يقتضيه حكم النوع
كالخصاء والتفلج والتنمص ونحو ذلك، اما
الكحل والتسريح فان ذلك كالاعانة على ظهور
الاحكام المقصودة والموافقة بها، ولما شرع
الله تعالى لبني آدم شريعة ينتظم بها شملهم
ويصلح بها حالهم وكان في الملكوت داعية
لظهورها كان امرها كامر الانواع في طلب
ظهور الاشباح في الارض ولذلك كان السعي
في اهمالها مسخوطا عند الملأ الاعلى منافرا
لما هو مقتضاهم ومطمح هممهم وكذلك
الارتفاقات التي اجمع عليها طوائف الناس
من عربهم وعجمهم واقاصيهم وادانيهم فهي
كالامر الطبيعي

فلما شرع الله تعالى الايمان والبينات
موضحة لجلية الحال اقتضى ذلك ان تكون
شهادة الزور واليمين الكاذبة مسخوطة
عند الله وملائكته، ومنها انه اذا اوحي
اليه بحكم من احكام الشرع واطلع على حكمته
وسببه كان له ان ياخذ تلك المصلحة وينصب
لها علة ويدير عليها ذلك الحكم وهذا قياس
النبي صلى الله عليه وسلم وانما قياس امته
ان يعرفوا علة الحكم المنصوص عليه فيديروا
الحكم حيث دارت، مثاله الاذكار التي وقتها
النبي صلى الله عليه وسلم بالصبح والمساء و
وقت النوم فانه لما اطلع على حكمة شرع
الصلوات اجتهد في ذلك، ومنها انه اذا فهم
النبي صلى الله عليه وسلم من آية وجه سوق
الكلام وان لم يكن غيره يفهم منه ذلك لدقة
مأخذه او تزاحم الاحتمالات فيه كان له ان

تو آپ اپنے فہم کے موافق حکم دیتے تھے جیسے خداتعالےٰ کا قول ہے، "کہ صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں"۔ اس آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ صفا کو مروہ پر مقدم کرنے سے اس امر کے بیان کی موافقت ہوتی ہے جو لوگوں کے لئے مشروع ہوا ہے جیسے کہ یہ تقدیم کبھی موافقتِ سوال یا کسی اور وجہ سے ہوتی ہے پس آپ نے فرما دیا "جس چیز سے خدا نے ابتدا کی ہے اسی سے تم بھی ابتدا کرو"۔ اور ایسے ہی اجتہاد کی مثال یہ بھی ہے، خداتعالےٰ فرماتا ہے "سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ انکے خالق کو سجدہ کرو"۔ اور نیز خداتعالےٰ کا قول ہے "جب چاند ڈوب گیا تو ابراہیمؑ نے کہا میں ڈوبنے والے کو پسند نہیں کرتا"۔ ان دونوں آیتوں کے مضمون سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھ گئے کہ کسوف اور خسوف کی حالت میں عبادتِ الٰہی کرنا مستحب ہے۔ اور خداتعالےٰ کے اس قول سے "مشرق و مغرب خدا ہی کے لئے ہے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھ لیا کہ نماز کی حالت میں استقبال قبلہ فرض ہے اور عذر کی حالت میں اسکی فرضیت ساقط ہو سکتی ہے۔ اسی سے آپ نے اس شخص کا حکم مستنبط کیا جس نے تحری سے شبِ تاریک میں نماز پڑھی اور سمت قبلہ اسکو ٹھیک معلوم نہ ہوئی اور کسی اور سمت رُخ کر کے اس نے نماز پڑھ لی۔ اور اسی آیت سے آپ نے اس شخص کے متعلق بھی حکم معلوم کر لیا جو شہر سے باہر سواری پر نوافل پڑھتا ہے ❊

انہی قواعد میں سے یہ بھی ہے کہ جب خدا کسی شخص کو لوگوں سے معاملہ کرنے کا حکم دیتا ہے تو یہ اس امر کا مقتضی ہے کہ لوگوں کو ان معاملات میں اسکی اطاعت کا حکم دیا جائے۔ جب قاضیوں کو حدود الٰہی قائم کرنیکا حکم دیا گیا تو سرکشوں کو ان کے احکام کی فرماں برداری کرنیکا حکم دیا گیا۔ اور جب مصدق کو قوم سے زکوٰۃ وصول کرنیکا حکم دیا تو لوگوں کو یہ حکم کیا گیا کہ مصدق جب ان کے پاس سے واپس آئے تو ناخوش واپس نہ آئے۔ اور جب عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم دیا تو مردوں کو حکم دیا کہ اپنی نگاہیں ان سے نیچی رکھیں ❊

اور انہی قواعد میں سے یہ ہے کہ جب کسی شئی سے منع کیا جائے تو اس کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ اسکے خلاف کا وجوباً یا استحباباً حکم کیا جائے جیسا موقع کے مناسب ہو، اور جب کسی شئی کے کرنیکا حکم کیا جائے تو اسکی ضد منع کر دی جائے۔ پس جب نماز جمعہ پڑھنے اور اسکی طرف سعی کرنیکا حکم دیا گیا تو ضرور ہے کہ خرید و فروخت اور دیگر مشاغل اس وقت میں ممنوع قرار دیئے جائیں ❊

اور انہی قواعد میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی شئی کے واجب ہونے کا حکم کیا جائے تو مناسب ہے کہ اسکے مقدمات اور دواعی کی ترغیب دیجائے اور جب نہ

يحكم حسبما فهم كقوله تعالى "ان الصفا والمروة من شعائر الله" فهم منه النبي صلى الله عليه وسلم ان تقديم الصفا على المروة لاجل موافقة البيان لما هو المشروع لهم كما قد يكون لموافقة السوال ونحو ذلك فقال "ابدءوا بما بدا الله به"، وكقوله تعالى "لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا لله الذي خلقهن" وقوله تعالى "فلما افل قال لا احب الأفلين"، فهم منهما النبي صلى الله عليه وسلم استحباب ان يعبدوا الله تعالى عند الكسوف والخسوف، وكقوله تعالى "ولله المشرق والمغرب" الأية فهم منه ان استقبال القبلة فرض يحتمل السقوط عند العذر فخرج حكم من تحرى في الليلة الظلماء فاخطأ جهة القبلة وصلى لغيرها وحكم الراكب على الدابة يصلي النافلة خارج البلد، ومنها انه اذا امر الله تعالى احداً بشئ من معاملة الناس اقتضى ذلك ان يؤمر الناس بالانقياد له فيها فلما امر القضاة ان يقيموا الحدود اقتضى ذلك ان يؤمر العصاة بان ينقادوا لهم فيها، ولما امر المصدق باخذ الزكوة من القوم امروا ان لا يصدر عنهم الا راضيا، ولما امر النساء ان يستترن امر الرجال ان يغضوا ابصارهم عنهن، ومنها انه اذا نهى عن شئ اقتضى ذلك ان يؤمر بضده وجوبا او ندبا حسب اقتضاء الحال واذا امر بشئ اقتضى ذلك ان ينهى عن ضده فلما امر بصلاة الجمعة والسعي اليها وجب ان ينهى عن الاشتغال بالبيع والمكاسب حينئذ، ومنها انه اذا امر بشئ حتما اقتضى ذلك ان يرغب في مقدماته ودواعيه واذا نهى

کسی شئی کو قطعی طور پر منع کیا جائے تو ضروری ہے کہ اسکے داعی اور اسباب کی بندش کر دیجائے اور ان کو نابود کر دیا جائے۔ اور جبکہ بت پرستی گناہ تھی اور تصویروں و بتوں سے میل ملاپ بت پرستی کی طرف لیجا سکتا تھا جیسا کہ پہلی امتوں میں یہ چیز پیش آچکی ہے اسواسطے ضروری ہوا کہ مصوروں سے مواخذہ کیا جائے۔ اور جبکہ شراب پینا گناہ تھا اسواسطے ضروری ہوا کہ شراب بنانے والوں سے مواخذہ کیا جائے اور جس دسترخوان پر شراب ہو اسمیں حاضر ہونا منع کر دیا جائے۔ اور جب کہ فتنہ کے وقت جنگ و جدال گناہ تھا اسواسطے ضروری ہوا کہ ایسے وقت میں ہتھیاروں کی فروخت سے منع کر دیا جائے۔

اور سیاست مدن میں اس باب کی نظیر یہ ہے کہ جب حکام کو کھانے پینے میں زہر دیے جانے کا خوف ہوتا ہے تو دوا فروشوں سے عہد ہو جاتا ہے کہ زہریلی چیزوں کی بیع نہ کریں مگر اس قدر کہ جس سے پینے والا اکثر ہلاک نہ ہو۔ اور جب کسی قوم کی خیانت کا حال معلوم ہوتا ہے تو ان کو گھوڑوں پر چڑھنے کی اور ہتھیار رکھنے کی ممانعت ہو جاتی ہے۔ اور اسی طرح باب عبادت میں جب نماز تمام نیکی کے ذرائع میں بلند مرتبہ تھی تو ضرور ہوا کہ لوگوں کو جماعت کا شوق دلایا جائے تاکہ نماز کی پابندی میں اس سے مدد ملے، اور یہ بھی ضرور ہوا کہ اذان کی رغبت لوگوں میں پیدا کیجائے تاکہ سب لوگ ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ جمع ہو سکیں۔ اور ایسے ہی لوگوں کو مساجد کی تعمیر اور مساجد کے پاکیزہ اور ستھرا رکھنے پر آمادہ کرنا ضرور ہے، اور جبکہ ابر وغیرہ کیجا تعیین ماہ رمضان کی پہلی تاریخ کا معلوم کرنا ماہ شعبان کے دنوں کے شمار کرنے پر موقوف تھا تو ہلال شعبان کا خیال رکھنا مستحب ہو گیا،

اور سیاست مدینہ میں اس کی نظیر یہ ہے کہ جب دیکھتے ہیں کہ تیر اندازی میں بڑی منفعت ہے تو زیادہ کمانیں بنانے، تیر بنانے اور ان کی تجارت کرنے کا حکم دیا جاتا ہے،

انہی قواعد میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی کام کے کرنیکا حکم دیا جائے یا کسی شئی کی ممانعت کیجائے تو ضرور ہے کہ فرماں برداروں کی عزت و شان ظاہر کیجائے اور نافرمانوں کی تحقیر کیجائے، اور جبکہ قرأت قرآن سے اسکی اشاعت اور اسکی تلاوت کا التزام مقصود تھا تو یہ امر مسنون قرار دیا گیا کہ

عن شئ حتما اقتضى ذلك ان يسد ذرائعه ويخمل دواعيه ولما كانت عبادة الصنم اثما وكانت المخالطة بالصور والاصنام مفضية اليه كما وقع فى الامم السالفة وجب ان يقبض على ايدى المصورين، ولما كان شرب الخمر اثما وجب ان يقبض على ايدى العصارين وينهى عن الحضور على المائدة التى فيها الخمر - ولما كان القتال فى الفتنة اثما وجب ان ينهى عن بيع السلاح فى وقت الفتنة ؛

ونظير هذا الباب من سياسة المدينة انهم لما اطلعوا على مفسدة دس السم فى الطعام والشراب اخذوا المواثيق من بائعى الادوية ان لا يبيعوا السم الا قدر الا يهلك شاربه غالبا، و لما اطلعوا على خيانة قوم اشترطوا عليهم ان لا يركبوا الخيل ولا يحملوا السلاح وكذلك باب العبادات لما كانت الصلوة اعظم ابواب الخير وجب ان يحض على الجماعة فانها اعانة على الاخذ بها ووجب ان يحض على الأذان ليحصل الاجتماع فى زمان واحد فى مكان واحد ووجب الحث على بناء المساجد وتطييبها وتنظيفها، و لما كانت معرفة اول يوم من رمضان متوقفة عند الغيم ونحوه على عدة شعبان استحب احصاء هلال شعبان، ونظيره من سياسة المدينة انهم لما رأوا فى الرمى منفعة عظيمة امروا بالاكثار من اصطناع القسى والنبل و التجارة فيها، ومنها انه اذا امر بشئ اونهى عن شئ اقتضى ذلك ان ينوه بشان المطيعين ويزدرى بالعصاة، ولما كانت قراءة القران مطلوبا شيوعها والمواظبة عليها وجب ان يسن ان

لوگوں کی امامت وہی شخص کرے جو سب سے عمدہ قرآن پڑھتا ہو اور مجالس میں قرآن پڑھنے والوں کی توقیر کیجائے، اور جبکہ زنا کی تہمت لگانا گناہ تھا تو ضروری ہوا کہ تہمت لگانیوالے کی شہادت قبول نہ کیجائے اور حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ بدعتی اور فاسق سے سلام وکلام کی ابتدا نہیں کرنا چاہئے تو وہ اسی پر محمول ہے، سیاست مدن میں اسکی نظیر یہ ہے کہ تیر اندازوں کو تنخواہ زیادہ دیجاتی ہے، ان کو انعام زیادہ ملتا ہے اور تقرر میں ان کو مقدم رکھا جاتا ہے،

انہی قواعد میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی شئ کا حکم کیا جائے یا اس سے روکا جائے تو اسکا پورا حق یہ ہے کہ لوگونکو امر کا حکم کر دیا جائے کہ دلی قصد سے اس پر اقدام کریں اور عزیمت قلبی سے منہی عنہ سے باز رہیں اور ان سے اس امر کا مطالبہ کیا جائے کہ دل میں اس کام کے کرنے کی خواہش رکھیں، اسیواسطے مہر اور قرض میں عدم ادائگی کے قصد کرنے پر نہایت سخت سرزنش وارد ہوئی ہے، اور انہی قواعد میں سے یہ بھی ہے کہ جس شئ میں خرابی کا احتمال ہو اسکو مکروہ قرار دیا جائے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص سوکر اٹھے وہ اپنا ہاتھ ہرگز برتن میں نہ ڈالے کیونکہ اسکو کیا معلوم کہ رات کو اس کا ہاتھ کس جگہ پر پڑا تھا"

حاصل کلام یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت اور عمدہ تدابیر کے احکام تعلیم فرمادیئے، اور اسیطرح سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیان فرمادیا اور ہر ایک باب کے متعلق بڑے بڑے احکام کو آپ نے مستنبط کیا، اس باب میں اور اس باب میں جو اسکے بعد آتا ہے جو امور بیان کئے گئے ہیں ان سب کو فقہاء امت نے علوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا اور ان کے دلوں نے نہایت تدبر سے ان کو یاد رکھا، پس جو کچھ انہوں نے اپنی تصنیفات میں لکھا ہے وہ انہی علوم نبوی سے حاصل ہوا ہے، واللہ اعلم۔

تیرہواں باب (۴۵): مبہم کے انضباط، مشکل کی تمیز اور کلیہ سے حکم نکالنے وغیرہ کا بیان

واضح ہو کہ بہت سی چیزیں جن کا نام لیکر حکم بتائے گئے ہیں، تقسیم اور مثال کی وجہ سے تو معلوم ہیں لیکن وہ اشیاء باعتبار اسی تعریف کے غیر معلوم ہیں جو جامع اور مانع ہو اور اس سے

لا يؤمهم الا اقرؤهم وان يوقر القراء في المجالس ولما كان القذف اثما وجب ان يسقط القاذف من مرتبة قبول الشهادة، وعلى ذلك يخرج ما ورد من النهي عن مفاتحة المبتدع والفاسق بالسلام والكلام، ونظيره من سياسة المدينة زيادة جائزة الرماة وتقديمهم في الاثبات والاعطاء، ومنها انه اذا امر القوم بشئ او نهوا عنه كان من حق ذلك ان يؤمروا بعزيمة الاقدام على هذا او الكف عن ذلك وان يؤاخذوا قلوبهم باضمار الداعية حسب الفعل ولذلك ورد التوبيخ عن اضمار ان يقصد عدم الاداء في القرض والمهر، ومنها انه اذا كان شئ يحتمل مفسدة كان من حقه ان يكره كقوله صلى الله عليه وسلم "فلا يغمس يده في الاناء فانه لايدري اين باتت يده" وبالجملة علم الله تعالى نبيه احكاما من العبادات والارتفاقات فبينها النبي صلى الله عليه وسلم بهذا النحو من البيان وخرج منها احكاما جليلة في كل باب باب، وهذا الباب من البيان مع الباب الذي يليه ان شاء الله تعالى تلقاهما فقهاء الامة من بين علوم النبي صلى الله عليه وسلم ووعاهما قلوبهم بتدبر فانشعب منهما اودعوه في مصنفاتهم وكتبهم والله اعلم ۔

باب ضبط المبهم وتمييز المشكل والتخريج من الكلية ونحو ذلك

اعلم ان كثيرا من الاشياء التي اديرت الاحكام على اساميها معلوم بالمثال والقسمة غير معلوم بالحد الجامع المانع الذي يكشف

ہر ہر فرد کا حال معلوم ہو جائے کہ یہ اس شئی کا فرد ہے یا نہیں۔ مثلاً سرقہ کی نسبت خدا تعالےٰ فرماتا ہے "چوری کرنے والے اور چوری کرنیوالی کے ہاتھ کاٹ ڈالو" خدا تعالےٰ نے حد، چور کے نام پر جاری کی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ بنی ابیرق، طعیمہ اور مخزومی عورت کے قصہ میں یہی سرقہ واقع ہوا تھا، اور یہ بھی معلوم ہے کہ غیر کا مال لینے کے چند اقسام ہیں منجملہ ان کے چوری ہے، رہزنی ہے، اچک لینا ہے، بد دیانتی ہے، زمین سے پڑی ہوئی چیز اٹھا لینا ہے، زبردستی چھین لینا ہے، اور منجملہ ان کے بے پروائی ہے ایسی صورتوں میں بسا اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر ہر صورت کے متعلق دریافت کرنے کی ضرورت پڑتی ہے کہ آیا یہ بھی چوری میں داخل ہے۔ ایسا سوال خواہ زبانی ہو یا حالی، اس لئے آپ پر ضروری ہے کہ چوری کی حقیقت اس طرح سے بیان فرمائیں کہ اس کے مشابہ چیزوں سے تمیز ہو جائے اور ہر ہر فرد کا حال واضح ہو جائے۔

اس تمیز کا طریقہ یہی ہے کہ ان چیزوں کے ذاتی امور دیکھے جائیں جو چوری میں نہ پائے جاتے ہوں، اور ان کی وجہ سے چوری اور غیر چوری میں امتیاز ہو جائے، ایسے ہی سرقہ کی ذاتیات میں نظر کرنا چاہیے جن کو اہلِ عرف اس لفظ سرقہ سے سمجھ جاتے ہیں، پھر سرقہ کی تعریف ان امور معلومہ کے ساتھ بیان کی جائے جنکی وجہ سے چوری ممیز ہو جائے، مثلاً یہ بات علم میں آتی ہے کہ رہزنی اور لڑائی وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جن سے مظلوموں کے مقابلہ میں قوت پر اعتماد کرنا پایا جاتا ہے اور ایسی جگہ اور ایسے وقت کو اختیار کرنا پایا جاتا ہے جہاں لوگوں کی جماعت مدد کے لئے نہیں پہنچ سکتی اور لفظ اختلاس بتلاتا ہے کہ لوگوں کی نظروں کے سامنے سے کوئی شئی اُچک لیجائے۔ اور لفظ خیانت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کسی قسم کی شرکت یا بے تکلفی یا حفاظت اس کی کی گئی تھی، اور لفظ التقاط سے کسی چیز کا بغیر حفاظت پایا جانا ثابت ہوتا ہے، اور لفظ غصب سے معلوم ہوتا ہے کہ مظلوم کی نسبت غاصب میں علانیہ قوت زیادہ تھی، اسکو لڑائی میں غالب آنے پر اعتماد تھا، یا یہ خیال تھا کہ حاکموں تک یہ قصہ نہ پہنچے گا یا ان پر پورا حال منکشف نہ ہوگا، یا رشوت وغیرہ دینے سے وہ سچا فیصلہ نہ کریں گے، اور بے پروائی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حقیر چیزوں میں اطلاق کیجاتی ہے جنکو عرف میں خرچ کرتے رہتے ہیں،

حال کل فرد فرد انه منه او لا کالسرقة قال الله تعالى السارق والسارقة فاقطعوا ايديهما، اجرى الحد على اسم السارق ومعلوم ان الواقع في قصة بني الابيرق وطعيمة والمرأة المخزومية هي السرقة ومعلوم ان اخذ مال الغير اقسام منها السرقة، ومنها قطع الطريق، ومنها الاختلاس ومنها الخيانة، ومنها الالتقاط، ومنها الغصب ومنها قلة المبالاة، وفي مثل ذلك ربما يسأل النبي صلى الله عليه وآله وسلم عن صورة صورة هل هي من السرقة سوال مقال او سوال حال فيجب عليه ان يبين حقيقة السرقة متميزة عما يشاركها بحيث يتضح حال كل فرد فرد، وطريق التميز ان ينظر الى ذاتيات هذه الاسامي التي لا توجد في السرقة ويقع بها التفارق بين القبيلتين والى ذاتيات السرقة التي يفهمها اهل العرف من تلك اللفظة ثم يضبط السرقة بامور معنوية يحصل بها التمييز فيعلم مثلا ان قطع الطريق والحرابة ونحوهما من الاسامي تنبئ عن اعتماد القوة بالنسبة الى المظلومين و اختيار مكان او زمان لا يلحق فيه الغوث من الجماعة، وان الاختلاس ينبئ عن اختطاف على اعين الناس وفي مرأى منهم ومسمع، و الخيانة تنبئ عن تقدم مشركة او مباسطة وحفظ الالتقاط ينبئ عن وجدان شئ في غير حرز، والغصب ينبئ عن غلبة بالنسبة الى المظلوم جهرة متعمدا على جدل اوظن ان لا ترفع القضية الى الولاة او لا ينكشف عليهم جلية الحال او لا يقضوا بالحق لنحو رشوة، وقلة المبالاة تقال في الشئ التافه الذي جرى العرف

اور اس سے ہمدردی کا اظہار کیا جاتا ہے جیسے پانی اور لکڑی، اور
سرقہ ایسا لفظ ہے جس سے مخفی طور پر لینا ثابت ہوتا ہے اسواسطے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرقہ کی حد چوتھائی دینار یا تین درہم مقرر کردی
تاکہ حقیر چیزوں سے تمیز ہو جائے' اور فرمایا کہ خیانت کرنے والے
اور لوٹنے والے اور اوچکے کا ہاتھ نہ کاٹا جائے' اور فرمایا کہ اس پھل
میں بھی ہاتھ نہ کاٹا جائے جو درخت پر لٹکتا ہو' اور نہ ایسی چیز میں جو پہاڑ
میں پڑی ہے' ان احادیث سے سرقہ میں حفاظت کا شرط ہونا پایا جاتا
ہے۔ اور منجملہ ان چیزوں کے جنکی تمیز جامع ومانع تعریف کے لحاظ سے
نہیں ہوسکتی انتہا درجہ کی عیش پسندی بھی ہے ایسی حالت فساد میں ڈالنے
والی ہے جسکی نہ ہی کچھ تعیین ہے اور نہ ہی اسکے پائے جانے کے مواقع
ظاہری نشانات سے متمیز ہیں جسکی وجہ سے ہر ایک ادنیٰ اور اعلیٰ کی گرفت
کی جاسکے اور اسمیں کسی کو شبہ نہ رہے کہ انہی امور میں عیش پسندی پائی جاتی
ہے۔ یہ امر معلوم ہے کہ عجمیوں کی عادات عمدہ عمدہ سواریوں' بلند مکانات'
بیش قیمت لباس' اور زیورات وغیرہ میں نہایت درجہ کی عیش پسندی
تک پہنچ گئی ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ لوگوں کی حالت مختلف ہونے
سے انکی عیش پسندی بھی مختلف ہوتی ہے' پس بعض لوگوں کا سامانِ عیش
دوسروں کی نظر میں تنگی اور سختی ہوتی ہے اور بہت سی چیزیں جو ایک ملک میں
عمدہ سمجھی جاتی ہیں دوسرے ملک میں وہی چیزیں نہایت حقیر خیال کیجاتی
ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ منافع کا حصول عمدہ شئ سے بھی ہوتا ہے اور
ناقص شئ سے بھی ہوتا ہے لیکن ردی اور ناقص شئ کا استعمال عیش پسندی
نہیں ہے' اور بغیر عمدگی کا قصد کئے کسی عمدہ شئ سے منتفع ہونا یا اکثر اوقات
میں کسی شخص کا عمدہ اشیاء کا پابند نہ ہونا عیش پسندی نہیں ہوسکتا اسواسطے
شرع نے ہر صورت میں عیش پسندی کی خرابیوں پر مطلع کیا ہے اور ان اشیاء
کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کردیا ہے جن سے لوگ صرف عیش و آرام ہی کے
لئے منتفع ہوتے ہیں اور ان سے عیش حاصل کرنا لوگوں کی عام عادت ہے' اور
شرع نے عجم اور روم کو گویا ان اشیاء پر متفق پایا تھا اسواسطے شرع نے
کمالِ عیش و آرام کے مواقع ان امور کو قرار دیکر ان کو حرام کردیا اور رشاذ
ونادر جن اشیاء سے نفع اٹھایا جاتا ہے یا اطراف وممالک میں انکی عادت
ہے ان پر شارع نے کچھ التفات نہیں کیا' پس حریر اور سونے چاندی کے
برتنوں کی حرمت اسی قبیل سے ہے۔ پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے عیش و آرام کی حقیقت اس کو پایا کہ ہر ایک امور نافع سے عمدہ شئ پسند کی جائے ؟؟

بذله والمواساة به كالماء والحطب، والسرقة
تنبئ عن الاخذ خفية فضبط النبي صلى الله عليه
واله وسلم السرقة بربع دينارا وثلاثة دراهم
ليتميز عن التافة" وقال ليس على خائن ولا
منتهب ولا مختلس قطع وقال" لا قطع فى ثمر
معلق ولا فى حريسة الجبل" يشير الى اشتراط
الحرز، وكالرفاهية البالغة فانها مفسدة غير
مضبوطة ولا متميز مواقع وجودها بامارات
ظاهرة يؤاخذ بها الادانى والاقاصى، ولا
يشتبه على احد ان الرفاهية متحققة فيها
معاوم ان عادة العجم فى اقتناء المراكب الفارهة
والابنية الشامخة والثياب الرفيعة والحلى
المترفة ونحو ذلك من الرفاهية البالغة، و
معلوم ان الترفه مختلف باختلاف الناس
فترفهُ قومٍ تقشفٌ عند الآخرين وجيد
اقليم تافه فى اقليم آخر ومعلوم ان الارتفاق قد يكون
بالجيد وبالردئ والثانى ليس بترفه والارتفاق
بالجيد قد يكون من غير قصد الى جودته
او من غير ان يكون ذلك غالبا عليه فى اكثر
امره فلا يسمى فى العرف مترفها فاطلق الشرع
التنبيه على مفاسد الرفاهية مطلقا وخص
اشياء وجدهم لا يرتفقون بها الا للترفه
ووجد الترفه بها عادة فاشية فيهم، ورأى
اهل العصر من العجم والروم كالمجمعين على
ذلك فنصبها مظنة للرفاهية البالغة وحرمها
ولم ينظر الى الارتفاقات النادرة ولا الى
عادة الاقاليم البعيدة فتحريم الحرير و
اوانى الذهب والفضة من هذا الباب، ثم
انه وجد حقيقة الرفاهية اختيار الجيد

اور ردی سے اعراض کیا جائے، اور کامل درجہ کی عیش پسندی یہ پائی کہ ایک جنس کی اشیار میں سے صرف عمدہ ہی کو اختیار کریں اور ردی کو بالکل ترک کر دیں اور معاملات میں ان معاملات کو بھی موجب عیش قرار دیا جن میں ایک جنس کی اشیار میں سے صرف عمدہ ہی کو اختیار کی جائیں اور ردی بالکل ترک کر دیجائیں، البتہ بعض بعض مادوں میں اسکا لحاظ نہ بھی کیا جاتا ہو لیکن قوانین شرع میں ایسے مادوں کا کچھ اعتبار نہیں، اسواسطے آپ نے ایسے معاملات کو بھی حرام قرار دیا کیونکہ یہ معاملات عیش پسندی کے لئے بمنزلہ صورت اور مثال کے ہیں ان کی تحریم بھی بمقتضائے طبع ہے کیونکہ مقتضائے طبع کے لحاظ سے عیش پسندی مکروہ امر ہے اور جب اسی مقتضائے طبیعت کیوجہ سے اشیار کے مواقع حرام ہیں تو ان مواقع کی صورتیں اور مثالیں بھی بطریقہ اولیٰ حرام ہوں گی پس نقد کو نقد کے بدلہ میں اور کھانے کی چیز کو اسی کے جنس کے بدلہ میں بڑھاکر فروخت کرنے کی حرمت اسی قاعدہ سے مستنبط ہے لیکن کسی عمدہ شئی کو زیادہ قیمت پر خریدنا حرام نہیں ہے کیونکہ قیمت اختلافِ جنس کے وقت ذات مبیع کی طرف رجوع کرتی ہے نہ کہ اسکے وصف کیطرف، ایسے ہی ایک لونڈی کا دو لونڈیوں کے بدلہ میں اور ایک کپڑے کا دو کپڑوں کے بدلہ میں خریدنا حرام نہیں ہوا اسلئے کہ یہ اشیار ذوات القیم میں سے ہیں اسواسطے قیمت کی زیادتی اس شئی خاص کے خواص کے بدلہ میں قرار دیجائیگی اور اسکا عمدہ پن انہی خواص میں مندرج ہو جائیگا، پس اس عمدہ پن کا بادی الرائے میں کچھ اعتبار نہ ہوگا۔ اور ہماری ان تمہیدات سے بہت سے نکتے جو اس باب سے متعلق ہیں منکشف ہو جاتے ہیں، مثلاً حیوان کے بدلہ حیوان کی بیع کے مکروہ ہونیکی وجہ وغیرہ ذالک، پس انہیں غور کرنا چاہیے۔

اور کبھی دو شئی آپس میں نہایت مشابہ ہوتی ہیں کہ ان دونوں میں مخفی امور کیوجہ فرق ہوتا ہے جنکو سوائے نبی علیہ السلام اور آپکی امت کے علمار کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا اسواسطے ضرورت پیش آئی کہ انمیں سے ہر ایک کی ظاہر علامت معلوم کیجائے نیکی اور برائی کا حکم ان دونوں اشیار کی علامات پر لگایا جائے اور انمیں تفریق کے احکام بیان کئے جائیں، مثال اسکی نکاح اور شہوت رانی ہے پس نکاح کی حقیقت اس مصلحت کو قائم کرنا ہے جس پر زن و شوہر میں باہم ہمدردی سے نسل کی طلب اور شرمگاہ کی حفاظت و دیگر وجوہ سے انتظام عالم موقوف ہے اور یہ تمام امور خدا کے نزدیک پسندیدہ اور مطلوب ہیں، اور شہوت رانی کی حقیقت نفس کو گمراہی کیطرف

من كل ارتفاق والاعراض عن رديئه، والرفاهية البالغة اختيار الجيد و ترك الردئ من جنس واحد و وجد من المعاملات ما لا يقصد فيه الا اختيار الجيد والاعراض عن الردئ من جنس واحد اللهم الا فى مواد قليلة لا يعبأ بها فى قوانين الشرائع فحرمها لانها كالشبح لمعنى الرفاهية و كالتمثال لها وتحريمها كالمقتضى الطبيعى لكراهة الرفاهية واذا كانت مظان الشئ محرمة لاجله وجب ان يحرم شبحه وتمثاله بالاولى، وتحريم بيع النقد والطعام بجنسهما متفاضلا مخرج على هذه القاعدة ولم يحرم اشتراء الجيد بالثمن الغالى لان الثمن ينصرف الى ذات المبيع دون وصفه عند اختلاف الجنس ولم يحرم اشترا جارية بجاريتين ولا ثوب بثوبين لانها من ذوات القيم فتنصرف زيادة الثمن الى خواص الشخص و تكون الجودة مغمورة فى تلك الخواص فلا يتحقق اعتبار الجودة بادى الراى، ومما مهدنا ينكشف كثير من النكت المتعلقة بهذا الباب كسبب كراهية بيع الحيوان بالحيوان وغير ذلك فليتدبر

وقد يكون شيان مشتبهين لا يتميزان لامر خفى لا يدركه الا النبى صلى الله تعالى عليه واله وسلم والراسخون فى العلم من امته فتمس الحاجة الى معرفة علامة ظاهرة لكل منهما وادارة حكم البر والاثم على علاماتهما واحكام التفريق بينهما، مثال النكاح والسفاح فحقيقة النكاح اقامة المصلحة التى يبنى عليها نظام العالم بالتعاون بين الزوج وزوجته وطلب النسل وتحصين الفرج ونحو ذلك و ذلك مرضى عنه مطلوب، وحقيقة السفاح جريان النفس فى غلوائها وامعانها فى

چھوڑنا، نفسانی خواہش کا اتباع کرنا، حیا کی پردہ دری کرنا اور اس سے آزاد ہو جانا، مصلحتِ کلی اور انتظام عالم کی راہ کو ترک کرنا ہے اور یہ امور خدا کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ اور ممنوع ہیں، لیکن نکاح اور شہوت رانی اکثر امور میں مشابہ ہیں کیونکہ دونوں خواہش نفسانی پورا کرنے میں، طبیعت کی شورش کے ازالہ میں، عورتوں کی جانب رغبت کرنے میں برابر ہیں، اسطرح سے دونوں اور امور میں بھی مشترک ہیں اسواسطے ضرورت ہوئی کہ ظاہری علامت سے ایک کو دوسرے سے بالکل الگ کر دیا جائے اور طلب و منع کا اس پر مدار ہو، پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی تعیین چند امور کے ساتھ قرار دی، منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ نکاح عورتوں سے کیا جائے نہ مردوں سے کیونکہ نسل کی طلب صرف عورتوں سے ہو سکتی ہے اور یہ کہ نکاح اپنے قصد، مشورہ اور اعلان کے ساتھ ہو اسی لئے گواہوں اور ولی کی موجودگی اور عورت کی رضامندی شرط کی گئی ہے، منجملہ ان امور کے ایک یہ ہے کہ دونوں اپنے نفس کو باہمی تعاون پر آمادہ کریں، اور یہ صورت اکثر اوقات جب ہی ہو سکتی ہے کہ نکاح دائمی اور لازمی ہو، اسکی کوئی میعاد معین نہ ہو، اسواسطے نکاح پوشیدگی میں (جو بغیر گواہوں کے ہو) اور متعہ اور لواطت حرام قرار پائے،

اور کبھی کوئی نیک کام ایسے کام کے مشابہ ہوتا ہے جو دوسرے نیک کام کے مقدمات میں سے ہوتا ہے اسواسطے ان دونوں میں فرق کی ضرورت ہوتی ہے جیسے قومہ اسلئے مشروع ہوا کہ رکوع اور سرنگوں ہونے میں جو سجدہ کے مقدمات میں سے ہے فرق ظاہر ہو جائے، اور کبھی کوئی شئی ایسی بھی ہوتی ہے جو بہت کارآمد اور ارتفاق میں داخل نہیں ہوتی، جیسے دو سجدوں کے درمیان جلسہ کرنا، اور کبھی کسی شئی کی شرط یا رکن حقیقت میں ایک امر خفی ہوتا ہے جو قلب سے متعلق ہوتا ہے پس اسکے لئے افعال بدنی میں سے کوئی فعل یا کوئی قول اس امر خفی کیلئے علامت قرار دیا جاتا ہے اور اسی کو رکن بنا دیا جاتا ہے تا کہ امر خفی کا انضباط ہو جائے جیسا کہ نیت، اور خدا کے لئے اخلاص سے کوئی کام کرنا امر خفی ہے اسلئے استقبال قبلہ اور تکبیر انکی علامت مقرر کر کے نماز میں اصل قرار دیئے گئے اور جب نص کسی صیغہ کے ساتھ مذکور ہو یا حال کسی نوع کو کسی حکم کا مدار بنانا چاہے اور پھر بعض مواقع میں اشتباہ واقع ہو جائے تو یہی مناسب ہے کہ اس صیغہ کی تفسیر میں یا اس نوع کی جامع و مانع تعریف معلوم کرنے میں

اتباع شهوتها وخرق جلباب الحياء والتقيد عنها وترك التعريج الى المصلحة الكلية والنظام الكلي وذلك مسخوط عليه ممنوع عليه وهما مشتبهان في أكثر الصور فانهما يشتركان في قضاء الشهوة وازالة الغلمة والميل الى النساء ونحو ذلك فمست الحاجة الى تمييز كل واحد عن صاحبه بعلامة ظاهرة وادارة الطلب والمنع عليها فخص النبي صلى الله عليه وآله وسلم النكاح بامور، منها ان يكون بالنساء دون الرجال فان طلب النسل لا يكون الا منهن، وان يكون من عزم ومشورة واعلان فشرط حضور الشهود والاولياء ورضا المرأة، ومنها توطين النفس على التعاون ولا يكون ذلك في الأكثر الا بان يكون دائما لازما غير مؤقت فحرم نكاح السر والمتعة وحرم اللواطة وربما يكون فعل من البر مشتبها بما هو من مقدمات الآخر فمس الحاجة الى التفرقة بينهما كالقومة شرعت فاصلة بين الركوع والانحناء الذي هو من مقدمات السجود وربما لا يكون الشئ متكثر الارتفاق كالجلوس بين السجدتين وربما يكون الشرط او الركن في الحقيقة امرا خفيا وفعلا من افعال القلب فينصب له امارة من افعال الجوارح او الاقوال ويجعل هو ركنا ضبطا للخفي به كالنية واخلاص العمل لله امر خفي فنصب استقبال القبلة والتكبير له مظنة وجعلا اصلا في الصلاة واذا ورد النص بصيغة او اقتضى الحال اقامة نوع مدارا للحكم ثم حصل في بعض المواد اشتباه فمن حقه ان يرجع في تفسير تلك الصيغة او تحقيق حد جامع مانع لذلك

عرف عرب کیطرف رجوع کیا جائے جیسے ماہِ رمضان کے روزے رکھنے کیلئے نص وارد ہوئی ہے لیکن ابر کیوقت شبہ پڑجاتا ہے اسواسطے اسکا حکم وہی ہوگا جو عرب کے عرف میں تھا کہ شعبان کے تیس دن پورے کرلئے جائیں اور یہ کہ مہینہ کبھی تیس روز کا ہوتا ہے کبھی انتیس کا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں یہی مراد ہے "ہم ان پڑھ لوگ ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں نہ حساب کرنا جانتے ہیں کہ مہینہ کتنے دن کا ہوتا ہے" الحدیث، ایسے ہی قصر میں سفر کے صیغہ کے ساتھ نص مذکور ہے۔ پھر بعض مواقع میں سفر کے معنی معلوم کرنے میں اشتباہ واقع ہوا اسلئے صحابہ نے حکم کیا کہ سفر گھر سے اتنی دور جانیکو کہتے ہیں کہ جہاں پورے ایک روز اور اس شب کے شروع حصہ میں نہ پہنچ سکے اور اسکے لئے ضروری ہے کہ اسکی مسافت ایک روز اور دوسرے روز کا کچھ حصہ ہو اسطرح پر سفر کا اندازہ چار بردوں کے ساتھ کیا گیا ہے،

واضح ہو کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کسی حکم کے ساتھ مخصوص کرنے میں اور آپ کی امت کے لئے اس حکم کے نہ ہونے میں عمدہ اور اصل یہ ہے کہ اس حکم کا مدار علیہ اس شئی کی حقیقت نہیں ہے بلکہ وہ حکم امر مظنون کی طرف رجوع کرتا ہے، چنانچہ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نماز عصر کے بعد دو رکعت نماز کے متعلق فرماتے ہیں کہ انکی ممانعت اسلئے کی گئی ہے کہ لوگ انکو وسیلہ نہ بنالیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت سے واقف تھے، پس حقیقت کے معلوم ہوجانے کے بعد آپ کی شان میں امر مظنون کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا، مثلاً چار عورتوں سے زیادہ سے شادی کرنے میں احتمال تھا کہ بیویوں کے ساتھ عمدہ معاشرت نہ ہو اور ان کے حقوق میں کسی قسم کی غفلت ہوجائے اور تمام لوگوں پر اس امر کا شبہ ہوسکتا ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے تھے کہ عورتوں کے ساتھ معاشرت میں کون سے امور پسندیدہ ہیں اسلئے خاص اپنے لئے جائز رکھا اور احتمالی مواقع کو ناجائز قرار دیا، یا وہ حکم رسم کی طرف رجوع کرتا ہے تہذیب نفس سے اسکا تعلق نہیں، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کے ساتھ کسی شرط کے لگانے سے منع فرمایا ہے پھر آپ نے حضرت جابرؓ سے ایک اونٹ اس شرط پر خریدا کہ مدینہ تک وہ جابر کی سواری میں رہے، یا وہ حکم ایسے شخص کو جو معصوم نہیں ہے کسی اور کام کیطرف لیجاتا ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روزہ دار کے بوسہ لینے کی بابت فرماتی ہیں "تم میں سے کون شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح خواہش نفس پر

النوع الى عرف العرب كما ورد النص فى الصوم بشهر رمضان ثم وقع الاشتباه فى صورة الغيم فكان الحكم ما عند العرب من اكمال عدة شعبان ثلاثين وان الشهر قد يكون ثلاثين يوما وقد يكون تسعة وعشرين وهو قوله صلى الله عليه وآله وسلم انا امة امية لا نكتب ولا نحسب الشهر كذا الحديث، وكما ورد النص فى القصر بصيغة السفر ثم وقع الاشتباه فى بعض المواد فحكم الصحابة انه خروج من الوطن الى موضع لا يصل اليه فى يومه ذلك ولا اوائل ليلته تلك ومن ضرورته ان يكون مسيرة يوم وشئ معتد به من اليوم الآخر فيضبط باربعة برد واعلم ان العمدة فى تخصيص النبى صلى الله عليه وسلم بحكم من بين امته ان يكون الحكم راجعا الى مظنة شئ دون حقيقته وهو قول طاؤس فى ركعتين بعد العصر انما نهى عنهما لئلا يتخذ سلما والنبى صلى الله عليه وسلم يعرف الحقيقة فلا اعتبار فى حقه للمظنة بعد ما عرف المئنة كتزوج اكثر من اربعة نسوة هو مظنة ترك الاحسان فى العشرة الزوجية واهمال امرهن ويشتبه على سائر الناس اما النبى صلى الله عليه وسلم فهو يعرف ما هو المرضى عنه فى العشرة الزوجية فامر بنفسه دون مظنته او يكون راجعا الى تحقيق الرسم دون معنى تهذيب النفس كنهيه عن بيع وشرط ثم ابتاع من جابر بعيرا على ان له ظهره الى المدينة او يكون مفضيا الى شئ بالنسبة الى من ليس له ملكة العصمة وهو قول عائشة رضى الله عنها فى قبلة الصائم ايكم يملك اربه كما كان رسول

غالب ہو سکتا ہے" یا وجہ تخصیص یہ ہوتی ہے کہ آپ کا نفسِ قدسی کسی خاص نیک امر کا مقتضی ہوتا ہے اس واسطے آپ پر اس کا کرنا واجب کر دیا جاتا ہے کیونکہ آپ کا نفس قدسی خدا تعالیٰ کی طرف زیادہ متوجہ ہونے کا اور غفلت کی چادر اُتار دینے کا بہت مشتاق تھا جیسے قوی آدمی زیادہ غذا کھانے کا آرزومند ہوتا ہے جیسا کہ ایک روایت کے بموجب تہجد اشراق اور چاشت کی نماز کی بابت ہے، واللہ اعلم ○

چودھواں باب (۶۶) :- مذہبی آسانیوں کا بیان

خدا تعالےٰ فرماتا ہے "خدا کی رحمت کے ساتھ لوگوں سے نرمی کرو اگر تم سخت دل سے پیش آؤ گے تو لوگ تمہارے پاس سے منتشر ہو جائیں گے" اور خدا تعالےٰ فرماتا ہے "خدا تعالےٰ اگر تمہارے حق میں آسانی کا ارادہ کرتا ہے نہ دشواری کا" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ ابن جبل کو یمن کیجانب روانہ کیا تو ان سے فرمایا "آسانیاں پیدا کرنا نہ دشواریاں، لوگوں کو خوش کرنا، متنفر نہ کرنا، باہم اتفاق رکھنا اختلاف نہ کرنا" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم آسانیاں بڑھانیکو پیدا ہوئے ہو نہ دشواریاں پیدا کرنے کو" اور آسانی چند وجوہات سے حاصل ہوتی ہے منجملہ ان کے یہ ہے کہ کسی دشوار امر کو عبادت کا رکن یا شرط نہ قرار دیا جائے اور اسکی اصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "اگر میں امت کے لوگوں پر دشوار نہ سمجھتا تو ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنیکا حکم دیتا" منجملہ ان کے یہ ہے کہ عبادات میں سے بعض امور کو ایسی رسومات بنا دیا جائے جن سے لوگ خوش ہوتے ہیں اور ان امور میں داخل کر دیا جائے جنکو لوگ اپنی نفسانی رغبتوں سے عمل میں لاتے ہیں مثلاً عیدین اور جمعہ، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "تاکہ یہودی جان لیں کہ ہمارے مذہب میں کیسی وسعت ہے" کیونکہ بڑے بڑے مجمعوں میں اپنے آپکو مزین کرنا اور فخر کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت کا طالب ہونا لوگوں کی عادت میں داخل ہے۔ منجملہ انکے یہ ہے کہ عبادات میں بعض وہ امور مسنون کر دیے جائیں جو لوگوں کو بالطبع مرغوب ہوں تاکہ جس امر کی عقل خواہاں ہے طبیعت بھی اسکی خواہاں رہے، پس دونوں رغبتیں جمع ہو کر ایک دوسرے کی مددگار رہیں اسلیے جسے مساجد کو پاک اور مزین رکھنا،

الله صلى الله عليه وسلم يملك اربه او تكون نفسه العالية مقتضية لنوع من البر فيؤمر به لان هذه النفس تشتاق الى زيادة التوجه الى الله والى زيادة خلع جلباب الغفلة كما يشتاق الرجل القوى الى اكل طعام كثير كالتهجد والضحى و الاضحية على قول والله اعلم ○

بابُ التَّيسِيرِ

قال الله تعالى "فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك"، وقال يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لابى موسى ومعاذ بن جبل رضى الله تعالى عنهما لما بعثهما الى اليمن "يسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا ولا تختلفا"، وقال صلى الله عليه وسلم فانما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين، والتيسير يحصل بوجوه، منها ان لا يجعل شئ يشق عليهم ركنا او شرطا لطاعة والاصل فيه قوله صلى الله عليه وسلم لولا ان اشق على امتى لامرتهم بالسواك عند كل صلاة، ومنها ان يجعل شئ من الطاعات رسوما يتباهون بها داخلة فيما كانوا يفعلونه بداعية من عند انفسهم كالعيدين والجمعة وهو قوله صلى الله عليه وسلم "ليعلم اليهود ان فى ديننا فسحة" فان التجمل فى الاجتماعات العظيمة والمنافسة فيما يرجع الى التباهى ديدن الناس، ومنها ان يسن لهم فى الطاعات ما يرغبون فيه بطبيعتهم ليكون الطبيعة داعية الى ما يدعو اليه العقل فيتعاضد الرغبتان ولذلك سن تطييب المساجد

اور جمعہ کے دن غسل کرنا اور خوشبو لگانا مسنون قرار دیا اور قرآن کو خوش الحانی سے پڑھنا اور اذان کا خوش آواز سے پڑھنا مستحب قرار دیا،

منجملہ ان کے یہ ہے کہ جس سے لوگوں کو دلی نفرت ہو اور ان کو وہ بوجہ معلوم ہو اسکو دور کر دیا جائے، اسی لئے غلام، اعرابی اور مجہول النسب کی امامت مکروہ قرار دی گئی ہے کیونکہ لوگ ایسے آدمیوں کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے دل گرفتہ ہوتے ہیں،

منجملہ ان کے یہ ہے کہ لوگوں پر وہ شئی باقی رکھی جائے جس کو اکثر لوگوں کی طبیعت چاہتی ہو یا اس امر کے ترک کرنے سے ان کے دل تنگ ہوتے ہوں، جیسے امامت کیلئے سب سے زیادہ مستحق سلطان اور مالک خانہ قرار دیئے گئے ہیں، اور جو شخص نئی عورت سے شادی کرے تو اس کے پاس سات روز یا تین روز رہ کر پھر ایام کو برابر تقسیم کر دے،

منجملہ ان کے یہ ہے کہ لوگوں کو علم و نصائح کی ہمیشہ تعلیم دیتا رہے، نیکی کا حکم کرتا رہے اور ممنوعات سے روکتا رہے تاکہ ان امور سے لوگوں کے دل بھر جائیں اور پھر احکام الٰہی کو بسہولت قبول کریں اور کلفت پیش نہ آئے، اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ لوگوں کو نصیحت فرماتے رہا کرتے تھے، منجملہ ان کے یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم بعض ان امور کو عمل میں لائیں جن کا لوگوں کو حکم کرتے ہوں یا ان کے کرنے میں لوگوں کو اختیار دیتے ہوں تاکہ آپ کے فعل سے لوگوں کو اعتبار حاصل ہو ٭

منجملہ ان کے یہ ہے کہ نبی ہمیشہ خدا سے دعا کرتا رہے کہ لوگ مہذب اور کامل بن جائیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے ذریعہ سے ان پر خدا کی جانب سے اطمینان اور تسکین ایسی نازل ہوتی رہے کہ لوگ آپ کے سامنے سر جھکا کر اسطرح بیٹھے رہیں گویا ان کے سر پر پرندے ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ جو شخص حق سے سرتابی کرے اسکی سرکوبی کر دکھائے اور اسکو محروم کر دیا جائے جیسے قاتل کو مقتول کے ورثے سے محروم کیا گیا، اور زبردستی کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی پس ایسا کرنا زبردستی کرنے والوں کو جبر اور اکراہ کرنے سے باز رکھیگا، جبکہ انکی غرض حاصل نہ ہوگی، منجملہ انکے یہ ہے کہ جن امور میں مشقت ہو انکو آہستہ آہستہ شروع کرنا چاہیے چنانچہ حضرت عائشہ کا اسی کے متعلق قول ہے کہ قرآن میں اول وہ مفصل سورتیں نازل ہوئیں جن میں صرف جنت اور دوزخ کا ذکر تھا، اور جب اسلام کیطرف لوگ آ گئے

وتنظيفها والاغتسال يوم الجمعة والتطييب فيه واستحب التغني بالقران وحسن الصوت بالأذان ٭

ومنها ان يوضع عنهم الاصر وما يتنفرون منه بطبيعتهم ولذلك كره امامة العبد والاعرابي ومجهول النسب فان القوم ينقبضون من الاقتداء بمثل ذلك، ومنها ان يبقى عليهم شئ مما تقتضيه طبيعة اكثرهم او يجدون عند تركه حرجا في انفسهم كالسلطان هو احق بالامامة وصاحب البيت احق بالامامة والذي ينكح امرأة جديدة يجعل لها سبعا او ثلاثا ثم يقسم بين ازواجه، ومنها ان يجعل السنة بينهم تعليم العلم والموعظة والامر بالمعروف والنهي عن المنكر لتمتلئ به اوعية قلوبهم فينقادوا للنواميس من غير كلفة وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتخولهم بالموعظة ومنها ان يفعل النبي صلى الله عليه وسلم افعالا هو يامرهم به او يرخصهم فيه ليعتبروا بفعله ٭

ومنها ان يدعو الله تعالى ان يجعل القوم مهذبين كاملين، ومنها ان تنزل عليهم سكينة من ربهم بواسطة الرسول فيصيروا بين يديه بمنزلة من على راسه الطير، ومنها ان يرغم انف من اراد غير الحق بتأييسه كالقاتل لا يرث والمكره في الطلاق لا ينفذ طلاقه فيكون كابحا للجبارين من الاكراه اذ لم يحصل غرضهم، ومنها ان لا يشرع لهم ما فيه مشقة الاشياء فشيئا وهو قول عائشة رضى الله عنها انما انزل اول ما نزل منه سور من المفصل فيها ذكر الجنة والنار حتى اذا ثاب الناس الى الاسلام نزل الحلال و

تو حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے اگر شروع ہی میں یہ نازل ہوتا کہ شراب مت پیو تو لوگ کہدیتے کہ ہم شراب کبھی ترک نہ کریں گے۔ اور اگر شروع ہی میں یہ نازل ہوتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہدیتے کہ ہم زنا کبھی ترک نہ کریں گے

منجملہ ان کے یہ ہے کہ نبی ایسے فعل کو ترک کر دے جس سے لوگوں کے دلوں میں تشویش پیدا ہو اسلئے بعض امور مستحبہ کو ترک کر دیا گیا ہے چنانچہ آں حضرت علیہ السلام کے اس قول سے جو آپنے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا، یہی مراد ہے "اگر تیری قوم سے کفر کا زمانہ قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کو منہدم کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کرتا"

منجملہ ان کے یہ ہے کہ شارع نے مختلف نیکیوں، وضو، غسل، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ کا خود حکم دیا اور ان امور کو لوگوں کی رائے پر موقوف نہ رکھا بلکہ ان سب کے ارکان، شروط و آداب وغیرہا کو منضبط کر دیا، پھر ان ارکان، شروط اور آداب کو زیادہ منضبط نہ کیا بلکہ ان کی تکمیل کو لوگوں کی عقلوں پر چھوڑ دیا کہ وہ ان الفاظ کے معانی اپنی عادات کے موافق خود سمجھ لیں مثلاً شارع نے یہ تو بیان کر دیا کہ بغیر سورہ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی لیکن حرفوں کے مخارج نہیں بیان کئے جن پر سورہ فاتحہ کا ٹھیک طور پر پڑھنا موقوف ہے اور نہ ان کی تشدیدات و حرکات و سکنات بیان فرمائے۔ اور نیز شارع نے یہ بیان کر دیا کہ استقبال قبلہ نماز میں شرط ہے لیکن کوئی ایسا قاعدہ نہیں بتایا جس سے استقبال قبلہ معلوم ہو سکے۔ اور اسی طرح یہ بھی بیان کر دیا کہ زکوٰۃ کا نصاب دو سو درہم ہے لیکن یہ نہیں بیان فرمایا کہ درہم کا وزن کتنا ہو اور جب اس قسم کی کوئی بات آپ سے دریافت کی گئی تو اسیقدر بتایا جسکو وہ سمجھ سکتے تھے اور کوئی ایسی بات نہیں بتلائی جو ان کی عادات میں نہیں تھی، اسی واسطے ماہ رمضان کے چاند کی نسبت فرما دیا اگر ابر ہو تو ماہ شعبان کے تیس روز پورے کر لو۔ اور اس پانی کی نسبت جو بیابان میں ہوتا ہے درندے اور چہار پائے وہاں آتے جاتے ہیں یہ فرمایا "جب پانی بقدر قلتین کے ہو تو ناپاک نہیں ہوتا"

اور ایسے امور کی اصل اہل عرب میں موجود تھی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ سب اشیاء کی حقیقتوں کا بیان کرنا انہی اشیاء کے ساتھ ممکن ہے جن میں ظہور، خفاء اور عدم انضباط ویسا ہی ہو،

الحرام ولو نزل اول شئ لا تشربوا الخمر لقالوا لا ندع الخمر ابدا ولو نزل لا تزنوا لقالوا لا ندع الزنا ابدا، ومنها ان لا يفعل النبي صلى الله عليه وسلم ما تختلف به قلوبهم فيترك بعض الامور المستحبة لذلك وهو قوله صلى الله عليه وسلم لعائشة لولا حدثان قومك بالكفر لنقضت الكعبة و بنيتها على اساس ابراهيم عليه السلام، ومنها ان الشارع امر بانواع البر من الوضوء والغسل والصلاة والزكوة والصوم والحج وغيرها ولم يتركها مفوضة الى عقولهم بل ضبطها بالاركان والشروط والآداب ونحوها ثم لم يضبط الاركان والشروط والآداب كثير ضبط بل تركها مفوضة الى عقولهم والى ما يفهمونه من تلك الالفاظ وما يعتادونه في ذلك الباب فبين مثلا انه لا صلوة الا بفاتحة الكتاب ولم يبين مخارج الحروف التي تتوقف عليها صحة قراءة الفاتحة وتشديداتها وحركاتها وسكناتها وبين ان استقبال القبلة شرط في الصلوة ولم يبين قانونا نعرف به استقبالها وبين ان نصاب الزكوة مائتا درهم ولم يبين ان الدرهم ما وزنه وحيث سئل عن مثل ذلك لم يزد على ما عندهم ولم ياتهم بما لا يجدونه في عاداتهم فقال في مسألة هلال شهر رمضان "فاذا غم عليكم فاكملوا عدة شعبان ثلاثين" وقال في الماء يكون في فلاة من الارض ترده السباع والبهائم "اذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثا" واصله معتاد فيهم كما بينا، والسر في ذلك ان كل شئ منها لا يمكن ان يبين الا بحقائق مثلها في الظهور والخفاء وعدم

اور پھر انکے بیان کی ضرورت پڑے گی اور ایسے ہی ضرورت پڑتی جائیگی اور اسمیں بڑا حرج ہے اسلئے کہ ہر پابندی میں کسی قدر دقت ہوتی ہے، پس جب پابندیاں زیادہ ہو جائیں گی تو دقتیں بھی انتہا کو پہنچ جائیں گی، اور نیز شرعی احکام ادنیٰ اور اعلےٰ سب ہی کیلئے ہیں تو ان تعریفات کو تفصیل وار یاد کرنے میں سخت دقت پڑے گی، اور نیز جب لوگ نیکی کی قیودات کیطرف زیادہ متوجہ ہوں گے تو وہ ان نیکیوں کے فوائد نہ معلوم کر سکیں گے اور نہ ہی نیکیوں کے ارواح کیجانب وہ متوجہ ہو سکیں گے جیسا کہ تم بہت سے قاریوں کو دیکھتے ہو کہ وہ اسوجہ سے کہ ان کی دلی توجہ الفاظ کیطرف رہتی ہے قرآن کے معنی میں غور و فکر نہیں کرتے اسلئے اس سے بہتر کوئی اور مصلحت نہ تھی کہ اصول کو منضبط کر کے باقی امور لوگوں کی رائے پر چھوڑ دیں، واللہ اعلم ؂

منجملہ ان کے یہ ہے کہ شارع نے لوگوں سے انکی عقل کے موافق ہی خطاب کیا ہے جو ان کی اصل فطرت میں فن حکمت، علم کلام اور علم اصول کے دقائق میں غور کرنے سے پیشتر ہی ودیعت رکھی گئی تھی، اسیواسطے خدا تعالے نے اپنے واسطے جہت کو ثابت کیا اور فرمایا "خدا تعالے عرش پر بیٹھا ہوا ہے" اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک کالے رنگ کی عورت سے پوچھا تھا اللہ تعالے کہاں ہے؟ اس نے آسمان کیطرف اشارہ کیا، تو آپ نے فرمایا یہ عورت مومنہ ہے، اور اسیطرح قبلہ کی سمت پہچاننے میں، نماز کے اوقات دریافت کرنے میں اور عیدین مقرر کرنے میں علم ہیئت اور ہندسہ کے مسائل کو حفظ کرنے کی تکلیف نہیں دی اور مسئلہ کی وجہ کیطرف اپنے اس قول میں اشارہ فرمادیا "قبلہ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے جب کعبہ کی سمت منہ ہو جائے" اور فرمادیا "حج کا دن وہی ہے جس روز تم حج کرتے ہو اور یوم الفطر وہی ہے جس روز تم افطار کرتے ہو" واللہ اعلم ؂

پندرہواں باب (٦٧)

ترغیب اور ترہیب کے اسرار کا بیان

خدا تبارک وتعالے کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ اس نے وحی کے ذریعہ سے انبیاء علیہم السلام کو ثواب اور عذاب بتلادیا جو اعمال پر مرتب ہوتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو مطیع کر دیں اور لوگوں کے دل خوف اور امید سے پُر ہو جائیں اور وہ دلی خواہش اور ارادہ سے شرائع کی پیروی کریں

الانضباط فيحتاج ايضا الى البيان وهلم جرا وذلك حرج عظيم من حيث ان كل توقيت تضييق عليهم في الجملة فاذا كثرت التوقيتات ضاق المجال كل الضيق ومن حيث ان الشرع يكلف به الاداني والاقاصي كلهم وفي حفظ تلك الحدود على تفصيلها حرج شديد وايضا فالناس اذا اعتنوا باقامة ماضبط به البر اعتناء شديدا لم يحسوا بفوائد البر ولم يتوجهوا الى ارواحها كما ترى كثيرا من المجودين لا يتدبرون معنى القران لاشتغال بالهم بالالفاظ فلا اوفق بالمصلحة من ان يفوض اليهم الامر بعد اصل الضبط والله اعلم، ومنها ان الشارع لم يخاطبهم الا على ميزان العقل الموضوع في اصل خلقتهم قبل ان يتمعوا بنوادر الحكمة والكلام والاصول فاثبت لنفسه جهة فقال "الرحمن على العرش استوى" وقال النبي صلى الله عليه وسلم لامراة سوداء اين الله فاشارت الى السماء فقال هي مؤمنة، ولم يكلفهم في معرفة استقبال القبلة واوقات الصلوة والاعياد حفظ مسائل الهيئة والهندسة واشار بقوله القبلة ما بين المشرق والمغرب، اذا استقبل الكعبة الى وجه المسئلة، وقال الحج يوم تحجون والفطر يوم تفطرون والله اعلم ؂

باب اسرار الترغيب والترهيب

من نعمة الله تبارك وتعالى على عباده ان اوحى الى انبيائه صلوات الله عليهم ما يترتب على الاعمال من الثواب والعذاب ليخبروا القوم به فيمتلئ قلوبهم رغبة ورهبة ويتقيدوا بالشرائع

جسطرح وہ باقی اور امور کو عمل میں لاتے ہیں جن سے کوئی ضرر دور ہوتا ہے یا ان سے کوئی نفع حاصل ہوتا ہے چنانچہ اس آیت میں یہی مراد ہے "بے شک نماز ایک بڑی بھاری چیز ہے لیکن نہ ان خوف کرنے والوں پر جنکو خیال رہتا ہے کہ ہم اپنے پروردگار سے ملیں گے اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے"

پھر ترغیب اور ترہیب سے متعلق قواعد کلی ہیں جن سے ترغیب اور ترہیب کے تمام جزئی امور متفرع ہوتے ہیں، فقہاء صحابہ ان کو اجمالاً جانتے تھے اگرچہ انہوں نے ان قواعد کو تفصیلاً منضبط نہیں کیا تھا اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس پر دلیل یہ حدیث ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اپنی بیوی سے مباشرت کرنے میں بھی تمہارے لئے اجر ہے، صحابہ نے عرض کیا کہ کیا کوئی خواہش پوری کرے جب بھی ثواب ملتا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر حرام میں خواہش کا استعمال کرتا، کیا اس پر اسکو گناہ نہ ہوتا" اسلئے صحابہ کا اسی مسئلہ میں توقف کرنا اور ان پر اس کی علت کا مشتبہ ہو جانا اسی وجہ سے تھا کہ ان کے نزدیک اعمال اور ان کی جزا میں جو کچھ مناسبت ہوتی ہے اسکو وہ جانتے تھے اور اسکو خوب جانتے تھے کہ اعمال کے نتائج ایسے قاعدہ پر مبنی ہیں جو معقول المعنی ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے سوال کرنے کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب دینے کی جو آپ نے ایک واضح شئی پر قیاس کر کے دیا ہے، کوئی وجہ نہ ہوتی۔ اور میرے اس قول کی نظیر یہ بھی ہے کہ جو فقہاء نے اس حدیث کے بارہ میں کہا ہے، حدیث یہ ہے: "اگر تیرے باپ پر قرض ہوتا تو اسکو ادا کرتا یا نہیں؟ اس نے کہا ہاں، ادا کرتا آپ نے فرمایا پس خدا کا قرضہ زیادہ ادا کرنے کے قابل ہے" فقہا کہتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام کو قواعد کلیہ سے تعلق ہوتا ہے۔

صحابہ کے سوال کا حاصل یہ ہے کہ نیکیوں سے تہذیب نفس حاصل ہوتی ہے مثلاً تسبیح، تہلیل، تکبیر، یا ان سے شہری انتظام میں کوئی مصلحت حاصل ہوتی ہے، اور برائیوں سے ان دونوں کے خلاف امور حاصل ہوتے ہیں اور خواہش نفس کے پورا کرنے میں بہیمیت کے غلبہ کی پیروی ہوتی ہے اور اس میں عادت سے زیادہ اور کوئی مصلحت بھی نہیں ہوتی اور قضاء شہوت کے پورا کرنے میں بہیمیت کے غلبہ کی پیروی ہوتی ہے اور اس میں عادت کے علاوہ نہ تو کوئی مصلحت سمجھی جاتی ہے اور نہ ہی اسکے مثل کوئی ایسی شئی سمجھی جاتی ہے جو معرفت کلیہ کیطرف رجوع کرتی ہو، اور قضاء شہوت کے مسئلہ کو معرفت کلیہ کیطرف لوٹانا نہایت ہی عجیب و غریب ہے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اپنی بیوی سے مباشرت کرنے میں خاوند اور بیوی کی پاکدامنی مستحکم ہوتی ہے اور اس میں ←

[illegible]

بداعية منبعثة من انفسهم كسائر ما فيه دفع ضر او جلب نفع وهو قوله تعالى وانها لكبيرة الا على الخاشعين الذين يظنون انهم ملاقوا ربهم وانهم اليه راجعون ثم ان ههنا قواعد كلية اليها ترجع جزئيات الترغيب والترهيب وكان فقهاء الصحابة يعلمونها اجمالا وان لم يكونوا احرزوها تفصيلا، ومما يدل على ما ذكرنا ما جاء في الحديث ان النبي صلى الله عليه وسلم قال وفي بضع احدكم صدقة فقالوا ايأتي احدنا شهوته ويكون له فيها اجر؟ قال ارايتم لو وضعها في حرام كان عليه وزر، فما توقفوا في هذه المسألة دون غيرها وما اشتبه عليهم لميتها الا لما عندهم من معرفة مناسبة الاعمال لاجزيتها وانها ترجع الى اصل معقول المعنى ولولا ذلك لم يكن لسؤالهم ولا لجواب النبي صلى الله عليه وسلم بالاعتبار باصل واضح، وجه، وقولي هذا نظير ما قاله الفقهاء في حديث «لو كان على ابيك دين اكنت قاضيه؟ قال نعم قال فدين الله احق ان يقضى»، من انه يدل على ان الاحكام معلقة باصول كلية۔

وحاصل السوال ان الصدقات ترجع الى تهذيب النفس كالتسبيح والتهليل والتكبير او اقامة المصلحة في نظام المدينة وان السيئات ترجع الى اضداد هاتين وقضاء شهوة الفرج اتباع لداعية البهيمية ولا يعقل فيه مصلحة زائدة على العادات او نحو ذلك مما يرجع الى معرفة كلية واستغراب رجوع المسألة اليها۔

وحاصل الجواب ان جماع الحليلة يحصن فرجها وفرجه وفيه خلاص مما يكون قضاء الشهوة في غير محلها اقتحاما فيه، وللترغيب والترهيب

اور ہر طریقہ کا ایک راز ہے اور ہم تم کو ان میں سے بڑے بڑے طریقے بتلاتے ہیں - ان طریقوں میں سے ایک یہ ہے کہ تہذیب نفس کے بارہ میں کسی کام کا جو اثر مرتب ہوتا ہے وہ بیان کر دیا جائے یعنی نفس کی نیک و بد قوتوں میں سے کسی کا کمزور پڑنا یا اسکا غالب آنا، اسی کو زبان شرع میں نیکیوں کا لکھا جانا اور برائیوں کا مٹ جانا کہتے ہیں - چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہٗ الحمد وھو علے کل شئ قدیر، روزانہ سو بار پڑھ لیا کرے تو یہ دس غلام آزاد کرنے کے برابر ہے اور اسکے لئے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اسکے سو گناہ مٹا دئے جاتے ہیں اور اس روز شام تک وہ شیطان سے محفوظ رہتا ہے اور ایسے شخص سے افضل کسی کا عمل نہیں ہوتا مگر اس شخص کا جو اس سے بھی زیادہ عمل کرے، اس حدیث کا راز ہم پہلے بیان کر چکے ہیں -

اور ان طریقوں میں سے ایک یہ ہے کہ شیطان وغیرہ سے محفوظ رہنے کی بابت اس عمل کے اثر کو بیان کیا جائے جیسے آپ نے فرمایا تھا " اور شام تک وہ شیطان سے محفوظ رہتا ہے " اور جیسے آپ کا یہ فرمان ہے " بدکار لوگ اس کو نہیں کر سکتے " یا اس عمل کا اثر رزق کی وسعت اور برکت کا ظہور بیان کیا جائے وغیر ذالک -

ان میں سے بعض میں یہ راز ہے کہ کوئی شخص خدا سے سلامتی کو طلب کرتا ہے اور اس کی یہ طلب قبولیت دعا کا سبب بنجاتی ہے، چنانچہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس حدیث میں جسکو آپ خدا کیجانب سے روایت کرتے ہیں یہی مراد ہے آپنے فرمایا " اگر بندہ مجھ سے پناہ چاہیگا تو میں اسکو پناہ دوں گا اور اگر کسی امر کی مجھ سے درخواست کرے گا تو میں اسکو ضرور دونگا "

اور بعض احادیث میں یہ راز ہے کہ ذکر الٰہی میں مستغرق ہونے سے اور عالم جبروت کیطرف متوجہ ہونے سے اور ملکوت سے مدد طلب کرنے سے شیاطین سے مناسبت منقطع ہوجاتی ہے اور تاثیر کا مدار مناسبت پر ہوا کرتا ہے، اور بعض احادیث میں یہ راز ہے کہ جس کی ایسی حالت ہوتی ہے تو ملائکہ اسکے لئے دعا کرتے ہیں اسلئے وہ بہت سی راہوں پر چل پڑتا ہے پس کبھی تو وہ حصول منافع کے راستہ پر ہوتا ہے اور کبھی مضرت کے دفع ہونے کے راستہ پر ؛

اور ان ترغیب و ترہیب کے طریقوں میں سے یہ ہے کہ اعمال کا وہ اثر جو آخرت میں ظاہر ہوگا بیان کر دیا جائے اور اسکا راز دو مقدموں سے معلوم ہوتا ہے

لہ اول مقدمہ یہ ہے کہ معاد میں کسی شئ کو ثواب اور عذاب کا سبب قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ ۰۰۰

طرق ولكل طريقة سر ونحن ننبهك على معظم تلك الطرق ، فمنها بيان الاثر المترتب على العمل فى تهذيب النفس من انكسار احدى القوتين او غلبتها وظهورها ، ولسان الشارع ان يعبر عن ذلك بكتابة الحسنات ومحو السيئات كقوله صلى الله عليه وسلم من قال لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير فى يوم مائة مرة كان له عدل عشر رقاب وكتبت له مائة حسنة ومحيت عنه مائة سيئة وكانت له حرزا من الشيطان يومه ذلك حتى يمسى ولم يأت احد بافضل مما جاء به الا رجل عمل اكثر منه ، وقد ذكرنا سره فيما سبق ، ومنها بيان اثره فى الحفظ عن الشيطان وغيره كقوله صلى الله عليه وسلم وكان فى حرز من الشيطان حتى يمسى ، وقوله صلى الله عليه وسلم ، لا يستطيعها البطلة او توسيع الرزق وظهور البركة ونحو ذلك ، والسر فى بعض ذلك انه طلب من الله السلامة وهو سبب ان يستجاب دعاؤه وهو قوله صلى الله عليه وسلم راويا عن الله تبارك وتعالى ولئن استعاذنى لاعيذنه ولئن سألنى لاعطينه وفى البعض الاخر ان الغوص فى ذكر الله والتوجه الى الجبروت والاستمداد من الملكوت يقطع المناسبة بهؤلاء وانما التاثير بالمناسبة وفى البعض الأخر ان الملائكة تدعو لمن كان على هذه الحالة فيدخل فى شرائح كثيرة فتارة فى جلب نفع وتارة فى دفع ضرر ؛

ومنها بيان اثره فى المعاد وسره ينكشف بمقدمتين ، احدهما ان الشئ لا يحكم عليه بكونه سببا للثواب او العذاب فى المعاد حتى يكون

جزا کے دونوں سببوں میں سے کسی سبب کے ساتھ مناسبت نہ ہو، یا تو اسکو ان چاروں اخلاق میں دخل ہو جن پر سعادت اور تہذیب نفس کا ہونا یا نہ ہونا مبنی ہے، اور وہ چاروں اخلاق یہ ہیں:- پاکیزگی حاصل کرنا، رب العالمین کے حضور میں عاجزی کرنا، سخاوت کرنا، لوگوں میں عدل وانصاف قائم کرنے کی کوشش کرنا - یا اس شئ کو ان امور کے اجرا میں نفیا واثباتا دخل ہو جس اجرا پر ملاء اعلیٰ کا اتفاق ہے جیسے شرائع کو مستحکم کرنا، انبیاء علیہم السلام کی امداد کرنا، اور عمل اور سبب جزا میں مناسبت کے معنی یہ ہیں کہ وہ عمل اس معنی سببی کے وجود کا محل سمجھا جاتا ہو یا عادۃً اس معنی سببی کو لازم ہو یا اسکے لئے ذریعہ ہو جیسے دو رکعت نماز کو اسطرح سے ادا کرنا کہ کوئی نفسانی وسوسہ واقع نہ ہو، اس میں خدا کے حضور میں عاجزی، خدا کے جلال کی یاد اور بہیمیت کی پستی سے ایک قسم کی ترقی کا ظہور ہے - اور ایسے ہی پورا پورا وضو کرنا اس پاکیزگی کا باعث ہے جو نفس میں اثر کرتی ہے اور ایسے ہی مال کثیر کا خرچ کرنا جس میں عادۃً بخل کیا جاتا ہے، اور کسی کے ظلم کو معاف کرنا اور اپنے حقوق میں جھگڑے کو ترک کرنا سخاوت نفس کی دلیل اور اسکو متلازم ہے - اور ایسے ہی بھوکے کو کھانا کھلانا، پیاسے کو پانی پلانا اور لوگوں میں آتش جنگ کو بجھانے میں سعی کرنا اصلاح عالم کا سبب اور ذریعہ ہے - اور اسی طرح عرب سے محبت رکھنا ان کی روش اختیار کرنے کا ذریعہ ہے اور یہ دین الہٰی حاصل کرنے کا آسان طریق ہے کیونکہ شریعت عادات عرب کے ہی موافق معین کی گئی ہے - اور نیز اس پسندیدگی میں شریعت مصطفوی کی تعظیم ہے - اور اسی طرح روزہ کے افطار کرنے میں عجلت کرتے رہنا، دوسرے مذاہب کے اختلاط اور ان کی تحریفات سے جدا رہنا ہے -

اور ہمیشہ سے لوگوں کے فرقے یعنی حکماء، ارباب صناعت اور اطباء، احکام کو ان کی علتوں پر جاری کرتے آئے ہیں اور عرب بھی ہمیشہ اپنے خطبات اور محاورات میں اسی قانون پر چلتے آئے ہیں اور کسیقدر اس کو ہم نے ذکر بھی کیا ہے،

اور یا یہ عمل نہایت شاق ہو یا گم شدہ ہو یا سخت ناگوار طبع ہو جس پر وہی شخص اقدام کر سکے جس میں کامل اخلاص ہو اس لئے ایسا عمل اس کے اخلاص کی شرح ہو جائے گا

له مناسبة باحد سببى المجازاة اما ان يكون له دخل فى الاخلاق الاربعة المبنية عليها السعادة وتهذيب النفس اثباتا اونفيا وهى النظافة والخشوع لرب العالمين وسماحة النفس والسعى فى اقامة العدل بين الناس او يكون له دخل فى تمشية ما اجمع الملأ الاعلى على تمشيته من التمكين للشرائع والنصرة للانبياء عليهم السلام اثباتا او نفيا ومعنى المناسبة ان يكون العمل مظنة لوجود هذا المعنى او متلازما له فى العادة او طريقا اليه كما ان كونه يصلى ركعتين لايحدث فيهما نفسه مظنة الاخبات وتذكر جلال الله والترقى من حضيض البهيمية وكما ان اسباغ الوضوء طريق الى النظافة المؤثرة فى النفس وكما ان بذل المال الخطير الذى يشح به عادة والعفو عمن ظلم وترك المراء فيما هو حق له مظنة لسماحة النفس ومتلازم لها وكما ان اطعام الجائع وسقى الظمآن والسعى فى اطفاء ثائرة الحرب من بين الاحياء مظنة اصلاح العالم وطريق اليه وكما ان حب العرب طريق الى التزيى بزيهم وذلك طريق عطف الى الاخذ بالملة الحنيفية لانها تشخصت فى عاداتهم وتنويه بامر الشريعة المصطفوية وكما ان المحافظة على تعجيل الفطر تباعد عن اختلاط الملل وتحريفها، وما زالت طوائف الناس من الحكماء واهل الصناعات والاطباء يديرون الاحكام على مظانها وما زال العرب جارين على ذلك فى خطبهم ومحاوراتهم، وقد ذكرنا بعض ذلك او يكون عملا شاقا او خاملا او غير موافق للطبيعة لا يقصده ولا يقدم عليه الا المخلص حق الاخلاص فيصير شرحا لاخلاصه كالتضلع

مثلاً خوب سیر ہو کر زمزم کا پانی پینا اور حضرت علیؓ سے محبت رکھنا اس وجہ سے کہ حضرت علیؓ خدا کے احکام کی تعمیل میں نہایت سخت تھے، اور جیسے انصار سے محبت کرنا، کیونکہ معد اور یمن کے عرب باہم ایک دوسرے سے متنفر تھے یہانتک کہ اسلام نے ان میں الفت پیدا کر دی، اسواسطے ان سے محبت کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ دل میں اسلام کی بشاشت اثر کر گئی ہے، اور جیسے پہاڑ پر چڑھکر دیکھنا اور لشکر اسلام کی حفاظت میں جاگنا، پس یہ اس امر کو بتلاتا ہے کہ اس کا ارادہ دین الٰہی کے قائم کرنے میں سچا ہے اور اسکو دین سے محبت ہے ؛

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص مرجاتا ہے اور وہ اپنے نفس اور نفس کی ان حالتوں کی طرف رجوع کرتا ہے جن کی مؤافقت یا منافرت کا نفس پر رنگ چڑھتا تھا تو وہاں کے مناسب تکلیف و آرام کی صورتیں اس پر ضرور ظاہر ہوتی ہیں، ان نفسانی حالات اور تکلیف و آرام میں ملازمت عقلیہ کا کچھ اعتبار نہیں ہے بلکہ یہ ملازمہ ایک دوسری قسم کا ہے جس سے نفس کے بعض اموری بعض کیطرف کشش ہوتی ہے اور اسی کے موافق خواب میں معانی متشکل ہوتے ہیں جیسے ماہ رمضان میں مؤذن کا اذان دیکر لوگوں کو مباشرت اور کھانے پینے سے منع کرنا ان کے مونہوں اور شرمگاہوں پر مہر لگا دینے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، پھر عالم مثال میں اور مناسبات ہیں جن پر احکام مبنی ہیں۔ پس حضرت جبریل علیہ السلام دحیہ کلبی کی صورت میں آئے اور کسی کی صورت میں نہ آئے تو یہ ایک خاص مناسبت کیوجہ سے تھا اور خاص وجہ ہی کے سبب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آگ کا ظہور ہوا تھا۔ پس ان مناسبات کا سمجھنے والا ہی خوب جان سکتا ہے کہ اس عمل کی جزا کس صورت میں ہوگی جیسے خواب کی تعبیر دینے والا خوب جانتا ہے کہ جو صورت اس نے خواب میں دیکھی ہے اس صورت میں کونسی شئی ظاہر ہوئی ہے،

ماحصل کلام یہ ہے کہ اسی طریقہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ جو شخص علم کو چھپائے اور وقت ضرورت تعلیم سے سکوت کرے تو اسکو آتشی لگام سے عذاب دیا جائیگا یہ تشبیہ اس لئے دی گئی ہے کہ ایسے سکوت سے نفس کو تکلیف ہوتی ہے اور لگام سکوت کے مشابہ اور اسکی صورت ہے، اور جو شخص مال سے زیادہ محبت کرتا ہے اور ہمیشہ اسکا دل مال سے ہی متعلق رہتا ہے تو اسکی گردن میں گنجے سانپ کا طوق ڈالا جائیگا، اور جو شخص دراہم، دنانیر اور مویشیوں کی حفاظت میں مصروف رہتا ہے

من ماء زمزم وكحب علي رضي الله عنه فانه كان شديدا في امر الله وكحب الانصار فانه لم تزل العرب المعدية واليمنية متباغضين فيما بينهم حتى الفهم الاسلام فالتاليف معرف لدخول بشاشة الاسلام في القلب وكالطلوع على الجبل والسهر في حراسة جيوش المسلمين فانه معرف لصدق عزيمته في اعلاء كلمة الله وحب دينه ؛

المقدمة الثانية :- ان الانسان اذا مات رجع الى نفسه والى هيأتها التي انصبغت بها الملائمة لها والمنافرة اياها لابد ان تظهر صورة التألم والتنعم باقرب ما هنالك ولا اعتبار في ذلك للملازمة العقلية بل لنوع آخر من الملازمة لاجلها يجر بعض حديث النفس بعضا وعلى حسبها يقع تشبح المعاني في المنام كما يظهر منع المؤذن الناس عن الجماع والاكل بصورة الختم على الفروج والافواه ثم ان في عالم المثال مناسبات تبنى عليها الاحكام فما ظهر جبريل في صورة دحية دون غيره الا لمعنى ولا ظهرت النار على موسى عليه السلام الا لمعنى، فالعارف بتلك المناسبات يعلم ان جزاء هذا العمل في اي صورة يكون كما ان العارف بتأويل الرؤيا يعرف انه اي معنى ظهر في صورة مارآه، و بالجملة فمن هذا الطريق يعلم النبي صلى الله عليه وسلم ان الذي يكتم العلم ويكف نفسه عن التعليم عند الحاجة اليه يعذب بلجام من نار لانه تألمت النفس بالكف واللجام شبح الكف وصورته والذي يحب المال ولا يزال يتعلق به خاطره يطوق بشجاع اقرع والذي يتعانى في حفظ الدراهم والدنانير

اور ان کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے باز رہتا ہے تو اسکو انہی اشیاء کے ذریعہ سے عذاب دیا جائیگا جیسے تکلیف دینے کا طریقہ ملاء اعلیٰ کی نظر میں مقرر ہے، اور جو شخص کسی ہتھیار یا زہر سے خودکشی کرتا ہے اور اسوجہ سے وہ خدا کے حکم کی مخالفت کرتا ہے تو انہی صورتوں سے اسکو عذاب دیا جائیگا، اور جو شخص فقیر کو کپڑے پہنائیگا تو اسکو روز قیامت میں حریر جنت کا لباس پہنایا جائیگا، اور جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کریگا اور غلامی کی مصیبت سے جو اسکو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی آزاد کریگا تو اس غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں اس شخص کا ہر عضو دوزخ سے آزاد کیا جائیگا ؛

اور ان ترغیب اور ترہیب کے طریقوں میں سے ایک یہ ہے کہ عمل کو اس چیز سے تشبیہ دیجائے جسکی خوبی یا برائی ذہنوں میں شرع یا عادت کی وجہ سے پائی جاتی ہے اور اسوقت میں ضرور ہے کہ ان دونوں امروں میں کوئی جامع شئی ہو جو کسی نہ کسی وجہ سے دونوں میں مشترک ہو جیسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو صبح کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک مسجد میں عبادت کیلئے بیٹھا رہے، صاحب حج و عمرہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور ہبہ کرکے واپس لینے والے کو اس کتے کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو قے کرکے پھر اسکو چاٹ لیتا ہے، اور تشبیہ میں یہ بھی ضرور ہے کہ اس عمل کو محبوب لوگوں یا قابل نفرت لوگوں کی طرف منسوب کیا جائے یا اس عمل کرنیوالے کے حق میں دعا یا بد دعا کیجائے، اور ان امور سے اگرچہ اس عمل کے عمدہ یا قبیح ہونیکی وجہ کا لحاظ بھی نہ کیا جائے اس عمل کی اجمالی حالت معلوم ہو جاتی ہے جیسے شارع کا قول ہے "یہ منافق[1] کی نماز ہے" اور جیسے آپ نے فرمایا "جو شخص ایسا کام کریگا وہ ہم سے نہیں" یا فرمایا "یہ کام شیطان کا ہے یا یہ کام فرشتوں کا سا ہے اور خدا اسپر رحم کرے جو ایسا کرتا ہے" اور اسی کے مثل اور عبادتوں کو قیاس کرلینا چاہئے ــ اور ان ترغیب و ترہیب کے طریقوں میں سے ایک یہ ہے کہ فعل کی حالت ہی خدا کی خوشی یا ناخوشی سے متعلق ہے اور یہ حالت ہی ملائکہ کی دعا، یا بد دعا کا سبب ہے جیسے شارع کا قول ہے "خدا ایسے ایسے امور کو پسند کرتا ہے اور ایسے ایسے امور کو ناپسند کرتا ہے" اور جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا تعالیٰ اور فرشتے داہنی جانب کی صفوں پر رحمت بھیجتے ہیں" اور اسکا راز ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔ واللہ اعلم،

والانعام ويحوط بها عن البذل لله يعذب بنفس تلك الاشياء على ما تقرر عندهم من وجه التاذي، والذي يعذب نفسه بحديدة او سم ويخالف امر الله بذلك يعذب بتلك الصورة والذي يكسو الفقير يكسى يوم القيامة من سندس الجنة، والذي يعتق مسلما ويفك رقبته عن آفة الرق المحيط به يعتق بكل عضو منه عضو منه من النار ؛

ومنها تشبيه ذلك العمل بما تقرر في الاذهان حسنه او قبحه اما من جهة الشرع او العادة وفي ذلك لا بد من امر جامع بين الشيئين مشترك بينهما ولو بوجه من الوجوه كما شبه المرابط في المسجد بعد صلاة الصبح الى طلوع الشمس بصاحب حجة وعمرة، وما شبه العائد في هبته بالكلب العائد في قيئه ونسبته الى المحبوبين او المبغوضين والدعاء لفاعله او عليه وكل ذلك ينبه على حال العمل اجمالا من غير تعرض لوجه الحسن او القبح كقول الشارع تلك صلوة المنافق، وليس منا من فعل كذا، وهذا العمل عمل الشياطين او عمل الملائكة، ورحم الله امرءا فعل كذا وكذا ونحو هذه العبارات، ومنها حال العمل في كونه متعلقا لرضا الله او سخطه وسببا لانعطاف دعوة الملائكة اليه او عليه كقول الشارع ان الله يحب كذا وكذا ويبغض كذا وكذا وقوله صلى الله عليه واله وسلم ان الله تعالى وملائكته يصلون على ميامن الصفوف وقد ذكرنا سره

والله اعلم

[1] جو عصر کی نماز تنگ وقت میں پڑھے ۱۲۔

سولھواں باب (۶۸): کمال مطلوب کے حاصل ہونے یا نہ ہونیکے اعتبار سے امت کے درجات کا بیان

اس باب میں اصل خدا تعالےٰ کا وہ قول ہے جو سورہ واقعہ میں مذکور ہے "تم تین جوڑے ہو، اصحاب الیمین، اور اصحاب الیمین کیا ہیں؟ اور اصحاب المشئمہ، اور اصحاب المشئمہ کیا ہیں اور جو لوگ سب پر سبقت لیجانے والے ہیں وہی مقرب ہیں" الیٰ آخر السورہ۔ اور نیز خدا تعالیٰ کا وہ قول ہے "پھر ہم نے ان لوگوں کو وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تھا، پس بعض لوگ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں بعض میانہ رو اور بعض نیکیوں میں سب سے آگے بڑھنے والے ہیں، خدا کے حکم سے یہ خدا تعالےٰ کا بہت بڑا فضل ہے"۔

تم معلوم کر چکے ہو کہ سب سے اعلیٰ درجہ کے نفوس مفہمین کے ہیں اور ہم ان کا ذکر کر چکے ہیں، مفہمین کے بعد اس گروہ کا درجہ ہے جس کو سابقین کہتے ہیں۔ سابقین کی دو قسمیں ہیں، اول قسم اہل علو و اصطلاح کی ہے جن کی استعداد کمالات کے حاصل کرنے میں مفہمین کی سی ہوتی ہے لیکن انکی سعادت ان کو ان کے مرتبہ تک نہیں پہنچاتی، پس ان کی استعداد خوابیدہ آدمی کی سی ہے جو ایک بیدار کرنے والے کا محتاج ہوتا ہے، پس جب ان کو رسولوں کی خبریں بیدار کرتی ہیں تو وہ ان علوم کیطرف متوجہ ہو جاتے ہیں جو ان کی استعداد کے مناسب ہوتے ہیں ایسی مخفی مناسبت کی وجہ سے جو ان کے باطن نفوس میں موجود ہوتی ہے اس لئے یہ لوگ مجتہدین فی المذہب کے مرتبہ کے ہو جاتے ہیں اور ان کے الہام کی حالت یہ ہے کہ وہ اس الہام اجمالی کلی کو حاصل کرتے ہیں جو ان کے نفوس کیطرف متوجہ ہوتا ہے اس استعداد کی وجہ سے جو بارگاہ الٰہی میں انکو محیط ہوتی ہے اور یہ ایسا امر ہے جو اکثر سابقین میں مشترک ہے اور پیغمبروں نے اس کو بیان کیا ہے،

دوسری قسم اہل جذب اور علو کی ہے جن کو رہبر توفیق نے ایسی ریاضات اور توجہات کیطرف چلا کر مشغول رکھا ہے جس سے انکی بہیمیت مغلوب ہو گئی پس خدا تعالیٰ نے انکو کمال علمی اور کمال عملی دونوں عطا فرمائے ہیں

باب طبقات الامة باعتبار الخروج الى الكمال المطلوب اوضده

والاصل فى هذا الباب قوله تعالى فى سورة الواقعة كنتم ازواجا ثلاثة فاصحاب الميمنة ما اصحاب الميمنة واصحاب المشئمة ما اصحاب المشئمة والسابقون السابقون اولئك المقربون الى اخر السورة وقوله تعالى ثم اورثنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخيرات باذن الله ذلك هو الفضل الكبير. قد علمت ان اعلى مراتب النفوس هى نفوس المفهمين وقد ذكرناها ويتلو المفهمين جماعة تسمى بالسابقين وهم جنسان جنس اصحاب اصطلاح وعلو كان استعدادهم كاستعداد المفهمين فى تلقى تلك الكمالات الا ان السعادة لم تبلغ بهم مبلغهم فكان استعدادهم كالنائم يحتاج الى من يوقظه فلما ايقظه اخبار الرسل اقبلوا على ما يناسب استعدادهم من تلك العلوم مناسبة خفية فى باطن نفوسهم فصاروا كالمجتهدين فى المذهب وصار الهامهم ان يتلقوا من الالهام الجملى الكلى الذى توجه الى نفوسهم بما يشملهم من الاستعداد فى حظيرة القدس وهو الامر المشترك فى اكثرهم و ترجم عنه الرسل، وجنس اصحاب تجاذب وعلو ساقهم سائق التوفيق الى رياضات و توجهات قهرت بهيميتهم فآتاهم الحق كمالا علميا وكمالا عمليا و

اور اپنے امور میں ان کو پوری بصیرت حاصل ہو گئی ہے اسی واسطے انکو خداوندی واقعات، رہنمائی اور اطلاع حاصل ہوتی رہتی ہے جیسے طرق صوفیہ کے اکابر صوفیہ تھے، تمام سابقین میں دو امر ضرور جمع ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنی طاقت خدا کیطرف متوجہ ہونے میں اور قرب حاصل کرنے میں صرف کرتے ہیں، اور دوسرا امر یہ ہے کہ ان کی فطرت نہایت قوی ہوتی ہے بس ملکات مقصودہ ہو بہو ان کے سامنے متمثل ہوتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کو ملکات کے قالب اور صور توں کیطرف ضرورت پڑے، ان کو ان قالبوں کی ضرورت صرف ان ملکات کی تشریح کے لئے ہوتی ہے اور اسلئے ہوتی ہے کہ وہ قوالب ان ملکات کے لئے ذرائع ہوتے ہیں، سابقین میں سے ایک قسم مفردین کی ہے جو عالم غیب کیطرف متوجہ رہتے ہیں ذکر الہی انکے بوجھ اور دقتوں کو دور کر دیتا ہے، ایک قسم صدیقین کی ہے جو خدا تعالے کی شدت کے ساتھ فرمانبرداری کرنے کی وجہ سے اور اسی کیلئے خاص ہونے کی وجہ سے تمام لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اور ایک قسم شہداء کی ہے جو لوگوں کی رہبری کیلئے پیدا کئے گئے ہیں، ان میں عالم بالا کا یہ اثر ہوتا ہے کہ کافروں پر لعنت کرتے ہیں، ایمان والوں سے خوش ہوتے ہیں نیک امور کا حکم کرتے ہیں، برے کاموں سے منع کرتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اسلام کو غالب کرتے ہیں، پس یہ قیامت کے روز کفار سے مخاصمہ کرینگے اور ان کے خلاف شہادت دیں گے اور یہ لوگ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں بمنزلہ اعضاء کے ہیں تاکہ بعثت سے جو مقصود ہے وہ ان کے ذریعہ سے تکمیل کو پہنچ جائے، اسی واسطے انکو اوروں سے افضل جاننا اور انکی عزت و توقیر کرنا ضروری ہے، اور ایک قسم راسخین فی العلم کی ہے جن میں ذکاوت اور ہوشمندی کامل ہوتی ہے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے علم وحکمت کی باتیں سنتے ہیں تو ان میں ایک استعداد پیدا ہو جاتی ہے پس کتاب الہی کے ٹھیک ٹھیک معنی سمجھنے میں وہ استعداد انکے باطن کی مدد کرتی ہے، اسی طرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشارہ کیا ہے جبکہ فرمایا "یا استنباط قرآنی کی طاقت جو مسلمان آدمی کو دیجاتی ہے" اور ایک قسم عباد کی ہو جو عبادت کے فوائد کو عیاناً دیکھتے ہیں اور اسکے نفوس اس عبادت کے انوار سے منور ہو جاتے ہیں اور وہ فوائد انکے صمیم قلب میں داخل ہو جاتے ہیں

صاروا على بصيرة من امرهم فكانت لهم وقائع الهية وارشاد واشراق مثل اكابر طرق الصوفية ويجمع السابقين امران احدهما انهم يستفرغون طاقتهم في التوجه الى الله والتقرب منه، وثانيهما ان جبلتهم قوية فتمثل الملكات المطلوبة عندهم على وجهها من غير نظر الى اشباح لها وانما يحتاجون الى الاشباح شرحا لتلك الملكات وتوسلا بها اليها منهم المفردون المتوجهون الى الغيب طرح الذكر عنهم اثقالهم والصديقون المتميزون عن سائر الناس بشدة انقياد الحق والتجرد له والشهداء الذين اخرجوا للناس وحل فيهم صبغ الملاء الاعلى من لعن الكفرين والرضا عن المؤمنين والامر بالمعروف والنهى عن المنكر واعلاء الملة بواسطة النبي صلى الله عليه وسلم فاذا كان يوم القيامة قاموا يخاصمون الكفرة ويشهدون عليهم وهم بمنزلة اعضاء النبي صلى الله عليه وسلم في بعثته بهم ليكمل الامر المراد في البعثة ولذلك وجب تفضيلهم على غيرهم وتوقيرهم والراسخون في العلم اولو ذكاء وعقل لما سمعوا من النبي صلى الله عليه وآله وسلم العلم والحكمة صادف ذلك منهم استعدادا فصار يمد لهم في باطنهم فهم معاني كتاب الله على وجهها واليه اشار علي رضى الله عنه حيث قال او فهم اعطيه رجل مسلم، والعباد الذين ادركوا فوائد العبادة عيانا وانصبغت نفوسهم بانوارها ودخلت في صميم افئدتهم فهم بعيد وزالله

پس یہ لوگ عبادت الٰہی نہایت بصیرت سے کرتے ہیں اور ایک درجہ سابقین میں سے زہاد کا ہے ان کو عالم معاد اور وہاں کے لذائذ کا کامل یقین ہوتا ہے ان لذائذ کے مقابلہ میں انکو دنیوی لذت نہایت حقیر معلوم ہوتی ہے اور لوگ انکی نظر میں اونٹ کی مینگنیوں کی مانند بیقدر معلوم ہوتے ہیں، اور سابقین میں سے بعض لوگ انبیاء علیہم السلام کی جانشینی کی استعداد رکھتے ہیں جو وصف عدالت کے ساتھ موصوف ہو کر خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے رہتے ہیں اور اس وصف عدالت کو احکام الٰہی میں صرف کرتے ہیں، اور سابقین میں سے خوش خلق لوگ ہیں یعنی ان میں سخاوت، تواضع اور عفو کی صفات ہوتی ہیں، اور سابقین میں سے ایک جماعت ان لوگوں کی ہے جو فرشتوں کے ساتھ مشابہ ہوتے ہیں اور ان کا فرشتوں کے ساتھ اختلاط رہتا ہے جیسے حدیث میں آیا ہے کہ بعض صحابہ کو فرشتے سلام کیا کرتے تھے،

ان سابقین کے فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ میں ایک تو جبلی اور فطری استعداد ہوتی ہے جو اپنے کمال کا اسی بیداری کے ذریعہ تقاضا کرتی ہے جو انبیاء کی اطلاعوں سے پیدا ہوتی ہے، اور ایک استعداد کسبی ہوتی ہے جو احکام کو قبول کرنے کیلئے آمادہ کرتی ہے پس ان دونوں استعدادوں کے ذریعہ سابقین کو کمالیت حاصل ہوتی ہے، مفہمین میں سے جو لوگ ہدایت کیلئے مبعوث نہیں ہوئے وہ بھی شرائع میں سابقین میں سے شمار کئے جاتے ہیں،

سابقین کے بعد اس جماعت کا درجہ ہے جنکو اصحاب الیمین کہتے ہیں، اصحاب الیمین کی بھی چند قسمیں ہیں، ایک قسم ان لوگوں کی ہے جنکے قلب سابقین کے درجے سے بہت قریب ہیں لیکن انکو فطری امور کی تکمیل کی توفیق نہیں ہوئی اسلئے انہوں نے اعمال کی ارواح کو چھوڑ کر صرف اعمال کی صورتوں پر ہی اکتفا کیا لیکن انکو ان ارواح سے بالکل بیگانگی بھی نہیں ہے۔ اور ایک قسم اصحاب جذب کی ہے ان کے نفوس میں قوت ملکی ضعیف ہوتی ہے اور قوت بہیمی قوی ہوتی ہے اسلئے سخت سخت ریاضتوں کی انکو توفیق ہوتی ہے جس سے انکو وہ علوم حاصل ہو جاتے ہیں جو ملاء سافل کیلئے ہوتے ہیں، یا انکی بہیمی قوت ضعیف ہوتی ہے اور وہ ذکر الٰہی سے تزکیہ قلب حاصل کرتے ہیں پس ان پر جزئی الہامات، جزئی عبادت اور طہارت کا ترشح ہوتا ہے، اور ایک قسم اہل اصطلاح کی ہے جنکی ملکی قوت نہایت ضعیف ہوتی ہے ان لوگوں کی بہیمی طاقت اگر قوی ہے تو سخت سخت ریاضتوں میں مصروف رہتے ہیں اور اگر قوت بہیمی ضعیف ہے تو ہمیشہ

على بصيرة من امرهم و الزهاد الذين ايقنوا بالمعاد وبما هنالك من اللذة فاستحقروا في جنبها لذة الدنيا وصار الناس عندهم كابا عير الابل والمستعدون لخلافة الانبياء عليهم السلام ممن يعبدون الله تعالى بخلق العدالة فيصرفونه فيما امر الله تعالى واصحاب الخلق الحسن اعنى اهل السماحة من الجود والتواضع والعفو عمن ظلم والمتشبهون بالملائكة والمخالطون بهم كما يذكر ان بعض الصحابة كان يسلم عليهم الملائكة، ولكل فرقة من هذه الفرق استعداد جبلي يقتضي كماله بتيقظ باخبار الانبياء عليهم السلام واستعداد كسبي ينهضها باخذ للشرائع فيما يحصل كمالهم ومن كان من المفهمين لم يبعث الى الخلق فانه يعد في الشرائع من السابقين ويتلو السابقين جماعة تسمى باصحاب اليمين وهم اجناس، جنس نفوسهم قريبة الماخذ من السابقين لم يوفقوا التكميل ما جبلوا له فاقتصروا على الاشباح دون الارواح لكنهم ليسوا باجنبيين منها، وجنس اصحاب التجاذب نفوسهم ضعيفة الملكية قوية البهيمية وفقوا الرياضات شاقة فاشرت فيهم ما للملا السافل اوضعيفة البهيمية استهتروا بذكر الله تعالى فترشح عليهم الهامات جزئية وتعبد وتطهر جزئيان، وجنس اهل الاصطلاح ضعيفة الملكية جدا عضوا على الرياضات الشاقة ان كانوا قوي البهيمية او الاوراد الدائمة ان كانوا ضعيفها فلم يثمر ذلك لهم شيئا من الانكشاف لكن

[illegible]

یہ اعمال اور صورتیں جو عمدہ ملکات کی تصویریں ہیں انکے نفوس میں راسخ ہوجاتی ہیں، ان میں سے اکثر لوگوں کے عمل میں کامل اخلاص اور طبیعت دعادت کے میلان سے پورے طور پر علیحدگی شرط نہیں ہوتی ایسے لوگ صدقہ دیتے ہیں لیکن تنگدلی اور ثواب کی امید دونوں انکی نیت میں داخل ہوتی ہیں وہ نماز اسلئے پڑھتے ہیں کہ انکے خاندان میں نماز پڑھنے کا طریقہ جاری ہے اور انکو ثواب کی امید بھی رہتی ہے وہ خدا تعالیٰ کے خوف سے اور لوگو نکے خوف سے زنا اور شراب خوری سے اجتناب کرتے ہیں، یا یہ لوگ مرغوبات حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوتے اور لہو ولعب میں مال خرچ نہیں کرسکتے تو ایسے لوگوں سے اعمال قابل قبول ہوں گے بشرطیکہ انکے قلوب اخلاص خالص کی طاقت نہ رکھتے ہوں اور انکے نفوس نفس اعمال کے پابند رہیں دہ صرف ان کاموں کے جو کسیقدر ملکات کی شرح ہوتے ہیں، پیشتر زمانہ کی حکمت میں مندرج تھا کہ بعض صورت میں تو حیا ر خیر ہے اور بعض صورت میں حیا ، عاجزی اور ضعف ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حیا رسب صورتوں میں عمدہ شئی ہے پس نبی کا یہ فرمان ہماری مذکورہ بالا تقریر کی تائید کرتا ہے ، اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن پر کبھی کبھی قوتِ ملکی کی بجلی چمک جاتی ہے لیکن ان میں اسکا ملکہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسی تجلی سے وہ بالکل ناواقف ہوتے ہیں ایسے لوگ وہ ہیں جو خدا سے استغفار کرتے ہیں ، برائیوں پر اپنے نفس کو ملامت کرتے ہیں، اور وہ ہیں جو تنہائی میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں ، اور ایسے لوگ وہ ہیں جن کا نفس برائی کا پابند نہیں ہوسکتا انکا دل پرندوں کا سا ہوتا ہے ، اسوجہ سے کہ یا تو ان کی فطرت ضعیف ہوتی ہے یا قوت کو زائل کرنے والی کوئی شئی انکے مزاج میں پیدا ہوجاتی ہے جیسے کسی کو شکم میں بیماری ہو یا مصیبتوں میں گرفتار ہو ایسے لوگوں کے مصائب انکے گناہوں کا کفارہ ہوجاتے ہیں ، حاصل کلام یہ ہے کہ اصحاب الیمین کو سابقین کی دونوں خصلتوں میں سے ایک حاصل ہوتی ہے اور ایک حاصل نہیں ہوتی اصحاب الیمین کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے جنکو اصحاب الاعراف کہتے ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں ، ایک قسم کے تو وہ لوگ ہیں جن کے مزاج صحیح اور فطرت پاکیزہ ہے اور ان کو دعوت اسلام کی کچھ خبر نہیں ہوتی ہے یا خبر تو ہوئی ہے لیکن اسطرح سے کہ وہ ان پر حجت نہ بن سکی اور نہ ہی اس سے انکے دلوں کا شبہ دور ہوسکا اسواسطے ان لوگوں کو خسیس ملکات اور برے اعمال میں نہ تو

دخلت الاعمال والهيأت التي هي اشباح الملكات الحسنة في جذر نفوسهم، وكثير منهم لا يشترط في عمله الاخلاص التام والتبري من مقتضى الطبع والعادة بالكلية فيتصدقون بنية ممتزجة من دقة الطبع ورجاء الثواب ويصلون لجريان سنة قومهم على ذلك ولرجاء الثواب ويمتنعون من الزنا وشرب الخمر خوفا من الله وخوفا من الناس اولا يستطيعون اتباع العشيقات ولا بذل الاموال في الملاهي فيقبل منهم ذلك بشرط ان تضعف قلوبهم عن الاخلاص الصرف وان تتمسك نفوسهم بالاعمال نفسها لانها هي شروح للملكات، وكان في الحكمة الاولى ان من الحياء خيرا ومنه ضعفا، فقال النبي صلى الله عليه وسلم الحياء خير كله، ينبه على ما ذكرنا وكثير منهم يبرق عليهم بارقة ملكية في اوقات يسيرة فلا يكون ملكة لهم ولا يكونون اجنبيين عنها كالمستغفرين اللوامين انفسهم وكالذي يذكر الله خاليا وفاضت عيناه وكالذي لا تمسك نفسه الشر لضعف في جبلته انما قلبه كقلب الطير او لتحلل طارئ على مزاجه كالمبطون واهل المصائب كفرت بلاياهم خطاياهم، وبالجملة فاصحاب اليمين فقدوا احدى خصلتي السابقين وحصلوا الاخرى و بعدهم جماعة تسمى باصحاب الاعراف وهم جنسان، قوم صحت امزجتهم وزكت فطرتهم ولم تبلغهم الدعوة الاسلامية اصلا او بلغتهم ولكن بنحو لا تقوم به الحجة ولا تزول به الشبهة فنشأوا غير منهمكين في الملكات

انہماک ہوتا ہے اور نہ ہی جناب حق کیطرف ان کی توجہ ہوتی ہے نہ اثباتاً
اور نہ نفیاً، یہ لوگ اپنے اکثر حالات میں دنیوی کاروبار میں مشغول رہتے
ہیں پس یہ لوگ جب مریں گے تو ایک کورانہ حالت کیطرف رجوع کرینگے
نہ ان کو عذاب ہوگا اور نہ ثواب یہاں تک کہ ان کی بہیمیت محو ہو جائے
اور پھر ملکی قوت کی تجلیوں میں سے کچھ ان پر چمکیں، اور دوسری قسم کہ وہ لوگ
ہیں جن میں عقلی مادہ کم ہے جیسے اکثر لڑکے، دیوانے، کاشتکار اور غلام،
اور اکثر و بیشتر ان کے متعلق لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کو کوئی خوف نہیں
اور جب رسوم کی پابندی ان میں نہ ہو تو خود محض بے عقل رہ جاتے ہیں ایسے
لوگوں کے مومن ہونے میں اتنا ہی کافی ہے جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے سیاہ لونڈی کے لئے کافی سمجھا تھا، اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے دریافت فرمایا۔ خدا کہاں ہے؟ اس نے آسمان کیجانب اشارہ
کیا۔ ایسے لوگوں سے یہی مقصود ہوتا ہے کہ مسلمانوں سے مشابہ رہیں تاکہ
کلمہ کی تفریق نہ ہو، لیکن وہ لوگ جو بری باتوں میں زندگی بسر کرتے ہیں
اور نامناسب طریقہ سے جناب حق کیطرف میلان کرتے ہیں تو ایسے لوگ
اصحاب جاہلیت ہیں جن کو مختلف صورتوں سے عذاب دیا جائے گا،
اصحاب اعراف کے بعد ایک اور جماعت ہے جن کو منافقین کہتے ہیں
ان کا نفاق عملی ہوتا ہے، ان لوگوں کی چند قسمیں ہیں، ان منافقین میں وہ
سعادت پیدا نہ ہوئی جس سے کمال مطلوب پورے طور پر حاصل ہو اسکی
وجہ یا تو یہ ہے کہ ان پر طبیعت کے حجاب غالب آگئے پس وہ برے
خصائل میں پڑے رہے جیسے کھانے و عورتوں کی خواہش ہے اور کینہ ہے
ان کی طاعت سے ان کے گناہوں کو زائل نہیں کیا یا رسم کے حجاب
ان پر غالب آگئے اسوجہ سے رسوم جاہلیت یا بھائی بندیوں یا وطنوں
کو ترک کرنے کی جرات نہ کر سکتے تھے، یا ان پر سوء معرفت اور کج فہمی
کا حجاب پڑ گیا، جیسے اللہ تعالٰے کے ساتھ اوروں کو تشبیہ دینے والے
یا عبادت اور استعانت میں خدا کے ساتھ اوروں کو شریک کرکے
شرک خفی کرنے والے جو اس بات کے قائل ہیں کہ شرک مبغوض
انکے علاوہ کوئی اور ہے، یہ شرک ان امور میں ہوتا ہے جنکی مذہب میں
پوری تصریح نہیں ہوئی اور نہ ہی ان کو بخوبی واضح اور روشن کیا گیا انمیں سے
بعض لوگ ضعیف المزاج، نحیف اور کمزور عقل کے ہوتے ہیں،

الخسيسة والاعمال المردية ولا ملتفتين الى
جناب الحق لا نفيا ولا اثباتا كان اكثر امرهم
الاشتغال بالارتفاقات العاجلة فاولئك اذا
ماتوا رجعوا الى حالة عمياء لا الى عذاب ولا
الى ثواب حتى تنفسخ بهيميتهم فيبرق عليهم
شئ من بوارق الملكية، وقوم نقصت عقولهم
كاكثر الصبيان والمعتوهين والفلاحين و
الارقاء وكثير يزعمهم الناس انهم لا باس
بهم واذا نقص حالهم عن الرسوم بقوا لا
عقل لهم فاولئك يكتفي من ايمانهم بمثل
ما اكتفى رسول الله صلى الله عليه وسلم من
الجارية السوداء سالها اين الله؟ فاشارت
الى السماء انما يراد منهم ان يتشبهوا بالمسلمين
لئلا تتفرق الكلمة، اما الذين نشأوا منهمكين
في الرذائل والتفتوا الى جناب الحق على غير
الوجه الذي ينبغي ان يكون فهم اهل الجاهلية
يعذبون باصناف العذاب وبعدهم جماعة
تسمى بالمنافقين نفاق العمل وهم اجناس
لم تبلغ بهم السعادة الى وجود الكمال المامول
به على ما هو عليه اما غلب عليهم حجاب الطبيعة
ففنوا في ملكة رذيلة مثل شره الطعام والنسا
والحقد ما وضعت عنهم طاعتهم اوزارهم او
حجاب الرسم فلا يكادون يسمحون بترك رسوم
الجاهلية ولا بمهاجرة الاخوان والاوطان او
حجاب سوء المعرفة مثل المتشبهة والذين
اشركوا بالله عبادة او استعانة شركا خفيا
زاعمين ان الشرك المبغض غير ما يفعلونه
وذلك فيما لم تنص فيه الملة ولم يكشف
عنه الغطاء، ومنهم اولو ضعف وسماجة و

جنکو خدا اور رسول کی محبت نے گناہوں سے باز نہ رکھا، جیسے اس شخص کا قصہ جو خدا اور رسول سے دل محبت رکھتا تھا اور شراب پیا کرتا تھا چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی محبت کی شہادت دی، اور ایک جماعت ہے جسکو فاسقین کہتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر ملکات رذیلہ کی بہ نسبت برے اعمال غالب ہیں، ان فاسقین میں سے بعض ہیں بہیمیت بہت زیادہ ہوتی ہے وہ درندوں اور بہائم کی خواہشوں میں منہمک رہتے ہیں اور ان میں سے بعض کے مزاج فاسد ہوتے ہیں اور ان کی رائیں لغو ہوتی ہیں، وہ بمنزلہ اس مریض کے ہوتے ہیں جو مٹی اور جلی ہوئی روٹی کھانے کو پسند کرتا ہے، پس ایسے لوگوں سے شیطانی امور سرزد ہوتے رہتے ہیں، فاسقین کے بعد درجہ کفار کا ہے یہ وہ متمرد اور سرکش لوگ ہیں جنہوں نے باوجود کمال عقل اور صحیح تبلیغ کے لا الٰہ الا اللہ کہنا بھی گوارا نہ کیا، یا شریعت انبیاء علیہم السلام کے پھیلانے میں باری تعالیٰ کا جو ارادہ تھا اسکی مخالفت کی پس انہوں نے لوگوں کو خدا کی راہ سے باز رکھا اور دنیوی زندگی پر قناعت کی اور دنیا کے مابعد زندگی کی کچھ پرواہ نہیں کی، ایسے لوگ ابدی لعنت اور دائمی قید میں رہیں گے، ان کفار میں سے اہل جاہلیت ہیں اور ان میں وہ منافق بھی شامل ہے جو صرف زبان سے ایمان کا اظہار کرتا ہے اور اس کا دل کفر خالص پر قائم ہے، واللہ اعلم۔

ستترہواں باب (۷۹):- اس بیان میں کہ ایک ایسے مذہب کی ضرورت ہے جو اور مذاہب کا ناسخ ہو

تمام مذاہب جو روئے زمین پر موجود ہیں تم ان کی چھان بین کرو، کیا تم ان امور میں جن کا ہم نے گذشتہ ابواب میں ذکر کیا ہے کچھ خلاف نظر آتا ہے؟ بخدا ہرگز نہیں، بلکہ تمام مذاہب میں صاحب مذہب کی نسبت اعتقاد، صداقت اور اس کی تعظیم ہوتی ہے، اسکی نسبت یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ وہ بڑا کامل اور بے نظیر ہے، اور اس اعتقاد کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ عبادات میں لوگ اسکے استقلال کو دیکھتے ہیں یا اس سے خلاف عادت امور کے ظہور کو دیکھتے ہیں یا اسکی دعاؤں کی مقبولیت کو دیکھتے ہیں، اور نیز مذاہب میں ایک حصہ حدود، شرائع اور تعزیرات کا ہوتا ہے جنکے بغیر مذہب کا انتظام نہیں ہو سکتا، پھر اسکے بعد ہمارے مذکورہ بالا اور انکے مماثل امور میں سے کچھ امور ایسے ہوتے ہیں

اهل مجون وسخافة لم ينفع حب الله وحب رسوله فيهم التبري عن المعاصي كقصة من كان يشرب الخمر وكان يحب الله ورسوله بشهادة النبي صلى الله عليه وسلم له، وجماعة تسمى بالفاسقين وهم الذين يغلب عليهم اعمال السوء اكثر من الملكات الرذيلة منهم اصحاب بهيمية شديدة اندفعوا الى مقتضيات السبعية والبهيمية، ومنهم اولو امزجة فاسدة وآراء كاسدة بمنزلة المريض الذي يحب اكل الطين والخبز المحترق فصاروا يندفعون الى الشيطنة وبعدهم الكفار وهم المردة المتمردة ابوا ان يقولوا لا اله الا الله مع تمام عقلهم وصحة التبليغ اليهم او ناقضوا ارادة الحق في تمشية امر الانبياء عليهم السلام فصدوا عن سبيل الله واطمأنوا بالحياة الدنيا ولم يلتفتوا الى ما بعدها فاولئك يلعنون لعنا مؤبدا او يسجنون سجنا مخلدا، ومنهم اهل الجاهلية، ومنهم المنافق الذي امن بلسانه وقلبه باق على الكفر الخالص والله اعلم.

بابُ الحاجة الى دينٍ ينسخ الأديان

استقرِ الملل الموجودة على وجه الأرض هل ترى من تفاوت عما اخبرتك في الابواب السابقة؟ كلا والله بل الملل كلها لا تخلو من اعتقاد صدق صاحب الملة وتعظيمه وانه كامل منقطع النظير لما راوا منه من الاستقامة في الطاعات أو ظهور الخوارق واستجابة الدعوات ومن الحدود والشرائع والمزاجر مما لا تنتظم الملة بغيرها ثم بعد ذلك امور تفيد الاستطاعة

جو عمل میں آسانی کی استطاعت پیدا کرتے ہیں،

ہر ایک قوم کا ایک طریقہ اور شریعت ہوتی ہے جس میں اسکے بزرگوں کی عادت کا اتباع کیا جاتا ہے اور اسمیں ائمہ دین اور حاملین مذہب کی روش کو پسند کیا جاتا ہے پھر اس مذہب کی بنیادوں کو اور ارکان کو نہایت مستحکم کیا جاتا ہے حتیٰ کہ اس مذہب کے پیرو اسکی حمایت میں جنگ کرتے ہیں اور جان و مال اسکے لئے قربان کرتے ہیں، یہ جاں بازیاں نہایت مضبوط تدابیر اور پختہ مصلحتوں کی وجہ سے ہوتی ہیں جنکو عوام لوگ نہیں سمجھ سکتے اور جب ایک فرقہ کا مذہب جدا قرار پا جاتا ہے اور وہ اپنے طریقے مقرر کر لیتے ہیں اور اسکے مخالف امور کی اپنی زبانوں سے مدافعت کرتے ہیں اور اپنی تلواروں سے اسکے لئے مقابلہ کرتے ہیں اور پھر ان میں اسوجہ سے بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے کہ جو شخص ملت کے قیام کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ اسکا سربراہ کار ہو جاتا ہے، یا نئے نئے طریقے اسمیں خلط ملط ہو جاتے ہیں اور اسمیں ملکر پوشیدہ ہو جاتے ہیں، یا حاملین ملت اشاعت مذہب میں سست ہو جاتے ہیں تو ان اسباب سے لوگ مذہب کے اکثر حصہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور کچھ نام و نشان باقی رہ جاتا ہے جس سے حالت کا پتہ نہیں چلتا، اور ہر ایک مذہب والا اپنے مخالف مذہب کو برا بھلا کہتا ہے، اسکا انکار کرتا ہے اور اسکے خلاف قتال کرتا ہے اور حق پوشیدہ ہو جاتا ہے تب ایک ایسے کامل رہنما کی ضرورت ہوتی ہے تو تمام مذاہب سے ایسا ہی معاملہ کرے جیساکہ ہدایت یافتہ خلیفہ ظالم بادشاہوں کے ساتھ کرتا ہے اور تم اسمیں غور کرو جسکو کتاب "الکلیلۃ والدمنۃ" کے مترجم نے جسکا اس نے ہندی سے فارسی میں ترجمہ کیا ہے مذاہب کے خلط ملط ہونے کے متعلق ذکر کیا ہے، مترجم نے قصد کیا تھا کہ درست اور صحیح بات ثابت ہو جائے لیکن سوائے قدر قلیل کے وہ اسکو نہ کر سکا، اسی طرح مؤرخین کے اس بیان میں غور کرو جو زمانہ جاہلیت کے حالات اور ان کے مذاہب کی ابتری سے متعلق ہے، اس امام کو جو تمام فرقوں کو ایک مذہب پر جمع کرنا چاہتا ہے علاوہ ان اصول امامت کے جو پیشتر مذکور ہو چکے ہیں اور اصول کی بھی ضرورت پڑتی ہے، انہیں سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگوں کو راہ راست کیطرف بلائے انکے نفوس کا تزکیہ کرے اور انکی حالت کو درست کرے، پھر انکو بمنزلہ اپنے اعضاء کے بنا لے تاکہ انکے ذریعہ تمام عالم میں جہاد کرے اور انکو دنیا میں پھیلا دے چنانچہ خدا کے اس قول میں یہی مراد ہے "تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی تکمیل کیلئے پیدا کئے گئے ہو" اور یہ اسلئے ہے کہ یہ امام خود تنہا بے شمار قوموں سے

الميسرة مما ذكرنا وما يضاهيه ولكل قوم سنة وشريعة يتبع فيها عادة اوائلهم ويختار فيها سيرة حملة الملة وائمتها ثم احكم بنيانها وشدد اركانها حتى صار اهلها ينصرونها ويتناضلون دونها ويبذلون الاموال والمهج لاجلها وما ذلك الا لتدبيرات محكمة ومصالح متقنة لا تبلغها نفوس العامة ولما انفرز كل قوم بملة وانتحلوا سننا وطرائق وناضلوا دونها بالسنتهم وقاتلوا عليها باسنتهم ووقع فيهم الجور اما لقيام من لا يستحق اقامة الملة بها او لاختلاط الشرائع الابتداعية ودسها فيها او لتهاون حملة الملة فاهملوا اكثيرا مما ينبغي فلم تبق الا دمنة لم تتكلم من ام اوفى ولامت كل ملة اختها وانكرت عليها وقاتلتها واختفى الحق مست الحاجة الى امام راشد يعامل مع الملل معاملة الخليفة الراشد مع الملوك الجائرة، ولك عبرة فيما ذكره ناقل كتاب "الكليلة" و "الدمنة" من الهندية "الى الفارسية" من اختلاط الملل وانه اراد ان يتحقق الصواب فلم يقدر الا على شئ يسير وفيما ذكره اهل التاريخ من حال الجاهلية واضطراب اديانهم وهذا الامام الذى يجمع الامم على ملة واحدة يحتاج الى اصول اخرى غير الاصول المذكورة فيما سبق، منها ان يدعو قوما الى السنة الراشدة ويزكيهم ويصلح شانهم ثم يتخذهم بمنزلة جوارحه فيجاهد اهل الارض ويفرقهم فى الآفاق وهو قوله تعالى كنتم خير امة اخرجت للناس وذلك لان هذا الامام نفسه لا يتأتى منه مجاهدة امم غير محصورة واذا كان كذلك

تو ضروری ہے کہ اسکی شریعت کا مادہ تمام معتدل اقالیم کے باشندوں کیلئے اور تمام عرب و عجم کے لئے بمنزلہ طبعی مذہب کے ہو اسکے بعد وہ مادہ شریعت اسکی قوم کے علوم اتفاقات کے موافق ہو اور اس میں بہ نسبت دوسروں کے اسکی قوم کی حالت کا زیادہ لحاظ رکھا گیا ہو، پھر تمام لوگوں کو اس شریعت کی پیروی کا حکم دیا جائے کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہر ہر قوم کی حالت کو اسی کے سپرد کر دیا جائے یا ہر زمانہ کے اماموں پر اسکو چھوڑ دیں اسلئے کہ اس سے شریعت مقررہ بے سود ہو جاتی ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ ہر ہر قوم کے حالات وعادات دیکھ کر ہر ایک کیلئے جداگانہ شریعت مقرر کیجائے اسلئے کہ انکی عادات اور ان کے حالات کا احاطہ کرنا باوجود ان کے شہر اور مذاہب کے اختلاف کے محال کے درجہ میں ہے۔ حالانکہ تمام نقل کرنیوالے صرف ایک شریعت کے نقل کرنے میں آجز آگئے ہیں تو مختلف شرائع کی نسبت تم کیا خیال کرسکتے ہو، اور نیز اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک مدت تک زمانے کے بعد دوسرے لوگ شریعت کے مطیع ہوتے ہیں جس کے لئے نبی کی عمر وفا نہیں کرتی اس وقت کی موجودہ شریعتوں میں ایسا ہی ہوا ہے، یہود، نصاریٰ اور مسلمانوں کے متقدمین میں سے ایک مختصر سی جماعت ہی ایمان لائی تھی پھر اسکے بعد ان کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا۔ تو اس سے زیادہ عمدہ اور آسان طریقہ نہیں ہے کہ شرائع، حدود اور تدابیر میں اسی قوم کی عادت کا اعتبار کیا جائے جسکی طرف رسول مبعوث ہوا ہے۔ اور یہ کہ ان کے بعد دوسرے آنے والوں پر یہ امور بالکل تنگی کا باعث نہ ہوں گو کسی قدر ان پر تنگی رہے،

متقدمین کے لئے تو اس شریعت کو قبول کرنا اپنی دلی شہادت اور اپنی عادات کی وجہ سے آسان ہو جاتا ہے اور متاخرین کے لئے اس شریعت کا اختیار کرنا اس مذہب کے ائمہ اور خلفاء کی سیرتوں میں رغبت رکھنے کی وجہ سے سہل ہو جاتا ہے کیونکہ یہ امر ہر قوم کے لئے ہر زمانہ میں خواہ قدیم ہو یا جدید بمنزلہ امر طبعی کے ہے،

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تمام ممالک جو مزاج معتدل کی تولید کی صلاحیت رکھتے ہیں دو بڑے بادشاہوں کے ماتحت تھے، ایک ان میں سے کسریٰ جو ملک عراق، یمن خراسان اور ان کے متصل ملکوں کا بادشاہ تھا ٭

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

وجب ان تكون مادة شريعته ما هو بمنزلة المذهب الطبيعي لاهل الاقاليم الصالحة عربهم وعجمهم ثم ما عند قومه من العلوم والارتفاقات ويراعى فيه حالهم اكثر من غيرهم ثم يحمل الناس جميعا على اتباع تلك الشريعة لانه لا سبيل الى ان يفوض الامر الى كل قوم او الى ائمة كل عصر اذ لا يحصل منه فائدة التشريع اصلا ولا الى ان ينظر ما عند كل قوم ويمارس كلا منهم فيجعل لكل شريعة اذ الاحاطة بعاداتهم وما عندهم على اختلاف بلدانهم وتباين اديانهم كالممتنع وقد عجز جمهور الرواة عن رواية شريعة واحدة فما ظنك بشرائع مختلفة والاكثر انه لا يكون انقياد الآخرين الا بعد عدد ومدد لا يطول عمر النبي اليها كما وقع في الشرائع الموجودة الآن فان اليهود والنصارى والمسلمين ما آمن من اوائلهم الا جمع ثم اصبحوا ظاهرين بعد ذلك فلا احسن ولا ايسر من ان يعتبر في الشعائر والحدود والارتفاقات عادة قومه المبعوث فيهم ولا يضيق كل التضييق على الآخرين الذين يأتون بعد ويبقى عليهم في الجملة والاولون يتيسر لهم الاخذ بتلك الشريعة بشهادة قلوبهم وعاداتهم والآخرون يتيسر لهم ذلك بالرغبة في سير ائمة الملة والخلفاء فانها كالامر الطبيعي لكل قوم في كل عصر قديما او حديثا والاقاليم الصالحة لتولد الامزجة المعتدلة كانت مجموعة تحت ملكين كبيرين يومئذ، احدهما كسرى، و كان متسلطا على العراق واليمن وخراسان

اور ماوراء النہر اور ہند کے بادشاہ اسکے محکوم تھے، ہر سال وہ کسریٰ کو خراج بھیجتے تھے اور دوسرا قیصر جو شام، روم اور ان کے قرب وجوار کے ملکوں پر مسلط تھا، مصر مغرب اور افریقہ کے بادشاہ اسکے زیر فرمان اور باج گزار[1] تھے، اسی وجہ سے ان دونوں شہنشاہوں کی طاقت کو متزلزل کر دینا اور ان کے ممالک پر قبضہ کر لینا گویا تمام روئے زمین پر قبضہ کر لینا تھا، ان سلاطین کے عادات واطوار جو آسائش سے متعلق تھے تمام ان کے ماتحت ملکوں میں پھیل گئے تھے پس ان عادات کو تبدیل کرنا اور ایسی حرکات سے ان کو باز رکھنا گویا تمام ملکوں کی عادات پر تنبیہ کر دینا تھا اگرچہ بعد میں ان کے امور مختلف ہو گئے۔ اور حضرت عمرؓ نے جب عجم کی لڑائیوں میں ہرمزان سے مشورہ لیا تھا تو کسیقدر اس حالت کا اس نے ذکر کیا تھا۔ ان کے علاوہ اطراف دنیا جو اعتدالِ مزاجی سے دور تھے، مصلحتِ کلی میں قابل اعتبار نہ تھے اسی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تک ترک تم سے کنارہ کریں تم بھی ان سے تعرض نہ کرو اور اہل حبش جب تک تم سے نہ لڑیں تم ان سے نہ لڑو"

حاصل یہ ہے کہ جب خداوند عالم نے ارادہ کیا کہ مذہب کی کجی کو دور کر دے اور لوگوں کے لئے ایسا گروہ پیدا کر دے جو لوگوں کو نیک امور بتلائے اور برائیوں سے روکے اور لوگوں کی خراب رسموں کو بدلائے تو ایسا انتظام دونوں دولتوں کے زوال پر موقوف تھا اور ان دونوں سلطنتوں کے حال پر تعرض کرنے سے بسہولت حاصل ہو سکتا تھا، کیونکہ انہی کی حالتیں تمام عمدہ ملکوں میں سرایت کر گئی تھیں یا سرایت کرنے کے قریب تھیں اس واسطے خدا تعالےٰ نے ان دونوں سلطنتوں کا زوال مقدر کر دیا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ کسریٰ ہلاک ہو گیا اب کوئی کسریٰ اسکے بعد نہ ہوگا اور قیصر ہلاک ہو گیا اب کوئی قیصر اسکے بعد نہ ہوگا، اور اس حق کو نازل کیا جو تمام دنیا کی بیہودگی کو دور کرے اس طور سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے ذریعہ عرب کی اصلاح کی گئی،

وما وليهما، وكانت ملوك ما وراء النهر و الهند تحت حكمه يجبى اليه منهم الخراج كل سنة، و الثانى قيصر وكان متسلطا على الشام والروم وما وليهما وكان ملوك مصر و المغرب والافريقية تحت حكمه يجبى اليه منهم الخراج، وكان كسر دولة هذين الملكين والتسلط على ملكهما بمنزلة الغلبة على جميع الارض وكانت عاداتهم فى الترفه سارية فى جميع البلاد التى هى تحت حكمهما وتغير تلك العادات وصدهم عنها مفضيا فى الجملة الى تنبيه جميع البلاد على ذلك وان اختلفت امورهم بعده، وقد ذكر الهرمزان شيئا من ذلك حين استشاره عمر رضى الله عنه فى غزوة العجم، اما سائر النواحى البعيدة عن اعتدال المزاج فليس بها كثير اعتداد فى المصلحة الكلية ولذلك قال النبى صلى الله عليه واله وسلم اتركوا الترك ما تركوكم و دعوا الحبشة ما دعوكم، وبالجملة فلما اراد الله تعالى اقامة الملة العوجاء وان يخرج للناس امة تامرهم بالمعروف وتنهاهم عن المنكر وتغير رسومهم الفاسدة كان ذلك موقوفا على زوال دولة هذين متيسرا بالتعرض لحالهما فان حالهما يسرى فى جميع الاقاليم الصالحة او يكاد يسرى فقضى الله بزوال دولتهما واخبر النبى صلى الله عليه و سلم بان هلك كسرى فلا كسرى بعده و هلك قيصر فلا قيصر بعده و نزل الحق الدامغ لباطل جميع الارض فى دمغ باطل العرب بالنبى صلى الله عليه وسلم واصحابه

[1] اسوقت کی یورپ کی سلطنتیں جیسے فرانس، انگلینڈ، جرمنی، اٹلی وغیرہ بہت چھوٹی چھوٹی سلطنتیں تھیں اور اکثر قیصر کے ماتحت رہا کرتی تھیں، ۱۲۔

اور عرب کے ذریعہ ان دونوں سلطنتوں کی بیہودگی رفع کیجائے اور پھر ان دونوں کے ذریعے تمام عالم کو دروغ اور نار اسی سے پاک صاف کر دیا جائے اور امام کے لئے جن اصول کی ضرورت پڑتی ہے انہیں سے ایک یہ بھی ہے کہ مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ خلافت عامہ کا بھی انتظام کرتا رہے اور اپنے بعد خلفاء اپنے ہی اہل شہر اور قوم میں سے مقرر کرے جن کا نشو ونما انہیں عادات اور طریقوں پر ہوا ہے کیونکہ آنکھیں سیاہ کرنا سرمہ لگانے کے مانند[1] نہیں، اور لوگوں میں خاندانی حمیت اور غیرت کے ساتھ مذہبی حمیت بھی ہوتی ہے اور ان کی شان اور رتبہ کی بلندی صاحب مذہب کی شان اور اسکے مرتبہ کی بلندی سمجھی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" امام خاندان قریش سے ہونے چاہئیں" امام ہمیشہ خلفاء کو دین کے قائم کرنے اور شائع کرنے کی ہدایت کرتا رہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے :- تمہارا دین پر باقی رہنا اسوقت تک ہے جبتک تمہارے ائمہ تمہارے ساتھ ٹھیک ٹھیک پیش آتے رہیں،

اور ان اصول میں سے یہ بھی ہے کہ امام اپنے مذہب کو سب مذاہب پر غالب کرے اور کسی شخص کو ایسا نہ چھوڑے جس پر دین غالب نہ ہو جائے خواہ اس میں کسی کی عزت ہو یا ذلت، پس لوگ تین درجہ کے ہو جائینگے ایک وہ جو ظاہراً و باطناً دین کے فرماں بردار ہونگے، دوسرے وہ جو مجبوراً ظاہر میں اسکی اطاعت کریں گے اور اس سے مخالفت نہ کرسکیں گے، تیسرے کفار ذلیل، جن کو کھیتی کاٹنے، اناج نکالنے اور تمام کاموں میں امام اسی طرح مسخر اور ذلیل بنا کر رکھے گا جیسے چارپائے کھیتی اور بوجھ لادنے کے کام میں آتے ہیں، اور ایسے لوگوں پر ذلت کی کوئی بات ضرور مقرر کیجائے گی اور ان سے بحالت ذلت جزیہ وصول کیا جائیگا،

دوسرے مذاہب پر ایک دین کے غالب آجانے کے چند اسباب ہوتے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ تمام مذاہب کے شعاروں پر اپنے مذہب کے شعار کا اعلان کرے، اور مذہبی شعار ایک امر ظاہری ہوتا ہے جو اس مذہب کے ساتھ خاص ہوتا ہے اسی کی وجہ سے یہ مذہب والا دوسرے مذاہب سے ممتاز ہوتا ہے مثلاً ختنہ، مسجدوں کی تعظیم، اذان، جمعہ اور جماعات۔ اور ان اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ صاحب مذہب والے لوگوں کو تمام ادیان کے شعائر عمل میں لانے سے روک دے، اور ان اسباب میں سے ایک یہ ہے

ودمغ باطل هذين الملكين بالعرب ودمغ سائر البلاد بملئهما ولله الحجة البالغة ومنها ان يكون تعليمه الدين اياهم مضموما الى القيام بالخلافة العامة وان يجعل الخلفاء من بعده اهل بلده وعشيرته الذين نشؤا على تلك العادات والسنن وليس التكحل فى العينين كالكحل، ويكون الحمية الدينية فيهم مقرونة بالحمية النسبية ويكون علو امرهم ونباهة شانهم علو الامر صاحب الملة ونباهة لشانه وهو قوله صلى الله عليه وآله وسلم الائمة من قريش، ويوصي الخلفاء باقامة الدين واشاعته وهو قول ابى بكر الصديق رضى الله عنه بقاؤكم عليه ما استقامت بكم ائمتكم، ومنها ان يجعل هذا الدين غالبا على الاديان كلها ولا يترك احدا الا قد غلبه الدين بعز عزيز او ذل ذليل فينقلب الناس ثلاث فرق، منقاد للدين ظاهرا وباطلا، ومنقاد بظاهره على رغم انفه لا يستطيع التحول عنه، وكافر مهان يسخره فى الحصاد والدياس وسائر الصناعات كما تسخر البهائم فى الحرث وحمل الأثقال ويلزم عليه سنة زاجرة ويؤتى الجزية عن يد وهو صاغر

وغلبة الدين على الاديان لها اسباب منها اعلان شعائره على شعائر سائر الاديان وشعائر الدين امر ظاهر يختص به يمتاز صاحبه به من سائر الاديان كالختان وتعظيم المساجد والاذان والجمعة والجماعات ومنها ان يقبض على ايدى الناس ان لا يظهروا شعائر سائر الاديان، ومنها ان

[1] یعنی اصل اور نقل میں بڑا فرق ہوا کرتا ہے، ۱۲۔

کہ قصاص میں، دیتوں میں، نکاحوں میں، ریاستوں کے انتظام میں کافروں کو مسلمانوں کے ہمسر نہ کرے تاکہ یہ امور ان کو ایمان پر مجبور کریں،

اور ان اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کو نیکی اور بدی کے اعمالِ ظاہری کی تکلیف دے اور لوگوں پر ان اعمال کی سخت پابندی کرا دے اور ان کی ارواح کیطرف زیادہ اشارہ نہ کرے اور شریعت کی کسی بات میں ان کو خود مختار نہ کرے، شرائع کے علم اسرار کو جو تفصیلی احکام کا ماخذ ہے عام لوگوں سے مخفی رکھے جس کا پتہ راسخ العلم ہی لگا سکے اسواسطے کہ اکثر مکلفین نہ تو ان مصالح کو معلوم کر سکتے ہیں اور نہ ہی انکی معرفت کی استطاعت ان کو حاصل ہو سکتی ہے جب تک کہ ان مصالح کے قواعد منضبط نہ کر دیئے جائیں اور وہ بمنزلہ محسوسات کے ہو جائیں کہ ہر حاصل کرنیوالا ان کو حاصل کر سکے پس اگر کسی امر کے چھوڑنے کی ان کو اجازت دیدیجائے یا ان کو یہ بتلا دیا جائے کہ مقصود اصلی ان ظاہری اعمال کے سوا کوئی اور امر ہے تو انکے واسطے غور کرنے کے مواقع وسیع ہو جائیں گے اور وہ نہایت سخت اختلاف میں مبتلا ہو جائینگے، اور لوگوں کے متعلق خدا تعالے کا جو مقصود ہے وہ حاصل نہ ہو سکے گا، واللہ اعلم،

منجملہ ان اسباب کے یہ ہے کہ تلوار کے ذریعہ محض غلبہ پانے سے لوگوں کے دلوں کے شبہات دور نہیں ہو سکتے پس احتمال رہتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد پھر وہ کفر کیطرف رجوع کر جائیں، اسواسطے امام کیلئے ضروری ہے کہ یقینی اور قطعی دلائل کے ذریعہ یا خطابی امور کے ذریعہ جو عام لوگوں کے اذہان میں مفید ہوں یہ ثابت کر دے کہ اور مذاہب اتباع کے قابل نہیں ہیں اسلئے کہ وہ کسی معصوم شخص سے منقول نہیں ہیں یا وہ قواعد ملت کے مطابق نہیں ہیں یا ان میں تحریف اور تبدیل واقع ہو گئی ہے، اور بعض امور بے موقع ہیں اور سب لوگوں کے سامنے دین اسلام کی صحت اور اسکے مرجحات کو صاف صاف بیان کر دے کہ یہ دین آسان اور صاف ہے اور اسکے احکام واضح ہیں جن کی خوبیاں عقل معلوم کر سکتی ہے اور اسکی رات بمنزلہ دن کے ہے،[1] اور اسکے طریقے عام لوگوں کو زیادہ نافع ہیں اور انبیاء سابقین کی سیرت میں سے جو امور لوگوں میں باقی ہیں ان کے ساتھ یہ دین زیادہ مشابہ ہے اور اسی جیسی تفاصیل امام کو واضح کرنا چاہیے، واللہ اعلم،

[1] یعنی دین اسلام میں مشتبہ امر بھی بالکل واضح ہے ۱۲.

لا يجعل المسلمين اكفاء للكافرين في القصاص والديات ولا في المناكحات ولا في القيام بالرياسات ليلجئهم ذلك الى الايمان الجاء، ومنها ان يكلف الناس باشباح البر والاثم ويلزمهم ذلك الزاما عظيما ولا يلوح لهم بارواحها كثير تلويح ولا يخيرهم في شئ من الشرائع ويجعل علم اسرار الشرائع الذي هو ماخذ الاحكام التفصيلية علما مكنونا لا يناله الا من ارتسخت قدمه في العلم وذلك لان اكثر المكلفين لا يعرفون المصالح ولا يستطيعون معرفتها الا اذا ضبطت بالضوابط وصارت محسوسة يتعاطاها كل متعاط فلو رخص لهم في ترك شئ منها او بين ان المقصود الاصلي غير تلك الاشباح لتوسع لهم مذاهب الخوض واختلفوا اختلافا فاحشا ولم يحصل ما اراد الله فيهم والله اعلم، ومنها انه لما كانت الغلبة بالسيف فقط لا تدفع رين قلوبهم فعسى ان يرجعوا الى الكفر عن قليل وجب ان يثبت بامور برهانية او خطابية نافعة في اذهان الجمهور ان تلك الاديان لا ينبغي ان تتبع لانها غير ماثورة عن المعصوم او انها غير منطبقة على قوانين الملة او ان فيها تحريفا ووضعا للشئ في غير موضعه ويصحح ذلك على رءوس الاشهاد ويبين مرجحات الدين القويم من انه سهل سمح وان حدوده واضحة يعرف العقل حسنها وان ليلها نهارها وان سننها انفع للجمهور واشبه بما بقي عندهم من سيرة الانبياء السابقين عليهم السلام وامثال ذلك والله اعلم

اٹھارہواں باب :- دین کو تحریف سے محفوظ اور مضبوط کرنے کا بیان

اس شخص کے لئے جو نہایت بڑے انتظام کا مالک ہے خدا کیطرف سے ایسے دین کو لاتا ہے جو تمام مذاہب کا ناسخ ہے، یہ امر ضروری ہے کہ وہ اپنے مذہب کو اسطرح پختہ کرے کہ کسی قسم کی تحریف کا اس تک گذر نہ ہوسکے اور یہ اسلئے کہ یہ شخص متفرق جماعتوں کو شامل کرتا ہے جنکی استعدادیں اور اغراض مختلف ہوا کرتی ہیں، پس بسا اوقات ان کی ہوائے نفسانی یا اس مذہب کی الفت جس میں وہ پہلے رہ چکے ہیں، یا قصور فہم کہ کسی شئی کو وہ سمجھ لیتے ہیں اور اسکی اکثر مصلحتیں ان کو معلوم نہیں ہوتیں یہ امور ان کو آمادہ کرتے ہیں کہ مذہب کے منصوص مسائل میں فروگذاشت کریں، یا جو چیزیں اس مذہب میں شامل نہیں ہیں ان کو مندرج کردیں اسلئے اس مذہب میں خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں جیساکہ گذشتہ مذاہب میں ایسا ہی ہوا ہے، اور چونکہ خرابیوں کے تمام طریقوں کا ضبط کرنا ناممکن تھا کیونکہ وہ حصر میں نہیں آسکتے اور نہ ہی ان کی تعیین ہوسکتی ہے اور یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ جو بتمامہ حاصل نہ ہو وہ بالکل چھوڑا بھی نہ جائے تو یہ ضروری ہے کہ اجمالی طور پر تحریف کے اسباب سے ان کو خوب متنبہ کردے اور ان مسائل کو متعین کردے جن میں ظن اور تخمین سے یہ معلوم ہوگیا ہے کہ ان میں سستی اور تحریف کرنا بنی آدم میں ایک استمراری بیماری ہے، پس ان میں فساد کے راستے کو نہایت اہتمام سے بند کردے اور ایک ایسی شئی کو مشروع قرار دے جو تمام مذاہب فاسدہ کے مالوف کے خلاف ہو ایسے امر میں جو لوگوں کے نزدیک سب سے زیادہ مشہور ہو جیساکہ مثلاً نمازیں ہیں،

منجملہ اسباب تحریف کے ایک سستی ہے اور اس سستی کی حقیقت یہ ہے کہ حواریوں کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوجاتے ہیں جو نمازوں کو تباہ کرتے ہیں اور اپنی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں، درس و تدریس اور عمل کے ذریعہ اشاعت دین میں کچھ بھی سعی نہیں کرتے نہ وہ لوگوں کو نیکی کی تعلیم کرتے ہیں اور نہ برائی سے انکو روکتے ہیں اسی واسطے بہت جلد مذہب کے خلاف رسمیں قائم ہوجاتی ہیں اور لوگوں کی طبیعتیں ان امور کی طرف ہوجاتی ہیں جو شرائع کے خلاف ہوتے ہیں، ان کے بعد اور ناخلف پیدا ہوتے ہیں جو سستی میں ان سے بھی بڑھ کر ہوتے ہیں یہاں تک کہ علم مذہب کا بڑا حصہ بھلا دیا جاتا ہے،

باب احكام الدين من التحريف

لابد لصاحب السياسة الكبرى الذى ياتى من الله بدين ينسخ الاديان من ان يحكم دينه من ان يتطرق اليه تحريف وذلك لانه يجمع امما كثيرة ذوى استعداد ات شتى واغراض متفاوتة فكثيرا ما يحملهم الهوى او حب الدين الذى كانوا عليه سابقا او الفهم ناقص حيث عقلوا شيئا وغابت مصالح كثيرة ان يهملوا ما نصت الملة عليه او يدسوا فيها ماليس منها فيختل الدين كما قد وقع فى كثير من الاديان قبلنا، ولما لم يمكن الاستقصاء فى معرفة مداخل الخلل فانها غير محصورة والمتعينة وما لا يدرك كله لا يترك كله وجب ان ينذرهم من اسباب التحريف اجمالا اشد الانذار ويخص مسائل قد علم بالحدس وان التهاون والتحريف فى مثلها او بسببها داء مستمر فى بنى ادم فيسد مدخل الفساد منها باتم وجه وان يشرع شيئا يخالف مالوف الملل الفاسدة فيما هو اشهر الاشياء عندهم كالصلوات مثلا ومن اسباب التحريف التهاون وحقيقته ان يخلف بعد الحواريين خلف اضاعوا الصلوة واتبعوا الشهوات لا يهتمون باشاعة الدين تعلما وتعليما وعملا ولا يأمرون بالمعروف ولا ينهون عن المنكر فينعقد عما قريب رسوم خلاف الدين وتكون رغبة الطبائع خلاف رغبة الشرائع فيجئ خلف أخرون يزيدون فى التهاون

بزرگان قوم اور رؤسا کی سستی لوگوں کے حق میں زیادہ ضرر رساں اور باعث فساد ہوتی ہے اسی سبب سے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کا مذہب نیست و نابود ہو گیا اور اب لوگوں میں سے کوئی بھی ان مذاہب کی اصلی حالت کو جاننے والا نہ رہا، اور سستی کے اسباب چند امور ہیں:

از انجملہ صاحب مذہب سے مذہبی امور کا نقل نہ کرنا اور ان پر عمل نہ کرنا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں یہی مراد ہے "ہوشیار ہو جاؤ عنقریب ایسا ہوگا کہ پیٹ بھرا آدمی اپنی مسند پر بیٹھ کر یہ کہے گا، اس قرآن کو مضبوطی سے لو پس جو چیز تم قرآن میں حلال پاؤ ان کو حلال سمجھو اور جو حرام پاؤ ان کو حرام سمجھو، حالانکہ جو شئی رسول اللہ نے حرام کی ہے وہ ویسی ہی حرام ہے جیسی خدا تعالیٰ نے حرام کی ہے" اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "خدا تعالیٰ علم کو لوگوں کے دلوں سے بھلا کر دور نہ کرے گا بلکہ علماء کو ختم کر کے علم کو چھین لیگا یہاں تک کہ جب کوئی عالم ہی باقی نہ رکھے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنا لیں گے، لوگ ان سے مسائل دریافت کریں گے وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے اسلئے خود بھی گمراہ ہو گئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے"

اور سستی کے اسباب میں سے ایک سبب اغراض فاسدہ ہیں جن کی خاطر لوگ جھوٹی تاویلیں کرتے ہیں جیسے بادشاہوں کی خوشنودی کی خاطر ان کی خواہش نفسانی پورا کرنے کیلئے لوگ ایسا کرتے ہیں، خدا تعالیٰ فرماتا ہے "جو لوگ کتاب الٰہی کے احکام کو جو منزل من اللہ ہیں چھپاتے ہیں اور ان کے عوض کچھ قیمت لے لیتے ہیں وہ اپنے شکموں میں آگ کو کھاتے ہیں" اور ان اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ لوگوں میں برائیاں پھیل جاتی ہیں اور علماء ان سے لوگوں کو باز نہیں رکھتے اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے "پس تم سے پہلی نسلوں میں سے اہل فضل زمین میں فساد پیدا کرنے سے منع کرنے والے کیوں نہ ہوئے سوائے ان چند لوگوں کے جن کو ہم نے بچا لیا اور ظالم اسی چیز کے پیچھے پڑے جس میں ان کو فارغ البالی دی گئی تھی اور وہ مجرم بن گئے" اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہو گئے تو ان کے علماء نے ان کو روکا لیکن وہ باز نہ آئے پس علماء بھی ان کی مجلسوں میں شریک ہونے لگے اور ان کے ساتھ کھانے پینے لگے تو خدا نے سب کے دل یکساں کر دیے

حتى ينسى معظم العلم، والتهاون من سادة القوم وكبرائهم اضر بهم واكثر افسادا، و بهذا السبب ضاعت ملة نوح وابراهيم عليهما السلام فلم يكد يوجد منهم من يعرفها على وجهها ومبدأ التهاون امور:

منها عدم تحمل الرواية عن صاحب الملة والعمل به وهو قوله صلى الله تعالى عليه واله وسلم: "الا يوشك رجل شبعان على اريكته يقول عليكم بهذا القرآن فما وجدتم فيه من حلال فاحلوه وما وجدتم فيه من حرام فحرموه وان ما حرم رسول الله كما حرم الله" وقوله صلى الله تعالى عليه واله وسلم: ان الله لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من الناس ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى اذا لم يبق عالما اتخذ الناس رؤساء جهالا فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا، ومنها الاغراض الفاسدة الحاملة على التاويل الباطل كطلب مرضاة الملوك في اتباعهم الهوى لقوله تعالى ان الذين يكتمون ما انزل الله من الكتاب و يشترون به ثمنا قليلا اولئك ما ياكلون في بطونهم الا النار، ومنها شيوع المنكرات و ترك علمائهم النهي عنها وهو قوله تعالى فلو لا كان من القرون من قبلكم اولو بقية ينهون عن الفساد في الارض الا قليلا ممن انجينا منهم واتبع الذين ظلموا ما اترفوا فيه و كانوا مجرمين، وقوله صلى الله عليه وسلم لما وقعت بنو اسرائيل في المعاصي نهتهم علماؤهم فلم ينتهوا فجالسوهم في مجالسهم واكلوهم و شاربوهم فضرب الله قلوب بعضهم ببعض

اور حضرت داؤد و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے ان پر لعنت کی، یہ لعنت ان کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ہوئی، اور تحریف کے اسباب میں سے ایک سبب تعمق ہے اسکی حقیقت یہ ہے کہ شارع کسی شئی کا حکم کرتا ہے اور کسی چیز سے ممانعت کرتا ہے پس اسکی امت کا کوئی شخص اسکو سنتا ہے اور اپنے ذہن کے موافق اسکو سمجھتا ہے پس وہ اس حکم کو ان ان امور میں تجویز کرتا ہے جو کسی وجہ سے اصل شئی کے مشابہ ہوتے ہیں یا انہیں اس حکم شرعی کی علت کے بعض اجزاء پائے جاتے ہیں یا شارع کے حکم کو اس شئی کے اجزاء میں یا اسکے محتمل مواقع یا اسکے اسباب میں بھی تجویز کرتا ہے اور روایتوں کے تعارض کیوجہ سے جب اسکو کسی امر میں شبہ ہوجاتا ہے تو وہ نہایت اشد کام کی پابندی کرتا ہے اور اسکو واجب قرار دیتا ہے، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام افعال کو عبادت پر محمول کرتا ہے حالانکہ حق بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے کام حسب عادت بھی کئے ہیں پس اسکا یہی خیال رہتا ہے کہ امر اور نہی ان امور عادیہ کو بھی شامل ہیں اور وہ بآواز بلند یہ کہنے لگتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے اور اس شئی سے منع کیا ہے، مثلاً شارع نے جب نفس کو مغلوب کرنے کیلئے روزہ کو مقرر کیا اور روزہ کی حالت میں جماع سے روکا تو بعض لوگوں نے سحر کا کھانا خلاف مشروع اور ناجائز سمجھ لیا اسلئے کہ وہ نفس کی مغلوبیت کے خلاف ہے اور روزہ کیحالت میں بیوی کا بوسہ لینا بھی حرام سمجھ لیا اسلئے کہ بوسہ لینا، ہم بستری کے اسباب میں سے ہے اور اسلئے کہ نفس کی شہوت پورا کرنے میں بوسہ لینا ہم بستری کے مشابہ ہے پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس قول کی خرابی بیان فرمادی اور واضح کر دیا کہ یہ دین میں تحریف ہے،

اور تحریف کے اسباب میں سے ایک تشدد ہے اور اسکی حقیقت یہ ہے کہ جن شاق امور کا شارع نے حکم نہیں دیا ہے انکی پابندی کیجائے مثلاً ہمیشہ روزہ رکھنا، تمام رات نماز پڑھنا، دنیا سے الگ رہنا اور شادی نہ کرنا اور واجبات دین کی مانند مستحبات اور سنن کی پابندی کرنا، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت عثمان بن مظعون کو جبکہ انھوں نے نہایت سخت سخت عبادات کی پابندی کا قصد کیا تھا منع کرتے ہوئے فرمایا "جس نے مذہبی امور میں زیادہ تعمق کیا ہے دین اس پر غالب آگیا ہے اور جب ایسا سخت اور پابند آدمی کسی فرقہ کا معلم اور رئیس ہو جاتا ہے

ولعنهم على لسان داؤد وعيسى بن مريم ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون، ومن اسباب التحريف التعمق وحقيقته ان يامر الشارع بامر وينهى عن شئ فيسمعه رجل من امته و يفهمه حسبما يليق بذهنه فيعدى الحكم الى ما يشاكل الشئ بحسب بعض الوجوه اوبعض اجزاء العلة اوالى اجزاء الشئ ومظانه ودواعيه وكلما اشتبه عليه الامر لتعارض الروايات التزم الاشد ويجعله واجبا ويحمل كل ما فعله النبى صلى الله تعالى عليه واله وسلم على العبادة والحق انه فعل اشياء على العادة فيظن ان الامر والنهى شملا هذه الامور فيجهر بان الله تعالى امر بكذا ونهى عن كذا، كما ان الشارع لما شرع الصوم لقهر النفس ومنع عن الجماع فيه ظن قوم ان السحور خلاف المشروع لانه يناقض قهر النفس وان يحرم على الصائم قبلة امرأته لانها من دواعى الجماع ولانها تشاكل الجماع فى قضاء الشهوة فكشف رسول الله صلى الله عليه واله وسلم عن فساد هذه المقالة وبين انه تحريف ؛

ومنها التشدد وحقيقته اختيار عبادات شاقة لم يامر بها الشارع كدوام الصيام والقيام والتبتل وترك التزوج وان يلتزم السنن والآداب كالتزام الواجبات وهو حديث نهى النبى صلى الله عليه واله وسلم عبد الله بن عمر وعثمان بن مظعون عما قصدا من العبادات الشاقة وهو قوله صلى الله عليه واله وسلم لن يشاد الدين احد الا غلبه، فاذا صار هذا المتعمق او المتشدد معلم

تو لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ شرع کا حکم اور شارع کی مرضی ہے، یہود و
نصاریٰ کے راہبوں میں یہی بیماری تھی، تحریف کے اسباب میں سے استحسان
بھی ہے اور اسکی حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص شارع کو ہر حکم کے لئے
مناسب موقع تجویز کرتے ہوئے دیکھتا ہے اور امور شرعیہ کو منضبط کرتے
ہوئے پاتا ہے تو امور شرعی کے بعض بعض اسرار جن کو ہم ذکر کر چکے ہیں معلوم
کر لیتا ہے اور اپنے نزدیک مصلحت سمجھ کر لوگوں کے لئے احکام جاری کرتا
ہے جیسا کہ یہود نے جب دیکھا کہ شارع نے حدود کا اسلئے حکم دیا ہے کہ لوگ
گناہوں سے باز رہیں اور ان کی اصلاح ہو جائے اور پھر خیال کیا کہ رجم سے
اختلاف اور جنگ و جدال پیدا ہوتا ہے اور اسمیں اور زیادہ فساد کا اندیشہ
ہے تو انہوں نے زانی کا منہ سیاہ کرنا اور تازیانے مارنا اختیار کر لیا، پس
نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ یہ مذہب میں تحریف ہے اور توریت کے
حکم منصوص کے بالکل مخالف ہے، حضرت ابن سیرین سے منقول ہے کہ
سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا ہے اور سورج و چاند کی عبادت قیاس کی
وجہ سے ہوئی ہے، اور حضرت حسن سے روایت ہے کہ انھوں نے یہ آیت
پڑھی، خلقتنی من نار، وخلقته من طین (مجھ کو تو نے آگ سے
پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے) اور فرمایا ابلیس نے یہ قیاس کیا تھا اور سب سے
پہلے ابلیس ہی نے قیاس کیا تھا، اور امام شعبی فرماتے ہیں کہ واللہ اگر تم
قیاسوں پر عملدرآمد کروگے تو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر لوگے، اور
حضرت معاذ ابن جبل سے منقول ہے کہ قرآن لوگوں پر کشادہ ہو جائیگا یہاں تک
کہ عورت، بچہ، اور آدمی سب اسکو پڑھا کریں گے پس ایک شخص کہیگا کہ میں نے
قرآن پڑھا لیکن لوگ میرے مطیع نہ ہوئے، واللہ میں اس پر خوب عمل کرونگا
تاکہ لوگ میرے تابع ہو جائیں پس وہ ان میں رہ کر عمل کریگا لیکن لوگ اسکے
تابع نہ ہوں گے، پس وہ کہیگا میں نے قرآن پڑھا اور لوگ میرے تابع نہ ہوئے
میں نے ان میں رہ کر عمل کیا پھر بھی وہ میرے تابع نہ ہوئے اب میں اپنے
گھر میں ایک مسجد بناؤں گا تاکہ لوگ تابع ہوں، پس وہ مسجد بنا کے بیٹھے گا
تب بھی لوگ اسکی پیروی نہ کریں گے پھر وہ کہیگا میں نے قرآن پڑھا لیکن لوگ
میرے تابع نہ ہوئے، اس پر میں نے عمل کیا تب بھی کسی نے پیروی نہ کی،
میں مسجد بنا کے بیٹھا تب بھی کوئی تابع نہ ہوا، واللہ اب میں ان کو ایسی
حدیث بنا کر سناؤنگا جو نہ قرآن میں ہوگی اور نہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ

قوم و رئيسهم ظنوا ان هذا امر الشرع و رضاه
و هذا داء رهبان اليهود والنصارى، ومنها
الاستحسان وحقيقته ان يرى رجل الشارع
يضرب لكل حكمة مظنة مناسبة و يراه
يعقد التشريع فيلتمس بعض ما ذكرنا من
اسرار التشريع فيشرع للناس حسبما عقل
من المصلحة كما ان اليهود راوا ان الشارع
انما امر بالحدود زجرا عن المعاصي للاصلاح
و راوا ان الرجم يورث اختلافا و تقاتلا بحيث
يكون في ذلك اشد الفساد واستحسنوا التحميم
والجلد فبين النبي صلى الله تعالى عليه
و آله وسلم انه تحريف ونبذ لحكم الله المنصوص
في التوراة بآرائهم، عن ابن سيرين قال
اول من قاس ابليس وما عبدت الشمس
والقمر الا بالمقاييس، وعن الحسن انه تلا
هذه الآية خلقتني من نار وخلقته من طين
قال قاس ابليس وهو اول من قاس وعن
الشعبي قال والله لئن اخذتم بالمقاييس لتحرمن
الحلال ولتحلن الحرام، وعن معاذ بن جبل
يفتح القرآن على الناس حتى يقرأه المرأة و
الصبي والرجل فيقول الرجل قد قرأت القرآن
فلم اتبع والله لاقومن به فيهم لعلي اتبع
فيقوم به فيهم فلا يتبع فيقول قد قرأت
القرآن فلم اتبع وقد قمت به فيهم فلم اتبع
لاحتظرن في بيتي مسجدا لعلي اتبع فيحتظر في
بيته مسجدا فلا يتبع فيقول قد قرأت القرآن
فلم اتبع وقمت به فيهم فلم اتبع وقد
احتظرت في بيتي مسجدا فلم اتبع والله لآتينهم
بحديث لا يجدونه في كتاب الله ولم يسمعوه

علیہ وسلم سے سنی ہوگی، اس سے شاید کوئی میرا مطیع ہو جائے، اس کے بعد حضرت معاذؓ نے فرمایا اے لوگو! تم ایسی باتوں سے بچنا جن کو یہ شخص بیان کرے، یہ چیزیں جنکو وہ بیان کریگا سرتاپا گمراہی ہوں گی، حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ عالم کی لغزش، منافق کا کتاب الہی کے ساتھ جھگڑنا، گمراہ اماموں کا حکم اسلام کو منہدم کر دیتا ہے، اور ان سب امور سے وہی مراد ہیں جو کتاب الہی اور سنت رسول اللہ سے مستنبط نہ ہوں،

اور اسباب تحریف میں سے اجماع کی پیروی ہے اور اسکی حقیقت یہ ہے کہ حاملین دین کا ایک فرقہ جنکی نسبت عام لوگوں کا یہ گمان ہو کہ انکی رائے اکثر یا ہمیشہ درست ہوتی ہے کسی امر پر اتفاق کرلے اور اس اتفاق سے یہ خیال کیا جائے کہ ثبوت حکم کیلئے یہ اتفاق قطعی دلیل ہے اور یہ اجماع ایسے امر میں ہے جس کی قرآن و حدیث میں کچھ اصل نہیں ہے، یہ اجماع اس اجماع کے علاوہ ہے جس پر امت کا اتفاق ہے کیونکہ سب کے سب لوگ ایسے اجماع پر متفق ہیں جس کی سند قرآن و حدیث میں ہو یا ان دونوں میں سے کسی نہ کسی سے مستنبط ہو، اور لوگوں نے ایسے اجماع کو جائز قرار نہیں دیا جسکی سند قرآن و حدیث میں کوئی بھی نہیں، چنانچہ اس قول الہی میں اسی طرف اشارہ ہے "اور جب کفار سے کہا جاتا ہے کہ ان چیزوں پر ایمان لے آؤ جو خدا تعالیٰ نے نازل کی ہیں تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم تو ان ہی باتوں کی پیروی کرینگے جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے" الآیۃ - اور یہودیوں کی دلیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور علیہ السلام کی نبوت کے انکار کرنے میں یہی تھی کہ ان کے بزرگوں نے حضرت عیسیٰؑ اور محمدؐ کے حالات کی چھان بین کی لیکن انبیاء کے شرائط ان میں نہیں پائے، عیسائیوں کے بہت سے احکام توریت و انجیل کے بالکل خلاف ہیں، ان کے بزرگوں کا صرف اجماع ہی انکی دلیل ہے، اور اسباب تحریف میں سے غیر معصوم کی تقلید ہے یعنی نبی، جس کی عصمت ثابت ہے اسکے علاوہ کسی اور کی تقلید کیجائے، اس تقلید کی حقیقت یہ ہے کہ علماء امت میں سے کوئی شخص کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے اور اس عالم کے پیرو یہ خیال کریں کہ یہ اجتہاد بالکل صحیح ہے اور اسی کے مقابلہ میں حدیث صحیح کو بھی رد کر دیں - اس قسم کی تقلید اس تقلید کے مخالف ہے جس پر امت مرحومہ نے اتفاق ہے اس لئے کہ سب کا اتفاق ہے کہ مجتہدین کی تقلید جائز ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی جاننا چاہیئے کہ

عن رسول الله صلى الله عليه واله وسلم لعل اتبع قال معاذ فاياكم وما جاء به فانما جاء به ضلالة، وعن عمر رضى الله عنه قال يهدم الاسلام زلة العالم وجدال المنافق بالكتاب وحكم الائمة المضلين، والمراد بهذا كله ما ليس استنباطا من كتاب الله وسنة رسوله، ومنها اتباع الاجماع وحقيقته ان يتفق قوم من حملة الملة الذين اعتقد العامة فيهم الاصابة غالبا او دائما على شئ فيظن ان ذلك دليل قاطع عن ثبوت الحكم وذلك فيما ليس له اصل من الكتاب والسنة وهذا غير الاجماع الذى اجمعت الامة عليه فانهم اتفقوا على القول بالاجماع الذى مستنده الكتاب والسنة او الاستنباط من احدهما ولم يجوزوا القول بالاجماع الذى ليس مستندا الى احدهما وهو قوله تعالى واذا قيل لهم امنوا بما انزل الله قالوا بل نتبع ما الفينا عليه اباءنا الاية وما تمسكت اليهود فى نفى نبوة عيسى ومحمد عليهما الصلاة والسلام الا بان اسلافهم فحصوا عن حالهما فلم يجدوهما على شرائط الانبياء، والنصارى لهم شرائع كثيرة مخالفة للتوراة والانجيل ليس لهم فيها متمسك الا اجماع سلفهم، ومنها تقليد غير المعصوم اعنى غير النبى الذى ثبتت عصمته وحقيقته ان يجتهد واحد من علماء الامة فى مسألة فيظن متبعوه انه على الاصابة قطعا او غالبا فيردوا به حديثا صحيحا وهذا التقليد غير ما اتفق عليه الامة المرحومة فانهم اتفقوا على جواز التقليد للمجتهدين مع العلم بان

مجتہد سے خطاء اور صواب دونوں سرزد ہوتے ہیں اور ہر مسئلہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منصوص حکم پر نظر رکھنی چاہیے اور یہ عزم ہونا چاہیے کہ جب امر تقلیدی کے خلاف کوئی حدیث صحیح ظاہر ہو جائے تو تقلید کو ترک کر دیا جائیگا اور حدیث کا اتباع کیا جائیگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں (یہودیوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو بجز خدا کے اپنا رب قرار دیا) فرمایا کہ یہودی ان علماء اور راہبوں کی پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے علماء جسکو حلال کہتے وہ اسکو حلال سمجھتے اور جسکو حرام کہدیتے اسکو حرام جانتے تھے،

اسباب تحریف میں سے ایک مذہب کو دوسرے میں خلط ملط کر دینا بھی ہے یہاں تک کہ ایک دوسرے میں تمیز باقی نہ رہے۔ اور یہ اختلاط اسطرح ہوتا ہے کہ جب انسان کسی مذہب کا پابند ہوتا ہے تو اس کا دلی تعلق اس مذہب کے علوم سے ہوتا ہے پھر یہ شخص مذہب اسلام میں داخل ہو جاتا ہے لیکن اسکا قلبی میلان انہی امور کیجانب باقی رہتا ہے جن کے ساتھ اسکا پہلے تعلق تھا اسواسطے ان امور کے جواز کے لئے ملت اسلام میں کوئی وجہ تلاش کرتا ہے خواہ ضعیف یا موضوع ہی کیوں نہ ہو اور بسا اوقات اس وجہ کی خاطر جھوٹی حدیث بناتا ہے اور روایت کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں یہی مراد ہے کہ "بنی اسرائیل کا معاملہ درست رہا حتی کہ انمیں مخلوط النسل لوگ اور قیدیوں کی اولاد پیدا ہوئی تب انہوں نے رائے سے کہنا شروع کیا، وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا،

اور منجملہ ان چیزوں کے جو ہمارے دین میں داخل ہو گئی ہیں بنی اسرائیل کے علوم اور زمانہ جاہلیت کے خطباء کے وعظ و پند ہیں، یونانیوں کا فلسفہ اور اہل بابل کے وظائف ہیں، اہل فارس کی تاریخ، علم نجوم و رمل اور علم کلام ہے اور جناب رسول اللہ کے ناراض ہونیکا سبب یہی تھا جسوقت کہ آپکے سامنے توریت کا ایک نسخہ پڑھا گیا اور یہی راز تھا حضرت عمرؓ کے مارنے میں اس شخص کو مارنے کا جو حضرت دانیال کی کتابیں تلاش کرتا تھا،

واللہ اعلم ◆

المجتهد يخطئ ويصيب ومع الاستشراف لنص النبي صلى الله عليه وسلم في المسالة والعزم على انه اذا ظهر حديث صحيح خلاف ما قلد فيه ترك التقليد واتبع الحديث قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في قوله تعالى اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله انهم لم يكونوا يعبدونهم ولكنهم كانوا اذا احلوا لهم شيئا استحلوه واذا حرموا عليهم شيئا حرموه ومنها خلط ملة بملة حتى لاتتميز واحدة من الاخرى وذلك ان يكون انسان في دين من الاديان تعلق بقلبه علوم تلك الطبقة ثم يدخل في الملة الاسلامية فيبقى ميل قلبه الى ما تعلق به من قبل فيطلب لاجله وجها في هذه الملة ولو ضعيفا او موضوعا وربما جوز الوضع ورواية الموضوع لذلك وهو قوله صلى الله عليه وسلم لم يزل امر بني اسرائيل معتدلا حتى نشأ فيهم المولدون وابناء سبايا الامم فقالوا بالراى فضلوا واضلوا، ومما دخل في ديننا علوم بني اسرائيل وتذكير خطباء الجاهلية وحكمة اليونانيين ودعوة البابليين وتاريخ الفارسيين والنجوم والرمل والكلام وهو سر غضب رسول الله صلى الله عليه وسلم حين قرئ بين يديه نسخة من التوراة وضرب عمر رضي الله عنه من كان يطلب كتب دانيال والله اعلم ◆

انیسواں باب (۱۷) :- ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب اور یہود ونصاریٰ کے مذہب کے مختلف ہونے کے اسباب کا بیان

واضح ہو کہ جب خدا تعالےٰ کسی قوم میں رسول بھیجتا ہے تو پیغمبر اپنی زبان میں لوگوں کے لئے اس مذہب کو قائم کرتا ہے پس وہ نبی اسمیں کسی قسم کی کجی باقی نہیں رکھتا، پھر مذہبی روایتیں اس سے منتقل ہوتی ہیں اور اس پیغمبر کے حواری ایک مدت تک مناسب حالت میں ان روایتوں کے حامل ہوتے ہیں پھر ان حواریوں کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوتے ہیں جو دین میں تحریف اور سستی کرتے ہیں اسلئے وہ دین حق خالص نہیں رہتا بلکہ اس میں جھوٹ کی آمیزش ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے "خدا تعالیٰ نے جب کبھی کوئی نبی بھیجا ہے تو اسکی امت میں سے حواری اور ایسے لوگ پیدا کئے ہیں جو اسکے طریقے کی پیروی اور اسکے حکم کی فرماں برداری کرتے ہیں، پھر ان حواریوں کے بعد ایسے ناخلف جانشین ہوتے ہیں جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں اور احکام الٰہی کے خلاف اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں" یہ باطل امور جن کی مذہب میں آمیزش ہو جاتی ہے ان میں سے ایک حصہ تو شرک جلی اور صریح تحریف کا ہے جو ہر حالت میں مواخذہ کے قابل ہے - اور ایک حصہ شرک خفی اور مخفی تحریف کا ہے جس پر خدا تعالےٰ اسوقت مواخذہ کرتا ہے کہ رسول کو بھیج چکا ہوتا ہے تاکہ وہ رسول ہر شئی کی دلیل توی ان کے سامنے پیش کر دے اور ہر قسم کا شبہ دور کر دے، اب جو کوئی زندگی چاہے یا ہلاکت اختیار کرے تو دیدہ و دانستہ کرے، جب کوئی پیغمبر لوگوں میں مبعوث ہوتا ہے تو ہر شئی کو اسکی اصل حالت کیطرف پھیر دیتا ہے وہ پہلی شریعت کے احکام میں غور و نظر کرتا ہے پس انمیں جو امور شعائر اللہ ہوتے ہیں جن میں شرک کی آمیزش نہیں ہوتی یا عبادات کے طریقے یا انتظامی امور کے طریقے جو مذہبی قوانین کے مطابق ہوتے ہیں ان سب کو وہ باقی رکھتا ہے اور جو نابود ہو جاتے ہیں ان کا مہتم بالشان ہونا بتاتا ہے اور ہر شئی کے ارکان و اسباب بیان کرتا ہے اور جو تحریف اور سستی کے امور ہوتے ہیں ان کو دور کرتا ہے اور بتلا دیتا ہے کہ یہ باتیں مذہب میں سے نہیں ہیں اور جو احکام اس زمانہ کی مصلحتوں پر مبنی تھے پھر اختلاف عادات کیوجہ سے وہ مواقع مصلحت بدل گئے تو ان احکام کو نبی بدل دیتا ہے کیونکہ احکام کے مشروع کرنے

باب اسباب اختلاف دین نبينا صلى الله عليه وسلم ودين اليهودية والنصرانية

اعلم ان الحق تعالى اذا بعث رسولا فى قوم فاقام الملة لهم على لسانه فانه لا يترك فيها عوجا ولا امتا ثم انه تمضى الرواية عنه و يحملها الحواريون من امته كما ينبغى برهة من الزمان ثم بعد ذلك يخلف خلف يحرفونها ويتهاونون فيها فلا تكون حقا صرفا بل ممزوجا باطل وهو قوله صلى الله عليه وسلم ما من نبى بعثه الله فى امته الا كان له من امته حواريون واصحاب ياخذون بسنته ويقتدون بامره ثم يخلف من بعد هم خلوف يقولون مالا يفعلون ويفعلون مالا يؤمرون الحديث وهذا الباطل منه اشراك جلى وتحريف صريح يؤاخذون عليه على كل حال ومنه اشراك خفى وتحريف مضمر لا يؤاخذ الله بها حتى يبعث الرسول فيهم فيقيم الحجة ويكشف الغمة ليحيا من حى عن بينة ويهلك من هلك عن بينة، فاذا بعث فيهم الرسول رد كل شئ الى اصله فنظر الى شرائع الملة الاولى فما كان منها من شعائر الله لا يخالطها شرك ومن سنن العبادات او طرق الارتفاقات التى ينطبق عليها القوانين الملية ابقاها ونوه بالخامل منها ومهد لكل شئ اركانا واسبابا وما كان من تحريف وتهاون ابطله وبين انه ليس من الدين وما كان من الاحكام المنوطة بمظان المصالح يومئذ ثم اختلفت المظان بحسب اختلاف العادات بدلها اذ المقصود

سے مقصود اصل مصلحتیں ہی ہیں اور مظان کو ان کے عنوان کے طور پر ذکر کردیا جاتا ہے اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شئی کسی مصلحت کا مظنہ ہوتی ہے اور بعد میں اس مصلحت کا مظنہ نہیں رہتی، مثلاً اصل میں بخار کا سبب خلطوں کا ہیجان ہے پس طبیب اس ہیجان کا ایک مظنہ مقرر کرتا ہے جسکی طرف وہ بخار کی نسبت کرتا ہے جیساکہ دھوپ میں چلنا اور سخت حرکت کرنا اور کسی خاص غذا کا کھالینا ہیجان کا مظنہ ہیں اور ہوسکتا ہے کہ یہ چیزیں ہیجان کا مظنہ نہ رہیں پس اسی کے لحاظ سے احکام بھی بدل جاتے ہیں، اور جو امور ایسے ہیں جن پر ملاء اعلےٰ کا اتفاق اور اجماع ہوگیا ہے جو ان کے اعمال، عادات، علوم اور نفسانی حالت میں داخل ہیں تو ان امور کو نبی اور زیادہ کردیتا ہے اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پیشتر کے انبیاء چند باتیں زیادہ ہی کردیا کرتے تھے کچھ کم نہیں کرتے تھے اور بہت ہی کم تبدیلی کرتے تھے پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت نوح علیہ السلام کے مذہب پر چند عبادتیں، اعمال فطری اور ختنہ کو بڑھادیا تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب پر چند امور اور زیادہ کردیئے جیسے اونٹ کے گوشت کو حرام کردیا اور ہفتہ کے دن کو ضروری قرار دیا اور زانیوں کیلئے سنگسار کرنا قرار دیا اور اسی طرح کے اور امور تھے، اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے زیادتی بھی کی ہے، کمی بھی کی ہے اور تبدیلی بھی کی ہے، دقائق شریعت میں خوض کرنے والا جب اس زیادتی، کمی اور تبدیلی کی چھان بین کریگا تو ان کی چند وجوہات پائیگا،

ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہودی مذہب احبار اور راہبوں کے ہاتھ میں رہا پھر انہوں نے ان طریقوں کے ذریعہ تحریفات کیں جنکا پیشتر ذکر ہوچکا ہے پس جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم آئے تو آپ نے ہر چیز کو اصلی حالت کے موافق کردیا اسواسطے شریعت محمدیہ اس یہودیت سے مختلف ہوگئی جو یہود کے ہاتھ میں تھی پس اسلئے یہود کہنے لگے کہ اس شریعت میں زیادتی، کمی اور تبدیلی ہے حالانکہ حقیقت میں کوئی تبدیلی نہ تھی،

اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں ایک دوسری بعثت شامل تھی ایک بعثت تو یہ ہے کہ آپ بنی اسمٰعیل کی طرف مبعوث ہوئے چنانچہ خدا تعالیٰ کے اس قول

الاصل فی شرع الاحکام هی المصالح ویضون بالمظان وربما کان شئ مظنة لمصلحة ثم صار لیس مظنة لها، کما ان علة الحمی فی الاصل ثوران الاخلاط فیتخذ الطبیب لها مظنة ینسب الیها الحمی کالمشی فی الشمس والحرکة المتعبة وتناول الغذاء الفلانی ویمکن ان تزول مظنة هذه الاشیاء فتختلف الاحکام حسب ذلك وما کان انعقد علیه اجماع الملأ الاعلی فیما یعملون و یعتادون و فیما یثبت علیه علومهم ودخل فی جذر نفوسهم زاده وکان الانبیاء علیهم السلام قبل نبینا صلی الله علیه وسلم یزیدون ولا ینقصون ولا یبدلون الا قلیلا فزاد ابراهیم علیه السلام علی ملة نوح علیه السلام اشیاء من المناسك و اعمال الفطرة والختان، وزاد موسی علیه السلام علی ملة ابراهیم علیه السلام اشیاء کتحریم لحوم الابل و وجوب السبت ورجم الزناة وغیر ذلك، ونبینا صلی الله علیه وسلم زاد ونقص وبدل والناظر فی دقائق الشریعة اذا استقرأ هذه الامور وجدها علی وجوه، منها ان الملة الیهودیة حملها الاحبار والرهبان فحرفوها بالوجوه المذکورة فیما سبق فلما جاء النبی صلی الله علیه واله و سلم رد کل شئ الی اصله فاختلفت شریعته بالنسبة الی الیهودیة التی هی فی ایدیهم فقالوا هذا زیادة ونقص وتبدیل ولیس تبدیلا فی الحقیقة، ومنها ان النبی صلی الله علیه وسلم بعث بعثة تتضمن بعثة اخری فالاولی انما کانت الی بنی اسمٰعیل وهو قوله

میں یہی مراد ہے " خدا ہی نے امیوں کیلئے ان میں ہی سے ایک شخص کو پیدا کیا " اور خدا تعالےٰ کا ارشاد ہے " تاکہ تو ان لوگوں کو ڈرائے جن کے آباء واجداد نہیں ڈرائے گئے تھے اس لئے وہ غفلت میں ہیں " اس بعثت کے لئے ضروری ہے کہ شریعت محمدیہ کا مادہ وہی شعائر ہوں، وہی عبادات کے طریقے ہوں اور وہی انتظامی امور ہوں جو بنی اسمٰعیل کے پاس موجود تھے اسلئے کہ شریعت لوگوں کے امور متعارف کی اصلاح کیا کرتی ہے نہ کہ ان کو ایسے امور کا مکلف کرے جنکو وہ جانتے بھی نہ ہوں، اور اسکی نظیر یہ قول الٰہی ہے " ہم نے قرآن عربی زبان میں نازل کیا ہے شاید تم اس کو سمجھو " اور یہ قول الٰہی ہے " اگر ہم قرآن کو عجمی زبان میں نازل کرتے تو لوگ کہتے اسکی آیتیں جدا جدا مفصل کیوں نہ کی گئیں کیا یہ عجمی بھی ہے اور عربی بھی " اور یہ قول الٰہی ہے " ہم نے جو نبی بھیجا ہے اسی قوم کی زبان والا بھیجا ہے " اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بعثت یہ ہے کہ آپ تمام اہل زمین کے لئے پیغمبر ہیں اس بعثت میں وہ علوم اور تدابیر بھی مندرج ہیں جو تمدن سے متعلق ہیں اور اسی وجہ سے خدا تعالےٰ نے آپ کے زمانہ میں تمام قوموں پر لعنت کی اور ان کی سلطنت کے زوال کو مقدر کیا جیسا کہ عجم اور روم کے ساتھ ہوا اور حکم کیا کہ انتظام دنیوی کے آئین کا قیام ہو، اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے درجہ اور غلبہ کو امر مقصود کے اتمام کا ذریعہ قرار دیا اور ان سلاطین کے خزانوں کی کنجیاں آپ کو عطا کیں پس اس کمالیت کی وجہ سے احکام توریت کے علاوہ اور احکام بھی آپ کو حاصل ہوئے مثلاً خراج، جزیہ مجاہدات، اسباب تحریف سے احتیاط وغیرہ،

اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ایسے انقطاع وحی کے زمانہ میں پیدا ہوئے جس میں تمام مذاہب حقہ محو ہو گئے تھے اور ان میں تحریف ہو چکی تھی اور تعصب واصرار نے لوگوں کو دبا لیا تھا پس وہ اپنے طریقہ باطل اور عادات جاہلیت کو ترک نہیں کر سکتے تھے تا وقتیکہ ان عادات کی سخت مخالفت نہ کی جاتی، پس یہ چیز بھی کثیر اختلافات کا باعث ہوئی،

* * * * *

* * *

*

تعالى هو الذى بعث فى الاميين رسولا منهم وقوله تعالى لتنذر قوما ما انذر اباؤهم فهم غافلون وهذه البعثة تستوجب ان يكون مادة شريعته ما عندهم من الشعائر و سنن العبادات ووجوه الارتفاقات اذ الشرع انما هو اصلاح ما عندهم لا تكليفهم بما لا يعرفونه اصلا ونظيره قوله تعالى قرانا عربيا لعلكم تعقلون وقوله تعالى لو جعلناه قرانا اعجميا لقالوا لولا فصلت اياته ءاعجمى وعربى، وقوله تعالى وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه، و الثانية كانت الى جميع اهل الارض عامة بالارتفاق الرابع وذلك لانه لعن فى زمانه اقواما وقضى بزوال دولتهم كالعجم و الروم فامر بالقيام بالارتفاق الرابع و جعل شرفه وغلبته تقريبا لاتمام الامر المراد واتاه مفاتيح كنوزهم فحصل له بحسب هذا الكمال احكام اخرى غير احكام التوراة كالخراج والجزية والمجاهدات و الاحتياط عن مداخل التحريف، ومنها انه بعث فى زمان فترة قد اندرست فيه الملل الحقة وحرفت وغلب عليهم التعصب واللجاج فكانوا لا يتركون ملتهم الباطلة ولا عادات الجاهلية الا بتاكيد بالغ فى مخالفة تلك العادات فصار ذلك معدا لكثير من الاختلافات

***

بیسواں باب (۲۰) :- اسباب نسخ کا بیان

نسخ کے باب میں اصل خداتعالے کا یہ فرمان ہے "ہم کوئی آیت منسوخ نہیں کرتے نہ اسکو بھلاتے ہیں مگر اسکے بدلہ میں اس سے بھی بہتر یا ویسی ہی لاتے ہیں"۔

واضح ہو کہ نسخ کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انتظامات یا عبادات کے طریقوں میں غور و فکر کر کے انکو شریعت کے قوانین کے موافق منضبط کرتے ہیں اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد ہے لیکن خدا تعالے آپ کو اس اجتہاد پر قائم نہیں رکھتا بلکہ اس مسئلہ میں جو اصلی حکم ہو اسکو آپ پر ظاہر کر دیتا ہے۔ اس حکم کا اظہار یا تو یوں کرتا ہے کہ اسکے موافق قرآن نازل فرماتا ہے یا اسطرح پر کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد ہی اس حکم کیطرف تبدیل ہو جاتا ہے اور دوسرا اجتہاد آپ کے ذہن میں قرار پاجاتا ہے، پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں بیت المقدس کیطرف مُنہ کرنیکا حکم دیا تھا پھر قرآن میں اس حکم کی منسوخیت نازل ہوئی۔ اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے چھاگل کے ہر برتن میں نبیذ بنانے سے منع کر دیا تھا پھر ہر برتن میں نبیذ بنانا لوگوں کے لئے جائز کر دیا اور فرمایا کہ "نشہ کی کوئی چیز نہ پیو" اسکی وجہ یہ تھی کہ نشہ پیدا ہونا ایک مخفی امر ہے اسلئے اسکے ظاہری سبب کو اسکے قائم مقام کر دیا اور وہ ظاہری سبب ایسے برتنوں میں نبیذ بنانا ہے جن میں مسامات نہیں ہیں جیسے وہ ظروف جو مٹی، لکڑی اور کدو سے بنتے ہیں اسلئے کہ ان برتنوں میں وہ چیز بہت جلد مسکر ہو جاتی ہے جس کی نبیذ بنائی جائے، اور چھاگل میں نبیذ بنانے کو آپ نے تین دن تک اسکے نشہ آور نہ ہونیکا سبب قرار دیا پھر آپ کے اجتہاد میں تبدیلی ہوگئی اور حکم کا مدار سکر کو ٹھیرایا کیونکہ کسی چیز کا نشہ آور ہونا اسکے جوش کرنے اور جھاگ لانے سے معلوم ہو سکتا ہے اور اس چیز کو جو لوازم سکر ہے یا شئی مسکر کے صفات میں سے ہے سکر کا موقع اور مظنہ قرار دینا کسی امر اجنبی کو مظنہ سکر قرار دینے سے بہتر ہے اور اس اجتہاد کے بدل دینے کی ایک اور توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ لوگ نشہ آور چیزوں کی طرف

باب اسباب النسخ

والاصل فيه قوله تعالى ما ننسخ من اية او ننسها نات بخير منها او مثلها، اعلم ان النسخ قسمان، احدهما ان ينظر النبى صلى الله عليه وسلم فى الارتفاقات او وجوه الطاعات فيضبطها بوجوه الضبط على قوانين التشريع وهو اجتهاد النبى صلى الله عليه وسلم ثم لا يقرره الله عليه بل يكشف عليه ما قضى الله فى المسألة من الحكم اما بنزول القران حسب ذلك او تغيير اجتهاده الى ذلك وتقريره عليه، مثال الاول ما امر النبى صلى الله عليه وسلم من الاستقبال قبل بيت المقدس ثم نزل القران بنسخه، ومثال الثانى انه صلى الله عليه وسلم نهى عن الانتباذ الا فى السقاء ثم اباح لهم الانتباذ فى كل انية وقال لا تشربوا مسكرا، وذلك انه لما راى ان الاسكار امر خفى نصب له مظنة ظاهرة وهى الانتباذ فى الاوعية التى لا مسام لها كالماخوذة من الخزف والخشب والدباء فانه يسرع الاسكار فيما ينبذ فيها ونصب الانتباذ فى السقاء مظنة لعدم الاسكار الى ثلاثة ايام ثم تغير اجتهاده صلى الله عليه وسلم الى ادارة الحكم على الاسكار لانه يعرف بالغليان وقذف الزبد ونصب ما هو من لوازم السكر او من صفات الشئ المسكر مظنة اولى من نصب ما هو امر اجنبى وعلى تخريج اخر نقول راى النبى صلى الله عليه

بہت راغب ہیں اگر صرف نشہ آور شئ سے ہی منع کر دیا جائے تو اس کا احتمال تھا کہ کوئی شخص نشہ آور چیز کو پی لے اور یہ عذر کرنے لگے کہ اس کا خیال تھا کہ وہ مسکر نہیں ہے یا اس پر اسکے نشہ آور ہونے کی علامات مشتبہ ہوگئی تھیں یا برتنوں میں شراب لگی ہوئی تھی اور ایسے برتنوں میں نبیذ بنانے سے نشہ جلد پیدا ہو جاتا ہے، پس جب اسلام قوی ہوگیا اور نشہ آور چیزوں کے ترک پر وہ مطمئن ہوگئے اور وہ آلودہ برتن بھی نہ رہے تو آپ نے خاص نشہ آور ہونے کو حکم کا مدار ٹھیرایا اور اس توجیہ کے لحاظ سے یہ مثال اس امر کی ہو جاتی ہے کہ موقعوں کے بدلنے سے حکم بدل جایا کرتا ہے اور نسخ کی اسی قسم کے متعلق آپ نے فرمایا ہے "میرا کلام کلام اللہ کو منسوخ نہیں کرسکتا اور کلام اللہ میرے کلام کو منسوخ کرسکتا ہے اور کلام اللہ کا بعض بعض کو منسوخ کرتا ہے۔"

دوسری قسم نسخ کی یہ ہے کہ ایک شئ میں کوئی مصلحت یا خرابی ہوتی ہے اسی کے موافق اسکا حکم متعین کر دیا جاتا ہے اسکے بعد ایک زمانہ آتا ہے جس میں اس شئ کی وہ حالت نہیں رہتی اسواسطے اسکا حکم بھی بدل جاتا ہے، اسکی مثال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کیجانب ہجرت فرمائی اور مسلمانوں میں اور انکے رشتہ داروں میں امداد کا طریقہ منقطع ہوگیا اور اسوقت میں ہمدردی کا ذریعہ صرف وہ بھائی چارہ ہی تھا جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضروری مصلحت کیوجہ سے لوگوں میں قائم کر دیا تھا اسواسطے قرآن میں نازل ہوا کہ وراثت کے حقوق اخوت سے متعلق کر دیے جائیں اور اللہ تعالٰے نے اسکا فائدہ بھی بیان کر دیا "اگر ایسا نہ کروگے تو زمین میں شورش اور بڑا فساد ہو جائیگا" پھر جب اسلام کو قوت حاصل ہوگئی اور مہاجرین کے اقارب بھی مسلمان ہوکر ان سے آملے تو وہی طریقہ نسبی وراثت کا مقرر ہوگیا، یا ایسا ہوتا ہے کہ ایسی نبوت کے زمانہ میں جسکے ساتھ خلافت کا مرتبہ شامل نہیں ہوتا ایک شئ میں کوئی مصلحت اور خوبی نہیں ہوتی جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل یا آپ ہی کے عہد میں ہجرت سے قبل اور اس نبوت کے زمانہ میں جسکے ساتھ خلافت منضم ہو جاتی ہے اسی شئ میں مصلحت پیدا ہو جاتی ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہم سے پیشتر کسی امت کے لئے مال غنیمت کو حلال نہیں کیا تھا لیکن ہمارے لئے اس کو حلال کر دیا، حدیث میں اس حلت کی

وسلم ان القوم مولعون بالمسكر فلو نهوا عنه كان مدخل ان يشربه احد متعذرا بانه ظن انه ليس بمسكر وانه اشتبه عليه علامات الاسكار او كانت اوانيهم متلطخة بالمسكر والاسكار يسرع الى ما ينبذ فى مثل ذلك فلما قوى الاسلام واطمأنوا بترك المسكرات ونفدت تلك الاوانى ادار الحكم على نفس الاسكار، وعلى هذا التخريج هذا مثال لاختلاف الحكم حسب اختلاف المظنات وفى هذا القسم قوله صلى الله عليه وسلم كلامى لا ينسخ كلام الله وكلام الله ينسخ كلامى وكلام الله ينسخ بعضه بعضا، والثانى ان يكون شئ مظنة مصلحة او مفسدة فيحكم عليه حسب ذلك ثم ياتى زمان لا يكون فيه مظنة لها فيتغير الحكم، مثاله لما هاجر النبى صلى الله عليه وسلم الى المدينة وانقطعت النصرة بينهم وبين ذوى ارحامهم وانما كانت بالاخاء الذى جعله النبى صلى الله عليه وسلم لمصلحة ضرورية راها نزل القران بادارة التوارث على الاخاء وبين الله تعالى فائدته حيث قال الا تفعلوه تكن فتنة فى الارض وفساد كبير ثم لما قوى الاسلام ولحق بالمهاجرين اولوا ارحامهم رجع الامر الى ما كان من التوارث بالنسب اولا يكون شئ مصلحة فى النبوة التى لم يضم معها الخلافة كما كان قبل النبى صلى الله عليه وسلم وكما كان فى زمانه قبل الهجرة ويكون مصلحة فى النبوة المضمومة بالخلافة، ومثاله ان الله تعالى لم يحل الغنائم لمن قبلنا واحل لنا وعلل

دو وجہیں بیان کی گئی ہیں، ایک یہ کہ خدا تعالے نے ہماری عاجزی اور کمزوری دیکھ کر مال غنیمت کو ہمارے لئے حلال کر دیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس حلت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت دوسرے انبیاء پر اور امت محمدیہ کی فضیلت دوسری امتوں پر ظاہر کرنا مقصود ہے۔ ان دونوں وجہوں کی تحقیق یہ ہے کہ آپ سے پہلے اور انبیاء کی بعثت محض اپنی قوم کیلئے ہوتی تھی جن کی تعداد محدود ہوتی تھی، کبھی کبھی سال دو سال میں نوبت جہاد کی آیا کرتی تھی نیز ان کی امتیں قوی تھیں وہ جہاد بھی کر سکتے تھے اور اسکے ساتھ اسباب دنیوی زراعت و تجارت بھی کر سکتے تھے اسواسطے ان کو اموال غنیمت کی ضرورت نہ تھی پس خدا تعالی نے بھی ارادہ فرمایا کہ ان کے عمل میں کوئی غرض دنیوی نہ ملے تاکہ ان کو ان کے عمل کا پورا پورا اجر ملے۔ اور ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام لوگوں کے لئے تھی جو اندازہ اور شمار میں نہیں آسکتے تھے اور زمانہ جہاد بھی غیر معین تھا اور آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی تھی کہ جہاد بھی کرے اور کاروبار معاش، زراعت و تجارت بھی کرے اسواسطے ان کو مال غنیمت کے جائز ہونے کی ضرورت پڑی، نیز آپ کی امت میں دعوت اسلام کے عام ہونے کی وجہ سے ایسے لوگ بھی شامل ہوتے تھے جن کی نیت و ارادے کمزور ہوتے تھے اور انہی کی نسبت وارد ہے کہ خدا تعالے اس دین کی تائید فرد فاسق سے بھی کرا دیتا ہے، اس قسم کے ضعیف الاعتقاد لوگ بغیر فائدہ دنیوی کے جہاد نہیں کر سکتے۔ اور جہاد کے بارے میں خدا تعالے کی رحمت سب کو شامل تھی اور خدا تعالے کا غضب ان کے دشمنوں کی طرف حد درجہ متوجہ تھا،

چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے کہ "خدا نے تمام لوگوں کو دیکھا اور عرب و عجم سب سے وہ ناخوش ہوا"

اسی ناخوشی کی وجہ سے خدا تعالے نے ضروری قرار دیا کہ ان کے مالوں اور جانوں کی حفاظت بالکل منقطع ہو جائے اور ان کے اموال میں تصرف کر کے خوب ان کے دل جلائے جائیں، جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے

ذلك فى الحديث بوجهين، احدهما ان الله راى ضعفنا فاحلها لنا، وثانيهما ان ذلك من تفضيل الله نبينا صلى الله عليه وسلم على سائر الانبياء وامته على سائر الامم، وتحقيق الوجهين ان الانبياء قبل النبى صلى الله عليه وسلم كانوا يبعثون الى اقوامهم خاصة وهم محصورون ياتى الجهاد معهم فى سنة او سنتين ونحو ذلك وكان اممهم اقوياء يقدرون على الجمع بين الجهاد والتسبب بمثل الفلاحة والتجارة فلم يكن لهم حاجة الى الغنائم فاراد الله تعالى ان لا يختلط بعملهم غرض دنيوى ليكون اتم لاجورهم وبعث نبينا صلى الله عليه وسلم الى كافة الناس وهم غير محصورين ولا كان زمان الجهاد معهم محصورا وكانوا لا يستطيعون الجمع بين الجهاد والتسبب بمثل الفلاحة والتجارة فكان لهم حاجة الى اباحة الغنائم وكانت امته لعموم دعوته تشتمل ناسا ضعفاء فى النية وفيهم ورد ان الله يؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر لا يجاهد اولئك الا لغرض عاجل، وكانت الرحمة شملتهم فى امر الجهاد شمولا عظيما وكان الغضب متوجها الى اعدائهم توجها عظيما وهو قوله صلى الله عليه وسلم ان الله نظر الى اهل الارض فمقتت عربهم وعجمهم فاوجب ذلك زوال عصمة اموالهم ودمائهم على الوجه الاتم واوجب اغاظة قلوبهم بالتصرف فى اموالهم كما اهدى

ابوجہل کی اونٹنی کو جس کی ناک میں چاندی کی نکیل تھی حرم میں قربانی کے لئے بھیجا تھا تاکہ کفار کو صدمہ پہنچے، اور جیسا کہ آپ نے کفار کے نخلستان کے کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا تھا تاکہ ان کو پیچ و تاب ہو پس اسی وجہ سے اس امت کیلئے قرآن میں غنائم کی اباحت نازل ہوئی ؂

اسی قسم کی دوسری مثال یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں اس امت کے لئے کفار سے جنگ کرنا مناسب نہ تھا کیونکہ اسوقت نہ فوج تھی اور نہ خلافت، پھر جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور مسلمان واپس آگئے اور خلافت ظاہر ہوگئی اور دشمنان خدا سے جنگ کرنیکی قوت حاصل ہوگئی تو خدا تعالے نے یہ آیت نازل فرمائی "ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت ہے جن کے ساتھ لڑائی کیجاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور بے شک خدا تعالے ان کو مدد پہنچانے پر قادر ہے" اسی قسم کے متعلق خدا تعالے کا یہ قول ہے "ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا کوئی آیت بھلاتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور نازل کرتے ہیں" پس خدا تعالیٰ کے قول 'بِخَیْرٍ مِّنْهَا' کا اطلاق ان امور پر ہے جن میں نبوت کے ساتھ خلافت بھی شامل ہے، اور خدا تعالے کے قول 'اَوْ مِثْلِهَا' کا اطلاق ان صورتوں میں ہے جن میں اختلاف مواقع کی وجہ سے حکم مختلف ہوجاتا ہے، واللہ اعلم،

اکیسواں باب (٧٣) اُس حالت کا بیان جو زمانہ جاہلیت کے لوگوں میں تھی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی اصلاح فرمائی

اگر تم شریعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حقائق میں غور کرنا چاہو تو اولاً ان اُمّی لوگوں کے حالات کی تحقیق کرو جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، وہی حالات آپ کی شریعت کا مادہ ہیں اسکے بعد ان حالات کے اصلاح کی اس کیفیت کو دریافت کرو جو ایسے مقاصد کی وجہ سے ہے جو باب تشریع اور تیسیر اور احکام ملت میں مذکور ہیں،

واضح ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ملت حنفیہ اسماعیلیہ کی کجی کو

الى الحرم رسول الله صلى الله عليه وسلم بعير ابى جهل فى انفه برة فضة يغيظ الكفار، وكما امر بقطع النخيل واحراقها اغاظة لاهلها فلذلك نزل القران باباحة الغنائم لهذه الامة ؛

مثال آخر:- لم يحرم لهذه الامة قتال الكفار فى اول الامر ولم يكن حينئذ هنالك جند ولا خلافة ثم لما هاجر النبى صلى الله عليه وسلم وثاب المسلمون وظهرت الخلافة وتمكنوا من مجاهدة اعداء الله انزل الله تعالى اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله على نصرهم لقدير، وفى هذا القسم قوله تعالى ما ننسخ من اية او ننسها نات بخير منها او مثلها فقوله بخير منها فيما تكون النبوة مضمومة بالخلافة وقوله او مثلها فيما يختلف الحكم باختلاف المظان، والله اعلم

باب بيان ما كان عليه حال اهل الجاهلية فاصلحه النبى صلى الله عليه وسلم

ان كنت تريد النظر فى معانى شريعة رسول الله صلى الله عليه وسلم فتحقق اولا حال الاميين الذين بعث فيهم التى هى مادة تشريعه، وثانيا كيفية اصلاحه لها بالمقاصد المذكورة فى باب التشريع والتيسير واحكام الملة، فاعلم انه صلى الله عليه وسلم بعث بالملة الحنيفية الاسماعيلية لاقامة

درست کرنے کے لئے تھی، اسکی تحریف کو دور کرنے کیلئے تھی اور اسکی روشنی کو پھیلانے کے لئے تھی۔ اور خدا تعالےٰ کے اس قول میں یہی مراد ہے " اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کا مذہب اختیار کرو"۔

اور جبکہ حالت ایسی ہے تو ضرور ہے کہ ملت ابراہیمؑ کے اصول قابل تسلیم اور اسکا طریقہ مقررہ ہو اسواسطے کہ نبی جب ایسی قوم میں مبعوث ہوتا ہے جن میں عمدہ طریقے باقی ہیں تو ان طریقوں میں تغیر وتبدل بے معنی ہے بلکہ ان کو قائم رکھنا ضروری ہے کیونکہ ان لوگوں کے نفوس ان کو اچھی طرح سے قبول کرتے ہیں اور ان سے ان پر خوب حجت ہو سکتی ہے۔

اور بنی اسمٰعیل اپنے باپ ابراہیمؑ کے طریقہ پر برابر چلتے رہے اور وہ اسی شریعت پر ثابت قدم رہے یہاں تک کہ عمرو بن لحی پیدا ہوا اس شخص نے اپنی بیہودہ رائے سے ملت اسمٰعیل میں بہت سی چیزیں داخل کر دیں پس خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا اسی نے بت پرستی اولاً شروع کی، سانڈ چھوڑے اور بحیرہ مقرر کئے اسوقت سے دین بالکل خراب ہو گیا اور صحیح چیز غلط کے ساتھ مخلوط ہو گئی اور لوگوں پر جہالت، شرک اور کفر چھا گیا، تب خدا تعالےٰ نے ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی کج روی کی درستی کے لئے اور انکی خرابیوں کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا پس آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بنی اسمٰعیل کی شریعت میں غور کیا اور اس میں جو طریقہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے مسلک کے موافق یا منجملہ شعائر الٰہی کے پایا اس کو باقی رکھا اور جس میں تحریف ہو گئی تھی یا اس میں خرابی پیدا ہو گئی تھی یا اس میں شرک وکفر کی علامات تھیں اسکو مٹا دیا اور اس کا ابطال مستحکم کر دیا،

اور جو امور عادات وغیرہ کی قسم سے تھے ان کی خوبیاں اور برائیاں اس طرح بیان کر دیں کہ ان میں سے رسمی لوثوں سے احتراز کیا جا سکے، اور بری رسموں سے آپ نے منع فرما دیا اور عمدہ رسموں کا حکم فرمایا،

اور جو مسائل اصلی یا عملی زمانہ فترت میں متروک ہو گئے تھے ان کو شاداب وتر و تازہ ویسا ہی کر دیا جیسا کہ وہ تھے اس طرح پر خدا کا انعام مکمل اور اس کا دین مستقیم ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

عوجها وازالة تحريفها واشاعة نورها وذلك قوله تعالى ملة ابيكم ابراهيم ولما كان الامر على ذلك وجب ان تكون اصول تلك الملة مسلمة وسنتها مقررة اذ النبي اذا بعث الى قوم فيهم بقية سنة راشدة فلا معنى لتغييرها وتبديلها بل الواجب تقريرها لانه اطوع لنفوسهم واثبت عند الاحتجاج عليهم، وكان بنو اسماعيل توارثوا منهاج ابيهم اسماعيل فكانوا على تلك الشريعة الى ان وجد عمرو بن لحي فادخل فيها اشياء برايه الكاسد فضل واضل وشرع عبادة الاوثان وسيب السوائب وبحر البحائر فهنالك بطل الدين واختلط الصحيح بالفاسد وغلب عليهم الجهل والشرك والكفر فبعث الله سيدنا محمدا صلى الله عليه واله وسلم مقيما لعوجهم ومصلحا لفسادهم فنظر صلى الله عليه وسلم في شريعتهم فما كان منها موافقا لمنهاج اسماعيل عليه السلام او من شعائر الله ابقاه، وما كان منها تحريفا او افسادا او من شعائر الشرك والكفر ابطله وسجل على ابطاله، وما كان من باب العادات وغيرها فبين ادابها ومكروهاتها مما يحترز عن غوائل الرسوم ونهى عن الرسوم الفاسدة وامر بالصالحة وما كان من مسالة اصلية او عملية تركت في الفترة اعادها غضة طرية كما كانت فتمت بذلك نعمة الله واستقام دينه وكان

کے عہد میں اہل جاہلیت بعثتِ انبیاء کو تسلیم کرتے تھے اور اعمال کی سزا و جزاء کے قائل تھے، اقسام نیکی کے اصول کے معتقد تھے اور جو امور منافع قوم اور تمدن کے متعلق تھے ان پر عمل کرتے تھے،

ان اہل جاہلیت میں دو فرقے پائے جاتے تھے جو خوب ظاہر اور پھیلے ہوئے تھے اور ایسے لوگوں کا ہونا ہمارے گزشتہ بیان کے منافی نہیں ہے، ان میں ایک فرقہ فاسقین اور زندیقوں کا تھا پس یہ فاسق لوگ بہائم اور درندوں کے سے کام کرتے تھے جو ملتِ اسمٰعیل کے بالکل خلاف تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں خواہشاتِ نفسانی کا غلبہ تھا اور مذہبی امور کا لحاظ کم تھا، یہ لوگ ملت کے دائرہ سے خارج تھے دراں حالیکہ اپنے حق میں برائی کا اقرار بھی کرتے تھے،

اور زندیق لوگوں میں پیدائشی طور پر نقص فہم تھا وہ پوری طرح پر اس امر کی تحقیق نہیں کر سکتے تھے جو صاحب ملت کا مقصود تھا اور نہ ہی صاحب ملت کی تقلید کرتے تھے اور نہ اس امر کو تسلیم کرتے تھے جس کی وہ خبر دیتا تھا۔ وہ اپنے شکوک میں سرگرداں رہتے تھے اور اسکے ساتھ ان کو اپنے لوگوں سے اندیشہ رہتا تھا، لوگ ان کو برا جانتے تھے اور ان کو دین سے خارج سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ انہوں نے اپنے آپ کو مذہب کی پابندی سے آزاد کر دیا ہے پس جبکہ حالت یہ تھی کہ لوگ ان کو ناپسندیدہ اور برا جانتے تھے تو ان کا مذہب سے خارج ہونا ضرر رساں نہ تھا،

دوسرا فرقہ جاہل اور غافل لوگوں کا تھا جنہوں نے دین کی جانب کسی قسم کی توجہ اور التفات نہیں کیا تھا، اس قسم کے اشخاص قریش اور ان کے قریب کے لوگوں میں بہت تھے کیونکہ ان کا زمانہ انبیاء سے بہت دور ہو گیا تھا خدا تبارک وتعالیٰ کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے "تاکہ تو ایسے لوگوں کو ڈرائے جن کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا ہے"

لیکن وہ راستہ سے اتنی دور نہیں ہوئے تھے کہ انکے سامنے دلیل بھی پیش نہ ہو سکے اور ان کو الزام بھی نہ دیا جا سکے

اهل الجاهلية فى زمان النبى صلى الله تعالى عليه واله وسلم يسلمون جواز بعثة الانبياء ويقولون بالمجازاة ويعتقدون اصول انواع البر ويتعاملون بالارتفاقات الثانى والثالث، ولا ينافى ما قلناه وجود فرقتين فيهم وظهورهما وشيوعهما، احداهما الفساق والزنادقة فالفساق يعملون الاعمال البهيمية او السبعية بخلاف الملة لغلبة نفوسهم وقلة تدينهم فاولئك انما يخرجون عن حكم الملة شاهدين على انفسهم بالفسق، والزنادقة يجبلون على الفهم الابتر لا يستطيعون التحقيق التام الذى قصده صاحب الملة ولا يقلدونه ولا يسلمونه فيما اخبر فهم فى ريبهم يترددون على خوف من ملتهم والناس ينكرون عليهم ويرونهم خارجين من الدين خالعين ربقة الملة عن اعناقهم واذا كان الامر على ما ذكرنا من الانكار وقبح الحال فخروجهم لا يضر، والثانية الجاهلون الغافلون الذين لم يرفعوا رءوسهم الى الدين راسا ولم يلتفتوا لفتة اصلا وكان هؤلاء اكثر شئ فى قريش وما والاها لبعد عهدهم من الانبياء وهو قوله تبارك وتعالى لتنذر قوما ما اتاهم من نذير غير انهم لم يبعدوا من المحجة كل البعد بحيث لا تثبت عليهم الحجة ولا يتوجه

اور ان میں خاموشی پیدا نہ کیجا سکے ،

جو اصول اہلِ جاہلیت میں مسلّم تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ آسمان و زمین اور جو جو ہر ان دونوں کے درمیان ہیں انکے پیدا کرنے میں خدا تعالٰے کا کوئی شریک نہیں ، اور بڑے بڑے امور کی تدبیر کرنے میں اس کا کوئی شریک نہیں ، اور ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ کوئی اسکے حکم کو رد نہیں کرسکتا اور نہ کوئی اسکی قضا اور فیصلہ کو روک سکتا ہے جبکہ وہ مبرم اور قطعی ہوجائے ، اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے "بے شک اگر تو ان لوگوں سے دریافت کرے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ سب کہیں گے کہ خدا نے پیدا کیا ہے " اور اس کا فرمان ہے " بلکہ تم خدا ہی کو پکارتے ہو " اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے " وہ گمراہ ہیں جن کو تم بجز خدا کے پکارتے ہو "

لیکن انکے زندیق ہونیکی ایک بات یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ فرشتوں میں سے اور ارواح میں سے بعض ایسے ہیں جو علاوہ بڑے بڑے انتظامات کے اہلِ زمین کے دوسرے امور میں مدبر ہوتے ہیں جیسا کہ اپنے پرستش کرنے والے کی حالت درست کرنا ہے جسکا تعلق خاص اسکی ذات سے ہوتا ہے اور اسکی اولاد اور اموال سے ہوتا ہے ، یہ مشرکین ان فرشتوں اور ارواح کو ان بادشاہوں کی حالت سے تشبیہ دیتے ہیں جو ان کی شہنشاہ کے مقابلہ میں ہوتی ہے اور جو حالت شفیعوں اور ندیموں کی ایسے بادشاہ کے سامنے ہوتی ہے جو طاقت کے ساتھ تصرف کرتا ہے ، اور اس سوء فہمی کا منشاء یہ ہوا کہ شریعتوں میں بہت سے امور فرشتوں کیطرف تفویض کئے گئے ، اور مقرب لوگوں کی دعا مقبول ہونیکی تصریح ہے اس سے وہ لوگ ان امور کو انہی کے تصرفات سمجھ گئے جیسے چھوٹے چھوٹے بادشاہوں کے ہوتے ہیں اور انہوں نے غائب کو حاضر پر قیاس کرلیا اور یہی شی فساد کا باعث ہوئی ، اور اہل جاہلیت کے اصول میں سے ایک یہ تھا کہ وہ خدا تعالٰی کی ذات کو اس شی سے پاک سمجھتے تھے جو اسکی شان کے لائق نہیں ہے اور اسکے اسماء میں الحاد کو ناجائز جانتے تھے لیکن انہوں نے اپنی گمراہی کیوجہ سے یہ سمجھ لیا تھا کہ فرشتے خدا کی لڑکیاں ہیں اور فرشتے ایک واسطہ قرار دیئے گئے ہیں تاکہ خدا تعالٰے انکے ذریعہ سے اس امر کو معلوم کرے جس کا اسکو علم نہیں ہے ، انہوں نے خدا تعالٰے کو بادشاہوں پر قیاس کیا جیسا کہ وہ جاسوسوں کے ذریعہ سے حالات معلوم کیا کرتے ہیں ، اور ان کے مسلمہ اصول میں سے

عليهم الالزام ولا يتحقق فيهم الافحام فمن تلك الاصول القول بانه لاشريك لله تعالى فى خلق السموات والارض وما فيهما من الجواهر ولا شريك له فى تدبير الامور العظام وانه لاراد لحكمه ولا مانع لقضائه اذا ابرم وجزم وهو قوله تعالى ولئن سالتهم من خلق السموات والارض ليقولن الله وقوله تعالى بل اياه تدعون ، وقوله تعالى ضل من تدعون الا اياه لكن كان من زندقتهم قولهم ان هنالك اشخاصا من الملائكة والارواح تدبر اهل الارض فيما دون الامور العظام من اصلاح حال العابد فيما يرجع الى خويصة نفسه واولاده وامواله و شبهوهم بحال الملوك بالنسبة الى ملك الملوك وبحال الشفعاء والندماء بالنسبة الى السلطان المتصرف بالجبروت ومنشأ ذلك ما نطقت به الشرائع من تفويض الامور الى الملائكة واستجابة دعاء المقربين من الناس فظنوا ذلك تصرفا منهم كتصرف الملوك قياسا للغائب على الشاهد وهو الفساد ، ومنها تنزيهه عما لا يليق بجنابه وتحريم الالحاد فى اسمائه لكن كان من زندقتهم زعمهم ان الله اتخذ الملائكة بنات وان الملائكة انما جعلوا واسطة ليكتسب الحق منهم علما ليس عنده قياسا على الملوك بالنسبة الى الجواسيس ، ومنها ان الله تعالى قدر جميع الحوادث قبل ان يخلقها ، وهو

امام حسن بصری کا قول ہے کہ اہل جاہلیت اپنے خطبوں اور اشعار میں ہمیشہ تقدیر کا ذکر کیا کرتے تھے پس شرع نے اسکو اور موکد کر دیا ہے،

اور انکے مسلمہ اصول میں سے ایک یہ تھا کہ عالم بالا میں ایک مقام معین ہے جہاں بتدریج حوادث پائے جاتے ہیں اور اس جگہ فرشتوں اور اچھے آدمیوں کی دعا میں کچھ نہ کچھ تاثیر ہے، لیکن اسکی صورت ان کے ذہنوں میں ایسی تھی جیسے بادشاہوں کے وزیروں کی شفاعت کا اثر بادشاہوں پر پڑتا ہے،

ان کے مسلمہ اصول میں سے یہ بھی تھا کہ خدا تعالےٰ نے اپنے بندوں پر احکام مقرر کئے ہیں ان میں سے بعض کو حلال اور بعض کو حرام کیا ہے اور یہ کہ وہ ہر کام کی جزا دیتا ہے اگر اعمال اچھے ہیں تو جزا بھی اچھی ہوتی ہے اور اگر اعمال برے ہیں تو جزا بھی بری ہوتی ہے، اور یہ کہ خدا تعالےٰ کے پاک فرشتے ہیں جو اسکی بارگاہ میں مقرب ہیں اور بڑے درجہ والے ہیں خدا کے حکم سے وہ اس عالم کی تدابیر میں مصروف رہتے ہیں احکام الٰہیہ کی تعمیل سے سرتابی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ براز کرتے ہیں اور نہ شادی کرتے ہیں اور کبھی کبھی نیک آدمیوں کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور ان کو بشارت اور خوف دلاتے ہیں،

اور ان کو اس پر بھی اعتقاد تھا کہ خدا تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے ایسے شخص کو لوگوں کی طرف مبعوث کرتا ہے جس پر وحی نازل کرتا ہے اور اس کے پاس فرشتوں کو بھیجتا ہے اور خدا تعالیٰ اسکی طاعت لوگوں پر فرض کرتا ہے پس لوگوں کو اس کے حکم کی تعمیل اور فرماں برداری کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا،

ملاء اعلےٰ اور حاملین عرش کا ذکر اشعار جاہلیت میں بکثرت موجود ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے امیہ ابن ابی الصلت کے ان دو اشعار کی تصدیق فرمائی ہے اسکا قول ہے

شعر:-

آدمی اور بیل اس کے دائیں پاؤں کے نیچے ہیں
"اور کرگس ایک پائے کا اور شیر دوسرے پائے کا محافظ ہے"

قول الحسن البصری لم یزل اهل الجاهلية يذكرون القدر فی خطبهم واشعارهم ولم يزده الشرع الا تاكيدا، ومنها ان هنالك موطنا يتحقق فيه القضاء بالحوادث شيئا فشيئا، وان هنالك لادعية الملائكة المقربين وافاضل الآدميين تاثيرا بوجه من الوجوه لكن صار ذلك فی اذهانهم متمثلا بشفاعة ندماء الملوك اليهم، ومنها انه كلف العباد بما شاء فاحل وحرم وانه مجازٍ على الاعمال ان خيرا فخيرا وان شرا فشرا وان لله تعالى ملائكة هم مقربوا الحضرة واكابر المملكة وانهم مدبرون فی العالم باذن الله وبامره وانهم لا يعصون الله ما امرهم ويفعلون ما يؤمرون وانهم لا ياكلون ولا يشربون ولا يتغوطون ولا ينكحون وانهم قد يظهرون لافاضل الآدميين فيبشرونهم وينذرونهم وان الله قد يبعث الى عباده بفضله ولطفه رجلا منهم فيلقی وحيه اليه وينزل الملك عليه وانه يفرض طاعته عليهم فلا يجدون منها بدا ولا يستطيعون دونها محيصا، وقد كثر ذكر الملا الاعلى وحملة العرش فی اشعار الجاهلية، وعن ابن عباس رضی الله عنهما ان النبی صلى الله عليه واله وسلم صدق امية بن ابی الصلت فی بيتين من شعره فقال۔

رجل وثور تحت رجل يمينه
والنسر للاخرى وليث مرصد

آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر سنکر فرمایا امیہ نے سچ کہا
اسکے بعد امیہ کا یہ شعر پڑھا، للشعرء

سورج ہر رات کے ختم ہونے کے بعد صبح کو سرخ اور
گلابی رنگ کا نکلتا ہے، وہ خوشی سے ہمارے لئے طلوع
نہیں ہوتا بلکہ رہ معذب ہو کر اور تازیانہ کھا کر آتا ہے،
(یعنی خدا کی عبادت سے مغلوب رہتا ہے)

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امیہ نے سچ کہا، اور اسکی تحقیق یہ ہے کہ اہل جاہلیت کا یہ عقیدہ تھا کہ عرش کے اٹھانے والے چار فرشتے ہیں، ایک انسان کا ہم شکل ہے اور وہ خدا کے حضور میں بنی آدم کا شفیع ہے، اور دوسرے کی صورت بیل کی ہے اور وہ چار پایوں کا شفیع ہے، تیسرے کی صورت کرگس کی ہے اور وہ پرندوں کی شفاعت کرتا ہے، اور چوتھا شیر کی شکل کا ہے اور وہ درندوں کی شفاعت کرتا ہے،

پس شرع میں بھی اسکے قریب قریب آیا ہے لیکن شرع نے ان تمام فرشتوں کا نام وعول (بز کوہی) رکھا ہے اس اعتبار سے کہ عالم مثال میں ان فرشتوں کی صورتیں ایسی ہی ظاہر ہوتی ہیں، یہ سب باتیں اہل جاہلیت کو معلوم تھیں اسکے ساتھ ساتھ وہ اس باب میں غائب کو حاضر پر قیاس کرتے تھے اور امور علمی اور یقینی کو اپنے پسندیدہ خیالات کے ساتھ خلط ملط کر دیتے تھے۔ اور اگر تم کو ہمارے مذکورہ بیان میں شبہ ہو تو ان مضامین میں غور کرلو جن کو خدا تعالے نے قرآن عظیم میں بیان فرمایا اور اس باقی علم کے ذریعہ جو ان کے پاس رہ گیا تھا ان پر دلیل قائم کی، اور ان شکوک وشبہات کو جو انہوں نے اپنی معلومات میں داخل کرلئے تھے دور فرمایا بالخصوص اس آیت کو دیکھو:- جبکہ اہل جاہلیت نے نزول قرآن کا انکار کیا تو خدا تعالے نے فرمایا "آپ فرما دیجئے کہ بتاؤ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جسے حضرت موسیٰ لائے تھے" اور جب ان لوگوں نے کہا یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، تو خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "آپ رسولوں میں سے کوئی انوکھے اور عجیب نہیں ہیں"

فقال النبي صلى الله عليه وسلم صدق۔
فقال

والشمس تطلع كل آخر ليلة
حمراء يصبح لونها يتورد
تابى فما تطلع لنا في رسلها
الا معذبة والا تجلد

فقال النبي صلى الله عليه وسلم صدق، وتحقيق هذا ان اهل الجاهلية كانوا يزعمون ان حملة العرش اربعة املاك احدهما في صورة الانسان وهو شفيع بني ادم عند الله، والثاني في صورة الثور وهو شفيع البهائم، والثالث في صورة النسر وهو شفيع الطيور، والرابع في صورة الاسد وهو شفيع السباع،- فقد ورد الشرع بقريب من ذلك الا انه سماهم جميعهم وعولا وذلك بحسب ما يظهر في عالم المثال من صورهم، فهذا كله كان معلوما عندهم مع ما دخل فيه من قياس الغائب على الشاهد وخلط المالوف بالامور العلمية، وان كنت في ريب مما ذكرنا فانظر فيما قص الله تعالى في القران العظيم واحتج عليهم بما عندهم من بقية العلم وكشف ما ادخلوه فيه من الشبه والشكوك لاسيما قوله تعالى لما انكروا نزول القران قل من انزل الكتاب الذي جاء به موسى ولما قالوا مال هذا الرسول يأكل الطعام ويمشي في الاسواق انزل قوله تعالى قل ما كنت بدعا من الرسل، و

ایسی ہی اور بہت سی مثالیں ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین اگرچہ راہ راست سے دور ہٹ گئے تھے لیکن جو علمی حصہ انہیں باقی رہ گیا تھا اس کے ذریعہ سے ان پر حجت قائم ہو سکتی تھی اہل جاہلیت میں جو لوگ حکیم ہوئے ہیں ان کے خطبوں کو دیکھو مثلاً قس ابن ساعدہ، زید بن عمرو بن نفیل اور عمرو بن لحی سے پیشتر کے نیک لوگوں کے کلام کو دیکھو تو سب میں یہ بات مفصلاً معلوم ہوگی، بلکہ ان کے کلام میں اگر نہایت غور و خوض کرو گے تو ان کے فضلاء اور حکماء کو پاؤ گے کہ وہ عالم معاد اور فرشتوں وغیرہ کا اعتقاد رکھتے تھے اور وہ توحید کو ٹھیک طور پر مانتے تھے حتی کہ زید بن عمرو بن نفیل نے اپنے شعر میں یہ کہدیا

شعر:-

تو پروردگار ہے سب لوگوں کا بادشاہ ہے
موتیں اور فیصلے تیرے ہی قبضہ میں ہیں،

اور اس نے یہ بھی کہا:-

میں ایک پروردگار کو مانوں یا ہزار کو
جب کاموں کی تقسیم ہو
میں نے لات و عزی سب کو چھوڑ دیا
سمجھ دار آدمی ایسا ہی کیا کرتا ہے،

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے امیہ بن ابی الصلت کے حق میں فرمایا:- "اس کے شعر میں ایمان ہے لیکن اس کے دل میں ایمان نہیں ہے" اور یہ سب باتیں وہ تھیں جو ان میں حضرت اسمٰعیل کے طریقہ سے وراثۃً چلی آئی تھیں اور اہل کتاب سے ان کو حاصل ہوئی تھیں ان کو بخوبی معلوم تھا کہ انسان کا اصلی کمال یہی ہے کہ اپنے رب کے سامنے سرنگوں ہو اور انتہائی کوشش سے خدا کی عبادت کرے، اور عبادت کے ابواب میں ان کے ہاں ایک طہارت بھی تھی، اور غسل جنابت تو ان کے ہاں ایک معمولی تھا، اور اسی طرح

ما يشابه ذلك فتعلم من هنالك ان المشركين وان كانوا قد تباعدوا عن المحجة المستقيم لكن كانوا بحيث تقوم عليهم الحجة ببقية مما عندهم من العلم، وانظر الى خطب حكمائهم كقس ابن ساعدة، وزيد بن عمرو بن نفيل والى اخبار من كان قبل عمرو بن لحي تجد ذلك مفصلا بل لو امعنت في تصفح اخبارهم غاية الامعان وجدت افاضلهم وحكمائهم كانوا يقولون بالمعاد وبالحفظة وغير ذلك ويثبتون التوحيد على وجهه حتى قال زيد بن عمرو بن نفيل في شعره -

عبادك يخطئون وانت رب
بكفيك المنايا والحتوم

وقال ايضا:-

اربا واحدا ام الف رب
ادين اذا تقسمت الامور
تركت اللات والعزى جميعا
كذلك يفعل الرجل البصير

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم في امية بن ابي الصلت امن شعره ولم يؤمن قلبه، وذلك مما توارثوه من منهاج اسمعيل ودخل فيهم من اهل الكتاب وكان من المعلوم عندهم ان كمال الانسان ان يسلم وجهه لربه ويعبده اقصى مجهوده، وان من ابواب العبادة الطهارة وما زال الغسل من الجنابة سنة معمولة عندهم وكذلك

ختنہ اور تمام فطری خصائل ان میں تھے، توریت میں ہے کہ خدا تعالیٰ نے ختنہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لئے ایک نشان قرار دیا تھا اور اس وضو کو مجوس اور یہود وغیرہ سب کیا کرتے تھے اور حکماء عرب بھی اسکے پابند تھے اور ان میں نماز بھی مروج تھی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے پیشتر تین سال سے نماز پڑھا کرتے تھے اور قس ابن ساعدہ ایادی بھی نماز پڑھا کرتے تھے، یہود، مجوسی اور بقیہ عرب میں نماز کے تعظیمی افعال مروج تھے خاصکر سجود کے پابند تھے اور دعا و ذکر الٰہی سے متعلق اقوال بھی تھے اور وہ لوگ زکوٰۃ بھی دیا کرتے تھے،

اور مہمان کی ضیافت کرنا، مسافر کو کھانا کھلانا، کسی کے اہل وعیال کا نفقہ، مساکین کو صدقہ دینا، اہل قرابت سے صلہ رحمی کرنا اور مصائب حق میں مدد کرنا ان کا دستور تھا اور یہ سب زکوٰۃ میں داخل تھے، انہی امور سے ان کی مدح ہوتی تھی اور انہی امور کو انسان کا کمال اور اس کی سعادت سمجھتے تھے،

چنانچہ حضرت خدیجہ نے آپ سے عرض کیا تھا بخدا اللہ تعالیٰ آپ کو رسوا نہ کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں، دوسروں کے عیال اور ضعفاء کے کفیل ہوتے ہیں، حوادث میں لوگوں کی اعانت کرتے ہیں،

ایسا ہی ابن دغنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت کہا تھا، اور وہ لوگ صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ رکھا کرتے تھے اور مسجد میں اعتکاف کیا کرتے تھے،

اور حضرت عمر نے زمانہ جاہلیت میں ایک شب کے اعتکاف کی نذر کی تھی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس میں استفسار کیا تھا،

اور عاص بن وائل نے وصیت کی تھی کہ میری جانب سے فلاں فلاں غلام آزاد کئے جائیں،

الختان وسائر خصال الفطرة، وفي التوراة ان الله تعالى جعل الختان ميسمة على ابراهيم وذريته وهذا الوضوء يفعله المجوس واليهود وغيرهم وكانت تفعله حكماء العرب وكانت فيهم الصلوة وكان ابو ذر رضي الله عنه يصلي قبل ان يقدم على النبي صلى الله عليه وآله وسلم بثلاث سنين وكان قس بن ساعدة الايادي يصلي، والمحفوظ من الصلوة في امم اليهود والمجوس وبقية العرب افعال تعظيمية لاسيما السجود واقوال من الدعاء والذكر وكانت فيهم الزكاة وكان المعمول عندهم منها قرى الضيف وابن السبيل وحمل الكل والصدقة على المساكين وصلة الارحام والاعانة في نوائب الحق وكانوا يمدحون بها ويعرفون انها كمال الانسان وسعادته، قالت خديجة رض فوالله لايخزيك الله ابدا انك لتصل الرحم وتقري الضيف وتحمل الكل وتعين على نوائب الحق، وقال ابن الدغنة لابي بكر الصديق رضي الله عنه مثل ذلك وكان فيهم الصوم من الفجر الى غروب الشمس وكانت قريش تصوم عاشوراء في الجاهلية وكان الجوار في المسجد، وكان عمر نذر اعتكاف ليلة في الجاهلية فاستفتى في ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان عاص بن وائل اوصى ان يعتق عنه كذا وكذا من العبيد، وبالجملة

حاصل کلام یہ ہے کہ اہل جاہلیت مختلف تعظیمات کے ذریعہ خدا کی عبادت کیا کرتے تھے لیکن حج بیت اللہ اور اسکے شعائر کی تعظیم اور بزرگ مہینوں کی عظمت، پس یہ امور تو اہل عرب میں ایسے مشہور تھے جو کسی پر مخفی نہیں تھے ان کے پاس کئی قسم کے منتر اور تعویذات بھی تھے لیکن انہیں شرک کی باتیں داخل کر دی تھیں، حلق کا ذبح کرنا اور گردن میں برچھا مارنا ان کا طریقہ تھا نہ وہ ذبیحہ کا گلا گھونٹتے تھے اور نہ پیٹ چاک کرتے تھے وہ بقیہ دین ابراہیم علیہ السلام پر قائم تھے، وہ علم نجوم کو نہ مانتے تھے اور سوائے بدیہی چیزوں کے علم طبیعیات کے دقائق میں غور و خوض نہ کرتے تھے، آئندہ امور کے دریافت کرنے میں ان کے ہاں عمدہ طریقہ خواب تھا اور گذشتہ انبیار کی بشارتیں تھیں، اس کے بعد کہانت اور تیروں سے آئندہ حالات کا اندازہ لگانا اور بدشگونی کرنا ان میں رواج پا گیا تھا اور وہ اس بات کو جانتے تھے کہ یہ امور اصل ملت میں داخل نہیں تھے چنانچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کی تصویریں دیکھیں جنکے ہاتھوں میں تیر تھے تو فرمایا یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ انہوں نے تیروں کے ذریعہ کبھی اندازہ نہیں لگایا، بنی اسمٰعیل اپنے جد اسمٰعیل علیہ السلام کے طریقہ پر رہے یہاں تک کہ ان میں عمرو بن لحی پیدا ہو گیا جو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تقریباً تین سو برس قبل پیدا ہوا تھا: ان لوگوں کے لئے کھانے میں، پینے میں، لباس میں، دعوتوں میں، عیدوں میں، مردوں کے دفن کرنے میں، نکاح، طلاق، عدت اور سوگ میں اور خرید و فروخت و معاملات میں نہایت مستحکم طریقے معین تھے جن کے ترک کرنے پر لوگوں کو ملامت کی جاتی تھی اور ہمیشہ سے وہ محارم کو جیسے بیٹیاں، مائیں، بہنیں وغیرہ ہیں حرام سمجھتے تھے۔

كان اهل الجاهلية يتحنثون بانواع التحنثات واما حج بيت الله وتعظيم شعائره و الاشهر الحرم فامره اظهر من ان يخفى وكان لهم انواع من الرقى والتعوذات وكانوا ادخلوا فيها الاشراك ولم تزل سنتهم الذبح في الحلق والنحر في اللبة ما كانوا يخنقون ولا يبعجون وكانوا على بقية دين ابراهيم عليه السلام في ترك النجوم وترك الخوض في دقائق الطبيعيات غير ما الجأ اليه البداهة وكان العمدة عندهم في تقدمة المعرفة الرؤيا وبشارات الانبياء من قبلهم ثم دخل فيهم الكهانة والاستقسام بالازلام والطيرة وكانوا يعرفون ان هذه لم تكن في اصل الملة وهو قوله صلى الله عليه واله وسلم حين راى صورة ابراهيم واسماعيل عليهما السلام في ايديهما الازلام لقد علموا انهما لم يستقسما قط، وكان بنو اسمعيل على منهاج ابيهم الى ان وجد فيهم عمرو ابن لحي وذلك قبل مبعث النبي صلى الله عليه واله وسلم تقريبا من ثلثمائة سنة، وكانت لهم سنن متأكدة يتلاومون على تركها في مآكلهم و مشاربهم ولباسهم ولائمهم و اعيادهم ودفن موتاهم ونكاحهم وطلاقهم وعدتهم واحدادهم وبيوعهم ومعاملاتهم وما زالوا يحرمون المحارم كالبنات والامهات والاخوات وغيرها

ظلم اور تعدی کے موقع پر ان کے ہاں سزائیں مقرر تھیں جیسے
قصاص، دیت اور قسامت کی سزائیں تھیں، ایسے ہی زنا اور
چوری کی سزائیں مقرر تھیں، نیز ایران وروم کی سلطنتوں کے
ذریعہ سے ان میں منزلی اور تمدنی تدابیر وعلوم بھی آگئے تھے لیکن
ان میں بدکاری کی کثرت ہو گئی تھی، آپس میں ایک دوسرے کو
قید کرکے اور لوٹ مار کرکے ظلم کرتے تھے، زنا، فاسد نکاح
اور سود خوری خوب پھیل گئی تھی۔ نماز اور ذکر الٰہی کو بالکل ترک
کر دیا تھا اور ان کی طرف کچھ توجہ نہ کرتے تھے، پس ان حالات
میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے پس آپ نے ان کے
تمام امور میں غور وخوض کیا ان میں سے جو حصہ ملتِ ابراہیمی کا
صحیح تھا اس کو باقی رکھا اور اس پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی، اور
آپ نے اسباب واوقات، شروط وارکان، آداب ومفسدات
رخصت وعزیمت اور ادار وقضار کی تعلیم کرکے ان کے
لئے عبادات کو منضبط کر دیا اور معاصی کو بھی ارکان وشروط
بیان کرکے ان کے لئے منضبط کر دیا، اور گناہوں کی روک
تھام کے لئے حدود، سزائیں اور کفارات معین فرمائے،
ترغیب اور ترہیب کے بیان کے ذریعہ دین کو ان کے
لئے آسان کر دیا، گناہوں کے تمام ذرائع بند کر دیے اور
اور ان امور پر آمادہ کیا جن سے نیکی کی تکمیل ہوتی ہے اور
وہ تمام باتیں بتلائیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، ملتِ حنیفیہ
کے پھیلانے میں اور اس کو تمام مذاہب پر غالب کرنے
میں نہایت کوشش فرمائی، ان کی تمام تحریفات کو مٹایا
اور ان کے مٹانے میں انتہائی کوشش کی اور جو رسوم صحیح تھیں
ان کو باقی رکھا اور ان کا حکم فرمایا اور جس قدر ان کی رسوم
فاسدہ تھیں ان سے روک دیا اور خلافتِ کبریٰ کو انہیں
قائم کیا اور اپنے ساتھیوں کی مدد سے غیروں سے جہاد
کیا یہاں تک کہ امر خداوندی پورا ہو گیا گو وہ ان پر شاق
ہی گذرتا رہا،

بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے

وكانت لهم مزاجر في مظالمهم كالقصاص
والديات والقسامة وعقوبات على الزنا
والسرقة ودخلت فيهم من الاكاسرة
والقياصرة علوم الارتفاق الثالث و
الرابع لكن دخلهم الفسوق والتظالم
بالسبي والنهب وشيوع الزنا والنكاحات
الفاسدة والربا وكانوا تركوا الصلوة
والذكر واعرضوا عنهما فبعث النبي صلى
الله عليه وآله وسلم فيهم وهذا
حالهم فنظر في جميع ما عند القوم فما
كان بقية الملة الصحيحة ابقاه وسجل
على الاخذ به وضبط لهم العبادات
بشرع الاسباب والاوقات والشروط
والاركان والآداب والمفسدات والرخصة
والعزيمة والاداء والقضاء وضبط لهم
المعاصي ببيان الاركان والشروط وشرع
فيها حدودا ومزاجر وكفارات ويسر
لهم الدين ببيان الترغيب والترهيب و
سد ذرائع الاثم والحث على مكملات
الخير الى غير ذلك مما سبق ذكره وبالغ
في اشاعة الملة الحنيفية وتغليبها على
الملل كلها وما كان من تحريفاتهم نفاه
وبالغ في نفيه وما كان من الارتفاقات
الصحيحة سجل عليه وامر به وما كان
من رسومهم الفاسدة منعهم عنه و
قبض على ايديهم وقام بالخلافة الكبرى
وجاهد بمن معه من دونهم حتى تم
امر الله وهم كارهون، وجاء في بعض
الاحاديث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم

فرمایا "مجھ کو آسان حنیفی روشن مذہب دیکر بھیجا گیا ہے" آسان سے آپ کی مراد یہ ہے کہ اس میں ایسی سخت عبادتیں نہیں ہیں جن کو راہبوں نے ایجاد کر لیا تھا، بلکہ اس ملت میں ہر ایک عذر کے لئے رخصت ہے جس کی وجہ سے قوی اور ضعیف، کاربند اور بیکار سب عمل کر سکتے ہیں، اور حنیفی سے مراد ملت ابراہیم ہے جس میں شعائر الہی کا قیام اور شرک کے شعار کی برائی ہے اور تحریف و رسوم فاسدہ کا ابطال ہے،

اور روشن سے مراد یہ ہے کہ اس کی علتیں اور حکمتیں اور وہ مقاصد جن پر شریعت کی بنیاد قائم ہے نہایت صاف ہیں جو شخص ان میں تامل کریگا اسکو کچھ شبہ باقی نہ رہے گا بشرطیکہ وہ سلیم العقل ہو اور ہٹ دھرمی کرنے والا نہ ہو، واللہ اعلم۔

ساتواں مبحث

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام شرعی کے استنباط کی کیفیت

پہلا باب: علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقسام کا بیان

واضح ہو کہ جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور کتب حدیث میں مدون ہے اس کی دو قسمیں ہیں، اول وہ امور جن کا ذریعہ تبلیغ رسالت ہے اس سے متعلق خدا تعالے کا یہ قول ہے، "پیغمبر جو کچھ تم کو بتائے اس کی تعمیل کرو اور جس سے منع کرے اس سے باز آؤ"

ایسے امور میں سے ایک حصہ علوم معاد اور عالم ملکوت کے عجیب عجیب حالات کا ہے یہ سب امور بواسطہ وحی کے ہوتے ہیں، اور ایک حصہ احکام شرعی، ضبط عبادات،

قال "بعثت بالملة السمحة الحنيفية البيضاء" يريد بالسمحة ما ليس فيه مشاق الطاعات كما ابتدعه الرهبان بل فيها لكل عذر رخصة يتاتى العمل بها للقوي والضعيف والمكتسب والفارغ وبالحنيفية ما ذكرنا من انها ملة ابراهيم صلوات الله عليه فيها اقامة شعائر الله وكبت شعائر الشرك وابطال التحريف والرسوم الفاسدة وبالبيضاء ان عللها وحكمها والمقاصد التي بنيت عليها واضحة لاريب فيها من تامل وكان سليم العقل غير مكابر والله اعلم۔

البحث السابع

مبحث استنباط الشرائع من حديث النبي صلى الله عليه وسلم

باب بيان اقسام علوم النبي صلى الله عليه وسلم

اعلم ان ما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم ودون في كتب الحديث على قسمين، احدهما ما سبيله سبيل تبليغ الرسالة وفيه قوله تعالى وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا، منه علوم المعاد وعجائب الملكوت وهذا كله مستند الى الوحي ومنه شرائع وضبط للعبادات

اور ارتفاقات کا ہے ان وجوہ ضبط کے ساتھ جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے، ان میں سے بعض وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اور بعض آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد بھی وحی کے درجہ میں ہے کیونکہ خدا تعالےٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا تھا کہ آپ کی رائے خطا پر جم سکے اور یہ بھی ضروری نہ تھا کہ آپ کا اجتہاد کسی امر منصوص سے مستنبط ہو جیسا کہ بعض لوگ گمان کرتے ہیں بلکہ اکثر یہ حالت تھی کہ خدا تعالےٰ نے آپ کو شرع کے مقاصد بتلا دیے تھے اور تشریع، تیسیر و احکام کے قانون کی تعلیم کر دی تھی پس اسی قانون کے ذریعہ آپ ان مقاصد کی وضاحت کر دیا کرتے تھے جو بذریعہ وحی آپ کو حاصل ہوتے تھے،

انہی امور تبلیغ رسالت میں سے ایک حصہ ان حکمتوں اور مصلحتوں کا ہے جو بلا قید رکھی گئی ہیں جنکا نہ وقت معین ہے اور نہ انکی حد بس بیان کی گئی ہیں جیسے عمدہ اور ناقص اخلاق کا بیان، اور یہ حصہ غالباً اجتہادی ہے بایں معنی کہ خدا تعالےٰ نے آپ کو قوانین انتظامات تعلیم فرمائے پس ان قوانین سے حکمتوں کو اخذ کیا اور ان کو کلیہ بنایا۔

اور انہی امور میں سے ایک حصہ فضائل اعمال اور عاملین کے مناقب اور اوصاف کا ہے، میری رائے ہیں ان میں سے بعض امور وحی الٰہی کے واسطہ سے ہوتے ہیں اور بعض اجتہادی ہوتے ہیں، اور ان قوانین کا بیان پہلے گذر چکا ہے اور اسی حصہ کی تشریح اور ان کے مقاصد کا بیان کرنا ہمیں مقصود ہے :۔

دوم وہ امور جو تبلیغ رسالت کے باب سے نہیں ہیں اسی کے بارے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "میں ایک انسان ہوں جب میں تمکو کسی مذہبی امر کا حکم کروں تو اسکو لے لو اور جو بات میں تم سے اپنی رائے سے کہوں پس میں بشر ہوں۔" درخت خرما کے نر و مادہ کے ملانے میں بھی آپ نے یہی فرمایا تھا "یہ میرا ایک گمان تھا پس ظنی بات میں میرا مواخذہ نہ کرو لیکن جب میں خدا کی جانب سے کوئی بات بیان کروں تو

والارتفاقات بوجوه الضبط المذكورة فيما سبق وهذه بعضها مستند الى الوحي وبعضها مستند الى الاجتهاد واجتهاده صلى الله عليه واله وسلم بمنزلة الوحي لان الله تعالى عصمه من ان يتقرر رايه على الخطأ وليس يجب ان يكون اجتهاده استنباطا من المنصوص كما يظن بل اكثره ان يكون علمه الله تعالى مقاصد الشرع وقانون التشريع والتيسير والاحكام فبين المقاصد المتلقاة بالوحي بذلك القانون، ومنه حكم مرسلة ومصالح مطلقة لم يوقتها ولم يبين حدودها كبيان الاخلاق الصالحة واضدادها ومستندها غالبا الاجتهاد بمعنى ان الله تعالى علمه قوانين الارتفاقات فاستنبط منها حكمة وجعل فيها كلية، ومنه فضائل الاعمال ومناقب العمال، وارى ان بعضها مستند الى الوحي وبعضها الى الاجتهاد وقد سبق بيان تلك القوانين وهذا القسم هو الذى نقصد شرحه وبيان معانيه، وثانيهما ماليس من باب تبليغ الرسالة وفيه قوله صلى الله عليه وسلم انما انا بشر اذا امرتكم بشئ من دينكم فخذوا به واذا امرتكم بشئ من رأيى فانما انا بشر وقوله صلى الله عليه وسلم فى قصة تابير النخل فانى انما ظننت ظنا ولا تؤاخذونى بالظن ولكن اذا حدثتكم عن الله شيئا

اسکو اعتبار کرو اسلئے کہ میں نے خدا پر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔"

اسی حصہ میں سے طب کا حصہ ہے اور اسی سے متعلق حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ "گھوڑا نہایت سیاہ جسکی پیشانی پر ہلکی سی سفیدی ہو ضرور رکھو۔" اور اس بارہ میں مستند آپ کا تجربہ تھا۔

اور اسی قبیل سے وہ امور بھی ہیں جن کو آپ عادۃً کیا کرتے تھے اور اُن کو بطور عبادت کے نہیں کرتے تھے، یا آپ نے انکو اتفاقاً کیا تھا قصداً نہیں کیا تھا، اور اسی قبیل سے وہ مذکورات ہیں جنکو آپ اپنی قوم سے کہا کرتے تھے احدیث ام زرع اور حدیث خرافہ اسی قسم کی احادیث ہیں، اسی کو زید بن ثابت نے فرمایا ہے جبکہ چند آدمی آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہم سے بیان کیجیے، حضرت زید نے کہا "میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمسایہ میں رہتا تھا جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ مجھ کو بلا بھیجتے تھے پس میں اسکو لکھ دیا کرتا تھا، آپ کی یہ عادت تھی کہ جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ دنیا کا ذکر کرتے، اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ آخرت کا ذکر کرتے، اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ کھانے کا ذکر کرتے، پس کیا میں تم سے ان سب قسم کی حدیثوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کروں؟" اور اسی قبیل سے وہ امور بھی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جزئی مصلحت مقصود تھی لیکن وہ تمام امت کیلئے ضروری نہ تھے اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بادشاہ فوجوں کی ترتیب کرتا ہے اور کوئی شعار[1] مقرر کرتا ہے، اسی لئے حضرت عمر نے فرمایا ہے "ہم کو طواف میں رمل[2] سے کیا تعلق، ہم ان لوگوں کو یہ حالت دکھاتے تھے جنکو خدا نے اب ہلاک کر دیا ہے۔" اسکے حضرت عمر کو اندیشہ ہوا کہ کہیں رمل کا کوئی اور سبب نہ ہو۔ اور بہت سے احکام اسی مصلحتِ جزئی پر محمول ہیں جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "جہاد میں جو کوئی کسی کو قتل کرے وہی شخص اس مقتول کا اسباب و سامان لے۔"

اسی حصہ میں سے آپ کے احکام اور خاص فیصلے ہیں اور ان میں آپ گواہ اور قسم کا اعتبار کر لیتے تھے، حضرت علی سے آپ نے فرمایا تھا "جو کچھ شاہد

فخذوا به فانی لم اکذب علی الله، فمنه الطب ومنه باب قوله صلے الله علیه وسلم علیکم بالادهم الاقرح ومستنده التجربة، ومنه ما فعله النبی صلی الله علیه وسلم علی سبیل العادة دون العبادة وبحسب الاتفاق دون القصد، ومنه ما ذکره کما کان یذکر قومه کحدیث ام زرع وحدیث خرافة وهو قول زید بن ثابت حیث دخل علیه نفر فقالوا له حدثنا احادیث رسول الله صلی الله علیه وسلم قال کنت جاره فکان اذا انزل علیه الوحی بعث الی فکتبته له فکان اذا ذکرنا الدنیا ذکرها معنا واذا ذکرنا الاخرة ذکرها معنا واذا ذکرنا الطعام ذکره معنا فکل هذا احدثکم عن رسول الله صلے الله علیه وسلم، ومنه ما قصد به مصلحة جزئیة یومئذ ولیس من الامور اللازمة لجمیع الامة وذلک مثل ما یامر به الخلیفة من تعبیة الجیوش وتعیین الشعار وهو قول عمر رضی الله عنه: ما لنا وللرمل کنا نترائی به قوما قد اهلکهم الله ثم خشی ان یکون له سبب اخر، وقد حمل کثیر من الاحکام علیه کقوله صلے الله علیه وسلم من قتل قتیلا فله سلبه، ومنه حکم وقضاء خاص وانما کان یتبع فیه البینات والایمان وهو قوله صلے الله علیه وسلم لعلی رضی الله عنه الشاهد یری ما لا یراه الغائب

[1] شعار وہ کلمات مقررہ ہوتے ہیں جن سے رات کو اپنے اور غیر میں تمیز ہو جاتی ہے۔ ۱۲۔ [2] طواف کی حالت میں سینہ نکال کر چلنے کو رمل کہتے ہیں۔ ۱۲۔

دوسرا باب ۵ مصلحتوں اور شریعتوں کے مابین فرق کا بیان

واضح ہو کہ شارع نے ہم کو دو قسم کے علمی فائدے پہنچائے ہیں جن کے احکام اور مراتب جدا جدا ہیں، پس ان میں سے ایک قسم مصالح اور مفاسد کا علم ہے، یعنی جس میں نفس کو مہذب کرنے کا بیان ہے اس طور پر کہ وہ اخلاق جو دنیا اور آخرت میں نافع ہیں حاصل کئے جائیں اور ان کے مخالف اخلاق کو دور کیا جائے، اور جس میں تدبیر خانہ داری، آداب معاش اور سیاست مدنیہ کا بیان ہے جن کی شارع نے نہ مقدار معین کی، نہ کسی مبہم کو حدود کے ساتھ منضبط کیا اور نہ ہی علامات معلومہ کے ساتھ کسی قابل اشکال امر کو ممتاز کیا بلکہ پسندیدہ امور کی ترغیب دی اور رذائل سے کنارہ کش رہنے کی ہدایت فرمادی اور اپنے کلام کو اہل زبان کے فہم پر چھوڑ دیا اور نفس مصالح کو طلب اور باز رہنے کا مدار علیہ قرار دیا، نہ ان کے لئے مواقع مقرر کئے اور نہ علامات جن سے طلب یا باز رہنے کیطرف راہبری ہو سکے، مثلاً آپ نے دانائی اور بہادری کی مدح فرمائی، اور امر معیشت میں نرمی، محبت اور میانہ روی کا حکم فرمایا اور دانائی کی کوئی حد نہیں بیان کی جو طلب کا مدار علیہ ہو اور نہ اس کا مظنہ بتلایا جس سے تجاوز کرنے پر لوگوں سے مواخذہ کیا جاتا ہو،

جس مصلحت کی شرع نے ہم کو ترغیب دی ہے اور جس خرابی سے باز رکھا ہے اس کی انتہا تین اصولوں میں سے ایک نہ ایک پر ہوتی ہے، ان میں سے اوّل ان چار خصلتوں کے ذریعہ نفس کو مہذب کرنا ہے جو آخرت میں نفع بخش ہوں یا ان تمام خصائل سے نفس کو مہذب کرنا ہے جو دنیا میں مفید ہوں، دوم، کلمۃ اللہ کا بلند کرنا، شرائع کا مستحکم کرنا اور ان کی اشاعت میں سعی کرنا ہے، سوم، لوگوں کی حالت کا انتظام کرنا، ان کی تدابیر کو درست کرنا اور انکی رسوم کو مہذب صورت میں لانا ہے،

اور مصلحت اور خرابی کی انتہا ان اصول پر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کسی شئی کو ان امور میں اثباتاً یا نفیاً دخل ہوتا ہے

باب الفرق بين المصالح والشرائع

اعلم ان الشارع افادنا نوعين من العلم متمايزين باحكامهما متباينين فى منازلهما، فاحد النوعين علم المصالح والمفاسد اعنى ما بينه من تهذيب النفس باكتساب الاخلاق النافعة فى الدنيا او فى الآخرة وازالة اضدادها ومن تدبير المنزل وآداب المعاش وسياسة المدينة غير مقدر لذلك بمقادير معينة ولا ضابط مبهمه بحدود مضبوطة ولا مميز لمشكله بامارات معلومة بل رغب فى الحمائد وزهد فى الرذائل تاركا كلامه الى ما يفهم منه اهل اللغة مديرا للطلب او المنع على انفس المصالح لا على مظان منصوبة لها وامارات معرفة اياها كما مدح الكيس والشجاعة وامر بالرفق والتوده والقصد فى المعيشة ولم يبين ان الكيس مثلا ما حده الذى يدور عليه الطلب وما مظنته التى يؤاخذ الناس بها وكل مصلحة حثنا الشرع عليها وكل مفسدة ردعنا عنها فان ذلك لا يخلو من الرجوع الى احد اصول ثلاثة احدها تهذيب النفس بالخصال الاربع النافعة فى المعاد او سائر الخصال النافعة فى الدنيا، وثانيها اعلاء كلمة الحق وتمكين الشرائع والسعى فى اشاعتها وثالثها انتظام امر الناس واصلاح ارتفاقاتهم وتهذيب رسومهم، ومعنى رجوعها اليها ان يكون للشئ دخل فى تلك الامور اثباتا لها

بایں طور کہ یہ شئی ان میں سے کسی خصلت کا شعبہ ہو یا ان کے شعبہ کی ضد ہو یا ان کے پائے جانے کا محل ہو یا نہ پائے جانے کا محل ہو یا ان سے متلازم ہو یا ان کی ضد سے متلازم ہو یا ان اصول کے حصول کا ذریعہ ہو یا ان سے اعراض کا ذریعہ ہو، اور خدا کی خوشنودی اصل میں انہی مصلحتوں سے متعلق ہوتی ہے اور اسکی ناراضی انہی مفاسد اور خرابیوں سے متعلق ہوتی ہے، پیغمبر دنیا کی بعثت سے پہلے کا زمانہ اور بعد کا زمانہ اس خوشنودی اور ناراضی میں یکساں ہے، اگر ان دونوں حصوں سے خدا کی رضا اور ناراضی کا تعلق نہ ہوتا تو پیغمبر نہ بھیجے جاتے اسلئے کہ یہ تمام شرائع اور حدود تو انبیاء کے پیدا ہونے کے بعد ہوئے ہیں پس ابتداءً ان شرائع کا حکم دینا یا انپر مواخذہ کرنا لطف الٰہی نہیں تھا، لیکن مصالح اور مفاسد نفس کی پاکی یا ناپاکی پر یا لوگوں کے انتظامی یا بدانتظامی امور پر بعثت انبیاء سے پہلے ہی موثر تھے اسواسطے لطف الٰہی مقتضی ہوئی کہ لوگوں کو ضرر رساں امور سے خبردار کیا جائے اور جو امور ان کے لئے ضروری ہیں ان کا حکم دیا جائے اور یہ چیز بغیر مقادیر اور شرائع کے پوری نہیں ہو سکتی تھی اسواسطے لطف الٰہی نے ان مقادیر اور شرائع کے تعین کا بالطبع اقتضاء کیا، اور یہ قسم ایسی ہے جو عقل میں آتی ہے،

پس اس قسم میں سے بعض امور ایسے ہیں کہ عام لوگوں کی عقلیں ان کے سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، اور اسی قسم میں سے بعض امور ایسے ہیں جن کو صرف ان اذکیاء کی عقلیں ہی سمجھتی ہیں جن پر انبیاء کے قلوب کے انوار کا پرتو پڑا ہے، شریعت نے انہیں متنبہ کیا تو خبردار ہو گئے اور کسی امر کا اشارہ کیا تو فوراً سمجھ گئے،

اور شخص ان اصول کو جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اچھی طرح سے ضبط کرلے تو اس کو ان مصالح اور مفاسد میں سے کسی میں بھی توقف نہ ہوگا — اور ان میں سے دوسری قسم شرائع، حدود اور فرائض کا علم ہے یعنی وہ مقادیر جن کو شارع نے بیان کر کے مصالح کے لئے مظان کو مقرر کر دیا، اور مصالح کے لئے ایسی علامات معین کر دیں جو منضبط اور معلوم ہوں، اور ان پر حکم کا مدار رکھا اور لوگوں کو ان کا مکلف بنایا، اور نیکی کے اقسام کو ان کے ارکان، شروط اور آداب متعین کر کے منضبط کیا اور نیکی کے انواع میں سے ہر نوع کی ایک ایسی حد مقرر کی

او نفیا ایاها بان یکون شعبة من خصلة منها او ضد الشعبتها او مظنة لوجودها او عدمها او متلازما معها او مع ضدها او طریقا الیها او الی الاعراض عنها، والرضا فی الاصل انما یتعلق بتلك المصالح، والسخط انما یناط بتلك المفاسد قبل بعث الرسل وبعده سواء، ولولا تعلق الرضا والسخط بتینك القبیلتین لم یبعث الرسل وذلك لان الشرائع والحدود انما كانت بعد بعث الرسل فما كان فی التكلیف بها والمؤاخذة علیها ابتداء لطف ولكن المصالح والمفاسد كانت مؤثرة مقتضیة لتهذیب النفس او تلویثها او انتظام امورهم او فسادها قبل بعث الرسل فاقتضی لطف الله ان یخبروا بما یهمهم ویكلفوا بما لابد لهم منه ولم یكن یتم ذلك الا بمقادیر وشرائع فاقتضی اللطف تلك القبیلة بالعرض وهذا النوع معقول المعنی، فمنه ما تستقل العقول العامیة بفهمه، ومنه ما لا یفهمه الا عقول الاذكیاء الفائض علیهم الانوار من قلوب الانبیاء نبههم الشرع فتنبهوا ولوح لهم فتفطنوا، ومن اتقن الاصول التی ذكرناها لم یتوقف فی شیٔ منها، والنوع الثانی علم الشرائع والحدود والفرائض اعنی ما بین الشرع من المقادیر فنصب للمصالح مظان وامارات مضبوطة معلومة وادار الحكم علیها وكلف الناس بها وضبط انواع البر بتعیین الاركان والشروط والآداب وجعل من كل نوع حدا یطلب

جو لوگوں سے واجبًا مطلوب ہے اور ایک ایسی حد مقرر کی جس کو وہ بغیر ایجاب کے مستحبًا کرتے ہیں، اور ہر نیکی میں سے ایک مقدار ایسی اختیار کی جس کو لوگوں پر واجب کر دیا اور ایک مقدار ایسی اختیار کی جو ان کے لئے مستحب کر دی، اسواسطے تکلیف شرعی خاص ان مظاہر سے متعلق رہی اور احکام شرعی خاص ان علامات پر مبنی ہوئے اور یہ نوع سیاستِ ملی کے قوانین کیطرف رجوع کرتی ہے، اور ایسا بھی نہیں ہے کہ مصلحت کے ہر مظنہ کو لوگوں پر واجب کر دیا جائے بلکہ اسکو واجب کیا جاتا ہے جو معلوم اور محسوس ہو یا ایسا وصف ظاہر ہو جسکو ہر خاص و عام جانتا ہو، اور کبھی وجوب اور حرمت کے لئے عارضی اسباب ہوتے ہیں جن کی وجہ سے عالم بالا میں وجوب اور تحریم لکھدی جاتی ہے پس وہاں ایجاب و تحریم کی صورت متحقق ہو جاتی ہے جیسے کسی سائل کا سوال کرنا اور لوگوں کا اس کی طرف التفات کرنا یا اس سے اعراض کرنا، اور یہ سب ایسے معنی ہیں جن کو عقل نہیں سمجھ سکتی بایں معنی کہ ہم کو اگرچہ اندازہ اور تشریع کے قوانین کا علم ہے لیکن ان کا عالم بالا میں لکھا جانا اور حظیرۃ القدس میں وجوب کی صورت کا متحقق ہونا بغیر نص شارع کے ہم کو معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یہ ایسے امور ہیں جن کے ادراک کا سوائے باری تعالےٰ کے اخبار کے کوئی اور ذریعہ نہیں، اس کی مثال برف کی سی ہے، ہم کو یہ تو معلوم ہے کہ اس کا سبب برودت ہے جو پانی کو جما دیتی ہے لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ فلاں برتن کا پانی اسوقت جم گیا ہے یا نہیں، ہاں خود مشاہدہ کرنے سے یا ایسے شخص کے خبر دینے سے جس نے مشاہدہ کیا ہے معلوم ہو سکتا ہے،

پس اسی طرح ہم یہ جانتے ہیں کہ زکوۃ کے لئے کوئی نصاب مقرر ہونا چاہئے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ دو سو درہم یا پانچ وسق نصاب کے لئے ایک عمدہ مقدار ہے کیونکہ اس مقدار سے معتد بہ غنا حاصل ہو جاتی ہے اور یہ دونوں مقداریں لوگوں کے نزدیک معلوم اور مستعمل ہیں، لیکن یہ امر کہ شارع نے ہم پر یہ نصاب مقرر کیا ہے اور رضا مندی اور ناراضی کا مدار اس پر

منهم لا محالة وحدًا يندبون اليه من غير ايجاب، واختار من كل بر عددا يوجب عليهم واخر يندبون اليه فصار التكليف متوجها الى انفس تلك المظان وصارت الاحكام دائرة على انفس تلك الامارات ومرجع هذا النوع الى قوانين السياسة الملية وليس كل مظنة لمصلحة توجب عليهم ولكن ما كان منها مضبوطا امرا محسوسا او وصفا ظاهرا يعلمه الخاصة و العامة وربما يكون للايجاب والتحريم اسباب طارئة يكتب لاجلها في الملأ الاعلى فيتحقق هنالك صورة الايجاب و التحريم كسؤال سائل ورغبة قوم فيه او اعراضهم عنه وكل ذلك غير معقول المعنى بمعنى انا وان كنا نعلم قوانين التقدير والتشريع فلا نعلم وجودها بتة في الملأ الاعلى وتحقق صورة الوجوب في حظيرة القدس الا بنص الشرع فانه من الامور التي لا سبيل الى ادراكها الا الاخبار الالهي مثل ذلك كمثل الجمد نعلم ان سبب حدوثه برودة تضرب الماء ولا نعلم ان ماء القعب في ساعتنا هذه صار جمدا اولا الا بالمشاهدة او اخبار من شاهد فعلى هذا القياس نعلم انه لابد من تقدير النصاب في الزكاة ونعلم ان مائتى درهم وخمسة اوساق قدر صالح للنصاب لانه يحصل بهما غنى معتد به وهما امران مضبوطان مستعملان عند القوم ولا نعلم ان الله تعالى كتب علينا

رکھا ہے بغیر نص شارع کے معلوم نہیں ہو سکتا، اور کیونکر معلوم ہو سکتا ہے جبکہ بہت سے امور ایسے ہیں جن کا علم بغیر باری تعالےٰ کے بتلائے ہو ہی نہیں سکتا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں یہی مراد ہے کہ "سب مسلمانوں میں بڑا گنہگار وہ شخص ہے،، الحدیث[1]۔ اور اس قول میں بھی یہی مراد ہے: "مجھ کو خوف تھا کہ تم پر تراویح کہیں فرض نہ ہو جائے"۔

اور معتبر علماء اس پر متفق ہیں کہ مقادیر کے باب میں قیاس کو دخل نہیں ہے اور اس پر بھی متفق ہیں کہ قیاس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی علت مشترکہ کی وجہ سے اصل کے حکم کو فرع کے لئے ثابت کر دیا جائے نہ یہ کہ مصلحت کے مظنہ کو علت بنا دیا جائے یا کسی مناسب شی کو رکن یا شرط قرار دیدیا جائے،

اور اس پر بھی متفق ہیں کہ قیاس مصلحت کو پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ وہ ایسی علت پیدا کرتا ہے جس پر حکم کا مدار ہوتا ہے، اسی واسطے اس مقیم کو جس کے ساتھ کوئی حرج لاحق ہو نماز اور روزہ کی رخصت میں مسافر پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حرج کا زائل ہونا رخصت دینے کی مصلحت ہو سکتا ہے، قصر اور افطار کی علت نہیں ہو سکتا بلکہ علت وہی سفر ہے،

پس یہ ایسے مسائل ہیں جن میں اجمالاً علماء کا اختلاف نہیں ہے لیکن ان میں سے بہت سے ان مسائل کی تفصیل میں اختلاف کرتے ہیں کیونکہ بسا اوقات مصلحت علت اور تشریع کے ساتھ مشابہ ہو جایا کرتی ہے، اور بعض فقہاء نے جبکہ قیاس میں غور و خوض کیا تو متحیر ہو کر بعض مقادیر کو لیا اور اس کو اس کے مناسب چیزوں کے ساتھ بدلنے کو برا سمجھا اور بعض میں تسامح کر کے اور چیزوں کو اس کے قائم مقام کر دیا، اسکی مثال یہ ہے کہ فقہاء نے روئی کا نصاب پانچ گٹھے مقرر کئے اور کشتی پر سوار ہونے کو دوران سر کا مظنہ خیال کر کے بیٹھ کر

[1] حدیث کا پورا مضمون پہلے گذر چکا ہے، ۱۲

هذا النصاب وادار الرضا والسخط عليه الا بنص الشرع كيف وكم من سبب له لا سبيل الى معرفته الا الخبر وهو قوله صلى الله عليه وسلم: اعظم المسلمين في المسلمين جرما الحديث وقوله صلى الله عليه وآله وسلم خشيت ان يكتب عليكم وقد اتفق من يعتد به من العلماء على ان القياس لا يجرى في باب المقادير وعلى ان حقيقة القياس تعديه حكم الاصل الى الفرع لعلة مشتركة لا جعل مظنة مصلحة علة او جعل شئ مناسب ركنا او شرطا، وعلى انه لا يصلح القياس لوجود المصلحة ولكن لوجود علة مضبوطة ادير عليه الحكم فلا يقاس مقيم به حرج على المسافر في رخص الصلوة والصوم فان دفع الحرج مصلحة الترخيص لا علة القصر والافطار وانما العلة هي السفر،

فهذه المسائل لم يختلف فيها العلماء اجمالا ولكن يجملها اكثرهم عند التفصيل وذلك لانه ربما تشتبه المصلحة بالعلة والتشريع وبعض الفقهاء عند ما خاضوا في القياس تحيروا فلجوا ببعض المقادير وانكروا استبدالها بما يقرب منها وتسامحوا في بعضها فنصبوا الاشياء مقامها، مثال ذلك تقديرهم نصاب القطن بخمسة احمال ونصبهم ركوب السفينة مظنة للدوران الراس وادارة رخصة القعود

نماز پڑھنے کا حکم دیدیا اور پانی کا دہ در دہ کے ساتھ اندازہ کیا، اور جبکہ شرع نے کسی مقام میں مصلحت کو سمجھایا پھر اسی مصلحت کو ہم نے دوسرے مقام میں پایا تو یہ سمجھ لیا کہ رضاء الٰہی خاص اس مصلحت سے متعلق ہے اور خاص اس موضع سے اس کا تعلق نہیں، بخلاف مقادیر کے کہ وہاں نفس مقادیر سے ہی رضا متعلق ہوئی ہے،

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو شخص ایک وقت کی نماز بھی ترک کرے گا، گناہگار ہوگا خواہ اسوقت میں ذکر الٰہی و دیگر تمام عبادات ہی میں کیوں نہ مشغول ہو، اور جو زکوٰۃ ترک کریگا گناہگار ہوگا خواہ اس سے زیادہ مال خیرات میں صرف کرتا ہو اور اسی طرح وہ شخص بھی گناہگار ہوگا جو ریشم اور سونا خواہ ایسی تنہائی میں پہنے جہاں فقراء کی دل شکنی اور لوگوں کو دنیوی دولت مندی پر برانگیختہ کرنا متصور نہیں ہے اور نہ ہی اسکے ذریعہ ترفہ مقصود ہے، اور اسی طرح سے جو شخص دوا کے ارادہ سے شراب پیئے گا اور وہاں فساد بھی نہیں ہے اور ترک نماز بھی نہیں ہے تب بھی وہ گناہگار ہوگا کیونکہ ان سب میں رضامندی اور ناراضی خاص ان امور سے متعلق ہے اگرچہ غرض اصلی لوگوں کو مفاسد سے روکنا اور مصالح کی ترغیب دینا ہے لیکن خدا تعالےٰ جانتا ہے کہ اس وقت میں امت کی سیاست ان چیزوں کے واجب اور حرام کئے بغیر ممکن نہیں ہے اس واسطے اس کی رضامندی اور ناراضی ان چیزوں سے متعلق ہوگئی اور ملاء اعلیٰ میں یہ بات لکھدی گئی،

اس کے برخلاف اگر کوئی شخص اعلیٰ پشمینہ پہنتا ہے جو ریشم سے کہیں زیادہ بیش قیمت اور عمدہ ہے اور یاقوت کے برتن استعمال میں لاتا ہے تو وہ شخص محض اس فعل کی وجہ سے گناہگار نہ ہوگا، البتہ اگر اس فعل سے فقراء کی دل شکنی ہو اور لوگ اس سے برانگیختہ ہوتے ہوں یا اپنا ترفہ مقصود ہو تو ان خرابیوں کی وجہ سے وہ رحمت الٰہی

فی الصلاة علیه وتقدیر الماء بالعشر فی العشر وکلما افهم الشرع المصلحة فی موضع فوجدنا تلك المصلحة فی موضع آخر عرفنا ان الرضا یتعلق بها بعینها لا بخصوص ذلك الموضع بخلاف المقادیر فان الرضا یتعلق هناك بالمقادیر انفسها، تفصیل ذلك ان من ترك صلوة وقت کان آثما وان شغل ذلك الوقت بالذکر وسائر الطاعات، ومن ترك زکاة مفروضة و صرف اکثر من ذلك المال فی وجوه الخیر کان آثما وکذلك ان لبس الحریر والذهب فی الخلوة حیث لا یتصور کسر قلوب الفقراء وحمل الناس علی الاکثار من الدنیا ولم یقصد به الترفه کان آثما وکذلك ان شرب الخمر بنیة التداوی ولم یکن هناك فساد ولا ترك صلوة کان آثما لان الرضا والسخط متعلقان بانفس هذه الاشیاء وان کان الغرض الاصلی کبحهم عن المفاسد وحملهم علی المصالح لکن الحق علم ان سیاسة الامة لا تمکن فی هذا الوقت الا بایجاب انفس هذه الاشیاء وتحریمها فتوجه الرضا والسخط الی انفسها وکتب ذلك فی الملأ الاعلی بخلاف ما اذا لبس الصوف الرفیع الذی هو اغلی واعلی من الحریر واستعمل اوانی الیاقوت فانه لا یأثم بنفس هذا الفعل ولکن ان تحقق کسر قلوب الفقراء وحمل الناس علی فعل ذلك او قصد الترفه بعد من

سے دور ہوجائے گا اور اگر یہ خرابیاں نہ ہوں تو اس کو رحمت الٰہی سے بعید نہ ہوگا اور جہاں کہیں تم نے صحابہ اور تابعین کو پایا ہے کہ انہوں نے اندازہ سا کیا ہے تو اس سے ان کی غرض محض مصلحت کا بیان کرنا اور اس میں رغبت دلانا ہے یا اس کی خرابی بیان کرنا اور اس سے ڈرانا ہے اور وہ اس صورت کو محض بطور مثل[1] کے بیان کرتے ہیں خاص وہ مثال مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس سے ان کا مقصود معانی ہوتے ہیں گو بادی الرائے میں یہ امر مشتبہ معلوم ہو،

اور جہاں شرع نے ایک مقدار کو اس کی قیمت سے بدلنا جائز رکھا ہے جیسا کہ ایک قول ہے کہ بنت مخاض[2] کو اس کی قیمت سے مبادلہ کرنا جائز ہے تو علی تقدیر تسلیم یہ بھی اندازہ کی ایک قسم ہی ہے کیونکہ پورا اندازہ نہیں ہوسکتا اور اس سے تنگی لازم آتی ہے، بلکہ بسا اوقات ایسی شئی کے ذریعہ اندازہ کیا جاتا ہے جو بہت سی چیزوں پر منطبق ہوسکے، مثلاً بنت مخاض ہی کو لیا جائے کہ کبھی ایک بنت مخاض دوسری بنت مخاض سے عمدہ ہوتی ہے، اور کبھی قیمت کا اندازہ بھی کسی قدر حد معلوم سے کیا جاتا ہے جیسے قطع ید کا نصاب ہے کہ اس کا اندازہ ربع دینار یا تین درہم ہیں،

واضح ہو کہ ایجاب و تحریم بھی ایک قسم کا اندازہ ہو اس واسطے کہ اکثر کسی مصلحت یا مفسدہ کی بہت سی صورتیں ظاہر ہوا کرتی ہیں پس ایجاب یا حرمت کے لئے ایک صورت معین کی جاتی ہے کیونکہ یہ صورت ان امور میں سے ہوتی ہے جن کا انضباط ہوسکتا ہے یا اس کا حال پہلے مذاہب میں معلوم ہوچکا ہوتا ہے یا اس میں لوگوں کی بہت زیادہ رغبت ہوتی ہے اسی واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کے بارے میں عذر کیا تھا اور فرمایا کہ "میں ان کے فرض ہوجانے سے ڈرتا ہوں" اور یہ بھی فرمایا "اگر میں اپنی امت پر سختی نہ سمجھتا تو ان کو ہر نماز میں مسواک کا حکم دیتا" اور جب حالت یہ ہے تو جس شئی کا حکم منصوص نہیں ہے اس کو ایسی شئی پر محمول نہیں کیا جاسکتا جس کا حکم منصوص ہے لیکن ندب اور کراہت،

الرحمة لاجل تلك المفاسد والا فلا، وحيث وجدت الصحابة والتابعين فعلوا ما يشبه التقدير فانما مرادهم بيان المصلحة والترغيب فيها والمفسدة والترهيب عنها وانما اخرجوا تلك الصور مخرج المثل لا يقصدون اليها بالخصوص وانما يقصدون الى المعاني وان اشتبه الامر بادي الرأي، وحيث جوز الشرع استبدال المقدر بقيمته كبنت المخاض بقيمتها على قول فعلى التسليم هو ايضا نوع من التقدير وذلك لان التقدير لا يمكن الاستقصاء فيه بحيث يفضي الى التضييق ولكن ربما يقدر بامر ينطبق على امور كثيرة كبنت المخاض نفسها فانها ربما كانت بنت مخاض اوفق من بنت مخاض وربما كان التقدير بالقيمة تقديرا بحد معلوم في الجملة كتقدير نصاب القطع بما يكون قيمة ربع دينار او ثلاثة دراهم، واعلم ان الايجاب والتحريم نوعان من التقدير وذلك لانه كثيرا ما تعن مصلحة او مفسدة لها صور كثيرة فتعين صورة للايجاب او التحريم لانها من الامور المضبوطة او لانها مما عرفوا حالها في الملل السابقة او رغبوا فيها اكثر رغبة ولذلك اعتذر النبي صلى الله عليه وسلم وقال خشيت ان يكتب عليكم وقال لولا ان اشق على امتي لامرتهم بالسواك واذا كان الامر على ذلك لم يجز حمل غير المنصوص حكمه على المنصوص حكمه اما الندب والكراهة

[1] جیسا کہ سفر کا اندازہ چار منزل کے ساتھ کرنا ۱۲۔ [2] اونٹنی کا دو سالہ بچہ ۱۲۔

پس ان دونوں میں تفصیل ہے، شارع نے جس خاص مندوب کا حکم دیا اور اس کی عظمت بیان فرمائی اور اس کو لوگوں کے لئے مسنون کردیا تو اس کا حال واجب کا سا ہے، اور شارع نے جس مندوب کی صرف مصلحت بیان کرنے پر اکتفا کیا یا خود اس پر عمل کیا اور نہ اس کو لوگوں کے لئے مسنون کیا اور نہ اس کی عظمت بیان فرمائی تو وہ ابھی اس حالت پر باقی ہے جو تشریع سے پہلے تھی، اور اس میں اجر کا درجہ اس مصلحت کی وجہ سے ہے جو اس میں پائی جاتی ہے، خود اس فعل کی وجہ سے اجر نہیں ہے، اور اسی طرح کی تفصیل مکروہ کے حال کی ہے،

جب تم کو اس مقدمہ کی تحقیق ہوگئی تو یہ امر بھی تم پر واضح ہوگیا کہ اکثر قیاسات جن پر لوگ فخر کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ جماعت اہل حدیث پر فوقیت ظاہر کرتے ہیں خود انہی کے لئے وبال ہیں جس کی انہیں خبر بھی نہیں۔

تیسرا باب (۷): امت کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شریعت کو اخذ کرنے کا بیان

واضح ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شریعت حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں ان میں سے ایک طریقہ ظاہر قول سے حاصل کرنے کا ہے اور اس کے لئے اقوال نبوی کی نقل ضروری ہے خواہ یہ نقل متواتر ہو یا غیر متواتر، اور متواتر کی ایک قسم وہ ہے جس کے الفاظ بھی متواتر ہوتے ہیں جیسے قرآن مجید اور چند احادیث، ان میں سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "روز قیامت تم اپنے رب کو صاف صاف دیکھوگے"

اور متواتر کی ایک قسم وہ ہے جس کے معنی متواتر ہوتے ہیں، جیسے طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، بیع، نکاح اور غزوات کے بہت سے احکام جن میں اسلامی فرقوں میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا،

اور غیر متواتر میں سب سے بلند درجہ مستفیض کا ہے، مستفیض اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو تین یا زیادہ صحابہ روایت کریں اور پانچویں طبقہ تک برابر اس کے راوی بڑھتے رہیں

ففيهما تفصيل فاي مندوب امر الشارع بعينه ونوّه بامره وسنّه للناس فحاله حال الواجب واي مندوب اقتصر الشارع على بيان مصلحته او اختار العمل هو به من غير ان يسنه و ينوه بامره فهو باق على الحالة التي كانت قبل التشريع وانما نصاب الاجر فيه من قبل المصلحة التي وجدت معه لا باعتبار نفسه وكذلك حال المكروه على هذا التفصيل واذا تحققت هذه المقدمة اتضح عندك ان اكثر المقاييس التي يفتخر بها القوم ويتطاولون لاجلها على معشر اهل الحديث يعود وبالا عليهم من حيث لا يعلمون:

باب كيفية تلقي الامة الشرع من النبي صلى الله عليه وسلم

واعلم ان تلقي الامة منه الشرع على وجهين احدهما تلقي الظاهر ولا بد ان يكون بنقل اما متواترا او غير متواتر، والمتواتر منه المتواتر لفظا كالقرآن العظيم وكنبذ يسير من الاحاديث منها قوله صلى الله عليه وسلم انكم سترون ربكم، ومنه المتواتر معنى ككثير من احكام الطهارة و الصلوة والزكاة والصوم والحج والبيوع والنكاح والغزوات مما لم يختلف فيه فرقة من فرق الاسلام، وغير المتواتر اعلى درجاته المستفيض وهو ما رواه ثلاثة من الصحابة فصاعدا ثم لم يزل يزيد الرواة الى الطبقة الخامسة وهذا

اور اس قسم کی حدیثیں بہت ہیں اور بڑے بڑے مسائل فقہ کی انہی پر بنیاد ہے،
مستفیض کے بعد اس حدیث کا درجہ ہے جس کی صحت یا حسن کا فیصلہ حفاظ اور اکابر محدثین کے بیان سے ہو گیا ہو، ایسی حدیثوں کے بعد ان احادیث کا مرتبہ ہے جن میں محدثین نے کلام کیا ہے بعض نے ان کو قبول کیا اور بعض نے قبول نہیں کیا پس ان میں سے جو حدیثیں شواہد یا اکثر اہل علم کے اقوال سے یا عقل صریح سے موید ہوں وہ بھی واجب العمل ہیں، اور ان میں سے دوسرا طریقہ احادیث کی دلالت اور رہنمائی سے احکام شریعت اخذ کرنے کا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کوئی امر فرماتے ہوئے یا کرتے ہوئے دیکھا اور اس سے کوئی حکم وجوب وغیرہ کا مستنبط کر لیا اور اس حکم کی لوگوں کو خبر کر دی کہ فلاں شئی واجب ہے اور فلاں شئی جائز ہے، پھر تابعین نے صحابہ سے ان احکام کو اسی طرح حاصل کیا پھر تیسرے طبقہ کے لوگوں نے ان کے فتووں اور فیصلوں کو جمع کر لیا اور خوب استحکام کر لیا اور اس طریقہ سے اخذ احکام شریعت کرنے والوں میں بڑے پایہ کے لوگ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم ہیں، لیکن حضرت عمرؓ کی یہ عادت تھی کہ وہ صحابہ سے ہر مسئلہ میں مشورہ اور مناظرہ کیا کرتے تھے یہانتک کہ اس امر کا پورا انکشاف ہو جاتا تھا اور آپ کو یقینی امر معلوم ہو جاتا تھا اس واسطے حضرت عمرؓ کے فیصلوں اور فتووں کا تمام مشارق اور مغارب میں اتباع کیا گیا، چنانچہ ابراہیم فرماتے ہیں "جب حضرت عمر فوت ہو گئے تو علم کے دس حصوں میں سے نو حصے مفقود ہو گئے" اور عبد اللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جب عمرؓ کسی راستہ پر چلتے تھے تو ہم اس کو سہل پاتے تھے، اور حضرت علی اکثر اوقات مشورہ نہیں کرتے تھے اور انکے اکثر فیصلے کوفہ میں واقع ہوئے ہیں اور ان فیصلوں کو بہت کم لوگوں نے لیا ہے اور عبد اللہ ابن مسعود بھی کوفہ میں رہا کرتے تھے

قسم كثير الوجود وعليه بناء دعوس الفقه، ثم الخبر المقضى له بالصحة او الحسن على السنة حفاظ المحدثين وكبراهم ثم اخبار فيها كلام قبلها بعض ولم يقبلها آخرون فما اعتضد منها بالشواهد او قول اكثر اهل العلم او العقل الصريح وجب اتباعه، وثانيهما التلقي دلالة وهي ان يرى الصحابة رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول او يفعل فاستنبطوا من ذلك حكما من الوجوب وغيره فاخبروا بذلك الحكم فقالوا الشئ الفلاني واجب وذلك الآخر جائز ثم تلقى التابعون من الصحابة كذلك فدون الطبقة الثالثة فتاواهم وقضاياهم واحكموا الامر، واكابر هذا الوجه عمر وعلي وابن مسعود وابن عباس رضي الله عنهم لكن كان من سيرة عمر رضي الله عنه انه كان يشاور الصحابة ويناظرهم حتى تنكشف الغمة ويأتيه الثلج فصار غالب قضاياه وفتاواه متبعة في مشارق الارض ومغاربها وهو قول ابراهيم لما مات عمر رضي الله عنه ذهب تسعة اعشار العلم، وقول ابن مسعود رضي الله عنه كان عمر اذا سلك طريقا وجدناه سهلا، وكان علي رضي الله عنه لا يشاور غالبا وكان اغلب قضاياه بالكوفة ولم يحملها عنه الا ناس وكان ابن مسعود رضي الله عنه بالكوفة فلم

اس لئے ان کے اکثر فتوے بھی اسی نواح کے لوگوں میں رہے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس نے پہلے لوگوں کے زمانہ کے بعد اجتہاد کیا اور بہت سے احکام میں ان کی مخالفت کی اور اس امر میں ان کے اصحاب نے جو مکہ میں تھے ان کی پیروی کی، اور جس امر میں حضرت عبد اللہ ابن عباس تنہا ہیں اس کو جمہور اہل اسلام نے اختیار نہیں کیا، ان چاروں کے علاوہ اور لوگ بھی احادیث کی دلالت اور رہبری سے واقف تھے لیکن ان کو رکن اور شرط میں اور آداب و سنن میں فرق معلوم نہ ہوتا تھا اور اختلاف احادیث و دلائل کی حالت میں بہت کم اپنی طرف سے فرماتے تھے حضرت عبد اللہ ابن عمر، حضرت عائشہ، حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہم اسی درجہ کے لوگ تھے،

اور اس طریقہ سے علم حاصل کرنے والے تابعین میں سب سے بڑے مدینہ کے ساتوں فقیہ تھے بالخصوص مدینہ میں سعید ابن مسیب، مکہ میں عطا ابن ابی رباح اور کوفہ میں ابراہیم نخعی اور شریح اور شعبی اور بصرہ میں حسن،

اور ان دونوں طریقوں میں سے ہر ایک میں خلل ہے جو بغیر ایک دوسرے کے نہیں بھرتا ہے اور ایک طریقہ کو دوسرے کی حاجت ہے،

پہلا طریقہ یعنی نقل ظاہر میں یہ نقصان ہے کہ روایت بالمعنی میں تغیر و تبدل ہو جاتا ہے اور معنی کے بدل جانے کا خوف ہوتا ہے۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ کسی خاص واقعہ میں کوئی حکم دیا جاتا ہے اور راوی اس کو حکم کلی سمجھ لیتا ہے، اور تیسرا نقصان یہ ہے کہ اس حکم میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تاکیدی جملہ فرمایا تاکہ لوگ اس کا خوب اہتمام کریں، پس راوی نے اس سے اس کا واجب ہونا یا حرام ہونا سمجھ لیا اور واقع میں ایسا نہیں تھا، پس جو شخص فقیہ ہے اور خود اس موقع پر موجود تھا تو وہ قرائن سے حقیقت حال معلوم کرلے گا جیسے حضرت زید رضی اللہ عنہ نے مزارعۃ کے متعلق اور پھل پکنے سے پیشتر پھلوں کی خرید و فروخت کی نسبت کہا ہے کہ

يحمل عنه غالباً الا اهل تلك الناحية، وكان ابن عباس رضي الله عنهما اجتهد بعد عصر الاولين فناقضهم في كثير من الاحكام واتبعه في ذلك اصحابه من اهل مكة ولم ياخذ بما تفرد به جمهور اهل الاسلام، واما غير هؤلاء الاربعة فكانوا يروون دلالة لكن ما كانوا يميزون الركن والشرط من الآداب والسنن ولم يكن لهم قول عند تعارض الاخبار وتقابل الدلائل الا قليلا كابن عمر وعائشة وزيد بن ثابت رضي الله عنهم، واكابر هذا الوجه من التابعين بالمدينة الفقهاء السبعة لاسيما ابن المسيب بالمدينة، وبمكة عطاء بن ابي رباح، وبالكوفة ابراهيم وشريح والشعبي وبالبصرة الحسن، وفي كل من الطريقتين خلل انما ينجبر بالاخرى ولا غنى لاحداهما عن صاحبتها؛

اما الاولى فمن خللها ما يدخل في الرواية بالمعنى من التبديل والايؤمن من تغيير المعنى، ومنه ما كان الامر في واقعة خاصة فظنه الراوي حكما كليا ومنه ما اخرج فيه الكلام مخرج التاكيد ليعضوا عليه بالنواجذ فظن الراوي وجوبا او حرمة، وليس الامر على ذلك فمن كان فقيها وحضر الواقعة استنبط من القرائن حقيقة الحال كقول زيد رضي الله عنه في النهي عن المزارعة وعن بيع الثمار قبل ان يبدو صلاحها- ان

یہ نہی بطور مشورہ تھی،

اور دوسرے طریقہ یعنی اجتہادی حالت میں یہ نقصان ہے کہ اس میں صحابہ اور تابعین کے قیاسات جو کتاب وسنت سے مستنبط ہیں داخل ہو جاتے ہیں، اور اجتہاد ہر حالت میں یہ ضروری نہیں ہے کہ درست ہی ہوا کرے، اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی کو حدیث نہیں پہنچی یا اس طرح سے پہنچی کہ اس جیسی حدیث قابل حجت نہیں ہوتی اس واسطے اس پر عمل نہیں کیا، پھر اس کے بعد اصلی حال دوسرے صحابی کی زبانی معلوم ہوا جیسے تیمم جنابت کے متعلق حضرت عمرؓ اور عبداللہ ابن مسعودؓ کا قول ہے،

اور اکثر اوقات بڑے بڑے صحابہ ایسے امر پر متفق ہوئے ہیں جس کی خوبی عقل سے معلوم ہوئی ہے اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "میرے طریقہ کی اور میرے بعد خلفاء راشدین کے طریقہ کی پابندی کرو" حالانکہ یہ اتفاق اصول شریعت میں سے نہیں ہے، پس جس شخص کو اخبار اور الفاظ حدیث میں کمال حاصل ہے تو اس کو لغزش سے نجات پانے میں آسانی ہو سکتی ہے، اور جب ایسی حالت ہے تو فقہ میں خوض کرنے والے کو ضرور ہے کہ وہ دونوں مشربوں سے سیراب ہو اور دونوں مذہبوں میں کمال رکھتا ہو،

اور احکام ملت میں عمدہ وہ احکام ہیں جن پر جمہور رواۃ اور علماء متفق ہوں اور دونوں طریقے ان میں مطابق ہوں، واللہ اعلم ؁

چوتھا باب (۷): کتب حدیث کے طبقات کا بیان

واضح ہو کہ ہمارے پاس آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے سوا کوئی ذریعہ شرائع اور احکام کے معلوم کرنے کا نہیں ہے بخلاف مصالح کے کہ ان کو تجربہ، غور کامل اور حدس وغیرہ سے بھی معلوم کر سکتے ہیں، اور ہمارے لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا علم حاصل کرنے کا صرف

ذلك كان كالمشورة، واما الثانية فيدخل فيها قياسات الصحابة والتابعين واستنباطهم من الكتاب والسنة وليس الاجتهاد مصيبا في جميع الاحوال وربما كان لم يبلغ احدهم الحديث او بلغ بوجه لا ينتهض بمثله الحجة فلم يعمل به ثم ظهر جلية الحال على لسان صحابي آخر بعد ذلك كقول عمر وابن مسعود رضي الله عنهما في التيمم عن الجنابة و كثيرا ما كان اتفاق رءوس الصحابة رضي الله عنهم على شئ من قبل دلالة العقل على ارتفاق وهو قوله صلى الله عليه وسلم عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدي وليس من اصول الشرع فمن كان متبحرا في الاخبار والفاظ الحديث يتيسر له التفصي عن مزال الاقدام، و لما كان الامر كذلك وجب على الخائض في الفقه ان يكون متضلعا من كلا المشربين و متبحرا في كلا المذهبين، وكان احسن شعائر الملة ما اجمع عليه جمهور الرواة وحملة العلم وتطابق فيه الطريقتان جميعا والله اعلم ؁

باب طبقة كتب الحديث

اعلم انه لا سبيل لنا الى معرفة الشرائع والاحكام الا خبر النبي صلى الله عليه وسلم بخلاف المصالح فانها قد تدرك بالتجربة والنظر الصادق والحدس ونحو ذلك ولا سبيل لنا الى معرفة

یہی ذریعہ ہے کہ وہ روایتیں ہم پہنچیں جن کی سند آپ تک پہنچتی ہے خواہ وہ احادیث آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہوں یا موقوف احادیث ہوں کہ ان کی روایت جماعت صحابہ وتابعین سے بصحت پہنچی ہو، اس طرح کہ اگر شارع کی جانب سے نص یا اشارہ نہ ہوتا تو وہ اس کے قطعی ہونے پر اقدام نہ کرتے پس اس قسم کی روایت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دلالۃً ماخوذ ہے،

اور ہمارے زمانہ میں اس قسم کی روایتوں کے حاصل ہونے کا کوئی ذریعہ بجز اس کے نہیں ہے کہ جو کتابیں علم حدیث میں مدوّن ہیں ان کا تتبع کیا جائے کیونکہ آج کل سوائے کتب مدونہ کے کوئی معتبر روایت نہیں پائی جاتی، کتب حدیث کے درجے اور طبقے مختلف ہیں اس لئے ان طبقات کا معلوم کرنا ضروری ہے،

پس ہم کہتے ہیں کہ صحت وشہرت کے لحاظ سے کتب حدیث کے چار درجات ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے تم جان چکے ہو کہ حدیث کی قسمیں یہ (تین) ہیں، اوّل متواتر جس کے قبول کرنے اور عمل کرنے پر امت کا اجماع ہے، اس کے بعد دوسری قسم کی وہ ہیں جو متعدد طریقوں سے حاصل ہوئی ہوں اور کوئی معتد بہ شبہہ ان کے ثبوت میں نہ رہا ہو اور ان پر عمل کرنے میں جمہور فقہاء بلاد متفق ہوں، یا خصوصاً علماء حرمین نے اختلاف نہ کیا ہو، اس واسطے کہ قرون اولیٰ میں حرمین خلفاء راشدین کے قیام کی جگہ تھی، اور پھر ہر زمانہ میں وہاں علماء آتے رہے ہیں سو یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ علماء حرمین ظاہری خطا کو تسلیم کرسکیں، یا کوئی قول مشہور ہو گیا ہو ملک کے بڑے حصہ میں اس پر عمل کیا گیا ہو اور صحابہ وتابعین کی بڑی جماعت نے اس کی روایت کی ہو،

اور تیسری قسم کی احادیث وہ ہیں جو صحیح ہوں، ان کی اسناد حسن ہو، علماء حدیث نے ان کی شہادت دی ہو

اخباره صلے الله عليه وسلم الا تلقى الروايات المنتهية اليه بالاتصال والعنعنة سواء كانت من لفظه صلى الله وسلم او كانت احاديث موقوفة قد صحت الرواية بها عن جماعة من الصحابة والتابعين بحيث يبعد اقدامهم على الجزم بمثله لولا النص او الاشارة من الشارع، فمثل ذلك رواية عنه صلى الله عليه وسلم دلالة وتلقى تلك الروايات لاسبيل اليه فى يومنا هذا الا تتبع الكتب المدونة فى علم الحديث فانه لا يوجد اليوم رواية يعتمد عليها غير مدونة، وكتب الحديث على طبقات مختلفة ومنازل متباينة فوجب الاعتناء بمعرفة طبقات كتب الحديث.

فنقول هى باعتبار الصحة والشهرة على اربع طبقات وذلك لان اعلى اقسام الحديث كما عرفت فيما سبق، ما ثبت بالتواتر واجمعت الامة على قبوله والعمل به ثم ما استفاض من طرق متعددة لا يبقى معها شبهة يعتد بها واتفق على العمل به جمهور فقهاء الامصار او لم يختلف فيه علماء الحرمين خاصة فان الحرمين محل الخلفاء الراشدين فى القرون الاولى ومحط رحال العلماء طبقة بعد طبقة يبعد ان يسلموا منهم الخطأ الظاهر او كان قولا مشهورا معمولا به فى قطر عظيم مرويا عن جماعة عظيمة من الصحابة والتابعين، ثم ما صح او حسن سنده وشهد به علماء الحديث ولم

اور وہ حدیث الیا قول متروک نہ ہو جس کی طرف علماء امت میں
سے کسی نے التفات نہ کیا ہو، لیکن جو احادیث ضعیف، موضوع،
یا منقطع یا مقلوب السند یا مقلوب المتن ہوں یا مجہول الحال
لوگوں سے مروی ہوں یا اس حدیث کے خلاف ہوں جس پر ہر
طبقہ میں علماء کا اتفاق رہا ہو، پس ایسی حدیثوں کا قائل ہونا ممکن
نہیں، کتب حدیث کے صحیح ہونے کے معنی یہ ہیں کہ مؤلف کتاب نے
اپنے اوپر لازم کر لیا ہو کہ وہ انہیں حدیثوں کو روایت کرے گا جو صحیح یا حسن
ہوں گی نہ ایسی حدیث کو جو مقلوب ہوں یا شاذ ہوں یا ضعیف ہوں، ہاں
اگر ضعیف کو روایت کرے تو ساتھ ہی اس کا حال بھی بیان کر دے کیونکہ
ضعیف کا اس طرح روایت کرنا کہ اس کا ضعف بھی بیان کر دیا جائے
کتاب میں موجب اعتراض نہیں ہے، اور شہرت حدیث کے معنی یہ
ہیں کہ جو احادیث کتاب میں مذکور ہیں وہ تدوین کتب حدیث سے پہلے
اور بعد محدثین کی زبان پر دائر و سائر ہوں اور ائمہ حدیث نے مؤلف
سے پہلے ہی ان حدیثوں کو مختلف طرق سے روایت کیا ہو اور اپنے
مسانیدوں اور مجموعوں میں ان کو بیان کیا ہو اور مؤلف کے بعد کے
لوگوں نے اس کی روایت کرنے اور محفوظ رکھنے کی طرف توجہ کی ہو،
اس کا اشکال رفع کر دیا ہو، اس کے غریب الفاظ کی شرح کر دی ہو اس کا
اعراب بیان کیا ہو، اس کے طرق بیان کئے ہوں، مسئلہ فقہی اس سے
مستنبط کیا ہو، اور ہر درجہ اور مرتبے میں ہمارے زمانہ تک اس کے
راویوں کے حالات کا سراغ لگایا گیا ہو یہاں تک کہ کوئی چیز جو حدیث
سے متعلق ہے ایسی باقی نہ رہے جس میں پورا غور نہ کر لیا ہو الا ما شاء اللہ،
ناقدین حدیث نے مؤلف سے پہلے اور اس کے بعد اس کے اقوال سے
موافقت کی ہو اور ان کی صحت کا حکم دیا ہو اور ان میں مصنف کی رائے
پر رضامند ہو گئے ہوں اور اس کی کتاب کی ثنا خوانی بھی کی ہو اور
ائمہ فقہ نے ہمیشہ ان احادیث سے استنباط مسائل کیا ہو اور
ان پر اعتماد کیا ہو اور عام لوگ بھی ان پر اعتقاد رکھتے ہوں اور
ان کی تعظیم کرتے ہوں،

حاصل کلام یہ ہے کہ جب کسی کتاب میں یہ
دونوں اوصاف جمع ہوں تو وہ طبقہ اولیٰ کی سمجھی جائے گی

يكن قولا متروكا لم يذهب اليه احد
من الامة اما ما كان ضعيفا موضوعا او
منقطعا او مقلوبا في سنده او متنه
او من رواية المجاهيل او مخالفا لما
اجمع عليه السلف طبقة بعد طبقة فلا
سبيل الى القول به، فالصحة ان يشترط
مؤلف الكتاب على نفسه ايراد ما صح او
حسن غير مقلوب و لا شاذ ولا ضعيف
الا مع بيان حاله فان ايراد الضعيف
مع بيان حاله لا يقدح في الكتاب، و
الشهرة ان تكون الاحاديث المذكورة فيها
دائرة على السنة المحدثين قبل تدوينها وبعد تدوينها
فيكون ائمة الحديث قبل المؤلف رووها
بطرق شتى و اوردوها في مسانيدهم
ومجاميعهم وبعد المؤلف اشتغلوا برواية
الكتاب وحفظه وكشف مشكله وشرح
غريبه وبيان اعرابه وتخريج طرق احاديثه
واستنباط فقهها والفحص عن احوال
رواتها طبقة بعد طبقة الى يومنا هذا حتى
لا يبقى شئ مما يتعلق به غير مبحوث عنه
الا ما شاء الله ويكون نقاد الحديث قبل
المصنف وبعده وافقوه في القول بها و
حكموا بصحتها وارتضوا رای المصنف فيها
وتلقوا كتابه بالمدح والثناء ويكون
ائمة الفقه لا يزالون يستنبطون عنها
ويعتمدون عليها ويعتنون بها ويكون
العامة لا يخلون عن اعتقادها وتعظيمها
وبالجملة فاذا اجتمعت هاتان الخصلتان
كملا في كتاب كان من الطبقة الاولى ثم

پھران اوصاف کے اعلیٰ درجہ کے لحاظ سے فوقیت ہوتی جائے گی اور جس کتاب میں یہ دونوں اوصاف بالکل مفقود ہوں گے تو اس کتاب کا کچھ بھی اعتبار نہ ہوگا، اور جو کتاب طبقہ اولیٰ میں اعلیٰ درجہ کی ہو تو وہ تواتر کی حد تک پہنچ جاتی ہے اور اس سے کم درجہ کی مستفیض کے مرتبہ تک پہنچتی ہے، پھر اس کے بعد وہ ہے جو قطعی صحت کے قریب ہو، اور قطعی ہونے سے مراد وہ یقین ہے جو علم حدیث میں معتبر اور مفید عمل ہے، اور دوسرے طبقہ کی احادیث وہ ہیں جو مستفیض کے قریب ہوں یا صحت قطعیہ کے قریب ہوں یا ظنیہ کے قریب ہوں، اور اسی طرح ان احادیث کا درجہ کم ہوتا جاتا ہے، پس استقراء اور تلاش سے طبقہ اولیٰ کی صرف تین کتابیں ہیں مؤطا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم، امام شافعی فرماتے ہیں کتاب اللہ کے بعد سب کتابوں میں زیادہ صحیح کتاب امام مالک کی مؤطا ہے" اور اہل حدیث متفق ہیں کہ امام مالک اور ان کے موافقین کی رائے کے مطابق مؤطا کی تمام احادیث صحیح ہیں، اور دوسرے محدثین کی رائے کے موافق اس میں کوئی مرسل اور منقطع حدیث ایسی نہیں ہے کہ دیگر طرق سے اس کی سند متصل نہ ہوئی ہو پس اس وجہ سے مؤطا کی تمام احادیث صحیح ہی ہیں، امام مالک کے زمانہ میں بہت سی مؤطا تصنیف کی گئیں جن میں مؤطا مالک کی احادیث کی تخریج کی گئی اور اس کی منقطع احادیث کو متصل کیا گیا جیسے ابن ابی ذئب، ابن عیینہ، ثوری اور معمر وغیرہم جن کے اساتذہ اور امام مالک کے اساتذہ مشترک تھے اور اس کتاب کو امام مالک سے بلا واسطہ ایک ہزار سے زیادہ آدمیوں نے روایت کیا ہے، نہایت دور دراز ملکوں سے لوگ سفر کر کے احادیث مؤطا کے لئے امام مالک کے پاس حاضر ہوئے جیسا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی پیشین گوئی کی تھی، امام مالک کے شاگردوں میں سے بعض بڑے بڑے فقہاء تھے جیسے امام شافعی، محمد بن حسن، ابن وہب اور ابن قاسم، اور ان میں سے بعض بڑے بڑے محدثین تھے جیسے یحییٰ بن سعید قطان، عبدالرحمٰن بن مہدی اور عبدالرزاق،

وشم، وان فقدتا راسا لم يكن له اعتبار وما كان اعلى حد فى الطبقة الاولى فانه يصل الى حد التواتر وما دون ذلك يصل الى الاستفاضة ثم الى الصحة القطعية اعنى القطع المأخوذ فى علم الحديث المفيد للعمل، والطبقة الثانية الى الاستفاضة او الصحة القطعية او الظنية وهكذا ينزل الامر، فالطبقة الاولى منحصرة بالاستقراء فى ثلاثة كتب، الموطأ، و صحيح البخارى، وصحيح مسلم، قال الشافعى اصح الكتب بعد كتاب الله الموطأ مالك - واتفق اهل الحديث على ان جميع ما فيه صحيح على راى مالك ومن وافقه واما على راى غيره فليس فيه مرسل و لا منقطع الا قد اتصل السند به من طرق اخرى فلا جرم انها صحيحة من هذا الوجه وقد صنف فى زمان مالك موطأت كثيرة فى تخريج احاديثه ووصل منقطعه مثل كتاب ابن ابى ذئب وابن عيينة و الثورى ومعمر وغيرهم ممن شارك مالكا فى الشيوخ وقد رواه عن مالك بغير واسطة اكثر من الف رجل وقد ضرب الناس فيه اكباد الابل الى مالك من اقاصى البلاد كما كان النبى صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ذكره فى حديثه فمنهم المبرزون من الفقهاء كالشافعى، و محمد بن الحسن وابن وهب وابن القاسم ومنهم نحارير المحدثين كيحيى بن سعيد القطان وعبد الرحمن بن مهدى وعبد

اوران کے شاگردوں میں سے بعض امراء اور سلاطین تھے جیسے
ہارون رشید اور ان کے دونوں بیٹے، اور موطا کی شہرت امام مالک
ہی کے زمانہ میں تمام اسلامی ممالک میں پھیل گئی تھی اس کے بعد جو
زمانہ بھی آیا اس میں اسی کتاب کو زیادہ شہرت ہوئی اور اسی کی طرف
توجہ زیادہ ہوئی اور شہروں کے فقہاء نے اپنے مذاہب کا مبنی اسی
کو قرار دیا یہانتک کہ بعض امور میں اہل عراق نے بھی اسی کو بنیاد
ٹھیرایا اور علماء برابر اس کی حدیثوں کی تخریج کرتے رہے ہیں اور
اس کے شواہد اور توابع کو بیان کرتے رہے ہیں اور اس کے غریب
الفاظ کی شرح اور مشکل کا انضباط کرتے رہے ہیں اور ہمیشہ اس کے
مسائل میں مباحثہ کرتے رہے ہیں اور اسکے راویوں کی اس حد تک
تفتیش کی ہے کہ اس کے بعد غور کا کوئی درجہ باقی نہ رہا اور اگر تم
حق صریح چاہتے ہو تو کتاب موطا کا امام محمد کی کتاب الآثار اور
امام ابو یوسف کی کتاب امالی سے موازنہ کرلو، موطا میں اور ان
دونوں کتابوں میں بعد المشرقین تم کو نظر آئے گا،

تم نے کسی محدث اور کسی فقیہ کو سنا ہے کہ ان دونوں کی
طرف اس نے توجہ کی ہو؟...

لیکن صحیح بخاری اور صحیح مسلم، پس محدثین متفق ہیں کہ
ان میں تمام کی تمام متصل مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں اور یہ دونوں
کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچی ہیں اور ان کی عظمت نہ
کرے وہ مبتدع ہے جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے،

اور اگر تم حق صریح چاہو تو ان دونوں کتابوں کا ابن ابی شیبہ
اور طحاوی کی کتابوں اور خوارزمی وغیرہ کی مسندوں سے مقابلہ
کرو تم ان میں بعد المشرقین پاؤ گے،

اور حاکم نے صحیحین کی احادیث پر ان دونوں کی شرط
کے موافق دیگر احادیث کا اضافہ کیا ہے جن کو شیخین نے
ذکر نہیں کیا تھا، میں نے ان احادیث کا تتبع کیا ہے جن کا
حاکم نے اضافہ کیا ہے ان کو ایک وجہ سے میں نے درست پایا
اور ایک وجہ سے غیر درست، اس واسطے کہ حاکم نے بہت سی احادیث
کو صحت اور اتصال میں اساتذہ شیخین سے ان دونوں کی شرط کے

الرزاق، ومنهم الملوك والامراء كالرشيد
وابنيه وقد اشتهر فی عصره حتی بلغ على
جميع بلاد الاسلام، ثم لم يات زمان
الا وهو اكثر له شهرة واقوى به
عناية وعليه بنى فقهاء الامصار
مذاهبهم حتى اهل العراق فی بعض
امرهم ولم يزل العلماء يخرجون
احاديثه ويذكرون متابعاته وشواهده
ويشرحون غريبه ويضبطون مشكله و
يبحثون عن فقهه ويفتشون عن رجاله
الى غاية ليس بعدها غاية، وان شئت
الحق الصراح فقس كتاب الموطا بكتاب
الآثار لمحمد والامالی لابی يوسف تجد
بينه وبينهما بعد المشرقين، فهل سمعت
احدا من المحدثين والفقهاء تعرض لهما
واعتنى بهما؟

اما الصحيحان فقد اتفق المحدثون
على ان جميع ما فيهما من المتصل المرفوع
صحيح بالقطع وانهما متواتران الى مصنفيهما
وانه كل من يهون امرهما فهو مبتدع
متبع غير سبيل المؤمنين، وان شئت
الحق الصراح فقسهما بكتاب ابن ابی شيبة
وكتاب الطحاوی ومسند الخوارزمی وغيرهما
تجد بينها وبينهما بعد المشرقين، وقد
استدرك الحاكم عليهما احاديث هی على
شرطهما ولم يذكراها، وقد تتبعت ما
استدركه فوجدته قد اصاب من وجه
ولم يصب من وجه وذلك لانه وجد
احاديث مروية عن رجال الشيخين

موافق مروی پایا، پس حاکم کا اس وجہ سے اضافہ کرنا درست ہے، لیکن شیخین اس حدیث کو ذکر کرتے ہیں جن میں ان کے اساتذہ نے خوب غور کر لیا تھا اور اس کے بیان کرنے پر اور اس کی صحت پر ان کا اتفاق ہو گیا تھا جیسے امام مسلم نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے جبکہ انہوں نے یہ کہا کہ میں یہاں صرف وہی احادیث بیان کروںگا جن پر سب اساتذہ کا اتفاق ہے، اور بڑی سے بڑی احادیث جن کو حاکم نے ذکر کیا ہے وہ ہیں جو صحیحین کے مشائخ کے زمانہ میں مخفی تھیں اگرچہ بعد میں ان کی شہرت ہو گئی تھی یا وہ ہیں جن کے راویوں میں محدثین نے اختلاف کیا ہے، پس شیخین اپنے اساتذہ کی طرح حدیثوں کے موصول اور منقطع ہونے میں اتنا غور و خوض کرتے تھے کہ اصلی حالت کا انکشاف ہو جاتا تھا، اور حاکم نے اکثر ان قواعد پر اعتماد کیا ہے جو محدثین کے فنون سے حاصل کئے گئے ہیں جیسا کہ حاکم کا قول ہے کہ ثقہ راویوں کی زیادتی مقبول ہے،

اور جب حدیث کے موصول و مرسل ہونے اور موقوف و مرفوع وغیرہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہو تو جس نے ایک بات زیادہ یاد رکھی وہ اس پر حجت ہے جس نے اس کو یاد رکھا، اور حق بات یہ ہے کہ بسا اوقات حفاظ میں موقوف اور منقطع کے موصول کرنے میں خلل پڑ جاتا ہے بالخصوص جبکہ حفاظ کو متصل مرفوع کی طرف زیادہ میلان و توجہ ہوتی ہے اس واسطے شیخین بہت سی ان احادیث کے قائل نہیں ہیں جن کے حاکم قائل ہیں، واللہ اعلم،

اور یہی تینوں کتابیں وہ ہیں جن کے ضبط مشکلات اور رد تحریفات کا قاضی عیاض نے مشارق الانوار میں اہتمام کیا ہے —،

طبقہ ثانیہ میں وہ وہ کتابیں ہیں جو موطا اور صحیحین کے درجہ تک نہیں پہنچی ہیں لیکن ان کے قریب قریب ہیں، ان کے مصنف وثوق، عدالت اور حفظ میں مشہور تھے اور فنون حدیث میں متبحر تھے اور انہوں نے اپنی اس درجہ کی تصانیف میں ان شروط میں کوتاہی کرنے کو پسند نہیں کیا جن کو انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا پس ان کے بعد ہر زمانہ میں محدثین اور

بشرطهما في الصحة والاتصال فاتجه استدراكه عليهما من هذا الوجه ولكن الشيخين لا يذكران الأحاديث قد تناظر فيه مشايخهما واجمعوا على القول به والتصحيح له كما أشار مسلم حيث قال لم اذكر ههنا الا ما اجمعوا عليه فجل ما تفرد به المستدرك كالموكا عليه المخفي مكانه في زمن مشايخهما وان اشتهر امره من بعد او اختلف المحدثون في رجاله فالشيخان كأساتذتهما كانا يعتنيان بالبحث عن نصوص الأحاديث في الوصل والانقطاع وغير ذلك حتى يتضح الحال، والحاكم يعتمد في الأكثر على قواعد مخرجة من صنائعهم كقوله زيادة الثقات مقبولة، وإذا اختلف الناس في الوصل والإرسال والوقف والرفع وغير ذلك فالذي حفظ الزيادة حجة على من لم يحفظ، والحق انه كثيرا ما يدخل الخلل في الحفاظ من قبل الموقوف ووصل المنقطع لا سيما عند رغبتهم في المتصل المرفوع وتنويههم به، فالشيخان لا يقولان بكثير مما يقوله الحاكم والله اعلم، و هذه الكتب الثلاثة التي اعتنى القاضي عياض في المشارق بضبط مشكلها ورد تصحيفها؛

الطبقة الثانية :- كتب لم تبلغ مبلغ الموطا والصحيحين ولكنها تتلوها كان مصنفوها معروفين بالوثوق والعدالة والحفظ والتبحر في فنون الحديث ولم يرضوا في كتبهم هذه بالتساهل فيما اشترطوا على انفسهم فتلقاها من بعدهم

فقہاء نے ان کتابوں کو قبول کیا اور ان کی طرف توجہ کی اور وہ لوگوں میں مشہور ہوگئیں اور لوگوں نے ان کے غریب کی شرح کی اور ان کے راویوں کی تفتیش کی اور ان کتابوں سے مسائل کا استنباط کیا اور عام علوم کی بناء انہی کتابوں کی احادیث پر ہے، اس طبقہ میں سنن ابوداؤد، جامع ترمذی اور نسائی ہیں، اس طبقہ کی اور طبقہ اولیٰ کی احادیث کو رزین نے تجرید صحاح میں اور ابن اثیر نے جامع الاصول میں جمع کیا ہے اور مسند امام احمد بھی تقریباً اسی طبقہ کی ہے، اس واسطے کہ امام احمد نے اس کتاب کو اصل قرار دیا ہے جس سے صحیح اور سقیم میں فرق ہوتا ہے، اور فرمایا ہے جو حدیث میری کتاب میں نہیں ہے اس کو قبول نہ کرو،

طبقہ ثالثہ میں وہ مسندیں، جوامع اور تصنیفات داخل ہیں جو بخاری ومسلم سے پہلے یا ان کے زمانہ میں یا ان کے بعد تصنیف ہوئی ہیں اور ان میں صحیح، حسن، ضعیف، معروف، غریب، شاذ، منکر، خطاء وثواب اور ثابت ومقلوب ہر قسم کی حدیثیں شامل ہیں اگرچہ ان سے اجنبیت محض رفع ہوگئی ہے تاہم علماء میں ان کی ویسی شہرت نہیں ہے،

ان احادیث کا جو ان کتابوں میں منفرد ہیں فقہاء نے کچھ زیادہ استعمال نہیں کیا اور محدثین نے ان کی صحت و سقم سے زیادہ بحث نہیں کی،

اور ان میں سے بعض کتابیں ایسی ہیں کہ کسی اہل لغت نے ان کی غرابت دور کرنے میں کوئی خدمت نہیں کی اور کسی فقیہ نے سلف کے مذاہب پر ان کو منطبق نہیں کیا اور کسی محدث نے ان کی مشکلات کو بیان نہیں کیا اور کسی مؤرخ نے ان کے اسماء رجال کو ذکر نہیں کیا، میری مراد ان متاخرین سے نہیں ہے جن کی نظر گہری ہے میرا کلام ان ائمہ حدیث میں ہے جو زمانہ سلف میں تھے پس یہ کتابیں خفاء اور گمنامی کی حالت میں باقی رہیں،

بالقبول واعتنى بها المحدثون والفقهاء طبقة بعد طبقة واشتهرت فيما بين الناس وتعلق بها القوم شرحا لغريبها وفحصا عن رجالها واستنباطا لفقهها، و على تلك الاحاديث بناء عامة العلوم كسنن ابي داود وجامع الترمذي و مجتبى النسائي، وهذه الكتب مع الطبقة الاولى اعتنى باحاديثها رزين في تجريد الصحاح وابن الاثير في جامع الاصول و كاد مسند احمد يكون من جملة هذه الطبقة، فان الامام احمد جعله اصلا يعرف به الصحيح والسقيم قال ماليس فيه فلا تقبلوه ٭

والطبقة الثالثة مسانيد وجوامع ومصنفات صنفت قبل البخاري ومسلم وفي زمانهما وبعدهما جمعت بين الصحيح والحسن والضعيف والمعروف والغريب والشاذ والمنكر والخطأ والصواب والثابت والمقلوب، ولم تشتهر في العلماء ذلك الاشتهار وان زال عنها اسم النكارة المطلقة ولم يتداول ما تفردت به الفقهاء كثير تداول ولم تفحص عن صحتها وسقمها المحدثون كثير فحص، ومنه ما لم يخدمه لغوي لشرح غريب ولا فقيه بتطبيقه بمذاهب السلف ولا محدث ببيان مشكله ولا مؤرخ بذكر اسماء رجاله ولا اريد المتاخرين المتعمقين وانما كلامي في الائمة المتقدمين من اهل الحديث فهي باقية على استتارها واختفائها و

جیسے مسند ابو علی، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند طیالسی، بیہقی، طحاوی اور طبرانی کی تصانیف،

اور ان مصنفین کی غرض محض احادیث کا جمع کر دینا تھا احادیث کا خلاصہ کرنا، ان کو مہذب بنانا اور عمل کے قابل بنانا مقصود نہ تھا،

طبقہ رابعہ میں وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفین نے زمانہ دراز کے بعد ان احادیث کو جمع کرنے کا قصد کیا جو طبقہ اولیٰ اور طبقہ ثانیہ کی کتابوں میں نہیں تھیں اور وہ ایسے مجموعوں اور مسندوں میں موجود تھیں جن کی شہرت نہیں ہوئی تھی، ان مصنفین نے ان احادیث کی وقعت کی اور یہ احادیث ایسے لوگوں کی زبان زد تھیں کہ جن کی حدیث کو محدثین نے اپنی کتابوں میں نہیں لیا تھا جیسے اکثر واعظ مبالغہ آمیز باتیں کیا کرتے ہیں یا وہ حدیثیں کہ اہل ہوا اور ضعیف راویوں سے مروی تھیں، یا وہ صحابہ و تابعین کے آثار تھے یا بنی اسرائیل کے اخبار یا حکماء و واعظین کے کلام تھے جن کو راویوں نے سہواً یا عمداً نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے خلط ملط کر دیا تھا، یا قرآن مجید اور حدیث صحیح کے بعض احتمالات تھے جن کو نیک لوگوں نے جو روایت کے غوامض سے واقف نہیں ہوتے تھے، بالمعنی روایت کر دیا اور ان معانی کو احادیث مرفوعہ سمجھ لیا، یا بعض معانی کتاب وسنت کے اشارات سے مفہوم ہوتے تھے ان کو عمداً مستقل حدیث سمجھ لیا، یا چند احادیث میں چند مختلف جملے وارد ہوئے تھے ان کو ترتیب دیکر ایک حدیث بنا لیا،

اور ان احادیث کا محل ابن حبان اور کامل ابن عدی کی کتاب الضعفاء ہے اور خطیب، ابو نعیم، جوزقانی، ابن عساکر، ابن نجار اور دیلمی کی کتب ہیں۔ اور مسند خوارزمی بھی اسی طبقہ سے معلوم ہوتی ہے بلکہ

خمولها کمسند ابی علی و مصنف عبد الرزاق ومصنف ابی بکر بن ابی شیبة ومسند عبد ابن حمید والطیالسی وکتب البیهقی والطحاوی والطبرانی وکان قصدهم جمع ما وجدوه لا تلخیصه وتهذیبه وتقریبه من العمل ؛

والطبقة الرابعة کتب قصد مصنفوها بعد قرون متطاولة جمع ما لم یوجد فی الطبقتین الاولیین وکانت فی المجامیع والمسانید المختفیة فنوهوا بامرها وکانت علی السنة من لم یکتب حدیثه المحدثون ککثیر من الوعاظ المتشدقین واهل الاهواء والضعفاء او کانت من آثار الصحابة والتابعین او من اخبار بنی اسرائیل او من کلام الحکماء والوعاظ خلطها الرواة بحدیث النبی صلی الله علیه وسلم سهوا او عمدا او کانت من محتملات القرآن والحدیث الصحیح فرواها بالمعنی قوم صالحون لا یعرفون غوامض الروایة فجعلوا المعانی احادیث مرفوعة او کانت معانی مفهومة من اشارات الکتاب والسنة جعلوها احادیث مستبدة برأسها عمدا او کانت جملا شتی فی احادیث مختلفة جعلوه حدیثا واحدا بنسق واحد، ومظنة هذه الاحادیث کتاب الضعفاء لابن حبان وکامل ابن عدی، وکتب الخطیب وابی نعیم والجوزقانی وابن عساکر وابن النجار والدیلمی، وکاد مسند الخوارزمی یکون من هذه الطبقة

اوراس طبقہ میں سب سے زیادہ درست وہ احادیث ہیں جو ضعیف ومحتمل ہیں اور سب سے بدتر وہ ہیں جو موضوع ہیں یا مقلوب وحد درجہ منکر ہیں، اور ابن جوزی کی کتاب الموضوعات میں اسی طبقہ کی احادیث ہیں،

اس مقام پر ایک طبقہ خامسہ بھی ہے اس طبقہ سے متعلق وہ احادیث ہیں جو فقہاء، صوفیہ، مورخین وغیرہ کی زبان پر مشہور ہیں، اور ان چاروں طبقوں میں ان کی کوئی اصل نہیں،

اور اسی طبقہ سے متعلق وہ احادیث ہیں جن کو بے دین زبان دانوں نے اختراع کیا اور انہوں نے ایسی اسناد قوی بیان کی جن میں جرح نہیں ہو سکتی اور ایسے کلام بلیغ سے بیان کیا جس کا صدور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بعید معلوم نہیں ہوتا پس ایسے لوگوں نے اسلام میں ایک سخت مصیبت برپا کر دی لیکن اہل حدیث کے فضلاء ایسی حدیثوں کو متابعات اور شواہد پر مطابق کر کے دیکھتے ہیں اس وقت ان کی پردہ دری ہوتی ہے اور عیب ظاہر ہو جاتا ہے لیکن طبقہ اولیٰ اور طبقہ ثانیہ، پس ان پر محدثین کا اعتماد کامل ہے، انہیں سے ان کو ہمیشہ وابستگی رہی ہے، لیکن طبقہ ثالثہ، پس اس طبقہ کی حدیثوں پر عمل کرنا اور ان کا قائل ہونا ان متبحرین محققین کا کام ہے جو اسماء الرجال اور علل احادیث کو محفوظ رکھتے ہیں، البتہ اس طبقہ کی حدیثوں سے اکثر متابعات اور شواہد ماخوذ ہوتے ہیں "قد جعل اللہ لکل شیء قدرا" لیکن طبقہ رابعہ، پس اس طبقہ کی احادیث سے شغل رکھنا، ان کو جمع کرنا اور ان سے مسائل کا استنباط کرنا علماء متاخرین کی طرف سے ایک طرح کا تعمق ہے،

اور حق بات یہ ہے کہ مبتدعین کے گروہ روافض اور معتزلہ وغیرہ ادنی توجہ سے ان احادیث سے اپنے مذاہب کے شواہد کو ملخص کر سکتے ہیں لیکن علماء حدیث کے معرکوں میں اس طبقہ کی احادیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے

واللہ اعلم ٭

واصلح هذه الطبقة ما كان ضعيفا محتملا واسوؤها ما كان موضوعا او مقلوبا شديد النكارة، وهذه الطبقة مادة كتاب الموضوعات لابن الجوزي ٭

وههنا طبقة خامسة :- منها ما اشتهر على السنة الفقهاء والصوفية والمورخين ونحوهم وليس له اصل في هذه الطبقات الاربع، ومنها ما دسه الماجن في دينه العالم بلسانه فاتى باسناد قوي لا يمكن الجرح فيه، وكلام بليغ لا يبعد صدوره عنه صلى الله عليه وسلم فاثار في الاسلام مصيبة عظيمة، لكن الجهابذة من اهل الحديث يوردون مثل ذلك على المتابعات والشواهد فتهتك الاستار ويظهر العوار- اما الطبقة الاولى والثانية فعليهما اعتماد المحدثين وحوم حماهما مرتعهم ومسرحهم، واما الثالثة فلا يباشرها للعمل عليها والقول بها الا النحارير الجهابذة الذين يحفظون اسماء الرجال وعلل الاحاديث، نعم ربما يؤخذ منها المتابعات والشواهد، وقد جعل الله لكل شئ قدرا- واما الرابعة فالاشتغال بجمعها او الاستنباط منها نوع تعمق من المتاخرين، وان شئت الحق فطوائف المبتدعين من الرافضة والمعتزلة و غيرهم يتمكنون بادنى عناية ان يلخصوا منها شواهد مذاهبهم فالانتصار بها غير صحيح في معارك العلماء بالحديث والله اعلم ٭

پانچواں باب (۵) - اس بیان میں کہ کلام سے مراد کیسے سمجھ میں آتی ہے

واضح ہو کہ متکلم کا دلی مقصود بیان کرنے اور سامع کا اس سے مطلب سمجھنے کے بلحاظ ظہور و خفاء کے بالترتیب کئی درجات ہیں، سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک شئی خاص کے لئے صریح طور پر حکم ثابت کیا گیا ہو اور اسی کے بتانے اور سمجھانے کو وہ کلام بولا گیا ہو اور اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو، اور اس کے بعد اس کا درجہ ہے جس میں ان تین قیدوں میں سے کوئی قید نہ پائی جائے بلکہ یا اس میں حکم کا ثبوت کسی عنوان کے لئے ہو جو چند افراد کو خواہ بطریق شمول خواہ بطریق بدلیت شامل ہو جیسے الناس اور مسلمون اور قوم و رجال ہیں اور اسماء اشارہ جب اس کا صلہ عام ہو اور موصوف جس کی صفت عام ہو اور منفی بلام الجنس ہے، اس واسطے کہ اکثر عام معنی کو خصوصیت لاحق ہو جاتی ہے، اور یا یہ ہو کہ کلام خاص اسی مقصد کے لئے نہ بولا جائے بلکہ اس موقع سے وہ مطلب لازمی طور پر حاصل ہوتا ہو جیسے اس کلام "میرے پاس زید فاضل آیا" میں زید کی فضیلت اور "اے فقیر زید" میں زید کا فقر لزوماً معلوم ہوتا ہے، یا اس لفظ میں کسی دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو جیسے لفظ 'مشترک' اور وہ لفظ جس کے حقیقی معنی استعمال میں آتے ہوں لیکن معنی مجازی زیادہ مشہور ہوں اور وہ لفظ جس کا علم مثال اور تقسیم سے ہوتا ہو اور کسی جامع مانع تعریف سے معلوم نہیں ہوتا جیسا کہ سفر، معلوم ہے کہ منجملہ اس کی امثلہ کے مدینہ سے مکہ تک کا قصد کر کے نکلنا ہے، اور معلوم ہے کہ بعض حرکات بطور تفریح کے ہوتی ہیں اور بعض حرکات ضرورت کی بنا پر ہوتی ہیں کہ اسی روز وہ اپنے گاؤں کی طرف لوٹ آتا ہے اور بعض حرکات سفر ہوتی ہیں اور ان کی حد معلوم نہیں ہوتی، اور جیسا کہ وہ لفظ جو دو شخصوں میں دائر ہو جیسے اسم اشارہ

باب ۵ کیفیة فهم المراد من الكلام

اعلم ان تعبير المتكلم عما في ضميره وفهم السامع اياه يكون على درجات مترتبة في الوضوح والخفاء واعلاها ما صرح فيه بثبوت الحكم للموضوع له عينا وسيق الكلام لاجل تلك الافادة ولم يحتمل معنى اخر ويتلوه ما عدم فيه احد القيود الثلاثة اما اثبت الحكم لعنوان عام يتناول جمعا من المسميات شمولا او بدلا مثل الناس والمسلمون والقوم والرجال، واسماء الاشارة اذا عمت صلتها والموصوف بوصف عام والمنفي بلا الجنس فان العام يلحقه التخصيص كثيرا واما لم يسق الكلام لتلك الافادة وان لزمت مما هنالك مثل جاءني زيد الفاضل بالنسبة الى الفضل ويا زيد الفقير بالنسبة الى ثبوت الفقر له واما احتمل معنى اخر ايضا كاللفظ المشترك والذي له حقيقة مستعملة ومجاز متعارف والذي يكون معروف بالمثال والقسمة غير معروف بالحد الجامع المانع كالسفر معلوم ان من امثلته الخروج من المدينة قاصد المكة و معلوم ان من الحركة تفرج، ومنها تردد في الحاجة بحيث ياوي الى القرية في يومه، ومنها سفر ولا يعرف الحد والدائر بين شخصين كاسم الاشارة

اور ضمیر جبکہ قرائن میں تعارض ہو، یا وہ دونوں ایک صلہ کے مصداق ہو رہے ہوں، پھر اس کلام کے بعد اس کلام کا درجہ ہے جس کے بغیر توسط استعمال لفظ کے مطلب مفہوم ہو جائے، ایسے طریقے بڑے بڑے تین ہیں، ایک فحوی کلام ہے اور وہ یہ ہے کہ کلام کسی ایسے امر کا حال بتلائے جس کا عبارت میں ذکر نہیں، ایسے معنی کے توسط سے جس کی وجہ سے وہ حکم ذکر کیا گیا ہے جیسے "ماں باپ کو اُف بھی نہ کرو" اس سے ماں باپ کو مارنے کی حرمت بطریق اولی سمجھی جاتی ہے، اور جیسے کہا جائے کہ جو شخص رمضان میں دن میں کھائیگا تو اس پر قضاء واجب ہو جائے گی اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو روزہ توڑے گا اس پر قضاء لازم ہو گی، اور صرف کھانے کی صورت اس واسطے ذکر کی گئی کہ یہ صورت ذہن میں جلد آجایا کرتی ہے، دوسرا اقتضاء ہے اس سے مطلب اس طرح سمجھ میں آتا ہے کہ وہ معنی مستعمل فیہ کو عادتاً یا عقلاً یا شرعاً لازم ہوتا ہے مثلاً یہ کلام "میں نے آزاد کیا یا فروخت کیا" اس امر کا اقتضاء کرتا ہے کہ پہلے سے وہ شئی اس کی ملک ہو، اور "وہ چلا" تقاضا کرتا ہے کہ اس کے پاؤں سالم تھے، اور "اس نے نماز پڑھی" کا مقتضا یہ ہے کہ وہ طہارت سے تھا تیسرا ایماء ہے اور وہ ایک مقصود کو عبارات میں مناسب اعتبارات سے ادا کرنا ہے، پس بلیغ لوگ اس بات کا قصد کرتے ہیں کہ عبارت اس اعتبار مناسب کے مطابق ہو جو اصل مقصود پر زاید ہے، اس واسطے کلام سے اس کے مناسب اعتبار کو سمجھ لیا جاتا ہے مثلاً کسی شئی کو وصف یا شرط سے مقید کرنا، اس وصف اور شرط سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ اگر یہ وصف اور شرط نہ پائے جائینگے تو یہ حکم بھی نہ ہوگا، لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب اس کلام سے جس میں وصف یا شرط ہے سوال وجواب کی مشابہت مقصود نہ ہو اور نہ اس صورت کا بیان کرنا مقصود ہو جو اذہان کی طرف متبادر ہوتی ہے، اور نہ حکم کا فائدہ بیان کرنا مقصود ہو، اور ایسے ہی مفہوم استثناء، غایت اور عدد کا حال ہے، اور ایماء کے اعتبار کرنے میں یہ شرط ہے کہ اس ایماء کی وجہ سے اہل زبان کی عرف

والضمير عند تعارض القرائن او صدق الصلة عليهما ثم يتلوه ما افهم الكلام من غير توسط استعمال اللفظ فيه ومعظمه ثلاثة، الفحوى وهو ان يفهم الكلام حال المسكوت عنه بواسطة المعنى الحامل على الحكم مثل لا تقل لهما اف يفهم منه حرمة الضرب بطريق الاولى ومثل من اكل في نهار رمضان وجب عليه القضاء يفهم منه ان المراد نقض الصوم وانما خص الاكل لانه صورة تتبادر الى الذهن، والاقتضاء، وهو ان يفهمها بواسطة لزومه للمستعمل فيه عادة او عقلا او شرعا، اعتقت وبعت يقتضيان سبق ملك. مشى يقتضي سلامة الرجل. صلى. يقتضي انه على الطهارة، والايماء وهو ان اداء المقصود يكون بعبارات بازاء الاعتبارات المناسبة فيقصد البلغاء مطابقة العبارة للاعتبار المناسب الزائد على اصل المقصود فيفهم الكلام الاعتبار المناسب له كالتقييد بالوصف او الشرط يدل لان على عدم الحكم عند عدمهما حيث لم يقصد مشاكلة السوال ولا بيان الصورة المتبادرة الى الاذهان ولابيان فائدة الحكم وكمفهوم الاستثناء والغاية والعدد، وشرط اعتبار الايماء ان يجري التناقض به في عرف اهل اللسان مثل على عشرة الاشئ

اور پھر یہ کہے کہ مجھکو ایک دینا ہے پس جمہور اس کے کلام میں تناقض کہیں گے لیکن وہ امور جن کو سوائے علم معانی میں غور و خوض کرنے والوں کے کوئی نہیں سمجھتا ان کا کچھ لحاظ نہیں ہے اس کے بعد ان مطالب کا درجہ ہے جن کی رہبری مضمون کلام سے ہوتی ہے اس کی بھی تین بڑی قسمیں ہیں، اول عموم میں کسی شئی کو مندرج کرنا مثلاً بھیڑیا کچلیوں والا ہوتا ہے اور ہر کچلی والا جانور حرام ہوتا ہے اور اس کا بیان قیاس اقترانی سے ہوتا ہے چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے کہ "گدھوں کے بارے میں سوائے اس تنہا جامع آیت کے مجھ پر اور کچھ نازل نہیں ہوا اور وہ آیت یہ ہے "جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا وہ اس کی جزا دیکھے گا اور جو شخص ذرہ برابر برائی کریگا وہ اسکی جزا دیکھے گا" اور اسی قسم سے ہے عبداللہ ابن عباس کا استدلال اس آیت سے:۔ فبهداهم اقتده، اور اس آیت سے:۔ وظن داؤد انما فتناه فاستغفر ربه و خر راكعا و اناب" پھر عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ تمہارے پیغمبر کو ان کی پیروی کا حکم ہوا تھا، اور ایک استدلال ملازمت یا منافات کے ساتھ بھی ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ وتر اگر واجب ہوتے تو آپ ان کو سواری پر ادا نہ کرتے لیکن آپ ان کو سواری پر ادا کیا کرتے تھے اور اس استدلال کا بیان قیاس شرطی کی صورت میں ہے اور اسی قبیل سے اللہ تعالٰے کی یہ آیت ہے "لو كان فيهما آلهة الا الله لفسدتا" اور ایک قیاس ہوتا ہے اور وہ کسی علت مشترکہ کی وجہ سے ایک صورت کو دوسری صورت سے تمثیل دینا ہے جیسے یہ قول: گیہوں کی طرح چنا بھی ربوی ہے (یعنی اس میں بھی ربٰو ہوتا ہے) ایسا ہی قیاس آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں ہے "اگر تیرے باپ پر قرضہ ہوتا اور تو اس کو ادا کرتا تو کیا اس کی طرف سے کافی ہو جاتا؟ اس شخص نے کہا ہاں، ہو جاتا، تب آپ نے فرمایا "پس تو باپ کی طرف سے حج کر"

واللہ اعلم۔

انما على واحد يحكم عليه الجمهور بالتناقض واما ما لا يدركه الا المتعمقون فى علم المعانى فلا عبرة به ثم يتلوه ما استدل عليه بمضمون الكلام و معظمه ثلاثة، الدرج فى العموم مثل الذئب ذو ناب وكل ذى ناب حرام، وبيانه بالاقترانى وهو قوله صلى الله عليه وآله وسلم وما انزل على فى الحمر شئ الا هذه الآية الفاذة الجامعة فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره، ومنه استدلال ابن عباس بقوله تعالى فبهداهم اقتده وقوله تعالى وظن داؤد انما فتناه فاستغفر ربه وخر راكعا واناب حيث قال نبيكم امر بان يقتدى به، والاستدلال بالملازمة او المنافاة مثل لو كان الوتر واجبا لم يؤد على الراحلة لكنه يؤدى كذلك، وبيانه بالشرطى و منه قوله تعالى لو كان فيهما آلهة الا الله لفسدتا، والقياس وهو تمثيل صورة بصورة فى علة جامعة بينهما مثل الحمص ربوى كالحنطة ومنه قوله صلى الله عليه وآله وسلم ارايت لو كان على ابيك دين فقضيته عنه اكان يجزى عنه؟ قال نعم قال فاحجج عنه والله اعلم۔

چھٹا باب (۷۹):- کتاب وسنت سے احکام شرعیہ کے سمجھنے کی کیفیت کا بیان

واضح ہو کہ جن الفاظ سے رضا اور ناراضی معلوم ہوتی ہے وہ الفاظ حب وبغض، رحمت ولعنت اور قرب وبعد ہیں اور وہ الفاظ ہیں جن میں فعل کی نسبت محبوب یا مغضوب کی طرف ہوتی ہے جیسے مومنین اور منافقین، ملائکہ اور شیاطین، اہل جنت اور اہل نار، اور وہ الفاظ ہیں جن سے طلب اور منع ہوتی ہے یا اس جزا کا بیان ہوتا ہے جو فعل پر مرتب ہوتی ہے یا عرف کی کسی عمدہ یا مذموم شئ کے ساتھ تشبیہ ہوتی ہے، اور نیز رضا و ناراضی اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کے کرنے کا اہتمام فرمائیں یا باوجود دواعی کے اس سے اجتناب کریں، لیکن یہ امر کہ رضا اور ناراضی کے درجات وجوب و ندب اور حرمت و کراہت میں باہم تمیز ہو پس اس میں سب سے زیادہ صورت یہ ہے کہ اس فعل کے مخالف کا مال بیان کیا جائے جیسے یہ حدیث "جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرے گا قیامت کے روز اس کا مال گنجے سانپ کی صورت میں ہوگا" اور جیسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "ومن لا فلا حرج"۔ اور ان درجات کی تمیز اس سے بھی ہوتی ہے کہ مثلاً کہا جائے فلاں شئ واجب ہے یا فلاں شئ ناجائز ہے، یا کوئی شئ اسلام یا کفر کے لئے رکن قرار دیجائے یا اس کی بجاآوری یا ترک پر نہایت شدت کیجائے یا اس کے متعلق ایسا کہدیا جائے کہ یہ امر مروت سے بعید ہے یا مناسب نہیں ہے، نیز صحابہ اور تابعین اس بارے میں کوئی حکم معین کریں جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے اور جیسے حضرت علی کا قول ہے کہ وتر واجب نہیں ہے، یا مقصد کی حالت دیکھی جائے کہ آیا اس سے کسی طاعت کی تکمیل ہوتی ہے یا کسی گناہ کا ذریعہ بند ہوتا ہے یا اس عمل میں وقار

باب كيفية فهم المعاني الشرعية من الكتاب والسنة

واعلم ان الصيغة الدالة على الرضا والسخط هي الحب والبغض والرحمة واللعنة والقرب والبعد ونسبة الفعل الى المرضيين او المسخوطين كالمؤمنين والمنافقين والملائكة والشياطين واهل الجنة والنار والطلب والمنع وبيان الجزاء المترتب على الفعل والتشبيه بمحمود في العرف او مذموم، واهتمام النبي صلى الله عليه وسلم بفعله او اجتنابه عنه مع حضور دواعيه، واما التمييز بين درجات الرضا والسخط من الوجوب والندب والحرمة والكراهية فأصرحه ما بين حال مخالفه مثل من لم يؤد زكاة ماله مثل له الحديث وقوله صلى الله عليه وسلم ومن لا فلا حرج، ثم اللفظ مثل يجب ولا يحل وجعل الشئ ركن الاسلام او الكفر والتشديد البالغ على فعله او تركه، ومثل ليس من المروءة، ولا ينبغي، ثم حكم الصحابة والتابعين في ذلك كقول عمر رضي الله عنه: ان سجدة التلاوة ليست بواجبة، وقول علي رضي الله عنه ان الوتر ليس بواجب ثم حال المقصد من كونه تكميلا لطاعة او سد الذريعة اثم او من باب الوقار

اورحسنِ ادب کی شان معلوم ہوتی ہے لیکن کسی فعل کی علت اور رکن اور شرط معلوم کرنا ہو توان امور کے لئے سب سے صریح اور صاف یہ ہے کہ وہ نص سے ثابت ہو جیسے "ہر نشہ والی چیز حرام ہے" جو شخص نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے گا اس کی نماز نہ ہوگی، تم میں سے کسی کی نماز بغیر وضوء کے قبول نہ ہوگی" اس کے بعد وہ ہے جواشارہ اور ایماء سے ثابت ہو جیسا کہ ایک شخص نے کہا تھا کہ "رمضان میں میں اپنی بیوی سے ہم بستر ہوگیا" آپ نے فرمایا ایک غلام آزاد کر" اور جیسا کہ نماز کو قیام، رکوع اور سجود کے نام سے تعبیر کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ امور نماز کے ارکان ہیں، اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے "ان کو چھوڑ کیونکہ میں نے ان کو طہارت کی حالت میں پہنا ہے" یہ سمجھا جاتا ہے کہ موزے پہننے کے وقت طہارت کا ہونا شرط ہے نیز علت وشرط ورکن کی یہ پہچان ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی شئ کے پائے جانے کے وقت ایک شئ کے وجود اور اس کے نہ پائے جانے کے وقت اس شئ کے عدم کا حکم کیا جاتا ہے یہاںتک کہ ذہن میں اس شئ کا علت ہونا یا شرط ہونا یا رکن ہونا اس طرح جم جاتا ہے جس طرح اہلِ عرب کی ممارست سے اور قرائن کے موافق الفاظ کو معانی موضوعہ میں استعمال کرنے سے ایک فارسی کے ذہن میں لغاتِ عرب کے معانی کی معرفت متمکن ہوجاتی ہے حالانکہ وہ ان الفاظ کے معنی وضعی نہیں جانتا، اور اس کے جاننے کا مدار انہی مواضع استعمال کی معرفت پر ہے پس اسی طرح جب ہم شارع کو دیکھتے ہیں کہ جب بھی وہ نماز پڑھتا ہے تو رکوع اور سجود کرتا ہے اور اپنے بدن سے ناپاکی دور کرتا ہے اور ہر دفعہ ایسا ہی کرتا ہے تو ہم کو یقین ہوگیا کہ یہ امور مقصود ہیں، اگر تم حق معلوم کرنا چاہتے ہو تو ذاتی صفات معلوم کرنے کا مدار علیہ یہی ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ لکڑیاں جمع کرتے ہیں اور ان سے ایسی چیز بناتے ہیں جو نشست کے قابل ہو اور اسکو تخت کے نام سے موسوم کرتے ہیں تو اس سے ہم کو تخت کے اوصاف ذاتی کا انتزاع ہوتا ہے اس کے بعد وجود مناسبت پر اعتماد کرتے ہوئے یا مشابہت وحذف پر اعتماد کرتے ہوئے مدار علیہ کی تخریج

وحسن الادب،

واما معرفة العلة والركن والشرط فاصرحها ما يكون بالنص مثل كل مسكر حرام، لاصلاة لمن لم يقرا بام الكتاب، لاتقبل صلوة احدكم حتى يتوضا - ثم بالاشارة والايماء مثل قول الرجل:- واقعت اهلى فى رمضان قال اعتق رقبة، وتسمية الصلوة قياما وركوعا وسجودا يفهم انها اركانها، قوله صلى الله عليه وسلم دعهما فانى ادخلتهما طاهرتين، يفهم اشتراط الطهارة عند لبس الخفين ثم ان يكثر الحكم بوجود الشئ عند وجوده او علمه عند عدمه حتى يتقرر فى الذهن علية الشئ او ركنيته او شرطيته بمنزلة ما يدب فى ذهن الفارسى من معرفة موضوعات اللغة العربية عند ممارسة العرب واستعمالهم اياها فى المواضع المقرونة بالقرائن من حيث لايدرى وانما ميزانه نفس تلك المعرفة فاذا راينا الشارع كلما صلى ركع وسجد ودفع عنه الرجز وتكرر ذلك جزمنا بالمقصود وان شئت الحق فهذا هو المعتمد فى معرفة الاوصاف النفسية مطلقا فاذا راينا الناس يجمعون الخشب و يصنعون منه شيئا يجلس عليه ويسمونه السرير نزعنا من ذلك اوصافه النفسية ثم تخريج المناط اعتمادا على وجدان مناسبة او على السبر والحذف، واما معرفة

کرنا ہے، لیکن ان مقاصد کا معلوم کرنا جن پر احکام کی بنا ہوتی ہے نہایت دقیق علم ہے اس علم میں وہی شخص خوض کر سکتا ہے جس کا ذہن نہایت لطیف اور فہم نہایت مستقیم ہو، اور فقہائے صحابہ نے طاعتوں اور گناہوں کے اصول کو ان مشہور امور سے اخذ کر لیا تھا جن پر اس زمانہ کے فرقوں کا اتفاق ہو گیا تھا جیسے مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ، اس واسطے صحابہ کو ان احکام کی وجہ اور ان کے متعلق مباحث کی ضرورت نہ تھی، اور شریعت کے قوانین اور سہولت و استحکام دین کے قوانین کو انہوں نے امر و نہی کے مواقع کا مشاہدہ کر کے حاصل کر لیا تھا جیسے طبیب کے ہم نشین مدت کی میل جول اور مشاقی سے ان دواؤں کے فوائد و مقاصد معلوم کر لیتے ہیں جن کے استعمال کا وہ طبیب حکم کرتا ہے اور صحابہ ان قوانین کو خوب اچھی طرح سے جانتے تھے اسی واقفیت کی وجہ سے حضرت عمر نے اس شخص کی نسبت جو نفل و فرض ملا کر پڑھتا تھا فرمایا تھا اسی سے وہ لوگ ہلاک ہوئے تھے جو تم سے پہلے تھے اس پر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے ابن الخطاب تیری رائے کو خدا نے درست کر دیا ہے"

اور اسی قبیل سے ابن عباس کا وہ قول ہے جو جمعہ کے روز غسل کے مسنون ہونے کی وجہ میں کہا تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی کہ میں تین باتوں میں اپنے رب کے ساتھ موافق رہا،

اور زید ابن ثابت کا یہ قول بھی اسی قبیل سے ہے جو انہوں نے بیوع ممنوعہ کی وجہ میں فرمایا تھا کہ پھلوں میں مختلف بیماریاں گلنے، گر پڑنے اور سوکھ جانے کی پیدا ہو جایا کرتی تھیں،

اور اسی قبیل سے حضرت عائشہ رض کا یہ قول ہے کہ اگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم ان امور کو دیکھتے جو عورتوں نے اب ایجاد کر لئے ہیں تو ان کو مساجد میں آنے سے روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں، معانی شرعیہ معلوم کرنے کا سب سے واضح طریقہ یہ ہے

المقاصد التي بني عليها الاحكام فعلم دقيق لا يخوض فيه الا من لطف ذهنه واستقام فهمه وكان فقهاء الصحابة تلقت اصول الطاعات والآثام من المشهورات التي اجمع عليها الامم الموجودة يومئذ كمشركي العرب وكاليهود والنصارى فلم تكن لهم حاجة الى معرفة لمياتها ولا البحث عما يتعلق بذلك، اما قوانين التشريع والتيسير واحكام الدين فتلقوها من مشاهدة مواقع الامر والنهي كما ان جلساء الطبيب يعرفون مقاصد الادوية التي يامر بها بطول المخالطة والممارسة وكانوا في الدرجة العليا من معرفتها، ومنه قول عمر رضي الله عنه لمن اراد ان يصل النافلة بالفريضة بهذا اهلك من قبلكم فقال النبي صلى الله عليه وسلم اصاب الله بك يا ابن الخطاب وقول ابن عباس رضي الله عنهما في بيان سبب الامر بغسل يوم الجمعة، وقول عمر رضي الله عنه وافقت ربي في ثلاث، وقول زيد رضي الله عنه في البيوع المنهي عنها انه كان يصيب الثمار مراض قشام ومان الخ وقول عائشة رضي الله عنها لو ادرك النبي صلى الله عليه وسلم ما احدثه النساء لمنعهن من المساجد كما منعت نساء بني اسرائيل، واصرح طرقها ما بين في

کہ وہ کتاب وسنت میں بصراحت طور پر مذکور ہو جیسے خدا تعالےٰ کا فرمان ”اے عقلمندو! قصاص میں تمہاری زندگی ہے“ اور خدا کا فرمان ”خدا نے معلوم کیا کہ تم اپنے نفسوں سے خیانت کرتے ہو اس واسطے خدا تعالےٰ نے تم پر توجہ فرمائی اور تم کو معاف کر دیا“ اور خدا تعالےٰ کا فرمان ”اب خدا تعالےٰ نے تمہارے لئے آسانی کر دی اور جان لیا کہ تمہارے اندر ضعف ہے“ اور خدا تعالےٰ کا فرمان ”اگر اس کو نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور فساد ہو گا“ اور خدا تعالےٰ کا فرمان ”اگر ان میں سے کوئی راستہ سے بہک جائے تو ایک دوسرے کو یاد دلائے“ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ”اس کو معلوم نہیں ہے کہ اس کا ہاتھ کہاں پڑا رہا ہے“ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ”جو صبح تک سوتا ہے اس کی ناک پر شیطان شب گذارتا ہے“،

اس کے بعد ان معانی کا درجہ ہے جو ایماء اور اشارہ سے معلوم ہوتے ہیں جیسے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان:- ”لعنت کے دونوں سببوں سے بچو“ اور آپ کا یہ فرمان: ”حدث کا بندھن دونوں آنکھیں ہیں“ اس کے بعد ان کا درجہ ہے جن کو مجتہد صحابی بیان کرے، اس کے بعد علت حکم کے خارج کرنے کا درجہ ہے، یہ تخریج اس طرح ہو کہ اس کی انتہا ایسے مقصود پر ہوتی ہو جس کا ملحوظ ہونا یا اس کے نظیر کا مسئلہ کی نظر میں ملحوظ ہونا ظاہر ہو، اور مذہبی امور میں کسی امر میں لغویت نہیں ہے اس واسطے ضرور ہے کہ مقادیر سے بحث کیجائے کہ خاص خاص مقادیر معین ہوئیں ان کی نظائر معین کیوں نہ ہوئیں، اور ضرور ہے کہ مخصصات عموم سے بحث کیجائے کہ ان کو کیوں مستثنیٰ کیا گیا آیا ان میں مقصد فوت تھا یا کوئی مانع موجود تھا جس کو تعارض کے وقت ترجیح دیدی گئی ہے، واللہ اعلم۔

نص الكتاب والسنة مثل ولكم في القصاص حياة يا اولى الالباب، وقوله تعالى علم الله انكم كنتم تختانون انفسكم فتاب عليكم وعفا عنكم، وقوله تعالى الآن خفف الله عنكم وعلم ان فيكم ضعفا، وقوله تعالى الا تفعلوه تكن فتنة في الارض وفساد كبير، وقوله تعالى ان تضل احدهما فتذكر احدهما الاخرى وقوله صلى الله عليه وسلم لا يدري اين باتت يده وقوله صلى الله عليه وسلم ان الشيطان يبيت على خيشومه ثم ما اشير اليه او اومي مثل قوله صلى الله عليه وسلم اتقوا اللاعنين وقوله صلى الله عليه وسلم وكاء السه العينان، ثم ما ذكره الصحابي الفقيه ثم تخريج المناط بوجه يرجع الى مقصد ظهر اعتباره او اعتبار نظيره في نظير المسالة، وليس في الامر جزاف فيجب ان يبحث عن المقادير لم عينت دون نظائرها، وعن مخصصات العموم لم استثنيت لفقد المقصد او لقيام مانع يرجع عند التعارض والله اعلم،

ساتواں باب (۸۰):- مختلف حدیثوں میں فیصلہ کا بیان

باب القضاء في الاحاديث المختلفة

بنیادی امر یہ ہے کہ ہر ایک حدیث پر عمل کرنا چاہیے سوا اس صورت کے کہ کسی تناقض کی وجہ سے تمام احادیث پر عمل نہ ہو سکتا ہو اور واقع میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا بلکہ فقط ہماری نظر میں اختلاف معلوم ہوتا ہے جب دو مختلف حدیثیں

الاصل ان يعمل بكل حديث الا ان يمتنع العمل بالجميع للتناقض وانه ليس في الحقيقة اختلاف ولكن في نظرنا فقط فاذا ظهر حديثان مختلفان فان

ظاہر ہوں تو اگر فعل رسول کو بیان کرتی ہیں، پس ایک صحابی نے بیان کیا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فلاں کام کیا تھا اور دوسرے صحابی نے بیان کیا کہ آپ نے دوسرا کام کیا تھا تو ان حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہوا، اگر یہ دونوں فعل عادت سے متعلق ہیں اور از قسم عبادت نہیں ہیں تو وہ دونوں مباح ہونگے یا ایک مستحب اور دوسرا جائز ہوگا بشرطیکہ پہلے میں عبادت کے آثار ہوں اور دوسرے میں نہ ہوں، یا دونوں مستحب یا واجب ہوں گے کہ ایک دوسرے کی جگہ کافی ہوجائے گا اگر وہ دونوں عبادت سے متعلق ہیں، حفاظ صحابہ نے اکثر سنن میں ایسی ہی تصریح کی ہے مثلاً وتر میں گیارہ رکعت بھی ہیں، نو اور سات بھی ہیں، اور تہجد میں پکار کر پڑھنا بھی ہے اور آہستہ بھی اور اسی قاعدہ کے موافق رفع یدین میں فیصلہ کرنا چاہیے کہ کانوں تک اٹھائے جائیں یا شانوں تک، اور ایسے ہی حضرت عمر، عبداللہ ابن مسعود اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم کے تشہد میں بھی فیصلہ کرنا چاہیے، اور ایسے ہی وتر میں کہ آیا وہ ایک رکعت ہے یا تین رکعات ہیں، اور ایسے ہی طلب نصرت کی دعاؤں میں اور صبح و شام کی دعاؤں میں اور تمام اسباب و اوقات کی دعاؤں میں فیصلہ کرنا چاہیے، یا وہ دونوں حدیثیں کسی تنگی اور حرج کا مخلص ہوں گی اگر ایسی حدیثوں سے پیشتر کوئی ایسا امر ہوگیا ہو جس نے حرج کو واجب کر دیا ہو جیسے کفارہ سے متعلق امور، اور لڑنے والوں کے معاوضے ایک قول کے موافق۔

یا ان احادیث میں کوئی مخفی علت ہو جو ایک فعل کو ایک وقت میں واجب اور دوسرے فعل کو دوسرے وقت میں مستحسن کر دیتی ہے، یا کسی شئی کو ایک وقت میں واجب اور دوسرے وقت میں اس کے ترک کی رخصت دیتی ہے اس واسطے ایسی علت کی تفتیش کرنا ضروری ہے، یا ان میں سے ایک فعل کو عزیمت اور دوسرے کو رخصت قرار دینگے بشرطیکہ اول میں اصالت کا اثر ظاہر ہو اور دوسرے میں حرج،

كانا من باب حكاية الفعل فحكى صحابي انه صلى الله عليه وسلم فعل شيئا، وحكى أخر انه فعل شيئا أخر فلا تعارض ويكونان مباحان ان كانا من باب العادة دون العبادة او أحدهما مستحبا والأخر جائزا ان لاح على احدهما أثار القربة دون الأخر او يكونان جميعا مستحبين او واجبين يكفي احدهما كفاية الأخر ان كانا جميعا من باب القربة، وقد نص حفاظ الصحابة على مثله في كثير من السنن كالوتر باحدى عشر ركعة وبتسع وسبع وكالجهر في التهجد والمخافتة وعلى هذا الاصل ينبغي ان يقضى في رفع اليدين الى الاذنين او المنكبين، وفي تشهد عمر وابن مسعود وابن عباس رضى الله عنهم، وفي الوتر هل هو ركعة منفردة او ثلاث ركعات، وفي ادعية الاستفتاح وادعية الصباح والمساء وسائر الاسباب والاوقات او يكونان مخلصين عن مضيق ان تقدم ما يوجب ذلك كخصال الكفارة وكاجزية المحارب في قول، أو يكون هنالك علة خفية توجب او تحسن احد الفعلين في وقت والأخر في وقت او توجب شيئا وقتا وترخص في تركه وقتا فيجب ان يفحص عنها، او يكون احدهما عزيمة والأخر رخصة ان لاح اثر الاصالة في الاول واعتبار الحرج

اور اگر نسخ کی دلیل ظاہر ہو جائے تو نسخ کا اعتبار ہو گا اور اگر ان دونوں حدیثوں میں سے ایک حدیث میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل بیان کیا گیا ہو اور دوسری حدیث میں آپ کے کسی قول کا رفع ہوتا ہو تو اگر اس قول سے تحریم یا وجوب قطعی طور پر معلوم نہ ہوتا ہو، یا وہ قول قطعی الرفع نہ ہو تو دونوں حدیثوں میں کئی وجوہ کا احتمال ہو گا، اور اگر وہ قول تحریم یا وجوب میں قطعی ہے تو دونوں حدیثیں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت فعل پر محمول ہوں گی یا ان کو نسخ پر محمول کیا جائے گا پس ان دونوں کے قرائن کی تفتیش کی جائے گی، اور اگر وہ دونوں حدیثیں قولی ہیں پس اگر ایک حدیث ایک معنی میں ظاہر ہو اور تاویل کرنے سے دوسرے معنی ہو سکتے ہوں اور تاویل بعید بھی نہ ہو تو یہ قرار دیں گے کہ ایک حدیث دوسری حدیث کے لئے بیان ہے اور اگر تاویل بعید ہے تو یہ معنی تاویلی اسی وقت لے جائیں گے کہ کوئی قرینہ نہایت قوی ہو یا کسی فقیہ صحابی سے یہ تاویل منقول ہو، مثلاً اس ساعت کے متعلق جس میں قبولیت دعا کی امید ہوتی ہے عبد اللہ ابن سلام سے مروی ہے کہ وہ آفتاب غروب ہونے سے ذرا پہلے کی ساعت ہے، اس پر ابو ہریرہؓ نے اعتراض کیا کہ یہ نماز کا وقت نہیں ہے حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ وہ ساعت ہے جس میں مسلمان کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہو گا، جو مانگے گا ملیگا، اس کے جواب میں عبد اللہ ابن سلام نے یہ فرمایا کہ نماز کا انتظار کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے نماز پڑھنے والا، پس یہ تاویل بعید ہے، اگر ایک فقیہ صحابی نے اس کو بیان نہ کیا ہوتا تو ایسی تاویلیں قابلِ قبول نہ ہوتیں،

اور تاویل کے بعید ہونے کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر اس کو عقول سلیمہ پر بغیر قرینہ یا دلیل کے پیش کیا جائے تو عقول اس کو قبول نہ کریں، اور جب یہ تاویل کسی ایماء ظاہر یا واضح مفہوم یا مورد نص کے مخالف ہو گی تو بالکل جائز نہیں ہو گی، اور تاویل قریب میں سے قصر عام ہے کہ اس طرح کے حکم میں بعض افراد پر حکم کرنے میں عادت جاری ہو، اور اس میں سے

فی الثانی، وان ظهر دليل النسخ قيل به وان كان احدهما حكاية فعل والاخر رفع قول فان لم يكن القول قطعي الدلالة على تحريم او وجوب او قطعي الرفع احتملا وجوها، وان كان قطعيا حملا على تخصيص الفعل به صلى الله عليه وسلم او النسخ فيفحص عن قرائنهما وان كانا قولين فان كان احدهما ظاهرا فی معنی مؤولا فی غيره وكان التاويل قريبا حمل على ان احدهما بيان للآخر وان كان بعيدا لم يحمل عليه الا عند قرينة قوية جدا او نقل التاويل عن صحابي فقيه كقول عبد الله بن سلام فی الساعة المرجوة انها قبيل الغروب فاورد ابو هريرة انها ليست وقت صلاة، وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم لا يسأل الله فيها مسلم قائم يصلي، فقال عبد الله بن سلام المنتظر للصلوة كانه فی الصلاة فهذا تاويل بعيد لايقبل مثله لولا ذهاب الصحابي الفقيه اليه، وضابطة البعيد انه ان عرض على العقول السليمة بدون القرينة او تجشم الجدل لم يحتمل، و اذا كان مخالفا لايماء ظاهر او مفهوم واضح او مورد نص لم يجز اصلا، فمن القريب قصر عام جرت العادة باستعمال بعض افراده فقط فی نظير ذلك الحكم على ذلك البعض، وعام

ایک لفظ عام کا استعمال کرنا ہے ایسے موضع میں جہاں عادتاً تسامح کیا جاتا ہے جیسے مدح اور ذم، اور اس میں سے ایک ایسے لفظ عام کا استعمال کرنا ہے جو اصل حکم کے افادہ کے بعد وضعِ حکم کی مشروعیت کے لئے لایا گیا ہو پس وہ قضیہ مہملہ کے درجہ میں کیا جائے گا جیسے آں حضرت کا یہ قول: "جس کو بارانی پانی ملا اس میں عشر ہے۔" اور جیسے آپ کا یہ قول: "پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔" اور منجملہ تاویلات کے یہ ہے کہ ہر حدیث کو ایک خاص صورت پر محمول کیا جائے بشرطیکہ مناط اور مناسب شاہد ہو، اور تاویلات میں سے یہ بھی ہے کہ ان دونوں کو کراہیت اور بیانِ جواز پر محمول کیا جائے اگر ممکن ہو، اور سختی کو زجر پر محمول کیا جائے بشرطیکہ کوئی خرابی مقدم ہو چکی ہو لیکن یہ اقوال کہ "تم پر مردار حرام کیا گیا" یعنی اس کا کھانا۔ "اور تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئیں" یعنی ان سے نکاح کرنا، اور جیسے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نظر کا لگنا حق ہے" یعنی اس کی تاثیر ثابت ہے۔ "اور رسول حق ہے" یعنی اسکی بعثت خدا کی جانب سے ہوتی ہے۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت سے خطاء اور نسیان کو دور کر دیا گیا" یعنی وہ گناہ جو اس حالت میں ہو معاف ہے، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بغیر طہارت کے نماز نہیں ہوتی، بغیر ولی کے نکاح نہیں ہوتا، اعمال نیتوں سے ہوتے ہیں" یعنی ان امور پر وہ آثار جو شریعت نے ان کے لئے مقرر کئے ہیں مرتب نہیں ہوتے۔ اور "جب نماز کیلئے کھڑے ہو تو وضو کرو" یعنی اگر تم کو وضو نہ ہوا کرے، پس یہ سب اقوال ظاہر ہیں ان میں کوئی امر تاویلی نہیں ہے اس واسطے کہ عرب ان میں سے ہر لفظ کو ایک محل پر استعمال کرتے تھے اور اس محل کے مناسب معنی مراد لیتے تھے اور یہ ان کی زبان تھی جس کو وہ ظاہر معنی سے عدول کیا ہوا نہیں سمجھتے تھے اور اگر وہ دونوں فعل کسی مسئلہ کا جواب یا کسی واقعہ کے فیصلہ کے متعلق ہوں پس اگر کوئی علت دونوں کو جدا کرنے والی موجود ہو تو اسی کے موافق فیصلہ کیا جائیگا اسکی مثال یہ کہ ایک جوان شخص نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روزہ میں بوسہ لینے کا مسئلہ پوچھا آپ نے اس کو منع کر دیا اور ایک بوڑھے نے پوچھا تو آپ نے اس کو

یستعمل فی موضع جرت العادة بالتسامح فیه کالمدح والذم، وعام سیق لشرع وضع فی حکم بعد افادة اصل الحکم فیجعل فی قوة القضیة المهملة کقوله ما سقته السماء ففیه العشر. وقوله لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة ومنه تنزیل کل واحد علی صورة ان شهد المناط والمناسب وحملهما علی الکراهیة وبیان الجواز فی الجملة ان امکن، وحمل التشدید علی الزجر ان تقدم لجاج اما قوله حرمت علیکم المیتة ای اکلها وحرمت علیکم امهاتکم ای نکاحهن، وقوله العین حق ای تاثیرها ثابت والرسول حق ای مبعوث حقا، وقوله رفع عن امتی الخطأ والنسیان ای اثم ما وقعا فیه وقوله لا صلاة الا بطهور، لا نکاح الا بولی، انما الاعمال بالنیات، ای لا یترتب علی هذه الاشیاء آثارها التی جعلها الشارع لها. اذا قمتم الصلاة فاغسلوا، ای ان لم تکونوا علی الوضوء فظاهر لیس بمؤول، لان العرب یستعملون کل لفظة منها فی محل، ویریدون ما یناسب ذلك المحل، وتلك لغتهم التی لا یرون فیها صرفا عن الظاهر، وان کانا من باب الفتوی فی مسالة والقضاء فی واقعة، فان ظهرت علة فارقة قضی علی حسبها، مثاله، ساله شاب عن القبلة للصائم فنهاه، وشیخ فرخص له، وان دل

اجازت دیدی اور ان دونوں میں سے ایک حدیث میں کسی حاجت پر یا سائل کے اصرار پر یا تکمیل امر کی طرف توجہ نہ کرنے پر یا کسی ایسے شخص کی حالت کے رد کرنے پر جس نے اپنی ذات پر نہایت سختی کی ہو سیاق کلام دلالت کرے اور دوسری حدیث میں یہ امور سیاق سے ثابت نہ ہوں تو ایک میں عزیمت اور دوسری میں رخصت کہا جائیگا اور اگر وہ دونوں فعل کسی مبتلا شخص کے لئے، مخلص یا گنہگار کیلئے عقوبت یا قسم توڑنے والے کے لئے کفارہ ہوں تو دونوں کی صحت کا حکم کیا جائے گا اور نسخ کا بھی احتمال ہوگا، اور اسی قاعدہ کے مطابق استحاضہ والی عورت کا فتوٰی ہے کہ کبھی اس کو ہر دو نمازوں کے لئے غسل کا حکم دیا گیا اور کبھی یہ کہ ایام عادت کو حیض سمجھے یا ان دونوں کو ایام حیض سمجھے جن میں زیادہ خون ظاہر ہو، یہ تقریر اس قول کے موافق ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استحاضہ والی عورت کو دونوں امر کا اختیار دیا تھا اور یہ کہ عادت اور خون کی رنگت دونوں حیض کا مظنہ ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اور اسی طرح اس اختلاف کو دور کیا جائیگا کہ آپ نے اس شخص کے حق میں جو مر گیا اور اس کے ذمہ روزہ باقی ہے اس کی جانب سے روزہ رکھنے کا اور ایک روایت کے بموجب کھانا کھلانے کا فتوٰی دیا تھا اور اسی طرح ایک قول کے موافق اس شخص کے حق میں جس کو نماز میں شک پڑتا ہو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے شک کو دونوں باتوں میں سے جس طرح چاہے رفع کرلے یا تو رکعتوں کی جانچ کرے یا یقینی رکعتوں کو اختیار کرے، اور اسی طرح ایک قول کے موافق نسب کے ثابت کرنے میں کبھی قیافہ اور کبھی قرعہ کے ذریعہ فیصلہ فرمایا، اور اگر ان احادیث میں دلیل نسخ ظاہر ہو تو ان میں نسخ کا اعتبار کیا جائیگا، اور نسخ کبھی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے جیسے آپ نے فرمایا ہے کہ میں نے تم کو زیارتِ قبور سے منع کردیا تھا لیکن اب زیارت کیا کرو اور کبھی نسخ اس وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حدیثوں کو جمع نہ کرسکتے ہوں اور ایک حدیث دوسری حدیث کے بعد وارد ہوئی ہو، اور جب شارع نے کسی حکم کو مقرر کیا ہو اور پھر اس کی جگہ دوسرا حکم مشروع کردیا ہو اور پہلے حکم سے سکوت کیا ہو تو فقہاء صحابہ نے اس سے سمجھا ہے کہ وہ پہلے حکم کیلئے ناسخ ہے، یا نسخ کبھی اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ جب احادیث مختلف ہوں اور کسی صحابی نے فیصلہ کیا ہو کہ ایک حدیث دوسری حدیث کیلئے ناسخ ہو پس یہ صورت نسخ کیلئے ظاہر ہے قطعی نہیں ہے اور فقہاء کا ان احادیث کو منسوخ کہدینا جو ان کے شاخ کے عمل کے خلاف

السياق فى احدهما دون الاخر على وجود الحاجة او الحاح السائل او كونه اغماضا عن الكمال او ردا للمتعنت المتشدد على نفسه قضى بالعزيمة والرخصة، و ان كانا مخلصين لمبتلى، او عقوبتين لجان، اوكفارتين من حنث جاز الحمل على صحة الوجهين واحتمل النسخ، و على هذا الاصل يقضى فى المستحاضة افتاها تارة بالغسل لكل صلاتين، وتارة بالتحيض ايام عادتها او ايام ظهور الدم الشديد على قول، انه كان خيرها بين امرين، وان العادة ولون الدم كلاهما يصلحان مظنة للحيض فى الصيام، و الاطعام عمن مات وعليه صوم على قول، والشاك فى الصلاة يلغى شكه باحد امرين، بتحرى الصواب او اخذ المتيقن على قول، والقضاء فى اثبات النسب بالقائف او القرعة على قول، وان ظهر دليل النسخ حمل عليه، و يعرف النسخ بنص النبى صلى الله تعالى عليه وسلم كقوله كنت نهيتكم عن زيارة القبور الا فزوروها، وبمعرفة تأخر احدهما عن الاخر مع عدم امكان الجمع واذا شرع الشارع شرعا ثم شرع مكانه اخر وسكت عن الاول، عرف فقهاء الصحابة ان ذلك نسخ للاول، او اختلفت الاحاديث وقضى الصحابى بكون احدهما ناسخا للاخر، فذلك ظاهر فى النسخ غير قطعي وقول الفقهاء لما يجدونه خلاف عمل

مشايخهم، منسوخ غير مقنع، والنسخ فيما يبدو ونها تغير حكم بغيره وفى الحقيقة انتهاء الحكم لانتهاء علته او انتهاء كونها مظنة للمقصد الاصلى اولحدوث مانع من العلية اوظهور ترجيح حكم اخر على النبى صلى الله تعالى عليه وسلم بالوحى الجلى او باجتهاده وهذا اذا كان الاول اجتهاديا، قال الله تعالى فى حديث المعراج، مايبدل القول لدى واذا لم يكن للجمع والتاويل مساغ، ولم يعرف النسخ تحقق التعارض فان ظهر ترجيح احدهما اما بمعنى فى السند من كثرة الرواة وفقه الراوى وقوة الاتصال، وتصريح صيغة الرفع وكون الراوى صاحب المعاملة بان يكون هو المستفتى او المخاطب والمباشر او بمعنى فى المتن من التاكيد والتصريح او بمعنى فى الحكم وعلته من كونه مناسبا بالاحكام الشرعية، وكونها علة شديدة المناسبة عرف تاثيرها، او من خارج من كونه متمسك اكثر اهل العلم اخذ بالراجح والا تساقطا، وهى صورة مفروضة لا تكاد توجد، وقول الصحابى امر ونهى وقضى ورخص، ثم قوله: امرنا ونهينا ثم قوله من السنة كذا، وعصى ابا القاسم، من فعل كذا، ثم قوله هذا حكم النبى ظاهر فى الرفع ويحتمل طرق اجتهاد فى تصوير العلة المدار

ہوں کفایت نہیں کرتا، اور نسخ جن امور میں کہ وہ ظاہر کرتے ہیں ایک حکم کو دوسرے حکم کے ساتھ تبدیل کر دینا ہے اور درحقیقت وہ ایک حکم کا ختم ہوجانا ہے یا تو اس وجہ سے کہ علت ختم ہوگئی یا مقصود اصلی کے لئے اس علت کا مظنہ ہونا ختم ہوگیا یا علت کے ظاہر ہونے سے کوئی امر مانع پیش آگیا یا وحی خداوندی کی وجہ سے یا آپ کے اجتہاد کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دوسرے حکم کی ترجیح ظاہر ہوگئی ہو اور اس قسم کی ترجیح اس وقت ہوتی ہے جبکہ پہلا حکم اجتہادی ہو حدیث معراج میں خدا تعالے فرماتا ہے "میرے ہاں قول میں تبدیلی نہیں ہوتی"۔

اور جب دونوں حدیثوں کے جمع کرنے کی گنجائش نہ ہو اور نہ ہی تاویل کی گنجائش ہو اور نسخ بھی معلوم نہ ہو تو ان حدیثوں میں تعارض پایا جائے گا پس اگر ان میں سے ایک کی ترجیح ثابت ہوگی تو راجح کو اختیار کیا جائے گا ورنہ دونوں حدیثیں ساقط ہوجائیں گی، اور ترجیح یا تو سند کی وجہ سے ہوتی ہے کہ اس کے راوی زیادہ اور فقیہ ہوں اور وہ حدیث متصل ہو اور اس کے مرفوع ہونے کی تصریح ہو اور راوی کا خود اس حدیث کا تعلق ہو کہ اس نے خود فتوی دریافت کیا ہو یا اس سے خطاب کیا گیا ہو یا اس فعل کو جو اس میں مذکور ہے وہ اپنے عمل میں لایا ہو، اور یا ترجیح اس وجہ سے ہوتی ہے کہ نفس حدیث میں کوئی امر موکد و مصرح ہو یا ترجیح حکم اور اس کی علت کی وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ حکم احکام شرعیہ کے مناسب ہو اور اس علت کو ان احکام سے اتنا شدید تعلق ہو کہ اس علت کی تاثیر پہچانی جاتی ہو یا ترجیح کسی خارجی امر کی وجہ سے ہوتی ہے جس کو اکثر اہل علم نے قبول کیا ہو، اور حدیثوں کے ساقط ہونے کی صورت محض فرضی ہے ایسی حدیثیں تقریباً معدوم ہیں، اور صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور منع کیا، اور آپ نے فیصلہ کیا اور آپ نے رخصت دی، اس کے بعد یہ کہنا کہ ہم کو یہ حکم دیا گیا اور ہم کو اس سے منع کیا گیا پھر یہ کہنا کہ یہ امر مسنون ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی پھر یہ کہنا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے تو اس سے بظاہر مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے علت کو حکم کا مدار علیہ خیال کرکے اپنے اجتہاد کو دخل دیا ہو یا حکم کی خود تعیین کردی ہو کہ وہ

واجب ہے یا مستحب، عام ہے یا خاص، اور صحابی کا یہ کہنا کہ
آں حضرت ایسا کیا کرتے تھے' اس سے کسی کام کو چند بار کرنا ظاہر
ہوتا ہے اور کسی دوسرے صحابی کا یہ کہنا کہ آپ دوسرا فعل کیا کرتے
تھے' اس پہلے فعل کے منافی نہیں ہے۔ اور صحابی کا یہ کہنا کہ میں
آپ کی صحبت میں رہا اور میں نے آپ کو منع کرتے نہیں دیکھا' یا
یہ کہنا کہ ہم آپ کے عہد میں اس فعل کو کرتے تھے تو اس سے اس حکم
کا ثبوت ظاہر ہوتا ہے اور وہ نص نہیں ہو سکتا، اور کبھی روایتوں
اور طرق کے اختلاف سے احادیث کے الفاظ میں اختلاف ہو جاتا
ہے اور یہ اختلاف حدیث کی نقل بالمعنی کی وجہ سے ہوتا ہے،
پس اگر کوئی حدیث ایسی وارد ہو کہ ثقات کا اس کے الفاظ میں
اختلاف نہ ہو تو ظاہراً یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہونگے
اور ان الفاظ کی تقدیم و تاخیر سے، واؤ اور فاء سے اور ایسے ہی
ان معانی سے جو اصل مراد سے زائد ہوں استدلال ہو سکتا ہے
اور اگر راویوں نے باہم ایسا اختلاف کیا ہے جن احتمال ہو سکتا ہے
اور وہ سب فقاہت، حفظ اور کثرت میں ہم مرتبہ ہوں تو اس
امر کا ظہور ساقط ہو جائے گا کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے الفاظ ہیں، پس صرف اسی معنی سے استدلال ہو سکے گا جس کو
بالاتفاق سب نے بیان کیا ہوگا، اور عام رواۃ صرف اصل معانی کا
اعتبار کیا کرتے تھے حواشی اور زوائد کا لحاظ نہیں کرتے تھے،
اور اگر راویوں کے مراتب میں اختلاف ہو تو اس قول کو لیا جائے
گا جو ثقہ سے منقول ہے یا اکثر سے منقول ہے یا اس شخص سے
منقول ہے جو واقعہ سے خوب واقف ہے، اور اگر کسی ثقہ کے
قول میں کوئی زائد بات نہایت ضبط کے ساتھ منقول ہو تو اس کو
لیا جائے گا جیسے راوی کا یہ قول کہ حضرت عائشہ نے 'وثب' کا
لفظ فرمایا اور 'قام' کا لفظ نہیں کہا، اور حضرت عائشہ نے فرمایا
کہ آں حضرت نے اپنی جلد پر پانی بہایا اور یہ نہیں کہا کہ آنحضرت
نے غسل کیا، اور اگر راویوں نے روایت حدیث میں بہت زیادہ اختلاف
کیا ہو اور وہ سب رتبہ میں برابر ہوں اور کوئی مرجح نہ ہو تو وہ خصوصیات
جن میں اختلاف ہے ساقط ہو جائیں گی اور اگر حدیث مرسل کے ساتھ اگر
کوئی قرینہ مل جائے [illegible]

علیها او تعیین الحکم من الوجوب و
الاستحباب او عمومه وخصوصه،
وقوله کان یفعل کذا ظاهر فی تعدد
الفعل، ولا ینافیه قول الآخر کان
یفعل غیره، وقوله صحبته فلم اره
ینهی، وکنا نفعل فی عهده ظاهر فی
التقریر ولیس نصا، وقد تختلف صیغ
حدیث لاختلاف الطرق، وذلك من
جهة نقل الحدیث بالمعنی، فان جاء
حدیث ولم یختلف الثقات فی لفظه
کان ذلك لفظه صلی الله تعالی علیه و
سلم ظاهرا، وامکن الاستدلال بالتقدیم
والتاخیر والواو والفاء ونحو ذلك من
المعانی الزائدة علی اصل المراد، وان
اختلفوا اختلافا محتملا وهم متقاربون
فی الفقه والحفظ والکثرة سقط الظهور
فلا یمکن الاستدلال بذلك الا علی
المعنی الذی جاءوا به جمیعا، وجمهور
الرواة کانوا یعتنون برءوس المعانی
لا بحواشیها، وان اختلفت مراتبهم
اخذ بقول الثقة والاکثر والاعرف
بالقصة، وان اشعر قول الثقة بزیادة
الضبط مثل قوله قالت - وثب - وما
قالت - قام - وقالت - افاض علی
جلده الماء - وما قالت - اغتسل
اخذ به، وان اختلفوا اختلافا فاحشا
وهم متقاربون ولا مرجح سقطت
الخصوصیات المختلف فیها، والمرسل
ان اقترن بقرینة مثل ان یعتضد

کسی صحابی کی حدیث موقوف سے اس میں قوت آگئی ہو یا کسی صحابی کی سند ضعیف سے یا کسی دوسرے راوی کی مرسل حدیث سے اس کی تائید ہوگئی ہو اور راوی دونوں کے مختلف ہوں یا اکثر اہل علم کے قول یا قیاس صحیح یا نص کے ایماء سے اس کی تائید ہوگئی ہو یا یہ معلوم ہو جائے کہ یہ راوی سوائے ثقہ کے حدیث کو بطریقِ ارسال بیان نہیں کرتا تو ان سب صورتوں میں اس حدیثِ مرسل کو قابلِ حجت سمجھنا صحیح ہوگا لیکن ایسی حدیث مسند سے کم درجہ کی ہوگی، اور اگر اس مرسل کی ایسی حالت نہیں ہے تو وہ قابلِ حجت نہیں ہے، اور اسی طرح وہ حدیث جس کو کوئی قاصر الضبط جو متہم نہ ہو یا مجہول الحال روایت کرے تو مذہب مختار یہ ہے کہ وہ حدیث مقبول ہوگی بشرطیکہ کوئی قرینہ بھی اس کے ساتھ ہو مثلاً قیاس کے موافق ہو یا اکثر اہل علم کا اس پر اتفاق ہو اور اگر ایسا نہیں ہے تو قابلِ قبول نہ ہوگی، اور جب کوئی راوی ایسی بات حدیث میں زاید بیان کرے جس پر اور راوی سکوت کر سکتے ہوں تو ایسی زیادتی مقبول ہوگی مثلاً حدیث مرسل کی اسناد بیان کرنا یا اسناد میں کسی راوی کو زیادہ بیان کرنا یا حدیث کا مورد بیان کرنا یا روایت اور درازی کلام کا سبب بیان کرنا اور یا کوئی مستقل جملہ ذکر کرنا جس سے کلام کے معنی میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی ہو، اور اگر اس کی زیادتی پر دوسرے رواۃ کا سکوت کرنا ممتنع ہو تو وہ زیادتی مقبول نہ ہوگی مثلاً ایسی زیادتی کرنا جو معنی کو بدل دے یا کوئی ایسی نادر شئی زیادہ کرنا جس کا ذکر کرنا عادۃً ترک نہیں ہوتا، اور جب کوئی صحابی حدیث کو کسی موقع پر محمول کرے تو اس میں اگر اجتہاد کو دخل ہے تو وہی حمل کرنا ظاہر سمجھا جائے گا یہاں تک کہ اس حمل کے خلاف کوئی دلیل قائم ہو جائے اور اگر اجتہاد کو اس میں دخل نہ ہو تو یہ حمل کرنا قوی ہوگا اور اس کو ایسا قرار دیا جائے گا جیسے کوئی عاقل زبان داں قرائنِ حالیہ یا قالیہ کی وجہ سے کوئی معنی خاص متعین کرتا ہے، اور اگر صحابہ و تابعین کے آثار میں اختلاف واقع ہو جائے تو مذکورہ بالا وجوہ سے اگر ان میں جمع ممکن ہے تو بہتر ہے ورنہ یہ سمجھا جائے گا

بموقوف صحابی او مسنده الضعيف او مرسل غيره، والشيوخ متغايرة او قول اكثر اهل العلم او قياس صحيح او ايماء من نص او عرف انه لا يرسل الا عن عدل صح الاحتجاج به وكان نازلا من المسند والا لا، و كذلك الحديث الذي يرويه قاصر الضبط غير متهم او مجهول الحال المختار انه يقبل ان اقترن بقرينة مثل موافقة القياس او عمل اكثر اهل العلم والا لا، واذا تفرد الثقة بزيادة لا يمتنع سكوت الباقين عنها فهي مقبولة كاسناد المرسل وزيادة رجل في الاسناد، وذكر مورد الحديث وسبب الرواية و اطناب الكلام وايراد جملة مستقلة لا تغير معنى الكلام وان امتنع كالزيادة المغيرة للمعنى او نادرة لا يترك ذكرها عادة لم يقبل و اذا حمل الصحابي حديثا على محمل فان كان للاجتهاد فيه مساغ كان ظاهرا في الجملة الى ان تقوم الحجة بخلافه والا كان قويا كما اذا كان فيما يعرفه العاقل العارف باللغة من القرائن الحالية والقالية، اما اختلاف آثار الصحابة والتابعين، فان تيسر الجمع بينها ببعض الوجوه المذكورة سابقا فذلك، والا

کہ اس مسئلہ میں دو یا دو سے زیادہ اقوال ہیں، اس کے بعد یہ دیکھا جائے گا کہ ان میں سے کون سا زیادہ صحیح ہے اور مذاہب صحابہ کا ماخذ معلوم کرنا ایک مخفی علم ہے اس کے معلوم کرنے میں خوب کوشش کرو اس سے تم کو بڑا فائدہ پہنچے گا، واللہ اعلم۔

تتمہ

پہلا باب (۸۱) :- فروعات میں صحابہ اور تابعین کے اختلاف کے اسباب کا بیان

واضح ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد شریف میں نہ تو احکام فقہ جمع ہوئے تھے اور نہ اس وقت مسائل میں ایسی بحثیں ہوتی تھیں جیسی یہ فقہاء کرتے ہیں کہ نہایت کوشش سے ارکان و شروط اور ہر شئی کے آداب ایک دوسرے سے جدا جدا مع دلائل کے بیان کرتے ہیں اور صورتیں فرض کر کے ان مفروضہ صورتوں میں گفتگوئیں کرتے ہیں اور جو حد کے قابل ہے اس کی حد بیان کرتے ہیں اور جو حصر کے قابل ہے اس کا حصر کرتے ہیں اور اسی قسم کے بہت سے امور کرتے ہیں لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں، پس آپ وضو کرتے تھے اور صحابہ آپ کے وضو کو دیکھکر اس پر عمل کرتے تھے۔ بغیر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریح کے کہ یہ رکن ہے اور وہ مستحب ہے،

اور آپ نماز پڑھتے تھے پس صحابہ جس طرح آپ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتے تھے اسی طرح خود بھی نماز پڑھتے تھے،

اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حج کیا پس لوگوں نے بھی دیکھکر ویسے ہی افعال حج ادا کئے جیسے آپ نے ادا کئے، پس غالب حال آپ کا یہی تھا، آپ نے اس کی تشریح نہیں

كانت المسألة على قولين او اقوال فينظر أيها اصوب، ومن العلم المكنون معرفة ماخذ مذاهب الصحابة فاجتهد تنل منه حظا والله اعلم۔

تتمة

باب اسباب اختلاف الصحابة والتابعين في الفروع

اعلم ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لم يكن الفقه في زمانه الشريف مدوّنا، ولم يكن البحث في الاحكام يومئذ مثل البحث من هؤلاء الفقهاء حيث يبينو باقصى جهدهم الاركان والشروط وآداب كل شئ ممتازا عن الآخر بدليله، ويفرضون الصور ويتكلمون على تلك الصور المفروضة، ويحدّون ما يقبل الحد ويحصرون ما يقبل الحصر الى غير ذلك من صنائعهم، اما رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فكان يتوضأ فيرى الصحابة وضوءه فياخذون به من غير ان يبين ان هذا ركن وذلك ادب، وكان يصلي فيرون صلاته فيصلون كما راوه يصلي، وحج فرمق الناس حجه ففعلوا كما فعل، فهذا كان غالب حاله صلى الله تعالى عليه وسلم ولم يبين ان

کی کہ وضو میں فرائض چھ ہیں یا چار ہیں اور نہ آپ نے اس احتمال کو فرض کیا کہ انسان بغیر پے در پے کے وضو کرے تاکہ اس کے صحیح یا فاسد ہونے کا حکم کیا جائے اِلّا ماشاء اللہ، اور صحابہ اس قسم کی باتیں آپ سے بہت کم دریافت کرتے تھے، حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ میں نے اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بہتر کسی قوم کو نہیں دیکھا انہوں نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے آپ کی وفات تک صرف تیرہ مسئلے دریافت کئے جو سب کے سب قرآن میں موجود ہیں، ان مسائل میں سے یہ ہے :۔ لوگ آپ سے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے اس مہینہ میں لڑنا بڑی برائی ہے، اور آپ سے حیض کا حال دریافت کرتے ہیں،

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ صحابہ وہی امور دریافت کرتے تھے جو مفید ہوتے تھے، حضرت عبداللہ ابن عمر کا قول ہے کہ وہ امور مت دریافت کرو جو ابھی تک ہوئے نہ ہوں اس واسطے کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب کو اس شخص پر لعنت کرتے سنا ہے جو ایسی باتیں دریافت کرے جو ابھی تک وقوع میں نہ آئی ہوں، قاسم کہتے ہیں کہ تم ایسی باتیں دریافت کرتے ہو جن کو ہم دریافت نہیں کیا کرتے تھے اور ایسی باتوں کی تفتیش کرتے ہو جن کی ہم تفتیش نہیں کیا کرتے تھے، تم وہ امور دریافت کرتے ہو جن کو ہم نہیں جانتے اور اگر ہم ان کو جانتے تو ان کو چھپانا ہم کو جائز نہ تھا، عمر ابن اسحٰق سے مروی ہے کہ میں اصحاب رسول اللہ صلعم میں جن سے ملا ہوں اُن کی تعداد ان سے زیادہ تھی جو مجھ سے پہلے گذر چکے تھے، میں نے کسی قوم کو نہیں پایا جن کی روش میں ان سے زیادہ آسانی اور ان سے کم سختی ہو، عبادہ بن بسر کندی سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے اس عورت کا حال دریافت کیا جو ایک قوم کے ساتھ مرگئی تھی اور اس کا کوئی ولی نہ رہا تھا پس انہوں نے کہا میں بہت سے لوگوں سے

فروض الوضوء ستة او اربعة ولم يفرض انه يحتمل ان يتوضأ انسان بغير موالاة حتى يحكم عليه بالصحة او الفساد الا ما شاء الله وقلما كانوا يسألونه عن هذه الاشياء، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: ما رايت قوما كانوا خيرا من اصحاب رسول الله صلے الله عليه وسلم ما سألوه عن ثلاث عشرة مسألة حتى قبض كلهن في القرآن منهن يسألونك عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير، ويسألونك عن المحيض، قال ما كانوا يسألون الا عما ينفعهم، قال ابن عمر لا تسأل عما لم يكن فاني سمعت عمر بن الخطاب يلعن من سأل عما لم يكن - قال القاسم انكم تسألون عن اشياء ما كنا نسأل عنها وتنقرون عن اشياء ما كنا ننقر عنها- تسألون عن اشياء ما ادري ما هي ولو علمناها ما حل لنا ان نكتمها، عن عمر بن اسحاق قال: لمن ادركت من اصحاب رسول الله صلے الله عليه وآله وسلم اكثر ممن سبقني منهم فما رايت قوما ايسر سيرة ولا اقل تشديدا منهم وعن عبادة بن بسر الكندي، و سئل عن امراة ماتت مع قوم ليس لها ولي، فقال: ادركت اقواما

ملاہوں جو تمہاری طرح سختی نہیں کرتے تھے اور تمہاری طرح مسائل دریافت نہیں کرتے تھے، ان آثار کو دارمی نے روایت کیا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے واقعات کے متعلق لوگ دریافت کیا کرتے تھے تو آپ بتلادیا کرتے تھے اور آپ کے پاس قضایا آتے تھے پس آپ فیصلے کردیا کرتے تھے، اور لوگوں کو کوئی اچھا کام کرتے ہوئے دیکھتے تھے تو ان کی تعریف کرتے تھے اور اگر برا کام کرتے ہوئے دیکھتے تھے تو منع کرتے تھے، اور جب کبھی آپ نے کسی مستفتی کو فتویٰ دیا یا کسی قضیہ کا فیصلہ کیا یا کسی کام کرنے والے کو منع کیا تو یہ سب کچھ مجلسوں میں ہوتا تھا اور یہی حالت شیخین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی تھی، جب ان کو کسی مسئلہ کا علم نہ ہوتا تھا تو لوگوں سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث دریافت کرتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے جدہ کے حصہ کے متعلق کوئی حکم نہیں سُنا اور لوگوں سے انہوں نے اس کو دریافت کیا، ظہر کی نماز سے فارغ ہوکر فرمایا تم میں سے کسی نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے جدہ کے بارے میں کچھ سُنا ہے؟ مغیرہ ابن شعبہ نے کہا میں نے سنا ہے، حضرت ابوبکر نے فرمایا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا تھا، انہوں نے کہا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جدہ کو چھٹا حصہ دلوایا تھا، حضرت ابوبکر نے فرمایا تمہارے سوا کوئی اور شخص بھی اس کو جانتا ہے؟ محمد بن سلمہ نے کہا مغیرہ سچ کہتے ہیں، تب ابوبکرؓ نے جدہ کو چھٹا حصہ دلوایا، اور ایسے ہی قصہ ہے حضرت عمر کا غلام آزاد کرنے کی بابت لوگوں سے سوال کرنا اور مغیرہ کی خبر کی طرف رجوع کرنا اور لوگوں سے وبا کے متعلق دریافت کرنا اور عبدالرحمن ابن عوف کی خبر کی جانب رجوع کرنا، اور ایسے ہی مجوس کے قصہ میں حضرت عبدالرحمن ابن عوف کی خبر کی طرف رجوع کرنا،

ما كانوا يشددون تشديدكم ولا يسالون مسائلكم، اخرج هذه الآثار الدارمي، وكان صلى الله عليه وسلم يستفتيه الناس في الوقائع فيفتيهم فترفع اليه القضايا فيقضي فيها ويرى الناس يفعلون معروفا فيمدحه او منكرا فينكر عليه، وكلما افتى به مستفتيا او قضى به في قضية او انكره على فاعله، كان في الاجتماعات، وكذلك كان الشيخان ابو بكر وعمر اذا لم يكن لهما علم في المسالة يسالون الناس عن حديث رسول الله صلى الله عليه واله وسلم وقال ابو بكر رضي الله عنه: ما سمعت رسول الله صلى الله عليه واله وسلم قال فيها شيئا يعني الجدة - وسال الناس، فلما صلى الظهر قال ايكم سمع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال في الجدة شيئا؟ فقال المغيرة بن شعبة انا قال ماذا قال؟ قال اعطاها رسول الله صلى الله عليه وسلم سدسا، قال ايعلم ذالك احد غيرك؟ فقال محمد ابن سلمة: صدق فاعطاها ابو بكر السدس، وقصة سوال عمر الناس في الغرة ثم رجوعه الى خبر مغيرة وسواله اياهم في الوباء ثم رجوعه الى خبر عبد الرحمن بن عوف وا كذا رجوعه في قصة المجوس الى

اور جب عبداللہ ابن مسعود کی رائے سے معقل ابن یسار کی خبر مطابق ہوگئی تھی تو عبداللہ ابن مسعود کا خوش ہونا اور ایسے ہی ابوموسیٰ کا حضرت عمرؓ کے دروازہ سے واپس چلا جانا اور حضرت عمرؓ کا ان سے حدیث دریافت کرنا اور ابوسعیدؓ کا ان کی تصدیق کرنا، اور اسی طرح کے بے شمار قصے معلومہ ہیں جو صحیحین اور سُنن میں مروی ہیں،

حاصل کلام یہ ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عادتِ حمیدہ یہی تھی، ہر صحابی نے جس قدر اس کو توفیق الہٰی ہوئی آپ کی عبادت، فتاوٰی اور فیصلوں کو دیکھا پس ان کو خوب حفظ کرلیا اور سمجھ لیا اور قرائن سے ہر ایک کی وجہ بھی معلوم کرلی، اور ان امارات اور قرائن کی وجہ سے جو اس صحابی کو معلوم تھے بعض امور کو اباحت پر اور بعض کو نسخ پر محمول کیا،

صحابہ کی نظر میں سوائے اطمینانِ قلب اور یقین کے کوئی پسندیدہ امر نہیں تھا، ان کو استدلال کے طریقوں کی طرف زیادہ توجہ نہ تھی جیسے تم اعراب کی حالت دیکھتے ہو کہ وہ باہم مقصودِ کلام کو سمجھتے ہیں اور تصریح یا اشارہ سے ان کو اطمینانِ قلب حاصل ہو جاتا ہے اور ان کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ ان کو کیسے اطمینان حاصل ہوگیا،

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دور مبارک ختم ہوگیا اور صحابہ اسی حالت پر رہے، آپ کے بعد صحابہ تمام بلاد میں پھیل گئے اور ہر شخص ایک ایک حصہ کا مقتدیٰ اور رہبر ہوگیا پس واقعات زیادہ پیش آتے گئے اور لوگوں نے مسائل دریافت کرنے شروع کئے، ہر صحابی نے اپنی یادداشت اور استنباط کے موافق جواب دیا، اور اگر انہوں نے اپنی یادداشت اور استنباط میں کوئی امر جواب کے قابل نہ پایا تو اپنی رائے سے اجتہاد کیا اور اسی علت کو معلوم کیا جس کو

خبره، وسرور عبد الله بن مسعود وبخبر معقل بن يسار لما وافق رايه وقصة رجوع ابي موسى عن باب عمر وسواله عن الحديث، وشهادة ابي سعيد له، وامثال ذلك كثيرة معلومة مروية في الصحيحين و السنن، وبالجملة فهذه كانت عادته الكريمة صلى الله عليه و اله وسلم فراى كل صحابي ما يسره الله له من عبادته وفتاواه و اقضيته فحفظها وعقلها وعرف لكل شئ وجها من قبل حفوف القرائن به فحمل بعضها على الاباحة وبعضها على النسخ لامارات وقرائن كانت كافية عنده، ولم يكن العمدة عندهم الا وجدان الاطمئنان والثلج من غير التفات الى طرق الاستدلال كما ترى الاعراب يفهمون مقصود الكلام فيما بينهم وتثلج صدورهم بالتصريح والتلويح و الايماء من حيث لا يشعرون، فانقضى عصره الكريم وهم على ذلك ثم انهم تفرقوا في البلاد وصار كل واحد مقتدى ناحية من النواحي فكثرت الوقائع ودارت المسائل فاستفتوا فيها فاجاب كل واحد حسبما حفظه او استنبط وان لم يجد فيما حفظه او استنبط ما يصلح للجواب اجتهد برايه وعرف العلة التي

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے مصرح احکام میں مدار علیہ قرار دیا تھا، پس انہوں نے جہاں اس علت کو پایا وہیں اس کا حکم متعین کردیا، اور علم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض کے موافق کرنے میں کوئی کمی نہ کی پس اس وقت انکے درمیان اختلاف کے چند پہلو ہو گئے جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک صحابی نے ایک معاملہ میں کوئی حکم یا فتویٰ سُن لیا اور دوسرے نے اس کو نہیں سُنا اس واسطے اس دوسرے نے اپنی رائے سے اس میں اجتہاد کیا اور اس اجتہاد کے بھی کئی طریقے ہو گئے، اول یہ ہے کہ اس کا اجتہاد اس حدیث کے موافق ہو گیا اس کی مثال وہ حدیث ہے جو نسائی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ عبداللہ ابن مسعود سے کسی نے مسئلہ دریافت کیا کہ ایک عورت کا خاوند مر گیا اور اس نے اس کے لئے کچھ مہر مقرر نہیں کیا تھا انہوں نے کہا میں نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کے بارے میں کوئی فتویٰ دیتے نہیں دیکھا ہے لیکن لوگ ایک ماہ تک ان کے پاس آتے جاتے رہے اور اصرار کرتے رہے، تب انہوں نے اپنی رائے سے اجتہاد کر کے فیصلہ دیا کہ اس کو اس کے خاندان کی عورتوں کے برابر مہر ملے گا نہ اس سے کم اور نہ زیادہ، اور اس کے لئے عدت ضروری ہے اور اس کو ورثہ ملے گا، اس کو سُنکر معقل ابن یسار نے کھڑے ہو کر شہادت دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک عورت کے حق میں ایسا ہی فیصلہ دیا تھا اس سے عبداللہ ابن مسعود ایسے خوش ہوئے کہ بعد اسلام کے کبھی اتنے خوش نہیں ہوئے تھے،

دوئم یہ ہے کہ دو صحابیوں میں باہم مناظرہ واقع ہوا اور حدیث اس طرح ظاہر ہو جائے جس کے ہونے کا گمان غالب ہو وہ صحابی اپنے اجتہاد سے اس حدیث مسموع کی جانب رجوع کرے اس کی مثال وہ حدیث ہے جو ائمہ نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ کا مذہب تھا کہ جسے جنابت کی حالت میں صبح کی ہو اس پر روزہ نہیں ہے

ادار رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عليها الحكم في منصوصاته فطرد الحكم حيثما وجدها لا يألو جهدا في موافقة غرضه عليه الصلوٰة والسلام فعند ذلك وقع الاختلاف بينهم على ضروب، منها ان صحابيا سمع حكما في قضية او فتوى ولم يسمعه الاخر فاجتهد برايه في ذلك وهذا على وجوه، احدها ان يقع اجتهاده موافق الحديث، مثاله ما رواه النسائي وغيره ان ابن مسعود رضي الله عنه سئل عن امراة مات عنها زوجها ولم يفرض لها فقال لم ار رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقضي في ذلك فاختلفوا عليه شهرا والحوا فاجتهد برايه وقضى بان لها مهر نسائها لا وكس ولا شطط وعليها العدة ولها الميراث فقام معقل بن يسار فشهد بانه صلى الله عليه وسلم قضى بمثل ذلك في امراة منهم ففرح بذلك ابن مسعود فرحة لم يفرح مثلها قط بعد الاسلام، ثانيها ان يقع بينهما المناظرة ويظهر الحديث بالوجه الذي يقع به غالب الظن فيرجع عن اجتهاده الى المسموع، مثاله ما رواه الائمة من ان ابا هريرة رضي الله عنه كان من مذهبه انه من اصبح جنبا فلا صوم له

یہانتک کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعض ازواج نے ان کے مذہب کے خلاف حدیث بیان کی تب حضرت ابوہریرہ نے اپنے مذہب سے رجوع کیا،

سوم یہ ہے کہ صحابی کو حدیث پہنچے لیکن اس طرح سے ظاہر نہ ہو جس سے اس کے حدیث ہونے کا ظن غالب ہو اس واسطے وہ صحابی اپنے اجتہاد کو ترک نہ کرے بلکہ حدیث میں طعنہ کرے، اس کی مثال وہ حدیث ہے جو اصحاب اصول نے روایت کی ہے کہ فاطمہ بنت قیس نے حضرت عمر ابن الخطاب کے پاس حاضر ہو کر شہادت دی کہ اس کو تین طلاقیں خاوند نے دی تھیں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے نفقہ اور مکان نہیں دلایا لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی شہادت کو قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ میں اس عورت کے قول سے کتاب اللہ کو نہیں چھوڑ سکتا ہوں، ہم کو معلوم نہیں ہے کہ یہ عورت سچی ہے یا جھوٹی ہے، بے شک مطلقہ کے لئے نفقہ اور مکان ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فاطمہ سے فرمایا کہ تو خدا سے خوف نہیں کرتی یعنی اپنے قول میں۔ اس کی دوسری مثال وہ ہے جو بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کا مذہب تھا کہ جس جنبی کو پانی نہ ملے اس کے لئے تیمم کافی نہیں ہے تب ان کے سامنے عمار ابن یاسر نے کہا کہ میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں شریک تھا اور مجھ کو غسل کی ضرورت ہوئی اور پانی نہ ملا پس میں خاک میں لوٹا، اس کے بعد یہ بات آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو میں نے بیان کی پس آپ نے فرمایا "تم کو ایسا کرنا کافی تھا اور آپ نے زمین پر دونوں ہاتھ مار کر اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح کر لیا" لیکن حضرت عمرؓ نے اس حدیث کو تسلیم نہیں کیا اور ایک مخفی اعتراض کی وجہ سے جو حدیث میں ان کو معلوم ہوا انہوں نے اس حدیث کو حجت قرار نہیں دیا

حتی اخبرته بعض ازواج النبی صلی الله علیه وآله وسلم بخلاف مذهبه فرجع؛

وثالثها ان یبلغه الحدیث ولکن لا علی الوجه الذی یقع به غالب الظن فلم یترك اجتهاده بل طعن فی الحدیث، مثاله ما رواه اصحاب الاصول من ان فاطمة بنت قیس شهدت عند عمر بن الخطاب بانها کانت مطلقة الثلاث فلم یجعل لها رسول الله صلی الله علیه وسلم نفقة ولا سکنی، فرد شهادتها وقال لا اترك کتاب الله بقول امراة لا ندری اصدقت ام کذبت لها النفقة والسکنی وقالت عائشة رضی الله عنها لفاطمة الا تتقی الله یعنی فی قولها لا سکنی ولا نفقة ومثال الآخر روی الشیخان انه کان من مذهب عمر بن الخطاب ان التیمم لا یجزئ للجنب الذی لا یجد ماء فروی عنده عمار انه کان مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فی سفر فاصابته جنابة ولم یجد ماء فتمعك فی التراب فذکر ذلك لرسول الله صلی الله علیه وسلم فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم انما کان یکفیك ان تفعل هکذا وضرب بیدیه الارض فمسح بهما وجهه ویدیه فلم یقبل عمر ولم ینهض عنده حجة لقادح خفی

لیکن دوسرے طبقہ میں بہت سے طریقوں سے اس حدیث کی شہرت ہوگئی اور معترض کا وہم ضعیف ہوگیا اس واسطے سب نے اس پر عمل کیا،

چہارم یہ ہے کہ صحابی کو حدیث پہنچی ہی نہیں اس کی مثال یہ ہے کہ مسلم نے روایت کی ہے کہ عبد اللہ ابن عمر عورتوں کو غسل کے وقت حکم کرتے تھے کہ سر کے بالوں کو کھول لیا کریں، پس حضرت عائشہ نے یہ بات سُنی اور فرمایا:۔ ابن عمر سے تعجب ہے کہ وہ عورتوں کو سر کھولنے کا حکم دیتے ہیں ان کو سر منڈوانے کا حکم کیوں نہیں دیدیتے، یقیناً میں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے نہایا کرتے تھے اور میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتی تھی کہ اپنے سر پر تین بار پانی بہادیا کرتی تھی، اس کی دوسری مثال وہ ہے جس کو امام زہری نے روایت کی ہے کہ ہندہ کو مستحاضہ کے لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے نماز کی رخصت کا علم نہ تھا اس واسطے وہ نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے رویا کرتی تھیں،

اور صحابہ میں اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے آں حضرت کو کوئی فعل کرتے ہوئے دیکھا پس بعض نے عبادت پر اور بعض نے اباحت پر اس کو محمول کیا، اس کی مثال وہ حدیث ہے جو اصحاب اصول نے حج کرنے کے بعد مقام ابطح میں قیام کرنے کے متعلق روایت کی ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ قیام فرمایا تھا پس ابو ہریرہ؄ اور عبد اللہ ابن عمر؄ نے کہا کہ آپ عبادت کے طور پر وہاں ٹھیرے تھے، اس واسطے انہوں نے سنن حج میں اس کو شمار کیا اور حضرت عائشہ؄ اور عبد اللہ ابن عباس نے کہا کہ یہ ٹھیرنا محض اتفاقی امر تھا اور سنن حج میں داخل نہیں ہے اور دوسری مثال یہ ہے کہ

داه فيه حتى استفاض الحديث في الطبقة الثانية من طرق كثيرة ، و اضمحل وهم القادح فاخذوا به ٭

ورابعها ان لا يصل اليه الحديث اصلاً، مثاله ما اخرج مسلم ان ابن عمر كان يامر النساء اذا اغتسلن ان ينقضن رءوسهن فسمعت عائشة بذلك فقالت يا عجبا لابن عمر هذا يامر النساء ان ينقضن رءوسهن افلا يامرهن ان يحلقن رءوسهن لقد كنت اغتسل انا و رسول الله صلى الله عليه و سلم من اناء واحد و ما ازيد على ان افرغ على راسي ثلاث افراغات - مثال اخر ما ذكره الزهري من ان هند لم تبلغها رخصة رسول الله صلى الله عليه و سلم في المستحاضة فكانت تبكي لانها كانت لا تصلي ، و من تلك الضروب ان يروا رسول الله صلى الله عليه و سلم فعل فعلا فحمله بعضهم على القربة ، وبعضهم على الاباحة ، مثاله ما رواه اصحاب الاصول في قضية التحصيب اى النزول بالابطح عند النفر- نزل رسول الله صلى الله عليه و سلم به فذهب ابو هريرة وابن عمر الى انه على وجه القربة فجعلوه من سنن الحج ، وذهبت عائشة وابن عباس الى انه كان على وجه الاتفاق وليس من السنن - ومثال اخر

جمہور کا مسلک ہے کہ طواف میں رمل کرنا سنت ہے اور عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقی طور پر ایک امر عارض کی وجہ سے کیا تھا اور وہ یہ ہے کہ مشرکین نے کہا تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کے بخار نے کمزور کر دیا ہے اور یہ رمل کرنا سنت نہیں ہے،

اور صحابہ کے اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہم کے اختلاف سے ان میں اختلاف ہو گیا، اس کی مثال یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حج کیا اور لوگوں نے آپ کو دیکھا پس بعض نے خیال کیا کہ آپ متمتع تھے اور بعض نے خیال کیا کہ آپ قارن تھے اور بعض نے خیال کیا کہ آپ مفرد تھے، اس کی دوسری مثال یہ ہے: ابوداؤد نے سعید ابن جبیر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے عبداللہ ابن عباس سے کہا اے ابو العباس مجھکو تعجب ہے کہ اصحابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کے احرام باندھنے میں اختلاف کیا عبداللہ ابن عباس نے فرمایا میں اسکی حقیقت کو سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں، یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ایک حج تھا پس اس میں لوگوں کا اختلاف ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے باہر نکلے پس جب آپ نے مسجد ذوالحلیفہ میں نماز پڑھی تو اسی جگہ آپ نے احرام باندھا اور جب دونوں رکعات سے فارغ ہوئے تو تلبیہ حج کیا پس اس کو لوگوں نے سنا اور میں نے اس کو محفوظ رکھا، پھر آپ سوار ہوئے پس جب آپ کی ناقہ آپ کو لیکر کھڑی ہوئی تو آپنے تلبیہ پڑھا اور اس کو بھی لوگوں نے سُنا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے پاس لوگوں کے جدا جدا گروہ آتے تھے پس جب آپ کی اونٹنی کھڑی ہوئی تو لوگوں نے آپ کو تلبیہ پڑھتے سُنا پس ان لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تلبیہ پڑھا

ذهب الجمهور الى ان الرمل فى الطواف سنة وذهب ابن عباس الى انه انما فعله النبى صلى الله تعالى عليه واله وسلم على سبيل الاتفاق لعارض عرض وهو قول المشركين حطمهم حمى يثرب وليس بسنة، ومنها اختلاف الوهم، مثاله ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حج فراه الناس فذهب بعضهم الى انه كان متمتعا، وبعضهم الى انه كان قارنا، وبعضهم الى انه كان مفردا مثال اخر اخرج ابوداود عن سعيد ابن جبير انه قال: قلت لعبد الله ابن عباس يا ابا العباس عجبت لاختلاف اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم حين اوجب فقال انى لاعلم الناس بذلك، انها كانت من رسول الله صلى الله عليه وسلم حجة واحدة، فمن هناك اختلفوا، خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم حاجا، فلما صلى فى مسجد ذى الحليفة ركعة اوجب فى مجلسه واهل بالحج حين فرغ من ركعتيه، فسمع ذلك منه اقوام فحفظته عنه، ثم ركب فلما استقلت به ناقته اهل وادرك ذلك منه اقوام، وذلك ان الناس انما كانوا ياتون ارسالا فسمعوه حين استقلت به ناقته يهل، فقالوا: انما اهل رسول الله صلى الله عليه وسلم

جب آپ ناقہ پر سوار ہو گئے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ فرمایا پس جب بیداء کی بلندی پر چڑھے تو آپ نے تلبیہ فرمایا اور اس کو بھی لوگوں نے سنا پس انہوں نے کہا کہ آں حضرت نے تلبیہ بیداء کی بلندی سے شروع کیا، اور قسم ہے اللہ کی کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز کی جگہ سے احرام باندھا تھا اور جب اونٹنی کھڑی ہوئی تو آپ نے تلبیہ کہا تھا، اور جب بیداء کی چوٹی پر چڑھے تھے تو بھی آپ نے تلبیہ کہا تھا،

اور صحابہ میں اختلاف کی ایک وجہ سہو و نسیان بھی ہے مثلاً روایت کی گئی ہے کہ عبد اللہ ابن عمر کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رجب میں عُمرہ کیا تھا پس حضرت عائشہ نے یہ سُنکر فرمایا کہ عبد اللہ ابن عمر بھول گئے،

اور صحابہ کے اختلاف کی ایک وجہ ضبط کا مختلف ہونا ہے اس کی مثال وہ حدیث ہے جس کو حضرت عبد اللہ ابن عمر نے یا حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ مُردہ کو اس کے اہل و عیال کے رونے سے قبر میں عذاب ہوتا ہے، اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ان کو ٹھیک طور پر حدیث معلوم نہیں ہے، (اصل بات یہ ہے) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک یہودیہ کے جنازہ کے پاس سے گذرے اور اس پر اس کے گھر والے رو رہے تھے آپ نے فرمایا "یہ لوگ اس عورت پر رو رہے ہیں اور اس کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے" پس عبد اللہ ابن عمر نے خیال کیا کہ رونا عذاب قبر کی علت ہے اور سمجھا کہ یہ حکم ہر میت کے لئے عام ہے — اور وجوہ اختلاف میں سے ایک یہ ہے کہ صحابہ کا علت حکم میں اختلاف ہو جائے جیسے جنازہ دیکھکر کھڑا ہونا، پس بعض نے کہا کہ یہ قیام ملائکہ کی تعظیم کیلئے ہے اس لئے مومن اور کافر دونوں کے جنازہ کو شامل ہے اور بعض نے کہا کہ یہ قیام موت کے خوف کی وجہ سے ہے تب بھی دونوں کو شامل ہے، اور حسن ابن علی عنہما فرماتے ہیں کہ

حين استقلت به ناقته، ثم مضى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فلما علا على شرف البيداء اهل فادرك ذلك منه اقوام وقالوا انما اهل حين علا على شرف البيداء وايم الله لقد اوجب فى مصلاه واهل حين استقلت به ناقته، واهل حين علا على شرف البيداء،

ومنها اختلاف السهو والنسيان مثاله ما روى ان ابن عمر كان يقول اعتمر رسول الله صلى الله عليه وسلم عمرة فى رجب، فسمعت بذلك عائشة فقضت عليه بالسهو ❊

ومنها اختلاف الضبط، مثاله ما روى ابن عمر او عمر عنه صلى الله عليه وسلم من ان الميت يعذب ببكاء اهله عليه فقضت عائشة عليه بانه لم ياخذ الحديث على وجهه، مر رسول الله صلى الله عليه وسلم على يهودية يبكى عليها اهلها فقال انهم يبكون عليها وانها تعذب فى قبرها، فظن العذاب معلولا للبكاء فظن الحكم عاما على كل ميت ❊

ومنها اختلافهم فى علة الحكم مثاله القيام للجنازة، فقال قائل لتعظيم الملائكة فيعم المؤمن والكافر، وقال قائل لهول الموت فيعمهما، وقال الحسن بن على رضى الله عنهما مر على رسول الله صلى الله

ایک یہودی کا جنازہ آپ کے پاس سے گذرا آپ اس کو دیکھکر کھڑے ہوگئے اور آپ کو یہ مکروہ معلوم ہوا کہ وہ آپ کے سر کے اوپر سے گذرے، پس یہ حکم خاص کافر کے لئے ہے،

اور ان وجوہِ اختلاف میں سے ایک وجہ دو مختلف امور کے جمع کرنے میں صحابہ کا آپس میں اختلاف کرنا ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سالِ خیبر میں متعہ کی اجازت دیدی تھی اس کے بعد سال اوطاس میں اس کی اجازت دی اور سال اوطاس کے بعد منع فرمادیا، پس عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اجازت ضرورت کی وجہ سے تھی اور ضرورت کے رفع ہونے پر ممانعت کردی گئی اور وہی ممانعت کا حکم باقی ہے، اور جمہور علماء کا قول ہے کہ اجازت اباحت کے لئے تھی اور ممانعت نے اس اباحت کو منسوخ کردیا، اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے استنجاء کی حالت میں قبلہ کی جانب رخ کرنے سے منع فرمایا تھا پس ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے منسوخ نہیں ہوا، اور حضرت جابرؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال قبل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا کہ آپنے قبلہ کیجانب پیشاب کیا تھا پس انہوں نے سمجھا کہ اس سے پہلے نہی منسوخ ہوگئی، اور حضرت عبداللہ ابن عمر نے آنحضرت قبلہ کی جانب پشت اور شام کیجانب رخ کئے قضائے حاجت فرماتے دیکھا تھا پس اس سے انہوں نے اس جماعت کے قول کو رد کردیا اور ایک جماعت نے ان دونوں روایتوں کو جمع کیا ہے پس امام شعبی وغیرہ اس طرف گئے ہیں کہ استقبال قبلہ کی ممانعت جنگل کے ساتھ مخصوص ہے پس جب پاخانوں میں ہوں تو نہ استقبال منع ہے اور نہ استدبار، اور ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ وہ قول منع فرمانے کا عام اور محکم ہے اور آپکے فعل میں احتمال ہے کہ وہ آپ کی ذات کے ساتھ خاص ہو اس واسطے وہ نہ ناسخ ہوسکتا اور نہ مخصص ہوسکتا ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ ان طریقوں سے صحابہ کے مذاہب مختلف

عليه وسلم بجنازة يهودي فقام لها كراهية ان تعلو فوق راسه فيخص الكافر ؛

ومنها اختلافهم في الجمع بين المختلفين، مثاله رخص رسول الله صلى الله عليه وسلم في المتعة عام خيبر، ثم رخص فيها عام اوطاس ثم نهى عنها، فقال ابن عباس كانت الرخصة للضرورة، والنهي لانقضاء الضرورة والحكم باق على ذلك، وقال الجمهور كانت الرخصة اباحة والنهي نسخا لها، مثال اخر، نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن استقبال القبلة في الاستنجاء، فذهب قوم الى عموم هذا الحكم وكونه غير منسوخ، ورآه جابر يبول قبل ان يتوفى بعام مستقبل القبلة فذهب الى انه نسخ للنهي المتقدم، ورآه ابن عمر قضى حاجته مستدبر القبلة مستقبل الشام فرد به قولهم، وجمع قوم بين الروايتين فذهب الشعبي وغيره الى ان النهي مختص بالصحراء، فاذا كان في المراحيض فلا بأس بالاستقبال والاستدبار، وذهب قوم الى ان القول عام محكم، والفعل يحتمل كونه خاصا بالنبي صلى الله عليه وسلم فلا ينتهض ناسخا ولا مخصصا، و بالجملة فاختلفت مذاهب اصحاب

النبي صلى الله عليه وسلم، واخذ عنهم التابعون كذلك كل واحد ما تيسر له فحفظ ما سمع من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم و مذاهب الصحابة وعقلها وجمع المختلف على ما تيسر له، و رجح بعض الاقوال على بعض، و اضمحل في نظرهم بعض الاقوال وان كان ما ثورا عن كبار الصحابة كالمذهب الماثور عن عمر وابن مسعود في تيمم الجنب اضمحل عندهم لما استفاض على الاحاديث عن عمار و عمران بن الحصين وغيرهما فعند ذلك صار لكل عالم من علماء التابعين مذهب على حياله، فانتصب في كل بلد امام مثل سعيد بن المسيب، وسالم بن عبد الله بن عمر في المدينة وبعدهما الزهري والقاضي يحيى بن سعيد و ربيعة بن عبد الرحمن فيها، وعطاء بن ابي رباح بمكة، وابراهيم النخعي و الشعبي بالكوفة، والحسن البصري بالبصرة، وطاؤس بن كيسان باليمن ومكحول بالشام، فاظما الله اكبادا الى علومهم فرغبوا فيها واخذوا عنهم الحديث، وفتاوى الصحابة واقاويلهم، ومذاهب هؤلاء العلماء وتحقيقاتهم من عند انفسهم، واستفتى منهم المستفتون ودارت المسائل

ہوگئے تھے اور ان سے تابعین نے اسی طرح حاصل کیا جس طرح جس کو توفیق ہوئی، پس حدیث رسول اللہ صلعم اور مذاہب صحابہ کو انہوں نے سُنا اس کو حفظ کیا اور سمجھا اور جہانتک ہوسکا مختلف امور کو جمع کیا اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی اور بعض کو اپنی نظر میں ضعیف سمجھا اگرچہ وہ کبار صحابہ سے مروی تھے جیسے حضرت عمر اور ابن مسعود کا مذہب کہ وہ جنبی کے لئے تیمم کو جائز نہیں سمجھتے تھے، جب عمار اور عمران ابن حصین وغیرہ کی احادیث مشہور ہوئیں تو ان کو وہ مسلک ضعیف معلوم ہوا، اس طرح تابعین میں سے ہر عالم کا ایک مذہب اس کے خیال کے موافق قائم ہوگیا، پس ہر شہر میں ایک امام قائم ہوگیا جیسے مدینہ میں سعید ابن المسیب اور سالم ابن عبد اللہ ابن عمر ہوئے اور ان کے بعد وہیں مدینہ میں امام زہری، قاضی یحیٰی ابن سعید اور ربیعہ بن عبد الرحمٰن ہوئے، اور مکہ میں عطا بن ابی رباح تھے، کوفہ میں ابراہیم نخعی اور شعبی تھے، بصرہ میں حسن بصری تھے، یمن میں طاؤس بن کیسان تھے اور شام میں مکحول تھے، پس خدا نے بہت سے قلوب کو ان کے علوم کا گرویدہ کر دیا اور لوگوں نے نہایت رغبت سے ان سے حدیث، صحابہ کے فتوے اور اقوال اور خود ان کے مذاہب اور ان کی تحقیقات کو حاصل کیا اور ان سے مسائل کا استفسار کیا۔ اور مسائل کا خوب ان میں تذکرہ رہا

تمام معاملات کے وہ مرجع رہے، سعید ابن مسیب اور ابراہیم اور ان کے ہم مرتبہ لوگوں نے تمام ابوابِ فقہ کو مرتب کر دیا تھا اور ہر باب کے متعلق ان کے پاس اصول و قواعد مرتب تھے جن کو انہوں نے اپنے اسلاف سے حاصل کیا تھا، سعید ابن مسیب اور ان کے اصحاب کا یہ مذہب تھا کہ فقہ میں حرمین کے علماء سب سے پختہ ہیں اور ان کے مذہب کی بنیاد عبد اللہ ابن عمر، حضرت عائشہ اور عبد اللہ ابن عباس کے فتوٰی اور مدینہ کے قاضیوں کے فیصلے ہیں، ان سب علوم کو انہوں نے بقدر استطاعت جمع کیا اور ان میں تفتیش کی نظر سے دیکھا، جن مسائل پر علماء مدینہ کا اتفاق دیکھا ان کو خوب مستحکم طور سے اختیار کیا اور جو مسائل ان کے نزدیک مختلف فیہ تھے ان میں سے قوی اور راجح کو اختیار کیا، ان کے راجح ہونے کی وجہ یا یہ تھی کہ اکثر علماء نے اس طرف میلان کیا تھا، یا وہ کسی قیاس قوی کے موافق تھے یا کتاب و حدیث سے مصرح طور پر مستنبط ہوئے تھے یا اسی طرح کا کوئی اور امر تھا، اور جب انہوں نے اپنے محفوظات میں مسئلہ کا جواب نہ پایا تو ان کو ان کے کلام سے حاصل کیا اور کتاب و سنت کے ایماء اور اقتضاء کا تتبع کیا، اس کی وجہ سے ہر ایک باب بکثرت مسائل ان کو حاصل ہو گئے، ابراہیم اور ان کے شاگردوں کی رائے یہ تھی کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود، اور ان کے شاگرد فقہ میں سب سے زیادہ قابلِ اعتماد ہیں، جیسے علقمہ نے مسروق سے کہا تھا کہ کوئی فقیہ عبد اللہ ابن مسعود سے زیادہ قابلِ وثوق نہیں ہے، اور ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے امام اوزاعی سے کہا تھا کہ ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور اگر صحابی ہونے کی فضیلت عبد اللہ ابن عمر میں نہ ہوتی تو میں کہہ دیتا کہ علقمہ عبد اللہ ابن عمر سے زیادہ فقیہ ہیں،

بينهم ورفعت اليهم الاقضية، فكان سعيد بن المسيب وابراهيم وامثالهما جمعوا ابواب الفقه اجمعها وكان لهم في كل باب اصول تلقوها من السلف، وكان سعيد واصحابه يذهبون الى ان اهل الحرمين اثبت الناس في الفقه، واصل مذهبهم فتاوى عبد الله بن عمر وعائشة وابن عباس وقضايا قضاة المدينة فجمعوا من ذلك ما يسره الله لهم ثم نظروا فيها نظر اعتبار وتفتيش فما كان منها مجمعا عليه بين علماء المدينة فانهم ياخذون عليه بنواجذهم وما كان فيه اختلاف عندهم فانهم ياخذون باقواها وارجحها اما بكثرة من ذهب اليه منهم اولموافقته بقياس قوى اوتخريج صريح من الكتاب والسنة اونحو ذلك، واذا لم يجدوا فيما حفظوا منهم جواب المسالة خرجوا من كلامهم وتتبعوا الايماء والاقتضاء فحصل لهم مسائل كثيرة في كل باب باب، وكان ابراهيم واصحابه يرون ان عبد الله بن مسعود واصحابه اثبت الناس في الفقه كما قال علقمة لمسروق هل احد منهم اثبت من عبد الله؟ وقول ابي حنيفة رضي الله عنه للاوزاعي ابراهيم افقه من سالم، ولولا فضل الصحبة لقلت ان علقمة افقه من عبد الله بن عمر

اور عبداللہ ابن مسعود تو عبداللہ ابن مسعود ہی ہیں، اور امام ابوحنیفہ کے مذہب کی اصل عبداللہ ابن مسعود کے فتوے، حضرت علی کے فیصلے اور قاضی شریح اور دیگر قضاۃ کوفہ کے فتاوے ہیں، پس ان میں سے امام ابوحنیفہ نے بقدر امکان مسائل فقہیہ کو جمع کیا، اور جیسے اہل مدینہ کے آثار سے مدینہ کے علماء نے تخریجات کی تھیں ایسے ہی اہل کوفہ کے آثار سے انہوں نے تخریج مسائل کی پس ہر باب کے متعلق مسائل فقہ مرتب ہو گئے، اور حضرت سعید ابن مسیب فقہائے مدینہ کی زبان تھے اور ان کو حضرت عمر کے فیصلے اور حضرت ابوہریرہ کی احادیث سب سے زیادہ یاد تھیں، اور ابراہیم فقہائے کوفہ کی زبان تھے پس جب وہ دونوں کوئی بات کہتے اور کسی کی جانب اس کو منسوب نہ کرتے تو وہ اکثر صراحتہً یا کنایتہً یا کسی اور طرح سے سلف میں سے کسی کی طرف منسوب ہوتی تھی پس فقہائے مدینہ اور کوفہ نے ان دونوں پر اتفاق کیا ان سے علم حاصل کیا اور سمجھا اور اس علم کے ذریعہ دیگر مسائل کی تخریج کی، واللہ اعلم ؛

دوسرا باب (۸۲): فقہائے کے مذاہب مختلف ہونے کے اسباب کا بیان

واضح ہو کہ خدا تعالٰے نے اس پیشین گوئی کو پورا کرنے کے لئے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی تھی کہ "بعد والی نسل میں سے عادل لوگ اس علم دین کو حاصل کریں گے" تابعین کے زمانہ کے بعد حاملین علم کی ایک جماعت کو پیدا کیا انہوں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو، غسل، نماز، حج، نکاح

وعبدالله هو عبدالله، واصل مذهبه فتاوى عبدالله بن مسعود وقضايا علي رضي الله عنهما وفتاواه وقضايا شريح وغيره من قضاة الكوفة، فجمع من ذلك ما يسره الله، ثم صنع في آثارهم كما صنع اهل المدينة في آثار اهل المدينة، وخرج كما خرجوا، فلخص له مسائل الفقه في كل باب باب، وكان سعيد بن المسيب لسان فقهاء المدينة، وكان احفظهم لقضايا عمر ولحديث ابي هريرة، وابراهيم لسان فقهاء الكوفة، فاذا تكلما بشئ ولم ينسباه الى احد فانه في الاكثر منسوب الى احد من السلف صريحا او ايماء ونحو ذلك فاجتمع عليهما فقهاء بلدهما واخذوا عنهما وعقلوه وخرجوا عليه والله اعلم ؛

باب اسباب اختلاف مذاهب الفقهاء

اعلم ان الله تعالى انشأ بعد عصر التابعين نشئا من حملة العلم انجازا لما وعده رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم حيث قال يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله، فاخذوا عمن اجتمعوا معه منهم صفة الوضوء والغسل والصلاة والحج والنكاح و

بیوع اور تمام کثیر الوقوع احکام کو سیکھا اور احادیث نبوی کی روایت کی، انھوں نے مختلف شہروں کے قاضیوں کے فیصلے اور وہاں کے مفتیوں کے فتوے سُنے اور مسائل دریافت کرتے رہے اور ان سب امور میں نہایت کوشش کی آخر وہ مسلمانوں کے مقتدا بن گئے اور تمام امور مذہبی کا وہ مرجع بن گئے، پس انہوں نے بھی اپنے مشائخ کے طریق کو اختیار کیا، ایما، اور اقتضائے کلام کے معلوم کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کی، پس انہوں نے فیصلے کیے، فتوے دیے، احادیث روایت کیں اور لوگوں کو تعلیم دی، اس طبقہ میں علمار کا کام یکساں تھا، اور ان سب کے عمل کا حاصل یہ تھا کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مسند اور مرسل دونوں سے تمسک کرتے تھے اور صحابہ وتابعین کے اقوال سے استدلال کرتے تھے یہ سمجھکر کہ یہ اقوال یا تو احادیث ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں جن کو کم درجہ کی سمجھ کر احادیث موقوفہ قرار دیا، جیسے ابراہیم نخعی نے کہا تھا جبکہ انہوں نے اس حدیث کو نقل کیا جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع محاقلہ (پکنے سے پہلے کھیت کو فروخت کردینا) اور بیع مزابنہ (تر چھوہاروں کو جو درختوں پر ہوں خشک چھوہاروں کے عوض فروخت کرنا) سے منع فرمایا ہے، تو لوگوں نے ان سے کہا، کیا آپ کو اس حدیث کے علاوہ کوئی اور حدیث بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا ہاں یاد ہے لیکن میں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ آنحضرت کا ادبا نام نہ لوں بلکہ یہ کہوں کہ عبداللہ نے ایسا کہا ہے اور علقمہ نے ایسا کہا ہے، اور جیسے امام شعبی نے کہا تھا جبکہ ان سے ایک حدیث دریافت کی گئی اور ان سے کہا گیا کہ اس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے، تو انہوں نے کہا میں حدیث کو مرفوع نہیں کرتا، میرے نزدیک یہ بہتر ہے کہ کسی ادنیٰ شخص کی طرف حدیث کی نسبت کردوں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ سے پست ہو، پس اگر حدیث میں کوئی کمی یا زیادتی ہوگی تو وہ انہی لوگوں پر رہے گی جو نبی صلی اللہ علیہ

البیوع وسائر ما یکثر وقوعه، و رووا احادیث النبی صلی الله علیه وآله وسلم وسمعوا قضایا قضاة البلدان وفتاوی مفتیها وسألوا عن المسائل واجتهدوا فی ذلك كله ثم صاروا كبراء قومهم ووسد الیهم الامر فنسجوا علی منوال شیوخهم ولم یألوا فی تتبع الایماءات والاقتضاءات فقضوا وافتوا ورووا وعلموا، وكان صنیع العلماء فی هذه الطبقة متشابها، وحاصل صنیعهم ان یتمسك بالمسند من حدیث رسول الله صلی الله تعالی علیه وآله وسلم والمرسل جمیعا ویستدل باقوال الصحابة والتابعین علما منهم انها اما احادیث منقولة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم احتقروها فجعلوها موقوفة كما قال ابراهیم، وقد روی حدیث نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن المحاقلة والمزابنة فقیل له اما تحفظ عن رسول الله صلی الله علیه وسلم حدیثا غیر هذا؟ قال بلی ولكن اقول قال عبد الله قال علقمة احب الی وكما قال الشعبی - وقد سئل عن حدیث - وقیل انه یرفع الی النبی صلی الله علیه وسلم قال لا اعلی من دون النبی صلی الله علیه احب الینا فان كان فیه زیادة ونقصان كان علی من دون النبی صلی الله علیه وسلم او یكون استنباطا منهم من المنصوص

یا اپنی رائے سے اجتہاد کیا ہے، اور وہ ان تمام امور میں
آئندہ پیدا ہونے والے لوگوں کی نسبت زیادہ بہتر کام کرنے
والے تھے اور ان کی رائے زیادہ درست تھی اور ان کا زمانہ
بہت پہلے تھا، ان کے علمی محفوظات زیادہ تھے اس واسطے
ان کے اقوال پر عمل کرنا معین ہوگیا سوائے اس صورت کے
جبکہ ان میں باہم اختلاف ہو اور حدیث رسولؐ ظاہر طور پر
ان کے اقوال کے مخالف ہو، اور ان سب کا یہ بھی معمول تھا
کہ جب کسی مسئلہ میں احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ سلم مختلف
وارد ہوتی تھیں تو وہ اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرتے تھے،
پس اگر وہ ان میں سے کسی کو منسوخ کہتے تھے یا اس کو ظاہر معنی
سے ہٹاتے تھے یا نسخ کی تصریح تو نہیں کرتے تھے لیکن
اس حدیث کے ترک کرنے اور اس کے مضمون کے قائل نہ ہونے
پر متفق ہوتے تھے اس واسطے کہ اس میں کوئی علت ہوتی تھی
یا نسخ کا حکم ہوتا تھا یا تاویل کی گنجائش ہوتی تھی تو ان سب
امور میں وہ صحابہ کا اتباع کرتے تھے، چنانچہ امام مالکؒ نے
اس حدیث کے متعلق جو کتے کے پانی پینے کے متعلق ہے کہا
تھا کہ یہ حدیث تو ہے لیکن مجھے اس کی وجہ معلوم نہیں، ابن
حاجب نے مختصر الاصول میں اس حدیث کو نقل کرکے کہا ہے کہ میں
فقہاء کو اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے نہیں پاتا ہوں، اور
جب صحابہ اور تابعین کے اقوال کسی مسئلہ میں مختلف ہوتے تھے
تو ہر عالم کے نزدیک اپنے مشائخ کا مذہب پسندیدہ ہوتا تھا
کیونکہ ان کے صحیح اور سقیم اقوال کو وہ خوب جان سکتا ہے اور
ان اقوال کے مناسب اصول کو خوب یاد رکھ سکتا ہے، اور
ان کے فضل اور تبحر کیجانب اس کا میلان قلب زیادہ ہوتا ہے
اسی واسطے اہل مدینہ کے نزدیک حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ
عبد اللہ ابن عمرؓ، حضرت عائشہ، عبد اللہ ابن عباسؓ،
زید ابن ثابت کا مذہب اور ان کے اصحاب،
مثل سعید ابن مسیب جن کو حضرت عمرؓ کے فیصلے
اور ابو ہریرہ کی احادیث خوب محفوظ تھیں، اور مثل عروہ،

او اجتهادا منهم بآرائهم وهم احسن
صنيعا في كل ذلك ممن يجئ بعدهم
واكثر اصابة واقدم زمانا واوعى
علما فتعين العمل بها الا اذا اختلفوا
وكان حديث رسول الله صلى الله عليه
وسلم يخالف قولهم مخالفة ظاهرة و
انه اذا اختلفت احاديث رسول الله
صلى الله عليه وسلم في مسألة رجعوا
الى اقوال الصحابة فان قالوا بنسخ
بعضها او بصرفه عن ظاهره اولم
يصرحوا بذلك ولكن اتفقوا على
تركه وعدم القول بموجبه فانه
كابداء علة فيه او الحكم بنسخه او
تاويله اتبعوهم في كل ذلك، وهو
قول مالك في حديث ولغ الكلب جاء
هذا الحديث ولكن لا ادري ما حقيقته
يعني حكاه ابن الحاجب في مختصر
الاصول لم ار الفقهاء يعملون به،
وانه اذا اختلفت مذاهب الصحابة
والتابعين في مسألة فالمختار عند
كل عالم مذهب اهل بلده وشيوخه
لانه اعرف بصحيح اقاويلهم من
السقيم واوعى للاصول المناسبة لها
وقلبه اميل الى فضلهم وتبحرهم
فمذهب عمر وعثمان وابن عمر و
عائشة وابن عباس وزيد بن ثابت
واصحابهم مثل سعيد بن المسيب
فانه كان احفظهم لقضايا عمر، و
حديث ابي هريرة، ومثل عروة و

سالم، عطاءابن یسار، قاسم، عبیداللہ بن عبداللہ، زہری،
یحیٰ بن سعید، زیدابن اسلم اور ربیعہ کا مذہب اختیار کرنا
دوسروں کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ
وسلم نے مدینہ کے فضائل بیان فرمائے ہیں اور ہر زمانہ میں
وہ علماء اور فقہاء کا مرکز رہا ہے اسی واسطے امام مالک اہلِ
مدینہ کے مسلک کو لازم سمجھتے تھے، اور اہلِ کوفہ کے نزدیک
عبداللہ ابن مسعود اور ان کے اصحاب کا مذہب حضرت
علی، شریح، اور شعبی کے فیصلے اور ابراہیم کے فتوے
اختیار کرنا دوسروں کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے اسی وجہ سے
علقمہ نے مسروق سے کہا تھا جبکہ وہ تشریک[1] میں زید ابن
ثابت کے قول کی طرف مائل ہوئے کہ تم میں سے کون شخص
عبداللہ ابن مسعود سے زیادہ وثوق کے قابل ہے؟ تو انہوں
نے جواب دیا کہ بے شک کوئی نہیں ہے، لیکن میں نے
زید ابن ثابت اور اہل مدینہ کو تشریک کرتے ہوئے دیکھا ہے
پس اگر ایک شہر کے لوگ کسی بات پر متفق ہو جاتے تھے تو
نہایت پختگی سے اس کو اختیار کرتے تھے، اسی کے متعلق
امام مالک نے کہا ہے:۔ وہ احادیث جن میں ہمارے نزدیک
اختلاف نہیں اتنی اور اتنی ہیں، اور اگر کسی مسئلہ میں ان کا اختلاف
ہوتا تھا تو سب میں جو قول قوی اور راجح ہوتا تھا اس کو وہ
لیتے تھے، اور اس قول کی قوت یا اس وجہ سے ہوتی تھی
کہ اس کے قائل زیادہ ہیں یا وہ کسی قوی قیاس کے موافق
ہے یا کتاب وسنت سے اس کی تخریج کی گئی ہے، ایسے
ہی اقوال کے متعلق امام مالک کہتے ہیں جو اقوال میں نے
سُنے ہیں ان سب میں یہ زیادہ بہتر ہے،

پس جب ان علماء کو اپنی یادداشت میں کسی مسئلہ
کا جواب نہ ملتا تھا تو ایما، اور اقتضا کا تتبع کر کے قدماء کے ہی کلام سے
مسئلہ کا جواب حاصل کر لیا کرتے تھے، اسی زمانہ میں علماء کو تدوین
کا الہام ہوا، پس مدینہ میں امام مالک اور محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی

[1] جوتے میں تسمہ باندھنا، ۱۲ـ

سالم وعطاء بن يسار و قاسم وعبيد
الله بن عبد الله والزهري ويحيى بن
سعيد و زيد بن اسلم و ربيعة احق
بالاخذ من غيره عند اهل المدينة
لما بينه النبي صلى الله عليه وسلم
في فضائل المدينة ولانها ماوى
الفقهاء ومجمع العلماء في كل عصر
ولذلك ترى مالكا يلازم محجتهم
ومذهب عبد الله بن مسعود واصحابه و
قضايا علي وشريح والشعبي وفتاوى
ابراهيم احق بالاخذ عند اهل
الكوفة من غيره وهو قول علقمة
حين مال مسروق الى قول زيد بن
ثابت في التشريك قال هل احد
منكم اثبت من عبد الله؟ فقال لا
ولكن رايت زيد بن ثابت واهل
المدينة يشركون فان اتفق اهل
البلد على شئ اخذوا بنواجذه، وهو
الذي يقول في مثله مالك السنة التي
لا اختلاف فيها عندنا كذا وكذا وان
اختلفوا اخذوا باقواها وارجحها اما
بكثرة القائلين به او لموافقته لقياس
قوي او تخريج من الكتاب والسنة و
هو الذي يقول في مثله مالك هذا
احسن ما سمعت فاذا لم يجدوا فيما
حفظوا منهم جواب المسالة خرجوا
من كلامهم وتتبعوا الايماء والاقتضاء
والهموا في هذه الطبقة التدوين،
فدون مالك ومحمد بن عبد الرحمن

ذئب نے تصنیف کرنا شروع کیا، اور مکہ میں ابن جریج اور ابن عیینہ نے اور کوفہ میں سفیان ثوری نے اور بصرہ میں ربیع بن صبیح نے، اور سب نے تصنیف میں وہی طرز اختیار کیا جس کا میں نے ذکر کیا ہے، جب منصور عباسی نے حج کیا تو امام مالک سے کہا کہ میرا قصد یہ ہے کہ آپ کی مصنفہ کتاب (موطا) کے چند نسخے لکھوا کر اہل اسلام کے شہروں میں سے ہر شہر میں ایک ایک نسخہ بھیجدوں اور لوگوں کو حکم کروں کہ اسی کے مسائل پر عمل کریں اور اس سے تجاوز کر کے اور طرف نہ جائیں، امام مالک نے کہا اے امیر المومنین ایسا نہ کرو کیونکہ لوگوں تک پہلے ہی سے اقوال پہنچ چکے ہیں اور وہ احادیث کو سن چکے ہیں، اور روایات کو نقل کر چکے ہیں اور ہر قوم نے اس پر عمل درآمد کر لیا ہے جو اس کے پاس پہنچ چکا ہے، اور لوگوں میں اختلاف ہو گیا ہے اس واسطے لوگوں کو اس حالت پر رہنے دو جو انہوں نے اپنے لئے پسند کر لیا ہے، یہ قصہ ہارون رشید کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے کہ ہارون رشید نے امام مالک سے مشورہ لیا تھا کہ مؤطا کو خانہ کعبہ میں لٹکا دیا جائے اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی ترغیب دیجائے، امام مالک نے کہا ایسا نہ کرو کیونکہ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فروعات میں مختلف ہوئے ہیں اور شہروں میں پھیل گئے ہیں اور ہر سُنّت گذر چکی ہے، تب ہارون رشید نے کہا تم کو خدا توفیق دے اے ابو عبداللہ، سیوطی نے اس حکایت کو نقل کیا ہے،

علماء مدینہ کو جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی تھیں ان سب علماء میں امام مالک سب سے زیادہ قابل اعتماد تھے اور ان کی حدیث سب سے زیادہ معتبر ہے، اور حضرت عمر کے فیصلے حضرت عبداللہ ابن عمر

ابن ابی ذئب بالمدینة ، وابن جریج وابن عیینة بمکة ، والثوری بالکوفة وربیع بن الصبیح بالبصرة ، وکلهم مشوا علی هذا المنهج الذی ذکرته ، ولما حج المنصور قال لمالك قد عزمت ان امر بکتبك هذه التی صنفتها فتنسخ ثم ابعث فی کل مصر من امصار المسلمین منها نسخة وامرهم بان یعملوا بما فیها ولا یتعدوه الی غیره ، فقال یا امیر المؤمنین لا تفعل هذا فان الناس قد سبقت الیهم اقاویل وسمعوا احادیث ورووا روایات واخذ کل قوم بما سبق الیهم واتوا به من اختلاف الناس فدع الناس وما اختار اهل کل بلد منهم لانفسهم ، ویحکی نسبة هذه القصة الی هرون الرشید وانه شاور مالکا فی ان یعلق الموطا فی الکعبة ویحمل الناس علی ما فیه فقال لا تفعل فان اصحاب رسول الله صلی الله تعالی علیه وآله وسلم اختلفوا فی الفروع وتفرقوا فی البلدان وکل سنة مضت قال وفقك الله یا ابا عبد الله حکاه السیوطی ، وکان مالك من اثبتهم فی حدیث المدنیین عن رسول الله صلی الله علیه وسلم واوثقهم اسنادا واعلمهم بقضایا عمر واقاویل عبد

حضرت عائشہ اور ان کے اصحاب فقہائے سبعہ کے اقوال کو امام مالک سب سے زیادہ یاد رکھنے والے تھے، ان سے اور انہی جیسے علماء کی وجہ سے روایت اور فتویٰ کا علم قائم ہوا ہے، پس جب ان کی طرف تفویض کار ہوئی تو انہوں نے حدیث کا درس اور فتویٰ دینا شروع کیا اور لوگوں کو خوب فائدہ پہنچایا، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول انہی پر صادق آیا "عنقریب لوگ تحصیل علم کے لئے سفر کریں گے لیکن مدینہ کے عالم سے زیادہ کسی کو واقف نہ پائیں گے"

ابن عیینہ اور عبد الرزاق نے اس حدیث کا محمل امام مالک ہی کو قرار دیا ہے تمہارے لئے ایسے دو شخصوں کی شہادت کافی ہے، امام مالک کے شاگردوں نے انکی روایات اور پسندیدہ اقوال کو جمع کیا اور ملخص کر کے لکھا اور ان کی شرح کی اور ان سے مسائل کا اخراج کیا، ان اقوال کے اصول اور دلائل میں گفتگو کی اور ان کے شاگرد مغربی ممالک اور زمین کے اطراف میں پھیل گئے اور ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بہت فائدہ پہنچایا اگر تم ہمارے قول کی تحقیق کرنا چاہو جو ہم نے ان کے اصل مذہب کی نسبت بیان کی ہے، تو تم کتاب موطا میں غور کرو جیسا ہم نے ذکر کیا ہے ویسا ہی پاؤ گے، اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ، ابراہیم نخعی اور ان کے ہم عصر علماء کے مذہب کے زیادہ پابند تھے اور ابراہیم نخعی کے مذہب سے بہت کم تجاوز کرتے تھے اور ان کے مذہب کے موافق مسائل کی تخریج کرنے میں عظیم الشان تھے، تخریجات کی وجوہ دریافت کرنے میں دقیق النظر تھے اور فروعات کیجانب ان کی نہایت توجہ تھی، اور اگر تم ہمارے قول کی تحقیق کرنا چاہو تو امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب الآثار اور جامع عبد الرزاق اور ابو بکر ابن ابی شیبہ کی تصنیف سے ابراہیم اور ان کے معاصرین کے اقوال کو ملخص کرو پھر امام ابو حنیفہ کے مذہب سے اس کا اندازہ کرو تو تم ان کے طرز سے بہت ہی کم موقعوں پر مخالف پاؤ گے،

الله بن عمرو عائشة واصحابهم من الفقهاء السبعة، وبه وبامثاله قام علم الرواية والفتوى، فلما وسد اليه الامر حدث وافتى وافاد واجاد وعليه انطبق قول النبي صلى الله عليه وسلم يوشك ان يضرب الناس اكباد الابل يطلبون العلم فلا يجدون احدا اعلم من عالم المدينة على ما قاله ابن عيينة وعبد الرزاق - وناهيك بهما فجمع اصحابه رواياته ومختاراته ولخصوها وحرروها وشرحوها وخرجوا عليها وتكلموا في اصولها ودلائلها وتفرقوا الى المغرب ونواحي الارض فنفع الله بهم كثيرا من خلقه، وان شئت ان تعرف حقيقة ما قلناه من اصل مذهبه فانظر في كتاب الموطا تجده كما ذكرنا، وكان ابو حنيفة رضي الله عنه الزمهم بمذهب ابراهيم واقرانه لا يجاوزه الا ما شاء الله وكان عظيم الشان في التخريج على مذهبه دقيق النظر في وجوه التخريجات مقبلا على الفروع اتم اقبال، وان شئت ان تعلم حقيقة ما قلنا فلخص اقوال ابراهيم واقرانه من كتاب الآثار لمحمد رحمه الله وجامع عبد الرزاق ومصنف ابي بكر بن ابي شيبة ثم قايسه بمذهبه تجده لا يفارق تلك المحجة الا في مواضع يسيرة و

اور وہ ان چند مواقع میں بھی فقہاء کوفہ کے مذہب کو نہیں
چھوڑتے ہیں، امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں سب سے
مشہور امام ابویوسف رحمہ اللہ ہیں، ہارون رشید کے عہد
میں قاضی القضاۃ مقرر کئے گئے تھے پس وہ امام ابوحنیفہ
کے مذہب کی شہرت کا اور اطراف عراق خراسان اور
ورار النہر میں معمول بہ ہونے کا سبب ہو گئے اور آپ کے
شاگردوں میں نہایت ذہین اور عمدہ تصنیف کرنے والے
امام محمد ابن حسن ہیں، اور ان کے حالات میں سے یہ ہے
کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف سے علم فقہ
حاصل کیا اس کے بعد مدینہ جاکر امام مالک سے مؤطار
کو پڑھا پھر خود توجہ کی اور اپنے اصحاب کے مذہب کو
ہر ہر مسئلہ میں مؤطار کے مطابق کیا، پس اگر موافقت
پائی تو فبہا ورنہ اگر صحابہ وتابعین کی کسی جماعت کو اپنے
اصحاب کے مذہب پر عمل کرنے والا پایا تو بھی اسی کو
لیا، اور اگر فقہار کے عمل میں ضعیف قیاس یا ضعیف
تخریج کو پایا جس کے خلاف صحیح حدیث پائی جاتی ہے
یا اکثر علمار کا عمل اس کے خلاف ہے تو اس وقت جس
مذہب کو مذاہب سلف میں سے ارجح پایا اس کو اختیار
کرلیا اور یہ دونوں (امام محمد اور امام ابویوسف) بھی حتی الامکان
ابراہیم اور معاصرین ابراہیم کے طریقہ سے کنارہ کش
نہیں ہوتے جیسے ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا معمول
ہے، البتہ ان تینوں ائمہ کا اختلاف دو باتوں
میں سے کسی ایک میں ہوتا تھا، یا تو ابراہیم کے
مذہب کے موافق ان کے شیخ ابوحنیفہ نے کسی
مسئلہ کی تخریج کی اور اس تخریج میں ان دونوں
شاگردوں نے اپنے شیخ کی مخالفت کی یا یہ کہ ابراہیم اور
ان کے ہم مرتبہ علمار کے کسی مسئلہ میں مختلف اقوال تھے تو یہ
دونوں کسی قول کو دوسرے پر ترجیح دینے میں اپنے استاد
کے مخالف ہوجاتے تھے پس امام محمد نے تصنیفات فرمائیں

هو فی تلك اليسيرة ايضا لا يخرج عما
ذهب اليه فقهاء الكوفة وكان اشهر
اصحابه ذكرا ابو يوسف رحمه الله فولی
قضاء القضاة ايام هرون الرشيد
فكان سببا لظهور مذهبه والقضاء
به فی اقطار العراق وخراسان وماوراء
النهر، وكان احسنهم تصنيفا والزمهم
درسا محمد بن الحسن وكان من خبره
انه تفقه علی ابی حنيفة وابی يوسف
ثم خرج الی المدينة فقرا الموطا
علی مالك ثم رجع الی نفسه فطبق
مذهب اصحابه علی الموطا مسالة
مسالة فان وافق فبها والا فان
رای طائفة من الصحابة والتابعين
ذاهبين الی مذهب اصحابه فكذلك
وان وجد قياسا ضعيفا او تخريجا لينا
يخالفه حديث صحيح فيما عمل به
الفقهاء او يخالفه عمل اكثر العلماء
تركه الی مذهب من مذاهب السلف
مما يراه ارجح ما هناك، وهذان
لا يزالان علی محجة ابراهيم واقرانه
ما امكن لهما كما كان ابو حنيفة رضی
الله عنه يفعل ذلك، وانما كان
اختلافهم فی احد شيئين اما ان
يكون لشيخهما تخريج علی مذهب
ابراهيم يزاحمانه فيه، او يكون
هناك لابراهيم ونظرائه اقوال
مختلفة يخالفان شيخهما فی ترجيح
بعضها علی بعض، فصنف محمد رحمه

اور ان میں ان تینوں[1] کی رایوں کو جمع کیا اور کثیر لوگوں کو نفع پہنچایا، پس اصحاب ابوحنیفہؒ نے ان تصنیفات کی طرف نہایت توجہ کی، ان کے خلاصے کئے ان کے دلائل بیان کئے، شروح لکھیں، ان سے مسائل کی تخریج کی، ان کے مبانی اور دلائل میں تحقیق کی، پھر ممالک خراسان اور ماوراء النہر میں پھیل گئے پس اس کو امام ابوحنیفہ کا مذہب کہا جاتا ہے، مذہب مالکی اور حنفی کے ابتدا ظہور اور ان کے اصول و فروع کے مرتب ہونے کے زمانہ میں امام شافعی کا نشوونما ہوا جب انہوں نے متقدمین کی روش میں غور کیا تو انہوں نے بہت سے ایسے امور کو پایا جن کی وجہ سے وہ متقدمین کے طریق کی پیروی نہ کر سکے، امام شافعی نے ان امور کو اپنی کتاب الام کے اول میں ذکر کیا ہے۔

منجملہ ان کے یہ امر تھا کہ امام شافعی نے دیکھا کہ متقدمین حدیث مرسل اور منقطع پر عمل کرتے تھے اور ایسی حدیثیں خرابی سے محفوظ نہ تھیں پس جب حدیث کے تمام طرق جمع کئے جاتے تھے تو یہ بات ظاہر ہو جاتی تھی کہ بہت سی مرسل احادیث بالکل بے اصل ہیں اور بہت سی مرسل احادیث مسند احادیث کے مخالف تھیں اس واسطے امام شافعی نے یہ قرار دیا کہ مرسل حدیث پر عمل جب ہی کیا جائے کہ اس کے شروط بھی موجود ہوں اور وہ تمام شروط کتب اصول میں مذکور ہیں، اور ایک امر یہ تھا کہ متقدمین کے زمانہ میں مختلف احادیث کے درمیان جمع و تطبیق کے قواعد منضبط نہ تھے اس واسطے ان کے اجتہادی مسائل میں خرابیاں رہا کرتی تھیں اس خرابی کو رفع کرنے کے لئے امام شافعیؒ نے اصول مقرر کئے اور ان کو ایک کتاب میں جمع کر دیا، اصول فقہ میں سب سے پہلی تصنیف یہی کتاب ہے اس کی مثال جو ہمارے علم میں آئی یہ ہے کہ امام شافعی امام محمد بن حسن کے پاس گئے اس وقت وہ علماء مدینہ پر اس امر میں اعتراض کر رہے تھے کہ وہ ایک گواہ اور ایک قسم کے ساتھ فیصلہ

الله وجمع رای هؤلاء الثلاثة و نفع كثيرا من الناس فتوجه اصحاب ابی حنيفة رضی الله عنه الی تلك التصانيف تلخيصا و تقريبا او شرحا تخريجا او تأسيسا او استدلالا، ثم تفرقوا الی خراسان وما وراء النهر فيسمى ذلك مذهب ابی حنيفة رضی الله عنه، ونشأ الشافعی فی اوائل ظهور المذهبين و ترتيب اصولهما و فروعهما فنظر فی صنيع الاوائل فوجد فيه امورا كبحت عنانه عن الجريان فی طريقهم، وقد ذكرها فی اوائل كتاب الام ؛

ومنها انه وجدهم يأخذون بالمرسل والمنقطع فيدخل فيهما الخلل، فانه اذا جمع طرق الحديث يظهر انه كم من مرسل لا اصل له، وكم من مرسل يخالف مسندا فقرر ان لا يأخذ بالمرسل الا عند وجود شروط، وهی مذكورة فی كتب الاصول ؛

ومنها انه لم تكن قواعد الجمع بين المختلفات مضبوطة عندهم فكان يتطرق بذلك خلل فی مجتهداتهم فوضع لها اصولا ودونها فی كتاب، وهذا اول تدوين كان فی اصول الفقه مثاله ما بلغنا انه دخل علی محمد بن الحسن وهو يطعن علی اهل المدينة فی قضائهم بالشاهد الواحد مع اليمين

[1] ابراہیم نخعی، ابوحنیفہ اور ابو یوسف، ۱۲۔

کردیتے ہیں اور وہ کہہ رہے تھے کہ ایسا کرنے سے کتاب اللہ پر زیادتی ہوتی ہے، تب امام شافعی نے کہا کیا تمہارے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں ہے؟ امام محمد نے کہا ہاں جائز نہیں ہے، امام شافعی نے کہا پھر تم کیسے کہتے ہو کہ وارث کیلئے وصیت جائز نہیں اور اس کی وجہ آں حضرت کا یہ قول بتلاتے ہو۔ "خبردار ہو جاؤ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے" ــــ حالانکہ خدا تعالے فرماتا ہے "تم پر مقرر کیا گیا کہ موت آنے کے وقت اگر مال چھوڑا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لئے اس میں وصیت کرنا چاہیے، اسی قسم کے اور چند اعتراضات امام شافعی نے ان پر کئے اور امام محمد بن حسن خاموش رہے،

اور ایک امر یہ تھا کہ بعض احادیث صحیحہ علمائے تابعین کے مفتیوں کو نہ پہنچیں اس واسطے ان کو اپنی رائے سے اجتہاد کرنا پڑا یا عام الفاظ کا انہوں نے لحاظ کیا یا گذشتہ صحابہ کی انہوں نے پیروی کی اور اسی کے موافق فتویٰ دیدیا لیکن تیسرے طبقہ میں یہ احادیث مشہور ہو گئیں اور انہوں نے ان احادیث پر عمل نہ کیا یہ سمجھ کر کہ یہ احادیث ان کے علمائے شہر کے عمل کے مخالف ہیں اور اس طریقہ کے خلاف ہیں جس پر وہ سب متفق ہیں، اور یہ بات ان احادیث میں طعن کی وجہ بن گئی اور ان احادیث کے غیر معتبر ہونے کی علت ہو گئی، یا وہ احادیث تیسرے طبقہ میں مشہور نہیں ہوئی تھیں بلکہ اس کے بعد ان کی شہرت ہوئی جبکہ محدثین نے احادیث کے تمام طرق روایت میں غور کیا اور اطراف ملک میں سفر کیا اور علمائے حدیث سے ان کی تفتیش کی، پس اکثر احادیث ایسی ظاہر ہوتی گئیں جن کی روایت صحابہ میں سے صرف ایک یا دو اشخاص نے کی تھی اور ان صحابہ سے بھی صرف ایک یا دو راویوں نے ان کی روایت کی تھی وَھَلُمَّ جَرًّا، پس بہت سی احادیث فقہاء کی نظر سے مخفی رہیں اور ان حفاظ حدیث کے زمانہ میں مشہور ہوئیں جنہوں نے تمام طرق حدیث کو جمع کیا تھا،

ويقول هذا زيادة على كتاب الله، فقال الشافعي اثبت عندك انه لا تجوز الزيادة على كتاب الله بخبر الواحد؟ قال نعم قال فلم قلت ان الوصية للوارث لا تجوز لقوله صلى الله عليه و سلم الا لا وصية لوارث، وقد قال الله تعالى كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت الآية ﴿ واورد عليه اشياء من هذا القبيل، فانقطع كلام محمد ابن الحسن ؛

ومنها ان بعض الاحاديث الصحيحة لم يبلغ علماء التابعين ممن وسد اليهم الفتوى فاجتهدوا بآرائهم او اتبعوا العمومات او اقتدوا بمن مضى من الصحابة فافتوا حسب ذلك ثم ظهرت بعد ذلك في الطبقة الثالثة فلم يعملوا بها ظنا منهم انها تخالف عمل اهل مدينتهم وسنتهم التي لا اختلاف لهم فيها، وذلك قادح في الحديث وعلة مسقطة له او لم تظهر في الثالثة، وانما ظهرت بعد ذلك عندما امعن اهل الحديث في جمع طرق الحديث ورحلوا الى اقطار الارض وبحثوا عن حملة العلم فكثر من الاحاديث ما لا يرويه من الصحابة الا رجل او رجلان، ولا يرويه عنه او عنهما الا رجل او رجلان وهلم جرا، فخفي على اهل الفقه، وظهر في عصر الحفاظ الجامعين لطرق

مثلاً بہت سی احادیث کو اہل بصرہ نے روایت کیا اور باقی حصے ان احادیث سے بے خبر ہے پس امام شافعیؒ نے اس بات کو واضح کر دیا کہ علماء صحابہ اور تابعین کی ہمیشہ یہ حالت رہی ہے کہ وہ ہر مسئلہ میں حدیث کے متلاشی رہے تھے جب کوئی حدیث ان کو نہ ملتی تھی تو وہ کوئی اور استدلال اختیار کرتے تھے لیکن اس کے بعد جب کوئی حدیث ان پر ظاہر ہو جاتی تھی تو وہ حدیث کی طرف رجوع کر لیا کرتے تھے، پس جب ان کی ایسی حالت تھی تو ان کا کسی حدیث پر عمل نہ کرنا اس کے لئے قادح نہیں ہو سکتا ہاں، اس وقت قادح ہو سکتا ہے جب وہ کوئی علت قادحہ بیان کر دیں اس کی مثال حدیث قلتین ہے یہ حدیث صحیح ہے جو بہت سے طریقوں سے مروی ہے ان سب میں بڑا طریق وہ ہے جو ابو الولید ابن کثیر پر ختم ہوتا ہے، انہوں نے اس کو محمد بن جعفر بن زبیر سے روایت کیا ہے اور محمد بن جعفر نے عبد اللہ یا محمد بن عباد بن جعفر بہ روایت عبید اللہ بن عبد اللہ اور ان دونوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت کی ہے پھر اس کے بعد طرق روایت متعدد ہو گئے اور یہ دونوں راوی اگرچہ ثقہ ہیں لیکن وہ فتوای میں لوگوں کے مرجع نہ تھے اور نہ ہی وہ لوگوں کے نزدیک معتمد علیہ تھے، اس واسطے یہ حدیث نہ سعید بن مسیب کے عہد میں اور نہ ہی امام زہری کے زمانہ میں مشہور ہوئی اور نہ اس پر مالکیہ نے عمل کیا اور نہ ہی حنفیہ نے عمل کیا، پس لوگوں نے اس پر عمل نہ کیا اور امام شافعی نے اس پر عمل کر لیا،

اور ایسے ہی خیار مجلس کی حدیث ہے یہ حدیث صحیح ہے اور بہ کثرت طریقوں سے روایت کی گئی ہے اور صحابہ میں سے ابن عمر اور ابو ہریرہ نے اس حدیث پر عمل کیا تھا اور فقہائے سبعہ اور ان کے معاصرین میں

الحديث كثير من الاحاديث، رواه اهل البصرة مثلا وسائر الاقطار في غفلة منه، فبين الشافعي ان العلماء من الصحابة والتابعين لم يزل شانهم انهم يطلبون الحديث في المسألة، فاذا لم يجدوا تمسكوا بنوع اخر من الاستدلال، ثم اذا ظهر عليهم الحديث بعد رجعوا من اجتهادهم الى الحديث فاذا كان الامر على ذلك لا يكون عدم تمسكهم بالحديث قدحا فيه، اللهم الا اذا بينوا العلة القادحة، مثاله حديث القلتين فانه حديث صحيح روي بطرق كثيرة معظمها ترجع الى ابي الوليد بن كثير عن محمد بن جعفر بن الزبير عن عبد الله، او محمد بن عباد بن جعفر عن عبيد الله بن عبد الله كلاهما عن ابن عمر ثم تشعبت الطرق بعد ذلك، و هذان وان كانا من الثقات لكنهما ليس ممن وسد اليهم الفتوى و عوّل الناس عليهم فلم يظهر الحديث في عصر سعيد بن المسيب ولا في عصر الزهري، ولم يمش عليه المالكية ولا الحنفية فلم يعملوا به وعمل به الشافعي، وكحديث خير المجالس فانه حديث صحيح روي بطرق كثيرة وعمل به ابن عمر وابوهريرة من الصحابة، ولم يظهر على الفقهاء

اس حدیث کی شہرت نہیں ہوئی تھی پس وہ اس حدیث کے قائل نہ تھے اس واسطے امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے اس امر کو حدیث مذکور میں علت قادحہ سمجھ کر اس پر عمل نہ کیا اور امام شافعی نے اس پر عمل کیا،

اور ایک امر یہ تھا کہ صحابہ کے سب اقوال امام شافعی کے عہد میں جمع کیے گئے، ان اقوال کی کثرت ہوئی اور ان میں اختلافات پائے گئے اور ان میں سے بہت سے اقوال کو امام شافعی نے حدیث صحیح کے مخالف پایا اس وجہ سے کہ وہ حدیث صحابہ کو معلوم نہیں ہوئی تھی اور امام شافعی نے سلف کو دیکھا تھا کہ ایسے امور میں وہ حدیث کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اس واسطے امام شافعی نے صحابہ کے اقوال سے استدلال کرنا ترک کر دیا جب تک کہ وہ اقوال سب کے نزدیک متفق علیہ نہ ہوں، اور کہا صحابہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں،

اور ایک امر یہ تھا کہ امام شافعیؒ نے فقہاء کے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ اس قیاس میں جس کو شرع نے ثابت کیا ہے ایسی رائیں مخلوط کر دیتے ہیں جن کو شریعت کوئی وقعت نہیں دیتی۔ وہ فقہا اس قیاس اور رائے میں کچھ فرق نہیں کرتے اور کبھی کبھی وہ اس رائے کا نام استحسان رکھتے ہیں اور "رائے" سے مراد یہ ہے کہ کسی حرج یا مصلحت کے مظنہ کو حکم کی علت قرار دیا جائے، اور قیاس کے معنی یہ ہیں کہ حکم منصوص سے کوئی علت نکالی جائے اور وہ علت حکم کا مدار علیہ قرار دیجائے اس رائے کو امام شافعی نے نہایت اہتمام سے باطل کیا اور فرمایا جو استحسان کرتا ہے وہ شارع بننا چاہتا ہے، ابن حاجب نے مختصر الاصول میں اس کو نقل کیا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ یتیم کا زمانہ رشد تک پہنچنا ایک مخفی امر ہے اس واسطے فقہا نے مظنہ رشد کو جو پچیس برس ہوتے ہیں رشد کے قائم مقام کر دیا اور یہ کہا کہ جب یتیم پچیس برس کا ہو جائے تو اس کو اس کا مال دیدینا چاہیے اور انہوں نے اس کو استحسان کہا حالانکہ قیاس کا مقتضا یہ ہے کہ اس عمر میں اس کو مال

السبعة ومعاصريهم، فلم يكونوا يقولون به، فراى مالك وابو حنيفة هذه علة قادحة فى الحديث، و عمل به الشافعي ٭

ومنها ان اقوال الصحابة جمعت فى عصر الشافعي فتكثرت واختلفت وتشعبت، وراى كثيرا منها يخالف الحديث الصحيح حيث لم يبلغهم وراى السلف لم يزالوا يرجعون فى مثل ذلك الى الحديث فترك التمسك باقوالهم ما لم يتفقوا، وقال هم رجال ونحن رجال ٭

ومنها انه راى قوما من الفقهاء يخلطون الراى الذى لم يسوغه الشرع بالقياس الذى اثبته فلا يميزون واحدا منها من الآخر ويسمونه تارة بالاستحسان - واعنى بالراى ان ينصب مظنة حرج او مصلحة علة لحكم، وانما القياس ان تخرج العلة من الحكم المنصوص ويدار عليها الحكم - فابطل هذا النوع اتم ابطال وقال من استحسن فانه اراد ان يكون شارعا، حكاه ابن الحاجب فى مختصر الاصول - مثاله رشد اليتيم امر خفي فاقاموا مظنة الرشد وهو بلوغ خمس وعشرين سنة مقامه، وقالوا اذا بلغ اليتيم هذا العمر سلم اليه ماله، قالوا هذا استحسان، والقياس ان لا يسلم

نہیں دینا چاہیے، حاصل کلام یہ ہے کہ جب امام شافعی نے متقدمین میں ایسے امور پائے تو از سر نو فقہ کو مرتب کیا، اصول قائم کئے اور فروع کو ان پر متفرع کیا، عمدہ کتابیں تصنیف کیں اور لوگوں کو فائدہ پہنچایا، فقہاء ان کی خدمت میں جمع ہوئے، ان کی کتابوں کا اختصار کیا، ان پر شروح لکھیں، دلائل بیان کئے اور مسائل کی تخریج کی اور پھر تمام شہروں میں یہ لوگ پھیل گئے پس اس طریقہ کا نام مذہب شافعی ہوگیا، واللہ اعلم۔

تیسرا باب (۸۳):- اہل حدیث اور اصحاب الرائے کے مابین فرق کا بیان

واضح ہو کہ سعید ابن مسیب، ابراہیم اور زہری کے زمانہ میں اور امام مالک، سفیان ثوری اور ان کے بعد کے عہد میں بھی ایسے علماء تھے جو مسائل دین میں رائے سے خوض کرنے کو برا جانتے تھے اور فتویٰ دیتے ہوئے اور استنباط کرتے ہوئے ڈرتے تھے لیکن نہایت ہی ضرورت کے موقع پر جس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا تھا تو استنباط کرتے تھے، ان کو بڑا اہتمام اس کا ہوتا تھا کہ حدیث رسول کی روایت کردیں، ایک مرتبہ عبد اللہ بن مسعود سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں ناپسند کرتا ہوں کہ تیرے لئے اس شئی کو حلال کردوں جس کو خدا نے حرام کیا ہو یا وہ چیز حرام کردوں جس کو اس نے حلال کیا ہو، اور معاذ بن جبل نے کہا اے لوگو! بلاء کے نازل ہونے سے پہلے جلدی نہ کرو کیونکہ مسلمانوں میں ہمیشہ ایسے لوگ ہوتے رہیں گے کہ جب ان سے کوئی امر دریافت کیا جائے گا تو اس کو مسلسل بیان کرتے چلے جائیں گے اور ایسے ہی حضرت عمر، حضرت علی، ابن عباس اور ابن مسعود سے اس امر میں کلام کرنا جو نازل نہیں ہوا مکروہ سمجھنا منقول ہے

الیه وبالجملة لما رای فی صنیع الاوائل مثل هذه الامور، اخذ الفقه من الراس فاسس الاصول وفرّع الفروع وصنف الکتب فاجاد وافاد فاجتمع علیه الفقهاء وتصرفوا اختصارا وشرحا واستدلالا وتخریجا، ثم تفرقوا فی البلدان، فکان هذا مذهبا للشافعی والله اعلم

باب الفرق بین اهل الحدیث واصحاب الرای

اعلم انه کان من العلماء فی عصر سعید بن المسیب وابراهیم والزهری وفی عصر مالك وسفیان، وبعد ذلك قوم یکرهون الخوض بالرای ویهابون الفتیا والاستنباط الا لضرورة لا یجدون منها بدا، وکان اکبرهمهم روایة حدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم، سئل عبد الله بن مسعود عن شئ فقال انی لاکره ان احل لك شیئا حرمه الله علیك او احرم ما احله الله لك، وقال معاذ بن جبل: یایها الناس لا تعجلوا بالبلاء قبل نزوله، فانه لم ینفك المسلمون ان یکون فیهم من اذا سئل سدد وروی نحو ذلك عن عمر وعلی وابن عباس وابن مسعود فی کراهة التکلم فیما لم ینزل، وقال ابن

اور عبداللہ بن عمر نے جابر بن زید سے کہا تھا کہ تم فقہاء بصرہ میں سے ہو پس قرآن ناطق یا سنت ماضیہ سے ہی فتویٰ دینا، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو خود بھی ہلاک ہو گے اور لوگوں کو بھی ہلاک کر دگے، ابو نصر کہتے ہیں کہ جب ابوسلمہ بصرہ میں آئے تو میں اور حسن بصری ان کی ملاقات کو گئے، انہوں نے حسن بصری سے فرمایا حسن بصری تم ہی ہو بصرہ میں تم سے زیادہ کسی کی ملاقات کا مجھ کو شوق نہ تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے سنا ہے کہ تم اپنی رائے سے فتویٰ دیتے ہو پس آئندہ بجز قرآن و حدیث کے اپنی رائے سے فتویٰ نہ دینا،

اور ابن المنکدر کہتے ہیں کہ عالم خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہوا کرتا ہے پس اس کو اپنے لئے نجات کا کوئی راستہ پیدا کرنا چاہئے، امام شعبی سے دریافت کیا گیا کہ جب تم سے مسائل پوچھے جاتے تھے تو تم کیا کرتے تھے، انہوں نے فرمایا تم نے جاننے والے سے یہ بات دریافت کی جب کسی شخص سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تھا تو وہ اپنے مصاحب سے کہتا تھا کہ تم اس مسئلہ کا جواب دو، پس ایسے ہی یہ بات ایک دوسرے سے کہی جاتی تھی، یہاں تک کہ پہلے ہی عالم کی جانب انتہا ہو جایا کرتی تھی، امام شعبی نے فرمایا یہ علماء رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ بیان کریں اس پر عمل کرو اور جو کچھ اپنی رائے سے کہیں اس کو پاخانہ میں پھینک دو۔ ان آثار کو دارمی نے روایت کیا ہے پس حدیث اور اثر کی تدوین قرآن اور اس کے نسخوں کی کتابت بلاد اسلام میں پھیل گئی حتی کہ اہل روایت میں سے ایسے بہت کم تھے جن کے پاس کوئی صحیفہ یا نسخہ نہ ہو یا وہ تدوین نہ کرتے ہوں اور یہ اس لئے کہ ان کو کسی بڑے موقع پر ضرورت پڑتی تھی پس اس وقت کے بلند پایہ علماء نے حجاز، شام، عراق، مصر،

عمر لجابر بن زید انك من فقهاء البصرة فلا تفت الا بقرآن ناطق او سنة ماضية، فانك ان فعلت غير ذلك هلكت واهلكت، وقال ابو النضر لما قدم ابو سلمة البصرة اتيته انا والحسن فقال للحسن انت الحسن ما كان احد بالبصرة احب الى لقاء منك، وذلك انه بلغني انك تفتى برايك فلا تفت برايك الا ان يكون سنة عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم او كتاب منزل، وقال ابن المنكدر ان العالم يدخل فيما بين الله وبين عباده، فليطلب لنفسه المخرج، وسئل الشعبي "كيف كنتم تصنعون اذا سئلتم؟ قال على الخبير وقعت كان اذا سئل الرجل قال لصاحبه افتهم فلا يزال حتى يرجع الى الاول، وقال الشعبي ما حدثوك هؤلاء عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فخذ به، وما قالوه برايهم فالقه في الحش اخرج هذه الآثار عن آخرها الدارمي فوقع شيوع تدوين الحديث والاثر في بلدان الاسلام، وكتابة الصحف والنسخ حتى قل ما يكون اهل الرواية الا كان له تدوين او صحيفة او نسخة من حاجتهم لموقع عظيم، فطاف من ادرك من عظمائهم ذلك الزمان بلاد الحجاز والشام والعراق ومصر

یمن اور خراسان کا سفر کیا اور کتابیں جمع کیں اور نسخوں میں تتبع کیا، غریب حدیث اور آثار نادرہ میں بہت خوض کیا، پس ان کے اہتمام سے احادیث اور آثار اس قدر مجتمع ہو گئے جو پیشتر کسی سے جمع نہ ہو سکے تھے اور ان کے لئے وہ سامان مہیا ہو گیا جو پہلے کسی کے لئے مہیا نہ ہوا تھا اور بے شمار طرق احادیث خاصۃً انہی کو معلوم ہوئے یہاں تک کہ ان کے پاس ایسی احادیث بہت سی تھیں جو سو اور اس سے بھی زیادہ طرق سے مروی تھیں، پس بعض طرق نے بعض دوسرے نامعلوم طرق کو واضح کر دیا اور علماء نے ہر حدیث کا مرتبہ معلوم کر لیا کہ کون سی غریب ہے اور کون سی مستفیض ہے اور حدیث کے متابعات اور اس کے شواہد میں غور کرنے کا ان کو موقع ملا، اور بہت سی صحیح احادیث جو پہلے اہل فتوی پر ظاہر نہ ہوئی تھیں ان کو معلوم ہو گئیں، امام شافعی نے امام احمد سے کہا تھا کہ تم کو ہم سے زیادہ احادیث صحیحہ کا علم ہے پس جو حدیث صحیح ہوا کرے وہ مجھ کو بتلا دیا کرو تاکہ میں اس کی طرف رجوع کروں خواہ وہ حدیث کوفی ہو یا بصری ہو یا شامی ہو، اس کو ابن ہمام نے نقل کیا ہے،

امام شافعی نے امام احمد سے یہ اس واسطے کہا تھا کہ بہت سی احادیث ایسی تھیں جن کو خاص ایک ایک شہر کے لوگ ہی روایت کرتے تھے جیسے وہ احادیث جن کو صرف شامیوں نے روایت کیا یا عراقیوں نے روایت کیا یا صرف ایک ہی خاندان کے لوگوں نے روایت کیا جیسے برید کا نسخہ کہ انہوں نے ابو بردہ سے روایت کیا اور ابو بردہ نے ابو موسیٰ سے روایت کیا، اور عمرو بن شعیب کا نسخہ جو انہوں نے اپنے باپ سے اور ان کے باپ نے اپنے باپ سے روایت کیا، یا بعض صحابی قلیل الروایت اور گوشہ نشین تھے جن سے بہت کم لوگوں نے احادیث روایت کی ہیں، پس اس قسم کی احادیث سے اکثر اہل فتوی غافل تھے اور ان کے پاس ہر شہر

والیمن وخراسان، وجمعوا الکتب وتتبعوا النسخ وامعنوا فی التفحص عن غریب الحدیث ونوادر الاثر فاجتمع باھتمام اولئك من الحدیث والآثار ما لم یجتمع لاحد قبلھم وتیسر لھم ما لم یتیسر لاحد قبلھم وخلص الیھم من طرق الاحادیث شیء کثیر حتی کان یکثر من الاحادیث عندھم مائة طریق فما فوقھا، فکشف بعض الطرق ما استتر فی بعضھا الآخر، وعرفوا محل کل حدیث من الغرابة والاستفاضة، وامکن لھم النظر فی المتابعات والشواھد وظھر علیھم احادیث صحیحة کثیرة لم تظھر علی اھل الفتوی من قبل، قال الشافعی لاحمد انتم اعلم بالاخبار الصحیحة منا فاذا کان خبر صحیح فاعلمونی حتی اذھب الیه کوفیا کان اوبصریا او شامیا، حکاہ ابن الھمام وذلك لانه کم من حدیث صحیح لا یرویه الا اھل بلد خاصة کافراد الشامیین والعراقیین او اھل بیت خاصة کنسخة برید عن ابی بردة عن ابی موسی، ونسخة عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدہ اوکان الصحابی مقلا خاملا لم یحمل عنه الا شرذمة قلیلون، فمثل ھذہ الاحادیث یغفل عنھا عامة اھل الفتوی، واجتمعت عندھم آثار فقھاء کل بلد

کے فقہیہ صحابہ اور تابعین کے آثار کا مجموعہ تھا ان سے پیشتر کے لوگ صرف اپنے شہر اور اپنے اصحاب کی حدیثوں کو جمع کر سکتے تھے اور پیشتر کے علماء اسماء رجال اور ان کی عدالت کے مراتب پہچاننے میں اپنے خالص مشاہدہ اور قرائن کے تتبع پر اعتماد کرتے تھے، لیکن اس طبقہ کے علماء نے اس فن میں نہایت غور کیا اور اس کو مدون کر کے اور بحث و تفتیش کر کے ایک مستقل فن کر دیا، اور احادیث کے صحیح اور غیر صحیح قرار دینے میں نہایت نظر کی اس طرح اس تدوین اور مناظرہ سے ان حدیثوں کا حال معلوم ہو گیا جن کا متصل یا منقطع ہونا پہلے مخفی تھا، امام سفیان و وکیع اور ان کے امثال کی یہ حالت تھی کہ وہ نہایت اہتمام سے اجتہاد کرتے تھے لیکن حدیث مرفوع متصل ایک ہزار سے کم ہی ان کو حاصل ہوئی تھیں جیسا کہ ابوداؤد سجستانی نے اس کو اپنے خط میں ذکر کیا ہے جس کو انہوں نے اہل مکہ کو بھیجا تھا، اور اس طبقہ کے محدثین تقریباً چالیس ہزار تک احادیث کی روایت کرتے تھے۔

امام بخاری کے متعلق یہ صحیح ہے کہ انہوں نے چھ ہزار احادیث سے صحیح بخاری کو مختصر کیا ہے اور ابوداؤد کی نسبت بھی یہ ثابت ہے کہ انہوں نے پانچ ہزار احادیث سے اپنی سنن کو منتخب کیا ہے، اور امام احمد نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث معلوم کرنے کے لئے اپنی مسند کو میزان قرار دیا ہے، پس جو حدیث اس مسند میں موجود ہے اگرچہ اس کی روایت ایک ہی طریقہ سے ہو اس کی کوئی اصل ہے اور جو اس میں نہ ہو اس کو بے اصل سمجھنا چاہیئے، اس طبقہ کے بڑے علماء یہ ہیں:- عبدالرحمن بن مہدی، یحیی بن سعید قطان، یزید بن ہارون، عبدالرزاق

من الصحابة والتابعين، وكان الرجل فيما قبلهم لا يتمكن الا من جمع حديث بلده واصحابه، وكان من قبلهم يعتمدون في معرفة اسماء الرجال ومراتب عدالتهم على ما يخلص اليهم من مشاهدة الحال وتتبع القرائن، وامعن هذه الطبقة في هذا الفن وجعلوه شيئاً مستقلاً بالتدوين والبحث وناظروا في الحكم بالصحة وغيرها فانكشف عليهم بهذا التدوين والمناظرة ما كان خافياً من حال الاتصال والانقطاع وكان سفيان ووكيع وامثالهما يجتهدون غاية الاجتهاد، فلا يتمكنون من الحديث المرفوع المتصل الا من دون الف حديث كما ذكره ابوداود السجستاني في رسالته الى اهل مكة وكان اهل هذه الطبقة يروون اربعين الف حديث فما يقرب منها بل صح عن البخاري انه اختصر صحيحه من ستة آلاف حديث، وعن ابي داود انه اختصر سننه من خمسة آلاف حديث، وجعل احمد مسنده ميزانا يعرف به حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فما وجد فيه ولو بطريق واحد منه فله اصل والا فلا اصل له فكان رءوس هؤلاء عبد الرحمن بن مهدي ويحيى بن سعيد القطان ويزيد بن هارون

ابوبکر بن ابی شیبہ، مسدد، ہناد، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، فضل بن دکین، علی مدینی اور انکے ہم مرتبہ محدثین، اور یہی طبقہ طبقات محدثین کا پہلا نمونہ ہے،

پس محققین اہل حدیث فن روایت و معرفت مراتب احادیث کو مکمل کرنے کے بعد فقہ کی طرف مائل ہوئے، پس جبکہ بہت سی احادیث اور آثار کو انہوں نے ان مذاہب میں سے ہر ایک مذہب کے مخالف دیکھا تو متقدمین میں سے کسی خاص امام تقلید کرنے پر اتفاق کرنے کو انہوں نے درست نہ سمجھا، پس وہ خود احادیث نبوی کا صحابہ، تابعین اور مجتہدین کے آثار کا ان قواعد کے موافق جو انہوں نے اپنے نزدیک قرار دے رکھے تھے تتبع کرنے لگے، اور میں ان قواعد کو تمہارے لئے چند کلمات میں بتلائے دیتا ہوں،

ان کا مسلک یہ تھا کہ جب کسی مسئلہ میں قرآن ناطق ہو تو کسی دوسری شئ کی طرف توجہ کرنا جائز نہیں ہے، اور جب آیت قرآنی میں چند احتمالات ہوں تو اس کا فیصلہ حدیث سے کرنا چاہئے،

اور جب قرآن میں ان کو کوئی حکم نہ ملتا تھا تو رسول خدا کی حدیث پر عمل کرتے تھے خواہ وہ سنت مستفیض ہو جس پر فقہار کا عمل رہا ہو یا کسی خاص شہر کے علمار سے یا کسی خاص خاندان کے علمار سے یا کسی خاص طریقہ سے مروی ہو، خواہ صحابہ اور فقہار نے اس پر عمل کیا ہو یا نہ کیا ہو،

اور جب کسی مسئلہ میں ان کو حدیث مل جاتی تھی تو اس کے خلاف کسی اثر یا کسی اجتہاد کا اتباع نہیں کرتے

وعبد الرزاق وابو بكر بن ابي شيبة ومسدد وهناد واحمد بن حنبل و اسحق بن راهويه والفضل بن دكين وعلي المديني واقرانهم وهذه الطبقة هي الطراز الاول من طبقات المحدثين فرجع المحققون منهم بعد احكام فن الرواية ومعرفة مراتب الاحاديث الى الفقه فلم يكن عندهم من الرأى ان يجمع على تقليد رجل ممن مضى مع ما يرون من الاحاديث والآثار المناقضة في كل مذهب من تلك المذاهب فاخذوا يتتبعون احاديث النبي صلى الله تعالى عليه وآله و سلم وآثار الصحابة والتابعين و المجتهدين على قواعد احكموها في نفوسهم - وانا ابينها لك في كلمات يسيرة - كان عندهم انه اذا وجد في المسألة قرآن ناطق فلا يجوز التحول منه الى غيره واذا كان القرآن محتملا لوجوه فالسنة قاضية عليه فاذا لم يجدوا في كتاب الله اخذوا بسنة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم سواء كان مستفيضاً دائراً بين الفقهاء او يكون مختصاً باهل بلد او اهل بيت او بطريق خاصة وسواء عمل به الصحابة والفقهاء او لم يعملوا به، ومتى كان في المسألة حديث فلا يتبع فيها خلاف اثر من الآثار ولا اجتهاد احد من

تھے، اور جب تتبع احادیث میں پوری کوشش کر چکتے تھے اور اس مسئلہ میں ان کو حدیث نہیں ملتی تھی تو جماعتِ صحابہ وتابعین کے اقوال پر عمل کرتے تھے، اور اس میں وہ کسی قوم یا کسی شہر کے پابند نہیں تھے جیسا کہ ان سے پہلے لوگ کرتے تھے، پس اگر کسی مسئلہ میں جمہور خلفاء اور فقہاء کو متفق پاتے تھے تو اس پر قناعت کرتے تھے اور اگر وہ مسئلہ مختلف فیہ ہوتا تھا تو ان میں سے جو بڑا عالم، پرہیزگار یا زیادہ ضابط یا زیادہ مشہور ہوتا تھا اس کی حدیث کو لیتے تھے، اور اگر وہ کوئی ایسا مسئلہ پاتے تھے جس میں مساوی قوت کے دو قول ہوتے تھے تو وہ مسئلہ ذات القولین[1] رہتا تھا اور اگر اس سے بھی عاجز آجاتے تھے تو کتاب وسنت کی عام تعبیرات، ان کے اشارات اور اقتضاءات میں غور کیا کرتے تھے اور نظیر مسئلہ کو ان پر حمل کرتے تھے بشرطیکہ دونوں مسئلے بادی الرائے میں ایک سی حالت رکھتے ہوں، اس امر میں وہ قوانین اصول کی پابندی نہیں کرتے تھے، بلکہ اس طریق پر اعتماد کرتے تھے جو صاف صاف سمجھ میں آئے اور دل کو اس سے اطمینان ہو جیسے تواتر کے لئے راویوں کی تعداد میزان نہیں ہے اور نہ ہی ان کا حال میزان ہے بلکہ اس کے لئے میزان وہ یقین ہے جو خبر کے بعد لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے، صحابہ کے حالات میں ہم اس کو بیان کر چکے ہیں، اور یہ اصول متقدمین کے برتاؤ اور انکی تصریحات سے مستخرج تھے، میمون بن مہران سے منقول ہے کہ ابوبکرؓ کے پاس جب کوئی قضیہ پیش ہوتا تھا تو اس کا جواب کتاب اللہ میں تلاش کرتے تھے، پس اگر کتاب اللہ میں ایسا امر معلوم ہو جاتا تھا جس سے لوگوں میں فیصلہ کیا جائے تو اس کے ساتھ فیصلہ کر دیتے تھے اور اگر قرآن میں اس کا جواب نہ ملتا تھا تو آں حضرت صلے اللہ

المجتهدين وإذا فرغوا جهدهم في تتبع الأحاديث ولم يجدوا في المسألة حديثا أخذوا بأقوال جماعة من الصحابة والتابعين ولا يتقيدون بقوم دون قوم ولا بلد دون بلد كما كان يفعل من قبلهم فإن اتفق جمهور الخلفاء والفقهاء على شئ فهو المقنع، وإن اختلفوا أخذوا بحديث أعلمهم علما وأورعهم ورعا أو أكثرهم ضبطا أو ما اشتهر عنهم فإن وجدوا شيئا يستوي فيه قولان فهي مسألة ذات قولين فإن عجزوا عن ذلك أيضا تأملوا في عمومات الكتاب والسنة وإيماءاتهما واقتضاءاتهما وحملوا نظير المسألة عليها في الجواب إذا كانتا متقاربتين بادي الرأي لا يعتمدون في ذلك على قواعد من الأصول ولكن على ما يخلص إلى الفهم ويثلج به الصدر كما أنه ليس ميزان التواتر عدد الرواة ولا حالهم ولكن اليقين الذي يعقبه في قلوب الناس كما نبهنا على ذلك في بيان حال الصحابة۔ وكانت هذه الأصول مستخرجة عن صنيع الأوائل وتصريحاتهم، وعن ميمون بن مهران قال كان أبو بكر إذا ورد عليه الخصم نظر في كتاب الله فإن وجد فيه ما يقضي بينهم قضى به وإن لم يكن في الكتاب وعلم من رسول الله صلى

۱؎ یعنی اس میں دونوں وجہیں درست ہیں، ۱۲۔

علیہ وسلم کی حدیث جو اس امر میں آپ کو معلوم ہوتی تھی اسکے مطابق فیصلہ کرتے تھے اور اگر حدیث بھی معلوم نہ ہوتی تو باہر جا کر مسلمانوں سے دریافت کرتے کہ ایسا ایسا مسئلہ میرے سامنے پیش ہوا ہے کیا تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں کوئی فیصلہ صادر فرمایا ہے؟ پس کبھی آپ کے پاس بہت سے آدمی جمع ہو جاتے اور کہتے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق یہ فیصلہ کیا تھا، تب ابوبکرؓ فرماتے احمد للہ خدا نے ہم میں ایسے لوگ پیدا کئے ہیں جو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال محفوظ رکھتے ہیں،

اور اگر سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پانے سے بھی عاجز ہو جاتے تھے تو معتمد اور نیک لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے پس جس امر پر سب اتفاق رائے کرتے اس کے موافق آپ فیصلہ کر دیتے تھے، قاضی شریح سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے ان کو تحریر کیا تھا کہ اگر تمہارے پاس کوئی ایسا مسئلہ پیش ہو جس کا حکم کتاب اللہ میں مذکور ہے تو اس کے موافق فیصلہ کرنا اور ایسا نہ ہو کہ لوگ تم کو اس سے باز رکھیں، اور اگر ایسا مسئلہ پیش ہو جس کا حکم کتاب اللہ میں نہ ملے تو سنت رسول اللہ کو تلاش کر کے اس کے موافق فیصلہ کرنا اور اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش ہو جس کا حکم نہ کتاب اللہ میں ہے اور نہ اس کے بارے میں حدیث رسولؐ ہے تو اس قول پر نظر کرنا جس پر لوگوں نے اتفاق کیا ہو اور اس کے موافق فیصلہ کرنا،

اور اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش ہو جس کا حکم نہ کتاب اللہ میں ہے اور نہ اس کے بارے میں حدیث رسولؐ منقول ہے اور نہ تم سے پہلے لوگوں میں سے کسی نے اس میں رائے دی ہے تو دو امروں میں سے جو چاہو اختیار کرنا، اگر اپنی رائے سے

الله تعالی علیه واله وسلم فی ذلك الامر سنة قضی بها فان اعیاه خرج فسال المسلمین وقال اتانی کذا وکذا فهل علمتم ان رسول الله صلی الله علیه واله وسلم قضی فی ذلك بقضاء؟ فربما اجتمع الیه النفر کلهم یذکر من رسول الله صلی الله علیه وسلم فیه قضاء فیقول ابوبکر الحمد لله الذی جعل فینا من یحفظ علی نبیّنا فان اعیاه ان یجد فیه سنة من رسول الله صلی الله تعالی علیه واله وسلم جمع رءوس الناس وخیارهم فاستشارهم فاذا اجتمع رایهم علی امر قضی به ؛

وعن شریح ان عمر بن الخطاب کتب الیه ان جاءك شئ فی کتاب الله فاقض به ولا یلتفتك عنه الرجال فان جاءك ما لیس فی کتاب الله فانظر سنة رسول الله صلے الله علیه وسلم فاقض بها فان جاءك ما لیس فی کتاب الله ولم یکن فیه سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم فانظر ما اجتمع علیه الناس فخذ به فان جاءك ما لیس فی کتاب الله ولم یکن فیه سنة رسول الله صلی الله علیه وا سلم ولم یتکلم فیه احد قبلك فاختر ای الامرین شئت ان شئت

اجتہاد کرنا چاہو اور پیش قدمی کرنا چاہو تو اجتہاد کرنا اور اگر اجتہاد میں تاخیر کرنا چاہو تو تاخیر کرنا، اور میں تمہارے لئے تاخیر ہی کو بہتر سمجھتا ہوں، عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے وہ کہتے تھے ہم پر ایسا زمانہ گذرا ہے کہ ہم کسی مسئلہ میں فتوٰی نہ دیتے تھے اور نہ ہم فتوٰی دینے کے قابل تھے اور خدا نے مقدر کیا تھا کہ ہم کو اس درجہ تک پہنچا دیا جس کو تم دیکھتے ہو، پس آج کے بعد جسکے پاس کوئی مقدمہ پیش ہو تو اسمیں کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کرے اور اگر ایسا مقدمہ پیش ہو جس کا حکم کتاب اللہ میں نہیں ہے تو اس میں وہ فیصلہ دے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے، اور اگر ایسا مقدمہ پیش ہو جس کا حکم نہ قرآن میں ہے اور نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کوئی حکم دیا ہے تو جیسا صالحین امّت نے فیصلہ کیا ہو اس کے موافق فیصلہ کرے اور اپنی طرف سے یہ نہ کہے کہ میں اسمیں خوف کرتا ہوں اور اس کو پسند کرتا ہوں اس واسطے کہ حرام اور حلال صاف اور ظاہر ہیں اور حرام وحلال کے بیچ میں مشتبہ امور ہیں پس شک کی بات کو ترک کرو اور جس پر یقین ہو اس کو لو، اور عبداللہ بن عباس کی یہ حالت تھی کہ جب ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تھا پس اگر اس کا حکم قرآن میں ہوتا تھا تو بتلا دیتے تھے اور اگر قرآن میں اس کا حکم نہ ملتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حکم ثابت ہوتا تو بتلا دیتے اور اگر حضورؐ سے بھی ثابت نہ ہوتا تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا دیا ہوا حکم بیان کردیتے، اور اگر ان سے بھی کوئی حکم محقق نہ ہوتا تو اپنی رائے سے فرماتے، عبداللہ بن عباس سے مروی ہے وہ فرمایا کرتے تھے "کیا تم کو اس کا خوف نہیں ہے کہ خدا تم کو عذاب دے یا زمین میں دھنسا دے یہ کہ تم کہتے ہو کہ رسولِ خدا نے ایسا کہا تھا اور فلاں شخص نے ایسا کہا تھا، قتادہ سے مروی ہے کہ ابن سیرین نے ایک شخص کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کی

ان تجتهد برايك ثم تقدم فتقدم وان شئت ان تتاخر فتاخر ولا ارى التاخر الا خيرا لك، وعن عبد ابن مسعود قال اتى علينا زمان لسنا نقضي ولسنا هنالك وان الله قد قدر من الامر ان قد بلغنا ما ترون فمن عرض له قضاء بعد اليوم فليقض فيه بما في كتاب الله عز و جل فان جاءه ما ليس في كتاب الله فليقض بما قضى به رسول الله صلى الله عليه وسلم فان جاءه ما ليس في كتاب الله ولم يقض فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم فليقض بما قضى به الصالحون ولا يقل اني اخاف واني ارى فان الحرام بين و الحلال بين وبين ذلك امور مشتبهة فدع ما يريبك الى ما لا يريبك، و كان ابن عباس اذا سئل عن الامر فان كان في القران اخبر به وان لم يكن في القران وكان عن رسول الله صلى الله عليه واله وسلم اخبر به، وان لم يكن فعن ابي بكر وعمر فان لم يكن قال فيه برايه - عن ابن عباس اما تخافون ان تعذبوا او يخسف بكم ان تقولوا قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم وقال فلان عن قتادة، قال حدث ابن سيرين رجلا بحديث عن النبي صلى الله عليه وسلم فقال الرجل قال

تو اس نے کہا کہ فلاں شخص تو ایسا ایسا کہتا ہے، تب ابن سیرین نے کہا میں تم سے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم یہ کہتے ہو فلاں شخص نے ایسا ایسا کہا ہے، اوزاعی سے روایت ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے یہ حکم لکھوایا تھا کہ کسی کو قرآن میں رائے دینے کا حق نہیں ہے اور ائمہ صرف انہی امور میں رائے دے سکتے ہیں جن کے بارے میں قرآن نازل نہ ہوا ہو اور نہ ان کے بارے میں حدیث رسولؐ منقول ہو، اور جس امر میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت موجود ہے اس میں بھی کسی کو رائے دینے کا حق نہیں ہے،

اعمش سے روایت ہے کہ ابراہیم کہا کرتے تھے کہ مقتدی امام کے بائیں جانب کھڑا ہوا کرے، پس میں نے ان سے حدیث بیان کی کہ سمیع الزیات ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس کو اپنے دائیں جانب کھڑا کیا تھا پس ابراہیم نے اس حدیث کو قبول کرلیا، شعبی سے مروی ہے کہ ایک شخص انکے پاس ایک مسئلہ دریافت کرنے آیا تو شعبی نے کہا عبد اللہ بن مسعود اس امر میں یہ فرمایا کرتے تھے، اس نے کہا آپ مجھکو اپنی رائے بتلایئے تب شعبی نے کہا کیا تم اس شخص پر تعجب نہیں کرتے، میں عبد اللہ ابن مسعود کی طرف سے خبر دے رہا ہوں اور وہ مجھ سے میری رائے دریافت کرتا ہے، اور مجھکو اس سے زیادہ اپنا دین پسندیدہ ہے، واللہ مجھکو راگ، گانا اچھا معلوم ہوتا ہے اس سے کہ میں اپنی رائے ظاہر کروں، دارمی نے یہ تمام آثار بیان کئے ہیں،

ترمذی نے ابو السائب سے روایت کی ہے کہ ہم وکیع کے پاس بیٹھے تھے انہوں نے ایک شخص سے جو رائے کو دخل دیا کرتا تھا کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اشعار[1] کیا، اور ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اشعار مثلہ[2] ہے

فلان كذا وكذا، فقال ابن سيرين احدثك عن النبي صلے الله عليه وسلم وتقول قال فلان كذا وكذا - عن الاوزاعي قال كتب عمر بن عبد العزيز انه لا راى لاحد فى كتاب الله وانما راى الائمة فيما لم ينزل فيه كتاب ولم تمض فيه سنة من رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا راى لاحد فى سنة سنها رسول الله صلے الله عليه وسلم - عن الاعمش قال كان ابراهيم يقول يقوم عن يساره، فحدثته عن سميع الزيات عن ابن عباس ان النبي صلے الله تعالى عليه واله وسلم اقامه عن يمينه فاخذ به - عن الشعبي، جاءه رجل يسئله عن شئ فقال كان ابن مسعود يقول فيه كذا وكذا قال اخبرني انت برايك فقال الا تعجبون من هذا اخبرته عن ابن مسعود ويسالني عن رائي وديني عندى اثر من ذلك والله لان اغنى باغنية احب الى من ان اخبرك برائي، اخرج هذه الآثار كلها الدارمي ؛

واخرج الترمذي عن ابي السائب قال كنا عند وكيع فقال الرجل ممن ينظر فى الراى اشعر رسول الله صلى الله عليه واله وسلم ويقول ابو حنيفة هو مثلة ؟ قال

[1] اونٹ کے کوہان پر زخم کر دینا تاکہ قربانی کا معلوم ہو اور کوئی اس سے تعرض نہ کرے - ۱۲ - [2] شکل بگاڑنا، اس کی شریعت میں ممانعت ہے - ۱۲ -

اس شخص نے کہا کہ ابوحنیفہ نے تو ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ اشعار مثلہ ہے، ابوسائب کہتے ہیں کہ میں نے وکیع کو دیکھا کہ اس شخص پر انہوں نے بہت غصہ کیا اور کہا میں تجھ سے کہتا ہوں رسولِ خدا نے ایسا فرمایا ہے اور تو کہتا ہے ابراہیم یہ کہتے ہیں، تو اسی قابل ہے کہ قید کر دیا جائے اور جب تک اپنے قول سے باز نہ آئے رہا نہ کیا جائے، عبداللہ بن عباس، عطار، مجاہد، مالک ابن انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے وہ کہا کرتے تھے کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے قول کو اختیار اور رد نہ کیا جا سکے بجز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کے،

حاصل کلام یہ ہے کہ جب علمار نے فقہ کو ان قواعد پر مرتب کیا تو ان مسائل میں سے جن میں قدمار نے کلام کیا تھا اور وہ جو ان کے زمانہ میں واقع ہوئے تھے کوئی مسئلہ ایسا نہ تھا جس کے متعلق کوئی حدیث مرفوع متصل یا مرسل یا موقوف، صحیح یا حسن یا قابلِ اعتبار انہوں نے نہ پائی ہو، یا اس مسئلہ کے متعلق شیخین یا دیگر خلفار، وقضاۃِ امصار اور فقہائے بلاد کے آثار میں سے کسی اثر کو انہوں نے نہ پایا ہو یا اس مسئلہ کے متعلق انہوں نے عموم، ایمار، یا اقتضار، کے ذریعہ کسی استنباط کو نہ حاصل کیا ہو، اس طرح پر علمار کے لئے خدا نے سنت پر عمل کرنا آسان کر دیا،

اس زمانہ کے علمار میں سے نہایت عظیم الشان، زیادہ روایت کرنے والے اور مراتب حدیث سے زیادہ واقف اور فقہ میں سب سے زیادہ غائر النظر امام احمد بن محمد بن حنبل تھے، ان کے بعد اسحٰق بن راہویہ تھے،

اور فقہ کا اس طرح سے مرتب کرنا بہت سی

الرجل فانه قد روى عن ابراهيم النخعي انه قال الاشعار مثلة قال رايت وكيعا غضب غضبا شديدا وقال اقول لك قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وتقول قال ابراهيم ما احقك بان تحبس ثم لا تخرج حتى تنزع عن قولك هذا، وعن عبد الله بن عباس وعطاء ومجاهد ومالك ابن انس رضى الله عنهم انهم كانوا يقولون ما من احد الا وهو ماخوذ من كلامه ومردود عليه الا رسول الله صلى الله عليه وسلم، وبالجملة فلما مهدوا الفقه على هذه القواعد فلم تكن مسألة من المسائل التى تكلم فيها من قبلهم والتى وقعت فى زمانهم الا وجدوا فيها حديثا مرفوعا متصلا او مرسلا او موقوفا صحيحا او حسنا او صالحا للاعتبار، او وجدوا اثرا من اثار الشيخين او سائر الخلفاء وقضاة الامصار وفقهاء البلدان، او استنباطا من عموم او ايماء او اقتضاء فيسر الله لهم العمل بالسنة على هذا الوجه وكان اعظمهم شانا واوسعهم رواية واعرفهم للحديث مرتبة واعمقهم فقها احمد بن محمد بن حنبل ثم اسحق ابن راهويه، وكان ترتيب الفقه على هذا الوجه يتوقف على جمع شئ

احادیث اور آثار پر موقوف تھا یہانتک کہ امام احمد
سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص کے لئے ایک لاکھ
احادیث کافی ہو سکتی ہیں تاکہ وہ فتویٰ دینے کے قابل ہو سکے،
انہوں نے کہا اتنی کافی نہیں ہیں، پھر کہا گیا کہ پانچ لاکھ
ہوں تو فتویٰ دے سکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا
مجھکو امید ہے کہ اتنی کفایت کر سکیں، غایت المنتہی میں
یہ مذکور ہے۔ امام احمد کی مراد یہی ہے کہ فتویٰ دینے
کے لئے اتنی حدیثیں کافی ہیں،

اس کے بعد خدا تعالے نے ایک دوسرے زمانہ کی
پیدائش کی انہوں نے اپنے اصحاب کو دیکھا کہ انہوں نے
احادیث کے جمع کرنے اور فقہ مرتب کرنے کی تکلیف خود
برداشت کی اس واسطے انہوں نے اور فنون کیجانب
توجہ کی، مثلاً ان صحیح احادیث کو ممیز کر دیا جو کبرائے اہلِ
حدیث کے نزدیک متفق علیہ تھیں، جیسے زید بن ہارون
یحیٰ بن سعید قطان، احمد، اسحٰق اور ان کے ہم مرتبہ لوگوں
نے ان کو صحیح مانا تھا، اور مثلاً فقہ کے متعلق ان احادیث
کو جمع کیا جن پر فقہا، امصار اور علما، بلاد اسلامی نے اپنے
اپنے مذاہب کی بنیاد قائم کی تھی، اور مثلاً جو حدیث جس
درجہ کی مستحق تھی اس پر وہی حکم لگایا، اور مثلاً ان شاذ و نوادر
احادیث کو جمع کیا جن کو سابقین نے روایت نہ کیا تھا یا
ان کے وہ طرق بیان کئے جن طرق سے متقدمین نے ان کو
بیان نہیں کیا تھا، ان میں وہ احادیث بھی ظاہر ہوئیں جنمیں
اتصال یا علو سند کا وصف تھا یا ان کی روایت فقیہ نے فقیہ سے
کی تھی یا حافظ حدیث نے حافظِ حدیث سے کی تھی یا اس کے
علاوہ اور مطالب علمی ان میں مندرج تھے، اس منصب کے
محدثین بخاری، مسلم، ابوداؤد، عبد بن حمید، دارمی، ابن ماجہ،
ابویعلی، ترمذی، نسائی، دارقطنی، حاکم، بیہقی، خطیب، دیلمی،
ابن عبد البر اور ان کے ہم مرتبہ لوگ ہیں، اور میرے نزدیک ان
سب میں وسیع العلم، سب سے زیادہ نافع مصنف اور مشہور ترین

كثير من الاحاديث والآثار حتى سئل
احمد يكفي الرجل مائة الف حديث
حتى يفتي؟ قال لا حتى قيل خمسمائة
الف حديث قال ارجوا، كذا في غاية
المنتهى، ومراده الافتاء على هذا
الاصل ثم انشأ الله تعالى قرنا
اخر فراوا اصحابهم قد كفوا مؤنة
جمع الاحاديث وتمهيد الفقه على
اصلهم فتفرغوا لفنون اخرى
كتمييز الحديث الصحيح المجمع
عليه بين كبراء اهل الحديث كزيد
ابن هرون ويحيى بن سعيد القطان
واحمد واسحق واضرابهم، وكجمع
احاديث الفقه التي بنى عليها فقهاء
الامصار وعلماء البلدان مذاهبهم
وكالحكم على كل حديث بما يستحقه
وكالشاذة والفاذة من الاحاديث
التي لم يروها او طرقها التي لم
يخرجوا من جهتها الاوائل مما فيه
اتصال او علو سند او رواية فقيه
عن فقيه او حافظ عن حافظ، ونحو
ذلك من المطالب العلمية، وهؤلاء
هم البخاري ومسلم وابو داود وعبد
ابن حميد والدارمي وابن ماجة و
ابو يعلى والترمذي والنسائي والدار
قطني والحاكم والبيهقي والخطيب و
الديلمي وابن عبد البر وامثالهم،
وكان اوسعهم علما عندي وانفعهم
تصنيفا واشهرهم ذكرا رجال

چار شخص ہیں جن کا زمانہ قریب قریب ہے، سب سے اول ابو عبد اللہ بخاری ہیں، ان کی غرض یہ تھی کہ جس قدر احادیث صحیح مستفیض اور متصل ہیں اور احادیث سے جدا کر دی جائیں اور ان احادیث سے فقہ، سیرت اور تفسیر کو مستنبط کیا جائے، اس واسطے انہوں نے اپنی جامع صحیح کو تصنیف کیا اور جو شرط مقرر کی تھی اس کو پورا کیا،

اور ہمیں یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ایک نیک آدمی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ نے فرمایا تجھکو کیا ہو گیا ہے کہ تو محمد بن ادریس کی فقہ میں مشغول ہے اور میری کتاب کو تو نے چھوڑ دیا ہے، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی کتاب کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا صحیح بخاری، اور مجھ کو اپنی زندگی کی قسم ہے کہ صحیح بخاری کو ایسی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی ہے کہ اس سے زیادہ کا قصد نہیں ہو سکتا۔

اور دوسرے شخص مسلم نیشاپوری ہیں انہوں نے بھی یہی قصد کیا کہ ان احادیث صحیحہ کو جمع کریں جو محدثین کے نزدیک متفق علیہ، متصل اور مرفوع ہوں اور ان سے احکام مستنبط ہو سکیں، اور انہوں نے یہ بھی قصد کیا کہ احادیث کو قریب الفہم کر دیں اور ان سے مسائل کا استنباط کرنا سہل ہو جائے اس واسطے انہوں نے نہایت عمدہ ترتیب دی اور ایک ہی موقع پر ہر حدیث کے تمام طرق کو جمع کر دیا تاکہ نہایت صراحت کے ساتھ اختلاف متون اور تفرق اسانید واضح ہو جائے اور انہوں نے تمام مختلف احادیث کو یکجا کر دیا تاکہ عربی زبان کے واقف کو حدیث سے اعراض کر کے اور طرف متوجہ ہونے کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے ــــ اور تیسرے شخص ابو داؤد سجستانی ہیں، اور ان کا قصد یہی تھا کہ ایسی احادیث یکجا کر دیں جن سے فقہاء استدلال کرتے ہیں اور جو ان میں مروج ہیں اور جن کو علماء بلاد نے احکام کی بنیاد قرار دیا ہے،

اربعة متقاربون فی العصر،

اولهم ابو عبد الله البخاری وكان غرضه تجريد الاحاديث الصحاح المستفيضة المتصلة من غيرها، واستنباط الفقه والسيرة والتفسير منها، فصنف جامعه الصحيح ووفى بما شرط، وبلغنا ان رجلا من الصالحين راى رسول الله صلى الله عليه واله وسلم فی منامه وهو يقول مالك اشتغلت بفقه محمد بن ادريس وتركت كتابی، قال يا رسول الله وما كتابك؟ قال صحيح البخاری، ولعمری انه نال من الشهرة والقبول درجة لا يرام فوقها؛

وثانيهم مسلم النيسابوری توخی تجريد الصحاح المجمع عليها بين المحدثين المتصلة المرفوعة مما يستنبط منه السنة، واراد تقريبها الی الاذهان وتسهيل الاستنباط منها فرتب ترتيبا جيدا وجمع طرق كل حديث فی موضع واحد ليتضح اختلاف المتون، وتشعب الاسانيد اصرح ما يكون، وجمع بين المختلفات فلم يدع لمن له معرفة بلسان العرب عذرا فی الاعراض عن السنة الی غيرها

وثالثهم ابو داود السجستانی، وكان همته جمع الاحاديث التی استدل بها الفقهاء ودارت فيهم وبنی عليها الاحكام علماء الامصار،

اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنی سنن کو تصنیف کیا
اور اس میں صحیح، حسن اور قابل عمل احادیث کو جمع کیا، ابو
داؤد کہتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث
بیان نہیں کی جس کے ترک پر سب کا اتفاق ہو، اور ان میں
سے جو حدیث ضعیف تھی اس کا ضعف بیان کر دیا اور جس
حدیث میں کوئی علت تھی اس کو ایسی وجہ کے ساتھ بیان کر دیا
جس کو علم حدیث میں خوض کرنے والا خوب سمجھ سکتا ہے اور
ہر حدیث میں اس مسئلہ کو بیان کر دیا جس کو کسی عالم نے
اس حدیث سے مستنبط کیا تھا اور جس کو کسی اہل مذہب نے
اختیار کیا تھا اسی لئے غزالی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ
ابو داؤد کی یہ کتاب مجتہد کے لئے کافی ہے،

اور چوتھے شخص ابو عیسیٰ ترمذی ہیں انہوں نے
شیخین[1] کے طریقہ کو جہاں انہوں نے صاف بیان کیا تھا
اور جس کو انہوں نے مبہم چھوڑا تھا پسندیدہ صورت میں کر دیا
اور ہر صاحب مسلک کے مذہب کو بیان کر کے ابو داؤد
کے طریقہ کو بھی اختیار کیا ہے پس دونوں طریقوں کو جمع کیا
اور ان پر صحابہ، تابعین اور فقہاء امصار کے مذاہب کے بیان
کا اضافہ کیا پس ایک جامع کتاب تصنیف کی اور طرق
حدیث کو نہایت بہتر شکل میں مختصر کر دیا، ایک طریق کو ذکر کر کے
دوسرے طرق کی طرف اشارہ کیا اور ہر حدیث کا حال بیان
کر دیا کہ وہ صحیح ہے یا حسن ہے، ضعیف ہے یا منکر ہے، اور
ضعف کی وجہ بھی ظاہر کر دی تاکہ طالب حدیث کو پوری
بصیرت حاصل ہو جائے اور قابل اعتماد احادیث کو دیگر
احادیث سے تمیز کر سکے، اور یہ بھی ذکر کر دیا کہ فلاں حدیث
شائع یا غریب ہے، مذاہب صحابہ و فقہاء بلاد کو
بھی نقل کر دیا اور جس شخص کے نام معلوم کرنے
کی ضرورت تھی اس کا نام بتا دیا اور جس کی کنیت کی ضرورت
تھی اس کی کنیت بتا دی اور اہل علم کے لئے کوئی امر

[1] شیخین سے مراد امام بخاری و مسلم ہیں، ۱۲۔

فصنف سننه وجمع فيها الصحيح و
الحسن واللين والصالح للعمل، قال
ابو داؤد ما ذكرت في كتابي حديثا
اجمع الناس على تركه، وما كان
منها ضعيفا صرح بضعفه، وما
كان فيه علة بينها بوجه يعرفه
الخائض في هذا الشأن، وترجم على
كل حديث بما قد استنبط منه عالم
وذهب اليه ذاهب، ولذلك صرح
الغزالي وغيره بان كتابه كاف
للمجتهد ؛

ورابعهم هو ابو عيسى الترمذي
وكانه استحسن طريقة الشيخين
حيث بينا وما ابهما، وطريقة ابي
داؤد حيث جمع كل ما ذهب اليه
ذاهب، فجمع كلتا الطريقتين وزاد
عليهما بيان مذاهب الصحابة و
التابعين وفقهاء الامصار، فجمع
كتابا جامعا واختصر طرق الحديث
اختصارا لطيفا، فذكر واحدا واوما الى
ما عداه، وبين امر كل حديث من
انه صحيح او حسن او ضعيف او منكر
وبين وجه الضعف ليكون الطالب
على بصيرة من امره، فيعرف ما يصلح
للاعتبار عما دونه، وذكر انه
مستفيض او غريب، وذكر مذاهب
الصحابة وفقهاء الامصار، وسمى
من يحتاج الى التسمية وكنى من يحتاج
الى الكنية، ولم يدع خفاء لمن هو

مخفی نہ رکھا اسی واسطے علماء کا قول ہے کہ یہ کتاب مجتہد کو کافی ہے اور مقلد کو بے نیاز کرنے والی ہے، امام مالک اور سفیان ثوری کے زمانہ میں اور ان کے بعد کے زمانہ میں ان محتاط اشخاص کے مقابلہ میں ایسے لوگ بھی تھے جو مسائل کے بیان کرنے میں کوئی برائی محسوس نہیں کرتے تھے اور فتویٰ دینے سے خوف نہیں کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ دین کی بنیاد فقہ پر ہی ہے اس واسطے اس کی اشاعت ضرور ہونی چاہئے، وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنے میں اور آپ تک سلسلۂ روایت پہنچانے میں خوف محسوس کرتے تھے حتیٰ کہ امام شعبی نے فرمایا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کسی اور کی طرف نسبت کرنا ہمارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، اگر حدیث میں کوئی کمی بیشی ہوگی تو اسی شخص پر ہوگی، ابراہیم نخعی کہتے ہیں مجھ کو یہ کہنا اچھا معلوم ہوتا ہے کہ عبد اللہ نے کہا اور علقمہ نے کہا، اور عبد اللہ بن مسعود جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو ان کا چہرہ بدل جایا کرتا تھا اور فرماتے تھے کہ آں حضرت نے ایسا ہی یا اس کے مثل فرمایا ہے، اور جس وقت حضرت عمرؓ نے انصار کی ایک جماعت کو کوفہ روانہ کیا تو ان سے فرمایا تم کوفہ کو جاتے ہو وہاں تم ایسے لوگوں سے ملوگے جو قرآن پڑھتے وقت روتے ہیں پس وہ تمہارے پاس آئیں گے اور کہیں گے محمد رسول اللہ کے صحابہ آئے ہیں وہ تم سے احادیث دریافت کریں گے تم رسولِ خدا سے احادیث کی روایت بہت کم کرنا،

ابن عون کا قول ہے شعبی کے پاس جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تھا تو وہ بہت احتیاط کرتے تھے اور ابراہیم خوب بیان کرتے تھے، ان آثار کو دارمی نے روایت کیا ہے، پس حدیث فقہ اور مسائل کو دوسرے طرز پر مدون کرنے کی ضرورت واقع ہوئی

من رجال العلم، ولذلك يقال انه كاف للمجتهد مغن للمقلد، وكان بازاء هؤلاء في عصر مالك وسفيان وبعدهم قوم لا يكرهون المسائل ولا يهابون الفتيا ويقولون على الفقه بناء الدين فلا بد من اشاعته ويهابون رواية حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم والرفع اليه حتى قال الشعبي على من دون النبي صلى الله عليه وآله وسلم احب الينا، فان كان فيه زيادة او نقصان كان على من دون النبي صلى الله عليه وسلم، وقال ابراهيم اقول قال عبد الله، وقال علقمة احب الينا، وكان ابن مسعود اذا حدث عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم تربد وجهه وقال هكذا او نحوه هكذا او نحوه، وقال عمر حين بعث رهطا من الانصار الى الكوفة انكم تاتون الكوفة فتاتون قوما لهم ازيز بالقران فيأتونكم فيقولون قدم اصحاب محمد قدم اصحاب محمد، فيأتونكم فيسألونكم عن الحديث فاقلوا الرواية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال ابن عون كان الشعبي اذا جاءه شئ اتقى، وكان ابراهيم يقول ويقول اخرج هذه الآثار الدارمي، فوقع تدوين الحديث والفقه والمسائل من حاجتهم بموقع من وجه آخر،

اور یہ اس واسطے کہ ان کے پاس اتنی احادیث اور آثار نہ تھے جن سے ان اصول کے موافق جن کو اہل حدیث نے پسند کیا ہے استنباط فقہ پر قادر ہوتے اور ان کو یہ پسند نہ تھا کہ علماء بلاد کے اقوال میں غور کرتے، ان کو جمع کرتے اور ان سے بحث کرتے بلکہ اس امر میں ان کو متہم سمجھا، اور ان کا اپنے اماموں کے متعلق یہ اعتقاد تھا کہ وہ نہایت درجہ کے محقق ہیں اور ان کے دلوں کا میلان سب سے زیادہ اپنے اصحاب کی طرف ہی تھا، جیسے علقمہ کا قول ہے کہ کوئی صحابی عبداللہ بن مسعود سے زیادہ راسخ العلم نہیں ہے، اور ابو حنیفہ نے کہا تھا ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور اگر صحابی ہونے کی فضیلت نہ ہوتی تو میں یہ بھی کہہ دیتا کہ علقمہ عبداللہ بن عمر سے زیادہ فقیہ ہیں لیکن ان لوگوں میں فطانت اور سمجھ اور ایک شئی سے دوسری شئی کی طرف ذہن کا سرعتِ انتقال اس درجہ تھا کہ وہ اس کے ذریعہ اپنے اصحاب کے اقوال کے مطابق جواب مسائل کی تخریج بخوبی کر سکتے تھے، اور جس شخص کی پیدائش میں جو چیز ہوتی ہے وہ اس کے لئے سہل ہو جایا کرتی ہے (ہر گروہ اپنے اس طریقہ پر نازاں ہے جو ان کے پاس ہے) اس طرح پر انہوں نے تخریج کے قاعدہ پر فقہ کی ترتیب دی اور وہ یہ کہ ہر ایک اس شخص کی کتاب کو محفوظ رکھتا تھا جو ان کے اصحاب کی زبان اور علماء کے اقوال کا زیادہ واقف اور ترجیح میں جس کی نظر سب سے زیادہ صحیح ہوتی تھی، اس واسطے وہ ہر مسئلہ میں حکم کی وجہ میں غور کر سکتا تھا پس جب کسی عالم سے مسئلہ دریافت کیا جاتا یا اس کو کسی امر کی ضرورت پیش آتی تو وہ اپنے اصحاب کی تصریحات میں غور کرتا جو اس کو محفوظ ہوتی تھیں اگر ان میں جواب مل جاتا تو فبہا ورنہ ان کے عموم کلام کو دیکھتا اور اس مسئلہ کو اس عموم پر جاری کرتا یا کلام کے ضمنی اشارہ کو دیکھتا اور اس سے جواب مسئلہ مستنبط کر لیتا، کبھی بعض کلام میں

وذلك انه لم يكن عندهم من الاحاديث والآثار ما يقدرون به على استنباط الفقه على الاصول التي اختارها اهل الحديث، ولم تنشرح صدورهم للنظر في اقوال علماء البلدان وجمعها والبحث عنها واتهموا انفسهم في ذلك وكانوا اعتقدوا في ائمتهم انهم في الدرجة العليا من التحقيق وكان قلوبهم اميل شئ الى اصحابهم كما قال علقمة هل احد منهم اثبت من عبد الله؟ وقال ابو حنيفة ابراهيم افقه من سالم ولولا فضل الصحبة لقلت علقمة افقه من ابن عمر، وكان عندهم من الفطانة والحدس وسرعة انتقال الذهن من شئ الى شئ ما يقدرون به على تخريج جواب المسائل على اقوال اصحابهم، وكل ميسر لما خلق له، وكل حزب بما لديهم فرحون، فمهدوا الفقه على قاعدة التخريج، وذلك ان يحفظ كل احد كتاب من هو لسان اصحابه واعرفهم باقوال القوم واصحهم نظرا في الترجيح فيتامل في كل مسألة وجه الحكم، فكلما سئل عن شئ او احتاج الى شئ راى فيما يحفظه من تصريحات اصحابه، فان وجد الجواب فبها والا نظر الى عموم كلامهم فاجراه على هذه الصورة، او اشارة ضمنية لكلام فاستنبط منها، وربما كان لبعض

کوئی اشارہ یا اقتضا ہوا کرتا تھا جس سے امر مقصود مفہوم ہو جایا کرتا تھا، اور کبھی مسئلہ مصرح کی کوئی نظیر ہوتی تھی جس پر اصل مسئلہ کو حمل کر لیا کرتے تھے اور کبھی وہ حکم مصرح کی علت میں بتخریج یا بایُسر وحذف غور کرتے تھے اور اس کے حکم کو غیر مصرح میں ثابت کرتے تھے، اور کبھی کسی عالم کے دو قول ہوتے تھے کہ اگر ان کو قیاس اقترانی یا شرطی کی ہیئت پر جمع کر لیتے تو جواب مسئلہ کا اس سے حاصل ہو جاتا، اور کبھی ان کے کلام میں بعض امور مثال اور تقسیم سے معلوم ہوتے تھے لیکن ان کی تعریف جامع اور مانع معلوم نہ تھی اس واسطے وہ فقہاء اہل زبان کی طرف رجوع کرتے تھے اور اس شئ کے ذاتیات حاصل کرتے ہیں، اس کی جامع مانع تعریف مرتب کرتے ہیں، اس کے مبہم کو ضبط کرتے ہیں، اور اس کے مشکل کو ممیز کر دینے میں کوشش کرتے تھے، اور کبھی ان کے کلام میں دو وجوہ کا احتمال ہوتا تھا، پس وہ دونوں میں سے ایک کو ترجیح دینے میں غور کرتے تھے، اور کبھی دلائل کی ادائیگی میں خفا ہوتا ہے پس یہ فقہاء اس کو صاف صاف بیان کر دیتے ہیں، اور کبھی کبھی بعض اصحاب تخریج نے اپنے ائمہ کے فعل اور ان کے سکوت وغیرہ سے استدلال کیا ہے، پس ان طرق مذکورہ کو تخریج کہا جاتا ہے اور اسی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے قول کی اس طرح تخریج کی ہے اور کہا جاتا ہے کہ فلاں مذہب کے موافق یا فلاں شخص کے قاعدہ کے موافق یا فلاں شخص کے قول کے موافق مسئلہ کا جواب اس اس طرح ہے اور ان تخریج کرنے والوں کو مجتہدین فی المذہب کہا جاتا ہے، اور جس نے یہ کہا ہے کہ جس نے مبسوط کو یاد کر لیا وہ مجتہد ہے تو اس سے وہی اجتہاد مراد ہے جو تخریج سے متعلق ہے اگرچہ ایسے شخص کو روایت کا علم بالکل نہ ہو اور اس کو ایک حدیث بھی معلوم نہ ہو

الکلام ایماء او اقتضاء یفہم المقصود وربما کان للمسالۃ المصرح بہا نظیر یحمل علیہا، وربما نظروا فی علۃ الحکم المصرح بہ بالتخریج او بالیسر والحذف فادار وحکمہ علی حکمہ علی غیر المصرح، وربما کان لہ کلامان لو اجتمعا علی ہیاۃ القیاس الاقترانی او الشرطی انتجا جواب المسالۃ، وربما کان فی کلامہ ما ہو معلوم بالمثال والقسمۃ غیر معلوم بالحد الجامع المانع فیرجعون الی اہل اللسان ویتکلفون فی تحصیل ذاتیاتہ، وترتیب حد جامع مانع لہ، وضبط مبہمہ وتمییز مشکلہ و ربما کان کلامہ محتملا بوجہین فینظرون فی ترجیح احد المحتملین وربما یکون تقریب الدلائل خفیا فیبینون ذلک وربما استدل بعض المخرجین من فعل ائمتہم وسکوتہم ونحو ذلک، فہذا ہو التخریج، ویقال لہ القول المخرج لفلان کذا، ویقال علی مذہب فلان او علی اصل فلان او علی قول فلان جواب المسالۃ کذا وکذا ویقال لہؤلاء المجتہدون فی المذہب وعنی ہذا الاجتہاد علی ہذا الاصل من قال من حفظ المبسوط کان مجتہدا، ای وان لم یکن لہ علم بروایۃ اصلا، ولا بحدیث

اس طرح ہر ایک مذہب میں تخریج واقع ہوئی اور اس کی کثرت ہوگئی، پس جس مذہب کے لوگ زمانہ میں مشہور ہوگئے اور ان کو عہدہ قضاء و استفتاء ملا اور انکی تصانیف لوگوں میں مشہور ہوئیں اور انہوں نے عام طور پر درس دینا شروع کیا تو وہ مذہب اطراف عالم میں پھیل گیا اور ہمیشہ اس کی شہرت ہوتی رہی اور جس مذہب کے لوگ گمنام رہے اور ان کو منصب قضاء و افتاء نہ ملا اور لوگوں نے ان میں رغبت نہ کی تو وہ چند روز کے بعد نابود ہوگیا ٭

چوتھا باب (۴):- اس بیان میں کہ چوتھی صدی ہجری سے پہلے اور بعد میں لوگوں کا کیا حال تھا

واضح ہو کہ چوتھی صدی سے پہلے لوگ کسی ایک خاص مذہب کی تقلید پر متفق نہ تھے، ابو طالب مکی نے قوت القلوب میں لکھا ہے کہ کتابیں اور مجموعات، لوگوں کے اقوال بیان کرنا، کسی شخص کے مذہب پر فتوی دینا اور اس کا قول اختیار کرنا اور ہر امر میں اس کا قول نقل کرنا اور اس کے مذہب پر فقہ کی بنیاد قائم کرنا یہ سب نئی باتیں ہیں، قرن اول اور دوم میں پہلے لوگ ان باتوں کے قائل نہیں تھے، انتہی۔ میں کہتا ہوں کہ دونوں قرنوں کے بعد کسی قدر تخریج کا طریقہ پیدا ہوگیا لیکن چوتھی صدی کے لوگ کسی خاص شخص کی تقلید خالص پر متفق نہیں تھے اور نہ کسی خاص شخص کے فقہ کے پابند تھے اور نہ ہر امر میں اسی کے قول کو نقل کرتے تھے جیسا کہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ انمیں علماء

واحد فوقع التخريج في كل مذهب وكثر، فاى مذهب كان اصحابه مشهورين وسد اليهم القضاء والافتاء، واشتهر تصانيفهم في الناس ودرسوا درسا ظاهرا انتشر في اقطار الارض ولم يزل ينتشر كل حين، واى مذهب كان اصحابه خاملين، ولم يولوا القضاء والافتاء ولم يرغب فيهم الناس اندرس بعد حين ٭

باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها

اعلم ان الناس كانوا قبل المائة الرابعة غير مجمعين على التقليد الخالص لمذهب واحد بعينه، قال ابو طالب المكي في قوت القلوب ان الكتب والمجموعات محدثة والقول بمقالات الناس والفتيا بمذهب الواحد من الناس واتخاذ قوله والحكاية له من كل شئ والتفقه على مذهبه لم يكن الناس قديما على ذلك في القرنين الاول والثاني انتهى اقول بعد القرنين حدث فيهم شئ من التخريج غير ان اهل المائة الرابعة لم يكونوا مجتمعين على التقليد الخالص على مذهب واحد والتفقه له والحكاية لقوله كما يظهر من التتبع، بل كان فيهم العلماء و

اور عام لوگ تھے، عام لوگوں کی یہ حالت تھی کہ وہ ان متفقہ مسائل میں جن میں اہلِ اسلام یا جمہور مجتہدین کا اختلاف نہ تھا صاحب شریعت کے سوا کسی اور کی تقلید نہیں کرتے تھے، وضو، غسل، نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کا طریقہ وہ اپنے باپ دادوں یا شہر کے علماء سے سیکھ لیا کرتے تھے اور اسی کے موافق عمل کرتے تھے، اور جب کوئی نیا واقعہ پیش آتا تھا تو بلا تعین مذہب جو مفتی مل جاتا تھا اس سے مسئلہ دریافت کر لیا کرتے تھے، اور خاص لوگوں کی یہ حالت تھی کہ ان میں سے محدثین حدیث میں مصروف رہتے تھے اس واسطے ان کے پاس نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کے آثار اسقدر موجود تھے کہ ان کو کسی مسئلہ میں کسی اور چیز کی حاجت نہیں رہتی تھی اور انکے پاس بہت سی احادیث مستفیضہ یا صحیحہ تھیں جن پر بعض فقہاء عمل کر چکے تھے اور جن کی وجہ سے تارکِ عمل کو کوئی عذر باقی نہ رہا، یا ان کے پاس جمہور صحابہ اور تابعین سے ایسے اقوال منقولہ موجود تھے جن کی مخالفت مستحسن معلوم نہیں ہوتی تھی، پس اگر تعارض نقل اور وجہ ترجیح ظاہر نہ ہونے وغیرہ سے کسی مسئلہ میں ان کا دل مطمئن نہ نہیں ہوتا تھا تو گذشتہ فقہاء میں سے کسی کے کلام کی طرف رجوع کر لیا کرتے تھے اور اگر اس مسئلہ میں فقہاء کے دو قول ان کو ملتے تھے تو ان میں سے جو زیادہ قابل اعتماد ہوتا تھا اس کو اختیار کرتے تھے خواہ وہ قول اہلِ مدینہ کا ہو یا اہل کوفہ کا ہو،

اور ان خواص میں سے اہلِ تخریج کی یہ حالت تھی کہ جس مسئلہ کو وہ مصرح نہیں پاتے تھے اس میں وہ تخریج کرتے تھے اور مذہب میں اجتہاد کرتے تھے اور یہ لوگ اپنے اصحاب کے مذہب کی طرف منسوب ہوا کرتے تھے

والعامة وكان من خبر العامة انهم كانوا في المسائل الاجماعية التي لا اختلاف فيما بين المسلمين او جمهور المجتهدين لا يقلدون الا صاحب الشرع، وكانوا يتعلمون صفة الوضوء والغسل والصلاة والزكاة ونحو ذلك من ابائهم و معلمي بلدانهم فيمشون حسب ذلك، واذا وقعت لهم واقعة استفتوا فيها اى مفت وجدوا من غير تعيين مذهب، وكان من خبر الخاصة انه كان اهل الحديث منهم يشتغلون بالحديث فيخلص اليهم من احاديث النبي صلى الله عليه وسلم واثار الصحابة ما لا يحتاجون معه الى شئ آخر في المسألة من حديث مستفيض او صحيح قد عمل به بعض الفقهاء ولا عذر لتارك العمل به، او اقوال متظاهرة لجمهور الصحابة والتابعين مما لا يحسن مخالفتها فان لم يجد في المسألة ما يطمئن به قلبه لتعارض النقل وعدم وضوح الترجيح ونحو ذلك، رجع الى كلام بعض من مضى من الفقهاء، فان وجد قولين اختار اوثقهما سواء كان من اهل المدينة او من اهل الكوفة، وكان اهل التخريج منهم يخرجون فيما لا يجدونه مصرحا ويجتهدون في المذهب، وكان هؤلاء ينسبون

پس کہا جاتا تھا کہ فلاں شخص شافعی ہے اور فلاں شخص حنفی ہے، اور اہل حدیث بھی کثرتِ موافقت کی وجہ سے کبھی کبھی کسی خاص مذہب کی طرف منسوب ہوتے تھے، جیسے نسائی اور بیہقی امام شافعی کی طرف منسوب ہوتے تھے،

اور سوائے مجتہد کے کسی کو قضاء اور فتوے کی خدمت نہیں ملتی تھی اور صرف مجتہد ہی کو فقیہ کہتے تھے، ان قرنوں کے بعد اور لوگ ہوئے جو دائیں بائیں چلنے لگے اور چند امور ان میں بالکل نئے پیدا ہو گئے،

از انجملہ علم فقہ کے متعلق ان میں نزاع اور خلاف پیدا ہو گیا، اس کی تفصیل جیسے کہ امام غزالی نے بیان کی ہے یہ ہے کہ جب خلفائے راشدین مہدیین کا زمانہ گذر گیا تو خلافت ان لوگوں کو مل گئی جو اس کے قابل اور مستحق نہیں تھے اور نہ ہی ان کو فتاوی اور احکام دین کا مستقل علم تھا اس واسطے ان کو فقہاء سے مدد حاصل کرنے کی اور ہر حال میں ان کو اپنے ساتھ رکھنے کی ضرورت ہوئی، اور علماء میں سے کچھ ایسے لوگ باقی رہ گئے تھے جو طرز اول پر قائم تھے اور صاف دین کے پابند تھے پس جب یہ امراء ان کو طلب کرتے تھے تو وہ گریز کرتے تھے اور خلفاء کی صحبت سے اعراض کرتے تھے تب اس زمانہ کے لوگوں نے دیکھا کہ علماء کی بڑی عزت ہے اور باوجود ان کے اعراض کے سلاطین ان پر ٹوٹے پڑتے ہیں تو ان لوگوں نے اعزاز اور مرتبہ حاصل کرنے کی آرزو میں نہایت شوق سے علم کی طلب میں توجہ کی پھر تو فقہاء مطلوب ہونے کے طالب ہو گئے اور سلاطین کی طرف توجہ نہ کرنے کی وجہ سے جس قدر معزز تھے بعد میں ان کی طرف التفات کرنے سے اسی قدر ذلیل ہو گئے مگر جس کو خدا نے توفیق دی وہ اس ذلت سے بچا رہا اور ان لوگوں سے پہلے لوگ علم کلام میں کتابیں تصنیف کر چکے تھے

الی مذاهب اصحابهم فيقال فلان شافعي و فلان حنفي، وكان صاحب الحديث ايضا قد ينسب الى احد المذاهب لكثرة موافقته له كالنسائي والبيهقي ينسبان الى الشافعي، فكان لا يتولى القضاء ولا الافتاء الا المجتهد ولا يسمى الفقيه الا المجتهد، ثم بعد هذه القرون كان ناس آخرون ذهبوا يمينا وشمالا، وحدث فيهم امور، منها الجدل والخلاف في علم الفقه وتفصيله على ما ذكره الغزالي انه لما انقرض عهد الخلفاء الراشدين المهديين افضت الخلافة الى قوم تولوها بغير استحقاق ولا استقلال بعلم الفتاوى والاحكام، فاضطروا الى الاستعانة بالفقهاء والى استصحابهم في جميع احوالهم، وقد كان بقي من العلماء من هو مستمر على الطراز الاول وملازم صفو الدين فكانوا اذا طلبوا هربوا واعرضوا فرأى اهل تلك الاعصار عز العلماء واقبال الائمة عليهم مع اعراضهم فاشرأبوا لطلب العلم توصلا الى نيل العز ودرك الجاه، فاصبح الفقهاء بعد ان كانوا مطلوبين طالبين، و بعد ان كانوا اعزة بالاعراض عن السلاطين اذلة بالاقبال عليهم الا من وفقه الله، وقد كان من قبلهم قد صنف ناس في علم الكلام واكثروا

القال والقيل والايراد والجواب وتمهيد طريق الجدل، فوقع ذلك منهم بموقع من قبل ان كان من الصدور والملوك من مالت نفسه الى المناظرة فى الفقه وبيان الاولى من مذهب الشافعى وابى حنيفة رحمه الله فترك الناس الكلام وفنون العلم واقبلوا على المسائل الخلافية بين الشافعى وابى حنيفة رحمه الله على الخصوص وتساهلوا فى الخلاف مع مالك وسفيان واحمد بن حنبل وغيرهم وزعموا ان اغراضهم استنباط دقائق الشرع وتقرير علل المذهب تمهيد اصول الفتاوى واكثروا فيها التصانيف والاستنباطات ورتبوا فيها انواع المجادلات والتصنيفات وهم مستمرون عليه الى الآن لسنا ندرى ما الذى قدر الله تعالى فيما بعدها من الاعصار انتهى حاصله ومنها انهم اطمانوا بالتقليد ودب التقليد فى صدورهم دبيب النمل وهم لا يشعرون، وكان سبب ذلك تزاحم الفقهاء ومجادلهم فيما بينهم فانهم لما وقعت فيهم المزاحمة فى الفتوى كان كل من افتى بشئ نوقض فى فتواه ورد عليه فلم ينقطع الكلام الا بمسير الى تصريح رجل من المتقدمين فى المسألة، وايضا جور القضاة فان القضاة لما جار

اور اس فن میں بہت قیل وقال کر چکے تھے اور اعتراضات وجوابات اور مقابلہ وجدل کا طریقہ بیان کر چکے تھے پس اس علم نے ان کے دلوں میں اس وقت تک قرار پایا جب تک وزراء اور سلاطین کی طبیعتیں فقہ میں مناظرہ کی جانب اور مذہب شافعی وابو حنیفہ میں اولویت ظاہر ہونے کی طرف مائل نہ ہوئیں، بعد میں لوگوں نے علم کلام اور علمی فنون کو ترک کر دیا اور بالخصوص امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے اختلافی مسائل کی طرف متوجہ ہو گئے اور جو اختلافات امام مالک، سفیان اور احمد بن حنبل وغیرہم کے ساتھ تھے ان میں تساہل کیا اور یہ لوگ سمجھے کہ اس چھان بین سے ان کی غرض شریعت کے دقیق مسائل کا مستنبط کرنا اور مذہب کی علتوں کا بیان کرنا اور اصولِ فتاویٰ کی تمہید ہے، انہوں نے ان اختلافات میں تصانیف اور استنباطات بکثرت کیں، اور کئی قسم کے مجادلوں اور تصانیف کو انہوں نے مرتب کیا اور وہ ابتک اسی میں برابر مصروف ہیں ہم نہیں جانتے کہ آئندہ زمانوں میں خدا تعالےٰ نے کیا مقدر کر رکھا ہے، انتہی حاصلہٗ۔

از انجملہ یہ کہ ان کو تقلید پر پورا اطمینان ہو گیا اور آہستہ آہستہ تقلید ان کے سینوں میں سرایت کرتی گئی اور ان کو خبر بھی نہ ہوئی، اس تقلید کا سبب فقہاء کا باہم مجادلہ اور مزاحمت ہے، کیونکہ جب ان میں فتویٰ دینے میں مزاحمت واقع ہوئی تو جو شخص فتویٰ دیتا تھا فوراً اس کے فتوے پر اعتراض کئے جاتے تھے اور اس کا رد کیا جاتا تھا، پس سخن کا سلسلہ اس مسئلہ کے بارے میں متقدمین سے کسی شخص کے مصرح قول پر ختم ہوتا تھا،

اور نیز تقلید کا ایک سبب قاضیوں کا ظلم تھا کیونکہ

جب اکثر قاضیوں کی طبیعت میں ظلم آگیا اوران میں
امانت نہ رہی توان کے فیصلے جب ہی مقبول سمجھے
جاتے تھے کہ عام لوگوں کوان میں اشتبا باقی نہ رہے
اوران کا پہلے سے کوئی قائل بھی ہو،
اورنیز ایک سبب یہ تھا کہ حکام جاہل تھے اور
لوگ ایسے لوگوں سے فتوی لیتے تھے جن کو نہ علم
حدیث حاصل تھا اور نہ وہ تخریج کے طریقے سے واقف
تھے جیسا کہ اکثر متاخرین کی ظاہری حالت تم دیکھتے ہو
ابن ہمام وغیرہ نے اس پر تنبیہ کی ہے، اس زمانہ میں غیر
مجتہد کو بھی فقیہ کہنے لگے تھے،
ازانجملہ یہ ہے کہ اکثر لوگ ہر فن کی باریک بینی کی طرف
متوجہ ہوگئے، پس ان میں سے بعض نے خیال کیا کہ وہ علم
اسماء الرجال کی بنیاد مستحکم کر رہے ہیں اور جرح و تعدیل کے
مرتبوں کو معلوم کرتے ہیں، اس کے بعد انہوں نے قدیم
اور جدید تاریخ کی طرف توجہ کی اور بعض نے نادر اور
غریب خبروں میں تفتیش شروع کی خواہ وہ خبریں موضوع
کے درجہ کی ہوں، اور بعض نے اصول فقہ کے متعلق زیادہ
گفتگو کی اور ہر ایک نے اپنے اپنے اصحاب کے لئے مناظرہ کے
اصول مستنبط کئے، پس ان کو مقابل پر پیش کیا اور نہایت
درجہ اعتراضات کئے اور انکے جوابات دیئے اور نہایت درجہ
چھان بین کی، ہر امر کی تعریف و تقسیم کی، پس کبھی طول کلام
کیا اور کبھی اختصار کیا، بعض نے اس میں یہ روش اختیار کی
کہ مسائل کی ایسی مستبعد صورتیں فرض کیں جو اس قابل تھیں
کہ کوئی عاقل ان کے درپئے نہ ہو اور مخرجین اور ان سے
بھی کمتر لوگوں کے کلام سے ایسے عمومات اور ایماءات
تفتیش شروع کی جن کا سننا نہ عالم پسند کرتا ہے
اور نہ جاہل،
اس جدل و مخالفت اور تعمق کا ضرر اس فتنہ اولی کے
قریب قریب تھا جب لوگوں نے ملک میں فساد برپا کرے تھے

أكثرهم ولم يكونوا امناء لم يقبل
منهم الا ما لا يريب العامة فيه و
يكون شيئا قد قيل من قبل، وايضا
جهل رءوس الناس واستفتاء الناس
من لا علم له بالحديث ولا بطريق
التخريج كما ترى ذلك ظاهرا في
أكثر المتاخرين، وقد نبه عليه ابن
الهمام وغيره، وفي ذلك الوقت
يسمى غير المجتهد فقيها، ومنها
ان اقبل أكثرهم على التعمقات في
كل فن فمنهم من زعم انه يؤسس
علم اسماء الرجال ومعرفة مراتب
الجرح والتعديل ثم خرج من ذلك
الى التاريخ قديمه وحديثه، ومنهم
من تفحص عن نوادر الاخبار وغرائبها
وان دخلت في حد الموضوع، ومنهم
من كثر القيل والقال في اصول الفقه
واستنبط كل لاصحابه قواعد
جدلية فاورد فاستقصى واجاب
وتقصى وعرف وقسم فحرر طول
الكلام تارة وتارة اخرى اختصر،
ومنهم من ذهب الى هذا بفرض
الصور المستبعدة التي من حقها ان
لا يتعرض لها عاقل وبفحص العمومات
والايماءات من كلام المخرجين فمن
دونهم مما لا يرتضي استماعه عالم
ولا جاهل، وفتنة هذا الجدال و
الخلاف والتعمق قريبة من الفتنة
الاولى حين تشاجروا في الملك

اور ہر شخص نے اپنے ساتھی کی امداد کی تھی، پس جس طرح اس فتنہ و فساد سے انجام کار ظالم حکومت قائم ہو گئی اور نہایت سخت اور تاریک واقعات پیش آئے اسی طرح اس جدل و اختلاف سے جہالت، اختلاط، شکوک اور اوہام پیدا ہو گئے جن سے نجات کی امید نہیں ان کے بعد صرف تقلید کے زمانے پیدا ہوتے گئے لوگوں کو حق و باطل میں مخاصمت اور استنباط میں کچھ تمیز نہ رہی فقیہ اس زمانہ میں اس شخص کا نام ہو گیا جو بڑا بکواسی اور زبان دراز ہو، جو فقہاء کے قوی و ضعیف اقوال بغیر امتیاز کے حفظ کرے اور منہ زوری سے ان کو بیان کرتا جائے اور محدث اس شخص کا نام ہو گیا جو صحیح، سقیم حدیثیں شمار کرنے اور قصہ گویوں کی طرح زبان زوری سے بیان کرتا جائے، میں یہ بات کلیتہً سب کی نسبت نہیں کہتا ہوں کیونکہ بندگان الٰہی میں سے ایک جماعت ہمیشہ ایسی ہوا کرتی ہے جن کو کوئی رسوا کرنے والا ضرر نہیں پہنچا سکتا اور وہ خدا کی زمین میں اس کی طرف سے حجت ہوتے ہیں اگرچہ ان کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو، اس کے بعد جو زمانہ آتا گیا اس میں فتنہ اور تقلید کی زیادتی ہی ہوتی گئی اور لوگوں کے دلوں سے امانت دور ہوتی گئی حتیٰ کہ امور دین میں غور و خوض کرنا انہوں نے ترک کر دیا اور یہ کہہ کر مطمئن ہو گئے "ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک جماعت پر متفق پایا ہے ہم انہیں کے نشانوں کے پیرو ہیں"، اور خدا تعالےٰ ہی سے شکایت ہے اور اسی سے طلب اعانت ہے، اسی کا سہارا ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔

فصل

اس مقام کے مناسب یہ ہے کہ ان مسائل پر لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے کہ جن کے صحراؤں میں افہام بہک گئے، قدم لغزش کھا گئے

وانتصر كل رجل لصاحبه فكما اعقبت تلك ملكا عضوضا ووقائع صماء عمياء فكذلك اعقبت هذه جهلا واختلاطا وشكوكا ووهما ما لها من ارجاء فنشأت بعدهم قرون على التقليد الصرف لا يميزون الحق من الباطل ولا الجدل عن الاستنباط فالفقيه يومئذ هو الثرثار المتشدق الذى حفظ اقوال الفقهاء قويها وضعيفها من غير تمييز وسردها بشقشقة شدقيه والمحدث من عد الاحاديث صحيحها وسقيمها وهذها كهذ الاسمار بقوة لحييه، ولا اقول ذلك كليا مطردا فان لله طائفة من عباده لا يضرهم من خذلهم وهم حجة الله فى ارضه وان قلوا، ولم يات قرن بعد ذلك الا وهو اكثر فتنة واوفر تقليدا واشد انتزاعا للامانة من صدور الرجال حتى اطمأنوا بترك الخوض فى امر الدين وبان يقولوا انا وجدنا اباءنا على امة وانا على اثارهم مقتدون، والى الله المشتكى وهو المستعان وبه الثقة وعليه التكلان

فصل

ومما يناسب هذا المقام التنبيه على مسائل ضلت فى بواديها الافهام، وزلت الاقدام

اور قلموں نے کج روی کی،

ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ یہ مذاہب اربعہ جو مدون ہو چکے ہیں اور تحریر میں آچکے ہیں تمام امت یا وہ لوگ جو اس امت میں قابل اعتبار ہیں سب اس زمانہ میں ان کی تقلید کے جائز اور درست ہونے پر متفق ہیں اور اس تقلید میں بہت سی مصلحتیں ہیں جو مخفی نہیں ہیں خاصکر اس زمانہ میں جس میں لوگ نہایت ہی پست ہمت ہو گئے ہیں اور ان کے قلوب خواہش نفسانی سے پُر ہو گئے اور ہر شخص اپنی ہی رائے پر ناز کرنے لگا، پس ابن حزم نے جو کہا ہے کہ تقلید حرام ہے اور کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ بجز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بلا دلیل کسی کے قول کو اختیار کرے کیونکہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے "انہیں امور کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کئے گئے ہیں اور خدا کے علاوہ اور مقربین کا اتباع نہ کرو" نیز خدا تعالےٰ فرماتا ہے "جب مشرکین سے کہا جاتا ہے ان احکام کی پیروی کرو جو خدا تعالےٰ نے نازل فرمائے ہیں تو وہ کہتے ہیں نہیں بلکہ ہم تو انہیں چیزوں کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے" اور جو لوگ تقلید نہیں کرتے انکی مدح میں خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے "میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دو جو بات کو سنتے ہیں اور جو سب سے اچھی ہوتی ہے اس کا اتباع کرتے ہیں ایسے ہی لوگوں کو خدا نے ہدایت کی ہے اور وہی عقل والے ہیں" اور خدا تعالےٰ فرماتا ہے "اگر تم کسی بات میں تنازع کرو تو اس کو خدا اور رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم خدا پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو" پس خدا تعالیٰ نے نزاع کے وقت بجز قرآن وحدیث کے کسی کی طرف متوجہ ہونے کو جائز نہیں کیا ہے اور اس آیت کے ذریعہ تنازع کے وقت کسی شخص کے قول کی طرف رجوع کرنا حرام کر دیا اس لئے کہ وہ قول قرآن وسنت کے غیر ہے، اور تمام صحابہ، تمام تابعین،

وطغت الاقلام، منها ان هذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة او من يعتد به منها على جواز تقليدها الى يومنا هذا وفي ذلك من المصالح ما لا يخفى لا سيما في هذه الايام التي قصرت فيها الهمم جدا واشربت النفوس الهوى واعجب كل ذي رأي برأيه فما ذهب اليه ابن حزم حيث قال التقليد حرام ولا يحل لاحد ان ياخذ قول احد غير رسول الله صلى الله عليه وسلم بلا برهان لقوله تعالى اتبعوا ما انزل اليكم من ربكم ولا تتبعوا من دونه اولياء وقوله تعالى واذا قيل لهم اتبعوا ما انزل الله قالوا بل نتبع ما الفينا عليه اباءنا وقال مادحا لمن لم يقلد فبشر عبادي الذين يستمعون القول فيتبعون احسنه اولئك الذين هداهم الله و اولئك هم اولوا الالباب، وقال تعالى فان تنازعتم في شيء فردوه الى الله والرسول ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الاخر، فلم يبح الله تعالى الرد عند التنازع الى احد دون القرآن والسنة، وحرم بذلك الرد عند التنازع الى قول قائل لانه غير القرآن والسنة، وقد صح اجماع الصحابة كلهم اولهم عن آخرهم واجماع التابعين اولهم

اور تمام تبع تابعین کا اتفاق ہو چکا ہے کہ کسی انسان کے قول کی طرف قصد کرنا خواہ وہ اس کے زمانہ کا ہو یا سابق لوگوں میں سے ہو، اور اس کی ہر بات کو تسلیم کرنا ممنوع ہے پس جو شخص امام ابو حنیفہ یا امام مالک یا امام شافعی یا امام احمد رضی اللہ عنہم کے تمام اقوال کی پیروی کرے اور ان میں سے یا ان کے علاوہ میں سے اپنے مقتدا کے قول کے سوا کسی دوسرے کی بات کی پیروی نہ کرے اور قرآن وسنت کے احکام پر اعتماد نہ کرے جب تک کہ وہ ان کو کسی خاص شخص کے قول کی جانب نہ پھیرے تو ایسا شخص خوب سمجھ لے کہ اس نے یقیناً بلا شبہہ اول سے آخر تک تمام امت کی مخالفت کی ہے اور وہ کسی سلف کو اور تینوں مبارک زمانوں میں سے کسی شخص کو اپنے ہمراہ نہ پائے گا، پس تحقیق ایسے شخص نے وہ راستہ اختیار کیا ہے جو مومنین کا نہیں ہے، ہم ایسی حالت سے خدا کی پناہ لیتے ہیں ۔۔

اور نیز ان تمام فقہاء نے غیر سلف کی تقلید سے منع کیا ہے پس ایسا شخص جو ان کی تقلید کرتا ہے وہ ان کے بھی خلاف ہے، اور نیز وہ کون شخص ہے جس نے ان لوگوں میں سے کسی کی تقلید کو یا ان کے علاوہ کسی اور کی تقلید کو حضرت عمر بن الخطاب یا حضرت علی بن ابی طالب یا حضرت عبداللہ بن مسعود یا حضرت عبداللہ بن عمر یا حضرت عبداللہ بن عباس یا حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہم کی تقلید سے اولیٰ قرار دیا ہو، پس اگر تقلید جائز ہوتی تو ان صحابہ میں سے ہر شخص بہ نسبت دوسروں کے مقتدا ہونے کے زیادہ قابل ہے، انتہی۔۔۔

ابن حزم کی یہ تقریر اس شخص کے حق میں پوری ہو سکتی ...

عن اخرهم واجماع تابعي التابعين اولهم عن اخرهم على الامتناع، والمنع من ان يقصد منهم احد الى قول انسان منهم او ممن قبلهم فياخذه كله فليعلم من اخذ بجميع اقوال ابي حنيفة او جميع اقوال مالك او جميع اقوال الشافعي او جميع اقوال احمد رضي الله عنهم ولم يترك قول من اتبع منهم او من غيرهم الى قول غيره، ولم يعتمد على ما جاء في القران والسنة غير صارف ذلك الى قول انسان بعينه انه قد خالف اجماع الامة كلها اولها عن اخرها بيقين لا اشكال فيه وانه لا يجد لنفسه سلفا ولا انسانا في جميع الاعصار المحمودة الثلاثة فقد اتبع غير سبيل المؤمنين نعوذ بالله من هذه المنزلة، وايضا فان هؤلاء الفقهاء كلهم قد نهوا عن تقليد غيرهم فقد خالفهم من قلدهم، وايضا فما الذي جعل رجلا من هؤلاء او من غيرهم اولى ان يقلد من عمر بن الخطاب او علي بن ابي طالب او ابن مسعود او ابن عمر او ابن عباس او عائشة ام المؤمنين رضي الله عنهم فلو ساغ التقليد لكان كل واحد من هؤلاء احق ان يتبع من غيره انتهى.

انما يتم فيمن له ضرب من الاجتهاد ولو في مسالة واحدة وفيمن

اور اس شخص کے حق میں ہو سکتی ہے جو صاف طور پر جانتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں امر کا حکم فرمایا ہے اور فلاں امر سے منع فرمایا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ نہیں ہے یا تو اس وجہ سے کہ وہ اس مسئلہ میں احادیث کا اور مخالف و موافق کے اقوال کا تتبع کرتا ہے اور وہ کوئی ناسخ نہیں پاتا، اور یا اس وجہ سے کہ وہ متبحر علماء کی ایک کثیر جماعت کو اس پر عمل کرتے ہوئے پاتا ہے اور اس کے مخالف کو دیکھتا ہے کہ حدیث کے مقابلہ میں قیاس یا استنباط وغیرہ سے استدلال کرتا ہے پس ایسی حالت میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی مخالفت کا سبب بجز نفاق خفی اور حماقت جلی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا اور اسی شئی کی طرف شیخ عزالدین ابن عبد السلام نے اشارہ فرمایا ہے، وہ کہتے ہیں نہایت تعجب کی بات ہے کہ فقہاء مقلدین میں سے بعض اپنے امام کے ضعف ماخذ سے واقف ہوتا ہے کیونکہ اس کے ضعف کو دفع کرنے والی کوئی شئی نہیں ملتی اس کے باوجود وہ اپنے امام کی تقلید ہی کرتا ہے اور اپنے امام کی تقلید سے وابستگی ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کے مذہب کو ترک کر دیتا ہے جس پر قرآن وحدیث اور صحیح قیاسات کی شہادت ملتی ہے بلکہ ظاہر قرآن و حدیث کو رد کرنے کے لئے مختلف حیلے کرتا ہے اور اپنے مقتدا کی حمایت میں ان میں بعید و باطل تاویلیں کرتا ہے، اور وہ فرماتے ہیں کہ لوگ ہمیشہ سے بغیر کسی قید مذہب کے اور سائلین پر بغیر کسی ملامت کے جس عالم سے بھی ملاقات ہو گئی اس سے مسئلے دریافت کرتے رہے یہاں تک کہ ان مذاہب اور متعصب مقلدین کا ظہور ہوا، پس تحقیق ان میں سے ہر شخص اپنے امام کا مقلد بن کر اس کے قول کی ایسی پیروی کرتا ہے گویا وہ نبی مرسل ہے،

ظهر عليه ظهورا بينا ان النبي صلى الله عليه وسلم امر بكذا ونهى عن كذا وانه ليس بمنسوخ اما بان يتتبع الاحاديث واقوال المخالف والموافق في المسألة فلا يجد لها نسخا او بان يرى جما غفيرا من المتبحرين في العلم يذهبون اليه ويرى المخالف له لا يحتج الا بقياس او استنباط او نحو ذلك فحينئذ لا سبب لمخالفة حديث النبي صلى الله عليه وسلم الا نفاق خفي او حمق جلي وهذا هو الذي اشار اليه الشيخ عزالدين بن عبد السلام حيث قال ومن العجب العجيب ان الفقهاء المقلدين يقف احدهم على ضعف ماخذ امامه بحيث لا يجد لضعفه مدفعا وهو مع ذلك يقلده فيه ويترك من شهد الكتاب والسنة والاقيسة الصحيحة لمذهبهم جمودا على تقليد امامه بل يتحيل لدفع ظاهر الكتاب والسنة ويتاولها بالتاويلات البعيدة الباطلة نضالا عن مقلده، وقال لم يزل الناس يسألون من اتفق من العلماء من غير تقييد لمذهب ولا انكار على احد من السائلين الى ان ظهرت هذه المذاهب ومتعصبوها من المقلدين فان احدهم يتتبع امامه مع بعد مذهبه عن الادلة مقلدا له فيما قال كانه نبي ارسل، وهذا

باوجودیکہ اس کا مذہب دلائل سے بہت بعید ہے، ایسا کرنا حق اور صواب سے دور ہٹنا ہے جس کو کوئی عقلمند پسند نہیں کرتا، امام ابوشامہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کا فقہ میں شغل ہو اس کو یہی مناسب ہے کہ کسی ایک امامؒ کے مذہب کا پابند نہ ہو اور ہر مسئلہ میں اسی امر کی صحت پر اعتقاد رکھے جو دلالت کتاب اور سنت محکمہ سے زیادہ قریب ہو، اور اس کے لئے یہ امر سہل ہے جبکہ اس نے سابقہ اہم علوم کو منضبط کر لیا ہو، اور اس کو چاہیے کہ تعصب سے اور متاخرین کے طرق اختلافات میں غور کرنے سے اجتناب کرے کیونکہ یہ امور وقت کو ضائع کرتے ہیں اور صاف طبیعتوں کو مکدر کرتے ہیں، امام شافعیؒ سے بروایت صحیح منقول ہے کہ انہوں نے اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع فرمایا ہے، امام شافعی کے صاحب امام مزنی اپنے مختصر کے شروع میں فرماتے ہیں۔ اس کتاب میں میں نے امام شافعی کے علم اور ان کے اقوال کے معانی کو مختصراً بیان کیا ہے تاکہ ان کو اس شخص کے ذہن کے قریب کر دوں جو ان کے معلوم کرنے کا قصد کرتا ہو، اور میں اس کو یہ بھی بتلا دوں کہ امام شافعی نے اپنی تقلید اور دوسروں کی تقلید سے منع فرمایا ہے تاکہ آدمی اپنے دین کے لئے ان کے قول میں غور کرے اور اپنے نفس کیلئے احتیاط کرے، یعنی میں اس شخص کو جو امام شافعی کے علم کو حاصل کرنے کا قصد کرے یہ بتاتا ہوں کہ امام شافعی نے اپنی تقلید اور دوسروں کی تقلید سے منع فرمادیا ہے، انتہی ـــ اور نیز ابن حزم کا قول اس شخص کے حق میں درست ہو سکتا ہے جو عامی ہو اور کسی خاص فقیہ کی تقلید یہ سمجھ کر کرتا ہو کہ ایسے شخص سے خطاء کا ہونا ناممکن ہے اور جو کچھ اس نے کہا ہے وہ بالکل صحیح ہے اور اپنے دل میں یہ خیال رکھتا ہے کہ اس کے خلاف دلیل ظاہر ہونے پر بھی میں اس کی تقلید کو ترک نہیں کرونگا، اسی کے متعلق امام ترمذی نے عدی بن حاتم سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا "یہود اور نصاریٰ نے اپنے علماء اور راہبوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اپنا رب قرار دے لیا تھا" ؎ ؎ ؎ ؎ ؎

نائی عن الحق وبعد عن الصواب لا یرضی به أحد من أولی الألباب، وقال الإمام أبو شامة ینبغی لمن یشتغل بالفقه أن لا یقتصر علی مذهب إمام ویعتقد فی کل مسألة صحة ما کان أقرب الی دلالة الکتاب والسنة المحکمة، و ذلك سهل علیه إذا کان أتقن معظم العلوم المتقدمة، ولیجتنب التعصب والنظر فی طرائق الخلاف المتأخرة، فإنها مضیعة للزمان ولصفوه مکدرة فقد صح عن الشافعی أنه نهی عن تقلیده وتقلید غیره، قال صاحبه المزنی فی أول مختصره اختصرت هذا من علم الشافعی ومن معنی قوله لأقربه علی من أراده مع إعلامیه نهیه عن تقلیده وتقلید غیره لینظر فیه لدینه ویحتاط لنفسه، أی مع إعلامی من أراد علم الشافعی نهی الشافعی عن تقلیده وتقلید غیره انتهی، وفیمن یکون عامیا و یقلد رجلا من الفقهاء بعینه یری أنه یمتنع من مثله الخطأ، وأن ما قاله هو الصواب البتة، وأضمر فی قلبه أن لا یترك تقلیده، وإن ظهر الدلیل علی خلافه، وذلك ما رواه الترمذی عن عدی بن حاتم أنه قال سمعته یعنی رسول الله صلی الله علیه و سلم یقرأ اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أربابا من دون الله قال إنهم لم

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ اپنے علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ جب وہ کسی چیز کو ان کے لئے حلال کہدیا کرتے تھے تو وہ اس کو حلال سمجھ لیتے تھے اور جب وہ کسی چیز کو اُن کے لئے حرام قرار دیدیا کرتے تو وہ بھی اس کو حرام سمجھ لیتے تھے۔"

اور نیز اس شخص کے حق میں یہ قول درست ہو سکتا ہے جو یہ جائز نہیں سمجھتا کہ کوئی حنفی مثلاً کسی شافعی فقیہ سے فتویٰ دریافت کرے یا اس کے برعکس ہو، اور یہ بھی جائز نہیں سمجھتا کہ حنفی مثلاً کسی شافعی امام کی اقتدا کرے کیونکہ ایسا خیال قرونِ اولیٰ کے اجماع اور صحابہ و تابعین کے بالکل خلاف ہے، اور ابن حزم کا قول اس شخص کے متعلق نہیں ہو سکتا ہے جو محض نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کا مطیع ہے اور اسی چیز کو وہ حلال یا حرام سمجھتا ہے جس کو اللہ و رسول نے حلال یا حرام کیا ہے لیکن جبکہ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول معلوم نہیں تھا اور نہ مختلف حدیثوں کے جمع کرنے کا طریق اس کو معلوم تھا اور نہ ہی آپکے کلام سے وہ کوئی امر مستنبط کر سکتا تھا تو اس نے کسی رہنما عالم کی پیروی کی، یہ سمجھکر کہ وہ اپنے قول میں درست ہے اور بظاہر سنت رسول کا متبع ہو کر فتویٰ دیتا ہے، پس اگر وہ عالم اس کے اس گمان کے خلاف معلوم ہوا تو اس نے فوراً بغیر اصرار و جدال کے اسکے قول کو ترک کر دیا پس ایسے شخص کو کوئی کیسے برا کہہ سکتا ہے باوجودیکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے فتویٰ دینے اور فتویٰ لینے کا سلسلہ مسلمانوں میں برابر رہا ہے اور اس کے بعد کہ اس کا مقصد وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے اس میں کچھ فرق نہیں ہے کہ کوئی شخص ہمیشہ ایک ہی سے مسئلے پوچھا کرے یا کبھی اس سے دریافت کر لیا کرے اور کبھی کسی دوسرے سے،

اور کس طرح کوئی برا کہہ سکتا ہے حالانکہ ہم کسی فقیہ پر یہ ایمان نہیں لائے کہ خدا تعالیٰ نے فقہ کو بطور وحی اس پر نازل کیا ہے

يكونوا يعبدونهم ولكنهم كانوا اذا احلوا لهم شيئا استحلوه واذا حرموا عليهم شيئا حرموه، وفيمن لا يجوز ان لا يستفتي الحنفي مثلا فقيها شافعيا وبالعكس، ولا يجوز ان يقتدي الحنفي بامام الشافعي مثلا، فان هذا قد خالف اجماع القرون الاولى وناقض الصحابة و التابعين، وليس محله فيمن لا يدين الا بقول النبي صلى الله عليه ولا يعتقد حلالا الا ما احله الله و رسوله ولا حراما الا ما حرمه الله ورسوله لكن لما لم يكن له علم بما قاله النبي صلى الله عليه وسلم و لا بطريق الجمع بين المختلفات من كلامه ولا بطريق الاستنباط من كلامه اتبع عالما راشدا على انه مصيب فيما يقول ويفتي ظاهرا متبع سنة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فان خالف ما يظنه اقلع من ساعته من غير جدال ولا اصرار، فهذا كيف ينكره احد مع ان الاستفتاء والافتاء لم يزل بين المسلمين من عهد النبي صلى الله عليه وسلم ولا فرق بين ان يستفتي هذا دائما او يستفتي هذا حينا و ذلك حينا بعد ان يكون مجمعا على ما ذكرناه، وكيف لا ولم نؤمن بفقيه ايا كان انه اوحى الله اليه

اور خدا نے اس کی اطاعت ہم پر فرض کردی ہے اور وہ بالکل معصوم ہے، پس اگر ہم کسی فقیہ کی تقلید کرتے ہیں تو یہی سمجھ کر کرتے ہیں کہ یہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا عالم ہے اور اس کا قول یا تو قرآن و حدیث کا صریح حکم ہے یا اس نے کسی طریق استنباط سے قرآن و حدیث سے اپنے قول کو مستنبط کیا ہے یا اس نے قرائن سے یہ معلوم کیا ہے کہ شارع نے فلاں صورت میں جو حکم دیا ہے وہ حکم فلاں علت کی وجہ سے ہے اور علت حکم کی معرفت کا اس کو خوب یقین ہو گیا تھا اس واسطے اس نے منصوص پر غیر منصوص کو قیاس کرلیا، گویا وہ فقیہ یہ کہتا ہے کہ میرا ظن غالب یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام یہ فرماتے ہیں کہ جہاں یہ علت پائی جائے گی وہاں یہ حکم پایا جائے گا، اور مقیس بھی اس عموم میں داخل ہے اس واسطے یہ قول بھی گویا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی منسوب ہے، لیکن اس کے طریق میں امور ظنی شامل ہیں، اور اگر یہ اعتقاد نہ ہوتا تو مؤمن کسی مجتہد کی پیروی نہ کرتا،

پس اگر ہم کو رسولِ معصوم کی حدیث بہ سندِ صحیح معلوم ہو جائے جن کی اطاعت خدا نے ہم پر فرض کی ہے اور وہ حدیث اس مجتہد کے مذہب کے خلاف ہے اور اس حدیث کو ترک کرکے اس تخمینی بات کا ہم اتباع کریں تو ہم سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے اور جس روز رب العالمین کے سامنے لوگ حاضر ہوں گے تو ہمارا کیا عذر ہو سکتا ہے،

ان مسائل مشکلہ میں سے ایک امر یہ ہے کہ کلام فقہاء کی تخریج کرنا اور لفظ حدیث کا تتبع کرنا ان دونوں میں سے ہر ایک کیلئے دین میں مضبوط اصل ہے، ہر زمانہ میں علماء محققین ان دونوں پر عمل کرتے رہے ہیں پس انہیں سے بعض تخریج کیجانب زیادہ اور لفظ حدیث کے تتبع کی طرف کم التفات کرتے ہیں، اور بعض

الفقه وفرض علينا طاعته وانه معصوم، فان اقتدينا بواحد منهم فلذلك لعلمنا بانه عالم بكتاب الله وسنة رسوله، فلا يخلو قوله اما ان يكون من صريح الكتاب والسنة او مستنبطا عنهما بنحو من الاستنباط او عرف بالقرائن ان الحكم في صورة ما منوطة بعلة كذا واطمان قلبه بتلك المعرفة فقاس غير المنصوص على المنصوص، فكانه يقول ظننت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كلما وجدت هذه العلة فالحكم ثمة هكذا والمقيس مندرج في هذا العموم، فهذا ايضا معزى الى النبي صلى الله عليه وسلم ولكن في طريقه ظنون، ولولا ذلك لما قلد مؤمن بمجتهد، فان بلغنا حديث من الرسول المعصوم الذي فرض الله علينا طاعته بسند صالح يدل على خلاف مذهبه وتركنا حديثه واتبعنا ذلك التخمين فمن اظلم منا وما عذرنا يوم يقوم الناس لرب العالمين ؛

ومنها ان التخريج على كلام الفقهاء وتتبع لفظ الحديث لكل منهما اصل اصيل في الدين، ولم يزل المحققون من العلماء في كل عصر ياخذون بهما، فمنهم من يقل من ذا ويكثر من ذاك، ومنهم من يكثر من ذا و

تخریج کی طرف کم اور تتبع کیجانب زیادہ اہتمام کرتے ہیں اس واسطے یہ مناسب نہیں ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی بالکل ترک کردیا جائے جیساکہ فریقین کے عام لوگ کرتے ہیں بلکہ خالص حق یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کے ساتھ مطابق کرنا چاہیئے اور ایک کی خرابی دوسرے سے دور کرنا چاہیئے، اور امام حسن بصری کے اس قول سے یہی مراد ہے "قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تمہارا طریقہ افراط، تفریط کے درمیان ہے، پس جو شخص اہل حدیث سے ہو اس کو مناسب ہے کہ اپنے اختیار کردہ قول اور مذہب کو تابعین میں سے مجتہدین کی رائے پر پیش کرے اور جو اہل تخریج سے ہو اس کو مناسب ہے کہ وہ ایسا طریقہ اختیار کرے جس سے صریح اور صحیح احادیث کی مخالفت سے بچ سکے، اور جس امر میں حدیث یا کوئی اثر وارد ہو وہاں حتی المقدور اپنی رائے سے نہ کہے، اور محدث کو مناسب نہیں ہے کہ ان قواعد میں زیادہ تعمق کرے جو ارباب حدیث نے مستحکم کئے ہیں اور شارع نے ان کی تصریح نہیں کی ہو تاکہ اس وجہ سے وہ محدث کسی حدیث یا صحیح قیاس کو رد کردے جیسے ان حدیثوں کو رد کردے جنمیں ارسال یا انقطاع کا ادنیٰ شائبہ ہے جیسے ابن حزم نے کیا ہے، انہوں نے تحریم معازف کی حدیث کو اس وجہ سے رد کردیا کہ بخاری کی روایت میں انقطاع کا شائبہ تھا حالانکہ وہ حدیث فی نفسہ متصل اور صحیح ہے کیونکہ ایسے امور کی طرف تعارض کے وقت رجوع کیا جاتا ہے، اور جیسے محدثین کا قول ہے کہ فلاں شخص فلاں شخص کی حدیث کا زیادہ حافظ ہے اس وجہ سے محدثین اس شخص کی حدیث کو دوسرے کی حدیث پر ترجیح دیتے ہیں گوکہ دوسرے کی حدیث میں ترجیح کی ہزار وجہیں ہوں اور روایت بالمعنی کے وقت اکثر روایت کرنے والے اس کا اہتمام کرتے تھے کہ اصل معنیٰ ادا ہوجائیں، وہ ان اعتبارات کا کچھ لحاظ نہیں کرتے تھے جن کو عربیت میں غور کرنیوالے جانتے ہیں

يقل من ذالك، فلا ينبغي ان يهمل امر واحد منهما بالمرة كما يفعله عامة الفريقين، وانما الحق البحث ان يطابق احدهما بالاخر وان يجبر خلل كل بالاخر، وذلك قول الحسن البصري سنتكم والله الذي لا اله الا هو، بينهما بين الغالي والجافي فمن كان من اهل الحديث ينبغي ان يعرض ما اختاره، وذهب اليه على راي المجتهدين من التابعين، ومن كان من اهل التخريج ينبغي له ان يجعل من السنن ما يحترز به من مخالفة الصريح الصحيح ومن القول برايه فيما فيه حديث او اثر بقدر الطاقة ولا ينبغي لمحدث ان يتعمق بالقواعد التي احكمها اصحابها وليست مما نص عليه الشارع فيرد به حديثا او قياسا صحيحا كرد ما فيه ادنى شائبة الارسال والانقطاع كما فعله ابن حزم، رد حديث تحريم المعازف لشائبة الانقطاع في رواية البخاري، على انه في نفسه متصل صحيح، فان مثله انما يصار اليه عند التعارض، وكقولهم فلان احفظ لحديث فلان من غيره، فيرجحون حديثه على حديث غيره لذلك، وان كان في الاخر الف وجه من الرجحان وكان اهتمام جمهور الرواة عند الرواية بالمعنى برءوس المعاني دون الاعتبارات التي يعرفها المتعمقون

اس واسطے ان کا مثلاً فا یا واؤ سے یا کسی کلمہ کی تقدیم
وتاخیر وغیرہ سے استدلال کرنا زیادتی ہے، اکثر ایسا ہوتا
ہے کہ دوسرا راوی اس قصہ کو (جو پہلے راوی نے بیان کیا
تھا) دوسری عبارت سے بیان کر دیا کرتا ہے اور ایک
حرف کے بجائے دوسرا حرف لے آتا ہے اور حق یہی ہے
کہ راوی جو حدیث بیان کرتا ہے بظاہر وہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کا کلام ہے اس کے بعد اگر کوئی دوسری حدیث یا کوئی
دوسری دلیل ظاہر ہوتی ہے تو اس کی طرف رجوع کرنا ضروری
ہو جائے گا، اور اہل تخریج کو یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ ایسے
قول کی تخریج کریں جو اس کے اصحاب کے نفس کلام سے
حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی اہل عرف اور علمائے لغت اس کلام
سے اس قول کو سمجھتے ہیں، اور وہ قول یا تو تخریج مناط پر مبنی
ہے اور یا مسئلہ کی نظیر کو مسئلہ پر حمل کرنا ہے جس میں اہل وجوہ
کا اختلاف ہے اور ان کی رائیں متعارض ہیں، اور اگر اسکے
اصحاب سے اس مسئلہ کے متعلق پوچھا جائے تو کبھی تو وہ کسی
مانع کی وجہ سے نظیر کو نظیر پر حمل کرتے ہوں اور کبھی وہ ایسی علت
بیان کرتے ہوں جو اس کے خلاف ہو جس کی اس نے تخریج
کی ہے، اور تخریج اس لئے جائز ہے کہ وہ بھی فی الحقیقت
مجتہد کی تقلید ہے اور یہ تخریج جب ہی مکمل ہوتی ہے کہ مجتہد
کے کلام سے مفہوم بھی ہوتی ہو، اور صاحب تخریج کو یہ بھی
زیبا نہیں ہے کہ کسی قاعدے جس کا اس نے یا اس کے
اصحاب نے استخراج کیا ہے کسی حدیث یا اثر کو جس پر قوم
متفق ہے رد کر دے جیسے کہ حدیث مصراۃ کو رد کر دیا ہے
اور جیسے کہ ذوی القربیٰ کے حصہ کو ساقط کر دیا ہے اس واسطے
کہ اس مستخرج قاعدہ کی رعایت کرنے سے اس حدیث
کی رعایت کرنا زیادہ ضروری ہے اور اسی معنی کی طرف امام شافعی
نے اشارہ کیا ہے اس لئے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں جب کوئی
بات کہوں یا کوئی قاعدہ مقرر کروں اور اس کے بعد میرے قول
کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث معلوم ہو

من اهل العربية، فاستدلالهم بنحو
الفاء والواو وتقديم كلمة وتاخيرها
ونحو ذلك من التعمق، وكثيرا ما يعبر
الراوي الآخر عن تلك القصة فياتي
مكان ذلك الحرف بحرف آخر، والحق
ان كل ما ياتي به الراوي فظاهره
انه كلام النبي صلى الله عليه وسلم
فان ظهر حديث آخر او دليل آخر
وجب المصير اليه، ولا ينبغي لمخرج
ان يخرج قولا لا يفيده نفس كلام
اصحابه ولا يفهمه منه اهل العرف
والعلماء باللغة ويكون بناء على
تخريج مناط او حمل نظير المسألة
عليها مما يختلف فيه اهل الوجوه
وتتعارض الآراء، ولو ان اصحابه سئلوا
عن تلك المسألة ربما يحملوا النظير
على النظير لمانع، وربما ذكروا علة
غير ما خرجه هو وانما جاز التخريج
لانه في الحقيقة من تقليد المجتهد
ولا يتم الا فيما يفهم من كلامه، و
لا ينبغي ان يرد حديثا او اثرا تطابق
عليه القوم لقاعدة استخرجها هو
او اصحابه كرد حديث المصراة وكاسقاط
سهم ذوي القربى، فان رعاية
الحديث اوجب من رعاية تلك
القاعدة المخرجة والى هذا المعنى
اشار الشافعي حيث قال مهما قلت
من قول او اصلت من اصل فبلغ
عن رسول الله صلى الله عليه وآله و

تو صحیح قول وہی ہے جو آں حضرت نے فرمایا،

اور ان مسائل مشکلہ میں سے یہ بھی ہے کہ احکام شرعیہ معلوم کرنے کے لئے قرآن وحدیث میں تتبع کرنے کے چند مراتب ہیں، سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اس کو بالفعل یا بقوۃ قریبہ من الفعل اس قدر احکام کی معرفت حاصل ہو جس سے اکثر واقعات میں مستفتیین کا جواب دے سکے اس طرح سے کہ اس کے جوابات اکثر ہوں ان مسائل سے جن میں کہ وہ توقف کرتا ہے اور اس معرفت کو اجتہاد کہتے ہیں، اور یہ استعداد کبھی تو روایات کے جمع کرنے میں غور وفکر کرنے سے اور روایات شاذہ ونادرہ کا پورا تتبع کرنے سے حاصل ہوتی ہے جیساکہ احمد بن حنبل نے اس طرف اشارہ کیا ہے، اور اس کے ساتھ اس کو مواقع کلام کی معرفت بھی حاصل ہو جو عاقل زبان دان کو ہوتی ہے، اور اس کے ساتھ مختلفات کے جمع کرنے کا طریق اور استدلالات کی ترتیب وغیرہا بھی جانتا ہو جو آثار سلف کے واقف کو ہوا کرتی ہے،

اور یہ استعداد کبھی اس طرح سے حاصل ہوتی ہے کہ مشائخ فقہ میں سے کسی شیخ کے مذہب کے موافق طرق تخریج کو خوب مستحکم کرلے اور اس کے ساتھ احادیث وآثار کے کافی مجموعہ سے بھی واقف ہو جس سے وہ یہ معلوم کرسکے کہ اس کا قول اجماع کے مخالف نہیں ہے، اور یہ طریقہ اصحاب تخریج کا ہے، اور اس تتبع کا اوسط درجہ جو انہی دو طریقوں سے حاصل ہوتا ہے یہ ہے کہ قرآن واحادیث کا اس قدر علم حاصل ہو جائے جس کی وجہ سے وہ بڑے بڑے مسائل فقہ جو متفق علیہا ہیں مع ان کے تفصیلی دلائل کے معلوم کرسکے، اور بعض مسائل اجتہادیہ کا ان کے دلائل کے ذریعہ نہایت درجہ علم حاصل ہو جائے اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دے سکے

وسلم خلاف ما قلت فالقول ما قاله صلى الله عليه وسلم، ومنها ان تتبع الكتاب والآثار لمعرفة الاحكام الشرعية على مراتب اعلاها ان يحصل له من معرفة الاحكام بالفعل او بالقوة القريبة من الفعل ما يتمكن به من جواب المستفتين في الوقائع غالبا بحيث يكون جوابه اكثر مما يتوقف فيه وتخص باسم الاجتهاد وهذا الاستعداد يحصل تارة بالامعان في جمع الروايات وتتبع الشاذة والفاذة منها كما اشار اليه احمد بن حنبل مع ما لا ينفك منه العاقل العارف باللغة من معرفة مواقع الكلام، وصاحب العلم بآثار السلف من طريق الجمع بين المختلفات وترتيب الاستدلالات ونحو ذلك وتارة باحكام طرق التخريج على مذهب شيخ من مشايخ الفقه مع معرفة جملة صالحة من السنن والآثار بحيث يعلم ان قوله لا يخالف الاجماع، وهذه طريقة اصحاب التخريج واوسطها من كلتا الطريقتين ان يحصل له من معرفة القرآن والسنن ما يتمكن به من معرفة رءوس مسائل الفقه المجمع عليها بادلتها التفصيلية ويحصل له غاية العلم ببعض المسائل الاجتهادية من ادلتها وترجيح بعض الاقوال على بعض و

تخریجات کو پڑھ سکے اور صحیح وغلط کو سمجھ سکے گو اس کو
وہ اسباب حاصل نہ ہوں جو مجتہد مطلق کو حاصل ہوتے ہیں
پس ایسے شخص کو دو مذہبوں میں خلط کر دینا جائز ہو جاتا ہے
جبکہ ان دونوں کے دلائل کو خوب سمجھ لے اور یہ معلوم کرلے
کہ اس کا قول ایسے امر میں نہیں ہے جس میں مجتہد کا اجتہاد
نافذ نہیں ہوتا اور نہ اس میں قاضی کا فیصلہ مقبول ہوتا ہے،
اور نہ اس میں مفتیوں کا فتویٰ جاری ہوتا ہے، اور ایسے
شخص کو یہ بھی مجاز ہوتا ہے کہ بعض ان تخریجات کو ترک
کردے جن کو سابقین نے خارج کیا تھا جب ان کے
صحیح نہ ہونے کا علم ہو جائے، اسی وجہ سے وہ علماء جو اجتہاد
مطلق کے مدعی نہیں تھے ہمیشہ سے تصانیف کرتے رہے،
ترتیب دیتے رہے، تخریج کرتے رہے اور ترجیح دیتے
رہے، اور جبکہ جمہور کے نزدیک اجتہاد متجزی ہوتا ہے اور تخریج متجزی
ہوتی ہے اور مسائل میں مقصود گمان غالب کا حاصل کرنا ہے اور اسی
گمان غالب پر تکلیف کا مدار ہے تو امور بالا میں سے کسی چیز
کو بھی بعید نہیں سمجھا جا سکتا، اور جو لوگ اس سے کم تر درجہ
کے ہیں ان کا مذہب ان مسائل میں جو کثیر الوقوع ہیں وہ ہے
جو انہوں نے اپنے اصحاب، اپنے آباء اور اپنے اہل شہر سے اخذ
کیا ہے، ان مذاہب میں سے جن کا انہوں نے اتباع کیا ہے
اور نادر مسائل میں ان کا مذہب اپنے مفتیوں کے فتوے اور
معاملات میں قاضی کے فیصلے ہیں، اور ہم نے متقدمین و
متاخرین میں سے ہر مذہب کے علماء محققین کو اسی طریق پر
پایا ہے اور ائمہ مذاہب نے اسی کی اپنے اصحاب کو وصیت کی ہے،
یواقیت وجواہر میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰے
عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص میری دلیل کو نہ جانے
اس کو مناسب نہیں ہے کہ میرے کلام سے فتویٰ دے
اور جب ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰے عنہ فتویٰ دیتے
تھے تو وہ یہ کہا کرتے تھے کہ یہ نعمان ابن ثابت کی
یعنی میری رائے ہے،

نقد التخريجات ومعرفة الجيد والزيف
وان لم يتكامل له الادوات كما يتكامل
للمجتهد المطلق فيجوز لمثله ان يلفق
من المذهبين اذا عرف دليلهما و
علم ان قوله ليس مما لا ينفذ فيه
اجتهاد المجتهد ولا يقبل فيه قضاء
القاضي ولا يجري فيه فتوى المفتين
وان يترك بعض التخريجات التي
سبق الناس اليها اذا عرف عدم
صحتها ولهذا لم يزل العلماء ممن
لا يدعي الاجتهاد المطلق يصنفون
ويرتبون ويخرجون ويرجحون، واذا
كان الاجتهاد يتجزء عند الجمهور و
التخريج يتجزء وانما المقصود تحصيل
الظن وعليه مدار التكليف فما الذي
يستبعد من ذلك، واما دون ذلك
من الناس فمذهبه فيما يرد عليه كثيرا
ما اخذه عن اصحابه وآبائه واهل
بلده من المذاهب المتبعة، وفي
الوقائع النادرة فتاوى مفتيه، وفي
القضايا ما يحكم القاضي، وعلى هذا
وجدنا محققي العلماء من كل مذهب
قديما وحديثا، وهو الذي وصى به
ائمة المذاهب اصحابهم، وفي اليواقيت
والجواهر انه روي عن ابي حنيفة رضي
الله عنه انه كان يقول لا ينبغي
لمن لم يعرف دليلي ان يفتي بكلامي
وكان رضي الله عنه اذا افتى يقول
هذا رأي النعمان بن ثابت يعني

اور جہاں تک ہم کو قدرت ہوئی اس میں یہ قول بہت اچھا ہے، اور جو شخص اس سے عمدہ کوئی اور قول پیش کرے تو وہی زیادہ درست ہے، امام مالک رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہر ایک کا کلام اختیار کرنے اور رد کرنے کے قابل ہے،

حاکم اور بیہقی نے امام شافعی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ جب تم میرا کلام حدیث کے مخالف دیکھو تو حدیث پر عمل کرنا اور میرے کلام کو دیوار پر مارنا، اور امام شافعی نے ایک روز امام مزنی سے فرمایا" اے ابراہیم! میری ہر بات میں تقلید نہ کرنا اور اپنے لئے اس میں غور کرنا کیونکہ یہ دین ہے،

اور امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا قول حجت نہیں ہو سکتا خواہ لوگ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، اور نہ قیاس حجت ہے اور نہ کوئی اور شئی، اور اس مقام پر اللہ اور اس کے رسول کی طاعت ہی واجب التسلیم ہے۔ اور امام احمد رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی کو خدا اور رسول کے مقابلہ میں گفتگو کی اجازت نہیں، اور نیز امام احمد نے ایک شخص سے کہا کہ ہرگز میری تقلید نہ کرنا اور نہ ہرگز امام مالک کی اور نہ اوزاعی کی اور نہ نخعی کی اور نہ کسی اور کی تقلید کرنا جہاں سے کتاب وسنت سے انہوں نے احکام اخذ کئے ہیں وہیں سے اخذ کرنا، اور کسی شخص کو فتویٰ نہیں دینا چاہیے جبتک کہ شرعی فتووں میں وہ علماء کے اقوال سے واقف نہ ہو اور ان کے مذاہب کو نہ جانتا ہو، پس اگر اس سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے اور اس کو یہ معلوم ہو کہ اس پر

نفسه وهو احسن ما قدرنا عليه فمن جاء باحسن منه فهو اولى بالصواب، وكان الامام مالك رضى الله عنه يقول ما من احد الا وهو ماخوذ من كلامه ومردود عليه الا رسول الله صلى الله عليه وسلم،

وروى الحاكم والبيهقى عن الشافعى رضى الله عنه انه كان يقول اذا صح الحديث فهو مذهبى وفى رواية اذا رايتم كلامى يخالف الحديث فاعملوا بالحديث واضربوا بكلامى الحائط، وقال يوما للمزنى يا ابراهيم لا تقلدنى فى كل ما اقول وانظر فى ذلك لنفسك فانه دين، وكان رضى الله عنه يقول لا حجة فى قول احد دون رسول الله عليه وسلم وان كثروا ولا فى قياس و لا فى شئ وما ثم الا طاعة الله ورسوله بالتسليم، وكان الامام احمد رضى الله عنه يقول ليس لاحد مع الله ورسوله كلام، وقال ايضا لرجل لا تقلدنى ولا تقلدن مالكا ولا الاوزاعى ولا النخعى ولا غيرهم وخذ الاحكام من حيث اخذوا من الكتاب والسنة لا ينبغى لاحد ان يفتى الا ان يعرف اقاويل العلماء فى الفتاوى الشرعية ويعرف مذاهبهم فان سئل عن مسألة يعلم ان العلماء

ان علماء کا اتفاق ہے جن کا مذہب قبول کیا جاتا ہے تو
اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ کہدے کہ یہ امر جائز
ہے اور یہ ناجائز ہے اور اس کا بیان نقل کے طور پر
ہوگا، اور اگر مسئلہ ایسا ہو جس میں علماء نے اختلاف کیا ہے
تو اس کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ یہ فلاں شخص کے
قول کے موافق جائز ہے اور فلاں شخص کے قول کے
موافق ناجائز ہے، اور اسکو یہ مناسب نہیں ہے کہ خود
ایک قول پسند کر کے کسی کے قول کے موافق فتویٰ دیدے
جب تک کہ اس کی دلیل کو بہ خوبی نہ سمجھ لے،

اور امام ابو یوسف و زفر وغیرہ فرماتے ہیں کہ کسی کو
جائز نہیں ہے کہ ہمارے قول سے فتویٰ دے جبتک کہ اس کو
نہ معلوم ہو جائے کہ ہم نے کہاں سے کہا ہے، عصام ابن
یوسف سے کہا گیا کہ آپ اکثر امور میں ابو حنیفہؒ کا خلاف کرتے
ہیں؟ انہوں نے جواب دیا، اس واسطے کہ ابو حنیفہ کو وہ فہم
عطا ہوا تھا جو ہم کو نہیں عطا ہوا، پس وہ اپنے فہم سے وہ
بات معلوم کرتے تھے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتی، اور ہم کو
یہ جائز نہیں ہے کہ بغیر سمجھے ان کے قول کے موافق فتویٰ دیدیں،
محمد بن حسن سے کسی نے دریافت کیا کہ آدمی کو فتویٰ دینا کب
جائز ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب خطا سے اس کا
صواب زیادہ ہو، ابو بکر اسکاف بلخی سے مروی ہے کہ
کسی نے ان سے پوچھا کہ ایک شہر میں ایک عالم ہے کہ
اس سے زیادہ علم والا وہاں اور کوئی نہیں ہے کیا اس کو
جائز ہے کہ فتویٰ نہ دے؟ انہوں نے کہا اگر وہ اہل اجتہاد
میں سے ہے تو فتویٰ نہ دینا اس کے لئے درست نہیں ہے،
پھر دریافت کیا گیا کہ صاحب اجتہاد کیونکر ہوتا ہے؟
فرمایا کہ جب مسائل کے دلائل سے واقف ہو اور اپنے ہم عصروں
سے مخالفت کے وقت مناظرہ کر سکے، کہا گیا ہے کہ اجتہاد کی
شرطوں میں سے ادنیٰ شرط کتاب مبسوط کا حفظ کرنا ہے، انتہیٰ؛
بحر الرائق میں ابو اللیث سے مروی ہے

الذين يتخذ مذهبهم قد اتفقوا عليه
فلا بأس بأن يقول هذا جائز وهذا
لا يجوز ويكون قوله على سبيل الحكاية
وان كانت مسألة قد اختلفوا فيها
فلا بأس بأن يقول هذا جائز في
قول فلان وفي قول فلان لا يجوز
وليس له ان يختار فيجيب بقول
بعضهم مالم يعرف حجته، وعن ابي
يوسف وزفر وغيرهما رحمهم الله
انهم قالوا لا يحل لاحد ان يفتي بقولنا
مالم يعلم من اين قلنا. قيل لعصام
ابن يوسف رحمه الله انك تكثر
الخلاف لابي حنيفة رحمه الله قال
لان ابا حنيفة رحمه الله اوتي من
الفهم مالم نؤت فادرك بفهمه
مالم ندرك ولا يسعنا ان نفتي
بقوله مالم نفهم، عن محمد بن
الحسن انه سئل متى يحل للرجل
ان يفتي؟ قال محمد اذا كان صوابه
اكثر من خطئه، عن ابي بكر الاسكاف
البلخي انه سئل عن عالم في بلد
ليس هنالك اعلم منه هل يسعه
ان لا يفتي؟ قال ان كان من اهل
الاجتهاد فلا يسعه، قيل كيف
يكون من اهل الاجتهاد؟ قال
ان يعرف وجوه المسائل ويناظر
اقرانه اذا خالفوه، قيل ادنى الشروط
للاجتهاد حفظ المبسوط انتهى؛
وفي البحر الرائق عن ابي الليث

وہ کہتے ہیں کہ ابو نصر سے ایک مسئلہ کے متعلق دریافت کیا گیا جو ان کے سامنے پیش ہوا تھا، تم کیا کہتے ہو خدا تم پر رحمت کرے تمہارے پاس چار کتابیں ہیں، کتاب ابراہیم بن رستم، خصاف کی روایت سے کتاب ادب القاضی اور کتاب المجرد، اور ہشام کی روایت سے کتاب النوادر، کیا ہم کو ان کتب سے فتویٰ دینا درست ہے یا نہیں، اور یہ سب کتابیں تمہاری نظر میں پسندیدہ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ہمارے اصحاب سے جو صحیح صحیح منقول ہے پس وہ ایسا علم ہے جو محبوب، پسندیدہ، قابل تسلیم ہے. لیکن فتویٰ دینا؛ سو کسی کا بے سمجھے فتویٰ دینا میری رائے میں جائز نہیں اور وہ لوگوں کا بار نہ اٹھائے لیکن اگر وہ مسائل ایسے ہیں جو ہمارے اصحاب سے مشہور، ظاہر اور واضح ہیں، تو ان میں مجھ کو امید ہے کہ ان پر میں اعتماد کروں، نیز بحر الرائق میں ہے کہ اگر کسی نے پچھنے لگائے یا غیبت کی پھر یہ سمجھ کر کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے اس سے کچھ کھالیا تو اگر اس شخص نے کسی فقیہ سے مسئلہ دریافت نہیں کیا تھا اور نہ اس کو حدیث معلوم ہوئی تھی تب تو اس پر کفارہ واجب ہوگا اس لئے کہ یہ محض جہالت ہے اور وہ دار الاسلام میں، کوئی عذر نہیں ہے، اور اگر اس نے کسی فقیہ سے دریافت کیا تھا اور اس نے روزہ توڑنے کا فتویٰ دیا تھا تو اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا کیونکہ عامی پر عالم کی تقلید واجب ہے جب اس کے فتویٰ پر اس کا اعتماد ہو اس واسطے وہ اپنے فعل میں معذور ہوگا اگرچہ مفتی نے اپنے فتویٰ دینے میں خطا ہی کی ہو، اور اگر اس نے کسی مفتی سے تو دریافت نہیں کیا لیکن اس کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث معلوم ہوئی تھی (پچھنے لگانے والا اور جس کے پچھنے لگائے گئے ہیں دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا) اور آپ کا یہ فرمان معلوم ہو گیا تھا (غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے)

قال سئل ابو النصر عن مسالة وردت عليه ما تقول رحمك الله وقعت عندك كتب اربعة، كتاب ابراهيم ابن رستم، وادب القاضي عن الخصاف، وكتاب المجرد، وكتاب النوادر من جهة هشام هل يجوز لنا ان نفتي منها اولا وهذه الكتب محمودة عندك؟ فقال ما صح عن اصحابنا فذلك علم محبوب مرغوب فيه مرضي به، واما الفتيا فاني لا ارى لاحد ان يفتي بشئ لا يفهمه ولا يحمل اثقال الناس فان كانت مسائل قد اشتهرت وظهرت وانجلت عن اصحابنا رجوت ان يسع لي الاعتماد عليها، وفيه ايضا لو احتجم او اغتاب فظن انه يفطره ثم اكل ان لم يستفت فقيها ولا بلغه الخبر فعليه الكفارة لانه مجرد جهل وانه ليس بعذر في دار الاسلام و ان استفتى فقيها فافتاه لا كفارة عليه لان العامي يجب عليه تقليد العالم اذا كان يعتمد على فتواه فكان معذورا فيما صنع وان كان المفتي مخطئا فيما افتى وان لم يستفت ولكن بلغه الخبر وهو قوله صلى الله عليه وسلم افطر الحاجم والمحجوم، وقوله عليه السلام الغيبة تفطر الصائم،

اور اس شخص کو حدیث کے منسوخ ہونے کا یا اس کی تاویل کا کچھ علم نہ تھا تو طرفین کے نزدیک اس پر بھی کفارہ نہیں ہے اس واسطے کہ ظاہر حدیث واجب العمل ہے، لیکن امام ابو یوسف اس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ عامی کو ظاہر حدیث پر عمل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس کو ناسخ و منسوخ کا علم نہیں ہے، اور اگر کسی شخص نے عورت کو چھولیا یا شہوت سے اس کا بوسہ لیا یا سرمہ لگایا پھر یہ سمجھ کر کہ یہ چیزیں روزہ کو توڑ دیتی ہیں کچھ کھا پی لیا تو اس پر کفارہ ہے لیکن اگر اس نے کسی فقیہ سے مسئلہ دریافت کیا تھا اور اس نے روزہ ٹوٹ جانے کا فتویٰ دیا تھا یا اس امر میں اس کو کوئی حدیث معلوم ہوگئی تھی تو کفارہ نہ ہوگا، اگر کسی شخص نے زوال سے پہلے روزہ کی نیت کی تھی پھر اس نے روزہ توڑ دیا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس پر کفارہ واجب نہیں ہے اور صاحبین کا قول اس کے خلاف ہے کذا فی المحیط، اور اس سے معلوم ہوگیا کہ عامی کا مذہب اس کے مفتی کا فتویٰ ہے، اور نیز محیط میں باب قضاء الفوائت میں ہے کہ اگر کسی عامی کا کوئی مذہب معین نہیں ہے تو جو مفتی اس کو فتویٰ دے گا وہی اس کا مذہب ہوگا جیسا کہ علماء نے اس کی تصریح کردی ہے، پس اگر کسی حنفی نے فتویٰ دیا تو عصر و مغرب کا وہ اعادہ کرے گا اور اگر کسی شافعی نے فتویٰ دیا تو وہ عصر و مغرب کا اعادہ نہ کریگا اور اس کی رائے کا کچھ اعتبار نہ ہوگا، اور اگر وہ کسی سے فتویٰ نہ لے یا وہ کسی مجتہد کے مذہب پر صحت کو پالے تو یہی اس کو کافی ہوگا، اور اعادہ کی ضرورت نہ ہوگی، ابن صلاح نے کہا ہے کہ جو کوئی شافعی المذہب کسی حدیث کو اپنے مذہب کے مخالف پائے تو اس کو دیکھنا چاہیے اگر اس شخص کو آلات اجتہاد مطلقاً یا خاص اسی باب یا مسئلہ میں پورے حاصل ہیں تو اس حدیث پر وہ مستقل طور پر عمل کرسکتا ہے اور اگر آلات اجتہاد پورے حاصل نہیں ہیں اور بحث کرنے کے بعد اس کو حدیث کی مخالفت

لم يعرف النسخ ولا تاويله لا كفارة عليه عندهما لان ظاهر الحديث واجب العمل به خلافا لابي يوسف لانه ليس للعامي العمل بالحديث لعدم علمه بالناسخ والمنسوخ ولو لمس امراة او قبلها بشهوة او اكتحل فظن ان ذلك يفطر ثم افطر فعليه الكفارة الا اذا استفتى فقيها فافتاه بالفطر او بلغه خبر فيه، ولو نوى الصوم قبل الزوال ثم افطر لم تلزمه الكفارة عند ابي حنيفة رضي الله عنه خلافا لهما كذا في المحيط ؛

وقد علم من هذا ان مذهب العامي فتوى مفتيه، وفيه ايضا في باب قضاء الفوائت ان كان عاميا ليس له مذهب معين فمذهبه فتوى مفتيه كما صرحوا به فان افتاه حنفي اعاد العصر والمغرب و ان افتاه شافعي فلا يعيدهما ولا عبرة برايه وان لم يستفت احدا او صادف الصحة على مذهب مجتهد اجزاه ولا اعادة عليه، قال ابن الصلاح من وجد من الشافعية حديثا يخالف مذهبه نظر ان كملت له آلة الاجتهاد مطلقا او في ذلك الباب او المسالة كان له الاستقلال بالعمل به وان لم يكمل وشق مخالفة الحديث بعد ان يبحث فلم يجد للمخالفة جوابا

شاق معلوم ہوتی ہے اور مخالفت کے لئے وہ جواب شافی
نہیں پاتا تو اس کو اس حدیث پر عمل کرنا درست ہے بشرطیکہ
امام شافعی کے علاوہ کسی اور مستقل امام نے اس پر عمل کیا ہو
اور اپنے امام کے مذہب ترک کرنے میں یہ بات اس کے لئے
عذر معقول شمار ہوگی، امام نووی نے اس کو پسند کیا ہے اور
اس کا اثبات کیا ہے،

اور مسائل مشکلہ میں سے یہ بھی ہے کہ فقہا میں اکثر مختلف
فیہ صورتیں بالخصوص وہ مسائل جن میں صحابہ کے اقوال دونوں
جانب ظاہر ہوئے ہیں جیسے تکبیراتِ تشریق و تکبیراتِ عیدین،
احرام باندھنے والے کا نکاح، عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن
مسعود کا تشہد، بسم اللہ اور آمین کو اخفاء سے پڑھنا، اقامت
میں دو دو بار اور ایک ایک بار کلموں کا ادا کرنا وغیر ذالک،
سو وہ اختلاف دو قولوں میں سے ایک کی ترجیح میں ہے اور ان
مسائل کے جواز میں سلف کو کچھ اختلاف نہ تھا ان کا اختلاف
محض اولویت میں تھا، اور اس کی نظیر قراء کا طرق قرائت میں
مختلف ہونا ہے، اور ان امور میں اکثر یہ دلیل بیان کرتے ہیں
کہ صحابہ ان میں مختلف تھے اور وہ سب راہ راست پر تھے
اسی واسطے مسائل اجتہادیہ میں علماء ہمیشہ سے مفتیوں کے
فتوے کو جائز رکھتے آئے ہیں اور قاضیوں کے فیصلوں کو
مانتے آئے ہیں، اور کبھی کبھی اپنے مذہب کے خلاف قول پر
بھی انہوں نے عمل کیا ہے، اور ایسے موقعوں میں تم ائمہ
مذاہب کو دیکھوگے کہ وہ صاف صاف مخالف قول کو بیان
کردیتے ہیں پس کوئی کہتا ہے اس قول میں زیادہ احتیاط
ہے یا یہی قول مختار ہے یا یہ قول مجھ کو زیادہ پسند ہے
اور بعض کہتے ہیں ہم کو تو یہی قول معلوم ہوا ہے،
کتاب مبسوط، آثار محمد رحمہ اللہ اور امام شافعی
رحمہ اللہ کے کلام میں ایسا بہت ہے،

ان لوگوں کے بعد ناخلف پیدا
ہو گئے انہوں نے فقہاء کے قول کا اختصار کیا۔

شافيا عنه فله العمل به ان كان
عمل به امام مستقل غير الشافعي
ويكون هذا عذرا له في ترك مذهب
امامه ههنا وحسنه النووي وقرره،

ومنها ان اكثر صور الاختلاف
بين الفقهاء لاسيما في المسائل التي ظهر
فيها اقوال الصحابة في الجانبين كتكبيرات
التشريق، وتكبيرات العيدين، ونكاح
المحرم، وتشهد ابن عباس وابن مسعود
والاخفاء بالبسملة وبآمين والاشفاع
والايتار في الاقامة ونحو ذلك انما هو
في ترجيح احد القولين، وكان السلف
لا يختلفون في اصل المشروعية، وانما
كان خلافهم في اولى الامرين، و
نظيره اختلاف القراء في وجوه القراءة
وقد عللوا كثيرا من هذا الباب
بان الصحابة مختلفون وانهم جميعا
على الهدى، ولذلك لم يزل العلماء
يجوزون فتاوى المفتين في المسائل
الاجتهادية ويسلمون قضاء القضاة
ويعملون في بعض الاحيان بخلاف
مذهبهم، ولا ترى ائمة المذاهب
في هذه المواضع الا وهم يضجعون
القول ويبينون الخلاف، يقول احدهم
هذا احوط، وهذا هو المختار، وهذا
احب الي، ويقول ما بلغنا الا ذلك،
وهذا كثير في المبسوط، وآثار محمد
رحمه الله، وكلام الشافعي رحمه الله،
ثم خلف من بعدهم خلف اختصروا

اور خلاف پر زیادہ زور دیا اور اپنے اپنے اماموں کے پسندیدہ اقوال پر جم گئے، اور سلف سے جو یہ مروی ہے کہ وہ اپنے اصحاب کے مذہب کی پابندی پر تاکید کرتے ہیں اور کسی حال میں ان سے نکلنا نہیں چاہتے، تو یہ یا تو فطری امر کی وجہ سے ہے اس واسطے کہ ہر شخص اسی بات کو پسند کرتا ہے جس کو اس کے اصحاب پسند کرتے ہیں حتی کہ لباس اور کھانوں میں بھی اس پسندیدگی کا لحاظ ہوتا ہے، یا یہ بات کسی قوت کی وجہ سے ہے جو کسی دلیل کے ملاحظہ کرنے سے یا کسی اور سبب کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے بعض لوگوں نے اس کو تعصب دینی سمجھا وہ اس سے بالکل بری ہیں،

صحابہ وتابعین میں اور ان کے بعد کے زمانہ میں بعض ایسے تھے جو نماز میں بسم اللہ پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے، بعض اس کا جہر کرتے تھے اور بعض جہر نہیں کرتے تھے، اور بعض نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے، بعض پچھنے لگانے، نکسیر اور قی کی وجہ سے وضو کرتے تھے اور بعض وضو نہیں کرتے تھے، بعض مس ذکر اور عورتوں کو خواہش نفسانی کے ساتھ ہاتھ لگانے سے وضو کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے. بعض لوگ آگ سے پکی ہوئی اشیاء کے تناول سے وضو کرتے تھے اور بعض وضو نہیں کرتے تھے بعض لوگ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے،

باوجود ان سب امور کے ہر ایک شخص دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتا تھا، مثلاً امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد اور امام شافعی وغیرہم رضی اللہ عنہم مدینہ شریف کے مالکی مذہب وغیرہ اماموں کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے تھے

كلام القوم فقووا الخلاف وثبتوا على مختار ائمتهم، والذى يروى من السلف من تاكيد الاخذ بمذهب اصحابهم وان لا يخرج منها بحال فان ذلك اما لامر جبلى، فان كل انسان يحب ما هو مختار اصحابه وقومه حتى فى الزى والمطاعم اولصولة ناشئة من ملاحظة الدليل اولنحو ذلك من الاسباب، فظن البعض تعصبا دينيا حاشاهم من ذلك وقد كان فى الصحابة والتابعين ومن بعدهم من يقرأ البسملة، ومنهم من لا يقرؤها، ومنهم من يجهر بها، و منهم من لا يجهر بها وكان منهم من يقنت فى الفجر، ومنهم من لا يقنت فى الفجر، ومن هم من يتوضأ من الحجامة والرعاف والقئ، ومنهم من لا يتوضأ من ذلك، ومنهم من يتوضأ من مس الذكر ومس النساء بشهوة، ومنهم من لا يتوضأ من ذلك، ومنهم من يتوضأ مما مسته النار، ومنهم من لا يتوضأ من ذلك، ومنهم من يتوضأ من اكل لحم الابل ومنهم من لا يتوضأ من ذلك؛

ومع هذا فكان بعضهم يصلى خلف بعض مثل ما كان ابو حنيفة او اصحابه والشافعى وغيرهم رضى الله عنهم يصلون خلف ائمة المدينة

اگرچہ وہ بسم اللہ کو نہ آہستہ پڑھتے تھے اور نہ آواز سے، ہارون رشید نے ایک بار پچھنے لگا کر نماز پڑھائی اور امام ابو یوسف نے ان کے پیچھے نماز پڑھی اور نماز کا اعادہ نہیں کیا، اور امام مالک نے ان کو فتوی دیا تھا کہ پچھنے لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک نکسیر اور پچھنے لگانے سے وضو کرنا چاہئے، پس کسی نے ان سے پوچھا اگر امام کے جسم سے خون نکلے اور وہ وضو نہ کرے تو آپ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے؟ انہوں نے کہا کہ میں امام مالکؒ اور سعید بن المسیب کے پیچھے کیسے نماز نہیں پڑھوں گا،

اور روایت ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد عیدین میں حضرت عبد اللہ بن عباس کی تکبیریں پڑھا کرتے تھے اس لئے کہ خلیفہ ہارون رشید کو اپنے دادا عبد اللہ بن عباس کی تکبیر پسند تھی،

اور ایک مرتبہ امام شافعی نے امام ابو حنیفہ کے مقبرہ کے قریب صبح کی نماز پڑھی تو ان کے ادب کی وجہ سے دعائے قنوت کو نہ پڑھا، اور نیز امام شافعی کا قول ہے کہ ہم کبھی کبھی اہل عراق کے مذہب کی طرف جھک جاتے ہیں، اور امام مالک نے منصور اور ہارون رشید سے وہ بات کہی تھی جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، اور فتاوی بزازیہ میں امام ثانی یعنی امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ حمام میں غسل کر کے جمعہ کی نماز پڑھی اور لوگوں کی امامت کی، لوگ نماز پڑھ کر چلے گئے، پھر کسی نے خبر دی کہ حمام کے کنویں میں مرا ہوا چوہا پایا گیا ہے، تب امام صاحب نے فرمایا کہ اب ہم اپنے بھائیوں اہل مدینہ کے قول پر عمل کرتے ہیں کہ جب پانی قلتین کی مقدار کو پہنچ جائے تو ناپاک نہیں ہوتا، انتہی۔

امام خجندی رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ ایک شخص شافعی المذہب

من المالكية وغيرهم وان كانوا لا يقرءون البسملة لا سرا ولا جهرا، وصلى الرشيد اماما وقد احتجم، فصلى الامام ابو يوسف خلفه ولم يعد، وكان افتاه الامام مالك بانه لا وضوء عليه، وكان الامام احمد ابن حنبل يرى الوضوء من الرعاف و الحجامة فقيل له فان كان الامام قد خرج منه الدم ولم يتوضأ هل تصلي خلفه؟ فقال كيف لا اصلي خلف الامام مالك وسعيد بن المسيب، وروى ان ابا يوسف و محمدا كانا يكبران في العيدين تكبير ابن عباس لان هرون الرشيد كان يحب تكبير جده، وصلى الشافعي رحمه الله الصبح قريبا من مقبرة ابي حنيفة رحمه الله فلم يقنت تادبا معه، وقال ايضا ربما انحدرنا الى مذهب اهل العراق، وقال مالك رحمه الله للمنصور وهرون الرشيد ما ذكرنا عنه سابقا، وفي البزازية عن الامام الثاني وهو ابو يوسف رحمه الله انه صلى يوم الجمعة مغتسلا من الحمام وصلى بالناس وتفرقوا، ثم اخبر بوجود فارة ميتة في بئر الحمام فقال اذا ناخذ بقول اخواننا من اهل المدينة اذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثا انتهى، وسئل الامام الخجندي رحمه الله عن رجل شافعي

نے ایک سال یا دو سال کی نماز ترک کردی، پھر اس نے ابو حنیفہ کا مذہب اختیار کرلیا تو اس پر کس طرح سے قضاء واجب ہے آیا امام شافعی کے مذہب کے موافق قضاء نماز ادا کرے یا امام ابو حنیفہ کے مذہب کے موافق؟ انہوں نے جواب دیا جس مذہب کے موافق قضاء نماز ادا کریگا نماز جائز ہوجائے گی بشرطیکہ اس کے جواز کا اعتقاد بھی ہو، انتہی —

جامع الفتاوی میں ہے کہ اگر کسی حنفی نے کہا اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس پر تین مرتبہ طلاق ہے اس کے بعد اس نے کسی شافعی سے مسئلہ پوچھا اور اس نے جواب دیا کہ اس عورت پر طلاق نہ ہوگی اور اس کی یہ قسم باطل ہے، تو اس مسئلہ میں اس کا امام شافعی کی اقتداء کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لئے کہ بہت سے صحابہ ان کی طرف ہیں، امام محمد نے اپنی امالی میں بیان کیا ہے کہ اگر کسی فقیہ نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھ پر قطعی طلاق ہے اور وہ اسکو تین طلاق سمجھتا ہے اس کے بعد کسی قاضی نے حکم کردیا کہ یہ طلاق رجعی ہے تو اس کو اس عورت کا پاس رکھنا جائز ہے، اسی طرح ہر ایک مسئلہ میں جس کی تحریم یا تحلیل یا اعتاق یا اخذ مال وغیرہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے اس فقیہ کو جس کے خلاف فیصلہ کیا گیا ہے یہی مناسب ہے کہ قاضی کے فیصلہ کو اختیار کرے اور اپنی رائے کو ترک کردے اور اپنے نفس کو اسی کا پابند کرلے جو قاضی نے اس پر لازم کردیا ہے اور اسی کی تعمیل کرے، جو اس نے دیا ہے، امام محمد رحمہ اللہ نے کہا ہے اسی طرح وہ شخص جو ناواقف ہے کسی حادثہ میں گرفتار ہوجائے اور اس کے متعلق فقہاء سے دریافت کرے اور فقہاء اس میں حلال یا حرام ہونے کا فتویٰ دیں اور مسلمانوں کا قاضی اس کے خلاف فیصلہ کردے اور وہ مسئلہ بھی ایسا ہے جس میں فقہاء کا اختلاف ہے تو اس شخص کو یہی مناسب ہے کہ قاضی کے فیصلہ کو اختیار کرے اور فقہاء کے فتوے کو ترک کردے، انتہی۔

المذهب ترك صلاة سنة او سنتين، ثم انتقل الى مذهب ابي حنيفة رحمه الله، كيف يجب عليه القضاء، ايقضيها على مذهب الشافعي او على مذهب ابي حنيفة؟ فقال اى المذهبين قضى بعد ان يعتقد جوازها جاز انتهى وفي الجامع الفتاوى انه ان قال حنفي ان تزوجت فلانة فهي طالق ثلاثا ثم استفتى شافعيا فاجاب انها لا تطلق ويمينه باطل فلا باس بالاقتداء بالشافعي في هذه المسالة، لان كثيرا من الصحابة في جانبه، قال محمد رحمه الله في اماليه لو ان فقيها قال لامرأته انت طالق البتة، وهو ممن يراها ثلاثا ثم قضى عليه قاض بانها رجعية وسعه المقام معها، وكذا كل فصل مما يختلف فيه الفقهاء من تحريم او تحليل او اعتاق او اخذ مال او غيره ينبغي للفقيه المقضى عليه الاخذ بقضاء القاضي، ويدع رايه ويلزم نفسه ما الزم القاضي وياخذ ما اعطاه، قال محمد رحمه الله وكذلك رجل لا علم له، ابتلى ببلية فسال عنها الفقهاء فافتوه فيها بحلال او حرام وقضى عليه قاضي المسلمين بخلاف ذلك وهي مما يختلف فيه الفقهاء فينبغي له ان ياخذ بقضاء القاضي ويدع ما افتاه الفقهاء انتهى۔

ومنها انی وجدت بعضهم یزعم ان جمیع ما یوجد فی هذه الشروح الطویلة وکتب الفتاوی الضخمة و هو قول ابی حنیفة وصاحبیه ولا یفرق بین القول المخرج وبین ما هو قول فی الحقیقة، ولا یحصل معنی قولهم علی تخریج الکرخی کذا، وعلی تخریج الطحاوی کذا، ولا یمیز بین قولهم قال ابو حنیفة کذا، وبین قولهم جواب المسألة علی مذهب ابی حنیفة او علی اصل ابی حنیفة کذا، ولا یصغی الی ما قال المحققون من الحنفیین کابن الهمام وابن النجیم فی مسألة العشر فی العشر، ومثله مسألة اشتراط البعد من الماء میلاً فی التیمم، وامثالهما ان ذلک من تخریجات الاصحاب ولیس مذهباً فی الحقیقة، وبعضهم یزعم ان بناء المذهب علی هذه المحاورات الجدلیة المذکورة فی مبسوط السرخسی والهدایة والتبیین ونحو ذلک، ولا یعلم ان اول من اظهر ذلک فیهم المعتزلة ولیس علیه بناء مذهبهم، ثم استطاب ذلک المتاخرون توسعاً وتشحیذ الاذهان الطالبین ولو لغیر ذلک واللہ اعلم، وهذه الشبهات والشکوک یحل کثیر منها مما مهدناه فی هذا الباب ٭

اور مسائلِ مشکلہ میں سے یہ بھی ہے کہ میں نے بعض لوگوں کو یہ گمان کرتے پایا ہے کہ جتنے مسائل ان بڑی بڑی شروح اور فتاوے کی ضخیم کتابوں میں مندرج ہیں وہ تمام امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے اقوال ہیں، اور ایسے لوگ ان قولوں میں جو تخریج کئے گئے ہیں اور ان قولوں میں جو حقیقی اور اصلی ہیں کچھ فرق نہیں کرتے اور نہ فقہاء کے اس قول کے معنی سمجھتے ہیں کہ کرخی کی تخریج کے موافق مسئلہ کا یہ حکم ہے اور طحاوی کی تخریج کے موافق یہ حکم ہے، اور نہ وہ فقہاء کے اس قول میں کہ ابو حنیفہ نے ایسا کہا ہے اور ان کے اس قول میں کہ مسئلہ کا جواب، ابو حنیفہ کے مذہب پر یا ابو حنیفہ کے قاعدہ کی بنا پر یہ ہے، کوئی فرق کرتے ہیں اور نہ وہ ان اقوال کی طرف نظر کرتے ہیں جو محققین حنفیہ جیسے ابن الہمام اور ابن النجیم نے دہ در دہ مسئلہ میں اور ایسے ہی تیمم کے بارہ میں پانی سے ایک میل کی دوری شرط کرنے وغیرہا مسائل میں فرمایا ہے کہ یہ سب امور اصحاب حنفیہ کی تخریجات ہیں اور حقیقت میں یہ مذہب نہیں ہے اور بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب کی بنیاد ان محاورات جدلیہ پر ہے جو مبسوط سرخسی، ہدایہ اور تبیین وغیرہ کتب میں مذکور ہیں،

اور ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اول اول ان باتوں کو فقہاء میں معتزلہ نے ظاہر کیا تھا اور ان پر ان کے مذہب کی بنیاد نہ تھی، بعد میں متاخرین نے بھی ذہنوں کو روشن کرنے اور تیز کرنے کے لئے اچھا سمجھ لیا اور خواہ کسی اور وجہ سے ان کو پسند کر لیا ہو واللہ اعلم،

اور ایسے ایسے شبہات اور شکوک اکثر اس بیان سے حل ہو جاتے ہیں جو ہم نے اس باب میں ذکر کیا ہے ٭

اور مسائلِ مشکلہ میں سے ایک یہ امر ہے کہ
میں نے بعض لوگوں کو یہ گمان کرتے پایا ہے کہ امام ابوحنیفہ
اور امام شافعی رحمہما اللہ کے درمیان مخالفت کی بنیاد
ان اصول پر ہے جو بزدوی وغیرہ میں مذکور ہیں حالانکہ
حق بات یہ ہے کہ یہ اصول اکثر ان کے اقوال سے خارج
کرلئے گئے ہیں، اور میرے نزدیک یہ مسئلہ کہ خاص ظاہر
ہوتا ہے اور اس کو بیان کی حاجت نہیں ہے اور یہ کہ
زیادتی "نسخ ہوتی ہے اور یہ کہ عام بھی خاص کی طرح قطعی
ہوتا ہے اور یہ کہ کثرت رواۃ سے ترجیح نہیں ہوسکتی اور یہ
کہ جب حدیث خلاف قیاس ہو تو ایسے شخص کی روایت
واجب العمل نہیں ہے جو فقیہ نہ ہو، اور یہ کہ شرط اور
وصف کے مفہوم کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا، اور یہ کہ امر کا
مقتضیٰ قطعاً وجوب ہے۔ اور ایسے ہی دیگر مسائل، ایسے
اصول ہیں جو ائمہ کے کلام سے مستخرج اور مستنبط ہیں، اور
امام ابوحنیفہ وصاحبین سے وہ منقول نہیں ہیں اور ان
اصولوں کی محافظت کرنا اور متقدمین کے امور مستنبطہ پر
وارد ہونے اعتراضات کے جواب دینے میں تکلف کرنا
جیساکہ بزدوی وغیرہ نے کیا ہے، ان اصول کے مخالف اصول
کی محافظت اور ان پر اعتراضاتِ واردہ کے جواب دینے سے
زیادہ مستحق نہیں ہیں، مثلاً انہوں نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ
خاص ظاہر ہوتا ہے اور اس کو بیان کی حاجت نہیں ہے اور انہوں
نے اس قاعدہ کی تخریج متقدمین کی اس تقریر سے کی ہے جو انہوں
نے آیت "واسجدوا وارکعوا" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کی اس حدیث میں کی ہے "کہ کسی شخص کی نماز پوری نہیں ہوگی
جب تک کہ وہ اپنی پشت کو رکوع وسجدہ میں درست نہ
کرے گا"۔ اس واسطے کہ متقدمین نماز میں فرضیت
اطمینان کے قائل نہیں ہوئے ہیں اور انہوں
نے حدیث کو آیت کا بیان قرار نہیں دیا
ہے پس ان پر اعتراض وارد ہوا کہ انہوں نے

ومنها اني وجدت بعضهم يزعم
ان بناء الخلاف بين ابي حنيفة والشافعي
رحمهما الله على هذه الاصول المذكورة
في كتاب البزدوي ونحوه، وانما
الحق ان اكثرها اصول مخرجة على
قولهم، وعندي ان المسألة القائلة
بان الخاص مبين ولا يلحقه البيان
وان الزيادة نسخ وان العام قطعي
كالخاص، وان لا ترجيح بكثرة الرواة
وانه لا يجب العمل بحديث غير الفقيه
اذا انسد باب الرأي، وان لا عبرة
بمفهوم الشرط والوصف اصلاً وان
موجب الامر هو الوجوب البتة، و
امثال ذلك اصول مخرجة على كلام
الائمة، وانه لا تصح بها رواية عن
ابي حنيفة وصاحبيه، وانه ليست
المحافظة عليها والتكلف في جواب
ما يرد عليها من صنائع المتقدمين
في استنباطاتهم كما يفعله البزدوي
وغيره احق من المحافظة على خلافها
والجواب عما يرد عليه، مثاله انهم
اصلوا ان الخاص مبين فلا يلحقه
البيان، وخرجوه من صنيع الاوائل
في قوله تعالى واسجدوا واركعوا، و
قوله صلى الله عليه وسلم لا تجزي
صلوة الرجل حتى يقيم ظهره في
الركوع والسجود حيث لم يقولوا
بفرضية الاطمئنان ولم يجعلوا
الحديث بيانا للآية فورد عليهم

خدا تعالے کے قول "وامسحوا برؤسکم" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشانی پر مسح کرنے کو بیان قرار دیا، اور خدا تعالے کے قول "الزانیۃ والزانی فاجلدوا" اور خدا تعالی کے قول "السارق والسارقۃ فاقطعوا" الایہ، اور خدا تعالی کے قول "حتی تنکح زوجا غیرہ" میں اور جو بیانات بعد میں واقع ہوئے ہیں، پس ان کے جوابات دینے میں انہوں نے تکلف کیا جیسا کہ وہ ان کی کتابوں میں مذکور ہے، اور اسی طرح انہوں نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ عام خاص کیطرح قطعی ہوتا ہے اور انہوں نے متقدمین کے اس عمل سے جو خدا تعالی کے اس قول "فاقرؤا ما تیسر من القرآن" اور اس حدیث 'لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب' کے بارے میں رہا ہے، اس قاعدہ کی تخریج کی ہے کیونکہ انہوں نے اس حدیث کو مذکورہ آیت کے لئے مخصص قرار نہیں دیا ہے اور اس عمل سے جو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ "جو غلہ چشمہ کے پانی سے پیدا ہو اس میں عشر ہے" اور آپ کے اس قول میں کہ "پانچ اوقیہ سے کم غلہ میں صدقہ نہیں ہے" کیونکہ انہوں نے حدیث ثانی کو حدیث اول سے مخصوص قرار نہیں دیا اور اسی طرح کے دیگر مواقع ہیں،

اس کے بعد ان پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ خدا تعالے کا قول 'فما استیسر من الھدی' عام ہے اس کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان سے خاص کیا اور بکری مراد لی ہے، سو اس اعتراض کے جواب دینے میں ان کو تکلف کرنا پڑا، اور اسی طرح انہوں نے یہ قاعدہ مقرر کر لیا کہ مفہوم شرط اور مفہوم وصف کا کچھ اعتبار نہیں، اور انہوں نے اس قاعدہ کی تخریج متقدمین کے اس عمل سے کی ہے جو ان کا اس آیت کے بارے میں ہے "فمن لم یستطع منکم طولاً" الایہ۔ پھر ان پر متقدمین کے عمل کی وجہ سے بہت سے اعتراضات وارد ہوئے مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے "چرنے والے اونٹ میں زکوٰۃ ہے"

صنیعهم فی قوله تعالی وامسحوا برءوسکم ومسحه صلی الله علیه وسلم علی ناصیته حیث جعلوه بیانا، وقوله تعالی الزانیة والزانی فاجلدوا، وقوله تعالی السارق والسارقة فاقطعوا الآیة، وقوله تعالی حتی تنکح زوجا غیره وما لحقه من البیان بعد ذلك فتکلفوا الجواب کما هو مذکور فی کتبهم وانهم اصلوا ان العام قطعی کالخاص، وخرجوه من صنیع الاوائل فی قوله تعالی فاقرءوا ما تیسر من القرآن وقوله صلی الله علیه وسلم لاصلاة الا بفاتحة الکتاب حیث لم یجعلوه مخصصا، وفی قوله صلی الله علیه وسلم فیما سقت العیون العشر، الحدیث، وقوله صلی الله علیه وسلم لیس فیما دون خمسة اواق صدقة حیث لم یخصوه به ونحو ذلك من المواد، ثم ورد علیهم قوله تعالی فما استیسر من الهدی وانما هو الشاة فما فوقه ببیان النبی صلی الله علیه وسلم فتکلفوا فی الجواب، وکذلك اصلوا ان لا عبرة بمفهوم الشرط والوصف وخرجوه من صنیعهم فی قوله تعالی فمن لم یستطع منکم طولا الآیة، ثم ورد علیهم کثیر من صنائعهم کقوله صلی الله علیه وآله وسلم فی الابل السائمة زکاة

پس اس کے جواب میں انہوں نے تکلف کیا ہے اور اسی طرح انہوں نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ سوائے راوی مجتہد کے کسی اور کی حدیث واجب العمل نہ ہوگی جب قیاس اس حدیث کے خلاف ہو اور اس قاعدہ کی تخریج انہوں نے متقدمین کے حدیث مُصرّاۃ کو متروک العمل قرار دینے سے کی ہے، اس کے بعد قہقہہ والی حدیث اور بھول میں کھالینے سے روزہ کے عدم فساد والی حدیث ان کے اس قاعدہ کے خلاف وارد ہوتی تھی سو ان کے جواب میں انہوں نے تکلف کیا، اسی قسم کی بہت سی مثالیں ہیں جو غور و خوض کرنے والے پر مخفی نہیں ہیں، اور جو شخص غور و خوض کرے اس کے لئے طول کلام بھی کافی نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ اشارہ ہو اور اس امر میں آپ کے لئے بطور دلیل کے محققین کا یہ قول کافی ہے جو اس مسئلہ میں ہے کہ اس شخص کی حدیث واجب العمل نہیں ہے جو ضبط و عدالت میں مشہور ہو اور فقیہ نہ ہو جبکہ وہ حدیث خلاف قیاس ہو جیسے مصراۃ کی حدیث ہے کہ یہ مذہب عیسیٰ بن ابان کا ہے اور متاخرین میں سے کثیر نے اس کو اختیار کیا ہے، امام کرخی اور ان کی اقتداء میں بہت سے علماء کا مذہب یہ ہے کہ قیاس پر حدیث کے مقدم ہونے راوی کا مجتہد ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ حدیث کا مرتبہ قیاس سے زیادہ ہے، احناف کہتے ہیں کہ یہ شرط ہمارے اصحاب سے منقول نہیں ہے بلکہ ان سے یہ منقول ہے کہ خبر واحد قیاس پر مقدم ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ انہوں نے ابو ہریرہ کی اس حدیث پر عمل کر لیا جو روزہ دار کے بارے میں ہے جب اس نے بھول کر کچھ کھا پی لیا ہو، اگرچہ یہ حدیث قیاس کے خلاف ہے حتیٰ کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر روایت نہ ہوتی تو میں قیاس سے کہتا، اور تم کو ان کی بہت سی تخریجات میں اختلاف کرنے سے بھی یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ وہ متقدمین کے اقوال سے ان کو حاصل کرتے ہیں اور بعض بعض پر رد کرتا ہے ۔

فتكلفوا في الجواب واصلوا انه لا يجب العمل بحديث غير الفقيه اذا انسد به باب الرأي وخرجوه من صنيعهم في ترك حديث المصراة ثم ورد عليهم حديث القهقهة وحديث عدم فساد الصوم بالاكل ناسيا، فتكلفوا في الجواب، وامثال ما ذكرنا كثيرة لا تخفى على المتتبع، ومن لم يتتبع لا تكفيه الاطالة فضلا عن الاشارة، ويكفيك دليلا على هذا قول المحققين في مسالة لا يجب العمل بحديث من اشتهر بالضبط والعدالة دون الفقه اذا انسد باب الرأي كحديث المصراة ان هذا مذهب عيسى بن ابان، واختاره كثير من المتأخرين، وذهب الكرخي وتبعه كثير من العلماء الى عدم اشتراط فقه الراوي لتقدم الخبر على القياس، قالوا لم ينقل هذا القول عن اصحابنا بل المنقول عنهم ان خبر الواحد مقدم على القياس، الا ترى انهم عملوا بخبر ابي هريرة في الصائم اذا اكل او شرب ناسيا وان كان مخالفا للقياس حتى قال ابو حنيفة رحمه الله لولا الرواية لقلت بالقياس ويرشدك ايضا اختلافهم في كثير من التخريجات اخذا من صنائعهم ورد بعضهم على بعض ۔

ان مسائل مشکلہ میں سے یہ بھی ہے کہ میں نے بعض لوگوں کو پایا ہے کہ ان کا یہ خیال ہے کہ یہاں دو فریق ہیں، کوئی تیسرا فریق نہیں ہے، ایک اہل الظاہر ہیں اور ایک اہل الرائے ہیں، اور ہر وہ شخص جو قیاس واستنباط کرتا ہے وہ اہل الرائے ہیں سے ہے، واللہ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ رائے سے مراد نہ تو نفس فہم وعقل ہے اس واسطے کہ یہ ہر عالم میں موجود ہے، اور نہ وہ رائے مراد ہے جس کی سنت پر بالکل بنیاد نہ ہو اس واسطے کہ اس کو تو کوئی مسلمان بھی اپنی طرف منسوب نہ کرے گا اور نہ استنباط وقیاس پر قادر ہونا مراد ہے اس واسطے کہ امام احمد واسحق بلکہ امام شافعی بھی بالاتفاق اہل الرائے ہیں سے نہ تھے حالانکہ وہ استنباط اور قیاس کرتے تھے، بلکہ اہل الرائے سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان مسائل کے بعد جن پر جمہور مسلمین متفق ہیں متقدمین میں سے کسی کے قول پر تخریج کرنے کی طرف توجہ کی،

پس ان کا اکثر کام یہ ہے کہ وہ بجائے احادیث وآثار میں تتبع کرنے کے ایک نظیر کو دوسری نظیر پر حمل کرتے ہیں اور اصول میں سے کسی اصل کی طرف رجوع کرتے ہیں،

اور ظاہری وہ شخص ہوتا ہے جو نہ قیاس کا قائل ہے اور نہ صحابہ وتابعین کے آثار کا، جیسے داؤد اور ابن حزم ہیں، اور ان دونوں فریق کے درمیان محققین اہل سنت ہیں جیسے امام احمد واسحق ہے،

ہم نے اس مقام میں کلام کو خوب طول دیا ہے حتی کہ جس فن میں ہم نے یہ کتاب لکھنا شروع کی تھی اس سے نکل گئے حالانکہ میری یہ عادت نہیں ہے لیکن دو وجہوں سے ایسا ہوا، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالٰے نے

ومنها انی وجدت بعضهم یزعم ان هنالك فرقتین لا ثالث لهما، اهل الظاهر، واهل الرای، وان كل من قاس واستنبط فهو من اهل الرای - كلا والله - بل لیس المراد بالرای نفس الفهم والعقل، فان ذلك لا ینفك من احد من العلماء ولا الرای الذی لا یعتمد علی سنة اصلا، فانه لا ینتحله مسلم البتة، ولا القدرة علی الاستنباط والقیاس، فان احمد واسحق بل الشافعی ایضا لیسوا من اهل الرای بالاتفاق وهم یستنبطون ویقیسون، بل المراد من اهل الرای قوم توجهوا بعد المسائل المجمع علیها بین المسلمین او بین جمهورهم الی التخریج علی اصل رجل من المتقدمین، فكان اكثر امرهم حمل النظیر علی النظیر والرد الی اصل من الاصول دون تتبع الاحادیث والآثار، والظاهری من لا یقول بالقیاس ولا بآثار الصحابة والتابعین كداود وابن حزم، وبینهما المحققون من اهل السنة كاحمد واسحاق، ولقد اطنبنا الكلام فی هذا المقام غایة الاطناب حتی خرجنا من الفن الذی وضعنا فیه هذا الكتاب، ولیس ذلك لی بخلق ودیدن، وانما كان ذلك بوجهین احدهما ان الله تعالی

جعل فی قلبی وقتا من الاوقات میزانا اعرف به سبب کل اختلاف وقع فی الملۃ المحمدیۃ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام، وما ھو الحق عند اللہ وعند رسولہ ومکننی من ان اثبت ذلک بالدلائل العقلیۃ والنقلیۃ بحیث لایبقی فیہ شبھۃ ولا اشکال فعزمت علی تالیف کتاب اسمیہ "غایۃ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف"، وابین فیہ ھذہ المطالب بیانا شافیا، واکثر فیہ من ذکر الشواھد والامثال والتفریعات مع المحافظۃ علی الاقتصاد بین الافراط والتفریط فی کل مقام والاحاطۃ بجوانب الکلام واصول المقصود والمرام، ثم لم اتفرغ لہ الی ھذا الحین، فلما انجر الکلام الی ماخذ الاختلاف، حملنی ما اجد علی ان ابین بعض ما تیسر من ذلک، والثانی شغب اھل الزمان واختلافھم وعمھھم فی بعض ما ذکرنا حتی کادوا یسطون بالذین یتلون علیہم ایات اللہ، وربنا الرحمن المستعان علی ما تصفون ؛

ولیکن ھذا اخر ما اردنا ایرادہ فی القسم الاول من کتاب حجۃ اللہ البالغۃ فی علم اسرار الحدیث والحمد للہ اولا واخرا وظاھرا وباطنا، ویتلوہ ان شاء اللہ تعالی القسم الثانی فی بیان معانی ما جاء عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم تفصیلا

ایک وقت میں میرے قلب میں میزان پیدا کردی جس کی وجہ سے میں ہر اس اختلاف کا سبب پہچان لیتا ہوں جو امت محمدیہ میں واقع ہوا۔ اور اس کو بھی پہچان لیتا ہوں جو خدا اور اس کے رسول کے نزدیک حق ہے، اور خدا نے مجھ کو یہ بھی قدرت دی ہے کہ امر حق کو دلائل عقلیہ ونقلیہ سے اس طرح ثابت کردوں کہ اس میں شبہہ اور اشکال باقی نہ رہے، پس میں نے ایک کتاب کی تالیف کا ارادہ کیا جس کو میں غایۃ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف کے نام سے موسوم کروں اور اس میں یہ مطالب بیان شافی کے ساتھ ظاہر کروں اور بہت سے شواہد وامثال وتفریعات ذکر کروں اور اس کے ساتھ ساتھ ہر مقام میں افراط وتفریط کے درمیان میانہ روی اختیار کروں اور جوانب کلام اور اصول مقصود ومرام کا احاطہ کروں، اس کے بعد اب تک اس کی تصنیف کی مجھکو فرصت نہ ملی لیکن جب کلام ماخذ اختلاف تک پہنچا تو مجھ کو میرے دلی منصوبہ نے اس میں سے جتنا بھی میسر ہو اس کے بیان کرنے پر آمادہ کیا،

اور اس اطناب کی دوسری وجہ اس زمانہ کے لوگوں کی شورش ہے اور ان کا اختلاف اور بعض ان امور میں جن کو ہم نے ذکر کیا اندھا ہوجانا ہے، یہاں تک کہ قریب ہے کہ ان لوگوں سے لڑ پڑیں جو ان کو اللہ تعالے کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں، وربنا الرحمن المستعان علی ما یصفون ؛

اور حجۃ اللہ البالغۃ کی قسم اول میں جس کلام کے بیان کرنے کا ہم نے قصد کیا تھا یہ اس کا آخر ہے اور سب تعریف اول وآخر، ظاہر وباطن اللہ ہی کے لئے ہے اس کے بعد انشاء اللہ قسم ثانی آئے گی جس میں ان چیزوں کے معانی کا بیان ہے جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے تفصیلا صادر ہوئی ہیں ؛

حصّہ دُوُم

نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ تفصیلاً صادر ہوا ہے اس کے اسرار کا بیان

اس مقام پر ان احادیث کا ایک معتد بہ مجموعہ ذکر کرنا مقصود ہے جو احادیث محدثین کے نزدیک معروف ہیں اور اہل علم کے درمیان مشہور ہیں اور جو صحیح بخاری و صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد و ترمذی میں مروی ہیں، ان کے سوا اور کتابوں سے جو حدیث بھی میں لایا ہوں اس کا ذکر بالتبع ہے، اور اسی واسطے میں نے ہر حدیث کی نسبت اس کے راوی کی طرف نہیں کی ہے اور کبھی میں نے حاصل معنی یا حدیث کا ٹکڑہ ہی ذکر کر دیا ہے اس واسطے کہ طالب کے لئے ان کتابوں کا تتبع کرنا اور ان کی طرف رجوع کرنا آسان ہے :

ایمان کی قسموں کا بیان

واضح ہو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت جبکہ تمام مخلوق کے لئے عام تھی تاکہ تمام ادیان پر آپ کے دین کو غلبہ ہو خواہ اس غلبہ سے کسی معزز کی عزت یا ذلیل کی ذلت ہو اس لئے آپ کے دین میں کئی قسم کے لوگ داخل ہوئے، پس ان میں باہم تمیز کی ضرورت ہوئی کہ کون مسلمان ہیں اور کون نہیں ہیں، پھر ان مسلمانوں میں سے بھی کن لوگوں نے اس ہدایت کو حاصل کیا جس کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم لائے تھے اور کون لوگ ایسے ہیں جن کے دلوں میں ایمان کی تازگی نے سرایت نہیں کیا اس واسطے شارع نے ایمان کی دو قسمیں کیں ایک تو

القسم الثاني

في بيان اسرار ما جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم تفصيلاً

والمقصود ههنا ذكر جملة صالحة من الاحاديث المعروفة عند اهلها، السائرة بين حملة العلم، المروية في صحيح البخاري ومسلم وكتابي ابو داود والترمذي، وقلما اوردت عن غيرها الا استطرادا، ولذلك لم اتعرض لنسبة كل حديث لمخرجه، وربما ذكرت حاصل المعنى او طائفة من الحديث، فان هذه الكتب تتيسر مراجعتها وتتبعها على الطالب :

من ابواب الايمان

اعلم ان النبي صلى الله عليه وسلم لما كان مبعوثا الى الخلق بعثا عاما ليغلب دينه على الاديان كلها بعز عزيز او ذل ذليل حصل في دينه انواع من الناس فوجب التميز بين الذين يدينون بدين الاسلام وبين غيرهم ثم بين الذين اهتدوا بالهداية التي بعث بها وبين غيرهم ممن لم تدخل بشاشة الايمان قلوبهم فجعل الايمان على ضربين، احدهما الايمان الذي

وہ جس پر احکام دنیا کا مدار ہے جیسے جان و مال کا محفوظ ہونا اور اس کا انضباط ایسے امور سے کرنا جن میں فرماں برداری ظاہر ہوتی ہے، اور وہ یہ ہیں کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگوں سے جہاد کرنے کا مجھکو حکم ہوا ہے یہاں تک کہ وہ اس بات کی شہادت دیں کہ خدا تعالٰے کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں، اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں، پس جب وہ یہ کام کریں گے تو بجز حقوق اسلام کے وہ اپنی جان و مال مجھ سے محفوظ کرلیں گے اور (جو کفر و معاصی پوشیدہ کریں گے) خدا ان سے حساب لیگا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کو قبلہ سمجھے اور ہماری ہاتھ کا ذبیحہ کھائے تو یہ وہ مسلمان ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا معاہدہ ہے پس تم لوگ اللہ تعالیٰ کے معاہدہ میں خیانت نہ کرنا" اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تین چیزیں ایمان کی بنیاد ہیں، جس شخص نے اپنی زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہا ہے نہ تو اس کو تو کسی گناہ کے سبب کافر قرار دے اور نہ تو کسی عمل کی وجہ سے اس کو اسلام سے خارج کر" الحدیث۔

اور ایمان کی دوسری قسم وہ ہے جس پر آخرت کا مدار ہے جیسے نجات اور حصول درجات ہے اور وہ تمام عقائد حقہ اعمال صالحہ اور عمدہ ملکہ پر مشتمل ہے، اور اس ایمان میں کمی بیشی ہوسکتی ہے۔ اور شارع کا یہ دستور ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو ایمان سے تعبیر کرتا ہے تاکہ ان کے جزء ایمان ہونے پر اچھی طرح سے تنبیہ ہوجائے اسی واسطے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جس میں امانت نہیں اس کا ایمان نہیں اور جس کو عہد کا پاس نہیں اس کا دین نہیں" اور آپ نے فرمایا "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں" الحدیث۔ اس ایمان کی بہت سی شاخیں ہیں، اور اس کی حالت درخت کی سی ہے کہ تنہ، شاخیں، پتے

يدور عليه احكام الدنيا من عصمة الدماء والاموال، وضبطه بامور ظاهرة فی الانقياد وهو قوله صلے الله عليه وسلم امرت ان اقاتل الناس حتى يشهدوا ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله ويقيموا الصلوة ويؤتوا الزكوة فاذا فعلوا ذلك عصموا مني دماءهم واموالهم الا بحق الاسلام وحسابهم على الله وقوله صلے الله تعالى عليه واله وسلم من صلے صلاتنا واستقبل قبلتنا واكل ذبيحتنا فذلك المسلم الذى له ذمة الله وذمة رسوله فلا تخفروا الله فی ذمته، وقوله عليه وسلم: ثلث من اصل الايمان الكف عمن قال لا اله الا الله لا نكفره بذنب ولا نخرجه من الاسلام بعمل الحديث.

وثانيهما الايمان الذى يدور عليه احكام الآخرة من النجاة والفوز بالدرجات وهو متناول لكل اعتقاد حق وعمل مرضي وملكة فاضلة وهو يزيد وينقص، وسنة الشارع ان يسمى كل شئ منها ايمانا ليكون تنبيها بليغا على جزئيته وهو قوله صلے الله عليه وسلم لا ايمان لمن لا امانة له ولا دين لمن لا عهد له، وقوله صلے الله عليه واله وسلم المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده الحديث، وله شعب كثيرة، ومثله كمثل الشجرة يقال للدوحة والاغصان والاوراق

پھل اور پھول سب کو درخت کہتے ہیں، پس جب اس کی شاخیں کٹ جائیں، پتے جھڑ جائیں اور اس کے پھل توڑ لئے جائیں تو اس کو ناقص درخت کہا جاتا ہے اور جب اس کا تنہ جڑ سے اکھاڑ دیا جائے تو درخت کا نام ہی اس سے جاتا رہتا ہے، چنانچہ اللہ تعالےٰ کے اس قول کا یہی مطلب ہے "ایمان والے وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی اللہ کا ذکر کرے تو ان کے دلوں میں خوف طاری ہو جائے" اور جبکہ یہ سب امور ایک قسم کے نہ تھے تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے دو حصے کر دیئے، ان میں سے ایک تو ارکان ہیں جو ان کے سب اجزاء میں عمدہ ہیں ان کی نسبت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، ایکؔ یہ کہ سوائے اللہ تعالےٰ کے عبادت کے قابل کوئی نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں، اور نماز کی پابندی کرنا، اور زکوٰۃ دینا، اور حج کرنا، اور رمضان کے روزے رکھنا، اور ان میں سے دوسرے باقی سب شعبے ہیں ان کی نسبت حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "ایمان کے کچھ اوپر ستّر شعبے ہیں ان میں سب سے افضل لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے، اور سب سے ادنیٰ راستے سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دینا ہے، اور حیاء بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے"

ایمان کی پہلی قسم کے مقابل کا نام کفر ہے لیکن ایمان کی دوسری قسم کے مقابل کی دو صورتیں ہیں، پس اگر اس میں تصدیق قلبی نہیں ہے بلکہ تلوار کے زور سے اطاعت کرتا ہے تو وہ خالص نفاق ہے اور اس قسم کے منافق اور کافر کے درمیان آخرت میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نیچے کے درجہ میں ہوں گے اور اگر تصدیق قلبی ہے لیکن اس کے ساتھ اعمال جوارح نہیں ہیں تو اس کو فاسق کہتے ہیں، یا اگر دل میں خلوص نہیں ہے تو یہ اور طرح کا منافق ہے،

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

والثمار والازهار جميعا انها شجرة فاذا اقطع اغصانها وخبط اوراقها و خرف ثمارها قيل شجرة ناقصة فاذا قلعت الدوحة بطل الاصل وهو قوله تعالى انما المؤمنون الذين اذا ذكر الله وجلت قلوبهم الاية و لما لم يكن جميع تلك الاشياء على حد واحد جعلها النبي صلى الله عليه واله وسلم على مرتبتين، منها الاركان التي هي عمدة اجزائها وهو قوله صلى الله عليه وسلم بني الاسلام على خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله واقام الصلوة وايتاء الزكاة والحج وصوم رمضان، ومنها سائر الشعب وهو قوله صلى الله عليه وسلم الايمان بضع وسبعون شعبة وافضلها قول لا اله الا الله وادناها اماطة الاذى عن الطريق والحياء شعبة من الايمان ويسمى مقابل الايمان الاول بالكفر واما مقابل الايمان الثاني فان كان تفويتا للتصديق وانما يكون الانقياد بغلبة السيف فهو النفاق الاصلي، والمنافق بهذا المعنى لا فرق بينه وبين الكافر في الاخرة بل المنافقون في الدرك الاسفل من النار، وان كان مصدقا مفوتا لوظيفة الجوارح سمي فاسقا، او مفوتا لوظيفة الجنان فهو المنافق بنفاق اخر وقد

بعض سلف نے اس نفاق کا نام نفاق عمل رکھا ہے، اور یہ اس طرح سے پیدا ہوتا ہے کہ طبیعت یا رسم یا بد عقیدگی کا حجاب اس پر غالب آجاتا ہے پس وہ دنیا، کنبہ اور اولاد کی محبت میں مصروف رہتا ہے جس کی وجہ سے اس کے دل میں جزاء و سزاء کے بعید سمجھنے اور معاصی پر جرأت کرنے کی ایک نامعلوم حرکت پیدا ہوجاتی ہے اگرچہ باعتبار نظر برہانی کے قابل اعتراف امور کا اقرار کرتا ہو، یا وہ اسلام میں سختیاں دیکھتا ہے پس وہ اس کو ناگوار گذرتی ہیں، یا کفار سے محبت کرتا ہے اور وہ اعلاء کلمۃ اللہ سے مانع ہوجاتی ہے،

ان دو معنی کے علاوہ ایمان کے دو معنی اور ہیں ایک تو ضروری التصدیق امر کی دل سے تصدیق کرنا، اور وہ جبریل ؑ کے جواب میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے " ایمان اس کا نام ہے کہ تو اللہ تعالیٰ اور اسکے ملائکہ پر ایمان لائے" الحدیث،

اور معنی ثانی وہ اطمینان اور دلی کیفیت ہے جو مقربین کو حاصل ہوتی ہے، اس کے متعلق نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "پاکی ایمان کا جزء ہے" اور آپ کا قول ہے " جب کوئی بندہ زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے اور وہ اس کے سر پر مثل سائبان کے ہوجاتا ہے پس جب وہ اس فعل سے فارغ ہوجاتا ہے تو ایمان پھر اس میں واپس آجاتا ہے" اور حضرت معاذ ؓ کا قول ہے " آؤ ایک ساعت ہم مومن بن جائیں"

پس شریعت میں ایمان کے چار معنی مستعمل ہیں، اب اگر تم ان احادیث میں سے جو ایمان کے باب میں متعارض ہیں ہر ایک حدیث کو اس کے محل پر محمول کروگے تو تم سے تمام شکوک و شبہات دفع ہوجائیں گے اور معنی اول میں لفظ اسلام ایمان سے زیادہ واضح ہے اور اسی لئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے " کہدو کہ تم ایمان نہیں لائے

سماه بعض السلف نفاق العمل وذلك ان يغلب عليه حجاب الطبع او الرسم او سوء المعرفة فيكون ممعنا في محبة الدنيا والعشائر والاولاد فيدب في قلبه استبعاد المجازاة والاجتراء على المعاصي من حيث لا يدري وان كان معترفا بالنظر البرهاني بما ينبغي الاعتراف به او راى الشدائد في الاسلام فكرهها او احب الكفار باعيانهم فصد ذلك من اعلاء كلمة الله، وللايمان معنيان اخران، احدهما تصديق الجنان بما لابد من تصديقه وهو قوله صلى الله عليه وسلم في جواب جبريل الايمان ان تؤمن بالله وملائكته الحديث، والثاني السكينة والهيئة الوجدانية التي تحصل للمقربين وهو قوله صلى الله عليه وسلم الطهور شطر الايمان، وقوله صلى الله عليه وسلم اذا زنى العبد خرج منه الايمان فكان فوق راسه كالظلة فاذا خرج من ذلك العمل رجع اليه الايمان)، وقول معاذ رضي الله عنه تعالى نؤمن ساعة) فللايمان اربعة معان مستعملة في الشرع ان حملت كل حديث من الاحاديث المتعارضة في الباب على محمله اندفعت عنك الشكوك والشبهات، و الاسلام اوضح من الايمان في المعنى الاول ولذلك قال الله تعالى قل لم تؤمنوا

بلکہ یہ کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے سعد سے کہا تھا (جبکہ انہوں نے کسی شخص کی نسبت
کہا تھا کہ میں ان کو ایماندار جانتا ہوں) بلکہ مسلمان کہو، اور
معنی رابع میں احسان کا لفظ ایمان کے لفظ سے زیادہ
واضح ہے، اور جبکہ نفاق فی العمل اور اس کا مقابل یعنی
اخلاص ایک پوشیدہ امر تھا اس واسطے ہر ایک کی علامات
بیان کرنا ضروری ہوا، اور اس کے متعلق نبی صلے اللہ علیہ
وسلم کا فرمان ہے "چار خصلتیں ہیں جس میں وہ سب پائی
جائیں وہ پکا منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے ایک خصلت
پائی جائے اس میں نفاق کی ایک خصلت رہے گی جبتک
کہ اس کو ترک نہ کر دے، جب اس کے پاس کوئی امانت
رکھے تو خیانت کرے، اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے
اور جب کسی سے عہد کرے تو پورا نہ کرے، اور جب کسی سے
لڑے تو گالیاں بکے"۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے
"تین باتیں ہیں جس میں وہ باتیں ہوں گی ان کے سبب سے
وہ حلاوت ایمان پائے گا، وہ شخص جس کو خدا اور اسکے رسول
کی محبت سب سے زیادہ ہو، اور وہ جو خاص اللہ کے لئے کسی سے
محبت کرتا ہو، اور وہ جو کفر کی طرف اعادہ کرنا اس قدر ناگوار سمجھے
جس قدر آگ میں گرنا ناگوار سمجھتا ہے" اور آپ کا فرمان ہے
"جب تم کسی بندہ کو ہر وقت مسجد میں دیکھو تو اس کے لئے ایمان
کی شہادت دو" اور اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ
قول ہے "علیؓ سے محبت کرنا ایمان کی علامت ہے اور علیؓ سے
بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے" اور اس کی وجہ یہ ہے
کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امر الٰہی میں نہایت سخت تھے
پس ان کی سختی وہی برداشت کر سکتا ہے جس کی طبیعت قائم
ہو اور اس کی عقل خواہش نفسانی پر غالب ہو اور اسی طرح
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "انصار کی محبت ایمان کی
علامت ہے" اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب معدیہ اور یمنیہ میں ہمیشہ
سے عداوت چلی آتی تھی حتی کہ ایمان نے ان کو یکجا کر دیا

ولكن قولوا اسلمنا، وقال النبي
صلى الله عليه وسلم لسعد اومسلما
والاحسان اوضح منه في المعنى الرابع
ولما كان نفاق العمل وما يقابله
من الاخلاص امرا خفيا وجب بيان
علامات كل واحد منهما وهو قوله
صلے الله عليه وسلم اربع من كن
فيه كان منافقا خالصا ومن كانت
فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة
من النفاق حتى يدعها اذا ائتمن
خان واذا حدث كذب واذا عاهد
غدر واذا خاصم فجر، وقوله صلى
الله عليه وسلم ثلاث من كن فيه وجد
بهن حلاوة الايمان ان يكون الله و
رسوله احب اليه مما سواهما وان
يحب المرء لايحبه الا لله وان يكره
ان يعود في الكفر كما يكره ان يقذف
في النار، وقوله صلے الله عليه واله و
سلم اذا رايتم العبد يلازم المسجد
فاشهدوا له بالايمان، وكذا قوله
عليه السلام حب علیؓ اية الايمان و
بغض علیؓ اية النفاق، والفقه فيه
انه رضي الله عنه كان شديدا في امر
الله فلا يتحمل شدته الا من ركدت
طبيعته وغلب عقله على هواه، و
قوله صلى الله عليه وسلم حب الانصار
اية الايمان، والفقه فيه ان العرب
المعدية واليمنية مازالوا متنازعين
بينهم حتى جمعهم الايمان

پس جس نے اعلاء کلمۃ اللہ کا عزم کرلیا تو اس کے دل سے نزاع دور ہوگیا اور جس نے ایسا پختہ عزم نہیں تو اس کے دل میں وہی نزاع باقی رہا، اور بلا شک نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے" اور اسی طرح حدیث ضمام بن ثعلبہ اور حدیث اعرابی ہے جس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ مجھ کو ایسا عمل بتلادیجئے کہ جب میں اس پر عمل کروں تو جنت میں چلا جاؤں، آپ نے فرمایا کہ یہ پانچ چیزیں ارکان اسلام ہیں اور جس نے ان کو کرلیا اور ان کے سوا کوئی اور عبادت نہیں تو اس نے اپنی گردن کو عذاب سے رہا کرلیا اور جنت کا مستحق ہوگیا، ایسے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمادیا کہ ادنیٰ درجہ نماز کا کیا ہے اور ادنیٰ درجہ وضوء کا کیا ہے، اور ان پانچ چیزوں کو اس لئے رکن قرار دیا کہ تمام عبادات البشر میں یہی سب سے زیادہ مشہور ہیں، اور تمام ملتوں میں کوئی ایسی ملت نہیں جس میں ان پانچ کا التزام نہ ہو، جیسے یہود و نصاریٰ، مجوس اور بقیہ عرب، باوجودیکہ ہر ایک کا ادا کرنے کا طریقہ جداگانہ ہے، اور اس لئے رکن قرار دیا کہ ان پانچ میں یہ بات ہے کہ یہ اور عبادتوں کے بدلہ کافی ہوسکتی ہیں اور ان کے سوا کسی اور عبادت میں یہ بات نہیں ہے کہ وہ ان کے بدلہ کافی ہوسکے، اور یہ ان وجوہ کی بنا پر ہے کہ تمام نیکیوں کی اصل توحید اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور شرائع الٰہیہ کو تسلیم کرنا ہے، اور جبکہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سب کے لئے عام تھی اور لوگوں کے گروہ کے گروہ دین الٰہی میں داخل ہوتے تھے تو ایک علامت ظاہرہ کا ہونا ضروری تھا جس سے موافق و مخالف میں امتیاز ہوجائے اور اس پر حکم اسلام کا مدار ہو اور لوگوں سے اس پر مواخذہ کیا جائے اور اگر یہ نہ ہوتا تو مدتوں کی ممارست کے بعد بھی بجز ظنی تفریق کے جس کی بنا قرائن پر ہوتی دونوں میں کچھ تمیز نہ ہوتی،

فمن كان جامع الهمة على اعلاء الكلمة زال عنه الحقد ومن لم يكن جامعا بقي فيه النزاع وقد بين النبي صلى الله عليه وسلم في حديث بني الاسلام على خمس، و حديث ضمام بن ثعلبة، وحديث اعرابي قال دلني على عمل اذا عملته دخلت الجنة ان هذه الاشياء الخمسة اركان الاسلام وان من فعلها ولم يفعل غيرها من الطاعات قد خلص رقبته من العذاب واستوجب الجنة كما بين ان ادنى الصلاة ماذا، وادنى الوضوء ماذا، وانما خص الخمسة بالركنية لانها اشهر عبادات البشر وليست ملة من الملل الا قد اخذت بها والتزمتها كاليهود والنصارى و المجوس وبقية العرب على اختلافهم في اوضاع ادائها ولان فيها ما يكفي عن غيرها وليس في غيرها ما يكفي عنها وذلك لان اصل اصول البر التوحيد وتصديق النبي والتسليم للشرائع الالهية، ولما كانت البعثة عامة وكان الناس يدخلون في دين الله افواجا لم يكن بدّ من علامة ظاهرة بها يميز بين الموافق والمخالف وعليها يدار حكم الاسلام وبها يؤاخذ الناس، ولولا ذلك لم يفرق بينهما بعد طول الممارسة الا تفريقا ظنيا معتمدا على قرائن ولاختلف

اور یہ کہ حکم اسلام میں لوگ مختلف ہو جاتے، اور جیسا کہ
ظاہر ہے ایسی حالت میں اسلام کے احکام میں بڑی دقّت
واقع ہو جاتی اور دلی اعتقاد و تصدیق کی حقیقت ظاہر
کرنے میں اقرار سے زیادہ اور کوئی شئ نہیں ہو سکتی جو
اختیار اور خوشی کے ساتھ کیا گیا ہو، اور اس سبب سے
جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انسانی سعادت کا مدار اور
اخروی نجات کی اصل چار خصلتوں پر ہے، پس وہ نماز جو
طہارت کے ساتھ ہو دو اوصاف تواضع اور پاکیزگی کا
مظنہ اور جائے گمان قرار دی گئی اور وہ زکوٰۃ جس کی شرائط
پائی جائیں اور وہ اپنے مصارف پر خرچ کیجائے، سخاوت
اور عدل کا مظنہ قرار دی گئی،

اور اس سبب سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ طبعی حجاب
دور کرنے کے لئے ایک ایسی عبادت کی ضرورت ہے جس کا
نفس پر دباؤ رہے اور اس باب میں روزہ سے بہتر کوئی چیز
نہیں، اور اس سبب سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ اصول
شرائع کی اصل شعائر اللہ کی تعظیم ہے اور شعائر چار ہیں
ان میں سے ایک کعبہ بھی ہے اور اس کی تعظیم حج کرنا ہے،
اور پیشتر ان عبادات کے فوائد جو ذکر کر چکے ہیں اس سے
یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبادت خمسہ اور عبادتوں کے بدلہ
کافی ہو سکتی ہیں اور ان کے سوا کوئی اور عبادت ان کے
بدلہ کافی نہیں ہو سکتی،

اور شریعت کے اعتبار سے گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں،
صغائر اور کبائر، کبائر گناہ وہ ہیں جو قوائے بہیمیہ یا سبعیہ یا
شیطانیہ کا پورے طور پر غلبہ ہو جانے کی وجہ سے صادر ہوتے
ہیں اور ان میں حق کے راستہ کا انسداد، شعائر الٰہی کی حرمت کا
نقص یا تدابیر ضروریہ کی مخالفت اور لوگوں کا ضرر عظیم پایا
جاتا ہے، اور ان امور کے ساتھ ساتھ کبائر کا مرتکب شرع
کو پس پشت ڈال دیتا ہے کیونکہ شریعت نے ان سے سخت
ممانعت کی ہے اور کبائر کے کرنیوالے پر بہت شدت سے تہدید کی ہے،

الناس فی الحکم بالاسلام و فی ذلک
اختلال کثیر من الاحکام کما لا یخفی
ولیس شیٔ کالاقرار طوعا و رغبة
کاشفا عن حقیقة ما فی القلب من
الاعتقاد والتصدیق، ولما ذکرنا
من قبل من ان مدار السعادة النوعیة
و ملاک النجاة الاخرویة هی الاخلاق
الاربعة، فجعلت المقرونة بالطهارة
سبحا و مظنة لخلقی الاخبات والنظافة
وجعلت الزکوة المقرونة بشروطها
المصروفة الی مصارفها مظنة للسماحة
والعدالة - ولما ذکرنا انه لابد من
طاعة قاهرة علی النفس لیدفع بها
الحجب الطبیعیة ولا شیٔ فی ذلک
کالصوم، ولما ذکرنا ایضا من ان اصل
اصول الشرائع هو تعظیم شعائر الله و
هی اربعة، منها الکعبة و تعظیمها الحج
وقد ذکرنا فیما سبق من فوائد هذه
الطاعات ما یعلم به انها تکفی عن
غیرها وان غیرها لا یکفی عنها، و
الآثام باعتبار الملة علی قسمین
صغائر و کبائر، والکبائر ما لا یصدر
الا بغاشیة عظیمة من البهیمیة او
السبعیة او الشیطنة وفیه انسداد
سبیل الحق وهتک حرمة شعائر الله
او مخالفة الارتفاقات الضروریة والضرر
العظیم بالناس و یکون مع ذلک
منابذا للشرع لان الشرع نهی عنه اشد
نهی و غلظ التهدید علی فاعله وجعله

اور ان کے ارتکاب کو ایسا قرار دیا ہے جیسے دین سے
خارج ہونا، اور صغائر وہ گناہ ہیں جو کبائر سے کم درجہ کے
ہوں اور دواعی شر اور اس کے اسباب میں سے ہوں،
اور شریعت کی قطعی ممانعت بھی ان کی نسبت ظاہر ہو
لیکن ان میں کبائر جیسی سختی نہ کی گئی ہو، اور حق بات یہ ہے کہ
کبائر کا شمار متعین نہیں ہے، اور ان کی پہچان یہ ہے کہ
یا تو اس کے کرنے والے پر قرآن وحدیث صحیح میں جہنم کی
وعید ہو یا اس گناہ پر شرعی حد مقرر ہو، اور شارع نے
اس کا نام کبیرہ بیان فرمایا ہو، اور اس کے ارتکاب کو
خروج عن الدین بیان کیا ہو، اور جس چیز کو نبی صلے اللہ
علیہ وسلم نے کبیرہ بیان فرمایا ہو کوئی شئ فساد اور خرابی میں
اس سے زیادہ یا اس کے برابر ہو، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم
کا یہ قول کہ "زنا کرتے وقت زانی مومن نہیں رہتا" الحدیث،
اس کے یہی معنی ہیں کہ یہ افعال اسی وقت صادر ہوتے ہیں
کہ جب قوائے بہیمیہ یا سبعیہ کا پورے طور پر غلبہ ہوتا ہے
پس اس وقت قوت ملکیہ کالمعدوم اور ایمان بمنزلہ زائل
کے ہوجاتا ہے، آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس
قول سے معلوم ہوگیا کہ یہ کبیرہ ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے" اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی
جان ہے اس امت کا کوئی یہود یا نصرانی جس کو میری خبر
پہنچی ہو پھر وہ مرجائے اور جن احکام کو میں لیکر آیا ہوں اس
پر وہ ایمان نہ لائے تو وہ جہنم میں جائے گا"۔

میں کہتا ہوں یعنی جس شخص کو دعوت پہنچ چکی اور
وہ کفر پر جما رہا حتیٰ کہ اسی پر مر گیا تو وہ دوزخ میں جائے گا
کیونکہ اس نے اس تدبیر الٰہی کی مخالفت کی جو اس نے
اپنے بندوں کے لئے مقرر کر رکھی تھی اور اپنے نفس
کو اللہ تعالے اور ملائکہ مقربین کی لعنت کا مورد بنایا اور
نجات کے راستہ کو چھوڑ دیا، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا" تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوتا جب تک کہ میں

كأنه خروج من الملة، والصغائر ما كان
دون ذلك من دواعي الشر ومفضيات
إليه وقد ظهر نهي الشرع عنه حتما
ولكن لم يغلظ فيه ذلك التغليظ، و
الحق ان الكبائر ليست محصورة في
عدد وانها تعرف بإيعاد النار في
الكتاب والسنة الصحيحة وشرع الحد
عليه وتسميته كبيرة وجعله خروجا
عن الدين وكون الشئ أكثر مفسدة مما
نص النبي صلى الله عليه وسلم على كونه
كبيرة او مثلها في المفسدة وقوله
صلى الله عليه وسلم لا يزني الزاني حين
يزني وهو مؤمن، الحديث معناه ان
هذه الافعال لا تصدر الا بغاشية عظيمة
من البهيمية او السبعية فتصير حينئذ
الملكية كان لم تكن والايمان كأنه
زائل - دل بذلك على كونها كبائر قال
النبي صلى الله عليه وسلم والذي نفس
محمد بيده لا يسمع به احد من هذه
الامة يهودي ولا نصراني ثم يموت ولم
يؤمن بالذي ارسلت به الا كان من
اصحاب النار۔

اقول يعني من بلغته الدعوة
ثم اصر على الكفر حتى مات دخل
النار لانه ناقض تدبير الله تعالى
لعباده ومكن من نفسه لعنة الله و
الملائكة المقربين، واخطأ الطريق
الكاسب للنجاة، وقال صلى الله عليه
وسلم لا يؤمن احدكم حتى اكون

اس کے نزدیک اس کے باپ اور بیٹے اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں" اور یہ بھی فرمایا "جبتک کہ اس کی خواہش ان احکام کے تابع نہ ہوجائے جن کو میں لیکر آیا ہوں"

میں کہتا ہوں کہ کمال ایمان یہ ہے کہ عقل طبیعت پر غالب آجائے اس طرح سے کہ اس کے نزدیک بادی الامر میں مقتضیٔ عقل مقتضیٔ طبعی سے بہتر معلوم ہو، اور محبت رسول صلعم کے بارے میں یہی حال ہے، اور میں اپنی جان کی قسم کھاتا ہوں یہ حالت کاملین میں دیکھی جاتی ہے، کسی نے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ مجھے اسلام میں کوئی ایسی بات ارشاد فرمایئے کہ پھر آپ کے بعد کسی سے دریافت نہ کروں، اور ایک روایت میں ہے کہ پھر آپ کے سوا کسی اور سے دریافت نہ کروں، آپ نے اس کے جواب میں فرمایا" یہ کہہ کہ میں خدا پر ایمان لایا اور پھر اس پر قائم رہ" میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے سامنے فرماں برداری اور اسلام کے حالات رکھے پھر جو کام اس کے مناسب ہو اس کو کیا کرے اور جو اس کے خلاف ہو اس کو ترک کردے، اور یہ ایک ایسا قول کلی ہے جس کی وجہ سے انسان کو علم بالشرائع کی نسبت بصیرت ہوجاتی ہے گو وہ علم بالتفصیل نہ ہوتا ہو لیکن علم اجمالی ضرور حاصل ہوجاتا ہے جو انسان کیلئے سبقت کا باعث ہوتا ہے، اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ کہے گا تو خدا تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ پر حرام کردیگا" اور فرمایا" اگرچہ وہ چوری اور زنا کرتا ہو" اور ایک حدیث میں فرمایا" خواہ اس کے کیسے ہی عمل ہوں"

میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس سخت آگ پر حرام کردے گا جو دائمی ہے اور کفار کے لئے مقرر کی گئی ہے اگرچہ وہ کبائر کا مرتکب ہوا ہو، اور اس طور سے کلام بیان کرنے میں نکتہ یہ ہے

احب الیه من والده وولده والناس اجمعین، وقال حتی یکون هواه تبعا لما جئت به ؛

اقول کمال الایمان ان یغلب العقل علی الطبع بحیث یکون مقتضی امثل بین عینیه من مقتضی الطبع بادی الامر، وکذلك الحال فی حب الرسول - ولعمری هذا مشهود فی الکاملین، قیل یا رسول الله قل لی فی الاسلام قولا لا اسال عنه احدا بعدك، وفی روایة غیرك قال قل امنت بالله ثم استقم اقول معناه ان یحضر الانسان بین عینیه حالة الانقیاد والاسلام ثم یعمل ما یناسبه ویترك ما یخالفه، وهذا قول کلی یصیر به الانسان علی بصیرة من الشرائع، وان لم یکن تفصیلا فلا یخلو من علم اجمالی یجعل الانسان سابقا، وقال صلی الله علیه وسلم ما من احد یشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله صدقا من قلبه الا حرمه الله علی النار، وقوله صلی الله علیه و سلم وان زنی وان سرق، وقوله صلی الله علیه وسلم علی ما کان من عمل، اقول معناه حرمه الله علی النار الشدیدة المؤبدة التی اعدها للکافرین وان عمل الکبائر، و النکتة فی سوق الکلام هذا السیاق

کہ گناہوں کے درجوں میں بہت بڑا فرق ہے اگرچہ گناہ کا نام سب پر بولا جاتا ہے، پس کبائر کو جب کفر کے اعتبار سے دیکھا جائے گا تو اس کے سامنے ان کی کچھ ہستی معلوم نہیں ہوتی اور نہ ان کا کچھ معتد بہ اثر معلوم ہوتا ہے اور نہ دخول نار کے واسطے وہ کوئی ایسے سبب ہو سکتے ہیں جن کو سبب کہا جائے اور اسی طرح کبائر کے مقابلہ میں صغائر ہیں، پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان میں اچھی طرح سے فرق بیان کر دیا کہ جو بمنزلہ صحت اور مرض کے ہے، پس امراض ظاہرہ کو جیسے زکام اور تکان ہے جب سوء مزاج متمکن کے ساتھ قیاس کریں جیسے جذام، سل اور استسقاء ہے تو ان پر صحت کا حکم دیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ اُن امراض کا مریض مریض ہی نہیں اور نہ اس میں کوئی بیماری ہے، اور بعض مصائب ایسے ہوتے ہیں جو دوسری مصیبتوں کو بھلا دیتے ہیں مثلاً کسی کے کانٹا لگ جائے اور پھر اس کے بعد اس کا گھر اور مال لٹ جائے تو ایسا شخص بیان کرتے وقت کہے گا کہ پہلے مجھ پر بالکل کوئی مصیبت نہ تھی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور اپنے لشکر کو لوگوں کو بہکانے کے لئے روانہ کرتا ہے" الحدیث،

واضح ہو کہ خدا نے شیاطین کو پیدا کیا اور ان کی جبلت میں یہ بات رکھی کہ لوگوں کو بہکائیں جس طرح کیڑے ہوتے ہیں جو اپنے مزاج کے مقتضی کے موافق کام کرتے رہتے ہیں جیسے نجاست کا کیڑہ نجاست میں لوٹتا رہتا ہے، اور ان سب شیاطین کا ایک سردار ہے جو اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور جس کام کے وہ درپے ہیں اس کی تکمیل کے لئے ان کو بلاتا ہے تاکہ پوری بدبختی اور کامل گمراہی کا مستحق ہو جائے اور ہر نوع اور ہر صنف میں خدا تعالےٰ کا یہی قاعدہ ہے اور اس میں کچھ مجاز نہیں ہے

ان مراتب الاثم بينها تفاوت بين، وان كان يجمعها كلها اسم الاثم، فالكبائر اذا قيست بالكفر لم يكن لها قدر محسوس ولا تاثير يعتد به ولا سببية لدخول النار تسمى سببية، وكذلك الصغائر بالنسبة الى الكبائر، فبين النبي صلے الله عليه وسلم الفرق بينها على اكمل وجه بمنزلة الصحة والسقم، فان الاعراض البادية كالزكام والنصب اذا قيست الى سوء المزاج المتمكن كالجذام والسل والاستسقاء حكم عليها بانها صحة وان صاحبها ليس بمريض وان ليس به قلبة - ورب داهية تنسي داهية كمن اصابه شوكة ثم وتر اهله وماله، قال لم يكن بي مصيبة قبل اصلا، و قوله صلے الله تعالى عليه واله وسلم ان ابليس يضع عرشه على الماء ثم يبعث سراياه يفتنون الناس الحديث اعلم ان الله تعالى خلق الشياطين وجبلهم على الاغواء بمنزلة الدود التي تفعل افعالا بمقتضى مزاجها كالجعل يدهده الخراءة - وان لهم رئيسا يضع عرشه على الماء ويدعوهم لتكميل ماهم قبله قد استوجب اتم الشقاوة واوفر الضلال وهذه سنة الله في كل نوع و في كل صنف وليس في هذا مجاز، و

اور میرے نزدیک یہ بات ایسی محقق ہوگئی ہے جیسے کوئی
آنکھ سے دیکھ لیتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
"سب تعریف اللہ تعالےٰ کے لئے ہے جس نے اس کا
کام وسوسہ تک ہی رہنے دیا" اور آپ نے فرمایا "شیطان
اس بات سے ناامید ہوگیا کہ جزیرۃ العرب میں کوئی مسلمان
اس کی عبادت کرے، لیکن اس کو باہمی عداوت سے
ناامیدی نہیں ہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا (جبکہ صحابہ نے عرض کیا تھا کہ ہمارے دل میں ایسی
ایسی باتیں آتی ہیں جن کا بیان کرنا ہمکو گراں معلوم ہوتا ہے)
"یہ صریح ایمان ہے"۔

واضح ہو کہ باعتبار اس استعداد کے جو کسی شخص
میں وسوسہ کے قبول کرنے کی ہوتی ہے شیطانی وسوسہ
کی تاثیر مختلف ہوتی ہے، پس شیطانی وسوسہ کی بڑی
سے بڑی تاثیر یہ ہے کہ انسان کافر ہو جائے اور دین سے
نکل جائے، پس جب قوت یقینی کی وجہ سے خدا تعالیٰ کسی
کو اس بلاء سے محفوظ کرتا ہے تو اس کے وسوسہ کی تاثیر
دوسری صورت میں بدل جاتی ہے اور وہ باہمی لڑائی امور
خانہ داری میں بگاڑ ڈالنا اور گھر و شہر والوں میں فساد برپا
کرنا ہے، پھر جب خدا تعالےٰ اس سے بھی کسی کو بچا لیتا ہے
تو اس کے دل میں وسوسہ آتا ہے اور نکل جاتا ہے اور چونکہ
اس کی تاثیر کمزور ہوتی ہے اس لئے نفس کو کسی عمل پر برانگیختہ
نہیں کرسکتا، اور اس وسوسہ سے اس شخص کو کچھ مضرت نہیں
پہنچتی بلکہ جب اس وسوسہ کو برا سمجھتا ہے تو یہ اس کے خلوص
ایمان کی دلیل ہو جاتی ہے البتہ اصحاب نفوس قدسیہ میں ان باتوں
کا ذرا بھی وجود نہیں ہوتا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
"خدا تعالیٰ نے میرے جن پر میری اعانت کی پس وہ مسلمان
ہوگیا ہے اور سوائے بھلائی کے وہ مجھے کچھ نہیں کہتا، اور ان
تاثیرات کا حال آفتاب کی شعاع کا سا ہے کہ لوہے
اور قلعی دار چیزوں میں جس قدر اثر کرتی ہے،

قد تحققت من ذلك ما يكون
بمنزلة الرؤية بالعين، قوله
صلى الله عليه وآله وسلم الحمد
لله الذي رد امره الى الوسوسة، و
قوله صلى الله عليه وسلم ان
الشيطان قد ايس من ان يعبده
المسلمون في جزيرة العرب ولكن
في التحريش بينهم، وقوله صلى الله
عليه وسلم ذاك صريح الايمان

اعلم ان تاثير وسوسة
الشياطين يكون مختلفا بحسب
استعداد الموسوس اليه، فاعظم
تاثيره الكفر والخروج من الملة،
فاذا عصم الله من ذلك بقوة اليقين
انقلب تاثيره في صورة اخرى،
وهي المقاتلات وفساد تدبير المنزل
والتحريش بين اهل البيت واهل
المدينة، ثم اذا عصم الله من
ذلك ايضا صار خاطرا يجيء ويذهب
ولا يبعث النفس الى عمل لضعف
اثره وهذا لا يضر بل اذا اقترن
باعتقاد قبح ذلك كان دليلا على
صراحة الايمان، نعم اصحاب النفوس
القدسية لا يجدون شيئا من ذلك
وهو قوله صلى الله عليه وآله و
سلم الا ان الله اعانني عليه فاسلم
فلا يامرني الا بخير، وانما مثل
هذه التاثيرات مثل شعاع الشمس
يؤثر في الحديد والاجسام الصقيلة

دوسری چیزوں میں نہیں کرتی، علی حسب مراتب، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شیطان کا بھی ایک اثر ہوتا ہے اور فرشتہ کا بھی ایک اثر ہوتا ہے" الحدیث، اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قلوب کے اندر ملائکہ کی تاثیر کی صورت انس الٰہی اور نیک کاموں میں رغبت پیدا کرنا ہے، اور شیاطین کی تاثیر کی صورت دلوں میں وحشت، اضطراب اور افعالِ قبیحہ کی رغبت پیدا کرنا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس کے دل میں اس قسم کا وسوسہ پیدا ہو تو اس کو اس وقت یہ کہدینا چاہیے کہ مجھکو خدا اور رسول کا یقین ہے" اور آپ نے فرمایا "اس کو چاہیے کہ خدا کی پناہ مانگے اور اپنی بائیں جانب تھوک دے" اس میں راز یہ ہے کہ خدا تعالے کی طرف التجا، اور اس کی یاد کرنے سے اور شیاطین کو قبیح و ذلیل سمجھنے سے نفس کی توجہ شیاطین کی طرف سے ہٹ جاتی ہے اور ان کا اثر قبول کرنے سے دل رک جاتا ہے جیسا کہ خدا تعالے فرماتا ہے "تحقیق جو لوگ ہم سے ڈرتے ہیں جب ان کو شیطانی خیال چھوتا ہے تو وہ اللہ کی یاد کرتے ہیں پس وہ فوراً خبردار ہو جاتے ہیں" اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حضرت آدمؑ اور حضرت موسیٰؑ نے اپنے رب کے سامنے بحث کی"

میں کہتا ہوں رب کے سامنے بحث کرنے کے یہ معنی ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کی روح حظیرۃ القدس کی طرف کھچ آئی اور اس نے وہاں حضرت آدمؑ سے ملاقات کی، اور اس واقعہ کا اصل راز یہ ہے کہ خدا تعالے نے حضرت موسیٰؑ کو آدمؑ کی زبانی ایک علم عطا فرمایا، جس طرح کوئی شخص حالتِ خواب میں کسی فرشتہ یا کسی نیک آدمی کو دیکھتا ہے اور اس سے کچھ بات دریافت کرتا ہے اور وہ اس کا جواب دیتا ہے حتیٰ کہ ایک بات جو پہلے سے اس کو معلوم نہ تھی اس شخص

مالا يؤثر في غيرها، ثم وثم قوله صلى الله عليه وآله وسلم ان للشيطان لمة وللملك لمة، الحديث الحاصل ان صورة تاثير الملائكة في نشأة الخواطر الانس والرغبة في الخير وتاثير الشياطين فيها الوحشة وقلق الخاطر والرغبة في الشر، قوله صلى الله عليه وسلم من وجد من ذلك شيئاً فليقل امنت بالله ورسوله وقوله صلى الله عليه وسلم فليستعذ بالله وليتفل عن يساره، سره ان الالتجاء الى الله وتذكره وتقبيح حال الشياطين واهانة امرهم يصرف وجه النفس عنهم ويصد عن قبول اثرهم، وهو قوله تعالى ان الذين اتقوا اذا مسهم طائف من الشيطان تذكروا فاذا هم مبصرون، وقوله صلى الله عليه وآله وسلم احتج ادم وموسى عند ربهما،

اقول معنى قوله عند ربهما ان روح موسى عليه السلام انجذبت الى حظيرة القدس فوافت هنالك ادم، ويطن هذه الواقعة وسرها ان الله تعالى فتح على موسى علماً على لسان ادم عليهما السلام شبيه ما يرى النائم في منامه ملكاً او رجلاً من الصالحين يسأله ويراجعه الكلام حتى يفيء عنه بعلم لم يكن

سے حاصل ہو جاتی ہے، اور یہاں ایک باریک علم تھا
جو موسیٰ پر مخفی تھا حتی کہ خدا تعالےٰ نے اس واقعہ میں
موسیٰ علیہ السلام پر اس علم کا انکشاف کر دیا اور وہ یہ
ہے کہ آدم علیہ السلام کے قصہ میں دو وجہیں مجتمع ہیں
ان میں سے ایک جو خاص آدم علیہ السلام کی ذات سے
متعلق ہے یہ ہے کہ جب تک انہوں نے وہ درخت
نہیں کھایا تھا نہ ان کو پیاس لگتی تھی نہ دھوپ اور
نہ بھوکے رہتے تھے اور نہ ننگے اور فرشتوں کی طرح رہتے
تھے پس جب انہوں نے اس درخت کو کھایا تو بہیمیت
کا غلبہ ہوا اور ملکیت پست ہو گئی، پس لامحالہ درخت کا
کھانا گناہ شمار ہوا جس سے استغفار کرنا ضروری ہوا،
اور دوسری وجہ جو تدبیر کلی سے متعلق ہے جس کو
خدا تعالےٰ نے مخلوق کے پیدا کرنے میں ملحوظ رکھا اور
آدمؑ کو پیدا کرنے سے پیشتر فرشتوں کی طرف اس کی
وحی کر دی تھی اور وہ یہ تھی کہ خدا تعالےٰ کو آدم کے پیدا
کرنے سے یہ منظور تھا کہ نوع انسان زمین میں خلیفہ ہو،
اس سے گناہ صادر ہوں وہ مغفرت چاہے پھر اس کے
گناہ معاف کئے جائیں اور لوگوں کو مکلف بنایا
جائے، ان میں رسولوں کی بعثت ہو اور ثواب و عذاب
اور مراتب کمال و گمراہی ان میں پائی جائیں اور یہ
بذات خود ایک بڑی مخلوق ہو، اور اس درخت
کا کھانا ارادہ الٰہی اور اس کی حکمت کے موافق تھا
جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اگر
تم گناہ نہ کرتے تو خدا تعالےٰ تم کو فنا کر کے
اور لوگ پیدا کرتا جو گناہ کرتے اور اس
سے مغفرت مانگتے پھر خدا تعالےٰ ان کو معاف
کرتا"، اور بہیمیت کا اولاً غلبہ آدم علیہ السلام
پر ہوا تھا کہ ان پر دوسری بات کا علم پوشیدہ تھا
اور وجہ اول نے ان کا احاطہ کر لیا تھا، اور

عنده، وههنا علم دقيق كان قد
خفي على موسى عليه السلام حتى
كشفه الله عليه في هذه الواقعة
وهو انه اجتمع في قصة آدم
عليه السلام وجهان احدهما
مما يلي خويصة نفس آدم عليه
السلام، وهو انه كان ما لم يأكل
الشجرة لا يظمأ ولا يضحى ولا يجوع
ولا يعرى وكان بمنزلة الملائكة
فلما اكل غلبت البهيمية وكمنت
الملكية، فلا جرم ان اكل الشجرة
اثم يجب الاستغفار عنه، وثانيهما
مما يلي التدبير الكلي الذي قصده
الله تعالى في خلق العالم واوحاه
الى الملائكة قبل ان يخلق آدم و
هو ان الله تعالى اراد بخلقه ان
يكون نوع الانسان خليفة في
الارض يذنب ويستغفر فيغفر له
ويتحقق فيهم التكليف وبعث
الرسل والثواب والعذاب ومراتب
الكمال والضلال، وهذه نشأة
عظيمة على حدتها، وكان اكل
الشجرة حسب مراد الحق ووفق
حكمته، وهو قوله صلى الله عليه
وآله وسلم لو لم تذنبوا لذهب
الله بكم وجاء بقوم آخرين يذنبون و
يستغفرون فيغفر لهم، وكان آدم
اول ما غلبت عليه بهيميته استتر
عليه العلم الثاني واحاط به الوجه

ان پر سخت عتاب کیا گیا پھر اس سے ان کو خلاصی ہوئی اور علم ثانی کی ایک جھلک ان پر پڑی، پھر جب آدم ؑ حظیرہ قدس کی طرف آئے تو خوب اچھی طرح سے حال معلوم ہو گیا، جو گمان حضرت آدم کو تھا حضرت موسیٰ بھی اسی گمان میں تھے حتی کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ پر علم ثانی کا انکشاف فرمایا،

اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ جس طرح خواب کی تعبیر ہوتی ہے، وقائع خارجیہ کی بھی تعبیر ہوتی ہے اور امر و نہی میں ظن و تخمین کو دخل نہیں ہوتا بلکہ ان کے لئے استعداد ہوتی ہے جو اس امر و نہی کو واجب کرتی ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ فطرت کے موافق پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی اور نصرانی اور مجوسی بنا لیتے ہیں جس طرح حیوان کا بچہ ہاتھ پاؤں سے درست پیدا ہوتا ہے، بھلا تم اس کا ناک کان کٹا ہوا دیکھتے ہو؟،

میں کہتا ہوں، واضح ہو کہ خدا تعالےٰ نے اپنا ایک طریقہ جاری کر رکھا ہے کہ حیوانات، نباتات اور ان کے سوا ہر نوع کو خاص خاص شکل پر پیدا کیا ہے مثلاً انسان کو اس خاص شکل میں بنایا کہ اس کی جلد صاف ہے قد سیدھا ہے، ناخن پھیلے ہوئے ہیں، بولنے والا، ہنسنے والا ہے اور انہی خواص سے پہچانا جاتا ہے کہ وہ انسان ہے کہیں شاذ و نادر جگہ خلاف عادت ہو جاتا ہے جیسے بعض بچے ایسے پیدا ہوتے ہیں کہ ان کے سونڈ یا کھر ہوتے ہیں،

اسی طرح اس کی یہ عادت بھی جاری ہے کہ اس نے ہر نوع کو تھوڑا سا علم اور محدود ادراک عطا کیا ہے جو اسی کے واسطے خاص اور اس کے تمام افراد میں برابر پایا جاتا ہے، پس شہد کی مکھیوں کو اس علم کے ساتھ خاص کیا

الاول وعوتب عتابا شديدا في نفسه ثم سري عنه ولمع عليه بارق من العلم الثاني ثم لما انتقل الى حظير القدس علم الحال اصح ما يكون وكان موسى عليه السلام يظن ما كان يظن ادم عليه السلام حتى فتح عليه علم الثاني، وقد ذكرنا ان الوقائع الخارجية يكون لها تعبير كتعبير المنام وان الامر و النهي لا يكونان جزافا بل لهما استعداد يوجبهما، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كل مولود يولد على الفطرة ثم ابواه يهودانه و ينصرانه ويمجسانه كما تنتج البهيمة جمعاء هل تحسون فيها من جدعاء،

اقول اعلم ان الله تعالى اجرى سنته بان يخلق كل نوع من الحيوانات والنباتات وغيرهما على شكل خاص به، فخص الانسان مثلا بكونه بادي البشرة مستوى القامة عريض الاظفار ناطقا ضاحكا وبتلك الخواص يعرف انه انسان اللهم الا ان تخرق العادة في فرد نادر كما ترى ان بعض المولودات يكون له خرطوم او حافر فكذلك اجرى سنته ان يخلق في كل نوع قسطا من العلم والادراك محدود والجد مخصوصا به لا يوجد في غيره مطردا في افراده، فخص النحل بادراك

کہ اپنے مطلب کے درخت معلوم کریں، چھتے بنائیں اور ان میں شہد جمع کیا کریں، پس تم کو ایسی کوئی مکھی نہ دکھائی دیگی جس میں یہ علم نہ ہو، اور کبوتر کو اس علم سے خاص کیا کہ وہ کس طرح آواز کرتا ہے، آشیانہ بناتا ہے اور اپنے بچہ کو چگاتا ہے، اور اسی طرح خدا نے انسان کو ادراک زائد اور عقل کامل کے ساتھ خاص کیا اور اس میں اپنے پیدا کرنے والے کی پہچان اور اس کی عبادت کا علم رکھا اور ہر وہ چیز عطا فرمائی جو انسان کی امر معاش میں کام آئے اور اس کا ہی نام فطرت ہے پس اگر کوئی رکاوٹ مانع نہ ہو تو اسی حالت پر انسان بڑی عمر تک رہ سکتے ہیں لیکن عوارض پیش آجاتے ہیں جیسے ماں، باپ کا گمراہ کر دینا، اسواسطے اس کا علم جہل ہو جاتا ہے، جس طرح راہب لوگ طرح طرح کی تدابیر کر کے عورتوں کی خواہش اور کھانے کی خواہش بالکل زائل کر دیتے ہیں باوجودیکہ فطرت انسانی میں دونوں داخل ہیں، آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "خدا تعالے نے لوگوں کو اس کے لئے پیدا کیا حالانکہ وہ اس وقت وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے" اور فرمایا "وہ اپنے آباء سے ہیں" اور فرمایا "جو کچھ وہ کرنے والے تھے خدا کو اس کا پورا علم ہے" اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے طویل خواب میں ذکر فرمایا "ذریت بنی آدم کی تمام ارواح حضرت ابراہیم کے پاس ہوتی ہیں"

واضح ہو کہ اکثر بچہ فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے، جیساکہ بیان کیا گیا لیکن کبھی بچہ ایسا بھی پیدا ہوتا ہے کہ بغیر کسی عمل کے لعنت کے قابل ہوتا ہے جیسے وہ لڑکا جس کو حضرت خضرؑ نے قتل کیا تھا اس کے دل پر کفر کی مہر لگادی گئی تھی، اور آں حضرت صلے اللہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے آباء سے ہیں تو یہ احکام دنیا کے متعلق ہے۔

الاشجار المناسبة لها ثم اتخاذ الاكنان وجمع العسل فيها فلن ترى فردا من افراد النحل الا وهو يدرك ذلك، وخص الحمام بانه كيف يهدر وكيف يعشش وكيف يزق فراخه، وكذلك خص الله تعالى الانسان بادراك زائد وعقل مستوفى ودس فيه معرفة بارئه والعبادة له وانواع ما يرتفقون به فى معاشهم وهو الفطرة فلو انهم لم يمنعهم مانع لكبروا عليها لكنه قد تعترض العوارض كاضلال الابوين فينقلب العلم جهلا كمثل الرهبان يتمسكون بانواع الحيل فيقطعون شهوة النساء والجوع مع انهما مدسوسان فى فطرة الانسان، قوله صلى الله عليه وسلم خلقهم لها وهم فى اصلاب ابائهم وقوله صلى الله عليه وسلم هم من ابائهم، وقوله صلى الله عليه وسلم الله اعلم بما كانوا عاملين، وقوله صلى الله عليه واله وسلم فى منامه الطويل، نسم ذرية بني ادم تكون عند ابراهيم عليه السلام، اعلم ان الاكثر ان يولد الولد على الفطرة كما مر لكن قد يخلق بحيث يستوجب اللعن بلا عمل كالذى قتله الخضر طبع كافرا، واما من ابائهم فمحمول على احكام الدنيا وليس

اور شرائع کا کسی امر میں توقف کرنا اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ اس کا علم نہیں ہوتا بلکہ کبھی اس لئے توقف کیا جاتا ہے کہ مظنہ ظاہرہ کی وجہ سے احکام منضبط نہیں ہوتے یا اس لئے کہ اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی یا اس لئے کہ اس میں کوئی ایسی باریک بات ہوتی ہے جس کو مخاطب نہیں سمجھ سکتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "خدا کے ہاتھ میں میزان ہے جس کو چاہتا ہے پست کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بلند کرتا ہے۔"

میں کہتا ہوں یہ تدبیر کی طرف اشارہ ہے کیونکہ تدبیر کی بنیاد اس بات پر ہے کہ جو مصلحت کے زیادہ موافق اور مناسب ہے اس کو اختیار فرماتا ہے، پس جس حادثہ میں اسباب متنازعہ جمع ہوجاتے ہیں اس میں خدا تعالیٰ عدل کا حکم دیتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کا قول ہے "کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ" نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بنی آدم کے دل خدا تعالیٰ کے دو انگشت میں ہیں۔" اور فرمایا "قلب کا حال ایک پر کا سا ہے جو چٹیل میدان میں پڑا ہے جس کو ہوا الٹ پلٹ کرتی ہے۔"

میں کہتا ہوں بندوں کے افعال اختیاری ہیں، لیکن اس اختیار میں ان کا کچھ اختیار نہیں ہے، اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص پتھر پھینکنے کا ارادہ کرتا ہے پس اگر یہ قادر، حکیم ہوتا تو اس پتھر میں اس کی اختیاری حرکت کو بھی پیدا کرتا اور اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ جب بندوں کے افعال بھی خدا تعالیٰ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور اسی طرح یہ اختیار بھی اس نے ہی پیدا کیا تو پھر جزا کس بات پر دی جاتی ہے، کیونکہ جزا کے معنی بعض افعالِ خداوندی کا بعض پر مرتب ہونا ہے بایں معنی کہ خدا تعالیٰ نے یہ حالت بندے میں پیدا کی پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی حکمت میں اس بات کا

ان التوقف فی النوامیس انما یکون لعدم العلم بل قد یکون لعدم انضباط الاحکام بمظنة ظاهرة او لعدم الحاجة الی بیانه او غموض فیه بحیث لا یفهمه المخاطبون، قوله صلی الله علیه وسلم بیده المیزان یخفض ویرفع۔

اقول هذا اشارة الی التدبیر، فان مبناه علی اختیار الاوفق بالمصلحة، فما من حادثة یجتمع فیها اسباب متنازعة الا ویقضی الله فی ذلك ماهو العدل، وهو قوله تعالی کل یوم هو فی شان، قوله صلی الله علیه وسلم ان قلوب بنی آدم کلها بین اصبعین من اصابع الرحمن وقوله صلی الله علیه وسلم مثل القلب کریشة بارض فلاة تقلبها الریاح ظهرا لبطن، اقول افعال العباد اختیاریة لکن لا اختیار لهم فی ذلك الاختیار، وانما مثله کمثل رجل اراد ان یرمی حجرا، فلو انه کان قادرا حکیما خلق فی الحجر اختیار الحرکة ایضا، و لا یرد علیه ان الافعال اذا کانت مخلوقة لله تعالی وکذلك الاختیار ففیم الجزاء، لان معنی الجزاء یرجع الی ترتب بعض افعال الله تعالی علی البعض، بمعنی ان الله تعالی خلق هذه الحالة فی العبد، فاقتضی

ذلك فی حکمته ان یخلق فیه حالة اخری من النعمة او الالم کما انه یخلق فی الماء حرارة، فیقتضی ذلك ان یکسوه صورة الهواء، وانما یشترط وجود الاختیار والکسب العبد فی الجزاء بالعرض لا بالذات وذلك لان النفس الناطقة لا تقبل لون الاعمال التی لا تستند الیها بل الی غیرها من جهة الکسب ولا الاعمال التی لا تستند الی اختیارها وقصدها، ولیس فی حکمة الله ان یجازی العبد بما لم تقبل نفسه الناطقة لونه، فاذا کان الامر علی ذلك کفی هذا الاختیار غیر المستقل فی الشرطیة اذا کان مصححا لقبول لون العمل وهذا الکسب غیر المستقل اذا کان مصححا لتخصیص هذا العبد بخلق الحالة المتاخرة فیه دون غیره، وهذا التحقیق شریف مفهوم من کلام الصحابة والتابعین فاحفظه :

قوله صلی الله علیه وسلم ان الله خلق خلقه فی ظلمة فالقی علیهم من نوره فمن اصابه من ذلك النور اهتدی ومن اخطاه ضل، فلذلك اقول جف القلم علی علم الله، معناه انه قدرهم قبل ان یخلقوا، فکانوا هنالك عراة عن الکمال فی حد انفسهم فاستوجبوا ان یبعث الیهم وینزل

اقتضاء کیا کہ اللہ تعالے بندے میں عذاب و نعمت کی دوسری حالت پیدا کرے جیسا کہ خدا تعالے پانی میں حرارت پیدا کرتا ہے پس یہ اس بات کا اقتضاء کرتا ہے کہ اللہ تعالے اس کو ہوا کی صورت دے، اور جزاء کے لئے بندے کے کسب اور اختیار کا ہونا بالعرض شرط ہے نہ بالذات، اور یہ اس لئے کہ نفس ناطقہ ان اعمال کا رنگ قبول نہیں کرتا جو کسب کی وجہ سے اس کی طرف منسوب نہیں ہوتے بلکہ اس کے غیر کی طرف مستند ہوتے ہیں، اور نہ ان اعمال کا رنگ قبول کرتا ہے جو اس کے اختیار اور قصد کی طرف منسوب نہیں ہوتے، اور خدا تعالے کی حکمت میں یہ نہیں ہے کہ بندے کو اس عمل کی وجہ سے سزا دے جس کا اثر نفس ناطقہ نے قبول نہیں کیا، پس جب یہ بات ہے تو یہ اختیار غیر مستقل جزاء کے لئے شرط ہونے میں کافی ہے جبکہ اس اختیار سے عمل کے رنگ کی قبولیت درست ہو اور یہ کسب غیر مستقل کافی ہے جبکہ اس کسب غیر مستقل سے یہ بات ثابت ہو رہی ہو کہ حالت متاخرہ خاص اسی کاسب بندہ میں پیدا ہونی چاہئے نہ کہ دوسرے میں، پس یہ تحقیق نہایت عمدہ ہے، صحابہ وتابعین کے کلام سے سمجھی جاتی ہے اس کو تم یاد رکھو،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا تعالے نے مخلوق کو تاریکی کی حالت میں پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور ڈالا پس جس کو وہ نور پہنچ گیا اس کو ہدایت ہو گئی اور جس پر وہ نور نہیں پڑا وہ گمراہ ہوا۔ پس اسی وجہ سے میں کہتا ہوں علم الہی پر قلم خشک ہو گیا" اس سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالے نے لوگوں کے پیدا ہونے سے پہلے اندازہ کر لیا تھا، وہ بذات خود کمالات سے خالی تھے، پس انہوں نے یہ چاہا کہ ان کی طرف رسول بھیجے جائیں

اور ان پر کتابیں نازل کیجائیں، پس بعض نے ہدایت پائی اور بعض گمراہ رہے، خدا تعالے نے ایک ہی مرتبہ یہ سب اندازہ کرلیا تھا لیکن جو بات کہ ان کو از خود حاصل تھی وہ اس پر مقدم ہے کہ جو رسولوں کے ذریعہ سے حاصل ہوئی جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بطور روایت اللہ تعالیٰ سے نقل فرمایا ہے "تم سب بھوکے ہو مگر جس کو میں کھانا کھلادوں اور تم سب گمراہ ہو لیکن جس کو میں ہدایت کردوں" یا ہم کہتے ہیں یہ بھی ایک ایسے ہی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت نکالنے کا واقعہ ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب خدا تعالے کسی خاص زمین میں کسی بندے کے مرنے کا حکم دیتا ہے تو اس کی وہاں کوئی ضرورت پیدا کردیتا ہے"

میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض حوادث اس لئے پائے جاتے ہیں تاکہ اسباب کا سلسلہ منقطع نہ ہو جائے پس اگر کوئی حاجت پیدا نہیں ہوتی تو وہ الہام کے ذریعہ سے معلوم کرلیتا ہے یا کوئی ایسی صورت پیدا کردیجاتی ہے جس سے اس قضاءِ الٰہی کا ظاہر ہونا ضروری ہوجاتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال قبل تمام خلائق کے مقادیر کو لکھا تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا"

میں کہتا ہوں خدا تعالے نے عرش اور پانی کو سب مخلوق سے پہلے پیدا کیا پھر جتنی چیزوں کا موجود ہونا اس نے چاہا عرش کے قویٰ میں سے ایک قوت میں جو ہمارے قویٰ میں سے خیال کے مشابہ ہے اور جس کو ذکر سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کو پیدا کیا جیسا کہ امام غزالی نے بیان کیا ہے اور اس بیان کو تم سنت کے مخالف نہیں سمجھنا کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک جو حدیث سے واقفیت رکھتے ہیں قلم اور لوح کی صورت کے بیان میں جیسا کہ عام لوگ

عليهم، فاهتدى بعض منهم و ضل آخرون وقد رجميع ذلك مرة واحدة، لكن كان لما من أنفسهم تقدم على مالهم ببعث الرسل، كقوله صلى الله عليه وسلم رواية عن الله تعالى كلكم جائع الا من اطعمته، وكلكم ضال الا من هديته، او نقول هذا اشارة الى واقعة مثل واقعة اخراج ذرية آدم عليه السلام، قوله صلى الله عليه وسلم اذا اقضى الله لعبد ان يموت بارض جعل له اليها حاجة

اقول فيه اشارة الى ان بعض الحوادث توجد لئلا ينخرم نظام الاسباب فان لم يكن استهل من الالهام او بعث تقريب لابد ان يظهر ذلك قال صلى الله عليه وآله وسلم كتب الله مقادير الخلائق قبل ان يخلق السموات والارض بخمسين الف سنة وكان عرشه على الماء،

اقول خلق الله تعالى العرش والماء اول ما خلق، ثم خلق جميع ما اراد ان يوجد في قوة من قوى العرش يشبه الخيال من قوانا، وهو المعبر عنه بالذكر على ما بينه الامام الغزالي، ولا تظنن ذلك مخالفا للسنة فانه لم يصح عند اهل المعرفة بالحديث من بيان صورة القلم واللوح على ما يلهج

اس کو بیان کرتے ہیں کوئی معتد بہ حدیث وارد نہیں ہوئی اور وہ روایتیں جو لوگ بیان کرتے ہیں وہ بنی اسرائیل کے تراشے ہوئے قصے ہیں احادیث محمدی نہیں ہیں اور متاخرین اہل حدیث کا ایسی چیزوں کا قائل ہونا تکلف ہے، اور متقدمین کا اس بارے میں کوئی کلام نہیں ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ وہاں کائنات کے اس تمام سلسلہ کی صورت متحقق ہوگئی تھی اور اس کو کتابت سے ایسا ہی تعبیر کیا ہے جیسا کہ سیاست مدنیہ میں کتابت کا اطلاق تعین اور ایجاب پر ہوتا ہے، اسی معنی میں خدا تعالےٰ کا یہ قول ہے "تم پر روزے لکھے گئے"، اور خدا تعالےٰ کا قول ہے "جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو تم پر یہ بات لکھی گئی" الآیہ، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا تعالےٰ نے اپنے بندہ پر زنا کا ایک حصہ لکھدیا ہے" الحدیث، اور ایک صحابی کا قول ہے کہ میں فلاں غزوہ میں لکھا گیا تھا حالانکہ وہاں کوئی دفتر نہ تھا جیسا کہ کعب ابن مالک نے بیان کیا ہے، اور اس کی مثال اشعار عرب میں بکثرت ہے، اور پچاس ہزار سال کا ذکر کرنا، اس میں احتمال ہے کہ اتنی ہی مدت کی تعیین ہو اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے طول مدت بیان کی ہو، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر اپنا دایاں ہاتھ ان کی پشت پر پھیرا"، الحدیث[1]،

میں کہتا ہوں جب خدا تعالےٰ نے آدم کو پیدا کیا تاکہ وہ ابوالبشر ہو تو ان کے وجود میں ان کی اولاد کے حقائق کو لپیٹ دیا پھر خدا تعالےٰ نے ان کو کسی وقت میں اس شئی کا علم جس کو ان کا وجود قصد الٰہی کے موافق مشتمل تھا عطا فرمایا اور ان سب کا ایک صورت مثالیہ میں مشاہدہ کرا دیا اور ان کی سعادت اور شقاوت کو نور اور ظلمت کی صورت میں ظاہر کر دیا

[1] پھر ان کی ذریت نکل آئی خدا تعالےٰ نے فرمایا ان کو میں نے جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ جنت کے کام کریں گے، پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور ذریت نکل آئی پس فرمایا یہ جہنم کے لئے ہیں اور یہ جہنم کے کام کریں گے، ۱۲

به العامة شئ يعتد به، والذي يروونه هو من الاسرائيليات وليس من الاحاديث المحمدية، وذهاب المتاخرين من اهل الحديث الى مثله نوع من التعمق وليس للمتقدمين في ذلك كلام، وبالجملة فتحققت هنالك صورة هذه السلسلة بتمامها وعبر عنه بالكتابة اخذا من اطلاق الكتابة في السياسة المدنية على التعيين والايجاب، ومنه قوله تعالى كتب عليكم الصيام وقوله تعالى كتب عليكم اذا حضر الآية وقوله صلى الله تعالى عليه واله وسلم ان الله كتب على عبده حظه من الزنا الحديث، وقول الصحابي كتبت في غزوة كذا ولم يكن هنالك ديوان كما ذكره كعب بن مالك، ونظير ذلك في اشعار العرب كثير جدا، وذكر خمسين الف سنة يحتمل ان يكون تعيينا ويحتمل ان يكون بيانا لطول المدة، قوله صلى الله عليه وسلم ان الله خلق آدم ثم مسح ظهره بيمينه، الحديث،

اقول لما خلق الله آدم ليكون ابا للبشر التف في وجوده حقائق بنيه فاعطاه الله تعالى وقتا من اوقاته علم ما تضمنه وجوده بحسب القصد الالهي فاراه اياهم راي عين بصورة مثالية، ومثل سعاداتهم وشقاوتهم بالنور و

اور ان کی جبلت میں تکلیف کی جو استعداد تھی اس کو سوال و جواب اور اپنی جانوں پر لازم کر لینے کی صورت میں ظاہر کیا پس ان سے ان کی اصل استعداد کی وجہ سے مواخذہ کیا جاتا ہے اور ظاہر میں یہ مواخذہ شبح استعداد کی طرف منسوب ہوتا ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تم میں سے ہر شخص کی خلقت چالیس روز تک ماں کے پیٹ میں جمع ہوتی رہتی ہے" الحدیث،

میں کہتا ہوں یہ تغیر آہستہ آہستہ ہوتا رہتا ہے دفعتًا نہیں ہوتا اور ہر حالت اپنی سابق اور لاحق حالت کے مغائر ہوتی ہے، اور وہ شئی جو صورت دموی سے پورے طور پر متغیر نہیں ہوئی اس کو نطفہ ہی کہتے ہیں اور جس میں کسی قدر انجماد ہو جاتا ہے تو اس کو علقہ کہتے ہیں اور جس میں اس سے زیادہ انجماد ہو جاتا ہے تو اس کو مضغہ کہتے ہیں، اگرچہ اس میں نرم نرم ہڈیاں بھی بن جائیں،

اور جس طرح کھجور کی گٹھلی ایک خاص وقت میں زمین میں ڈالی جائے اور ایک خاص تدبیر اس میں صرف کی جائے تو جو شخص اس کھجور کی نوع، اس زمین، اس پانی اور اس وقت کی خاصیت کو جانتا ہے وہ یہ بھی معلوم کر لیتا ہے کہ یہ درخت خوب اُگے گا اور اس کے متعلق اس کو بعض بعض باتیں معلوم ہو جاتی ہیں،

پس اسی طرح سے خدا تعالے بچہ کا حال جس پر اس کی پیدائش ہوئی ہے بعض فرشتوں پر کھول دیتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " تم میں سے ایسا کوئی نہیں جس کی جگہ دوزخ اور جنت میں معین نہ ہو"

میں کہتا ہوں لوگوں کی ہر صنف کے لئے

الظلمة، ومثل ما جبلهم عليه من استعداد التكليف بالسوال و الجواب والالتزام على انفسهم، فهم يؤاخذون باصل استعدادهم وتنسب المؤاخذة الى شبحة في الظاهر،

قوله صلى الله عليه وآله و سلم ان خلق احدكم يجمع في بطن امه الحديث، اقول هذا الانتقال تدريجي غير دفعي، و كل حد يباين السابق و اللاحق، ويسمى ما لم يتغير من صورة الدم تغيرا فاحشا نطفة وما فيه انجماد ضعيف، علقة - وما فيه الجماد اشد من ذلك، مضغة، و ان كان فيه عظم رخو، وكما ان النواة اذا القيت في الارض في وقت معلوم واحاط بها تدبير معلوم علم المطلع على خاصية نوع النخل وخاصية تلك الارض و ذلك الماء وذلك الوقت انه يحسن نباتها ويتحقق من شانه على بعض الامر، فكذلك يجلي الله على بعض الملائكة حال المولود بحسب الجبلة التي جبل عليها، قوله صلى الله عليه وسلم ما منكم من احد الا وقد كتب له مقعده من النار ومقعده من الجنة، اقول كل صنف من اصناف النفس له

؎ ؎ ؎ ؎ ؎ ؎ ؎ ؎ ؎ ؎ ؎ ؎ ؎ ؎ ؎ ؎

کمال اور نقصان ہے، عذاب اور ثواب ہے، اور اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ یا جنت میں اور یا دوزخ میں جگہ مقرر ہے، اور اللہ تعالےٰ کا قول " اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا" الآیہ، اس حدیث کے مخالف نہیں " پھر خدا تعالےٰ نے اپنا دایاں ہاتھ آدمؑ کی پشت پر پھیرا اور ان کی اولاد کو نکالا " اس واسطے کہ آدم علیہ السلام سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کی اولاد کی پشت سے اولاد کی اولاد نکالی گئی' روزِ قیامت تک اس ترتیب پر کہ جس پر وہ موجود ہوتے ہیں، پس قرآن میں اس قصہ کا ایک حصہ مذکور ہے، حدیث نے اس کا تتمہ بیان کر دیا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے " پس جس نے دیا اور ڈرتا رہا اور اچھی بات کی تصدیق کی (یعنی جو شخص ہمارے علم اور تقدیر میں ان صفات سے متصف ہے تو خارج میں ان اعمال کی بجاآوری) ہم اس کے لئے آسان کر دیتے ہیں "

پس اس توجیہ پر حدیث بھی منطبق ہو جاتی ہے، اللہ تعالےٰ نے فرمایا " قسم ہے جان کی جو اس کو درست کیا پھر اس کی نافرمانی اور پرہیزگاری کا اسکو الہام کیا "

میں کہتا ہوں یہاں الہام سے مراد نفس کے اندر فجور کی صورت کا پیدا کرنا ہے جیسا کہ عبداللہ ابن مسعود کی حدیث میں گذر چکا ہے، پس الہام اصل میں اس صورت علمیہ کو پیدا کرنا ہے کہ جس سے وہ عالم ہو جاتا ہے، پھر مجازاً اس صورت اجمالیہ کو کہنے لگے جو مبدأ آثار ہوتی ہے اگرچہ اس سے علم حاصل نہ ہو

واللہ اعلم

كمال ونقصان، عذاب وثواب، و يحتمل ان يكون المعنى اما من الجنة واما من النار، وقوله تعالى واذا اخذ ربك من بني ادم الاية، لا يخالف حديث، ثم مسح ظهره بيمينه واستخرج منه ذريته، لان ادم اخذت عنه ذريته ومن ذريته ذريتهم الى يوم القيامة على الترتيب الذي يوجدون عليه، فذكر في القران بعض القصة و بين الحديث تتمتها، قوله تعالى فاما من اعطى واتقى وصدق بالحسنى اي من كان متصفا بهذه الصفات في علمنا وقدرنا فسنيسره لتلك الاعمال في الخارج، وبهذا التوجيه ينطبق عليه الحديث، قوله تعالى ونفس وما سواها فالهمها فجورها وتقواها ❊

اقول - المراد بالالهام هنا خلق صورة الفجور في النفس كما سبق في حديث ابن مسعود، فالالهام في الاصل خلق الصورة العلمية التي يصير بها عالما، ثم نقل الى صورة اجمالية هي مبدأ الآثار، و ان لم يصر بها عالما تجوزا والله اعلم

کتاب و سنت کے اتباع کا بیان

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تحریف کے سب راستوں سے ڈرایا اور سخت منع فرمایا اور اس بارے میں اپنی امت سے عہد و پیمان لئے، پس سستی کا سب سے بڑا سبب سنت کو چھوڑ دینا ہے اور اس بارے میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "مجھ سے پہلے خدا تعالیٰ نے کوئی نبی اس کی امت میں ایسا نہیں بھیجا جس کی امت میں سے اس کے حواری اور ایسے اصحاب نہ ہوں جو اس کی سنت پر عمل کرتے اور اس کے حکم کی فرمانبرداری کرتے ہیں، پھر ان کے بعد نا اہل لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو کچھ کہتے ہیں کرتے نہیں ہیں اور جن باتوں کا حکم ان کو نہیں ہوتا وہ کرتے ہیں، پس جو ان سے ہاتھ کے ساتھ جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو ان سے زبان سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو ان سے دل سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے، اور اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔"

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تم میں سے کسی کو ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ اپنے تخت پر تکیہ لگائے ہوئے ہو اور اس کے پاس میرا کوئی حکم آئے جس کا میں نے امر کیا ہو یا نہی کی ہو تب وہ کہنے لگے میں کچھ نہیں جانتا جو کچھ ہم نے کتاب اللہ میں پایا اس کا ہم نے اتباع کیا۔" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سنت پر عمل کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے خاصکر جبکہ لوگ مختلف ہوں، اور تشدد کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے "اپنی جانوں پر سختی نہ کرو، پھر خدا تعالیٰ بھی تمہارے اوپر سختی کریگا۔" اور اسی طرح عبد اللہ ابن عمرو اور کچھ لوگوں نے

من ابواب الاعتصام بالكتاب والسُّنّة

قد حذرنا النبي صلى الله عليه وسلم مداخل التحريف باقسامها و غلظ النهي عنها واخذ العهود من امته فيها، فمن اعظم اسباب التهاون ترك الاخذ بالسنة، وفيه قوله صلى الله عليه واله وسلم ما من نبي بعثه الله في امته قبلي الا كان له من امته حواريون واصحاب ياخذون بسنته ويقتدون بامره ثم انها تخلف من بعدهم خلوف يقولون ما لا يفعلون ويفعلون ما لا يؤمرون فمن جاهدهم بيده فهو مؤمن ومن جاهدهم بلسانه فهو مؤمن ومن جاهدهم بقلبه فهو مؤمن وليس وراء ذلك من الايمان حبة خردل، وقوله صلى الله عليه واله وسلم لا الفين احدكم متكئا على اريكته ياتيه الامر من امري مما امرت به او نهيت عنه فيقول لا ادري ما وجدناه في كتاب الله اتبعناه، و رغب في الاخذ بالسنة جدا لاسيما عند اختلاف الناس، وفي التشدد قوله صلى الله عليه واله وسلم لا تشددوا على انفسكم فيشدد الله عليكم ورده على عبد الله بن عمرو والرهط

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادت کو کم سمجھ کر عبادات شاقہ کا قصد کیا تھا تو آپ نے ان کو منع فرمایا اور تعمق و تکلف کے بارے میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگوں کا کیا حال ہو گیا ہے کہ ایک چیز کو میں تو کر لیتا ہوں اور وہ اس سے پرہیز کرتے ہیں، بخدا میں ان سے زیادہ خدا کو جانتا ہوں اور ان سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہدایت پر ہونے کے بعد کوئی قوم گمراہ نہیں ہوئی بجز اس صورت کے کہ وہ باہمی جھگڑے میں پڑ گئے" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم اپنی دنیا کی باتوں سے خوب واقف ہو، اور خلط[1] کے بارے میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے جو آپنے ایک صحابی سے فرمایا تھا جو علم یہود دیکھنا چاہتے تھے "کیا تم بھٹکے پھرتے ہو جس طرح یہود و نصاریٰ بھٹکتے پھرتے ہیں، میں تمہارے پاس روشن اور صاف دین لیکر آیا ہوں اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ ہوتا" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا اس شخص کو سب سے زیادہ مبغوض قرار دینا ہے جو اسلام میں جاہلیت کی باتوں کا طالب ہے" اور استحسان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "جو شخص ہمارے اس دین میں ایسی بات پیدا کرے جو اس میں نہیں ہے تو وہ ردی ہے" اور ملائکہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسے شخص کے ساتھ تشبیہ دینا ہے جس نے ایک مکان بنایا اور اس میں کھانا تیار کیا اور ایک شخص کو لوگوں کے بلانے کے لئے بھیجا[2]، میں کہتا ہوں اس میں لوگوں کو مامور بنانے کی طرف اشارہ ہے اور پورے طور پر سمجھانے کے لئے اس کو بمنزلہ امر محسوس کے کر دینا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی" الحدیث، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری مثال اور اس چیز کی مثال

الذین تقالوا عبادة النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وارادوا اشاق الطاعات، وفی التعمق قولہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ما بال اقوام یتنزھون عن الشئ اصنعہ فواللہ انی لاعلمھم باللہ واشدھم خشیة لہ وقولہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ماضل قوم بعد ھدی کانوا علیہ الا اوتوا الجدال، وقولہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم انتم اعلم بامور دنیاکم وفی الخلط قولہ صلے اللہ علیہ وسلم لمن اراد الخوض فی علم الیھود امتھوکون انتم کما تھوکت الیھود والنصاری ؟ لقد جئتکم بھا بیضاء نقیة ولو کان موسی حیا لما وسعہ الا اتباعی، وجعلہ صلے اللہ علیہ وسلم من ابغض الناس من ھو مبتغ فی الاسلام سنة الجاھلیة، وفی الاستحسان قولہ صلے اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد، وضرب الملائکة لہ صلے اللہ علیہ وسلم مثل رجل بنی دارا وجعل فیھا مادبة وبعث داعیا اقول ھذا اشارة الی تکلیف الناس بہ وجعلہ کالامر المحسوس اکمالا للتعلیم، قولہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مثلی کمثل رجل استوقد نارا الحدیث، وقولہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم انما مثلی ومثل ما

[1] یعنی اسلام میں اور مذہب کو ملانا ۱۲۔ [2] اسکا اخیر یہ ہے پس جس نے اس داعی کا کہنا مانا وہ گھر میں آیا اور اس نے کھانا بھی کھایا اور جس نے کہنا نہ مانا وہ گھر میں نہ آیا اور نہ اس نے کھانا کھایا، ۱۲ منہ

جس کو خدا نے مجھے دیکر بھیجا ہے اس شخص جیسی ہے جو ایک قوم کے پاس آئے اور کہے اے قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے لشکر کو دیکھا ہے" الحدیث، یہ حدیث اس امر پر صریح دلیل ہے کہ بعض اعمال بذات خود بعثت سے قبل عذاب آنے کے مستوجب ہوتے ہیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس ہدایت اور علم کے ساتھ خدا تعالے نے مجھ کو بھیجا ہے اس کی مثال اس کثیر بارش کی سی ہے جو زمین پر برسا" الحدیث، اس حدیث میں اس امر کا بیان ہے کہ اہل علم نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کو دو طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے قبول کر لیا، یا صریح روایت کے ذریعہ سے یا دلالت روایت کے ذریعہ سے، بایں طور کہ انہوں نے مسائل کا استنباط کیا اور لوگوں کو باخبر کیا یا انہوں نے شریعت پر عمل کیا، پس لوگوں نے ان کی رہبری سے ہدایت پائی، اور اہل جہل نے اس ہدایت کو بالکل قبول نہیں کیا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس نصیحت میں جو نہایت تاکید سے لوگوں کو فرمائی تھی اس میں کہا تھا میرے طریقہ کو اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کے طریقہ کو اپنے اوپر لازم کر لینا"

میں کہتا ہوں دین کا انتظام نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کے اتباع پر موقوف ہے اور سیاست کبریٰ کا انتظام اس پر موقوف ہے کہ خلفاء تدابیر ملکی اور جہاد سے متعلق جن امور کا اپنے اجتہاد سے حکم دیں ان کے حکم کی اطاعت کیجائے بشرطیکہ ان کا یہ حکم شریعت کے حق میں بدعت نہ ہو اور نہ ہی خلاف نص ہو، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے سامنے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ خدا تعالے کا راستہ ہے پھر اس خط کے دائیں بائیں اور خطوط کھینچے اور فرمایا یہ بھی راستے ہیں ان میں سے ہر راستہ پر شیطان بیٹھا ہوا ہے جو لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہے، اور آپ نے یہ آیت پڑھی "تحقیق یہ میرا سیدھا راستہ ہے

بعثني الله به كمثل رجل اتى قوما فقال يا قوم انى رايت الجيش بعيني الحديث دليل ظاهر على ان هنالك اعمالا تستوجب فى انفسها عذابا قبل البعثة، وقوله صلى الله عليه وسلم مثل ما بعثني الله به من الهدى والعلم كمثل الغيث الكثير اصاب ارضا، الحديث فيه بيان قبول اهل العلم هداية صلى الله عليه وسلم باحد وجهين الرواية صريحا، والرواية دلالة بان استنبطوا واخبروا بالمستنبطات او عملوا بالشرع فاهتدى الناس بهديهم، وعدم قبول اهل الجهل راسا قوله صلى الله عليه وسلم فى الموعظة البليغة، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين

اقول انتظام الدين يتوقف على اتباع سنن النبى، وانتظام السياسة الكبرى يتوقف على الانقياد للخلفاء فيما يامرونهم بالاجتهاد فى باب الارتفاقات واقامة الجهاد وامثال ذلك ما لم يكن ابداعا لشريعة او مخالفا النص، خط رسول الله صلى الله عليه وسلم لهم خطا ثم قال هذا سبيل الله ثم خط خطوطا عن يمينه وعن شماله وقال هذه سبل على كل سبيل منها شيطان يدعو اليه وقرا ان هذا صراطي

اسی پر تم چلو دوسرے راستوں پر مت چلو ورنہ خدا تعالے کے راستہ سے بچھڑ جاؤ گے "

میں کہتا ہوں فرقہ ناجیہ وہ ہے جو تمام عقائد اور اعمال کے اندر اس پر عمل کرتے ہیں جو کتاب وسنت سے ظاہر ہے اور جس پر جمہور صحابہ وتابعین نے عمل کیا ہے اگرچہ وہ ان باتوں کے اندر مختلف ہوں جن میں کوئی نص مشہور نہیں ہے نہ ان پر صحابہ کا اتفاق ظاہر ہوا ہے اور ان کے بعض اقوال سے استدلال کرتے ہوں اور مجمل کی تفسیر کرتے ہوں،

اور غیر ناجیہ ہر وہ فرقہ ہے جو سلف کے عقیدہ کے خلاف کوئی عقیدہ رکھے یا ان کے عمل کے خلاف کوئی عمل نکالے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " یہ امت گمراہی پر اتفاق نہ کرے گی " ، اور فرمایا " ہر صدی کے بعد خدا تعالے اس امت میں ایسے شخص کو پیدا کرتا رہے گا جو اس امت کے لئے اس کے دین کو نیا کرتا رہے گا " اور اس حدیث کی تفسیر دوسری حدیث میں ہے " ہر خلف کے عادل لوگ اس علم کا بار اٹھائیں گے جو اس سے آمیزش کرنے والوں کی تحریف، جھوٹوں کی کج روی اور جاہلوں کی تاویل کو دور کریں گے ،

واضح ہو کہ لوگوں نے جب دین میں اختلاف اور زمین میں فساد پھیلایا تو اس شئی نے جود الہی کے دروازہ کو کھٹکھٹایا پس خدا تعالے نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کے ذریعہ سے دین کی کجی کی درستی کا ارادہ فرمایا، پھر جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس عالم سے وفات پائی تو بعینہ یہ عنایت الہی اس طرف متوجہ ہوئی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے علم ورشد کو امت میں محفوظ رکھے،

مستقيما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله - اقول الفرقة الناجية هم الآخذون في العقيدة والعمل جميعا بما ظهر من الكتاب والسنة وجرى عليه جمهور الصحابة والتابعين وان اختلفوا فيما بينهم فيما لم يشتهر فيه نص ولا ظهر من الصحابة اتفاق عليه استدلالا منهم ببعض ما هنالك او تفسيرا لمجمله، وغير الناجية كل فرقة انتحلت عقيدة خلاف عقيدة السلف او عملا دون اعمالهم، قوله صلے الله عليه وسلم لا تجتمع هذه الامة على الضلالة، وقوله صلے الله عليه وسلم يبعث الله لهذه الامة على راس كل مائة سنة من يجدد لها دينها، وتفسيره في حديث اخر، يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين ٭

اعلم ان الناس لما اختلفوا في الدين وافسدوا في الارض قرع ذلك باب جود الحق فبعث محمدا صلے الله عليه وسلم واراد بذلك اقامة الملة العوجاء ثم لما توفى النبي صلى الله عليه وسلم صارت تلك العناية بعينها متوجهة الى حفظ علمه ورشده فيما بينهم

پس اس نے ان میں الہامات اور تقریبات پیدا کردیں
پس قیامت تک ان میں ہدایت برقرار رکھنے کا حظیرۃ
قدس میں ایک داعیہ رہتا ہے پس اس وجہ سے ضرور
ہوا کہ ان میں ہمیشہ ایک ایسا گروہ رہے جو امر الٰہی پر
قائم ہو اور وہ سب کے سب گمراہی پر اتفاق نہ کریں اور
قرآن ان میں محفوظ رہے، اور ان کے اختلاف استعداد
کی وجہ سے یہ بات بھی ضروری ہوئی کہ ہدایت پانے کے
باوجود لوگوں میں کچھ ردوبدل ہو پس عنایت الٰہی ایسے
لوگوں کی منتظر ہوئی جو مستعد ہوں اور ان کو عظمت دی گئی
ہو، پس اس عنایت الٰہی نے ان کے دلوں میں ان امور
کو پیدا کیا کہ علم میں رغبت کریں اور غالی لوگوں کی تحریف کو
دور کریں، اور یہ سختی اور تکلف کی طرف اشارہ ہے،
اور جھوٹوں کی کج روی کو دور کریں اور یہ استحسان کی طرف
اور مذہب کے ساتھ دوسرے مذہب کو خلط ملط کرنے کی
طرف اشارہ ہے، اور جاہلوں کی تاویل دور کریں، اور
یہ سستی کی طرف اور ضعیف تاویل کرکے مامور بہ کے
ترک کی طرف اشارہ ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا "خدا تعالے جس شخص کی بہتری چاہتا ہے اس کو
دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے" اور آپ نے فرمایا علماء انبیاء
کے وارث ہیں" اور آپ نے فرمایا "عالم کو عابد
پر ایسی فضیلت ہے جیسی مجھ کو تم میں سے کسی
ادنیٰ شخص پر فضیلت ہے" اور اسی قسم کی اور حدیثیں
فرمائی ہیں،

واضح ہو کہ جب کسی شخص پر عنایت الٰہی کا ورود
ہوتا ہے اور خدا تعالے اس کو تدبیر الٰہی کا اہل بناتا ہے
تو ضرور اس پر خدا تعالے کی رحمت ہوتی ہے اور فرشتوں کو اسکی
محبت اور تعظیم کا حکم ہوتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے
جس میں جبرئیل کو محبت رکھنے کا اور زمین میں مقبولیت
پھیلانے کا حکم ہونا بیان ہے، اور جب نبی صلے اللہ

فاورثت فيهم الهامات وتقريبات
ففي حظيرة القدس داعية لاقامة
الهداية فيهم مالم تقم الساعة
فوجب لذلك ان يكون فيهم لامحالة
امة قائمة بامر الله وان لايجتمعوا
على الضلالة باسرهم وان يحفظ
القرآن فيهم، واوجب اختلاف
استعدادهم ان يلحق بما عندهم
مع ذلك شئ من التغير فانتظرت العناية
الناس مستعدين قضى لهم بالتنويه
فاورثت فى قلوبهم الرغبة فى العلم
ونفي تحريف الغالين وهو اشارة
الى التشدد والتعمق، وانتحال
المبطلين وهو اشارة الى الاستحسان
وخلط ملة بملة، وتاويل الجاهلين
وهو اشارة الى التهاون، وترك
المامور به بتاويل ضعيف، قوله
صلے الله عليه وسلم من يرد الله به
خيرا يفقهه فى الدين، وقوله صلے
الله عليه وسلم ان العلماء ورثة
الانبياء، وقوله صلے الله عليه وسلم
فضل العالم على العابد كفضلي على
ادناكم، وامثال ذلك ؛

اعلم ان العناية الالهية اذا
حلت بشخص وصيره الله مظنة
لتدبير الهي لابد ان يصير مرحوما
وان تؤمر الملائكة بمحبته وتعظيمه
لحديث محبة جبرائيل ووضع
القبول فى الارض، ولما انتقل النبي

علیہ وسلم نے وفات پائی تو وہی عنایت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھی آپ کی ملت کی حفاظت کی لحاظ سے علماء، رواۃ اور اس کی اشاعت کرنے والوں کی طرف متوجہ ہوئی اور ان میں بے شمار فوائد پیدا کر دیئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خوش رکھے اللہ تعالیٰ اس بندے کو جو میری بات کو سنے اور یاد کرے اور محفوظ رکھے اور پھر جیسا سنا تھا ویسا ہی بیان کر دے"،

میں کہتا ہوں کہ اس فضیلت کا سبب یہ ہے کہ یہ شخص اس قابل معلوم ہوتا ہے کہ ہدایتِ نبوی کو مخلوق کی طرف پہنچا دے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص قصداً مجھ پر جھوٹ بولے وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنائے"۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اخیر زمانہ میں دجال اور کذاب پیدا ہوں گے"۔

میں کہتا ہوں جبکہ اخیر زمانوں تک دین کے پہنچنے کا ذریعہ روایت ہی ہے اور جب روایت میں فساد داخل ہو جائے تو پھر اس کا کچھ علاج نہیں اس واسطے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہوا اور روایت کرنے میں احتیاط واجب ہوئی تاکہ روایت کرنے میں کذب نہ ہو، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بنی اسرائیل سے روایت کرو اور کچھ مضائقہ نہیں" اور فرمایا "بنی اسرائیل کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب"

میں کہتا ہوں قابل عبرت امور میں بنی اسرائیل سے روایت کرنا جائز ہے اور جہاں احکام دین اختلاط ہونے سے امن ہو اور اس کے ماسوا میں جائز نہیں،

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بہت سے بنی اسرائیل کے قصے جو کتب تفسیر میں بھری پڑی ہیں

صلے اللہ علیہ وسلم نزلت العناية الخاصة به بحسب حفظ ملته الى حملة العلم و رواته و مشيعيه فانتج فيهم فوائد لا تحصى، قوله صلے اللہ علیہ و سلم نضر الله عبدا سمع مقالتي فحفظها و وعاها و اداها كما سمعها

اقول سبب هذا الفضل انه مظنة لحمل الهداية النبوية الى الخلق قوله صلے الله عليه وسلم من كذب علي متعمدا فليتبوا مقعده من النار، قوله صلے الله عليه وسلم يكون في اخر الزمان دجالون كذابون

اقول لما كان طريق بلوغ الدين الى الاعصار المتاخرة انما هي الرواية واذا دخل الفساد من جهة الرواية لم يكن له علاج البتة كان الكذب على النبي صلے الله عليه وسلم كبيرة و وجب الاحتياط في الرواية لئلا يروى كذبا. قوله صلے الله عليه وسلم حدثوا عن بني اسرائيل و لا حرج ؛

و قوله صلے الله عليه وسلم لا تصدقوهم و لا تكذبوهم ؛

اقول الرواية عن اهل الكتاب تجوز فيما سبيله سبيل الاعتبار، وحيث يكون الامن عن الاختلاط في شرائع الدين و لا تجوز فيما سوى ذلك، و مما ينبغي ان يعلم ان غالب الاسرائيليات المدسوسة

اور اخبار جو علماء اہل کتاب سے منقول ہیں وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان پر کسی حکم شرعی یا اعتقاد کو قائم کیا جائے، فتدبر۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس علم سے خدا تعالیٰ کی رضامندی مطلوب ہوتی ہو اس علم کو کوئی شخص متاع دنیا حاصل کرنے کی غرض سے پڑھے تو قیامت کے روز وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا"

میں کہتا ہوں دنیوی غرض کے لئے علم دین حاصل کرنا حرام ہے اور جس میں غرض فاسد معلوم ہوتی ہو اس کو سکھلانا بھی چند وجوہ سے حرام ہے،

ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایسا شخص اکثر غرض دنیوی کے واسطے ضعیف تاویل کرکے دین کے اندر تحریف کرسکتا ہے اس واسطے اس راستہ کو بند کر دینا ضروری ہوا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسا شخص قرآن وسنت کی حرمت نہ کرے گا اور نہ ان پر عمل کرے گا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص سے کوئی علمی بات جس کو وہ جانتا ہو دریافت کیجائے پھر وہ چھپائے تو قیامت کے روز اس کے آگ کی لگام دیجائیگی"

میں کہتا ہوں علم کا چھپانا جس وقت کہ اس کے بیان کرنے کی ضرورت ہو حرام ہے اس واسطے کہ یہی سستی کی اصل ہے اور احکام دینی کے نسیان کا سبب ہے اور آخرت کی جزائیں اعمال کی مناسبت سے ہوتی ہیں، پس جبکہ گناہ بیان مسئلہ سے زبان کا روکنا تھا تو زبان کے بند کرنے کے ہم شکل کے ساتھ سزا دی گئی اور وہ ہم شکل شئ آگ کی لگام ہے،

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "علم تین ہیں:۔ آیت محکمہ، یا سنت قائمہ، یا فریضہ عادلہ، اور جو ان کے سوا ہے وہ زیادہ ہے،

میں کہتا ہوں یہ اس انضباط اور حد کو بیان کرنا ہے

فی کتب التفسیر، والاخبار منقولة عن احبار اهل الکتاب لا ینبغی ان یبنی علیها حکم واعتقاد فتدبر، قوله صلے الله علیه وسلم من تعلم العلم مما یبتغی به وجه الله لا یتعلمه الا لیصیب به عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیامة یعنی ریحها

اقول یحرم طلب العلم الدینی لاجل الدنیا ویحرم تعلیم من یری فیه الغرض الفاسد لوجوه، منها ان مثله لا یخلو غالبا من تحریف الدین لاغراض الدنیا بتاویل ضعیف فوجب سد الذریعة، ومنها ترك حرمة القران والسنن وعدم الاکتراث بها، قوله صلے الله علیه واله وسلم من سئل عن علم علمه ثم کتمه الجم یوم القیامة بلجام من نار،

اقول یحرم کتم العلم عند الحاجة الیه لانه اصل التهاون وسبب نسیان الشرائع واجزیة المجازاة تبنی علی المناسبات فلما کان الاثم کف لسانه عن النطق جوزی بشبه الکف وهو اللجام من نار،

قوله صلے الله علیه وسلم العلم ثلاثة، اية محکمة اوسنة قائمة او فریضة عادلة، وما کان سوی ذلك فهو فضل،

اقول هذا ضبط وتحدید لما

جس کا سیکھنا لوگوں پر واجب بالکفایہ ہے، پس قرآن کا لفظاً سیکھنا اور بذریعہ بحث الفاظ غریبہ کی شرح سے اس کے محکم کی معرفت اسباب نزول اور دقت طلب امر کی توجیہ اور ناسخ و منسوخ کی معرفت ضروری ہے، لیکن متشابہ' سو اس کا حکم یا توقف ہے یا محکم کی طرف رجوع کر لینا ہے، اور سنت قائمہ وہ ہے جو عبادات اور معاملات میں ان شرائع اور سنن سے ثابت ہو جن پر علم فقہ مشتمل ہے۔ اور سنت قائمہ وہ ہے جو نہ منسوخ ہو، نہ متروک ہو اور نہ اس کا کوئی راوی چھوٹا ہو اور جمہور صحابہ و تابعین کا اس پر عمل رہا ہو، ان سب میں اعلیٰ وہ ہے جس پر فقہاء مدینہ و کوفہ متفق ہوں اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس پر مذاہب اربعہ متفق ہوں، اس کے بعد وہ ہے جس میں جمہور صحابہ کے دو قول یا تین قول ہوں اور ہر قول پر اہل علم کے ایک گروہ نے عمل کیا ہو، اور اس کی شناخت یہ ہے کہ موطا اور جامع عبد الرزاق جیسی کتابوں میں ان کی روایات پائی جاتی ہوں، اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ بعض فقہاء کا استنباط ہے اور بعض کا نہیں ہے جو تفسیر، تخریج، استدلال اور استنباط کی وجہ سے حاصل ہوا ہے اور وہ سنت قائمہ نہیں ہے،

اور فریضہ عادلہ' ورثہ کے حصے معلوم کرنا ہے اور اس کے ساتھ وہ ابواب قضاء بھی ملحق ہیں جن کے ذریعہ مسلمانوں کے درمیان انصاف کے ساتھ قطع منازعت ہو جائے، پس یہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کے واقف سے شہر کا خالی رہنا حرام ہے کیونکہ ان پر دین موقوف ہے اور جو ان کے سوا ہیں وہ فضل اور زیادتی کے قبیل سے ہیں،

يجب عليهم بالكفاية، فيجب معرفة القران لفظاً و معرفة محكمه بالبحث عن شرح غريبه و اسباب نزوله و توجيه معضله و ناسخه و منسوخه واما المتشابه فحكمه التوقف او الارجاع الى المحكم والسنة القائمة ما ثبت فى العبادات و الارتفاقات من الشرائع والسنن مما يشتمل عليه علم الفقه، والقائمة ما لم ينسخ ولم يهجر ولم يشذ راويه، وجرى عليه جمهور الصحابة و التابعين اعلاها ما اتفق فقهاء المدينة والكوفة عليه، وآيته ان يتفق على ذلك المذاهب الاربعة ثم ما كان فيه قولان لجمهور الصحابة او ثلاثة، ذلك كل قد عمل به طائفة من اهل العلم، وآية ذلك ان تظهر فى مثل المؤطا وجامع عبد الرزاق رواياتهم وما سوى ذلك فانما هو استنباط بعض الفقهاء دون بعض تفسيرا او تخريجا و استدلالا واستنباطا، وليس من القائمة والفريضة العادلة الانصباء للورثة، ويلحق به ابواب القضاء مما سبيله قطع المنازعة بين المسلمين بالعدل، فهذه الثلاثة يحرم خلو البلد عن عالمها لتوقف الدين عليه، وما سوى ذلك من باب الفضل والزيادة، ونهى صلى الله

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مغالطات سے منع فرمایا ہے اور یہ وہ مسائل ہیں جن سے مسئول عنہ غلطی میں پڑتا ہے اور ان سے لوگوں کے اذہان کا امتحان لیا جاتا ہے، اور ان سے منع کرنے کی کئی وجوہ ہیں، ایک تو یہ ہے کہ ایسی باتوں میں مسئول عنہ کو ایذا اور ذلت، اور پوچھنے والے کو تکبر اور عجب حاصل ہوتا ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے تعمق کا دروازہ کھلتا ہے اور صحیح وہ ہے جس پر صحابہ اور تابعین تھے کہ ظاہر سنت پر مطلع ہونا چاہیے، اور جو ایماء واقتضاء اور فحوائے کلام سے بمنزلہ ظاہر کے ہے اس پر مطلع ہونا چاہیے اور بہت امعان مناسب نہیں ہے اور نہ ہی اجتہاد میں مشغول ہونا مناسب ہے جب تک کہ اس کی ضرورت نہ پڑے اور حادثہ پیش نہ آئے کیونکہ اس وقت خدا تعالےٰ اپنی عنایت سے جو لوگوں پر ہے صحیح علم عطا کر دیتا ہے اور پہلے سے اس کے لئے جلدی کرنے میں غلطی کا امکان ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنی رائے سے قرآن میں کوئی بات کہے اس کو اپنی جگہ دوزخ میں بنا نا چاہیے"

میں کہتا ہوں جو شخص اس زبان سے جس میں قرآن نازل ہوا ہے واقف نہ ہو اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ اور تابعین سے الفاظ غریبہ کی شرح، سبب نزول اور ناسخ ومنسوخ کے بارے میں جو منقول ہے اس سے واقف نہ ہو تو اس کے لئے تفسیر میں خوض کرنا حرام ہے۔، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے"

میں کہتا ہوں میں مجادلہ حرام ہے اور وہ مجادلہ یہ ہے کہ کوئی شخص حکم منصوص کو کسی شبہہ سے جو اس کے دل میں واقع ہوا ہے رد کرے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم سے پہلے لوگ اسی سبب سے ہلاک ہوئے

علیه وسلم عن الاغلوطات، وهی المسائل التی یقع المسؤل عنها فی الغلط و یمتحن بها اذهان الناس، و انما نهی عنها لوجوه منها ان فیها ایذاء او اذلالا للمسئول عنه وعجبا وبطرا لنفسه، و منها انها تفتح باب التعمق، وانما الصواب ماکان عند الصحابة والتابعین ان یوقف علی ظاهر السنة، وما هو بمنزلة الظاهر من الایماء والاقتضاء والفحوی، ولا یمعن جدا وان لا یقتحم فی الاجتهاد حتی یضطر الیه وتقع الحادثة فان الله یفتح عند ذلك العلم عنایة منه بالناس، واما تهیئته من قبل فمظنة الغلط ؛

قوله صلے الله علیه وسلم من قال فی القرآن برایه فلیتبوأ مقعده فی النار ؛

اقول یحرم الخوض فی التفسیر لمن لا یعرف اللسان الذی نزل القرآن به والماثور عن النبی صلے الله علیه وسلم واصحابه والتابعین من شرح غریب وسبب نزول وناسخ ومنسوخ، قوله صلے الله علیه وسلم المراء فی القرآن کفر- اقول یحرم الجدال فی القرآن وهو ان یرد الحکم المنصوص بشبهة یجدها فی نفسه قوله صلے الله علیه واله وسلم انما هلك من کان قبلکم بهذا

کہ انہوں نے اللہ تعالٰے کی کتاب کے بعض کو بعض سے لڑایا۔"

میں کہتا ہوں قرآن کے ساتھ تدافع کرنا حرام ہے اور وہ تدافع یہ ہے کہ ایک شخص کسی آیت سے کوئی مسئلہ ثابت کرے اور دوسرا شخص اپنا مذہب ثابت کرنے کے لئے اور دوسرے کی بات باطل کرنے کے لئے یا بعض ائمہ کے مذہب کو بعض پر غالب کرنے کے لئے دوسری آیت کو پیش کرے اور اس کا پورا پورا قصد اظہار حق نہ ہو، اور اسی طرح سنت کے ساتھ تدافع کرنا حرام ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر آیت کے لئے ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور ظاہر و باطن کو سمجھنے کے ہر درجہ کے لئے ایک خاص استعداد ہوتی ہے"

میں کہتا ہوں زیادہ تر قرآن میں صفات الٰہی کا بیان، اس کی عجائب قدرت، احکام اور قصص، کفار پر احتجاج اور جنت و دوزخ کے ساتھ موعظت کرنا ہے پس قرآن کا ظاہر یہ ہے کہ جس کے لئے سوق کلام ہے اس کا پورا پورا علم حاصل ہو جائے، اور اس کا باطن آیات صفات میں، نعمائے الٰہی میں فکر اور غور کرنا ہے، اور آیات احکام میں ایماء اور اشارہ اور فحوی اور اقتضاء سے مسائل کا استنباط کرنا ہے، جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت وحملہ وفصلہ ثلٰثون شھرًا سے اس بات کا استنباط کیا ہے کہ مدت حمل کی کبھی چھ ماہ بھی ہوتی ہے، کیونکہ خدا تعالٰے فرماتا ہے "حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ"

اور قصص میں اس کا باطن کہ ثواب اور مدح، یا عذاب اور ذم کے مدار کی معرفت ہو اور موعظت میں اس کا باطن رقت قلب اور خوف و رجا کا ظاہر ہونا، اور اسی قسم کی اور باتیں ہیں، اور ہر حد کے مطلع سے مراد وہ استعداد ہے جس سے وہ حد حاصل ہوتی ہے

ضربوا كتاب الله بعضه ببعض،

اقول يحرم التدارؤ بالقران، وهو ان يستدل واحد باية فيرده اخر باية اخرى طلبا لاثبات مذهب نفسه وهدم موضع صاحبه اوذهابا الى نصرة مذهب بعض الائمة على مذهب بعض، ولا يكون جامع الهمة على ظهور الصواب والتدارؤ بالسنة مثل ذلك قوله صلى الله عليه وسلم لكل اية منها ظهر وبطن ولكل حد مطلع .

اقول اكثر ما فى القران بيان صفات الله تعالى واياته، والاحكام والقصص والاحتجاج على الكفار والموعظة بالجنة والنار فالظهر الاحاطة بنفس ما سبق الكلام له والبطن فى ايات الصفات التفكر فى الاء الله والمراقبة، وفى ايات الاحكام الاستنباط بالايماء والاشارة والفحوى والاقتضاء كاستنباط على رضى الله عنه من قوله تعالى وحمله وفصاله ثلاثون شهرا ان مدة الحمل قد تكون ستة اشهر لقوله حولين كاملين، وفى القصص معرفة مناط الثواب والمدح او العذاب والذم، وفى العظة رقة القلب وظهور الخوف والرجا وامثال ذلك، ومطلع كل حد الاستعداد الذى به يحصل

جیسے زبان اور آثار سے واقف ہونا اور جیسے ذہن کی صفائی اور سمجھ کی پختگی کا ہونا ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اس کتاب میں سے کچھ آیتیں محکم ہیں اور وہ کتاب کی اصل ہیں اور کچھ آیات متشابہات ہیں ،

میں کہتا ہوں بظاہر محکم وہ ہے جس میں ایک وجہ کے سوا دوسری وجہ کا احتمال نہ ہو جیسے یہ آیت ہے "تم پر تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں حرام ہیں" اور متشابہ وہ ہیں جس میں چند احتمالات ہوں اور ان میں سے بعض مراد ہو، جیسے خدا تعالےٰ کا قول ہے "ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک کام کئے اس شئ کے بارے میں کوئی گناہ نہیں جو انہوں نے کھایا" کج فہموں نے اس آیت کو اس پر محمول کیا کہ جب تک کسی پر ظلم یا زمین میں فساد نہ ہو شراب کا پینا درست ہے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں ہے جو تحریم سے پیشتر شراب پیتے تھے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اعمال کا مدار نیت پر ہے"

میں کہتا ہوں نیت، قصد اور ارادہ کو کہتے ہیں، اور یہاں نیت سے مراد علت غائیہ ہے جو انسان کو خیال میں آنے کے بعد کسی کام پر آمادہ کرتی ہے جیسے اللہ تعالےٰ سے ثواب اور رضا، کا طلب کرنا، اور حدیث کے معنی یہ ہیں کہ نفس کی تہذیب اور اس کی کجی کے دور کرنے میں اعمال کا کچھ اثر نہیں ہوتا جب تک کہ وہ کسی ایسے مقصد کے تصور کرنے سے صادر نہ ہوں جس کو تہذیب نفس سے تعلق ہوتا ہے ، اور عادت یا لوگوں کی موافقت یا ریار اور سمعہ یا اقتضا جبلی کی وجہ سے صادر نہ ہوں جیسے اس بہادر آدمی سے قتال کا سرزد ہونا جو جنگ کے بغیر نہیں رہ سکتا ، اور اگر کفار سے مقابلہ پیش نہ آتا تو اس شجاعت کو مسلمانوں کے قتال میں صرف کرتا

كمعرفة اللسان والآثار وكلطف الذهن واستقامة الفهم، قوله تعالى منه آيات محكمات هن ام الكتاب واخر متشابهات ؛

اقول الظاهر ان المحكم ما لم يحتمل الا وجها واحدا مثل حرمت عليكم امهتكم وبنتكم واخوتكم والمتشابه ما احتمل وجوها ، انما المراد بعضها كقوله تعالى ليس على الذين آمنوا وعملوا الصالحات جناح فيما طعموا حملها الزائغون على اباحة الخمر ما لم يكن بغي او افساد في الارض، والصحيح حملها على شاربيها قبل التحريم، قوله صلى الله عليه وسلم انما الاعمال بالنيات ؛

اقول النية القصد والعزيمة والمراد ههنا العلة الغائية التي يتصورها الانسان، فيبعثه على العمل مثل طلب ثواب من الله او طلب رضا الله، والمعنى ليس للاعمال اثر في تهذيب النفس واصلاح عوجها الا اذا كانت صادرة من تصور مقصد مما يرجع الى التهذيب دون العادة وموافقة الناس او الرياء والسمعة او قضاء جبلة كالقتال من الشجاع الذي لا يستطيع الصبر عن القتال، فلولا مجاهدة الكفار لصرف هذا الخلق في

اور ایسے ہی شخص کی نسبت کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ ایک شخص دکھاوے کی غرض سے قتال کرتا ہے اور ایک شخص اپنی شجاعت کی وجہ سے پس ان دونوں میں سے کون سا خدا کی راہ میں قتال کرتا ہے؟ تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو تو اس کا لڑنا خدا کے لئے ہے" اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دل کا ارادہ روح ہے اور اعمال اس کی صورت اور جسم ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں پس جو شخص شبہات سے بچا اس نے اپنا دین اور اپنی عزت کو بچا لیا"

میں کہتا ہوں کبھی ایک مسئلہ میں چند وجوہ متعارض ہوتی ہیں تو اس وقت میں احتیاط اور اس سے بچنا سنت ہے پس تعارض کی ایک صورت تو یہ ہے کہ صراحۃً روایات مختلف ہوں جیسے مس ذکر سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں، بعض نے اسکو ثابت کیا ہے اور بعض نے اس کی نفی کی ہے، اور ہر ایک کے پاس حدیث ہے جس سے وہ شہادت پیش کرتا ہے، اور جیسے محرم کا نکاح ہے اس کو ایک گروہ نے جائز کہا ہے اور دوسروں نے اس کی نفی کی ہے اور روایتیں مختلف ہیں اور تعارض کی ایک صورت یہ ہے کہ اس باب میں جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کے معنی منضبط نہیں ہیں، یعنی اس کے معنی تقسیم اور مثال سے معلوم ہوتے ہیں اور ایک جامع مانع تعریف کے اسکے معنی معلوم نہیں ہوتے تو وہاں تین مادے پیدا ہوتے ہیں ایک تو وہ مادہ[1] ہے جہاں اس لفظ کا یقیناً اطلاق ہوتا ہے اور ایک وہ مادہ ہے جہاں یقیناً اطلاق نہیں ہوتا اور ایک وہ مادہ ہے

قتال المسلمين، وهو ما سئل النبي صلى الله عليه وسلم الرجل يقاتل رياء او يقاتل شجاعة فايهما في سبيل الله؟ فقال من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله والفقه في ذلك ان عزيمة القلب روح والاعمال اشباح لها، قوله صلى الله عليه وآله وسلم الحلال بين والحرام بين وبينهما مشتبهات فمن اتقى الشبهات فقد استبراء لدينه وعرضه، اقول قد تتعارض الوجوه في المسالة فتكون السنة حينئذ الاستبراء والاحتياط، فمن التعارض ان تختلف الرواية تصريحا كمس الذكر هل ينقض الوضوء اثبته البعض ونفاه الاخرون، ولكل واحد حديث يشهد له، وكالنكاح للمحرم سوّغه طائفة ونفاه آخرون، واختلفت الرواية ومنه ان يكون اللفظ المستعمل في ذلك الباب غير منضبط المعنى يكون معلوما بالقسمة والمثال ولا يكون معلوما بالحد الجامع المانع فيخرج ثلاث مواد، مادة يطلق عليه اللفظ يقينا، ومادة

[1] مادہ سے مراد موقع ہے ۱۲،

جہاں اس لفظ کے اطلاق کا صحیح ہونا یا نہ ہونا کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ اور تعارض کی ایک صورت یہ ہے کہ حکم کا مدار یقیناً کسی علت پر ہوتا ہے جس میں ایک مقصد کا یقینی گمان ہوتا ہے، اور ایک نوع اسکی ایسی ہوتی ہے کہ وہاں مقصد نہیں پایا جاتا اور علت پائی جاتی ہے جیسے وہ لونڈی جس کو ایسے شخص سے خریدا جس میں جماع کی قابلیت نہیں ہے تو وہاں استبراء[1] واجب ہے یا نہیں، پس ایسے ایسے مواقع میں احتیاط کی بڑی تاکید ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" قرآن پانچ وجوہ پر نازل ہوا حلال اور حرام اور محکم اور متشابہ اور امثال"

میں کہتا ہوں یہ وجوہ کتاب اللہ کے اقسام ہیں اگرچہ مختلف تقسیمات سے ہوں، پس ان میں حقیقی تضاد نہیں ہے اسی واسطے حکم کبھی حلال ہوتا ہے اور کبھی حرام ہوتا ہے اور دین کے اصول میں سے یہ بات ہے کہ جو آیات قرآنی یا احادیث نبوی متشابہات کے قبیل سے ہیں ان میں عقل سے خوض نہ کرنا چاہیے، اور اسی قسم کے بہت سے امور ہیں جہاں معلوم نہیں ہوتا کہ کلام کے حقیقی معنی مراد ہیں یا کوئی معنی مجازی مراد ہیں جو حقیقت کے قریب ہیں، اور یہ وہاں ہے جہاں امت کا اجماع نہیں ہے اور اس سے شبہہ مرتفع نہیں ہوا ہے، واللہ اعلم۔

طہارت کا بیان

واضح ہو کہ طہارت کی تین قسمیں ہیں ایک تو حدث سے طہارت دوسرے اس نجاست سے طہارت جو بدن یا کپڑے

لا يطلق عليها يقينا، ومادة لا يدرى هل يصح الاطلاق عليها املا، ومنه ان يكون الحكم منوطا يقينا بعلة هى مظنة لمقصد يقينا، ويكون نوع لا يوجد فيه المقصد ويوجد فيه العلة كالامة المشتراة ممن لايجامع مثله هل يجب استبراؤها؟ فهذه وامثالها يتاكد الاحتياط فيها، قوله صلى الله عليه وسلم نزل القران على خمسة وجوه حلال وحرام ومحكم ومتشابه، و امثال، اقول هذه الوجوه اقسام للكتاب، ولو بتقسيمات شتى، فلا جرم ليس فيه تمانع حقيقى، فالحكم يكون تارة حلالا واخرى حراما، ومن اصول الدين ترك الخوض بالعقل فى المتشابهات من الآيات والاحاديث ومن ذلك امور كثيرة لا يدرى اريد حقيقة الكلام ام اقرب مجاز اليها، وذلك فيما لم تجمع عليه الامة ولم ترتفع فيه الشبهة والله اعلم۔

من ابواب الطهارة

اعلم ان الطهارة على ثلاثة اقسام طهارة من الحدث، وطهارة من النجاسة المتعلقة بالبدن او الثوب

[1] ولد سے رحم کے بری ہونے کو معلوم کرنا، ۱۲

یا جگہ سے متعلق ہے، تیسرے بدن سے پیدا ہونے والے میل کچیل سے طہارت ہے جیسے موئے زیر ناف، ناخن اور میل وغیرہ، لیکن احداث سے طہارت حاصل کرنا، سو وہ اصول بر سے اخذ کی گئی ہے، ناپاکی اور طہارت کی روح کے پہچاننے میں عمدہ ان لوگوں کا وجدان ہے جن کے دلوں میں انوار ملکیہ کا ظہور ہوتا ہے، پس ان کے نفوس اس حالت سے جس کو حدث کہتے ہیں نفرت محسوس کرتے ہیں، اور اس حالت میں جس کا نام طہارت ہے سرور اور انشراح محسوس کرتے ہیں، اور طہارت کی صورتوں کی تعیین میں اور اس کے موجبات کے بارے میں اس امر کا اعتبار ہے جو ملل سابقہ یعنی یہود، نصاریٰ اور مجوس اور بقایا ملت اسماعیلیہ میں مشہور تھا۔ پس وہ لوگ ناپاکی کی دو قسمیں اور طہارت کی دو قسمیں کرتے تھے جیسا کہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں اور جنابت سے غسل کرنا تمام عرب میں مروج تھا، پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی طہارت کی دونوں قسموں کو حدث کی دونوں قسموں پر تقسیم فرمایا، پس طہارت کبریٰ یعنی غسل کو حدث اکبر یعنی جنابت کے مقابلہ میں رکھا، اس واسطے کہ حدث اکبر قلیل الوقوع اور کثیر التلوث ہے اور وہ ایسے عمل شاق یعنی غسل سے جس کا آدمی کو بہت کم اتفاق ہوتا ہے نفس کو متنبہ کرنیکا زیادہ ضرورتمند ہے اور طہارت صغریٰ یعنی وضو کو حدث اصغر کے مقابلہ میں رکھا اس واسطے کہ وہ کثیر الوقوع اور قلیل التلوث ہے اور اسمیں نفس کو کسی قدر تنبیہ ہو جانا کافی ہے، وہ امور جن میں حدث کے معنی پائے جاتے ہیں فی الحقیقت بیشمار ہیں جن کو اصحاب ذوق سلیم جانتے ہیں

او المكان، وطهارة من الاوساخ النابتة من البدن كشعر العانة والاظفار، والدرن، اما الطهارة من الاحداث فمأخوذة من اصول البر والعمدة في معرفة الحدث، وروح الطهارة وجدان اصحاب النفوس التي ظهرت فيها انوار ملكية فاحست بمنافرة الحالة التي تسمى حدثا وسرورها وانشراحها في الحالة التي تسمى طهارة، وفي تعيين هيئات الطهارة وموجباتها ما اشتهر في الملل السابقة من اليهود والنصارى والمجوس وبقايا الملة الاسماعيلية، فكانوا يجعلون الحدث على قسمين، والطهارة على ضربين كما ذكرنا من قبل، وكان الغسل من الجنابة سنة سائرة في العرب فوزع النبي صلى الله عليه وسلم قسمي الطهارة على نوعي الحدث، فجعل الطهارة الكبرى بازاء الحدث الاكبر لانه اقل وقوعا واكثر لوثا واحوج الى تنبيه النفس بعمل شاق قلما يفعل مثله، والطهارة الصغرى بازاء الحدث الاصغر لانه اكثر وقوعا واقل لوثا ويكفيه التنبيه في الجملة، والامور التي فيها معنى الحدث كثيرة جدا يعرفها اهل الاذواق السليمة

لیکن وہ حدث جس سے تمام لوگوں کو مخاطب کیا جا سکے ان محسوس امور میں منضبط ہے جن کا ظاہر میں نفس کے اندر اثر ہوتا ہے تاکہ ظاہر طور پر لوگوں سے اس کی باز پرس ہو سکے اسی واسطے یہ بات مقرر ہوئی کہ مدار حکم اس اشتغال نفس پر نہ رکھا جائے جو معدہ میں معلوم ہوتا ہے بلکہ حدث کے حکم کا مدار سبیلین یعنی پیشاب یا پاخانہ کے راستہ سے کسی چیز کے نکلنے پر رکھا جائے کیونکہ پہلی صورت کا کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا اور جب معدہ کے اندر کچھ حرکت پائی بھی جائے تو باہر سے وضو کر لینا اس کو رفع نہیں کر سکتا، اور دوسری بات یعنی سبیلین سے کسی شئی کا خارج ہونا حسًّا معلوم ہو سکتی ہے اور یہ بھی ہے کہ اس میں انقباض نفس کے معنی کی ایک ظاہری صورت ہے اور اس کا قائم مقام یعنی نجاست سے بدن کا آلودہ ہونا پایا جاتا ہے اور نیز نفس کے اندر وضو کا اثر اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جبکہ نفس کو فراغت ہو جائے اور یہ فراغت کسی چیز کے خارج ہونے سے ہوتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس کلام میں (تم میں سے کوئی شخص ایسی حالت میں نماز نہ پڑھے جبکہ اس کو پیشاب پاخانہ کی حاجت معلوم ہوتی ہو) تنبیہ فرما دی کہ اس میں صرف مشغول ہو جانا بھی حدث کے ایک معنی ہیں، اور وہ امور جن میں طہارت کے معنی پائے جاتی ہیں بہت سے ہیں جیسے خوشبو لگانا اور وہ اذکار جو اس خصلت یعنی پاکی کو یاد دلاتے ہیں جیسے آپ کا یہ پڑھنا "اے اللہ مجھکو توبہ کرنے والوں میں سے کر اور مجھکو پاکیزہ لوگوں میں سے کر"، اور آپکا یہ فرمانا "اے اللہ مجھکو گناہوں سے ایسا پاک صاف کر جیسے سفید کپڑا میل سے صاف ہو جاتا ہے" اور پاکیزہ جگہوں میں جانے سے بھی طہارت حاصل ہوتی ہے وغیر ذالک، لیکن وہ طہارت جس سے سب لوگوں کو مخاطب کر سکیں ایسی

لكن الذى يصلح ان يخاطب به الناس كافة ما هو منضبط بامور محسوسة ظاهرة الاثر فى النفس لتمكن المؤاخذة به جهرة فلذلك تعين ان لايدار الحكم على اشتغال النفس بما يختلج فى المعدة ولكن يدار على خروج شئ من السبيلين فان الاول غير مضبوط المقدار واذا تمكن لايرفعه الوضوء من خارج، والثانى معلوم بالحس، و ايضا فلمعنى انقباض النفس فيه شبح محسوس وخليفة ظاهرة وهى التلطخ بالنجاسة، وايضا انما يؤثر الوضوء عند زوال اشتغال النفس و ذلك بالخروج، وقد نبه النبى صلى الله عليه وسلم فى قوله لايصل احدكم و هو يدافع الاخبثين ان نفس الاشتغال فيه معنى من معانى الحدث، والامور التى فيها معنى الطهارة كثيرة كالتطيب والاذكار المذكرة لهذه الخلة كقوله اللهم اجعلنى من التوابين واجعلنى من المتطهرين، وقوله اللهم نقنى من الخطايا كما نقيت الثوب الابيض من الدنس، والحلول بالمواضع المتبركة ونحو ذلك، لكن الذى يصلح ان يخاطب به جماهير الناس ما يكون منضبطا

ہونا چاہیے جو منضبط معین چیز ہو اور ہر وقت اور ہر جگہ
لوگوں کو حاصل ہو سکے اور بظاہر اس کا اثر معلوم ہوتا ہو
اور لوگوں میں اس کا دستور رہا ہو، وضوء کے اندر اصل
اعضاء کا دھونا ہے اس واسطے شارع نے منہ اور
دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا مقرر کیا کیونکہ اس
سے کم کا اثر محسوس نہیں ہوتا، اور پیروں کا ٹخنوں تک
دھونا مقرر کیا کیونکہ اس سے کم عضو نا تمام ہے اور
سر کے واسطے مسح مقرر کیا کیونکہ اس کے دھونے میں
ایک طرح کی دقت ہے، اور غسل کے اندر اصل تمام
بدن کا دھونا ہے، اور سبب وضوء میں اصل وہ شئی ہے
جو پیشاب، پاخانہ کے راستہ سے نکلے اور جو اس کے
علاوہ ہے وہ اسی پر محمول ہے، اور سببِ غسل میں اصل
جماع اور حیض ہے، اور گویا یہ دونوں امر نبی صلے اللہ
علیہ وسلم سے پیشتر عرب میں مسلّم تھے، اور طہارت کی
دوسری دونوں قسمیں تمدنی زندگی سے ماخوذ ہیں کیونکہ
یہ دونوں[1] اصل طبیعت انسانی کی مقتضیٰ ہیں، ان
سے کوئی قوم اور کوئی ملّت خالی نہیں ہے اور اس
بارے میں شارع نے عرب خالص کا اعتبار کیا
جن کو اوسط درجہ کی خوش حالی حاصل تھی جس طرح
اور باقی تمدنی زندگی درست کرنے میں انہیں کا
اعتبار کیا، پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سوائے
اس کے کوئی بات زیادہ نہیں کی کہ آداب معیّن
کر دیئے، جہاں اشکال تھا اس کو صاف کر دیا اور
جہاں ابہام تھا اس کا اندازہ کر دیا،

وضوء کا بیان:۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم

متيسر الهم كل حين وكل مكان، و
الذى يحس اثره بادى الراى، والذى
جرى عليه طوائف الامم، واصل
الوضوء غسل الاطراف فضبط الوجه
واليدين الى المرفقين لان دون ذلك
لايحس اثره والرجلين الى الكعبين،
لان دون ذلك ليس بعضو تام وجعل
وظيفة الراس المسح لان غسله نوع
من الحرج واصل الغسل تعميم البدن
بالغسل، واصل موجب الوضوء الخارج
من السبيلين وما سوى ذلك محمول
عليه، واصل موجب الغسل الجماع
والحيض، وكان هذين الامرين كانا
مسلمين فى العرب قبل النبى صلى الله
عليه وسلم، واما القسمان الاخران
من الطهارة فماخوذان من الارتفاقات
فانهما من مقتضى اصل طبيعة الانسان
لاينفك عنهما قوم ولا ملة، والشارع
اعتمد فى ذلك على ما عند العرب القح
من الرفاهية المتوسطة كما اعتمد
عليه فى سائر ما ضبط من الارتفاقات
فلم يزد النبى صلى الله عليه واله و
سلم على تعيين الاداب وتميز المشكل
وتقدير المبهم؛

فصل فى الوضوء:۔ قال النبى صلى

[1] تطییب اور حلول۔ ۱۲۔

نے فرمایا" طہارت نصف ایمان ہے"،

میں کہتا ہوں یہاں ایمان سے ایک ایسی ہیئتِ نفسانیہ مراد ہے جو نور طہارت اور خشوع سے مرکب ہے، اور لفظ احسان اس معنی میں ایمان سے زیادہ واضح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ طہارت اس کا نصف ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس شخص نے وضوء کیا اور اچھی طرح سے کیا تو اس کے گناہ اس کے جسم سے نکل جاتے ہیں حتی کہ اس کے ناخونوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں"۔

میں کہتا ہوں وہ پاکیزگی جو اصل نفس میں اثر کرتی ہے نفس کو مقدس کر کے ملائکہ کے ساتھ ملحق کر دیتی ہے اور بہت سے ناپاک حالات کو محو کر دیتی ہے پس اس پاکیزگی کی خاصیت ہی وضوء کی خاصیت کر دی گئی جو طہارت کی صورت اور اس کا مظنہ اور اس کا عنوان ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز میری امت کو پکارا جائیگا اور وضوء کے آثار سے ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں روشن ہوں گے پس تم میں سے جو کوئی اپنا نور بڑھا سکے وہ بڑھالے"، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جہاں تک وضوء کا پانی پہنچیگا وہیں تک مومن کو جنت کا زیور پہنایا جائیگا"،

میں کہتا ہوں جبکہ طہارت کی صورت پانچ اعضاء کے ساتھ متعلق تھی تو نفس کا طہارت کے ساتھ تنعم حاصل کرنا ان اعضاء کیلئے زیور اور روشن ہونے کی صورت میں ظاہر ہوا جس طرح بزدلی خرگوش کی صورت میں اور شجاعت شیر کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" مومن کے سوا وضوء پر کوئی مداومت نہیں کر سکتا"،

الله علیه وسلم الطهور شطر الایمان، اقول المراد بالایمان ههنا هیئة نفسانیة مرکبة من نور الطهارة والاخبات، والاحسان اوضح منه فی هذا المعنی، ولاشك ان الطهور شطره، قوله صلی الله علیه وسلم من توضأ فاحسن الوضوء خرجت خطایاه من جسده حتے تخرج من تحت اظفاره، اقول النظافة المؤثرة فی جذر النفس تقدس النفس وتلحقها بالملائکة، وتنسی کثیرا من الحالات الدنسیة فجعلت خاصیتها خاصیة للوضوء الذی هو شبحها ومظنتها وعنوانها، قوله صلے الله علیه وسلم ان امتی یدعون یوم القیامة غرا محجلین من آثار الوضوء، فمن استطاع منکم ان یطیل غرته فلیفعل، وقوله صلے الله علیه وسلم تبلغ الحلیة من المؤمن حیث یبلغ الوضوء، اقول لما کان شبح الطهارة ما یتعلق بالاعضاء الخمسة تمثل تنعم النفس بها حلیة لتلك الاعضاء وغرة و تحجیلا کما یتمثل الجبن وبراو الشجاعة اسدا، قوله صلے الله علیه وسلم لا یحافظ علی الوضوء الا مؤمن، اقول

میں کہتا ہوں جب وضوء پر مداومت ایک دشوار امر تھا جس کو وہی شخص کرسکتا ہے جس کو طہارت کے بارے میں بصیرت حاصل ہو اور اس کے نفع عظیم کا اس کو یقین ہو اس لئے اس کی مداومت کو ایمان کی علامت بنادیا گیا،

کیفیتِ وضوء کا بیان

وضوء کی کیفیت جس طرح حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن زید وغیرہم رضی اللہ عنہم نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بیان کی ہے بلکہ جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بالتواتر ثابت ہے اور امت نے اس پر اتفاق کیا یہ ہے کہ پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پیشتر اپنے دونوں ہاتھ دھوئے اور کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے اور اس کو صاف کرے اس کے بعد اپنا منہ دھوئے پھر اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے پھر سر کا مسح کرے پھر اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے،

اور ان لوگوں کے قول کا کوئی اعتبار نہیں جن میں گمراہی سرایت کرگئی اور انہوں نے ظاہر آیت سے استدلال کرکے پاؤں کے دھونے سے انکار کردیا کیونکہ میرے نزدیک جو شخص ایسی بات کہے اور وہ شخص جو جنگ بدر یا جنگ احد سے جو آفتاب فی رابعۃ النہار کی طرح ثابت ہے منکر ہو دونوں برابر ہیں. ہاں، جو شخص یہ بات کہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ پاؤں کے دھونے کے ساتھ ان کا مسح بھی کرے یا یہ کہ ادنی فرض مسح کرنا ہے اگرچہ دھونا بھی ایسا ہے جس کا ترک کرنا

لما كانت المحافظة عليه شاقة لا تتأتى الا ممن كان على بصيرة من امر الطهارة موقنا بنفعها الجسيم جعلت علامة الايمان ؛

صفة الوضوء

صفة الوضوء على ما ذكره عثمان وعلي وعبد الله بن زيد وغيرهم رضي الله عنهم عن النبي صلى الله عليه وسلم بل تواتر عنه صلى الله عليه وسلم وتطابق عليه الامة ان يغسل يديه قبل ادخالهما الاناء ويتمضمض ويستنثر ويستنشق فيغسل وجهه فذراعيه الى المرفقين، فيمسح براسه فيغسل رجليه الى الكعبين، ولا عبرة بقوم تجارت بهم الاهواء فانكروا غسل الرجلين متمسكين بظاهر الاية، فانه لا فرق عندي بين من قال بهذا القول وبين من انكر غزوة بدر او احد مما هو كالشمس في رابعة النهار، نعم من قال بان الاحتياط الجمع بين الغسل والمسح او ان ادنى الفرض المسح، وان كان الغسل مما يلام

سخت قابل ملامت ہے تو یہ ایک ایسی بات ہے کہ علماء اس کے اندر جب تک کہ اصل حال منکشف نہ ہو توقف کر سکتے ہیں، اور مجھ کو کوئی ایسی صحیح روایت نہیں ملی جس میں یہ تصریح ہو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بغیر کلی کئے اور بغیر ناک میں پانی ڈالے اور بغیر ترتیب کے وضوء کیا، پس یہ وضوء میں نہایت مؤکد امور ہیں۔ اور یہ دونوں یعنی کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا خصال فطرت میں سے دو مستقل طہارتیں ہیں، جو وضوء کے ساتھ اس لئے ملا دی گئی ہیں کہ وضوء کے ساتھ ان کا ایک وقت معین رہے اور اس لئے کہ یہ دونوں جسم کے ان پوشیدہ حصوں میں سے ہیں جو خیال رکھنے کے قابل ہیں اور ان دونوں کا ساتھ ساتھ ہونا بہ نسبت جدا جدا ہونے کے زیادہ مناسب ہے، اور آداب وضوء چند امور میں منحصر ہیں ان میں سے ایک جسم کے ان پوشیدہ حصوں کا خیال رکھنا ہے جن میں بغیر تکلف کے پانی نہیں پہنچتا جیسے کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں اور ڈاڑھی میں خلال کرنا اور انگوٹھی کو حرکت دینا، اور ان میں سے ایک پاکیزگی کو پورا کرنا ہے جیسے تین تین مرتبہ دھونا اور جیسے خوب اوپر تک ہر عضو کا دھونا جو روشنی اور نور کا زیادہ کرنا ہے اور صاف کرنا اور وہ بدن کا ملنا ہے اور سر کے ساتھ دونوں کانوں کا مسح کرنا ہے اور وضوء پر وضوء کرنا ہے، اور ان میں سے ایک امور مہمہ کے اندر انکی عادت کی موافقت کرنا ہے جیسے دائیں عضو سے شروع کرنا اس لئے کہ دائیں کو بائیں پر قوت اور اولویت ہے پس ان امور میں جو دونوں سے تعلق رکھتے ہیں ابتداء کا حق بھی اسی کو حاصل ہے اور ان امور میں جو استعمال میں کسی ایک کے ساتھ تعلق رکھ سکتے ہیں انمیں سے صرف محاسن اور طیبات کو

اشد الملامة على تركه فذلك امر يمكن ان يتوقف فيه العلماء حتى تنكشف فيه جلية الحال، ولم اجد فى رواية صحيحة تصريحا بان النبى صلے الله عليه وسلم توضأ بغير مضمضة واستنشاق وترتيب، فهى متاكدة فى الوضوء غاية الوكادة، وهما طهارتان مستقلتان من خصال الفطرة ضمتا مع الوضوء ليكون ذلك توقيتا لهما، ولانهما من باب تعهد المغابن والوصل بينهما اصح من الفصل، وآداب الوضوء ترجع الى معان، منها تعهد المغابن التى لا يصل اليها الماء الا بعناية كالمضمضة والاستنشاق وتخليل اصابع اليدين والرجلين واللحية وتحريك الخاتم، ومنها اكمال التنظيف كتثليث الغسل وكالاسباغ وهو اطالة الغرة، والتحجيل والانقاء والدلك، ومسح الاذنين مع الراس والوضوء على الوضوء ومنها موافقة عاداتهم فى الامور المهمة كالبداءة بالايمان فان اليمين اقوى واولى فكان احق بالبداءة فيما كان بهما واختصاصه بالطيبات والمحاسن دون اضدادها

دائیں کے ساتھ ہی خاص کرنا مناسب ہے، اور ان میں سے ایک دل کی کیفیت کا ان الفاظ کے ساتھ انضباط کرنا ہی جو صراحۃً مقصود پر دلالت کرتے ہیں، اور ذکر قلبی کے ساتھ ذکر لسانی کا ملانا ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس نے خدا کا ذکر نہیں کیا اس کا وضو نہیں ہوا،،

میں کہتا ہوں واقفین حدیث کا اس کی صحت پر اتفاق نہیں ہے اور اگر صحیح بھی سمجھی جائے تو یہ ان مواضع میں سے ہے جہاں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے سیکھنے کے طریقوں میں اختلاف واقع ہوا ہے، پس اہل اسلام ہمیشہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے وضو کو بیان کرتے رہے اور لوگوں کو سکھلاتے رہے اور بسم اللہ کا ذکر بھی نہیں کرتے تھے حتی کہ اہل حدیث کا زمانہ ظاہر ہوا، اور اس حدیث میں اس بات کی نص ہے کہ بسم اللہ یا تو وضو کا رکن ہے یا اس کی شرط ہے، اور دونوں وجہوں میں اس طرح مطابقت ہو سکتی ہے کہ حدیث میں ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے کیونکہ بغیر نیت کے اعمال مقبول نہیں ہوتے، اور اس وقت وضو سے نفس کا رنگین ہونا مراد ہے اور وضو اپنے ظاہر معنی میں مراد نہیں ہے ہاں تسمیہ ایک امر مستحب ہے جیسے اور مستحبات ہیں کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو مہتم بالشان کام خدا کے نام سے شروع نہ کیا جائے تو وہ خراب ہوتا ہے،، اور بہت سے مواضع پر قیاس کرنے سے اس کا آداب میں داخل ہونا ثابت ہو سکتا ہے، اور لا وضو کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اس کا وضو کامل نہیں ہوتا، لیکن میں ایسی تاویل کو پسند نہیں کرتا کیونکہ یہ ایک ایسی بعید تاویل ہے جو اصل لفظ کے مخالف ہے،

فيما كان باحد اهما، ومنها ضبط فعل القلب بالفاظ صريحة فى المراد وضم الذكر اللسانى مع القلب، قوله صلى الله عليه وسلم لا وضوء لمن لم يذكر الله، اقول هذا الحديث لم يجمع اهل المعرفة بالحديث على تصحيحه وعلى تقدير صحته، فهو من المواضع التى اختلف فيها طريق التلقى من النبى صلى الله عليه وسلم فقد استمر المسلمون يحكون الوضوء النبى صلى الله عليه وآله وسلم ويعلمون الناس، ولا يذكرون التسمية حتى ظهر زمان اهل الحديث، وهو نص على ان التسمية ركن اوشرط، ويمكن ان يجمع بين الوجهين بان المراد هو التذكر بالقلب فان العبادات لا تقبل الا بالنية، وحينئذ يكون صيغة لا وضوء على ظاهرها، نعم التسمية ادب كسائر الآداب لقوله صلى الله عليه وآله وسلم كل امرذى بال لم يبدأ باسم الله فهو ابتر، وقياسا على مواضع كثيرة، ويحتمل ان يكون المعنى لا يكمل الوضوء لكن لا ارتضى مثل هذا التاويل فانه من التاويل البعيد الذى يعود بالمخالفة على اللفظ، قوله

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" کیونکہ اس کو معلوم نہیں ہے کہ اس کا ہاتھ رات بھر کہاں پڑا رہا ہے،

میں کہتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھوں کو دھوئے ہوئے بہت دیر ہوجانے اور بہت دیر تک ان سے بے خبر رہنے میں ظن غالب ہے کہ نجاست اور میل کچیل ان تک پہنچا ہو جس کی وجہ سے اس کے ساتھ ہاتھوں کا پانی میں ڈالدینا پانی کو ناپاک کردینا یا مکدر کردینا یا اس میں کراہت پیدا کردینا ہے، اور پانی میں پھونک مارنے سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جو منع فرمایا ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو صبح تک سوتا ہے تو شیطان اس کی ناک پر رات کو رہتا ہے،،

میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ نتھنوں میں بلغم اور مواد غلیظہ کا جمع ہوجانا کند ذہنی اور فکر میں نقصان کا سبب ہوتا ہے پس وہ شیطان کو وسوسہ ڈالنے کا اور اس شخص کو تدبر اذکار سے روکنے کا موقع دیتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ،، تم میں سے جو شخص وضو کرے اور پورا پورا کرے اور پھر اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اخیر تک پڑھے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ دعا پڑھے اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین، تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس میں سے چاہے داخل ہوجائے،،

میں کہتا ہوں طہارت کی روح بغیر اس کے حاصل نہیں ہوتی کہ عالم غیب کی طرف نفس کی توجہ ہو اور اس کی طلب میں پوری پوری کوشش ہو اس واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکیلئے ذکر مقرر فرمایا اور اس پر اس طہارت کے فائدہ کو مرتب فرمایا جو نفس کے اندر حاصل تھی

صلی اللہ علیہ وسلم فانہ لا یدری این باتت یدہ،

اقول معناہ ان بعد العھد بالتطھر والغفلۃ عنھما ملیا مظنۃ لوصول النجاسۃ والاوساخ الیھما، ممایکون ادخال الماء معہ تنجیسا لہ او تکدیرا وشناعۃ، وھو علۃ النھی عن النفخ فی الشراب، قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فان الشیطان یبیت علی خیشومہ،

اقول معناہ ان اجتماع المخاط والمواد الغلیظۃ فی الخیشوم سبب لتبلد الذھن وفساد الفکر، فیکون امکن لتاثیر الشیطان بالوسوسۃ وصدہ عن تدبر الاذکار،

قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ما منکم من احد کم یتوضأ فیبلغ الوضوء ثم یقول اشھد الخ، وفی روایۃ اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین فتحت لہ ابواب الجنۃ الثمانیۃ یدخل من ایھا شاء،

اقول روح الطھارۃ لا یتم الا بتوجہ النفس الی عالم الغیب و استفراغ الجھد فی طلبھا، فضبط لذلک ذکرا ورتب علیہ ما ھو فائدۃ الطھارۃ الداخلۃ فی جذر النفس، قولہ صلی

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جس نے پورے طور پر وضو نہیں کیا تھا فرمایا "خرابی ہے ایڑیوں کو آگ سے"۔

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ جب اللہ تعالے نے ان اعضاء کا دھونا واجب کیا تو اس ایجاب نے اقتضاء کیا کہ دھونے کے معنی پائے جائیں پس جب اس نے بعض عضو کو دھویا اور پورے اس عضو کو نہیں دھویا تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس نے عضو کو دھولیا اور نیز آپ کے اس فرمانے میں سستی کا دروازہ بند کر دینا ہے، اور ایڑیوں میں آگ اس واسطے لگی کہ پے در پے ناپاکی کا ہونا اور اس کے دور کرنے پر اصرار کا پایا جانا ایسی خصلت ہے جس سے دوزخ کی آگ واجب ہوتی ہے اور ناپاکی سے طہارت حاصل کرنا اس آگ سے نجات کا اور گناہوں کے دور کرنے کا سبب ہے، پس جب ایک عضو میں طہارت کے معنی نہ پائے گئے اور اسمیں حکم الہی کی تعمیل نہ ہوئی تو یہ اس بات کا سبب بن گیا کہ اس خصلت کی وجہ سے جو نفس کے اندر خرابی کا سبب بنی ہے اس عضو کی طرف سے نفس کیلئے تکلیف ظاہر ہو، واللہ اعلم۔

الله عليه وسلم لمن لم يستوعب ويل للاعقاب من النار، اقول السر فيه ان الله تعالى لما اوجب غسل هذه الاعضاء اقتضى ذلك ان يحقق معناه، فاذا اغسل بعض العضو ولم يستوعب كله لا يصح ان يقال غسل العضو، وايضا فيه سد باب التهاون وانما تخللت النار في الاعقاب لان تراكم الحدث والاصرار على عدم ازالته خصلة موجبة للنار، والطهارة موجبة للنجاة منها وتكفير الخطايا، فاذا لم يحقق معنى الطهارة في عضو وخالف حكم الله فيه كان ذلك سبب ان يظهر تالم النفس بالخصلة الموجبة لفساد النفس من قبل هذا العضو والله اعلم

موجبات وضو کا بیان

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی جس کا وضو جاتا رہا یہاں تک کہ وہ وضو کرے" اور آپ نے فرمایا "بغیر طہارت کے نماز مقبول نہیں ہوتی" اور آپ نے فرمایا "نماز کی کنجی طہارت ہے"

میں کہتا ہوں ان سب احادیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ نماز کے لئے طہارت شرط ہے اور طہارت

مُوجِبَاتُ الوُضُوءِ

قوله صلى الله عليه وسلم:- لا تقبل صلاة من احدث حتى يتوضا وقوله صلى الله عليه وسلم،- لا تقبل صلاة بغير طهور، وقوله صلى الله عليه وآله وسلم مفتاح الصلاة الطهور- اقول كل ذلك تصريح باشتراط الطهارة، والطهارة

ایک مستقل عبادت ہے جو نماز کے ساتھ مقرر کر دی گئی ہے
کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کا فائدہ دوسرے پر
موقوف ہے، اور اس میں نماز کی جو منجملہ شعائر الٰہی کے ہے
تعظیم پائی جاتی ہے، ہماری شریعت میں وضو کو واجب
کرنے والے امور تین قسم کے ہیں، ان میں سے ایک قسم
وہ ہے جس پر جمہور صحابہ نے اتفاق کیا ہے اور اس میں
روایتیں متفق ہیں اور اس پر برابر عمل جاری ہے اور وہ بول
و براز ہے اور ریح اور مذی ہے اور غفلت کی نیند ہے
اور جو ان کے ہم معنی ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا "سُرین کا بندھن دونوں آنکھیں ہیں"، اور نبی صلے
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پس جب آدمی لیٹ جاتا ہے
تو اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں"،

میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ گہری نیند میں جوڑ
ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور ریح کے خارج ہونیکا گمان غالب
ہوتا ہے اور اس کے ساتھ میں ایک سبب اور بھی پاتا ہوں
وہ یہ ہے کہ نیند نفس کو سست کرتی ہے اور حدث جیسا
کام کرتی ہے، مذی کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا "اپنے آلہ تناسل کو دھولے اور وضو کرلے"،

میں کہتا ہوں اس میں شک نہیں کہ ملاعبت کرنے سے جو
مذی باہر آتی ہے اس میں شہوت کا پورا کرنا ہے جس کا درجہ شہوت
جماع سے کم ہے اس واسطے اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ ایسی
طہارت واجب کیجائے جو طہارت کبریٰ سے کم درجہ کی
ہو، جس شخص کو ریح کے خروج کا شک ہو اس کے بارے
میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تک آواز
نہ سنے یا بو نہ محسوس کرے مسجد سے باہر نہ جائے"،

طاعة مستقلة وقتت بالصلوة لتوقف
فائدة كل واحدة منهما على الاخرى
وفيه تعظيم امر الصلاة التي هي
من شعائر الله، وموجبات الوضوء
في شريعتنا على ثلاث درجات،
احداها ما اجتمع عليه جمهور
الصحابة وتطابق فيه الرواية،
والعمل الشائع وهو البول والغائط
والريح والمذي والنوم الثقيل وما
في معناها. قوله صلى الله عليه وسلم
وكاء السه العينان، وقوله صلى الله
عليه وسلم فانه اذا اضطجع استرخت
مفاصله، اقول معناه ان النوم
الثقيل مظنة لاسترخاء الاعضاء
وخروج الحدث، واري ان مع ذلك
له سبب آخر، هو ان النوم يبلد
النفس ويفعل فعل الاحداث،
قوله صلى الله عليه وسلم في المذي
يغسل ذكره ويتوضأ، اقول لا شك
ان المذي الحاصل من الملاعبة قضاء
شهوة دون شهوة الجماع، فكان
من حقه ان يستوجب طهارة
دون الطهارة الكبرى، قوله صلى
الله عليه وآله وسلم في الشاك
لا يخرجن من المسجد حتى يسمع

صوتا او يجد ريحا، اقول معناه حتى يستيقن لما ادير الحكم على الخارج من السبيلين كان ذلك مقتضيا ان يميز بين ما هو هو في الحقيقة وبين ما هو مشتبه به وليس هو، والمقصود نفي التعمق الثانية ما اختلف فيه السلف من فقهاء الصحابة والتابعين وتعارض فيه الرواية عن النبي صلى الله عليه وسلم كمس الذكر لقوله صلى الله عليه وسلم من مس ذكره فليتوضا، قال به ابن عمر وسالم وعروة وغيرهم ورده على وابن مسعود وفقهاء الكوفة ولهم قوله صلى الله عليه وسلم هل هو الا بضعة منه ولم يجئ الثلج بكون احدهما منسوخا، ولمس المرأة قال به عمر وابن عمر وابن مسعود وابراهيم لقوله تعالى او لامستم النساء ولا يشهد له حديث بل يشهد حديث عائشة بخلافه لكن فيه نظر لان في اسناده انقطاعا، وعندي ان مثل هذه العلة انما تعتبر في مثل ترجيح احد الحديثين على الآخر ولا تعتبر في ترك حديث من غير تعارض والله اعلم۔

میں کہتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اس کو یقین نہ ہو جائے جبکہ وضو کے حکم کا مدار سبیلین سے کوئی چیز خارج ہونے پر ہے تو اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس شئی میں جو حقیقت میں ہے اور اس شئی میں جو مشتبہ ہے اور واقع میں نہیں ہے تمیز کیجائے اور اس سے مقصود تکلف اور شک کا دور کرنا ہے، اور موجبات وضو کی دوسری قسم وہ ہے جس میں فقہاء صحابہ اور تابعین سلف کا اختلاف ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایات مختلف مروی ہیں جیسے مس ذکر سے وضو کا واجب ہونا، اس واسطے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" جس شخص نے آلہ تناسل کو ہاتھ لگایا اس کو وضو کرنا چاہیے " حضرت عبداللہ بن عمر اور سالم اور عروہ وغیرہم کا یہی قول ہے، اور حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود اور فقہاء کوفہ نے اس کو رد کر دیا اور ان کے لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول دلیل ہے " وہ بھی بدن کا ایک ٹکڑا ہے " اور دونوں حدیثوں میں سے کسی ایک کا منسوخ ہونا یقینی نہیں ہے، اور جیسے عورت کو ہاتھ لگانا، حضرت عمر اور ابن عمر اور ابن مسعود اور ابراہیم عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو کے وجوب کے قائل ہیں اس واسطے کہ اللہ تعالے کا فرمان ہے " یا عورتوں کو تم نے چھوا ہو " اور کوئی حدیث اس کی شاہد نہیں ہے بلکہ حضرت عائشہ کی حدیث اسکے خلاف شہادت دیتی ہے لیکن اس حدیث میں کلام ہے کیونکہ اسکی سند منقطع ہے اور میرے نزدیک اس قسم کی علت یعنی حدیث کی اسناد کا منقطع ہونا اس وقت معتبر ہے جب ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دی جائے اور جبکہ دوسری حدیث نہ ہونے سے تعارض نہ ہو تو اس ایک حدیث کو ترک کرنے کے لئے اس علت کا کچھ اعتبار نہ کیا جائے گا، واللہ اعلم۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے نزدیک جنابت میں تیمم کرنا درست نہیں ہے اس واسطے ان کے نزدیک یہ آیت لمس پر محمول ہے لیکن حضرت عمران اور عمار اور عمرو ابن العاص کے نزدیک جنابت میں تیمم کرنا درست ہے اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمر احتیاط پر عمل کرتے تھے اور ابراہیم عبداللہ ابن مسعودؓ کی پیروی کرتے تھے حتی کہ امام ابوحنیفہؒ پر اس دلیل کا حال ظاہر ہو گیا جس سے عبداللہ بن مسعودؓ نے تمسک کیا تھا تب ابوحنیفہؒ نے ان کے قول کو ترک کر دیا باوجودیکہ وہ ابراہیم کے مذہب کا بہت اتباع کرتے تھے،

حاصل کلام یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں یعنی مس ذکر اور لمس میں صحابہ اور تابعین کے بعد فقہاء کے تین طبقے ہو گئے، ایک طبقہ نے ان کے ظاہر کو لیا اور ایک نے بالکل ہی ترک کر دیا اور ایک نے شہوت اور عدم شہوت سے ہاتھ لگانے کا فرق کیا۔، اور ابراہیم کے نزدیک بہتے ہوئے خون کے نکلنے اور قی کثیر سے وضوء لازم آتا ہے اور حسن کے نزدیک نماز میں قہقہہ لگانے سے وضوء لازم آتا ہے اور دوسرے لوگ اس کے قائل نہیں ہیں، اور ان سب کے بارے میں احادیث ہیں جن کی صحت پر علماء حدیث نے اتفاق نہیں کیا ہے،

اور اصح یہ ہے کہ جس نے احتیاط کی اس نے اپنے دین کو اور عزت کو محفوظ رکھا اور جس نے احتیاط نہ کی تو شریعت میں اس پر کوئی جرم نہیں،

اور اس میں شبہہ نہیں ہے کہ عورت کو ہاتھ لگانے سے ہیجان شہوت ہوتا ہے جو اس شہوت کے پورا کرنے کا مظنہ ہے جو شہوت جماع سے کمتر ہے،

وكان عمر وابن مسعود لا يريان التيمم عن الجنابة فتعين حمل الآية عندهما على اللمس لكن صح التيمم عنها عن عمران وعمار وعمرو بن العاص وانعقد عليه الاجماع، وكان ابن عمر يذهب الى الاحتياط، وكان ابراهيم يقلد ابن مسعود حتى وضح على ابى حنيفة حال الدليل الذى تمسك به ابن مسعود فترك قوله مع شدة اتباعه مذهب ابراهيم، وبالجملة فجاء الفقهاء من بعدهم فى هذين على ثلاث طبقات، آخذ به على ظاهره، وتارك له راسا، وفارق بين الشهوة وغيرها، وقال ابراهيم بالوضوء من الدم السائل والقى الكثير، والحسن بالوضوء من القهقهة فى الصلوة ولم يقل بذلك آخرون، وفى كل ذلك حديث لم يجمع اهل المعرفة بالحديث على تصحيحه، والاصح فى هذه ان من احتاط فقد استبرأ لدينه وعرضه ومن لا فلا سبيل عليه فى صراح الشريعة، ولا شبهة ان لمس المرأة مهيج للشهوة مظنة لقضاء شهوة دون شهوة الجماع وان مس

اور آلہ تناسُل کا چھونا بھی ایک بیہودہ فعل ہے اسی وجہ سے
استنجاء کے وقت داہنے ہاتھ سے اس کا چھونا منع ہے اور
جبکہ وہ آلہ تناسل کو پکڑ لے تو وہ ضرور ایک شیطانی کام ہے
اور بہتا ہوا خون اور قئ کثیر بدن کو آلودہ کرنے والی اور نفس کو
پلید کرنے والی چیزیں ہیں، اور نماز میں قہقہہ لگانا ایک گناہ
ہے جس کا کفارہ ہونا چاہئے پس کوئی تعجب کی بات نہیں
کہ شارع نے ان چیزوں میں وضوء کا حکم دیا ہو، اور نہ اس
میں تعجب ہے کہ اس نے حکم نہ دیا ہو، اور اس میں بھی تعجب
نہیں کہ وضوء کی ترغیب دی ہو اور اس کو واجب نہ کیا ہو،
اور موجبات وضوء کی تیسری قسم وہ ہے جس میں حدیث
کے لفظ سے شبہۂ وجوب پایا جاتا ہے اور فقہاء صحابہ اور
تابعین نے اس کے ترک پر اتفاق کیا ہے جیسے آگ کی
پکی ہوئی چیز کھانے سے وضوء کرنا، کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ
وسلم اور خلفاء، اور ابن عباس اور ابو طلحہ وغیرہم کا عمل اس
کے خلاف ثابت ہو گیا ہے، اور حضرت جابرؓ نے بیان کیا
کہ یہ حدیث منسوخ ہے، اور آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے
سے وضوء کرنے کا سبب یہ تھا کہ یہ وہ ارتفاق کامل ہے
جو ملائکہ سے عمل میں نہیں آتا پس یہ ملائکہ کے ساتھ مشابہت
کے منقطع ہو جانے کا سبب ہوتا ہے، علاوہ بریں آگ
سے پکی ہوئی چیز دوزخ کی آگ کو یاد دلاتی ہے اور
اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بلا ضرورت داغ دینے سے
منع فرمایا، پس اس واسطے انسان کو اپنا دل اس قسم ثالث
کے ساتھ مشغول نہ کرنا چاہئے، لیکن اونٹ کا گوشت
کھانے سے وضوء کا حکم دینا، پس اس میں دقت ہے،
فقہاء صحابہ اور تابعین میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ہوا

الذكر فعل شنيع ولذلك جاء النهي
عن مس الذكر بيمينه في الاستنجاء
فاذا كان قبضا عليه كان من افعال
الشياطين لا محالة، والدم السائل
والقي الكثير ملوثان للبدن مبلدان
للنفس، والقهقهة في الصلاة خطيئة
تحتاج الى كفارة فلا عجب ان يامر
الشارع بالوضوء من هذه ولا عجب
ان لا يامر ولا عجب ان يرغب فيه
من غير عزيمة، والثالثة ما وجد
فيه شبهة من لفظ الحديث وقد
اجمع الفقهاء من الصحابة والتابعين
على تركه كالوضوء مما مسته النار
فانه ظهر عمل النبي صلى الله عليه
وسلم والخلفاء وابن عباس وابي
طلحة وغيرهم بخلافه وبين جابر
انه منسوخ، وكان السبب في الوضوء
منه انه ارتفاق كامل لا يفعل
مثله الملائكة فيكون سببا لانقطاع
مشابهتهم، وايضا فما يطبخ بالنار
يذكر نار جهنم ولذلك نهى عن
الكي الا لضرورة فلذلك لا ينبغي
للانسان ان يشغل قلبه به اما لحم
الابل فالامر فيه اشد لم يقل به
احد من فقهاء الصحابة والتابعين ولا

اور نہ اس کو منسوخ کہہ سکتے ہیں پس اس لئے جس پر تخریج غالب ہے وہ اس کا قائل نہیں ہوا اور احمد و اسحاق اس کے قائل ہیں اور میرے نزدیک اس میں انسان کو احتیاط کرنا چاہیے، واللہ اعلم،

اور جو شخص کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء کا قائل ہے اس کے مذہب کے بموجب اس میں راز یہ ہے کہ اونٹ کا گوشت تورات میں حرام کیا گیا تھا اور تمام انبیاء بنی اسرائیل اس کی حرمت پر متفق ہے پس جب خدا تعالےٰ نے اس کو ہمارے لئے حلال کردیا تو دو وجہ سے وضوء کرنا مشروع کیا ایک تو یہ ہے کہ وضوء کرنے میں اس نعمت کا شکر ادا کرنا ہے جو اللہ نے اس کو مباح کرکے ہم پر کی ہے بعد اس کے کہ اللہ تعالےٰ ہم سے پیشتر کے لوگوں پر اس کو حرام کر چکا تھا، دوسری وجہ یہ ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل پر حرام ہونے کے بعد اس کی اباحت سے شاید کسی کے دل میں کچھ خطرہ سا پیدا ہو تو وضوء اس کا علاج ہو جائے کیونکہ حرمت سے ایسی اباحت کی طرف جس سے وضوء واجب ہو جائے انتقال کرنا لوگوں کے اطمینان نفوس کے لئے کسی قدر سہل ہے، اور میرے نزدیک یہ بات ہے کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا ؛

سبيل الى الحكم بنسخه فلذلك لم يقل به من يغلب عليه التخريج، وقال به احمد واسحٰق، وعندى انه ينبغى ان يحتاط فيه الانسان والله اعلم، والسر فى ايجاب الوضوء من لحوم الابل على قول من قال به انها كانت محرمة فى التوراة، واتفق جمهور انبياء بنى اسرائيل على تحريمها فلما اباحها الله لنا شرع الوضوء منها لمعنيين، احدهما ان يكون الوضوء شكرا لما انعم الله علينا من اباحتها بعد تحريمها على من قبلنا، وثانيهما ان يكون الوضوء علاجا لما عسى ان يختلج فى بعض الصدور من اباحتها بعد ما حرمها الانبياء من بنى اسرائيل فان النقل من التحريم الى كونه مباحا يجب منه الوضوء اقرب لاطمئنان نفوسهم، وعندى انه كان فى اول الاسلام ثم نسخ ؛

موزوں پر مسح کرنیکا بیان

جبکہ وضوء کا مبنیٰ ان اعضاء ظاہرہ کے دھونے پر تھا جو جلدی سے غبار آلود ہو جاتے ہیں اور پاؤں موزے پہننے کے وقت اعضاء باطنہ

المسح على الخفين

لما كان مبنى الوضوء على غسل الاعضاء الظاهرة التى تسرع اليها الاوساخ وكانت الرجلان تدخلان

میں داخل تھے اور موزوں کا پہننا عرب کے نزدیک ایک عادت متعارف تھی اور ہر نماز کے وقت ان کے اُتارنے میں دقت تھی اس واسطے ان کے پہننے کے وقت پاؤں کا دھونا فی الجملہ ساقط ہوگیا، اور چونکہ ایسی تدبیر اختیار کرنا جس کے ہوتے ہوئے نفس مطلوب کو آسانی سے نہ چھوڑ دیا کرے تیسیر ہی کی ایک قسم ہے اسی لئے شارع نے یہاں تدبیر کو تین طرح استعمال کیا ان میں سے ایک مسح کی مدت مقیم کے لئے ایک دن رات مقرر کرنا اور مسافر کے لئے تین دن اور تین رات مقرر کرنا ہے کیونکہ ایک دن رات خبر گیری کے لئے ایسی مناسب مقدار ہے جس کو لوگ بہت سے ایسے امور میں جن کی خبر گیری مقصود ہوتی ہے استعمال میں لاتے ہیں، اور تین دن رات کی مدت بھی ایسی ہی ہے پس یہ دونوں مقداریں مقیم اور مسافر پر وقت کے موافق تقسیم کردی گئیں، اور ان میں سے دوسری شرط یہ ہے کہ ان کو طہارت کی حالت میں پہنے تاکہ پہننے والے کے سامنے یہ تصور رہے کہ وہ دونوں پاؤں گویا اپنی پہلی طہارت پر باقی ہیں یہ سمجھ کر کہ پوشیدہ اعضاء کی طرف گرد و غبار کم پہنچتا ہے اور اس قسم کے خیالات نفس کے تنبیہ کرنے میں مؤثر ہوتے ہیں،

اور ان میں سے تیسری چیز یہ ہے کہ پاؤں کے دھونے کے عوض میں موزوں کے اوپر مسح کیا جائے تاکہ یادگار اور نمونہ باقی رہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے" اگر دین میں رائے کو دخل ہوتا تو موزوں کے نیچے کی طرف مسح کرنا اوپر کی جانب مسح کرنے سے بہتر تھا،

میں کہتا ہوں جبکہ مسح کرنا پاؤں کے دھونے کا نمونہ تھا اور اس کے سوا اس سے کچھ اور مقصود نہیں ہے اور زمین میں چلتے وقت موزوں

عند لبس الخفين في الأعضاء الباطنة وكان لبسهما عادة متعارفة عندهم ولا يخلو الأمر بخلعهما عند كل صلوة من حرج سقط غسلهما عند لبسهما في الجملة، ولما كان من باب التيسير الاحتيال بما لا تسترسل معه النفس بترك المطلوب استعمله الشارع ههنا من وجوه ثلاثة، احدها التوقيت بيوم وليلة للمقيم، وثلاثة ايام ولياليها للمسافر لان اليوم بليلة مقدار صالح للتعهد يستعمله الناس في كثير مما يريدون تعهده وكذلك ثلاثة ايام بلياليها فوزع المقداران على المقيم والمسافر لمكانهما من الحرج، والثاني اشتراط ان يكون لبسهما على طهارة ليتمثل بين عيني المكلف انهما كالباقي على الطهارة قياسا على قلة وصول الاوساخ الى الاعضاء المستورة وامثال هذه القياسات مؤثرة فيما يرجع الى تنبيه النفس، والثالث ان يمسح على ظاهرهما عوض الغسل ابقاء لمذكر ونموذج وقال علي رضي الله عنه لو كان الدين بالراي لكان اسفل الخف اولى بالمسح من اعلاه +

اقول لما كان المسح ابقاء لنموذج الغسل لا يراد منه الا ذلك وكان الاسفل مظنة لتلويث

کے نیچے کا حصہ ان کے ملوث ہونے کا مظنہ تھا تو اوپر کی جانب مسح کرنا اور نیچے کی جانب نہ کرنا معقول اور رائے کے موافق ہوا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اسرار شرعی کو سب لوگوں سے زیادہ جانتے تھے جیسا کہ ان کے کلام اور خطبوں سے معلوم ہوتا ہے لیکن انہوں نے رائے کے دخل کو روکنا چاہا تاکہ عام لوگ رائے سے اپنا دین نہ خراب کریں ٭

کیفیتِ غسل کا بیان

غسل کرنے کا طریقہ جیسا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت میمونہؓ نے روایت کیا ہے اور امت کا اس پر اتفاق ہے یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے قبل دھولے پھر اپنے بدن اور شرم گاہ سے نجاست کو دھو ڈالے بعد ازاں وضو کرے جس طرح نماز کے لئے وضو کرتے ہیں پھر اپنے سر میں انگلیوں سے خوب پانی پہنچائے پھر اپنے بدن پر پانی بہائے، صرف ایک بات میں اختلاف ہے کہ پاؤں بعد میں دھوئے یا پہلے دھوئے، اور بعض نے یہ فرق کیا ہے کہ جہاں غسل کا پانی جمع ہوتا ہے وہاں اس جگہ سے الگ ہوکر بعد میں دھوئے ورنہ پہلے دھولے،

ہاتھوں کو پہلے دھونے کی وجہ تو وضو میں پہلے بیان ہو چکی اور شرم گاہ کو دھونا اس واسطے ہے کہ پانی کے بہانے سے نجاست زیادہ نہ پھیل جائے اور اس کے دھونے میں دقت ہو جائے اور زیادہ پانی کی بھی ضرورت پڑے، اور نیز غسل خالص طہارت حدث کے لئے نہ ہوگا، اور وضو کرنا اسلئے ہے کہ طہارت کبریٰ کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ طہارت صغریٰ اور کچھ زیادہ طہارت پر مشتمل ہو تاکہ طہارت کی خصلت کیلئے نفس زیادہ بیدار رہے، اور نیز غسل کے اندر

الخفين عند المشي في الارض كان المسح على ظاهرهما دون باطنهما معقولا موافقا بالراى وكان رضي الله عنه من اعلم الناس بعامة معاني الشرائع كما يظهر من كلامه وخطبه لكن اراد ان يسد مدخل الراى لئلا يفسد العامة على نفسهم دينهم ٭

صفة الغسل

على ما روته عائشة وميمونة وتطابق عليه الامة ان يغسل يديه قبل ادخالهما الاناء ثم يغسل ما وجد من نجاسة على بدنه وفرجه ثم يتوضأ كما يتوضأ للصلاة ويتعهد راسه بالتخليل ثم يصب الماء على جسده، واختلفوا في حرف واحد يؤخر غسل القدمين اولا، وقيل بالفرق بين ما اذا كان في مستنقع من الارض وما اذا لم يكن كذلك، اما غسل اليدين فلما مر في الوضوء، واما غسل الفرج فلئلا تتكثر النجاسة باسالة الماء عليها فيعسر غسلها ويحتاج الى ماء كثير، وايضا لا يصفو الغسل لطهارة الحدث واما الوضوء فلان من حق الطهارة الكبرى ان تشتمل على الطهارة الصغرى وزيادة ليتضاعف تنبه النفس لخلة الطهارة، وايضا فالوضوء في

وضور کو وہ نسبت ہے جو وضوء کے اندر جوڑوں کی رعایت رکھنے کو ہے کیونکہ جب سر پر پانی ڈلے گا تو تمام اعضاء کو تکلف اور مشقت سے پورا پورا پہنچے گا، اور دونوں پاؤں کا بعد میں دھونا اس وجہ سے ہے کہ بلا فائدہ ان کو دوبارہ نہ دھونا پڑے، ہاں اول دھولینا بھی اس وجہ سے مناسب ہے کہ اس میں صورتِ وضوء کی محافظت ہوتی ہے، پھر غسل مستحبات سے کامل ہوتا ہے کہ بدن کو تین مرتبہ دھوئے اور بدن کو ملے اور جہاں پانی بہ تکلف پہنچتا ہے ان کا خیال رکھے اور پردہ کا اہتمام کرے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا تعالےٰ بہت حیا اور پردہ والا ہے"، اس کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ہوتی ہے "وہ حیا اور پردہ کو پسند کرتا ہے"، اور لوگوں سے پردہ کرنا تو واجب ہی ہے اور تنہائی میں بھی اس کو اس طرح سے ہونا کہ اگر کوئی شخص عادۃً اس کے پاس سے گذر جائے تو اس کا ستر نہ دیکھے مستحب ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے فرمایا "مشک میں بسا ہوا کپڑا لے اور اس سے پاکی حاصل کر" یعنی خون کے نشان کو اس کے ذریعہ تلاش کر،

میں کہتا ہوں: حائضہ کو مشک کی خوشبو لگانے کا حکم آپ نے کئی وجوہ سے فرمایا، ان میں سے ایک طہارت کا زیادہ پایا جانا ہے اس لئے کہ خوشبو بھی طہارت کا کام دیتی ہے، اور ہمیشہ خوشبو کا حکم اس واسطے نہیں دیا کہ اس میں لوگوں پر دقت ہے، اور ان میں سے ایک اس بدبو سے بچنا ہے جو حیض کے خون میں ہوتی ہے، اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ حیض کا گذرنا اور طہر کا شروع ہونا اولاد کی خواہش کا وقت ہے، اور خوشبو اس قوت کو ابھارتی ہے،

غسل کے لئے پانی کی مقدار ایک صاع سے پانچ مُد تک اور وضوء کیلئے ایک مُد مناسب ہے اس واسطے کہ متوسط جسموں میں یہ مقدار کافی ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الغسل من باب تعهد المغابن فانه اذا افاض على رأسه الماء لايستوعب الاطراف الابتعهد واعتناء، واما تأخير غسل القدمين فلئلا يتكرر غسلهما بلا فائدة اللهم الا المحافظة على صورة الوضوء، ثم كمل الغسل بالندب الى التثليث والدلك وتعهد المغابن وتاكيد الستر، قوله صلى الله عليه وسلم ان الله حيي ستير تفسيره قوله يحب الحياء والستر، والستر من اعين الناس واجب وكونه بحيث لو هجم انسان بالوجه المعتاد لم ير عورته مستحب، قوله صلى الله عليه وسلم خذي فرصة من مسك فتطهري بها، يعني تتبعي بها اثر الدم.

اقول انما امر الحائض بالفرصة الممسكة لمعان، منها زيادة الطهارة اذ الطيب يفعل فعل الطهارة وانما لم يسن في سائر الاوقات احترازا عن الحرج، ومنها ازالة الرائحة الكريهة التي لايخلو عنها الحيض، ومنها ان انقضاء الحيض والشروع في الطهر وقت ابتغاء الولد والطيب يهيج تلك القوة، واختار الصاع الى خمسة امداد للغسل، والمد للوضوء لان ذلك مقدار صالح في الاجسام المتوسطة قال النبي صلى الله عليه وسلم

دو ہر ہر بال کے نیچے جنابت ہے پس بالوں کو دھوؤ اور جلد
کو صاف کرو، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے جنابت
سے ایک بال کی جگہ کو بھی چھوڑ دیا اور اس کو نہ دھویا تو
اس جگہ کے ساتھ ایسا ایسا کیا جائے گا،

میں کہتا ہوں اس میں راز وہی ہے جو ہم نے
استیعاب وضوء میں بیان کیا کہ ایک ایک بال کی جگہ کو
دھونے میں غسل کے معنی کو ثابت کرنا ہے اور جنابت
پر باقی رہنا اور اس پر اصرار کرنا دخول نار کا سبب ہے
اور جس عضو سے غسل میں خلل واقع ہوا ہے اسی
عضو کی طرف سے نفس کو تکلیف ظاہر ہوگی،

موجبات غسل کا بیان

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب عورت
کے چاروں ہاتھ پاؤں کے درمیان بیٹھ گیا اور پھر اس
سے جماع کیا تو غسل واجب ہوگیا اگرچہ اسکو انزال
نہ ہووے،،

میں کہتا ہوں اس بات میں روایتیں مختلف ہیں
کہ آیا اکسال یعنی جماع بدون انزال کو اس جماع پر
محمول کر سکتے ہیں جو قضاء شہوت کے معنی میں کامل ہوتا
ہے یعنی اس جماع پر جو انزال کے ساتھ ہوتا ہے، پس
جو صحیح روایت سے ثابت ہے اور جس پر جمہور فقہاء
متفق ہیں یہ ہے کہ جس نے عورت سے جماع کیا تو دونوں
پر غسل واجب ہوگیا اگرچہ انزال نہ ہو، اور لوگوں نے
اس حدیث میں اور اس حدیث میں کہ غسل انزال سے
لازم آتا ہے، تطبیق دینے میں اختلاف کیا ہے، پس
حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ حدیث انما
الماء من الماء احتلام کے متعلق ہے مگر اسمیں کچھ کلام
ہے، اور حضرت ابی بن کعب نے فرمایا انزال سے ہی غسل کا لازم آنا

تحت كل شعرة جنابة فاغسلوا
الشعر وانقوا البشرة، وقوله صلى
الله عليه وسلم من ترك موضع
شعرة من الجنابة لم يغسلها
فعل بها كذا وكذا،

اقول سر ذلك مثل ما ذكرنا
في استيعاب الوضوء من انه تحقيق
لمعنى الغسل وان البقاء على الجنابة
والاصرار على ذلك موجبة للنار و
انه يظهر تألم النفس من قبل
العضو الذي جاء منه الخلل،

موجبات الغسل

قال رسول الله صلى الله عليه و
سلم اذا جلس بين شعبها الاربع
ثم جهدها فقد وجب الغسل وان
لم ينزل۔

اقول اختلفت الرواية هل
يحمل الاكسال اي الجماع من غير
انزال على الجماع الكامل في معنى
قضاء الشهوة اعني ما يكون معه
الانزال، والذي صح رواية وعليه
جمهور الفقهاء هو ان من جهدها
فقد وجب عليهما الغسل وان لم
ينزل، واختلفوا في كيفية الجمع
بين هذا الحديث وحديث انما
الماء من الماء فقال ابن عباس انما
الماء من الماء للاحتلام وفيه ما فيه
وقال ابي انما كان الماء من الماء

یہ رخصت ابتداء اسلام میں تھی پھر یہ رخصت نہیں رہی، اور حضرت عثمان، علی، طلحہ، زبیر، ابی بن کعب اور ابو ایوب رضی اللہ عنہم سے اس شخص کے بارے میں جو اپنی عورت سے جماع کرے اور اس کو انزال نہ ہو، مروی ہے کہ ان سب نے کہا ہے کہ وہ اپنے ذکر کو دھو ڈالے اور جس طرح نماز کے لئے وضوء کرتے ہیں اسی طرح وضوء کرلے، اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک یہ مرفوع ہے اور میرے نزدیک یہ بعید نہیں ہے کہ اس حدیث سے مباشرت[1] فاحشہ مراد لیجائے کیونکہ اس پر بھی جماع کا اطلاق ہوتا ہے، کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایک شخص کو اپنے کپڑے پر تری معلوم ہو اور اس کو احتلام کا ہونا یاد نہ ہو تو آپ نے جواب میں فرمایا "وہ غسل کرے" اور اس شخص کے متعلق دریافت کیا گیا کہ اس کو احتلام کا ہونا یاد ہو مگر تری نہ معلوم ہو تو آپ نے فرمایا "اس پر غسل نہیں ہے"

میں کہتا ہوں حکم کا مدار تری پر رکھا ہے خواب پر نہیں رکھا اس واسطے کہ خواب کبھی خیالی ہوتا ہے اور اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا، اور کبھی خواب قضاء شہوت ہوتی ہے اور وہ بغیر تری کے نہیں ہوتی، پس غسل کے حکم کا مدار تری پر ہی ہوسکتا ہے، نیز تری ایک ظاہر شئ ہے جس میں تعیین و انضباط کی صلاحیت ہے اور خواب کو آدمی اکثر بھول جاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ طہر اور حیض کی مدت کی زیادتی اور کمی مزاج اور غذا وغیرہما کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے اور اس کمی، بیشی کا ایسی شئ کے ساتھ انضباط نہیں ہوسکتا کہ کسی میں اس کے خلاف ہی نہ ہو، پس ضرور اصح یہی ہے کہ عورتوں کی عادت کو دیکھی جائے، پس جب وہ یہ سمجھیں کہ وہ حیض ہے تو وہ حیض ہے اور جب وہ یہ سمجھیں

رخصة في اول الاسلام، ثم نهي، و قد روي عن عثمان وعلي وطلحة والزبير وابي بن كعب وابي ايوب رضي الله عنهم فيمن جامع امراته ولم يمن قالوا يتوضأ كما يتوضأ للصلاة ويغسل ذكره، ورفع ذلك النبي صلى الله عليه وسلم ولا يبعد عندي ان يحمل ذلك على المباشرة الفاحشة فانه قد يطلق الجماع عليها، وسئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الرجل يجد البلل ولا يذكر الاحتلام، قال يغتسل، وعن الرجل الذي يرى انه قد احتلم ولا يجد بللا قال لا غسل عليه.

اقول انما ادار الحكم على البلل دون الرؤيا لان الرؤيا تكون تارة حديث نفس ولا تاثير له وتارة تكون قضاء شهوة ولا تكون بغير بلل فلا يصلح لادارة الحكم الا البلل، وايضا فان البلل شئ ظاهر يصلح للانضباط واما الرؤيا فانها كثيرا ما تنسى، ولا شك ان طول مدة الطهر والحيض وقصرها يختلفان باختلاف المزاج والغذاء ونحوهما ولا يكاد ان يضبطان بشئ مطرد فلا جرم ان الاصح هو الرجوع الى عادتهن فاذا راين انه حيض فهو حيض، فاذا راين

[1] یعنی بغیر انزال کے مجامعت کرنا ۱۲۔

کہ وہ استحاضہ ہے تو وہ استحاضہ ہے، اور اس بارے میں صحابہ اور تابعین کا جو اختلاف ہے تو اس کا باعث ہر ایک کا اندازہ اور تخمین ہے، حمنہ بنت جحش نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے استحاضہ کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو روئی کا ٹکڑہ رکھنے اور پٹی باندھنے کا حکم دیا اور دو باتوں میں سے ایک بات کا ان کو اختیار دیا الخ ؛

میں کہتا ہوں اصل اس باب میں یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ استحاضہ امور صحت میں سے نہیں ہے اور ان ایام میں نماز ترک کرنا ایک مدت دراز تک اس کے چھوڑ دینے کا باعث ہے تو آپ نے اس کو اسی پر محمول کرنے کا ارادہ فرمایا جو ان کے نزدیک معروف تھا، پس دو وجہیں ظاہر ہوئیں ایک تو یہ بات ظاہر ہوئی کہ یہ کوئی روگ ہے یعنی کوئی مرض ہے جس کا مقام پوشیدہ ہے اور وہ حیض نہیں ہے وہ نکسیر کے مانند ہے، پس تندرستی کی حالت میں ہر ماہ اس کے حیض و طہر کی جو مقدار ہوتی تھی آپ نے وہی مقرر فرمائی، اور اس وقت حیض کی استحاضہ سے تمیز ضروری ہے، تو انہیں یا تو رنگ سے تمیز ہوسکتی ہے پس گہرا رنگ مثلاً سیاہ حیض کا ہے یا عورت کے ایام سے جو اس کے نزدیک معروف تھے تمیز ہوسکتی ہے، اور دوسری بات یہ ظاہر ہوئی کہ یہ حیض فاسد ہے پس اس کے حیض ہونے کی وجہ سے تو یہ مناسب ہے کہ عورت کو ہر نماز کے وقت غسل کا حکم دیا جائے اور اگر ہر نماز کے لئے غسل کرنے میں دشواری ہو تو دو نمازوں کیلئے ایک غسل تو ضرور کرے، اور چونکہ وہ فاسد حیض ہے اس واسطے نماز سے مانع نہیں ہے اور روئی کا ٹکڑا رکھنے اور اس پر پٹی باندھ لینے میں یہ حکمت ہے کہ خون رکھے ہوئے روئی کے ٹکڑے سے لگے اور اس سے تجاوز نہ کرے، اور تاکہ خون اس کے بدن اور کپڑوں کو آلودہ نہ کرے، جمہور فقہاء نے پہلی بات[۲] پر فتویٰ دیا ہے بجز اس حالت کے جبکہ وہ ناممکن ہو ؛

انه استحاضة فهو استحاضة، و اختلاف الصحابة والتابعين في ذلك منشؤه الاستقراء والتقريب، واستفتت حمنة في الاستحاضة فامرها بالكرسف والتلجم و خيرها بين امرين الخ ؛

اقول الاصل في ذلك انه صلى الله عليه وسلم لما راى ان الاستحاضة ليست من الامور الصحية و ترك الصلاة فيها يؤدي الى اهمالها مدة مديدة اراد ان يحملها على الامر المعروف عندهم فبدا وجهان ؛ احدهما انها عرق اي داء خفي لمأخذ وليست حيضة بمنزلة الرعاف فردها الى ما كان في الصحة من حيضها وطهرها في كل شهر، و لا بد حينئذ من تمييز الحيضة عن غيرها، اما باللون فالاقوى كالاسود للحيض او بايامها المعروفة عندها، والثاني انها حيضة فاسدة، فلكونها حيضة ينبغي ان تؤمر بالغسل عند كل صلاة وان تعذر فعند كل صلاتين، ولكونها فاسدة لم تمنع الصلاة، والحكمة في الكرسف والتلجم ان يلحق الدم بما استقر في مكانه لا يعدوه ولئلا يصيب بدنها وثيابها، وافتى جمهور الفقهاء بالاول الا عند تعذره ؛

[illegible]

۔۔۔ کرے اور فجر کیلئے غسل کرے ۱۲، ۲ یعنی مستحاضہ ہر ماہ حیض کے چھ یا سات دن کے علاوہ باقی ایام میں وضو کر لیا کرے اور نماز پڑھ لیا کرے ۱۲،

ان امور کا بیان جو جنبی اور محدث کے لئے مباح ہیں اور ان امور کا بیان جو ان کے لئے مباح نہیں ہیں

جبکہ شعائر الٰہی کی تعظیم واجب ہے اور منجملہ شعائر کے نماز اور کعبہ اور قرآن ہیں، اور بڑی تعظیم یہ ہے کہ بدون طہارتِ کاملہ کے اور کسی نئے فعل سے نفس کو تنبیہ کئے بغیر آدمی ان چیزوں کے قریب نہ ہو اس لئے یہ امر ضروری ہو گیا کہ سوائے پاک آدمی کوئی ان کے قریب نہ ہو، اور قرآن کی تلاوت کے لئے وضو شرط نہیں کیا گیا کیونکہ ہر وقت قرآن کے پڑھنے کے ساتھ وضو کا لازم کرنا قرآن کے یاد کرنے اور اس کے سیکھنے میں مخل تھا اور اس دروازہ کا کھول دینا اور اس میں رغبت دلانا اور جو شخص قرآن یاد کرنا چاہے اس کے لئے آسانی کا کرنا بہت ضروری تھا اور جنابت کے بارے میں زیادہ تاکید واجب ہوئی پس جنابت کی حالت میں قرآن کا پڑھنا بھی جائز نہیں قرار دیا اور نہ جنبی اور حائض کو مسجد کے اندر جانا جائز ہوا کیونکہ مسجد نماز اور یاد الٰہی کے لئے مقرر کی گئی ہے اور وہ شعائر اسلام سے ہے اور وہ کعبہ کا ایک نمونہ ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنے میں طہارت شرط نہیں کی گئی کیونکہ ہر شی کی تعظیم اس کے مناسب ہوتی ہے، اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم ایک بشر تھے اور لوگوں کی طرح حدث اور جنابت آپ کو بھی عارض ہوتے تھے پس آپ کے پاس بیٹھنے میں طہارت کا شرط کرنا قلب موضوع ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " جس گھر میں تصویر یا کتا یا جنبی ہوتا ہے وہاں فرشتے

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

ما يباح للجنب و المحدث وما لا يباح لهما

لما كان تعظيم شعائر الله واجبا ومن الشعائر الصلاة، والكعبة و القران - وكان اعظم التعظيم ان لا يقرب منه الانسان الا بطهارة كاملة وتنبه النفس بفعل مستانف وجب ان لا يقربها الا متطهر، ولم يشترط الوضوء لقراءة القران لان التزام الوضوء عند كل قراءة يخل في حفظ القران وتلقيه، ولا بد من فتح هذا الباب والترغيب فيه و التخفيف على من اراد حفظه، و وجب ان يؤكد الامر في الحدث الاكبر فلا يجوز نفس القراءة ايضا، ولا ان يدخل المسجد جنب او حائض لان المسجد مهيا للصلوة والذكر، وهو من شعائر الاسلام و نموذج الكعبة، ولم تشترط الطهارة في مجالسة النبي صلى الله عليه وسلم لان كل شئ له تعظيم يناسبه و كان بشرا يعروه من الاحداث و الجنابة ما يعرو البشر، فكان اشتراط الطهارة في ذلك قلبا للموضوع ٭

قال النبي صلى الله عليه وسلم لا تدخل الملائكة بيتا فيه صورة

نہیں آتے "۔

میں کہتا ہوں مراد اس سے یہ ہے کہ فرشتے ان چیزوں سے نفرت کرتے ہیں اور صفاتِ تقدس اور بت پرستوں سے نفرت جن سے فرشتے متصف ہیں یہ چیزیں ان کی ضد ہیں اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس اس شخص کے بارے میں جس کو رات میں جنابت پیش آئے فرمایا "وضوء کر اور اپنے آلۂ تناسل کو دھو پھر سو جا"۔

میں کہتا ہوں چونکہ جنابت فرشتوں کی حالات کے منافی ہے تو مؤمن کے حق میں پسندیدہ یہ ہے کہ جنابت کے ساتھ اپنی ضروریات مثلاً سونے اور کھانے میں مشغول نہ رہے، اور جبکہ غسل کرنا مشکل تھا تو مناسب نہیں ہے کہ وضوء کو بھی ترک کر دے کیونکہ دونوں کی حالت طہارت میں ایک برابر ہے صرف فرق یہ ہے کہ شارع نے ان دونوں طہارتوں کو دونوں حدثوں پر تقسیم کر دیا ہے ۔

تیمم کا بیان

جبکہ احکام الہٰی میں خدا تعالےٰ کی یہ عادت ہے کہ بندوں پر جو کام مشکل ہوتا ہے وہ اس کو ان کے لئے آسان کر دیتا ہے اور آسانی کی سب سے مناسب صورت یہ ہے کہ جس چیز کے کرنے میں دقت ہو اس کو ساقط کر کے اس کا بدل قائم کر دیا جائے تاکہ لوگوں کے دل مطمئن ہو جائیں اور جس چیز کا وہ غایت درجہ التزام کر رہے تھے اس کو یکبارگی ترک کرنے سے ان کے دل پریشان نہ ہوں اور نہ ترکِ طہارت کے عادی ہوں تو اس واسطے خدا تعالےٰ نے مرض اور سفر میں وضوء اور غسل کو ساقط کر کے تیمم مقرر فرمایا، اور جبکہ یہ بات اس طرح تھی تو ملاء اعلیٰ میں وضوء اور غسل کی جگہ

ولا كلب ولا جنب ۔

اقول المراد ان هذه تنفر منها الملائكة وانها اضداد ما في الملائكة من الطهارة والتنفر من عبدة الاصنام، وقال النبي صلى الله عليه وآله وسلم فيمن تصيبه من الجنابة من الليل توضأ واغسل ذكرك ثم نم ۔

اقول لما كانت الجنابة منافية لهيئات الملائكة كان المرضي في حق المؤمن ان لا يسترسل في حوائجه من النوم والاكل مع الجنابة، واذا تعذرت الطهارة الكبرى لا ينبغي ان يدع الطهارة الصغرى لان امرهما واحد غير ان الشارع وزعهما على الحدثين ۔

التيمم

لما كان من سنة الله في شرائعه ان يسهل عليهم كل ما لا يستطيعونه، وكان احق انواع التيسير ان يسقط ما فيه حرج الى بدل لتطمئن نفوسهم، ولا تختلف الخواطر عليهم باهمال ما التزموه غاية الالتزام مرة واحدة ولا يألفوا ترك الطهارات، اسقط الوضوء والغسل في المرض والسفر الى التيمم، ولما كان ذلك كذلك نزل القضاء في الملأ الاعلى باقامة

تیمم کو مقرر کرنے کا حکم نازل ہوا، اور تیمم کے لئے ایک
وجودِ تشبیہی حاصل ہوا کہ وہ بھی جملہ طہارات میں سے
ایک طہارت ہے اور یہ حکم بھی ان امورِ عظام میں
سے ہے جن کی وجہ سے ملتِ مصطفوی تمام مللِ سابقہ
سے ممتاز ہے اور وہ حکم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان
ہے "جب ہم کو پانی نہ ملے تو زمین کی مٹی ہمارے لئے
پاک کرنے والی بنادی گئی"۔

میں کہتا ہوں تیمم کے لئے زمین کو اس لئے خاص
کیا کہ وہ کہیں ناپید نہیں ہے پس وہ وقت کے رفع
کرنے میں زیادہ مناسب ہے، اور زمین کو خاص کرنے
کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بعض اشیاء میں زمین پاک
کرنے والی ہے جیسے موزہ اور تلوار کو پانی کے ساتھ
دھونے کی بجائے مٹی میں ملنا بھی کافی ہوتا ہے، اور
ایک یہ بھی وجہ ہے کہ اس میں عاجزی پائی جاتی ہے
جیسے چہرہ کو مٹی میں آلود کرلیا اور یہ ذلت کی حالت
طلب عفو کے مناسب ہے، اور غسل اور وضوء کے
تیمم میں کوئی فرق نہیں کیا گیا اور نہ ہی تمام بدن پر خاک کا
ملنا مقرر کیا گیا کیونکہ جس شئی کا مقصد بظاہر سمجھ میں
نہ آئے اس کو موثر بالخاصیت بنانا ہی مناسب ہے
نہ کہ موثر بالمقدار، اس واسطے کہ اسی سے ایسے
محل میں اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے اور کیونکہ
تمام بدن کو مٹی میں لیٹ پوٹ کرنے میں بھی کچھ دقت
تھی اس واسطے اس کے مقرر کرنے سے پوری دقت
رفع نہیں ہوسکتی تھی، اور سخت سردی جس میں وضوء کرنے
سے مضرت ہو مرض کے حکم میں ہے، عمرو بن العاص
کی روایت کی ہوئی حدیث اس پر دلیل ہے، اور سفر
آیت میں قید نہیں ہے بلکہ سفر کو اسلئے ذکر کیا کہ وہ پانی کے نہ ملنے کی
ایسی صورت ہے جو جلد ذہن میں آتی ہے اور تیمم کے اندر مٹی کے
ساتھ پاؤں پر مسح کرنیکا حکم اسلئے نہیں دیا گیا کہ پاؤں گرد وغبار

التيمم مقام الوضوء والغسل، و
حصل له وجود تشبيهي انه طهارة
من الطهارات، وهذا القضاء احد
الامور العظام التي تميزت بها
الملة المصطفوية من سائر
الملل، وهو قوله صلى الله عليه
وسلم جعلت تربتها لنا طهورا
اذا لم نجد الماء.

اقول انما خص الارض لانها
لا تكاد تفقد، فهي احق ما يرفع
به الحرج، ولانها طهور فيه بعض
الاشياء كالخف والسيف بدلا
عن الغسل بالماء، ولان فيه
تذللا بمنزلة تعفير الوجه في
التراب، وهو يناسب طلب العفو
وانما لم يفرق بين بدل الغسل
والوضوء، ولم يشرع التمرغ لان
من حق ما لا يعقل معناه بادي
الراي ان يجعل كالمؤثر بالخاصية
دون المقدار، فانه هو الذي
اطمانت نفوسهم به في هذا
الباب، ولان التمرغ فيه بعض
الحرج فلا يصلح رافعا للحرج
بالكلية، وفي معنى المرض البرد
الضار لحديث عمرو بن العاص، و
السفر ليس بقيد، انما هو صورة
لعدم وجدان الماء يتبادر الى
الذهن وانما لم يؤمر بمسح الرجل
بالتراب لان الرجل محل الاوساخ

سے آلودہ ہی رہتے ہیں، اور حکم ایسی چیز کا دیا جاتا ہے جو پہلے سے حاصل نہ ہو تاکہ اس کے کرنے سے نفس کو تنبیہ حاصل ہو، اور تیمم کرنے کی ترکیب بھی منجملہ ان چیزوں کے ہے جن میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے معلوم کرنے کے طریق میں اختلاف ہوا، پس پیشتر اس سے کہ محدثین کا طریقہ مقرر ہو اکثر فقہاء تابعین وغیرہم اس پر متفق تھے کہ تیمم میں دو ضرب ہیں ایک ضرب منہ کے لئے اور دوسری کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لئے۔

بہر حال احادیث جو اس باب میں آئی ہیں ان سب میں اصح حدیث وہ ہے جو عمار نے روایت کی ہے کہ "تجھ کو اس قدر کافی تھا کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارتا پھر ان میں پھونک مارتا پھر دونوں ہاتھ منہ اور ہاتھوں پر پھیر لیتا۔"

اور عبداللہ بن عمر سے حدیث مروی ہے "تیمم میں دو ضربیں ہیں ایک ضرب منہ کے لئے اور ایک ضرب کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لئے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا عمل دونوں طرح منقول ہے اور دونوں حدیثوں میں تطبیق کی وجہ ظاہر ہے جس کی طرف لفظ 'انما یکفیك' اشارہ کرتا ہے، پس اول یعنی ایک ضرب پر اکتفاء کرنا تیمم کا ادنی درجہ ہے، اور ثانی یعنی تیمم میں دو ضربیں ہونا سنت کا درجہ ہے، اور تیمم کے بارے میں ان کے اختلاف کو اسی معنی پر حمل کرنا ممکن ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے فعل کی یہ بھی تاویل ہو سکتی ہے کہ آپ نے حضرت عمار کو یہ بات تعلیم فرمائی ہو کہ تیمم کے اندر ضرب کی وجہ سے ہاتھوں کو لگی ہوئی چیز کا بدن پر ملنا مشروع ہے نہ کہ خاک میں بدن کو آلودہ کرنا، اور اعضاء تیمم میں سے ممسوح کی مقدار بیان کرنا مقصود نہ ہو اور عدد ضرب کا بیان کرنا بھی مقصود نہ ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ قول جو آپ نے حضرت عمار سے فرمایا تھا اس معنی پر

وانما يؤمر بما ليس حاصلا ليحصل به التنبه، اما صفة التيمم فهو احد ما اختلف فيه طريق التلقي عن النبي صلى الله عليه وسلم، فان اكثر الفقهاء من التابعين و غيرهم قبل ان تمهد طريقة المحدثين على ان التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين ؛

اما الاحاديث فاصحها حديث عمار انما كان يكفيك ان تضرب بيديك الارض ثم تنفخ فيهما ثم تمسح بهما وجهك وكفيك، وروي من حديث ابن عمر التيمم ضربتان، ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين، وقد روي عمل النبي صلى الله عليه وسلم و الصحابة على الوجهين، ووجه الجمع ظاهر يرشد اليه لفظ انما يكفيك فالاول ادنى التيمم والثاني هو السنة وعلى ذلك يمكن ان يحمل اختلافهم في التيمم، ولا يبعد ان يكون تاويل فعله صلى الله عليه وسلم انه علم عمار ان المشروع في التيمم ايصال ما لصق باليدين بسبب الضربة دون التمرغ، ولم يرد بيان قدر الممسوح من اعضاء المتيمم ولا عدد الضربة، ولا يبعد ان يكون قوله لعمار ايضا محمولا على هذا

محمول ہو، اور اس کے معنی خاک میں لوٹنے کی بہ نسبت حصر کرنا ہے، اور ایسے مسئلہ میں انسان کو اس قول پر عمل کرنا مناسب ہے جس کی وجہ سے وہ یقیناً بری الذمہ ہو جائے، اور حضرت عمر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما جنابت سے تیمم کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے اور آیت "او لامستم النساء" کو لمس پر محمول کرتے تھے اور لمس کو ناقض وضو جانتے تھے لیکن عمران اور عمار کی حدیث اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے، اور میں نے کسی حدیث صحیح میں اس بات کی تصریح نہیں پائی کہ ہر فرض نماز کے لئے جدا تیمم کرنا فرض ہے اور نہ یہ کہ غلام آبق وغیرہ کے لئے تیمم جائز نہیں ہے یہ سب محض تخریجات کے قبیل سے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زخمی آدمی کے بارے میں فرمایا "اس کو کافی تھا کہ تیمم کرتا اور اپنے زخم پر پٹی باندھتا اور اس پر مسح کرلیتا اور باقی جسم کو دھوتا"۔

میں کہتا ہوں:۔ اس میں اشارہ ہے کہ تیمم جس طرح تمام بدن کا بدل ہے اسی طرح ایک عضو کا بھی بدل ہے کیونکہ وہ ایک مؤثر بالخاصیت شئی کی طرح ہے اور اس میں مسح کرنے کا حکم ہے جس کی وجہ ہم مسح علی الخفین میں بیان کرچکے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پاک مٹی مسلمان کے لئے وضو ہے اگرچہ اس کو دس برس تک پانی نہ ملے"۔

میں کہتا ہوں اس فرمانے سے وہم و تردد کا دروازہ بند کرنا ہے کیونکہ ایسی باتوں میں وہمی لوگ تردد کرتے ہیں اور رخصت کے بارے میں حکم الٰہی کی مخالفت کرتے ہیں۔

المعنى، وانما معناه الحصر بالنسبة الى التمرغ، وفي مثل هذه المسألة لا ينبغي ان يأخذ الانسان الا بما يخرج به من العهدة يقينا، وكان عمر، وابن مسعود رضي الله عنهما لا يريان التيمم عن الجنابة، وحملا الآية على اللمس وانه ينقض الوضوء لكن حديث عمران وعمار يشهدان بخلاف ذلك، ولم اجد في حديث صحيح تصريحا بانه يجب ان يتيمم لكل فريضة او لا يجوز التيمم للآبق ونحوه، وانما ذلك من التخريجات، قوله صلى الله عليه وسلم في الرجل المشجوج انما كان يكفيه ان يتيمم ويعصب على جرحه خرقة ثم يمسح عليها ويغسل سائر جسده۔

اقول فيه ان التيمم هو البدل عن العضو كتمام البدن لانه كالشئ المؤثر بالخاصية، وفيه الامر بالمسح لما ذكرنا في المسح على الخفين، قوله صلى الله عليه وسلم ان الصعيد الطيب وضوء المسلم وان لم يجد الماء عشر سنين۔

اقول المقصود منه سد باب التعمق، فان مثله يتعمق فيه المتعمقون ويخالفون حكم الله في الترخيص۔

آدابِ خلاء کا بیان

یہ آداب چند امور پر مشتمل ہیں، منجملہ ان کے ایک تعظیم قبلہ ہے اس کی نسبت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "جب تم بیت الخلاء میں جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو اور نہ پشت" اور اس میں ایک حکمت اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ دل کا تعظیم الٰہی کی طرف متوجہ ہونا چونکہ ایک باطنی امر تھا اس واسطے تعظیم قلبی کے قائم مقام ایک مظنہ ظاہرہ کا پایا جانا ضروری تھا پہلی شریعتوں میں یہ مظنہ ان عبادت خانوں میں داخل ہونا قرار دیا گیا تھا جو خدا تعالے کی عبادت کیلئے بنائے گئے تھے اور جو شعائر الٰہی اور دین الٰہی میں سے ہوتے تھے، ہماری شریعت نے قبلہ کی طرف منہ کرنا اور تکبیر کہنا اس کا مظنہ قرار دیا پس جبکہ خدا تعالے نے کعبہ کی طرف منہ کرنا تعظیم الٰہی کی طرف دل کی توجہ کا اور یاد الٰہی میں دل لگانے کا قائم مقام قرار دیا، اور قائم مقام ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ ہیئت اللہ تعالے کی یاد دلاتی ہے تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حکم سے یہ استنباط کرلیا کہ استقبالِ قبلہ کی ہیئت کو تعظیم الٰہی کے ساتھ مخصوص رہنا ضروری ہے اور وہ اس طرح کہ جو ہیئت نماز کی ہیئت کے بالکل مبائن اور منافی ہے اس میں استقبالِ قبلہ نہ کیا جائے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو بعض دفعہ قبلہ کی طرف چہرۂ مبارک کئے اور بعض دفعہ پشت مبارک کئے دیکھا گیا پس اسکی تطبیق اس طرح کی گئی کہ پیشاب پاخانہ کی حالت میں قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنا جنگل و میدان میں منع ہے اور آبادی میں منع نہیں ہے، اور اس طرح بھی تطبیق کی گئی کہ ممانعت سے مراد کراہت ہے اور یہی تطبیق زیادہ ظاہر ہے، منجملہ آداب کے پوری

آداب الخلاء

هي ترجع الى معان، منها تعظيم القبلة وهو قوله صلى الله عليه وسلم اذا اتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها وفيه حكمة اخرى، وهي انه لما كان توجه القلب الى تعظيم الله امرا خفيا لم يكن بد من اقامة مظنة ظاهرة مقامه، وكان الشرائع المتقدمة تجعل تلك المظنة الحلول بالصوامع المبنية لله تعالى التي صارت من شعائر الله ودينه، وجعلت شريعتنا المظنة استقبال القبلة والتكبير فلما جعل الله تعالى استقبال القبلة قائما مقام توجه القلب الى تعظيم الله وجمع الخاطر في ذكر الله وكان سبب اقامته ان هذه الهيئة تذكر الله استنبط النبي صلى الله عليه وسلم من هذا الحكم انه يجب ان يجعل هيئة الاستقبال مختصة بالتعظيم وذلك بان لا يستعمل في الهيئة المباينة للصلاة كل المباينة، وروى استقباله و استدباره، فجمع بتنزيل التحريم على الصحراء والاباحة على البنيان وجمع بحمل النهي على الكراهية و هو الاظهر، ومنها تحقيق معنى

پاکیزگی کا کرنا ہے اس واسطے تین پتھروں سے کم یعنی
تین دفعہ سے کم استنجا کرنے سے آپ نے منع فرمایا کیونکہ
غالباً تین دفعہ سے کم میں نجاست دور نہیں ہوتی، اور
پتھر کے ساتھ پانی سے استنجا کرنا مستحب ہے،

اور منجملہ آداب کے ان امور سے احتراز کرنا ہے
جن سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے جیسے لوگوں کی سایہ
کی جگہ میں یا ان کے راستہ میں یا ان کے بیٹھنے کی جگہ میں یا
رُکے ہوئے پانی میں پاخانہ کرنا، اور جیسے ہڈی سے استنجا
کرنا کیونکہ وہ جنات کی غذا ہے اور اسی طرح ان تمام
چیزوں سے استنجا کرنا ممنوع ہے جو کار آمد ہیں، اور
نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول نے کہ "لاعنین سے بچو"
یہ بات سمجھا دی کہ اس میں حکمت لوگوں کی لعنت اور
ان کی ایذا سے پرہیز کرنا ہے یا ان امور سے احتراز کرنا
ہے جن سے اپنی ذات کو تکلیف ہوتی ہے جیسے سوراخ
میں پیشاب کرنا کیونکہ اکثر وہ سوراخ سانپ یا اس جیسے
زہریلے جانور کی جگہ ہوتی ہے پس وہ اس میں سے نکل کر
کاٹ لیتا ہے، اور منجملہ آداب کے اچھی عادات کا اختیار
کرنا ہے پس دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے اور پیشاب کے
مقام کو دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے اور گوبر سے استنجا نہ کرے
اور پتھر لینے میں طاق عدد ملحوظ رکھے، اور منجملہ آداب کے
پردہ کا اہتمام کرنا ہے پس مناسب ہے کہ لوگوں سے دور
جا کر استنجا کرے تا کہ آواز نہ سُنائی دے اور نہ بو محسوس ہو
اور نہ اس کا ستر دکھائی دے اور جب تک زمین کے قریب
نہ ہو جائے اپنا کپڑا نہ ہٹائے اور مجتمع درختوں سے پردہ
کرے جو اس کے بدن کے نیچے کے حصہ کو چھپا لیں پس جس کو
ایسی آڑ نہ ملے تو ریت کی ایک ڈھیری لگائے اور اس کی طرف
پشت کر کے بیٹھ جائے کیونکہ شیطان انسانوں کے پاخانہ کی جگہ
سے مذاق کرتا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ شیطان کی جبلت میں افکار فاسدہ
اور اعمال شنیعہ داخل ہیں، اور منجملہ آداب کے بدن اور کپڑے کو

التنظيف، فورد النهي عن الاستنجاء
باقل من ثلاثة احجار، اى ثلاث
مسحات لانها لا تنقي غالبا واستحب
الجمع بين الحجر والماء، ومنها
الاحتراز عما يضر الناس كالتخلي
في ظل الناس وطريقهم ومتحدثهم
والماء الدائم والاستنجاء بالعظم
لانه طعام الجن، وكذا سائر ما
ينتفع به، وافهم قوله صلى الله
عليه واله وسلم اتقوا اللاعنين
ان الحكمة الاحتراز عن لعنهم و
تاذيهم او ما يضر بنفسه كالبول
في الجحر، فانه قد يكون ماوى
حية او مثلها فيخرج ويؤذي، و
منها اختيار محاسن العادات، فلا
يتمسح بيمينه ولا ياخذ ذكره
بيمينه ولا يستنجي برجيع ويوتر
في الاستجمار، ومنها رعاية الستر
فينبغي ان يبعد لئلا يسمع منه
صوت او يشم منه ريح او يرى
منه عورة ولا يرفع ثوبه حتى
يدنو من الارض ويستتر بمثل
حائش نخل مما يوارى اسافل
بدنه فمن لم يجد الا ان يجمع
كثيبا من رمل فليستتر به فان
الشيطان يلعب بمقاعد بني ادم
وذلك لان الشيطان جبل على
افكار فاسدة واعمال شنيعة
ومنها الاحتراز من ان يصيب بدنه

نجاست سے بچانا ہے اس کی نسبت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنا چاہے تو پیشاب کے لئے نرم جگہ تلاش کرے"۔

اور منجملہ آداب کے وسواس کا دور کرنا ہے اسکی نسبت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پس تم میں سے کوئی شخص اپنے نہانے کی جگہ پیشاب نہ کرے کیونکہ اکثر وسوسے اس سے پیدا ہوتے ہیں" اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے) فرمایا "کھڑے ہو کر پیشاب نہ کر"

میں کہتا ہوں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا اس لئے مکروہ ہے کہ اس سے بدن اور کپڑے پر چھینٹ پڑتی ہے اور یہ سنجیدگی اور عادات حسنہ کے منافی ہے اور اس میں ستر کھل جانیکا احتمال ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پائخانے شیاطین کے موجود رہنے کی جگہ ہیں پس جب کوئی پائخانہ میں آیا کرے تو وہ یہ کہہ لیا کرے 'اعوذ باللہ من الخبث والخبائث، اور جب پائخانہ سے باہر آئے تو کہے غفرانک ۔

میں کہتا ہوں پائخانہ میں جاتے وقت اللھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث پڑھنا مستحب ہے اس لئے کہ پائخانے شیاطین کے حاضر ہونے کی جگہ ہیں جہاں وہ آتے ہیں کیونکہ ان کو نجاست پسند ہے اور پائخانہ سے نکلتے وقت غفرانک کہنا مستحب ہے کیونکہ وہ ذکر الہی کے ترک کا اور شیاطین سے مخالطت کا وقت تھا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا" الحدیث،

میں کہتا ہوں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشاب سے پاکی حاصل کرنا واجب ہے اور اسکی صورت یہ ہے کہ پیشاب کرکے کچھ دیر رکا رہے اور پیشاب کے قطرے خارج کردے یہانتک کہ اسکو یقین ہو جائے کہ پیشاب کا کوئی قطرہ

او ثوبه نجاسة وهو قوله صلى الله عليه وآله وسلم اذا اراد احدكم ان يبول فليرتد لبوله ومنها ازالة الوسواس وهو قوله صلى الله عليه وآله وسلم فلا يبولن احدكم في مستحمه فان عامة الوسواس منه، وقوله صلى الله عليه وسلم لا تبل قائما

اقول انما كره البول قائما لانه يصيبه الرشاش ولانه ينافي الوقار ومحاسن العادات وهو مظنة انكشاف العورة، قوله صلى الله عليه وسلم ان الحشوش محتضرة فاذا اتى احدكم الخلاء فليقل اعوذ بالله من الخبث و الخبائث واذا خرج من الخلاء قال غفرانك ۔

اقول يستحب ان يقول عند الدخول اللهم اني اعوذ بك من الخبث والخبائث لان الحشوش محتضرة يحضرها الشياطين لانهم يحبون النجاسة وعند الخروج غفرانك لانه وقت ترك ذكر الله ومخالطة الشياطين، قوله صلى الله عليه وسلم اما احدهما فكان لا يستبرئ من البول الحديث

اقول فيه ان الاستبراء واجب وهو ان يمكث وينتر حتى يظن انه لم يبق في قصبة الذكر شئ من

آلۂ تناسل کی نالی میں باقی نہیں رہا، اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نجاست سے آلودہ رہنا اور ایسا کام کرنا جس سے آپس میں بگاڑ پیدا ہونا عذاب قبر کا باعث ہوتا ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک تر شاخ کو چیر کر دونوں قبروں میں سے ہر ایک قبر پر گاڑ دینا، سو اس میں راز یہ ہے کہ ایسا کرنا ان کے حق میں شفاعتِ مقیدہ تھا کیونکہ ان کے کفر کی وجہ سے شفاعتِ مطلقہ ان کیلئے ناممکن تھی،

خصالِ فطرت اور ان سے متعلق امور کا بیان

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دس باتیں فطرت میں سے ہیں، مونچھوں کا ترشوانا اور ڈاڑھی کا بڑھانا اور مسواک کرنا اور ناک میں پانی دینا اور ناخن کتروانا اور انگلیوں کے جوڑوں کا دھونا اور بغل کے بال اکھاڑنا اور موئے زیرناف کا مونڈنا اور پانی سے استنجاء کرنا، راوی کہتا ہے اور دسویں بات مجھ کو یاد نہیں رہی غالباً وہ کلی کرنا ہے،

میں کہتا ہوں یہ طہارتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہیں اور تمام امم حنیفیہ میں برابر جاری ہیں اور ان کے دلوں میں پیوست ہیں اور ان کے خالص عقائد میں داخل ہیں اور ہر زمانہ میں انہیں پر ان کی زندگی اور انہیں پر ان کی موت ہے اور اسی وجہ سے ان کا نام فطرت رکھا گیا ہے اور ملت حنیفیہ کے یہ شعائر ہیں اور ہر ملت کے لئے شعائر کا ہونا ضروری ہے جن سے ان کی پہچان ہوتی ہے اور جن پر ان سے مؤاخذہ ہوتا ہے تاکہ ان کی فرماں برداری اور نافرمانی بظاہر معلوم ہو جائے، اور شعائر میں اس شئی کا داخل کرنا مناسب ہے جو کثرت سے پائی جائے اور بار بار واقع ہوتی رہے اور ظاہر ہو اور اس میں بہت سی فوائد ہوں

البول، وفيه ان مخالطة النجاسة والعمل الذى يؤدى الى فساد ذات البين يوجب عذاب القبر اما شق الجريدة والغرز فى كل قبر فسره الشفاعة المقيدة اذ لم تتمكن المطلقة لكفرهما ؛

خصال الفطرة ومايتصل بها

قال النبى صلى الله عليه وسلم عشر من الفطرة، قص الشارب واعفاء اللحية والسواك والاستنشاق بالماء وقص الاظفار وغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانة وانتقاص الماء، يعنى الاستنجاء قال الراوى ونسيت العاشرة الا ان تكون المضمضة،

اقول هذه الطهارات منقولة عن ابراهيم عليه السلام متداولة فى طوائف الامم الحنيفية اشربت فى قلوبهم ودخلت فى صميم اعتقادهم عليها محياهم وعليها مماتهم عصرا بعد عصر ولذلك سميت بالفطرة وهذه شعائر الملة الحنيفية ولابد لكل ملة من شعائر يعرفون بها ويؤاخذون عليها ليكون طاعتها وعصيانها امرا محسوسا وانما ينبغى ان يجعل من الشعائر ما كثر وجوده وتكرر وقوعه وكان ظاهرا، وفيه فوائد

جن کو لوگوں کے اذہان خوب طرح سے قبول کرتے ہوں اور
ان فوائد کے بارے میں مختصراً یہ ہے کہ انسان کے جسم سے
بعض جگہ میں جو بال نکلتے ہیں وہ انقباض قلب میں وہی
کام کرتے ہیں جو احداث سے پیدا ہوتا ہے اور اسیطرح
سر اور ڈاڑھی کے بالوں کے پراگندہ ہونے سے بھی
دل منقبض ہوتا ہے اس باب میں انسان کو اطباء کے اس
کلام کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو انہوں نے مرض شری[1]
اور خارش اور ان کے علاوہ امراض جلدیہ کے متعلق بیان
کیا ہے کہ ایسے امراض سے دل مغموم رہتا ہے اور خوشی
جاتی رہتی ہے اور ڈاڑھی ایسی چیز ہے کہ اس سے بڑے چھوٹے
کی تمیز ہوتی ہے اور وہ مردوں کے لئے خوبصورتی اور اس کی
ہیئت کو مکمل کرنے والی ہے اس واسطے اس کا بڑھانا ضروری
ہے اور اس کا کتروانا مجوس کا طریقہ ہے اور اس میں خلق الٰہی
کا بدلدینا اور سردار و اہل عزت لوگوں کو کمتر لوگوں میں
شامل کردینا ہے اور جس کی مونچھیں بڑی ہو جاتی ہیں تو
انہیں کھانا پینا الکتا ہے اور ان میں میل جمع ہو جاتا ہے اور
یہ مجوس کا طریقہ ہے اور اس کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا "مشرکین کی مخالفت کرو، مونچھیں کترواؤ اور
ڈاڑھی بڑھاؤ" اور کلی کرنے اور ناک میں پانی پہنچانے اور
مسواک کرنے سے ناک کی کثافت اور بدبو دور ہوتی ہے
اور ختنہ کی کھال ایک زائد عضو ہوتا ہے جس میں میل اکٹھا
ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے پیشاب کے قطروں سے
پوری طہارت نہیں ہو سکتی اور لذت جماع کو بھی کم کرتا ہے
توریت میں مذکور ہے کہ ختنہ کرنا حضرت ابراہیم اور ان کی
اولاد پر خدا تعالے کی نشانی ہے، اس کے یہ معنی ہیں کہ بادشاہوں
کی عادت اس طرح جاری ہے کہ اپنے خاص خاص جانوروں
پر کچھ علامت کر دیتے ہیں تاکہ تمیز رہے اور ان غلاموں پر
جنکو آزاد کرنا منظور نہیں ہوتا کوئی نشانی کردیتے ہیں پس
اسی طرح سے ختنہ خدا تعالے کیطرف سے بندوں پر علامت ہے

جمة تقبله اذهان الناس اشد
قبول، والجملة فى ذلك ان بعض
الشعور النابتة من جسد الانسان
يفعل فعل الاحداث فى قبض
الخاطر، وكذا شعث الراس واللحية
وليرجع الانسان فى ذلك الى ماذكره
الاطباء فى الشرى والحكة وغيرهما
من الامراض الجلدية انها تحزن
القلب وتذهب النشاط، واللحية
هى الفارقة بين الصغير والكبير،
وهى جمال الفحول وتمام هيئتهم
فلابد من اعفائها وقصها سنة
المجوس وفيه تغيير خلق الله و
لحوق اهل السؤدد والكبرياء بالرعاء
ومن طالت شواربه تعلق الطعام
والشراب بها واجتمع فيها الاوساخ
وهو من سنة المجوس وهو قوله
صلى الله عليه واله وسلم خالفوا
المشركين قصوا الشارب واعفوا
اللحى، وفى المضمضة والاستنشاق
والسواك ازالة المخاط والبخر والغرلة
عضو زائد يجتمع فيها الوسخ ويمنع
الاستبراء من البول وينقص لذة
الجماع، وفى التوراة ان الختان
ميسم الله على ابراهيم وذريته،
معناه ان الملوك جرت عادتهم بان
يسموا ما يخصهم من الدواب لتميز
من غيرها والعبيد الذين لا يريدون
اعتاقهم فكذلك جعل الختان ميسما

[1] ایک مرض ہے جس میں بدن پر سرخ دانے نکل آتے ہیں ۱۲،

اور دیگر شعائر ایسے ہیں جن میں تبدیلی اور حیلہ کی گنجائش ہے اور ختنہ ایسا شعار ہے جس میں تبدیلی بہت مشکل ہے اور انتقاص الماء جو حدیث میں مذکور ہے اس سے مراد استنجاء کرنا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چار چیزیں رسولوں کی سنت میں سے ہیں:- حیا کرنا اور ایک روایت میں ختنہ کرنا آیا ہے، اور خوشبو لگانا اور مسواک کرنا اور نکاح کرنا"

میں کہتا ہوں میرے نزدیک یہ سب باتیں طہارت کے قبیل سے ہیں پس حیا، کے معنی بے شرمی بیہودگی اور برے افعال کا ترک کرنا ہے اور یہ امور نفس کو ملوث اور مکدر کرتے ہیں، اور خوشبو لگانا نفس میں سرور اور فرحت پیدا کرتا ہے اور اس سے طہارت پر بہت بڑی تنبیہ ہوتی ہے، اور نکاح کرنا عورتوں سے ملنے کی خواہش سے اور ان خیالات سے جو اس خواہش کے پورا کرنے کی طرف مائل کرتے ہیں باطن کو پاک رکھتا ہے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر میں اپنی امت پر دشوار نہ جانتا تو ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا"

میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر حرج کا ڈر نہ ہوتا تو مسواک کرنے کو وضوء کی طرح نماز کے لئے شرط کر دیتا، اور اسی طرح کی بہت سی احادیث وارد ہیں جو اس امر پر صاف دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کو حدود شرعیہ میں دخل ہے اور حدود شرعیہ مقاصد پر مبنی ہیں اور امت سے حرج کا رفع کرنا منجملہ ان اصول کے ہے جن پر احکام مبنی ہیں،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مسواک کرنے کی کیفیت بیان کرنے میں راوی کہتا ہے

علیهم وسائر الشعائر یمکن ان یبن خلها تغییر و تدلیس، والختان لا یتطرق الیه تغییر الا بجهد، و انتقاص الماء کنایة عن الاستنجاء به، قوله صلی الله علیه وسلم اربع من سنن المرسلین الحیاء ویروی الختان، والتعطر، والسواك والنكاح ؛

اقول اری ان هذه کلها من الطهارة فالحیاء ترك الوقاحة و البذاء والفواحش وهی تلوث النفس وتکدرها، والتعطر یهیج سرور النفس وانشراحها، وینبه علی الطهارة تنبیها قویا، والنکاح یطهر الباطن من التوقان الی النساء و دوران احادیث تمیل الی قضاء هذه الشهوة، قوله صلی الله علیه وسلم لولا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواك عند کل صلاة ؛

اقول معناه لولا خوف الحرج لجعلت السواك شرطا للصلاة کالوضوء، وقد ورد بهذا الاسلوب احادیث کثیرة جدا وهی دلائل واضحة علی ان لاجتهاد النبی صلی الله علیه وسلم مدخلا فی الحدود الشرعیة وانها منوطة بالمقاصد وان رفع الحرج من الاصول التی بنی علیها الشرائع، قول الراوی فی صفة تسوکه صلی الله علیه وسلم یقول

اع اع، کانه یتهوع۔

اقول ینبغی للانسان ان یبلغ بالسواك اقاصی الفم فیخرج بلاغم الحلق والصدر، والاستقصاء فی السواك یذهب بالقلاع ویصفی الصوت ویطیب النکهة، قوله صلی الله علیه وسلم حق علی کل مسلم ان یغتسل فی کل سبعة ایام یوما یغسل فیه جسده و راسه۔

اقول هذا یدل علی ان الاغتسال فی کل سبعة ایام سنة مستقلة شرعت لدفع الاوساخ والادران وتنبیه النفس لصفة الطهارة، وانما وقت لصلاة الجمعة لان کل واحد منهما یکمل بالآخر، وفیه تعظیم صلاة الجمعة، کان النبی صلی الله علیه وسلم یغتسل من اربع من الجنابة ویوم الجمعة ومن الحجامة ومن غسل المیت

اقول اما الحجامة فلان الدم کثیرا ما ینتشر علی الجسد ویتعسر غسل کل نقطة علی حدتها ولان المص بالملازم جاذب للدم من کل جانب فلا یفید نقص الدم من العضو، والغسل یزیل السیلان ویمنع انجذابه، واما غسل المیت فلان الرشاش ینتشر فی البدن وجلست عند محتضر فرایت ان

کہ آپ مسواک کرتے وقت اُع اُع کی آواز کرتے تھے جیسے کوئی قے کرتے وقت کرتا ہے،

میں کہتا ہوں: انسان کو مناسب ہے کہ اچھی طرح منہ کے اندر مسواک کرے اور حلق اور سینہ کا بلغم نکالے اور منہ میں خوب اندر تک مسواک کرنے سے مرض قلاع دور ہو جاتا ہے اور آواز صاف ہو جاتی ہے اور منہ خوشبودار ہو جاتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک دن نہا لیا کرے اور اس میں اپنا جسم اور سر دھو لیا کرے"

میں کہتا ہوں یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک دن غسل کرنا سنت مستقلہ ہے جو جسم سے میل کچیل دور کرنے کے لئے اور صفت طہارت پر نفس کی تنبیہ کے لئے مقرر کی گئی ہے اور جمعہ کی نماز کے لئے اس کی پابندی اس وجہ سے کی گئی کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے مکمل ہو جاتا ہے اور اس میں نماز جمعہ کی تعظیم بھی ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم چار چیزوں سے غسل فرمایا کرتے تھے ایک تو جنابت سے اور ایک جمعہ کے روز اور ایک پچھنے لگوانے کے بعد اور مردے کو نہلانے کے بعد،

میں کہتا ہوں: پچھنے لگوانے کے بعد تو اس لئے کہ خون اکثر جسم پر لگ جاتا ہے اور ہر ہر چھینٹ کا دھونا مشکل ہے اور اس لئے بھی کہ سینگی کے چوسنے سے ہر طرف سے خون کھچکر آتا ہے پس اس خاص عضو سے خون کے کم ہونے کا نفع نہیں ہوتا اور غسل خون کے بہنے کو بند کرتا ہے اور اطراف سے اس کے انجذاب کو موقوف کرتا ہے، اور غسل میت کے بعد نہانے کی وجہ یہ ہے کہ نہلانے میں جسم پر چھینٹیں پڑ جاتی ہیں، اور میں ایک شخص کے پاس جان کنی کے وقت بیٹھا

تو میں نے ان ملائکہ کیطرف سے جو ارواح کے قبض کرنے پر متعین ہیں حاضرین کی روحوں میں ایک عجیب قسم کی تکلیف کو دیکھا پس میں سمجھ گیا کہ حالت کا بدلنا ضروری ہے تاکہ نفس کو اس حالت کے مخالف حالت کے لئے تنبہ حاصل ہو جائے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جو اسلام لایا تھا پانی اور بیری کے پتوں سے نہانے کا حکم فرمایا اور دوسرے شخص سے فرمایا کہ "تو اپنے کفر سے کفر کے بال دور کر"

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ ایک شئی سے یعنی کفر سے باہر ہونا اسکے لئے خوب اچھی طرح متمثل ہو جائے واللہ اعلم

پانی کے احکام کا بیان

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص اس رکے ہوئے پانی میں جو بہتا نہیں ہے ہرگز پیشاب نہ کرے پھر اس میں غسل بھی کرلے،

میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ممانعت ہر ایک سے ہے یعنی پانی میں پیشاب کرنے سے بھی اور اس میں غسل کرنے سے بھی جیسے اس حدیث میں ہے "دو شخص پاخانہ کرنے کے لئے نہ جائیں کہ برہنہ ہو کر آپس میں باتیں کریں کیونکہ خدا تعالے اس سے ناخوش ہوتا ہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے جو فقط پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت مروی ہے اور دوسری حدیث جو اس پانی میں فقط غسل کی ممانعت میں مروی ہے اسی معنی کو ظاہر کرتی ہے، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ ان ہی سے ہر ایک دو باتوں میں سے ایک بات سے خالی نہیں ہے یا تو اسی وقت پانی میں تغیر آجاتا ہے یا وہ پانی کے تغیر کیطرف مفضی ہوتا ہے کہ لوگ اسکو پیشاب کرتا ہوا یا نہاتا ہوا دیکھیں گے اور وہ بھی ایسا ہی کرینگے اور ان دونوں باتوں میں سے ہر ایک منجملہ انہی صورتوں کے ہے جنکی نسبت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الملائكة الموكلة بقبض الارواح لها نكاية عجيبة في ارواح الحاضرين ففهمت انه لابد من تغيير الحالة لتتنبه النفس لمخالفها امر صلے الله عليه وسلم من اسلم بان يغتسل بماء وسدر، وقال لآخر الق عنك شعر الكفر؛

اقول سره ان يتمثل عنده الخروج من شئ اصرح ما يكون والله اعلم؛

احكام المياه

قوله صلے الله عليه وسلم لايبولن احدكم في الماء الدائم الذي لايجرى ثم يغتسل فيه؛

اقول معناه النهي عن كل واحد من البول في الماء والغسل فيه مثل حديث لايخرج الرجلان يضربان الغائط كاشفين عن عورتهما يتحدثان فان الله يمقت على ذلك ويبين ذلك رواية النهي عن البول في الماء فقط ورواية اخرى في النهي عن الاغتسال فقط والحكمة ان كل واحد منهما لايخلو من احد امرين، اما ان يغير الماء بالفعل او يفضي الى التغيير بان يراه الناس يفعل فيتتابعوا وهو بمنزلة اللاعنين اللهم الا ان

پانی بہت زیادہ ہو یا بہتا ہوا ہو، اور ہر حال میں ان باتوں سے پرہیز کرنا افضل ہے لیکن مستعمل پانی سو اسکو کوئی طہارت میں استعمال نہیں کرتی تھی اور وہ مہجور اور متروک سا سمجھا جاتا تھا پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو اسی حال پر رکھا جیسا ان کے نزدیک تھا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ پاک ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب پانی قلتین کو پہنچ جائے تو اپنے اوپر ناپاکی کو نہیں آنے دیتا،

میں کہتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ معنوی ناپاکی کو قبول نہیں کرتا یہ حکم شرع کے اعتبار سے ہے عرف وعادت کے اعتبار سے نہیں ہے اور جب نجاست کی وجہ سے پانی کا کوئی وصف بدل جائے اور کمیت یا کیفیت کے اعتبار سے نجاست کا اس پر غلبہ ہو جائے تو وہ اس حکم سے خارج ہے، اور قلتین کو کثیر اور قلیل پانی میں حد فاصل ایک ضروری امر کی وجہ سے قرار دیا ہے کہ اس کے بغیر چارہ ہی نہیں ہے اور وہ حد تحکما یا اٹکل سے مقرر نہیں کی گئی ہے اور ایسا ہی حال تمام مقادیر شرعیہ کا ہے کہ کسی میں اٹکل کو دخل نہیں ہے، اور وہ ضروری امر یہ ہے کہ پانی کے رہنے کی دو جگہ ہیں ایک معدن دوسرے برتن، معدن تو کنوئیں اور چشمے ہیں اور جھیل بھی انہیں میں شامل ہے، اور برتن، مشک اور مٹکے اور لگن اور ناند او مشکیزے ہیں،

اور معدن ایسی چیز ہے کہ اس کے ناپاک ہونے سے لوگوں کو ضرر ہوتا ہے اور اس کے پانی کو نکالنے میں لوگوں کو بڑی دقت ہوتی ہے اور برتن تو ہر روز پانی سے بھرے جاتے ہیں اور انکا پانی بہانے میں کچھ دقت نہیں ہوتی، اور معادن کے لئے نہ کوئی سرپوش ہے اور نہ ہی ان کو جانوروں کے

يكون الماء مستبحرا او جاريا، و العفاف افضل كل حال، واما الماء المستعمل فما كان احد من طوائف الناس يستعمله فی الطهارة وكان كالمهجور المطرود فابقاه النبی صلے الله عليه واله و سلم علی ما كان عندهم ولا شك انه طاهر، قوله صلے الله عليه و سلم اذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثا ٭

اقول معناه لم يحمل خبثا معنويا انما يحكم به الشرع دون العرف والعادة فاذا تغير احد اوصافه بالنجاسة وفحشت النجاسة كما او كيفا فليس مما ذكر، وانما جعل القلتين حدا فاصلا بين الكثير والقليل لامر ضروری لابد منه وليس تحكما ولا جزافا، وكذا سائر المقادير الشرعية، وذلك ان للماء محلين معدن واوان، اما المعدن فالآبار والعيون ويلحق بها الاودية، و اما الاوانی فالقرب والقلال و الجفان والمخاضب والاداوة، و كان المعدن يتضررون بتنجسه و يقاسون الحرج فی نزحه، واما الاوانی فتملأ فی كل يوم ولا حرج فی اراقتها، والمعادن ليس لها غطاء ولا يمكن سترها من روث

گوبر اور درندوں کے منہ ڈالنے سے محفوظ رکھ سکتے ہیں البتہ برتنوں کے ڈھانکنے اور ان کی حفاظت رکھنے میں زیادہ دقت نہیں ہے ہاں ان جانوروں سے جو گھروں میں پھرتے رہتے ہیں حفاظت مشکل ہے، اور معدن میں پانی کثرت سے ہوتا ہے بہت سی نجاستیں اس میں اثر نہیں کرسکتیں بخلاف برتنوں کے، اسواسطے ضروری ہوا کہ معدن کا حکم اور ہو اور برتنوں کا حکم اور ہو، اور معدن میں ان چیزوں کی معافی دیجائے جنکی معافی برتنوں میں نہیں دیجاتی، اور سوائے قلتین کے اور کوئی چیز حد فاصل نہیں ہوسکتی اس واسطے کہ کنوئیں اور چشمہ کا پانی کسی طرح بھی قلتین سے کم نہیں ہوتا اور جس جگہ پانی قلتین سے کم ہو اس کو نہ حوض کہتے ہیں اور نہ تالاب کہتے ہیں بلکہ اس کو گڑھا کہتے ہیں، اور جب قلتین کی مقدار پانی ہموار زمین میں ہو تو غالباً سات بالشت طویل، اور پانچ بالشت عریض جگہ میں آتا ہے، اور یہ حوض کا ادنیٰ درجہ ہے، اور عرب میں سب برتنوں میں بڑا برتن قلہ تھا اس سے بڑا برتن ان کے ہاں اور کوئی معلوم نہیں ہوتا اور سب قلے بھی ان کے ہاں برابر نہ تھے بعض قلہ ڈیڑھ قلہ کے برابر اور بعض سوا قلہ کے برابر اور بعض پونے دو قلہ کے برابر ہوتا تھا اور ایسا کوئی قلہ نہ تھا جو دو قلہ کے برابر ہو پس دو قلہ کی مقدار کو کوئی برتن نہیں پہنچتا اور کوئی معدن اس سے کم نہیں ہے اس واسطے قلتین کی مقدار پانی کثیر اور پانی قلیل کے درمیان حد فاصل قرار پائی، اور جو قلتین کا قائل نہیں ہے جیسے مالکیہ تو وہ بھی پانی کثیر کی حد مقرر کرتے ہیں قلتین کے قریب قریب مقدار کی طرف مجبور ہوئے ہیں اور جنگل کے کنوئیں میں اونٹ کی مینگنی وغیرہ گرجانے کو معافی کے حکم میں رکھا ہے، پس یہاں سے انسان کو حدود مشرعیہ کے امر کو معلوم کرنا چاہیے

الدواب وولغ السباع، واما الاوانی فليس في تغطيتها وحفظها كثير حرج اللهم الا من الطوافين والطوافات والمعدن كثير غزير لا يؤثر فيه كثير من النجاسات بخلاف الاوانی فوجب ان يكون حكم المعدن غير حكم الاواني وان يرخص في المعدن ما لا يرخص في الاواني، ولا يصلح فارقا بين حد المعدن وحد الاواني الا القلتان، لان ماء البئر والعين لا يكون اقل من القلتين البتة و كل ما دون من القلتين من الاودية لا يسمى حوضا ولا جوبة وانما يقال له حفيرة واذا كان قدر قلتين في مستو من الارض يكون غالبا سبعة اشبار في خمسة اشبار وذلك ادنى الحوض وكان اعلى الاواني القلة ولا يعرف اعلى منها عندهم آنية وليست القلال سواء فقلة عندهم تكون قلة و نصفا، وقلة وربعا، وقلة وثلثا ولا تعرف قلة تكون كقلتين فهذا حد لا تبلغه الاواني ولا ينزل منه المعدن فضرب حدا فاصلا بين الكثير والقليل، ومن لم يقل بالقلتين اضطر الى مثلهما في ضبط الماء الكثير كالمالكية، والرخصة في آبار الفلوات من نحو ابعار الابل فمن هنا ينبغي ان يعرف الانسان امر الحدود

کہ وہ ایسی ضروری صورتوں میں قائم کی گئی ہیں جن کے بغیر لوگوں کو چارہ نہیں اور جن کے ماسوا کو عقل درست نہیں سمجھتی، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی" اور فرمایا "پانی ناپاک نہیں ہوتا" اور فرمایا مؤمن ناپاک نہیں ہوتا" اور اسی طرح کی دیگر احادیث ہیں جن میں ہے کہ بدن ناپاک نہیں ہوتا اور زمین ناپاک نہیں ہوتی،

میں کہتا ہوں ان سب سے مراد نجاستِ خاصہ کی نفی کرنا ہے جس پر قرائن حالیہ اور مقالیہ دلالت کرتے ہیں پس آپ کا فرمان کہ "پانی ناپاک نہیں ہوتا" اس کے معنی یہ ہیں کہ معاون نجاست کے پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتے جب نجاست نکالکر پھینک دیجائے اور پانی کا کوئی وصف بھی نہ بدلے اور پانی خراب نہ ہوا ہو اور بدن غسل کرنے سے پاک ہو جاتا ہے اور زمین بارش سے اور دھوپ سے اور لوگوں کے چلنے پھرنے سے پاک ہو جاتی ہے، اور بیر بضاعہ کے متعلق کیا کوئی یہ گمان کرسکتا ہے کہ اس میں نجاستیں پڑی رہا کرتی تھیں؟ کیونکہ یہ گمان ہوسکتا ہے حالاں کہ بنی آدم کو ایسی چیز سے عادۃً اجتناب ہوتا ہے پس کس طرح رسول اللہ علیہ وسلم اس کا پانی پی سکتے تھے بلکہ نجاستیں بغیر اس کے کہ کوئی ان کو ڈالنے کا ارادہ کرے اس میں گر جایا کرتی تھیں جس طرح ہم اپنے زمانہ کے کنوؤں کو دیکھتے ہیں، اور پھر یہ نجاستیں نکال دی جاتی تھیں، پس جب اسلام کا زمانہ آیا تو انہوں نے طہارتِ شرعیہ کا جو ان کے ہاں کی طہارت سے زاید ہو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا

الشرعية فانها نازلة على واجبه ضروري لا يجدون منه بدا و لا يجوز العقل غيرها، قوله صلى الله عليه وسلم الماء طهور لا ينجسه شيء وقوله صلى الله عليه وسلم الماء لا يجنب، وقوله صلى الله عليه واله وسلم المؤمن لا ينجس، ومثله ما في الاخبار من ان البدن لا ينجس والارض لا تنجس؛

اقول معنى ذلك كله يرجع الى نفي نجاسة خاصة تدل عليه القرائن الحالية والقالية فقوله الماء لا ينجس معناه المعادن لا تنجس بملاقاة النجاسة اذا اخرجت و رميت و لم يتغير احد اوصافه و لم تفحش والبدن يغسل فيطهر والارض يصيبها المطر والشمس و تدلكها الارجل فتطهر، وهل يمكن ان يظن ببئر بضاعة انها كانت تستقر فيها النجاسات؟ كيف و قد جرت عادة بني ادم بالاجتناب عما هذا شانه فكيف يستقى بها رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ بل كانت تقع فيها النجاسات من غير ان يقصد القاؤها كما نشاهد من اٰبار زماننا ثم تخرج تلك النجاسات فلما جاء الاسلام سالوا عن الطهارة الشرعية الزائدة على ما عندهم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم

"پانی پاک ہوتا ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی" یعنی اس نجاست کے علاوہ جس کو تم سمجھتے ہو کوئی اور نجاست نہیں ہے اور حضورؐ کے کلام میں نہ یہ کوئی تاویل ہے اور نہ کلام کو ظاہر سے پھیرنا ہے بلکہ وہ محاورۂ عرب ہے پس خدا تعالیٰ کا قول" کہدے میرے پاس جو وحی کیا گیا ہے اس میں کھانے والے کیلئے کوئی کھانے کی چیز میں حرام نہیں پاتا" الایہ، اس کے معنی یہ ہیں کہ جن چیزوں میں تم کو اختلاف ہے ان میں کوئی حرام چیز نہیں پاتا، اور جب طبیب سے کسی شئ کے متعلق دریافت کیا جائے اور وہ کہے کہ اسکا استعمال جائز نہیں ہے تو اس سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ اس کی مراد صحت بدن کے اعتبار سے ناجائز ہونا ہے، اور جب فقیہ سے کسی شئ کے متعلق دریافت کیا جائے اور وہ اس کا ناجائز ہونا بیان کرے تو عدم جواز سے اس کی مراد عدم جواز شرعی کا ہونا سمجھا جاتا ہے، اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئیں" اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "تم پر مردار حرام کیا گیا" پہلی اول سے مراد حرمت نکاح ہے اور ثانی سے مراد حرمت اکل ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بدون ولی کے نکاح نہیں ہوتا" اس سے مراد ہے کہ شرع میں وہ نکاح جائز نہیں ہوتا، یہ مراد نہیں ہے کہ خارج میں وہ پایا ہی نہیں جاتا اور اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں اور ان میں تاویل نہیں ہے لیکن اس پانی مقید سے وضو کرنا جس پر بغیر قید کے پانی کا اطلاق نہیں ہوتا ایک ایسی بات ہے جس کو بادی الرائے میں شرع رد کر دیتی ہے، ہاں ایسی چیز سے ناپاکی کے دور کرنیکا احتمال ہے بلکہ راجح یہی ہے کہ نجاست اس سے دور ہو سکتی ہے، اور لوگوں نے کنوئیں میں جانور کے مرجانے کے مسئلہ میں اور دہ دردہ میں اور آب جاری میں بہت سی فروعات نکالی ہیں اور ان سب مسائل میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث مروی نہیں ہیں لیکن وہ آثار جو صحابہ اور تابعین سے منقول ہیں جیسے ابن زبیر کا اثر زنگی کے بارے میں اور حضرت علی کا چوہے کے بارے میں ٭ ٭ ٭ ٭

الماء طهور لا ينجسه شئ يعني لا ينجس نجاسة غير ما عندكم وليس هذا تأويلا ولا صرفا عن الظاهر بل هو كلام العرب فقوله تعالى قل لا اجد فيما اوحي الي محرما على طاعم الآية معناه مما اختلفتم فيه. واذا اسئل الطبيب عن شئ فقال لا يجوز استعماله عرف ان المراد نفي الجواز باعتبار صحة البدن واذا اسئل فقيه عن شئ فقال لا يجوز عرف انه يريد نفي الجواز الشرعي، قوله تعالى حرمت عليكم امهاتكم وقوله تعالى حرمت عليكم الميتة فالاول في النكاح والثاني في الاكل قوله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لا نكاح الا بولي نفي للجواز الشرعي لا الوجود الخارجي وامثال هذا كثيرة وليس من التاويل، واما الوضوء من الماء المقيد الذي لا ينطلق عليه اسم الماء بلا قيد فامر تدفعه الملة بادي الرائ، نعم ازالة الخبث به محتمل بل هو الراجح، وقد اطال القوم في فروع موت الحيوان في البئر، والعشر في العشر، والماء الجاري وليس في كل ذلك حديث النبي صلى الله عليه وآله وسلم البتة، واما الآثار المنقولة عن الصحابة والتابعين كاثر ابن الزبير في الزنجي، وعلى رضي الله عنه في الفارة

ماوند نخعی اور شعبی کا بلی کے قریب قریب جانوروں ہیں، سوانہیں سے کوئی بھی ایسا اثر نہیں ہے جس کی صحت پر محدثین نے گواہی دی ہو اور نہ ہی قرون اولیٰ کے جمہور کا ان پر اتفاق ہے، اور اگر ان آثار کو صحیح بھی مان لیا جائے تو ممکن ہے کہ یہ دلوں کو مطمئن کرنے کے لئے اور پانی کی پاکیزگی کے لئے ہوں اور وجوب شرعی کے اعتبار سے نہ ہوں جیسا کہ کتب مالکیہ میں مذکور ہے۔ اور اس احتمال کی نفی کرنا بہت مشکل ہے،

حاصل کلام یہ ہے کہ اس باب میں کوئی معتبر حدیث نہیں ہے جو واجب العمل ہو، اور بلاشبہ قلتین کی حدیث ان سب سے زیادہ ثابت ہے، اور یہ امر محال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے ان مسائل میں ایسی شئ مقرر فرمائے جو ان تدابیر پر زاید ہو جو ان کے واسطے لازم ہیں اور وہ مسائل کثیر الوقوع ہوں اور ان میں عموم بلوی ہو پھر بھی نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شئ کی صاف صاف تصریح نہ فرمائی ہو اور نہ وہ صحابہ اور ان کے بعد کے لوگوں میں مشہور ہو اور کوئی ایک حدیث بھی اس بارے میں وارد نہ ہو، واللہ اعلم۔

والنخعی والشعبی فی نحو السنور فليس مما يشهد له المحدثون بالصحة ولا مما اتفق عليه جمهور اهل القرون الاولى وعلى تقدير صحتها يمكن ان يكون ذلك تطييبا للقلوب وتنظيفا للماء لا من جهة الوجوب الشرعي كما ذكر في كتب المالكية ودون نفي هذا الاحتمال خرط القتاد،

وبالجملة فليس في هذا الباب شئ يعتد به ويجب العمل عليه وحديث القلتين اثبت من ذلك كله بغير شبهة ومن المحال ان يكون الله تعالى شرع في هذه المسائل لعباده شيئا زيادة على ما لا ينفكون عنه من الارتفاقات وهي مما يكثر وقوعه وتعم به البلوى ثم لا ينص عليه النبي صلے الله عليه وسلم نصا جليا ولا يستفيض في الصحابة ومن بعدهم ولا حديث واحد فيه والله اعلم۔

نجاستوں کے پاک کرنے کا بیان

نجاست وہ شئ ہے جس کو سلیم الطبع لوگ ناپاک سمجھیں اور اس سے پرہیز کریں اور جب کپڑوں کو لگ جائے تو ان کو دھوئیں جیسے پاخانہ پیشاب اور خون، لیکن نجاسات سے پاکی حاصل کرنا سو وہ بھی سلیم الطبع لوگوں سے ماخوذ اور ان کے مروجہ طریقہ سے مستنبط ہے، اور گوبر ناپاک ہے عبد اللہ بن مسعود کی حدیث اس پر دلیل ہے، اور جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے

تطهير النجاسات

النجاسة كل شئ يستقذره اهل الطبائع السليمة ويتحفظون عنه ويغسلون الثياب اذا اصابها كالعذرة والبول والدم، واما تطهير النجاسات فهو ماخوذ عنهم ومستنبط مما اشتهر فيهم والروث ركس لحديث ابن مسعود وبول ما يؤكل لحمه

لا شبهة في كونه خبثا تستقذره الطبائع السليمة، وانما يرخص في شربه لضرورة الاستشفاء، وانما يحكم بطهارته او بخفة نجاسته لدفع الحرج والحق الشارع بها الخمر وهو قوله تعالى رجس من عمل الشيطان، لانه حرمها واكد تحريمها فاقتضت الحكمة ان يجعلها بمنزلة البول والعذرة ليتمثل قبحها عندهم ويكون ذلك اكبح لنفوسهم عنها قال النبي صلى الله عليه وسلم اذا شرب الكلب في اناء احدكم فليغسله سبع مرات، وفي رواية اولاهن بالتراب •

اقول الحق النبي صلى الله عليه وسلم سور الكلب بالنجاسات وجعله من اشدها لان الكلب حيوان ملعون تنفر منه الملائكة وينقص اقتناؤه والمخالطة معه بلا عذر من الاجر كل يوم قيراطا، والسر في ذلك انه يشبه الشيطان بجبلته لان ديدنه لعب وغضب واطراح في النجاسات وايذاء للناس ويقبل الالهام من الشياطين فراى منهم صدودا وتهاونا ولم يكن سبيل الى النهي عنه بالكلية لضرورة الزرع والماشية والحراسة والصيد فعالج ذلك باشتراط اتم الطهارات واوكدها وما فيها بعض الحرج ليكون بمنزلة

ان کے پیشاب کے ناپاک ہونے میں بھی شبہ نہیں، طبائع سلیمہ اس کو ناپاک سمجھتی ہیں، اور اس کے پینے کی جو اجازت ہے تو وہ طلب شفا کی ضرورت کی وجہ سے ہے اور اس کے پاک ہونیکا یا نجاست خفیفہ ہونیکا جو حکم ہے تو وہ دفع حرج کی وجہ سے ہے، اور شراب کو شارع نے نجاست میں داخل کیا ہے اور اس کی نسبت اللہ تعالے فرماتا ہے "ناپاک شیطان کا فعل ہے" اس واسطے کہ خدا تعالےٰ نے شراب کو حرام کیا اور اسکی حرمت کی نہایت تاکید کی، پس حکمت کا تقاضہ یہی تھا کہ اس کو پیشاب اور پائخانہ کی مانند کر دیا جائے تاکہ لوگوں کے سامنے اسکی برائی متمثل ہوجائے اور اس وجہ ان کے دل اس سے ہٹ جائیں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پانی پی جائے تو وہ اس کو سات بار دھوئے"، اور ایک روایت میں ہے کہ "اول بار مٹی سے دھوئے"۔

میں کہتا ہوں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کتے کے جھوٹے کو بھی نجاسات میں شامل کر دیا اور نجاستوں میں سے سخت ناپاک قرار دیا کیونکہ کتا ایک ملعون حیوان ہے جس سے ملائکہ نفرت کرتے ہیں اور اس کو بلا ضرورت پالنا اور اسکے ساتھ مخالطت کرنا ہر روز ایک قیراط کی مقدار اجر کم کرتا ہے، اور اس میں راز یہ ہے کہ کتا اپنی جبلت میں شیطان سے مشابہ ہے کیونکہ اس کی عادت میں شیطنت کرنا، غصہ کرنا اور نجاسات میں منہ ڈالنا اور لوگوں کو تکلیف پہنچانا ہے اور شیاطین کی طرف سے الہام کو قبول کرتا ہے، پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دیکھا کہ کتوں سے خلط ملط رکھتے ہیں اور ان کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی، اور کھیتی اور مویشی اور گھر کی حفاظت اور شکار کے واسطے اسکی ضرورت کی وجہ سے بالکل نہی کر دینا بھی مناسب نہ تھا اسواسطے آپ نے پوری طہارت شرط کرکے اور اسکو مؤکد کرکے اور ایسی طہارت کا حکم دیکر جسمیں کسیقدر دقت بھی ہو اس سے بچانے کا علاج کر دیا

تاکہ اس قدر پاک کرنا روک ٹوک میں کفارہ کے برابر ہوجائے، اور بعض حاملین مذہب نے سات مرتبہ دھونے کو امر تشریعی نہیں سمجھا بلکہ ایک طرح کی تاکید پر محمول کیا ہے، اور بعض نے ظاہر حدیث کا لحاظ کیا ہے اور احتیاط ہی افضل ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس اعرابی کے پیشاب پر ایک ڈول پانی کا بہادو"۔

میں کہتا ہوں بہت سا پانی بہانا زمین پر سے پیشاب کی ناپاکی کو دور کر دیتا ہے اور یہ اس دستور سے ماخوذ ہے جو تمام لوگوں کے نزدیک طے شدہ ہے کہ بہت سی بارش سے زمین پاک ہوجاتی ہے اور بہت سے پانی سے بدبو بھی دور ہوجاتی ہے اور پیشاب منتشر ہوکر کالعدم ہوجاتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم عورتوں میں سے کسی عورت کے کپڑے کو جب حیض کا خون لگ جائے تو وہ اس خون کو کھرچ دے پھر اس کو رگڑ کر پانی سے دھو ڈالے پھر اس کپڑے سے نماز پڑھ لے"۔

میں کہتا ہوں عین نجاست اور اس کا اثر زائل ہونے سے طہارت حاصل ہوجاتی ہے اور تمام خصوصیات اس صورت کا بیان ہیں جو نجاست اور اس کے اثر کو زائل کرسکتی ہے اور وہ خصوصیات طہارت پر تنبیہ کے لئے ہیں طہارت کے لئے شرط نہیں ہیں لیکن منی، سو ظاہر یہی ہے کہ وہ نجس شئی ہے کیونکہ نجاست کی تعریف میں جو کچھ ہم نے بیان کیا وہ اس میں پایا جاتا ہے، اور کھرچ دینا خشک منی سے کپڑے کو پاک کر دیتا ہے جبکہ وہ جرم والی ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لڑکی کے پیشاب سے کپڑے کو دھونا چاہیے اور لڑکے کے پیشاب سے کپڑے پر پانی بہانا چاہیے"۔

میں کہتا ہوں زمانہ جاہلیت میں یہی طریقہ مقرر تھا پس اسی کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے باقی رکھا اور یہ فرق چند امور کی وجہ سے ہے، ان میں سے ایک یہی کہ لڑکے کا پیشاب پھیل جاتا ہے اور اس کا ازالہ دقت سے ہوتا ہے اس واسطے اسکے لئے تخفیف مناسب ہے اور لڑکی کا پیشاب ایک جگہ مجتمع رہتا ہے اور بآسانی زائل ہوسکتا ہے،

الكفارة في الردع والمنع، واستشعر بعض حملة الملة بأن ذلك ليس بتشريع بل نوع تاكيد، واختار بعض رعاية ظاهر الحديث والاحتياط افضل قوله صلى الله عليه وسلم هريقوا على بوله سجلا من ماء۔

اقول البول على الارض يطهره مكاثرة الماء عليه وهو ماخوذ مما تقرر عند الناس قاطبة ان المطر الكثير يطهر الارض وان المكاثرة تذهب بالرائحة المنتنة وتجعل البول متلاشيا كان لم يكن، قوله صلى الله عليه وسلم اذا اصاب ثوب احدكن الدم من الحيضة فلتقرصه ثم لتنضحه بماء ثم لتصلي فيه۔

اقول تحصل الطهارة بزوال عين النجاسة واثرها وسائر الخصوصيات بيان لصورة صالحة لزوالهما وتنبيه على ذلك لا اشتراط، واما المني فالاظهر انه نجس لوجود ما ذكرنا في حد النجاسة وان الفرك يطهر يابسه اذا كان له جرم، قوله صلى الله عليه وسلم يغسل من بول الجارية ويرش من بول الغلام۔

اقول هذا امر كان قد تقرر في الجاهلية وابقاه النبي صلى الله عليه وسلم والحامل على هذا الفرق امور منها ان بول الغلام ينتشر فيعسر ازالته فيناسبه التخفيف، وبول الجارية يجتمع فيسهل ازالته، ومنها

اور دوسری بات یہ ہے کہ لڑکی کا پیشاب لڑکے کے پیشاب سے زیادہ غلیظ اور بدبودار ہوتا ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ لڑکوں سے لوگوں کو رغبت ہوتی ہے اور لڑکیوں کو کم پسند کرتے ہیں اس حدیث پر اہل مدینہ اور ابراہیم نخعی نے عمل کیا ہے اور امام محمد نے اس بارے میں تفصیل کی ہے پس لوگوں میں جو مشہور ہے اس سے دھوکا میں نہیں پڑنا چاہیے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چمڑا جب پکا لیا جاتا ہے تو پاک ہو جاتا ہے"

میں کہتا ہوں حیوانات کے پکے ہوئے چمڑوں کا استعمال کرنا تمام فرقوں کے نزدیک جاری اور مسلم ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ پکا لینے سے بدبو اور کراہت دور ہو جاتی ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کے جوتے کو نجاست لگ جائے تو مٹی اس کے لئے پاک کرنے والی ہے"

میں کہتا ہوں جوتا اور موزہ اس نجاست سے جو جسم والی ہو رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سخت جسم ہے اس میں نجاست سرایت نہیں کرتی اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم تر اور خشک دونوں نجاستوں میں عام ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بلی کے بارے میں فرمایا "یہ گھر میں پھرنے والی چیزوں میں سے ہے"

میں کہتا ہوں اس کے معنی ایک قول کے موافق یہ ہیں کہ اگرچہ وہ نجاستوں میں منہ ڈالتی ہے اور چوہے کا شکار کرتی ہے مگر اس جگہ ضرورت ہے کہ اس کے جوٹھے کی پاکی کا حکم دیا جائے، اور حرج کا دفع کرنا اصول شرع میں سے ایک اصل ہے اور دوسرے قول کے موافق اس حدیث میں ترغیب ہے کہ ہر جاندار کے ساتھ احسان کیا جائے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بلی کو سائلین اور سائلات کے ساتھ تشبیہ دی ہے، واللہ اعلم

ان بول الانثى اغلظ و انتن من بول الذكر، ومنها ان الذكر ترغب فيه النفوس والانثى تعافها، وقد اخذ بالحديث اهل المدينة وابراهيم النخعي، واضجع فيه القول محمد فلا تغتر بالمشهور بين الناس،

قوله صلى الله عليه وسلم اذا دبغ الاهاب فقد طهر،

اقول استعمال جلود الحيوانات المدبوغة امر شائع مسلم عند طوائف الناس، والسر فيه ان الدباغ يزيل النتن والرائحة الكريهة

قوله صلى الله عليه وسلم اذا وطئ احدكم بنعله الاذى فان التراب له طهور،

اقول النعل والخف يطهر من النجاسة التي لها جرم بالدلك لانه جسم صلب لا يتخلل فيه النجاسة والظاهر انه عام في الرطبة واليابسة

قوله صلى الله عليه وسلم في الهرة انها من الطوافين والطوافات،

اقول معناه على قول ان الهرة وان كانت تلغ في النجاسات وتقتل الفارة فهنالك ضرورة في الحكم بتطهير سورها، ودفع الحرج اصل من اصول الشرع، وعلى قول اخر حث على الاحسان على كل ذات كبد رطبة وشبهها بالسائلين و السائلات، والله اعلم،

نماز کے ابواب کا بیان

واضح ہو کہ نماز تمام عبادتوں میں سب سے زیادہ عظیم الشان، سب سے زیادہ یقینی اور لوگوں میں سب عبادتوں سے زیادہ مشہور اور نفس میں سب سے زیادہ نفع بخش عبادت ہے اور اسی وجہ سے شارع علیہ السلام نے اس کی فضیلت، تعیینِ اوقات اور اس کے شروط وارکان بیان کرنے میں اور اس کے آداب، اسکی رخصتیں اور اس کے نوافل بیان کرنے میں اس قدر زیادہ اہتمام کیا ہے جو کسی اور عبادت میں نہیں کیا، اور اس کو دین کے بڑے بڑے شعائر میں سے شمار کیا ہے، اور نماز تمام یہود، نصاریٰ، مجوس اور بقایہ ملتِ اسماعیلیہ میں قابلِ تسلیم رہی ہے پس ضروری ہوا کہ اس کے اوقات اور اسکے جمیع متعلقات میں انہی امور کو اختیار کرنا چاہیے جن پر انہوں نے اور ان کے جمہور نے اتفاق کیا ہے اور جن جن باتوں کو انہوں نے اپنی طرف سے بنا رکھا ہے جیسے یہود موزے اور جوتے پہنکر نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے اور اسی طرح کی دیگر باتیں تھیں تو یہ امر ضروری ہوا کہ ان کے ترک کی تاکید کیجائے اور مسلمانوں کا طریقہ ان کے طریقہ کے خلاف ہو، اور اسی طرح مجوس نے اپنے دین کو بگاڑا اور آفتاب کی پرستش کرنے لگے اس واسطے ملتِ اسلام کو ان کی ملت سے بالکل جدا کرنے کی ضرورت ہوئی، اور مسلمانوں کو ان کی نمازوں کے اوقات میں نماز پڑھنے سے بھی منع کر دیا گیا، اور چونکہ نماز کے احکام وسیع ہیں اور جن اصول پر نماز کی بنا رہے بہت ہیں اس واسطے کتاب الصلوٰۃ کے شروع میں ہم نے ان اصول کو ذکر نہیں کیا جیسا کہ تمام کتب کے اول میں ہم ذکر کرتے تھے،

من ابواب الصلاة

اعلم ان الصلاة اعظم العبادات شانا واوضحها برهانا واشهرها في الناس وانفعها في النفس، ولذلك اعتنى الشارع ببيان فضلها وتعيين اوقاتها وشروطها واركانها وادابها ورخصها ونوافلها اعتناء عظيما لم يفعل في سائر انواع الطاعات، وجعلها من اعظم شعائر الدين وكانت مسلمة في اليهود والنصارى والمجوس وبقايا الملة الاسماعلية فوجب ان لا يذهب في توقيتها وسائر ما يتعلق بها الا الى ما كان عندهم من الامور التي اتفقوا عليها واتفق عليها جمهورهم واما ما كان من تحريفهم ككراهية اليهود الصلوة في الخفاف والنعال ونحو ذلك، فمن حقه ان يسجل على تركه وان تجعل سنة المسلمين غير سنة هؤلاء، وكذلك كان المجوس حرفوا دينهم وعبدوا الشمس فوجب ان تميز ملة الاسلام من ملتهم غاية التمييز فنهى المسلمون عن الصلاة في اوقات صلاتهم ايضا، ولاتساع احكام الصلاة وكثرة اصولها التي تبنى عليها لم نذكر الاصول في فاتحة كتاب الصلاة كما ذكرنا في سائر

بلکہ ہر فصل کے اصول کو اس فصل کے اندر بیان کر دیا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جب وہ سات برس کی عمر کے ہو جائیں، اور ان کو نماز کے اوپر مارو، جب وہ دس برس کی عمر کے ہو جائیں، اور ان کے سونے کی جگہ الگ کر دو۔"

میں کہتا ہوں، لڑکے کے بالغ ہونے کے دو طریق ہیں ایک تو اس حد کو پہنچنا جس میں صحیح اور غیر صحیح ادراک کی صلاحیت ہو جائے اور یہ صرف عقل سے ہوتا ہے اور عقل ظاہر ہونے کی علامت سات برس ہیں پس سات برس کا لڑکا ان امور میں یقیناً ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اور عقل کے پوری ہونے کی علامت دس برس ہیں پس دس برس کا لڑکا بشرطیکہ صحیح المزاج ہو پورا عاقل ہوتا ہے، اپنے نفع اور نقصان کو خوب پہچاننے لگتا ہے اور تجارت و دیگر معاملات میں پورا ہوشیار ہو جاتا ہے، اور بلوغ کا دوسرا طریق یہ ہے کہ وہ جہاد، حدود اور سزاؤں کے قابل ہو جائے اور اس کا ان لوگوں میں شمار ہونے لگے جو تکالیف برداشت کرتے ہیں اور مدنی اور مذہبی سیاست میں ان کا اعتبار کیا جاتا ہے اور جو راہ راست پر جبراً چلائے جاتے ہیں اور اس مرتبہ کا مدار عقل کامل اور جسم تام پر ہے اور یہ حالت اکثر میں پندرہ برس کی عمر میں متحقق ہو جاتی ہے، اس بلوغ کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ احتلام ہونے لگے اور زیر ناف کے بال نکل آئیں،

نماز میں دو امر کا لحاظ کیا گیا ہے پس اس لحاظ سے کہ نماز بندے اور اس کے مالک کے درمیان ایک واسطہ ہے اور بندے کو جہنم کے طبقہ اسفل السافلین میں گرنے سے باز رکھنے والی ہے، بلوغ اول کے وقت نماز کا حکم کر دیا گیا، اور اس لحاظ سے کہ نماز اسلام کے شعائر میں سے ہے

الکتب بل ذکرنا اصل کل فصل فی ذلك الفصل، قوله صلی الله علیه وسلم مروا اولادکم بالصلاة وهم ابناء سبع سنین واضربوهم علیها وهم ابناء عشر سنین وفرقوا بینهم فی المضاجع ۔

اقول بلوغ الصبی علی وجهین، بلوغ فی صلاحیة السقم والصحة النفسانیتین ویتحقق بالعقل فقط وامارة ظهور العقل سبع فابن السبع ینتقل فیها لامحالة من حالة الی حالة انتقالا ظاهرا، وامارة تمامه العشر فابن العشر عند سلامة المزاج یکون عاقلا یعرف نفعه من ضرره ویحذق فی التجارة وما یشبهها وبلوغ فی صلاحیة الجهاد والحدود والمؤاخذة علیه وان یصیر به من الرجال الذین یعانون المکاید ویعتبر حالهم فی السیاسات المدنیة والملیة، ویجبرون قسرا علی الصراط المستقیم، ویعتمد علی تمام العقل وتمام الجثة وذلك بخمس عشرة سنة فی الاکثر، ومن علامات هذا البلوغ الاحتلام وانبات العانة والصلاة لها اعتباران فباعتبار کونها وسیلة فیما بینه وبین مولاه منقذة عن التردی فی اسفل السافلین امر بها عند البلوغ الاول، وباعتبار کونها من شعائر

اور اس پر مؤاخذہ کیا جاتا ہے اور اس پر لوگوں کو مجبور کیا جاتا ہے خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں نماز کا حکم دیگر امور کے حکم کی طرح ہے،

اور چونکہ دس برس کی عمر بلوغ کے دونوں حدوں کے بیچ میں ایک برزخ کی حالت تھی، بلوغ کی دونوں جہتوں میں مشترک تھی اس واسطے دونوں جہتوں سے حصہ دیا گیا اور دونوں کا حکم دیا گیا، اور اس عمر میں الگ سلانے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ یہ زمانہ آغاز جوانی کا ہوتا ہے پس کچھ بعید نہیں ہے کہ یکجا سونے سے جماع کی خواہش پیدا ہو جائے اس واسطے ضروری ہوا کہ برائی کا راستہ اس کے واقع ہونے سے پہلے ہی بند کر دیا جائے،

نماز کی فضیلت کا بیان

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لئے فرمایا جس نے گناہ کرنے کے بعد جماعت میں شامل ہو کر نماز پڑھ لی تھی "خدا تعالےٰ نے تیرے گناہ کو بخش دیا" نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر نہر بہتی ہو جس میں وہ دن بھر میں پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو کیا اس کے بدن پر میل باقی رہ سکتا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں، آپ نے فرمایا، پس یہی حال پنج وقتہ نمازوں کا ہے کہ ان سے خدا تعالےٰ گناہوں کو دور کر دیتا ہے"

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان کو دوسرے رمضان تک اپنے درمیان کے گناہوں کو دور کرنے والے ہیں بشرطیکہ کبائر سے پرہیز کیا جائے،

میں کہتا ہوں نماز میں پاکیزگی بھی ہے اور عبادت بھی اور وہ نفس کو پاک کر کے عالم ملکوت تک پہنچاتی ہے اور نفس کی یہ خاصیت ہے کہ جب وہ کسی صفت کے ساتھ متصف ہوتا ہے تو اس صفت کی ضد کو ترک کر دیتا ہے اور اس سے الگ ہو جاتا ہے اور وہ صفت

الاسلام يؤاخذون بها ويجبرون عليها اشاؤا ام ابوا حكمها حكم سائر الامور.

ولما كان سن العشر برزخا بين الحدين جامعا بين الجهتين جعل له نصيبا منهما، وانما امر بتفريق المضاجع لان الايام ايام المراهقة فلا يبعد ان تفضي المضاجعة الى شهوة المجامعة فلابد من سد سبيل الفساد قبل وقوعه.

فضل الصلاة: - قوله تعالى ان الحسنات يذهبن السيات، وقوله صلى الله عليه وسلم لمن صلى في الجماعة بعد الذنب فان الله قد غفر لك ذنبك، وقوله صلى الله عليه وسلم لو ان نهرا بباب احدكم يغتسل فيه كل يوم خمسا هل يبقى من درنه شئ؟ قالوا لا قال فذلك مثل الصلوات الخمس يمحو الله بها الخطايا.

وقوله صلے الله عليه واله وسلم الصلوات الخمس والجمعة الى الجمعة ورمضان الى رمضان مكفرات لما بينهن اذا اجتنب الكبائر.

اقول الصلاة جامعة للتنظيف والاخبات مقدسة للنفس الى عالم الملكوت، ومن خاصية النفس انها اذا اتصفت بصفة رفضت ضدها وتباعدت عنه، وصار

اس سے ایسی معدوم ہو جاتی ہے کہ کبھی اس کا نام بھی اس میں نہ تھا، پس جو شخص ان نمازوں کو پورے طور پر ادا کرے اور اچھی طرح پر وضو کرے اور ان کے وقت پر ان کو پڑھے اور ان کے رکوع اور خشوع اور اذکار اور اشکال کو پورے طور پر کرے اور اشباح سے ان کی ارواح اور صورتوں سے ان کے معانی مقصود رکھے تو ضرور وہ رحمت الٰہی کے عظیم الشان دریا میں غوطہ لگاتا ہے اور خدا تعالےٰ اس کے گناہ مٹا دیتا ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بندے میں اور اسکے کافر ہونے میں نماز کو ترک کرنے کا فرق ہے"

میں کہتا ہوں نماز اسلام کے شعائر اور اسکی علامات میں سب سے زیادہ عظیم الشان ہے جس کے جاتے رہنے سے اسلام کے فقدان کا حکم دیا جا سکتا ہے کیونکہ نماز میں اور اسلام میں بہت زیادہ لگاؤ اور اتحاد ہے نیز نماز ہی اسلام کے معنی کو یعنی اللہ تعالےٰ کے سامنے سر جھکا دینے کو خوب ثابت کرتی ہے اور جسکو نماز سے حصہ نہیں ملا تو اس کا اسلام اسقدر باقی رہ گیا جسکا خدا تعالیٰ کے نزدیک کچھ اعتبار نہیں۔

نماز کے اوقات کا بیان

جبکہ نماز کا فائدہ یعنی دریائے شہود میں غوطہ لگانا اور فرشتوں کی جماعت میں مل جانا بدون نماز پر مداومت کے اور اس کے التزام اور اس کی کثرت کے حاصل نہیں ہوتا حتیٰ کہ لوگوں کے اثقال ان کے اوپر سے ہٹ جائیں، اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ ان کو ایسا حکم دیا جائے جس سے ضروری تدابیر کا ترک کرنا اور امور طبعیہ سے خارج ہونا لازم آئے، اس واسطے حکمت الٰہی کا مقتضیٰ ہوا کہ لوگوں کو نماز کی محافظت اور اس کی مداومت

ذلك منها كان لم يكن شيئا مذكورا فمن ادى الصلوات على وجهها واحسن وضوءهن وصلاهن لوقتهن واتم ركوعهن وخشوعهن اذكارهن وهيأتهن، وقصد بالاشباح ارواحها وبالصور معانيها، لابد انه يخوض في لجة عظيمة من الرحمة ويمحو الله عنه الخطايا۔

قوله صلى الله عليه وآله " بين العبد وبين الكفر ترك الصلاة"

اقول الصلاة من اعظم شعائر الاسلام وعلاماته التي اذا افقدت ينبغي ان يحكم بفقده لقوة الملابسة بينها وبينه، وايضا الصلاة هي المحققة لمعنى اسلام الوجه لله ومن لم يكن له حظ منها فانه لم يبوء من الاسلام الا بما لا يعبأ به۔

اوقات الصلوٰة

لما كانت فائدة الصلاة وهي الخوض في لجة الشهود والانسلاك في سلك الملائكة لا تحصل الا بمداومة عليها وملازمة بها واكثار منها حتى تطرح عنهم اثقالهم ولا يمكن ان يؤمروا بما يفضي الى ترك الارتفاقات الضرورية والانسلاخ عن احكام الطبيعة بالكلية اوجبت الحكمة الالهية ان يؤمروا بالمحافظة عليها و

کا حکم رہاتینے کے ہرایک حصہ کے بعد دیا جائے تاکہ نماز
پڑھنے سے قبل اس کا انتظار کرنا اور اس کے لئے تیار
رہنا اور نماز پڑھ لینے کے بعد اس کے رنگ کا بقیہ
اور اس کے نور کا اثر نماز کے حکم میں شمار ہو اور غفلت
کے اوقات میں بھی نظر ذکر الٰہی کی طرف رہے اور دل
اللہ تعالےٰ کی طاعت میں لگا رہے، پس مسلمان کا
حال اس گھوڑے کا سا ہوتا ہے جو لمبی رسی سے بندھا
ہوتا ہے ایک دو قدم ادھر ادھر چل کر پھر اپنے تھان
پر آرہتا ہے، اور نماز کی پابندی سے غفلت اور گناہوں
کی تاریکی دلوں کے اندر نہیں بیٹھتی، مداومتِ حقیقی
ممکن نہ ہونے کی صورت میں ایسی ہی مداومت ہوسکتی
ہے۔،

پس جب نماز کے اوقات کی تعیین کی ضرورت
ہوئی تو کوئی وقت ان چاروں وقتوں سے بہتر نہ تھا
جن میں روحانیت کا عالم ظہور میں ہوتا ہے اور ملائکہ کا
نزول ہوتا ہے اور بندوں کے اعمال خدا تعالےٰ کے
سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور بندوں کی دُعائیں
قبول ہوتی ہیں، اور یہ چاروں اوقات ان سب
لوگوں کے نزدیک جو عالمِ بالا سے فیض حاصل
کرتے ہیں ایک مسلم امر کے مانند ہیں، لیکن
آدھی رات کے وقت سب لوگوں کو نماز
پڑھنے کے ساتھ مکلف کرنا ممکن نہیں ہے،
جیسا کہ ظاہر ہے اس واسطے فی الحقیقت نماز
کے اوقات تین ہوئے:۔ صبح اور شام اور رات
کی تاریکی،

چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے" قائم کر نماز
کو سورج کے ڈھلنے سے رات کی تاریکی تک
اور صبح کو قرآن پڑھا کر کیونکہ صبح کے وقت
قرآن کا پڑھنا موجب حضورِ ملائکہ ہے"

التعهد لها بعد كل برهة من
الزمان ليكون انتظارهم للصلاة
وتهيؤهم لها قبل ان يفعلوها و
بقية لونها وصبابة نورها بعد
ان يفعلوها في حكم الصلاة، و
تكون اوقات الغفلة مضمومة
بطمح بصر الى ذكر الله وتعلق
خاطر بطاعة الله، فيكون حال المسلم
كحال حصان مربوط باخية يستن
شرفا او شرفين، ثم يرجع الى
اخيته ويكون ظلمة الخطايا و
الغفلة لا تدخل في جذر القلوب
وهذا هو الدوام المتيسر عند
ما امتنع الدوام الحقيقي، ثم
لما آل الامر الى تعيين اوقات
الصلاة لم يكن وقت احق بها
من الساعات الاربع التي تنتشر
فيها الروحانية وتنزل فيها
الملائكة ويعرض فيها على الله
اعمالهم ويستجاب دعاؤهم، و
هي كالامر المسلم عند جمهور اهل
التلقي من الملأ الاعلى، لكن وقت
نصف الليل لا يمكن تكليف الجمهور
به، كما لا يخفى، فكانت اوقات
الصلاة في الاصل ثلاثة، الفجر
والعشي وغسق الليل، وهو قوله
تبارك وتعالى اقم الصلاة لدلوك
الشمس الى غسق الليل وقرآن
الفجر ان قرآن الفجر كان مشهودا

اور "الیٰ غسق اللیل" اس واسطے فرمایا کہ فصل کے نہ پائے جانے کی وجہ سے شام کی نماز حکماً شب کی تاریکی سے مل جاتی ہے اور اسی وجہ سے ضرورت کے وقت ظہر و عصر کو اور مغرب و عشاء کو ایک ساتھ پڑھنا درست ہے، پس یہ اصل ہے، اور دو نمازوں میں بہت زیادہ فصل کرنا بھی درست نہیں ہے کہ محافظت کے معنی ہی فوت ہو جائیں اور جو کچھ اس نے اول بار نماز سے حاصل کیا تھا جاتا رہے، اور نہ ہی بہت تھوڑا سا فصل رکھنا درست ہے کہ ان کو معاش کے حاصل کرنے کی فرصت ہی نہ ملے، اور اس امر میں ایک ایسی ظاہر محسوس حد مقرر کرنا ضروری ہے جس کو سب خاص و عام معلوم کر لیا کریں اور وہ کسی قدر زیادہ کر دینا ہے اس جزء کا جو اوقات کے اندازہ کرنے میں عرب و عجم کے نزدیک مستعمل ہو اور وہ بہت زیادہ بڑھائی ہوئی نہ ہو، اور اس امر کے لئے چوتھائی دن کی مقدار ہی ہو سکتی ہے کیونکہ چوتھائی دن میں تین ساعتیں ہوتی ہیں اور دن کا اور رات کا بارہ حصوں میں تقسیم کرنا ایک ایسا امر ہے جس پر تمام اقالیم صالحہ نے اتفاق کیا ہے،

اور اہل زراعت اور تجارت اور اہل صنعت وغیرہم کی اکثر یہ عادت ہے کہ صبح سے دوپہر تک اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں کیونکہ کسب معاش کا یہی وقت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور ہم نے دن کو روزگار بنایا" اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تاکہ تم اس کے فضل سے طلب کرو" اور بہت سے اشغال ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے ایک طویل مدت درکار ہوتی ہے اور ایسے کاروبار کے وقت میں سب لوگوں کا نماز کے لئے آمادہ ہونا اور

وانما قال الى غسق الليل لان صلاة العشى ممتدة اليه حكما لعدم وجود الفصل ولذلك جاز عند الضرورة الجمع بين الظهر و العصر وبين المغرب والعشاء، فهذا اصل، ولا يجوز ان يكون الفصل بين كل صلاتين كثيرا جدا فيفوت معنى المحافظة و ينسى ما كسبه اول مرة ولا قليلا جدا، فلا يتفرغون لابتغاء معاشهم، ولا يجوز ان يضرب فى ذلك الاحد اظاهرا محسوسا يتبينه الخاصة والعامة، وهو كثرة ما للجزء المستعمل عند العرب والعجم فى باب تقدير الاوقات، وليست بالكثرة المفرطة ولا يصلح لهذا الا ربع النهار فانه ثلاث ساعات، وتجزية الليل والنهار الى ثنتى عشرة ساعة امرا اجمع عليه اهل الاقاليم الصالحة وكان اهل الزراعة والتجارة و الصناعة وغيرهم يعتادون غالبا ان يتفرغوا لاشغالهم من البكرة الى الهاجرة فانه وقت ابتغاء الرزق، وهو قوله تعالى وجعلنا النهار معاشا، وقوله تعالى لتبتغوا من فضله، واتصاف كثير من الاشغال ينجر الى مدة طويلة، ويكون التهيؤ للصلاة والتفرغ

اس کے لئے وقت نکالنا حرج عظیم ہے اور اسی واسطے شارع نے نمازِ چاشت کو ساقط کر دیا اور بغیر فرض کئے اس کی طرف پوری رغبت دلائی اس وجہ سے یہ بات ضروری ہوئی کہ دن کے نصف اخیر کی نماز کے دو حصے کئے جائیں۔ جن کے درمیان قریباً چوتھائی دن کا فصل ہو اور وہ ظہر اور عصر کی نمازیں ہیں، اور رات کی نماز کے بھی دو حصے کر دیئے جائیں جن کے درمیان اسی قدر فصل رہے اور وہ مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں، اور یہ بات بھی ضروری ہوئی کہ بغیر ایسی ضرورت کے جس سے مفر ہی نہیں ایک وقت کی دونوں نمازوں کو جمع نہ کیا جائے ورنہ وہ مصلحت جس کا تعیینِ اوقات میں لحاظ رکھا گیا ہے ضائع ہو جائے گی، اور یہ دوسری اصل ہے،

اور صالح ملکوں کے تمام باشندے اور معتدل مزاج لوگ جو احکام میں مقصود بالذات ہیں ہمیشہ علی الصبح بیدار ہو کر صبح کی روشنی سے رات کی تاریکی تک اپنے کاروبار میں مصروف رہتے ہیں اور نماز کے ادا کرنے کے لئے ایک تو وہ وقت مناسب ہے جس میں انسان کا نفس معاشی مصروفیات کے ان اثرات سے بری ہو جو یادِ الٰہی کو بھلا دیتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ایک فارغ قلب کو پالے پس اس میں جگہ کر لے اور نفس کے اندر پوری پوری تاثیر کر لے، اس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " اور صبح کو قرآن پڑھا کر کیونکہ صبح کے وقت قرآن کا پڑھنا موجبِ حضورِ ملائکہ ہے،،

اور ایک وہ وقت مناسب ہے جس میں آدمی سونے کے قریب ہوتا ہے تاکہ اس وقت کی نماز سارے دن کی کدورتوں کا کفارہ اور دل کے زنگ کو دور کرنے والی ہو جائے، چنانچہ نبی صلے

لها من الناس اجمعهم فی اثناء ذلك حرجا عظيما، فلذلك اسقط الشارع الضحى ورغب فيها ترغيبا عظيما من غير ايجاب، فوجب ان تشتق صلاة العشى الى صلاتين بينهما نحو من ربع النهار وهما الظهر والعصر وغسق الليل الى صلاتين بينهما نحو من ذلك وهما المغرب والعشاء، ووجب ان لا يرخص فی الجمع بين كل من شقي الوقتين الا عند ضرورة لا يجد منها بدا والا لبطلت المصلحة المعتبرة فی تعيين الاوقات، وهذا اصل آخر، وكان جمهور اهل الاقاليم الصالحة والامزجة المعتدلة الذين هم المقصودون بالذات فی الشرائع لا يزالون متيقظين مترددين فی حوائجهم من وقت الاسفار الى غسق الليل، وكان احق ما يؤدى فيه الصلاة وقت خلو النفس عن الوان الاشغال المعاشية المنسية ذكر الله ليصادف قلبا فارغا فيتمكن منه ويكون اشد تاثيرا فيه، وهو قوله تعالى وقران الفجر ان قران الفجر كان مشهودا، ووقت الشروع فی النوم ليكون كفارة لما مضى وتصقيلا للصدا، وهو قوله صلى

اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی تو وہ شب کے نصف اول میں قیام کے برابر ہے اور جس شخص نے عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھی تو وہ پوری رات کے قیام کے برابر ہے۔"

اور ایک وہ وقت مناسب ہے جو لوگوں کے کاروبار کا ہوتا ہے جیسے دن چڑھے کا وقت ہے تاکہ اس وقت کی نماز دنیا کے اندر پورے انہماک کو ہلکا کردے اور اس کے واسطے تریاق کا کام دے، مگر اس وقت کی نماز کا تمام لوگوں کو حکم نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس وقت لوگوں کی دو حالتیں ہوں گی یا تو وہ اپنے کاروبار کو چھوڑینگے اور یا ان کو نماز ترک کرنا پڑیگی اور یہ ایک اور اصل ہے، نیز تعیین اوقات کے باب میں اس سے بہتر کوئی بات نہیں کہ اس طریق کو اختیار کیا جائے جو گذشتہ انبیاء مقربین سے منقول ہے کیونکہ اس طریق کا اختیار کرنا ادائے طاعت پر نفس کے لئے بہت بڑی تنبیہ کرنے والا ہے اور نفس کیلئے اس امر پر ابھارنے والا ہے کہ لوگ عبادت میں ایک دوسرے پر سبقت کریں اور لوگوں میں صالحین کے ذکر جمیل کا باعث ہے، اس کی نسبت حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا تھا "یہ آپ سے قبل گذرے ہوئے انبیاء کا وقت صلوٰۃ ہے۔"

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ نماز عشاء کے بارے میں حضرت معاذ کی روایت کردہ حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس عشاء کو تم سے پہلے کسی نے نہیں پڑھا" کیونکہ اس حدیث کو لوگوں نے مختلف طور سے روایت کیا ہے پس بعض نے اس طرح سے کہا کہ لوگوں نے نماز پڑھی اور سو گئے اور بعض نے اس طرح کہا کہ اس نماز کو کوئی نہیں پڑھتا تھا مگر مدینہ میں، اور اسیطرح اور اقوال ہیں پس ظاہر یہ ہے کہ یہ روایت بالمعنی کی قسم سے ہے اور یہ ایک اور اصل ہے،

حاصل کلام یہ ہے کہ اوقات کے مقرر کرنے میں بہت سے اعتبار سے بڑے بڑے راز ہیں، پس حضرت جبرئیل علیہ السلام بشکل انسان تشریف لائے اور ان حضرت صلی اللہ

الله عليه وسلم من صلى العشاء في جماعة كان كقيام نصف الليل الاول، ومن صلى العشاء والفجر في جماعة كان كقيام ليلة، و وقت اشتغالهم كالضحى ليكون مهونا للانهماك في الدنيا وترياقا له، غير ان هذا لا يجوز ان يخاطب به الناس جميعا لانهم حينئذ بين امرين، اما ان يتركوا هذا او ذاك - وهذا اصل آخر، وايضا لا احق في باب تعيين الاوقات من ان يذهب الى الماثور من سنن الانبياء المقربين من قبل، فانه كالمنبه للنفس على اداء الطاعة تنبيها عظيما والمهيج لها على منافسة القوم والباعث على ان يكون للصالحين فيهم ذكر جميل وهو قول جبريل عليه السلام، هذا وقت الانبياء من قبلك لا يقال ورد في حديث معاذ في العشاء ولم يصلها احد قبلكم لان الحديث رواه جماعة، فقال بعضهم ان الناس صلوا و رقدوا، وقال بعضهم ولا يصليها احد الا بالمدينة ونحو ذلك فالظاهر انه من قبل الرواية بالمعنى، وهذا اصل آخر، وبالجملة ففي تعيين الاوقات سر عميق من وجوه كثيرة فتمثل جبريل عليه السلام وصلى

علیہ وسلم کو نماز پڑھائی اور آپ کو نماز کے اوقات
کی تعلیم فرمائی، اور ہمارے بیان سے جمع بین الصلوتین
کے جواز کی وجہ فی الجملہ اور نمازِ تہجد اور نمازِ چاشت
کا نبی صلے اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاء پر واجب ہونے کا
سبب جیسا کہ علماء نے بیان کیا ہے اور دیگر لوگوں
کے لئے ان کا نفل ہونا اور نمازوں کو ان کے
اوقات میں ادا کرنے کی تاکید کا سبب ظاہر ہوگیا
واللہ اعلم،

اور چونکہ تمام لوگوں کو ایک ہی وقت میں نماز
پڑھنے کا حکم کرنے میں کہ نہ اس وقت سے پہلے
پڑھیں اور نہ اس کے بعد پڑھیں حرج عظیم تھا
اس واسطے اوقات کے اندر کسی قدر توسیع کر دی
گئی، اور جبکہ وہی قرائن جو عرب کے نزدیک ظاہر
تھے اور کسی ادنی و اعلی پر مخفی نہیں تھے تشریع
کی صلاحیت رکھتے تھے تو اوقات کے اوائل
اور ان کے اواخر کے لئے منضبط اور محسوس حدیں
مقرر کی گئیں اور ان اسباب کے مجتمع ہونے کی
وجہ سے نمازوں کے لئے چار قسم کے اوقات
حاصل ہوئے ان میں سے ایک وقت اختیار
کا ہے اور یہ وہ وقت ہے جس میں نماز بلا کراہت
کے ادا ہو جاتی ہے اور اس میں زیادہ معتبر دو
حدیثیں ہیں، ایک تو حدیث جبرئیل ہے کہ انہوں
نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دو روز تک نماز
پڑھائی، اور دوسری حدیث بریدہ ہے جس میں یہ
ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو
نماز کے اوقات دریافت کرتا تھا جواب دیا کہ وہ
دو روز تک ساتھ نماز پڑھے، اور ان دونوں حدیثوں
میں سے مفسر کا حکم مبہم پر ناطق ہی، اور جس امر میں اختلاف ہوگا
اس میں بریدہ کی حدیث پر عمل کیا جائیگا کیونکہ وہ مدنی ہے

بالنبي صلى الله عليه وسلم وعلمه
الاوقات، ولما ذكرنا ظهر وجه
مشروعية الجمع بين الصلاتين
في الجملة، وسبب وجوب التهجد
والضحى على النبي صلى الله عليه و
سلم والانبياء على ما ذكروا وكونها
نافلة للناس وسبب تاكيد اداء
الصلوات على اوقاتها والله اعلم،

ولما كان في التكليف بان
يصلي جميع الناس في ساعة واحدة
بعينها لا يتقدمون ولا يتاخرون
غاية الحرج وسع في الاوقات
توسعة ما، ولما كان لا يصلح
للتشريع الا المظنات الظاهرة
عند العرب غير الخفية على الاداني
والاقاصي جعل لاوائل الاوقات
واواخرها حدودا مضبوطة محسوسة
ولتزاحم هذه الاسباب حصل
للصلوات اربعة اوقات، وقت
الاختيار وهو الوقت الذي يجوز
ان يصلي فيه من غير كراهية، و
العمدة فيه حديثان، حديث
جبريل فانه صلى بالنبي صلى الله
عليه وسلم يومين، وحديث
بريدة ففيه انه صلى الله عليه
وسلم اجاب السائل عنها بان
صلى يومين، والمفسر منهما
قاض على المبهم، وما اختلف يتبع
فيه حديث بريدة لانه مدني

متاخر ہے، اور پہلی حدیث مکی ہے، متقدم ہے اور اتباع متاخر ہی کا ہوا کرتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مغرب کا آخر وقت شفق غائب ہونے سے پیشتر تک ہے، اور کچھ بعید نہیں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے دوسرے دن مغرب کی نماز تھوڑی ہی سی دیر کرکے پڑھی ہو کیونکہ اس کا وقت کم ہوتا ہے پس راوی نے خطاء اجتہادی کی وجہ سے یا غایت قلت کو بیان کرنے کی غرض سے یہ کہہ دیا ہو کہ دونوں روز مغرب کی نماز ایک ہی وقت میں پڑھی، واللہ اعلم ۔

اور بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز عصر کا اخیر وقت تغیر آفتاب تک ہے اور اسی پر فقہاء کا اتفاق ہے، پھر شاید مثلین اخیر وقت مختار یا وقت مستحب کا بیان ہو، یا ہم یہ کہتے ہیں کہ شاید شرع نے اولاً اس بات کی طرف نظر کی کہ وقت عصر کے دو حصے کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ہر دو نمازوں میں بقدر چوتھائی دن کے فصل ہو اس واسطے اس کا انتہائی اخیر وقت یہ مقرر فرمایا ہو کہ ہر شیٔ کا سایہ مثلین تک پہنچ جائے، پھر لوگوں کے حوائج اور اشغال سے ظاہر ہوا کہ انتہاء وقت کو بڑھانا ضروری ہے، اور نیز اس حد کے معلوم کرنے میں ایک قسم کا غور کرنے اور سایۂ اصلی کو یاد رکھنے اور آلات حد کی ضرورت ہے،

اور مناسب یہ ہے کہ ایسے امور میں ان چیزوں سے لوگوں کو خطاب کیا جائے جو محسوس اور ظاہر ہوں اس واسطے اللہ تعالے نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس بات کا القاء فرمایا کہ انتہائے وقت عصر سورج کے جسم یا اس کی روشنی کے تغیر کو گردانا جائے ۔ واللہ اعلم،

متاخر والاول مكى متقدم وانما يتبع الأخر فالآخر وذلك ان اخر وقت المغرب هو ما قبل ان يغيب الشفق ولا يبعد ان يكون جبريل أخر المغرب فى اليوم الثانى قليلا لاجل القصر وقته فقال الراوى صلى المغرب فى يومين فى وقت واحد اما لخطأ فى اجتهاده او بيانا لغاية القلة والله اعلم، وكثير من الاحاديث يدل على ان اخر وقت العصر ان تتغير الشمس وهو الذى اطبق عليه الفقهاء فلعل المثلين بيان اخر الوقت المختار، والذى يستحب فيه او نقول لعل الشرع نظر اولا الى ان المقصود من اشتقاق العصر ان يكون الفصل بين كل صلاتين نحوا من ربع النهار فجعل الامد الأخر بلوغ الظل الى المثلين، ثم ظهر من حوائجهم واشغالهم ما يوجب الحكم بزيادة الامد، و ايضا معرفة ذلك الحد تحتاج الى ضرب من التامل وحفظ للفئ الاصلى ورصد، وانما ينبغى ان يخاطب الناس فى مثل ذلك بما هو محسوس ظاهر فنفث الله فى روعه صلى الله عليه وسلم ان يجعل الامد تغير قرص الشمس او ضوءها، والله اعلم، ووقت

الاستحباب الذی یستحب ان یصلی فیه وهو اوائل الاوقات الا العشاء فالمستحب الاصلی تاخیرها لما ذکرنا من الوضع الطبیعی، وهو قوله صلی الله علیه وسلم لولا ان اشق علی امتی لامرتهم ان یؤخروا العشاء، ولانه انفع فی تصفیة الباطن من الاشغال المنسیة ذکر الله واقطع لمادة السمر بعد العشاء لکن التاخیر ربما یفضی الی تقلیل الجماعة و تنفیر القوم، وفیه قلب الموضوع فلهذا کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا اکثر الناس عجل و اذا قلوا اخر، والا الظهر الصیف، و هو قوله صلی الله علیه وسلم اذا اشتد الحر فابردوا بالظهر فان شدة الحر من فیح جهنم

اقول معناه معدن الجنة و النار هو معدن ما یفاض فی هذا العالم من الکیفیات المناسبة و المنافرة وهو تاویل ما ورد فی الاخبار فی الهندبا وغیره، قوله صلی الله علیه وسلم اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر٭

اقول هذا خطاب لقوم خشوا تقلیل الجماعة جدا ان ینتظروا الی الاسفار او لاهل المساجد الکبیرة التی تجمع الضعفاء فا

اوران چار وقتوں میں سے ایک وقت استحباب کا ہے جس میں نماز کا پڑھنا اولیٰ ہوتا ہے اور وہ وقت سب نمازوں کے لئے اول وقت ہے بجز عشار کی نماز کے کہ اس کا اصل مستحب وقت اس کو دیر سے پڑھنا ہے اس وضع طبعی کی وجہ سے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں اور وہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "اگر میں اپنی امت پر دشوار نہ سمجھتا تو میں ان کو عشار کی نماز کو دیر کر کے پڑھنے کا حکم دیدیتا" اس کے علاوہ عشار کی نماز کو دیر سے پڑھنا خدا کی یاد سے غافل کرنے والے اشغال سے باطن کو خوب صاف کرتا ہے اور عشار کے بعد قصے کہانیوں میں پڑنے کو ختم کرتا ہے، لیکن تاخیر کبھی کبھی جماعت میں کمی کا اور نماز سے لوگوں کی بے رغبتی کا سبب بن جاتی ہے اور ایسی تاخیر میں قلب موضوع ہے، پس اس وجہ سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے کہ جب لوگ کثرت سے آجاتے تو جلدی کر کے نماز پڑھاتے اور جب کم ہوتے تو دیر کر کے نماز پڑھاتے، اور موسم گرما میں ظہر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے اس کی نسبت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب گرمی کی شدت ہو تو ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی بھانپ ہے"

میں کہتا ہوں اسکے معنی یہ ہیں کہ اس عالم میں جو کچھ کیفیاتِ مناسبہ اور منافرہ کا فیضان ہوتا ہے ان کا خزانہ جنت اور دوزخ ہیں، اور کاسنی وغیرہ کے متعلق جو حدیث آئی ہے اس کی بھی یہی تاویل ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فجر کی نماز اُجالے میں پڑھو کیونکہ اس سے اجر زیادہ ہوتا ہے"

میں کہتا ہوں یہ ان لوگوں سے خطاب ہے جنکو جماعت کے بہت کم ہونیکا خوف تھا کہ وہ روشنی ہونے تک انتظار کریں، یا بڑی بڑی مساجد والوں سے خطاب ہے جنمیں ضعیف لوگ

اور لڑکے وغیرہ اکٹھے ہوتے ہیں جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "تم میں سے جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو وہ تخفیف کرے کیونکہ جماعت میں ضعیف بھی ہوتے ہیں" الحدیث، یا اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ صبح کی نماز کو اتنا طویل کرو کہ اسفار کے وقت ختم ہوا کرے اور ابو برزہ کی حدیث اس پر دلیل ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں اس وقت فارغ ہوتے تھے کہ آدمی اپنے پاس کے آدمی کو پہچان لیتا تھا، اور ساٹھ آیت سے سو آیت تک پڑھتے تھے پس اب اسفار کی حدیث میں اور غلس[1] کی حدیث میں کوئی منافات نہیں رہی، اور ان چار وقتوں میں سے ایک وقت ضرورت کا ہے اور یہ وہ وقت ہے کہ بغیر عذر کے اس وقت تک نماز کو مؤخر کرنا ممنوع ہے اسکے بارہمیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے طلوع آفتاب سے پہلے صبح کی ایک رکعت پالی تو اس نے صبح کی نماز کو پالیا اور جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی تو اس نے عصر کی نماز کو پالیا" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایسے تنگ وقت میں نماز پڑھنا منافق کی نماز ہے جو بیٹھا دیکھا کرتا ہے یہانتک کہ جب آفتاب زرد ہو جاتا ہے" الحدیث، اور عبد اللہ بن عباس کی حدیث بھی اسی قبیل سے ہے جس سے ظہر وعصر کا جمع کرنا اور مغرب وعشاء کا جمع کرنا ثابت ہے، اور وہ عذر جسکی وجہ سے تاخیر جائز ہے سفر، مرض اور بارش وغیرہ ہیں، اور عشاء کی نماز میں طلوع فجر تک تاخیر کرنا جائز ہے، واللہ اعلم،

اور ان چار وقتوں میں سے ایک وقت قضاء کا ہے جب اسکو نماز یاد آجائے، اور اس کے متعلق نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کسی وقت کی نماز کو بھول جائے یا سو جائے تو جب اسکو وہ نماز یاد آئے پڑھے"

میں کہتا ہوں ساری بات اسمیں یہ ہے کہ نفس نماز کو ترک کرنیکا عادی نہ ہو جائے، اور جو نماز کا فائدہ اس سے فوت ہو گیا ہے وہ اسکو مل جائے، اور علماء نے والسنۃ نماز فوت کرنے کو بھی خود فوت ہونے کے ساتھ ملحق کر دیا ہے، حاشیہ۔

الصبيان وغيرهم كقوله صلے الله عليه واله وسلم ايكم صلے بالناس فليخفف فان فيهم الضعيف الحديث او معناه طولوا الصلوة حتى يقع اخرها فى وقت الاسفار لحديث ابى برزة كان ينفتل فى صلاة الغداة حين يعرف الرجل جليسه ويقرأ بالستين الى المائة فلا منافاة بينه وبين حديث الغلس ووقت الضرورة وهو ما لا يجوز التاخير اليه الا بعذر، وهو قوله صلے الله عليه وسلم من ادرك ركعة من الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك الصبح ومن ادرك ركعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرك العصر، وقوله صلى الله عليه وسلم تلك الصلاة المنافق يرقب الشمس حتى اذا اصفرت الحديث وهو حديث ابن عباس فى الجمع بين الظهر والعصر وبين المغرب والعشاء، والعذر مثل السفر والمرض والمطر وفى العشاء الى طلوع الفجر والله اعلم، ووقت القضاء اذا ذكر، وهو قوله صلى الله عليه وسلم من نسى صلاة او نام عنها فليصلها اذا ذكرها،

اقول وبالجملة فى ذلك ان لا تسترسل النفس بتركها وان يدرك ما فاته من فائدة تلك الصلاة، والحق القوم التفويت بالفوت

[1] غلس تاریکی کو کہتے ہیں، بخاری ومسلم کی حدیث ہے کہ آں حضرت اندھیرے میں نماز پڑھتے تھے، ۱۲۔

نظر الی انه احق بالکفارة، ووصی صلی الله علیه وسلم اباذر اذا کان علیه امراء یمیتون الصلاة صل الصلاة لوقتها، فان ادرکتها معهم فصلها فانها لك نافلة.

اقول راعی فی الصلاة اعتبارین اعتبار کونها وسیلة بینه وبین الله وکونها من شعائر الله یلام علی ترکها، قوله صلی الله علیه وسلم لاتزال امتی بخیر مالم یؤخروا المغرب الی ان تشتبك النجوم.

اقول هذا اشارة الی ان التهاون فی الحدود الشرعیة سبب تحریف الملة، قال الله تعالیٰ حافظوا علی الصلوات والصلاة الوسطیٰ، والمراد بها العصر، قوله صلی الله علیه وسلم من صلی البردین دخل الجنة، قوله صلی الله علیه وسلم من ترك صلاة العصر حبط عمله، وقوله صلی الله علیه وسلم الذی تفوته صلاة العصر فکانما وتر اهله وماله، قوله صلی الله علیه وسلم لیس صلاة اثقل علی المنافقین من الفجر والعشاء، ولو یعلمون ما فیهما لاتوهما ولو حبوا.

اقول انما خص هذه الصلوات الثلاث بزیادة الاهتمام ترغیبا وترهیبا لانها مظنة التهاون و

یہ دیکھ کر کہ اس میں کفارہ ادا کرنا اور بھی زیادہ ضروری ہے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوذر کو وصیت فرمائی تھی جب ان پر ایسے سردار مقرر ہوں جو نماز کو بے جان کر کے پڑھتے ہوں" تو نماز کے وقت پر نماز پڑھا کرنا پھر اگر ان کے ساتھ بھی نماز کو پالے تو ان کے ساتھ پڑھ لینا پس وہ تیرے لئے نفل ہو جائے گی"۔

میں کہتا ہوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز میں دو باتوں کا لحاظ کیا، ایک تو اس کا کہ نماز بندہ اور خدا تعالےٰ کے درمیان وسیلہ ہے، اور دوسرے اس کا کہ نماز اسلام کے شعائر میں سے ہے جس کا تارک قابل ملامت ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت ہمیشہ بخیر رہے گی جبتک کہ وہ مغرب کی نماز کو ستاروں کے گنجان ہونے تک دیر کر کے نہ پڑھیں گے"۔

میں کہتا ہوں اسمیں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حدود شرعیہ کے اندر سستی کرنا دین کے اندر تحریف اور بگاڑ کا سبب ہوتا ہے، خدا تعالےٰ کا فرمان ہے "سب نمازوں کی محافظت کرو خاصکر درمیانی نماز کی" درمیانی نماز سے عصر کی نماز مراد ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے دو ٹھنڈک کے وقت کی نمازیں پڑھیں وہ جنت میں داخل ہوا"، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے عصر کی نماز ترک کر دی اس کا عمل ضائع ہو گیا" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص کی عصر کی نماز جاتی رہی تو گویا اس کی اولاد اور مال غارت ہو گیا" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "منافقین پر فجر اور عشاء سے زیادہ کوئی نماز گراں نہیں ہوتی اور جو کچھ ان نمازوں کے اندر ہے اگر انکو معلوم ہوتا تو ان نمازوں کیلئے آتے خواہ انکو گھسٹنا ہی پڑتا"۔

میں کہتا ہوں ترغیب اور ترہیب کے لحاظ سے انہی تین نمازوں کا زیادہ تر اہتمام اس لئے کیا گیا ہے کہ ان نمازوں میں سستی اور غفلت کا مظنہ ہے

کیونکہ فجر اور عشاء کا وقت لوگوں کے سونے کا وقت ہوتا ہے خدا تعالےٰ کا یقین اور اس کا خوف رکھنے والا ہی اپنی آرام کی نیند اور غنودگی کے وقت اپنے بستر اور گدے سے اللہ تعالےٰ کے واسطے اٹھ سکتا ہے، اور عصر کا وقت پس وہ بازاروں کے قیام کا اور خرید و فروخت میں لوگوں کی مشغولیت کا وقت ہوتا ہے اور وہ وقت کسان لوگوں کے لئے نہایت ہی تھک جانیکا وقت ہوتا ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "گنوار لوگ تمہاری مغرب کی نماز کا نام بدلنے میں تم پر غالب نہ آجائیں" اور ایک دوسری حدیث میں آیا ہے "عشاء کی نماز کا نام بدلنے میں تم پر غالب نہ آجائیں،

میں کہتا ہوں کسی شئی کا نام جو کتاب و سنت میں آیا ہے بدلکر کوئی اور نام رکھنا جو پہلے نام کے متروک ہونے کا سبب بنتا ہو مکروہ ہے کیونکہ ایسا کرنا لوگوں پر ان کے دین کو خلط ملط کرتا ہے اور کتاب آسمانی کو ان پر دشوار کر دیتا ہے،

اذان کا بیان

جب صحابہ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جماعت ایک مقصود اور مؤکد چیز ہے اور ایک وقت اور ایک جگہ میں بغیر اعلام اور آگاہ کرنے کے اجتماع نہیں ہو سکتا تو انہوں نے اس شئی کے بارے میں باہم گفتگو کی جس سے اعلام حاصل ہو جائے، پس کسی نے آگ روشن کرنے کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس کے ساتھ مشابہت ہونے کی وجہ سے نامنظور فرمایا اور کسی نے نرسنگھا بجانے کو کہا تو آپ نے مشابہت یہود کی وجہ سے اسکو رد کر دیا، اور کسی نے ناقوس کیلئے کہا تو اس کو بھی نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مشابہت نصاریٰ کی وجہ سے منظور نہیں کیا

التكاسل لان الفجر والعشاء وقت النوم لا ينتهض لله من بين فراشه ووطائه عند لذيذ نومه ووسنه الا مؤمن تقي، واما وقت العصر فكان وقت قيام اسواقهم واشتغالهم بالبيوع واهل الزراعة اتعب حالهم هذه ٭

قوله صلى الله عليه وآله وسلم لا يغلبنكم الاعراب على اسم صلاتكم المغرب وفي حديث آخر على اسم صلاة العشاء ٭

اقول يكره تسمية ما ورد في الكتاب والسنة مسمى شئ اسما آخر بحيث يكون ذريعة لهجر الاسم الاول لان ذلك يلبس على الناس دينهم ويعجم عليهم كتابهم ٭

الاذان

لما علمت الصحابة ان الجماعة مطلوبة مؤكدة، ولا يتيسر الاجتماع في زمان واحد ومكان واحد بدون اعلام و تنبيه تكلموا فيما يحصل به الاعلام فذكروا النار فردها رسول الله صلى الله عليه وسلم لمشابهة المجوس، وذكروا القرن فرده لمشابهة اليهود، وذكروا الناقوس فرده لمشابهة النصارى، فرجعوا

پس بغیر کسی بات کو معین کئے سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے، اس اثنا میں عبداللہ بن زید نے اذان اور اقامت کو خواب میں دیکھا اور اس خواب کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا آپ نے سُن کر فرمایا "خواب سچا ہے" اور یہ قصہ ان امور پر واضح دلیل ہے کہ احکامِ شرعیہ مصلحتوں کی بنا پر مقرر کئے جاتے ہیں اور اجتہاد کو بھی احکام میں دخل ہے، اور آسانی ایک اصلِ اصیل ہے اور دینی امور میں ان لوگوں کی مخالفت کرنا جو گمراہی میں بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں شارع کو مطلوب ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور بھی خواب کے ذریعہ یا القار فی القلب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی مراد پر کبھی مطلع ہو جاتا ہے لیکن لوگ اس کے مکلف نہیں ہو سکتے اور نہ اس میں سے شبہہ دور ہو سکتا ہے یہاں تک کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا ہو، اور حکمتِ الٰہی کا مقتضٰی یہ ہوا کہ اذان میں صرف اعلام اور تنبیہ ہی نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ اس کا شعائرِ دین میں سے ہونا بھی شمار کیا جائے اس طور پر کہ بے خبر لوگوں کے سروں پر اس کے الفاظ کا پکارنا اور تنبیہ کرنا تعظیمِ دین ہو اور لوگوں کا اس کو قبول کر لینا ان کے دینِ الٰہی کے تابع ہونے کی نشانی ہو، اس واسطے یہ بات ضروری ہوئی کہ اذان ذکرِ الٰہی سے اور شہادتین سے اور نماز کی طرف بلانے سے مرکب ہو، تاکہ جو چیز اس سے مقصود ہے اس کی وہ تصریح کرنے والی ہو،

اور اذان کے کئی طریقے مروی ہیں، ان میں سے سب سے صحیح طریقہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا طریقہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اذان ہر کلمہ کو دو دو مرتبہ کہنے سے اور اقامت ایک ایک مرتبہ

من غير تعيين، فارى عبد الله بن زيد الاذان والاقامة في منامه، فذكر ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فقال رؤيا حق وهذه القصة دليل واضح على ان الاحكام انما شرعت لاجل المصالح وان للاجتهاد فيها مدخلا وان التيسير اصل اصيل وان مخالفة اقوام تماد وافي ضلالتهم فيما يكون من شعائر الدين مطلوب وان غير النبي صلى الله عليه واله وسلم قد يطلع بالمنام او النفث في الروع على مراد الحق، لكن لا يكلف الناس به ولا تنقطع الشبهة حتى يقرره النبي صلى الله عليه وسلم، واقتضت الحكمة الالهية ان لا يكون الاذان صرف اعلام وتنبيه، بل يضم مع ذلك ان يكون من شعائر الدين بحيث يكون النداء به على رءوس الخامل والنبيه تنويها بالدين، ويكون قبوله من القوم اية انقيادهم لدين الله فوجب ان يكون مركبا من ذكر الله ومن الشهادتين والدعوة الى الصلاة ليكون مصرحا بما اريد به،

وللاذان طرق اصحها طريقة بلال رضي الله عنه، فكان الاذان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم مرتين مرتين والاقامة

کہنے سے ہوتی تھی مگر قد قامت الصلوٰۃ کو دوبارہ کہتے تھے، اس کے بعد ابو محذورہ کا طریقہ ہے کہ اُن کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اذان میں اُنیس کلمات اور اقامت میں سترہ کلمات سکھلائے، اور میرے اذان کے کلمات ایسے ہیں جیسے قرآن کی قرأتیں کہ سب شافی، کافی ہیں،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" پس اگر صبح کی نماز ہے تو تجھے کہنا چاہئے الصلاۃ خیر من النوم الصلوٰۃ خیر من النوم،

میں کہتا ہوں صبح کا وقت چونکہ سونے اور غفلت کا وقت ہوتا ہے اور اس میں نہایت قوی تنبیہ کی حاجت ہے اس واسطے ان کلموں کا زیادہ کرنا مستحب ہوا،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص اذان کہے وہی اقامت بھی کہے"،

میں کہتا ہوں اس میں وجہ یہ ہے کہ جب ایک شخص نے اذان کی ابتدا کی تو اس کے مسلمان بھائیوں پر ضروری ہوا کہ اس نے مباح منافع سے جو حاصل کرنا چاہا ہے اس میں اس سے مزاحمت نہ کریں، جسطرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے"کوئی شخص اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی کا پیغام نہ بھیجے"، اور فضائلِ اذان میں سے یہ امور ہیں کہ وہ شعائرِ اسلام میں سے ہے اور اسکی وجہ سے ملک دار الاسلام ہو جاتا ہے اسی وجہ سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم اگر کسی جگہ سے اذان کی آواز سُن لیتے تھے تو حملہ کرنے سے رک جاتے تھے ورنہ اس کو غارت کر دیا کرتے تھے، اور وہ نبوت کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے کیونکہ اس سے اسلام کے بڑے عظیم الشان رکن پر اور اس عبادت پر جو سب عبادتوں کی اصل ہے ترغیب ہوتی ہے، اور خدا تعالیٰ کی رضامندی اور شیطان کی ناراضی جسقدر اس نیکی میں ہوتی

مرة مرة غير انه كان يقول قد قامت الصلاة قد قامت الصلاة، ثم طريقة ابى محذورة علمه النبى صلى الله عليه وسلم الاذان تسع عشرة كلمة والاقامة سبع عشرة كلمة" وعندى انها كاحرف القران، كلها شاف كاف، قوله صلى الله عليه واله وسلم فان كان صلاة الصبح قلت الصلاة خير من النوم الصلاة خير من النوم،

اقول لما كان الوقت وقت النوم والغفلة وكانت الحاجة الى التنبيه القوى شديدة استحب زيادة هذه اللفظة، قوله صلى الله عليه وسلم من اذن فهو يقيم،

اقول سره انه لما شرع فى الاذان وجب على اخوانه ان لا يزاحموه فيما اراد من المنافع المباحة بمنزلة قوله عليه الصلاة والسلام لا يخطب الرجل على خطبة اخيه، وفضائل الاذان ترجع الى انه من شعائر الاسلام وبه تصير الدار دار الاسلام، ولهذا كان النبى صلى الله عليه وسلم ان سمع الاذان امسك، والا اغار، وانه شعبة من شعب النبوة لانه حث على اعظم الاركان وام القربات ولا يرضى الله ولا يغضب الشيطان مثل ما يكون فى الخير المتعدى و

ہے جو دوسروں کی طرف متعدی ہو اور کلمۂ حق کے بلند ہونے میں ہوتی ہے کسی اور چیز میں نہیں ہوتی، اسی کی نسبت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " ایک فقیہ ہزار عابد سے زیادہ شیطان پر سخت ہے "، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " جب نماز کے لئے اذان ہوتی ہے تو شیطان پشت پھیر کر بھاگتا ہے اور اس کا گوز نکل جاتا ہے "،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " موذن سب لوگوں سے زیادہ بلند گردن والے ہوں گے "، اور آپ نے فرمایا " جہاں تک موذن کی آواز جاتی ہے اس کی مغفرت کی جاتی ہے اور جن وانس اس کی گواہی دیں گے "،

میں کہتا ہوں جزا اور سزا کا معاملہ معانی کی صورتوں کے ساتھ مناسبت اور ارواح کے اشباح کے ساتھ تعلق پر مبنی ہے اس واسطے ضروری ہوا کہ موذن کی عظمت وشان اس کی گردن اور آواز کے اعتبار سے ظاہر ہو اور اللہ تعالے کی رحمت اس پر اسقدر پھیلے جسقدر اسکا خدا تعالیٰ کیطرف بلانا لوگوں میں پھیلتا ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " جس شخص نے طلب ثواب کی غرض سے سات سال تک اذان دی تو اس کے لئے آگ سے رہائی لکھدی گئی "، اور یہ اس واسطے کہ اس نے اپنی صحت تصدیق کو ظاہر کیا، خدا تعالیٰ کے لئے سات سال تک اذان دینے کی وہی شخص پابندی کر سکتا ہے جس نے اپنے آپکو خدا تعالے کے سپرد کر دیا ہو اور اس واسطے کہ اس نے اپنے نفس کو اس قابل بنا لیا کہ رحمت الٰہی اس پر پورے طور سے چھا جائے، خدا تعالیٰ نے اس چرواہے کے حق میں جو پہاڑ کے ٹیلہ پر بکریاں چراتا تھا فرمایا " میرے اس بندے کیطرف دیکھو اذان کہتا ہے اور نماز پڑھتا ہے، وہ مجھ سے ڈرتا ہے میں نے اسکو بخش دیا اور اسکو جنت میں داخل کیا "، خدا کا یہ فرمانا " وہ مجھ سے ڈرتا ہے " اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال کا اعتبار ان کے دواعی پر ہوتا ہے جو ان اعمال پر ابھارنے

اعلاء كلمة الحق، وهو قوله صلى الله عليه وآله وسلم فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد، وقوله صلى الله عليه وسلم اذا نودي للصلاة ادبر الشيطان له ضراط ؛

قوله صلى الله عليه وآله وسلم المؤذنون اطول الناس اعناقا، وقوله صلى الله عليه وآله وسلم المؤذن يغفر له مدى صوته ويشهد له الجن والانس ؛

اقول امر المجازاة مبني على مناسبة المعاني بالصور وعلاقة الارواح بالاشباح، فوجب ان يظهر نباهة شان المؤذن من جهة عنقه وصورته وتتسع رحمة الله عليه اتساع دعوته الى الحق ؛

قوله صلى الله عليه وآله وسلم من اذن سبع سنين محتسبا كتبت له براءة من النار، وذلك لانه مبين صحة تصديقه لانتصور المواظبة عليه لله الا ممن اسلم وجهه لله ولانه امكن من نفسه غاشية عظيمة من الرحمة الالهية قول الله في راعي غنم في راس شظية انظروا الى عبدي هذا يؤذن ويقيم الصلاة يخاف مني، قد غفرت له وادخلته الجنة، قوله يخاف مني، دليل على ان الاعمال تعتبر بدواعيها المنبعثة هي منها، وان الاعمال اشباح

اور دواعی ان اعمال کی ارواح ہیں پس خدا تعالیٰ سے اس کا خوف کرنا اور اس کا اخلاص اس کی مغفرت کا سبب ہو گیا، اور چونکہ اذان جو شعائر دین میں سے ہے اس لئے مقرر کی گئی کہ اس کے ذریعہ لوگوں کا ہدایت الٰہیہ کا قبول کر لینا پہچان لیا جائے اس واسطے اذان کے جواب دینے کا لوگوں کو حکم دیا گیا تاکہ جواب دینے سے اس کی تصریح ہو جائے جس کا حصول لوگوں کی جانب سے مقصود ہے پس سننے والا ذکر اور شہادتین کا جواب انہی الفاظ کے ساتھ دے اور دعوت کا جواب ان الفاظ کے ساتھ دے جن میں گناہ سے باز رہنے کی اور نیکی کے کرنے کی طاقت کی طلب خاص خدا سے ہو تاکہ اس عبادت کے کرتے وقت فخر پیدا نہ ہو، جو شخص دلی خلوص سے ایسا کرے گا جنت میں داخل ہو گا کیونکہ ایسا کرنا قلبی فرمانبرداری کی صورت ہے اور اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دینا ہے، پھر اسکے بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے دعا[1] کرنیکا حکم دیا گیا تاکہ وہ آپکے دین کو قبول کرنے کی اور آپ کی محبت اختیار کرنے کی حقیقت کو کامل کر دے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اذان اور اقامت کے درمیان میں دعا رد نہیں ہوتی"

میں کہتا ہوں اسوقت میں دعا کا رد نہ ہونا رحمت الٰہیہ کے شمول اور دعا کرنے والے کیطرف سے تابعداری پائے جانے کا سبب ہوتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بلال رات میں اذان دیا کرتا ہے پس جبتک ابن ام مکتوم اذان نہ دے تم کھاؤ پیو"

میں کہتا ہوں امام کیلئے مستحب ہے کہ جب اسکو ضرورت معلوم ہو تو دو مؤذن مقرر کر دے جن کی آواز لوگ پہچانتے ہوں اور لوگوں کو یہ بتلا دے کہ ان میں سے فلاں مؤذن رات میں اذان دیتا ہے پس جب تک دوسرا مؤذن اذان نہ دے تم کھایا پیا کرو تاکہ جو شخص بیدار ہو چکا ہے اور سحری کھا رہا ہے وہ پہلی اذان سے رک جائے اور سونے والا نماز کے لئے اٹھ بیٹھے اور سحری کھائے ہو

وتلك الدواعي ارواح لها، فكان خوفه من الله واخلاصه له سبب مغفرته ولما كان الاذان من شعائر الدين جعل ليعرف به قبول القوم للهداية الالهية امر بالاجابة لتكون مصرحة بما اريد منهم فيجيب الذكر والشهادتين بهما ويجيب الدعوة بما فيه توحيد في الحول والقوة دفعا لما عسى ان يتوهم عند اقدامه على الطاعة من العجب من فعل ذلك خالصا من قلبه دخل الجنة، لانه شبح الانقياد واسلام الوجه لله وامر بالدعاء للنبي صلى الله عليه وسلم تكميلا لمعنى قبول دينه واختيار حبه، قوله صلے الله عليه واله وسلم لا يرد الدعاء بين الاذان والاقامة،

اقول ذلك لشمول الرحمة الالهية ووجود الانقياد من الداعي قوله صلے الله عليه وسلم ان بلالا ينادي بليل فكلوا واشربوا حتى ينادي ابن ام مكتوم،

اقول يستحب للامام اذا راى الحاجة ان يتخذ مؤذنين يعرفون اصواتهما، ويبين للناس ان فلانا ينادي بليل فكلوا واشربوا حتى ينادي فلان ليكون الاول منهما للقائم والمتسحر ان يرجعا، وللنائم ان يقوم الى صلاته ويتدارك ما

[1] یعنی اللھم رب ھذہ الدعوۃ آخیر تک پڑھے ۱۲،

تو جلدی سے سحری کھالے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب نماز کی اقامت ہو تو نماز کے لئے دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ چلتے ہوئے آؤ"

میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عبادات میں تکلف نہیں کرنا چاہیے،

مساجد کا بیان

مسجد بنانے کی اور اس کے التزام کی فضیلت اور مسجد میں نماز کے انتظار کی فضیلت کے اسباب یہ ہیں کہ مسجد شعائر اسلام میں سے ہے، چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم کسی مسجد کو دیکھو یا کسی مؤذن کو اذان کہتے سنو تو پھر کسی کو قتل نہ کرو"

اور وہ نماز کی جگہ ہے، عابدوں کے اعتکاف کی جگہ ہے اور رحمت نازل ہونے کی جگہ ہے اور کسی قدر کعبہ کے مشابہ ہے، چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنے گھر سے پاک ہوکر فرض نماز کے لئے نکلا تو اس کا اجر ایسا ہے جیسے حج کرنے والے کا جو حالت احرام میں ہو، اور جو شخص چاشت کی نماز کے لئے گھر سے نکلا اور اس کا مقصود نماز پڑھنا ہی ہو تو اس کا اجر عمرہ کرنے والے کے اجر کے برابر ہے" اور آپ نے فرمایا "جب تمہارا جنت کے باغوں میں گذر ہوا کرے تو اس میں چرا کرو، کسی نے پوچھا جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا مساجد" اور تمام کاروبار اور اہل و عیال سے یکسو ہوکر اوقات نماز میں محض نماز کی خاطر مسجد کی طرف متوجہ ہونا اس شخص کے اخلاص دین اور دل سے اپنے رب کی اطاعت کی دلیل ہے چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب ایک شخص نے وضو کیا اور اچھے طور پر کیا پھر مسجد کی طرف خاص نماز ہی کے لئے چلا تو اس کی وجہ سے ہر ہر قدم پر اس کا

فاته من سحوره، قوله صلى الله عليه اذا اقيمت الصلاة فلا تاتوها تسعون واتوها تمشون.

اقول هذا اشارة الى رد التعمق فى التنسك.

المساجد

فضل بناء المسجد وملازمته وانتظار الصلاة فيه ترجع الى انه من شعائر الاسلام، وهو قوله صلى الله عليه وسلم اذا رايتم مسجدا او سمعتم مؤذنا فلا تقتلوا احدا، وانه محل الصلاة معتكف العابدين ومطرح الرحمة ويشبه الكعبة من وجه، وهو قوله صلى الله عليه وسلم من خرج من بيته متطهرا الى صلاة مكتوبة فاجره كاجر الحاج المحرم ومن خرج الى التسبيح الضحى لا ينصبه الا اياه فاجره كاجر المعتمر، و قوله صلى الله عليه وسلم اذا مررتم برياض الجنة فارتعوا قيل وما رياض الجنة، قال المساجد، وان التوجه اليه فى اوقات الصلاة من بين شغله واهله لايقصد الا الصلاة معرف لخلاصه فى دينه و انقياده لربه من جذر قلبه، وهو قوله صلى الله عليه وسلم اذا توضا فاحسن الوضوء ثم خرج الى المسجد لايخرجه الا الصلاة لم يخط خطوة

ایک درجہ بلند اور ایک گناہ کم ہوتا چلا جاتا ہے پھر جب وہ نماز پڑھنے لگتا ہے تو جب تک وہ اپنی نماز میں رہتا ہے اس کے لئے ملائکہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے خدا اس پر فضل کر، اے خدا اس پر رحم کر، اور تم میں سے جب تک کوئی نماز کا انتظار کرتا ہے نماز ہی میں رہتا ہے" اور مسجد کا بنانا اعلاء کلمۃ اللہ کی اعانت کرنا ہے،

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص صبح کو یا شام کو مسجد میں جاتا ہے اللہ تعالےٰ جنت میں اس کی مہمانی کا سامان کرتا ہے خواہ وہ صبح کو جائے یا شام کو"

میں کہتا ہوں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر صبح و شام کو جانا بہیمیت کو ملکیت کے تابع کرنا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے خدا کے لئے مسجد بنائی خدا اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنائے گا"

میں کہتا ہوں اس میں راز یہ ہے کہ جزا بصورتِ عمل ہوتی ہے اور وضو جاتے رہنے سے انتظار کا ثواب اس لئے منقطع ہو جاتا ہے کہ اس وقت میں اس کی نماز کے لئے تیاری باقی نہیں رہتی، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی مسجد کو اور مسجد حرام کو زیادہ ثواب ہونے کی فضیلت چند وجوہ سے ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان مواضع میں خاص خاص فرشتے مقرر ہیں جو وہاں کے باشندوں کو گھیرے رہتے ہیں اور جو وہاں آتا ہے اس کے لئے دعا کرتے ہیں،

اور ان وجوہ میں سے ایک یہ ہے کہ ان مواضع کا آباد کرنا اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم ہے اور کلمۃ اللہ کو بلند کرنا ہے،

اور ان وجوہ میں سے ایک یہ ہے کہ ان مواضع میں آنا ائمہ دین کے حال کو یاد دلانا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم

الا رفعت له بها درجة وحط عنه بها خطيئة، فاذا صلى لم تزل الملائكة تصلي عليه ما دام في مصلاه، اللهم صل عليه اللهم ارحمه، ولا يزال احدكم في صلاة ما انتظر الصلاة" وان بناءه اعانة لاعلاء كلمة الحق،

قوله صلى الله عليه وآله وسلم من غدا الى المسجد او راح اعد الله له نزله من الجنة كلما غدا او راح،

اقول هذا اشارة الى ان كل غدوة وروحة تمكن من انقياد البهيمية للملكية، قوله صلى الله عليه وآله وسلم من بنى لله مسجدا بنى الله له بيتا في الجنة،

اقول سره ان المجازاة تكون بصورة العمل وانما انقضى ثواب الانتظار بالحدث لانه لا يبقى متهيئا للصلاة وانما فضل مسجد النبي صلى الله عليه وسلم والمسجد الحرام بمضاعفة الاجر لمعان، منها ان هنالك ملائكة موكلة بتلك المواضع يحفون باهلها ويدعون لمن حلها، ومنها ان عمارة تلك المواضع من تعظيم شعائر الله واعلاء كلمة الله، ومنها ان الحلول بها مذكر لحال ائمة الملة، قوله صلى الله عليه

نے فرمایا" سوائے تین مساجد کے کہیں کے لئے کجاوے نہ کسو، مسجدِ حرام اور مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد"۔

میں کہتا ہوں اہل جاہلیت ان مقامات کو اپنے زعم میں معظم سمجھتے تھے ان کی زیارت کرنے کے لئے اور برکت حاصل کرنے کے لئے سفر کرتے تھے، اور اس میں دین کی تحریف اور فساد ہے جو پوشیدہ نہیں ہے، پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس فساد کا دروازہ بند کر دیا تاکہ جو چیزیں شعائر الٰہی نہیں ہیں وہ شعائر میں نہ مل جائیں اور تاکہ یہ غیر اللہ کی عبادت کا ذریعہ نہ ہو جائے، اور میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ قبر اور اولیاء اللہ میں سے کسی کی عبادت گاہ اور کوہ طور سب کے سب ممنوع ہونے میں برابر ہیں، واللہ اعلم۔

مسجد کے آداب کے کئی طریقے ہیں، ان میں سے ایک مسجد کی تعظیم کا لحاظ رکھنا اور اپنے نفس کو اس بات کا پابند کرنا کہ دل میں متفرق خیالات نہ آئیں اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد وہ مطلق العنان نہ رہے چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تم میں سے جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پیشتر دو رکعت پڑھ لے" اور ان آداب میں سے ایک مسجد کو ان چیزوں سے جو ناپاک اور مکروہ ہیں پاک صاف رکھنا ہے، اس کے متعلق راوی کہتا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے بنانے کا اور اس کو پاک صاف رکھنے کا اور معطر کرنے کا حکم دیا، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت کے اجر میرے سامنے پیش کئے گئے یہاں تک کہ کوڑی کا اجر بھی جسکو کوئی شخص مسجد سے نکال دیتا ہے دکھایا گیا" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" مسجد میں تھوکنا ایک خطا ہے اور اس کا کفارہ اسکو مٹی میں دبا دینا ہے"۔

وسلم لا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد المسجد الحرام والمسجد الاقصى ومسجدى هذا۔

اقول كان اهل الجاهلية يقصدون مواضع معظمة بزعمهم يزورونها ويتبركون بها، وفيه من التحريف والفساد ما لا يخفى، فسد النبى صلى الله عليه وسلم الفساد لئلا يلتحق غير الشعائر بالشعائر ولئلا يصير ذريعة لعبادة غير الله، والحق عندى ان القبر ومحل عبادة ولى من اولياء الله والطور كل ذلك سواء فى النهى والله اعلم۔

وآداب المسجد:- ترجع الى معان منها تعظيم المسجد ومؤاخذة نفسه ان يجمع الخاطر ولا يسترسل عند دخوله، وهو قوله صلى الله عليه وسلم اذا دخل احدكم المسجد فليركع ركعتين قبل ان يجلس، ومنها تنظيفه مما يتقذر ويتنفر منه، وهو قول الراوى امر يعنى النبى صلى الله عليه واله وسلم ببناء المسجد، وان ينظف ويطيب، وقوله صلى الله عليه وسلم عرضت علىّ اجور امتى حتى القذاة يخرجها الرجل من المسجد، وقوله صلى الله عليه وسلم البزاق فى المسجد خطيئة وكفارتها دفنها۔

اور ان میں سے ایک عبادت کرنے والوں کے دل پراگندہ کرنے سے اور بازار کا سا شور و غل کرنے سے باز رہنا ہے، چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا تھا "اس تیر کا پھل اپنے ہاتھ میں رکھ"، اور آپ نے فرمایا "جو کوئی کسی شخص کو مسجد کے اندر اپنی گم شدہ چیز کے لئے آواز دیتا ہوا سُنے تو اس کو یہ کہنا چاہیے:۔ خدا تیری طرف اس کو واپس نہ کرے کیونکہ مسجدیں اس واسطے نہیں بنائی گئی ہیں"، اور آپ نے فرمایا ہے "جب تم مسجد کے اندر کسی شخص کو خریدتا یا فروخت کرتا دیکھو تو کہدو کہ خدا تعالےٰ تیری تجارت میں نفع نہ دے" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر اشعار پڑھنے سے شکار کرنے سے اور حدود قائم کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ گم شدہ چیز کا تلاش کرنا یعنی اسکی طلب میں آواز بلند کرنا اس لئے ممنوع ہوا کہ وہ شور و غل ہے جس سے نماز پڑھنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کے دل اُچاٹ ہوتے ہیں، اور اس کے مطلوب کے خلاف بد دعا کرنے جس میں کہ اس کی ذلت بھی ہوتی ہے اسکو منع کرنا مستحب ہے، اور اس کی علت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ مسجدیں اس لئے نہیں بنائی گئی ہیں، یعنی وہ ذکر الٰہی اور نماز کے لئے بنائی گئی ہیں، اور مسجد کے اندر خرید و فروخت کرنا اس لئے ممنوع ہوا کہ مسجد بازار نہ بن جائے کہ لوگ اس میں معاملات کرنے لگیں پس اسکی حرمت جاتی رہے اور نمازیوں اور معتکفوں کو تشویش پیدا ہونے لگے، اور اشعار پڑھنے سے منع کرنے کی وجہ بھی یہی ہے جو ہم نے بیان کی اور یہ وجہ بھی ہے کہ اشعار پڑھنے میں ذکر الٰہی سے اعراض اور دوسروں کو اعراض کی ترغیب دینا پایا جاتا ہے، اور مسجد کے اندر شکار اور حدود کی اسلئے ممانعت ہوئی کہ اسمیں گندگی، رونے اور پیٹنے اور شور و غل کے پیدا ہونے اور عبادت سے نمازیوں کے دل ہٹنے کا احتمال ہے البتہ وہ اشعار مستثنیٰ ہیں جن میں ذکر الٰہی ہو

ومنها الاحتراز عن تشويش العباد و هيشات الاسواق وهو قوله صلى الله عليه وسلم امسك بنصالها قوله صلى الله عليه وسلم من سمع رجلا ينشد ضالة في المسجد فليقل لا ردها الله اليك فان المساجد لم تبن لهذا، قوله اذا رايتم من يبيع او يبتاع في المسجد فقولوا لا اربح الله تجارتك، ونهى عن تناشد الاشعار في المسجد وان يستقاد في المسجد وان تقام فيه الحدود،

اقول اما نشد الضالة اى رفع الصوت بطلبها فلانه صخب ولغط يشوش على المصلين والمعتكفين ويستحب ان ينكر عليه بالدعاء بخلاف ما يطلبه ارغاما له، وا علله النبي صلى الله عليه وسلم بان المساجد لم تبن لهذا اى انما بنيت للذكر والصلاة، واما الشراء والبيع فلئلا يصير المسجد سوقا يتعامل فيه الناس فتذهب حرمته ويحصل التشويش على المصلين و المعتكفين، واما تناشد الاشعار فلما ذكرنا، ولان فيه اعراضا عن الذكر وحثا على الاعراض عنه واما القود والحدود فلانها مظنة للالواث والجزع والبكاء والصخب والتشويش على اهل المسجد، ويخص من الاشعار ما كان فيه الذكر وا

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح ہو اور کفار کو غم و غصہ میں مبتلا کرنا ہو کیونکہ یہ غرض شرعی ہے، اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان کے لئے دعا کی تھی کہ "اے اللہ تو روح القدس سے اس کی تائید کر"۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی حائض اور جنبی کے لئے میں مسجد کو حلال نہیں رکھتا"۔

میں کہتا ہوں اس ممانعت کا سبب تعظیم مسجد ہے کیونکہ مسجد کی سب سے بڑی تعظیم یہ ہے کہ کوئی انسان بغیر طہارت کے اس میں داخل نہ ہو، اور بے وضو ر کو مسجد میں داخل ہونے سے منع کرنے میں بڑی دقت تھی اور جنبی اور حائض کو منع کرنے میں کوئی دقت نہیں ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کو بہ نسبت دوسری لوگوں کے نماز سے زیادہ بعد ہے اور مسجد نماز ہی کے لئے بنائی گئی ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس بدبودار درخت کو کھا کر کوئی شخص ہماری مسجد میں ہرگز نہ آئے کیونکہ جس چیز سے لوگوں کو ایذا ہوتی ہے اس چیز سے فرشتوں کو بھی ہوتی ہے"۔

میں کہتا ہوں اس بدبودار درخت سے مراد پیاز یا لہسن ہے اور ہر بدبودار چیز اسی حکم میں ہے، اور فرشتوں کو ایذا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس سے کراہت کرتے ہیں اور نفرت کرتے ہیں کیونکہ فرشتے پاکیزہ اخلاق اور خوشبودار چیزوں کو پسند کرتے ہیں اور انکی اضداد چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس کو یہ کہنا چاہئے:- اللھم افتح لی ابواب رحمتك، پھر جب مسجد سے نکلے تو یہ کہنا چاہئے:- اللھم انی اسالك من فضلك

میں کہتا ہوں داخل ہونے والے کے لئے طلب رحمت کی تخصیص اور نکلنے والے کے لئے طلب فضل کی تخصیص میں حکمت یہ ہے کہ کتاب اللہ میں رحمت سے نفسانی اور اخروی نعمتیں مراد ہیں جیسے ولایت اور نبوت، خدا تعالے نے فرمایا "اور تیرے رب کی رحمت اس خیر سے جس کو وہ جمع کرتے ہیں بہتر ہے"

مدح النبی صلے اللہ علیہ وسلم و غیظ الکفار لانہ غرض شرعی، و ھو قولہ صلے اللہ علیہ وسلم لحسان اللھم ایدہ بروح القدس، قولہ صلے اللہ علیہ و الہ وسلم انی لا احل المسجد لحائض ولا جنب۔

اقول السبب فی ذلك تعظیم المسجد فان اعظم التعظیم ان لا یقربه انسان الا بطھارۃ وکان فی منع دخول المحدث حرج عظیم، ولا حرج فی الجنب والحائض ولانھما ابعد الناس عن الصلاۃ والمسجد انما بنی لھا، قولہ صلے اللہ علیہ و الہ وسلم من اکل ھذہ الشجرۃ المنتنۃ فلا یقربن مسجدنا فان الملائکۃ تتاذی مما یتاذی منہ الانس۔

اقول ھی البصل او الثوم وفی معناہ کل منتن، ومعنی تتاذی تکرہ وتتنفر لانھا تحب محاسن الاخلاق والطیبات وتکرہ اضدادھما قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل احدکم المسجد فلیقل اللھم افتح لی ابواب رحمتك فاذا خرج فلیقل اللھم انی اسالك من فضلك۔

اقول الحکمۃ فی تخصیص الداخل بالرحمۃ والخارج بالفضل ان الرحمۃ فی کتاب اللہ ارید بھا النعم النفسانیۃ والاخرویۃ کالولایۃ والنبوۃ، قال تعالی ورحمۃ ربك خیر مما یجمعون

اور فضل سے دنیاوی نعمتیں مراد ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا "تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم اپنے رب کے فضل کو طلب کرو" اور خدا تعالےٰ نے فرمایا "پس جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور خدا کے فضل کو طلب کرو" اور جو شخص مسجد میں جاتا ہے تو وہ خدا تعالےٰ کا قرب تلاش کرتا ہے اور مسجد سے نکلنے کے بعد روزی تلاش کرنے کا وقت ہوتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی مسجد میں جائے تو وہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھ لے"

میں کہتا ہوں یہ اس وجہ سے مقرر کیا گیا کہ جو مکان نماز کے لئے بنایا گیا ہے اس میں داخل ہونے کے وقت نماز پڑھنا بڑے خسارہ اور حسرت کی بات ہے اور اس میں ایک امر محسوس سے نماز کی طرف رغبت کا بھی انضباط ہو جاتا ہے اور اس میں مسجد کی تعظیم بھی ہوتی ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمام زمین نماز کی جگہ ہے بجز مقبرہ اور حمام کے" اور سات جگہیں نماز پڑھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ کوڑی خانہ میں اور مقبرہ میں اور مذبح میں اور عام راستہ میں اور حمام میں اور اونٹوں کے بندھنے کی جگہ میں اور خانہ کعبہ کی چھت پر اور بابل کی زمین میں نماز پڑھنے سے بھی منع فرمایا کیونکہ اس زمین پر خدا کی لعنت ہو چکی ہے،

میں کہتا ہوں کوڑی کی جگہ اور مذبح میں نماز پڑھنے سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ وہ دونوں نجاست کے مقام ہیں اور نماز کے لئے طہارت اور پاکیزگی مناسب ہے، اور مقبرہ میں نماز پڑھنے سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ بتوں کی طرح سے علماء اور اولیاء کی قبور کی لوگ پرستش شروع نہ کردیں کیونکہ یہ شرک خفی ہے یا ان مقابر میں نماز پڑھنے کو زیادہ تقرب الی اللہ نہ سمجھنے لگیں

والفضل على النعم الدنيوية قال تعالى ليس عليكم جناح ان تبتغوا فضلا من ربكم، وقال تعالى فاذا قضيت الصلاة فانتشروا في الارض و ابتغوا من فضل الله، ومن دخل المسجد انما يطلب القرب من الله والخروج وقت ابتغاء الرزق، قوله صلى الله عليه وسلم اذا دخل احدكم المسجد فليركع ركعتين قبل ان يجلس"

اقول انما شرع ذلك لان ترك الصلاة اذا دخل بالمكان المعد لها ترة وحسرة، وفيه ضبط الرغبة في الصلاة بامر محسوس، وفيه تعظيم المسجد قال النبي صلى الله عليه و سلم الارض كلها مسجد الا المقبرة والحمام، ونهى ان يصلى في سبعة مواطن في المزبلة والمقبرة والمجزرة وقارعة الطريق وفي الحمام وفي معاطن الابل وفوق ظهر بيت الله ونهى عن الصلاة في ارض بابل فانها ملعونة"

اقول الحكمة في النهي عن المزبلة والمجزرة انهما موضعا النجاسة و المناسب للصلاة هو التطهر والتنظف وفي المقبرة الاحتراز عن ان تتخذ قبور الاحبار والرهبان مساجد بان يسجد لها كالاوثان وهو الشرك الخفي او يتقرب الى الله بالصلاة

اور یہ شرک خفی ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا یہی مفہوم ہے:۔ یہود ونصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سورج کے طلوع، استواء اور غروب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمانا اسی کی نظیر ہے کیونکہ ان اوقات میں کفار آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں، اور حمام میں نماز پڑھنے سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ وہ لوگوں کے ستر برہنہ ہونے کی اور لوگوں کے آتے جاتے رہنے کی جگہ ہے پس یہ باتیں نمازی کو حضور قلب کے ساتھ مناجات کرنے سے روک دیں گی، اور اونٹوں کے باندھنے کے مواضع میں نماز پڑھنے سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اونٹ عظیم الجثہ ہونے کی وجہ سے اور سختی کے ساتھ پکڑنے کی وجہ سے اور اس کی زیادہ جرأت کی وجہ سے انسان کو ایذاء پہنچا سکتا ہے پس اس خیال سے اس جگہ نمازی کو حضور قلب حاصل نہ ہوگا بخلاف ان مواضع کے جہاں بکریاں باندھی جاتی ہیں، اور عام راستہ پر نماز پڑھنے سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ راہ چلنے والوں کی وجہ سے اس کا دل نماز میں نہ لگے گا اور چلنے والوں پر راستہ بھی تنگ ہو جائیگا اسکے علاوہ وہ درندوں کے گذرنے کا راستہ ہوتا ہے جیسا کہ وہاں اترنے سے صریح نہی وارد ہے، اور بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ بلا ضرورت بیت اللہ کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے اور اسمیں خانہ کعبہ کی بے حرمتی ہے اور اس حالت میں استقبال الی القبلہ ہونے میں بھی شک ہے، اور اس زمین میں جہاں خسف واقع ہونے یا پتھر برسنے سے لعنت ہو چکی ہے نماز پڑھنے سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اس زمین کو حقیر سمجھنا مقصود ہے، اسکے علاوہ خدا تعالیٰ کا خوف کر کے اسکے مقام غضب سے دور رہنا ہی چاہئے چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس جگہ روتے ہوئے جاؤ"

نمازی کے کپڑوں کا بیان

واضح ہو کہ لباس کا پہننا ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے

فی تلک المقابر وھو الشرک وھذا مفھوم قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ الیھود والنصاری اتخذوا قبور انبیائھم مساجد، ونظیرہ نھیہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الصلاۃ فی وقت الطلوع والاستواء والغروب لان الکفار یسجدون للشمس حینئذ وفی الحمام انہ محل انکشاف العورات ومظنۃ الازدحام فیشغلہ ذلک عن المناجاۃ بحضور القلب، وفی معاطن الابل ان الابل لعظم جثتھا وشدۃ بطشھا وکثرۃ جراءتھا کادت تؤذی الانسان فیشغلہ ذلک عن الحضور بخلاف الغنم، وفی قارعۃ الطریق اشتغال القلب بالمارین وتضییق الطریق علیھم ولانھا ممر السباع کما ورد صریحا فی النھی عن النزول فیھا، وفوق بیت اللہ ان الترقی علی سطح البیت من غیر حاجۃ ضروریۃ مکروہ ھاتک لحرمتہ وللشک فی الاستقبال حالئذ، وفی الارض الملعونۃ بنحو خسف او مطر الحجارۃ اھانتھا والبعد عن مظان الغضب ھیبۃ منہ وھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تدخلوہ الا باکین۔

ثیاب المصلی

اعلم ان لبس الثیاب مما امتاز

انسان کو تمام بہائم سے امتیاز حاصل ہے، اور کپڑوں کا پہننا انسان کے عمدہ حالات میں سے ہے اور اس میں ایک طرح کی طہارت پائی جاتی ہے اور اس میں نماز کی تعظیم ہوتی ہے اور اس سے اس مناجات کا جو خدا تعالےٰ کے روبرو ہوتی ہے ادب ثابت ہوتا ہے اور لباس کا پہننا بذاتِ خود ایک واجب چیز ہے اس کو نماز میں اس لئے شرط کر دیا گیا ہے تاکہ اس سے نماز کے معنی کی تکمیل ہو جائے، شارع نے لباس کی دو حدیں مقرر کی ہیں ایک تو وہ حد ہے جو ضروری ہے اور وہ نماز کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے، اور ایک وہ حد ہے جو مستحب ہے، پس پہلی حد مرد کے لئے پیشاب اور پائخانہ کے مقام کا ستر کرنا ہے اور ان دونوں میں پیشاب کے مقام کا ستر زیادہ ضروری ہے اور دونوں رانیں انہی کے ساتھ ملحق ہیں اور عورت کیلئے تمام بدن کا ستر کرنا ہے کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حائض کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں ہوتی" حائض سے بالغ عورت مراد ہے، اور دونوں رانوں کو شرمگاہ کے ساتھ اس لئے ملحق کیا کہ ران محلِ شہوت ہے اور اسی طرح عورت کا تمام بدن محل شہوت ہے اس واسطے اسکا حکم وہی ہے جو دونوں شرمگاہوں کا حکم ہے، اور دوسری حد یعنی لباس مستحب کے بارہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے "تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں کہ اس میں سے اسکے کاندھے پر کچھ نہ ہو نماز نہ پڑھے" اور فرمایا "جب کپڑا بڑا ہو تو اس کے دونوں طرف اِدھر اُدھر ڈال لے"، اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ عرب اور عجم اور تمام وہ لوگ جن کے مزاج درست اور انسانیت پر ہیں باوجودیکہ وہ اپنی وضع میں مختلف ہیں کہ کوئی قبا پہنتا ہے، کوئی قمیص پہنتا ہے، کوئی حلہ پہنتا ہے اور کوئی انکے علاوہ کچھ اور پہنتا ہے ان سب کی پوری ہیئت اور ان سب کا پورا لباس وہی ہوتا ہے جس میں دونوں کاندھے اور پشت کپڑے سے ڈھک جائیں،

به الانسان عن سائر البهائم و هو احسن حالات الانسان، وفيه شعبة من معنى الطهارة، وفيه تعظيم الصلاة وتحقيق ادب المناجاة بين يدى رب العلمين وهو واجب اصلى جعل شرطا فى الصلاة لتكميله معناها وجعل الشارع على حدين، حد لا بد منه وهو شرط صحة الصلاة، وحد هو مندوب اليه فالاول منه المسوءتان وهو اكدهما والحق بهما الفخذان وفى المرأة سائر بدنها لقوله صلى الله عليه واله وسلم لا تقبل صلاة حائض الا بخمار، يعنى البالغة لان الفخذ محل الشهوة، وكذا بدن المرأة فكان حكمها حكم السوأتين، و الثانى قوله صلى الله عليه وسلم لا يصلين احدكم فى الثوب الواحد ليس على عاتقه منه شئ، وقال اذا كان واسعا فخالف بين طرفيه والسر فيه ان العرب والعجم وسائر اهل الامزجة المعتدلة انما تمام هيئتهم وكمال زيهم على اختلاف اوضاعهم فى لباس القباء والقميص والحلة وغيرها ان يستر العاتقان والظهر، و سئل النبى صلى الله عليه وسلم عن الصلاة فى ثوب واحد فقال

نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا

کیا ہر ہر شخص کے پاس دو کپڑے ہوتے ہیں؟ پھر حضرت عمرؓ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا، جب خدا تعالےٰ وسعت دے تو وسعت کرو، جمع کیا ایک شخص نے الخ

میں کہتا ہوں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حدِ اول کی بابت دریافت کیا گیا تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا قول حدِ ثانی کا بیان ہے، اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آں حضرت سے اس حد ثانی کے بارے میں ہی سوال کیا گیا ہو جو مستحب ہے پس آپ نے دو کپڑوں کا حکم نہیں دیا کیونکہ دو کپڑوں کی شرط کے ساتھ حکم کرنے میں خواہ وہ استحباب کے لئے ہی شرط ہوں ایک طرح کا حرج ہے اور شاید اس وجہ سے دو کپڑوں کا حکم نہیں کیا ہو کہ جس شخص کو دو کپڑے میسر نہ ہوں تو وہ اپنے دل میں کچھ کوتاہی پائے پس اس کوتاہی کی وجہ سے جو وہ اپنے خیال میں محسوس کرتا ہے اس کی نماز ہی نا مکمل رہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ جانتے تھے کہ احکام کے مقرر کرنے کا وقت گذر گیا اور ان کو یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ نماز میں پورا لباس پہننا مستحب ہے اس واسطے انہوں نے اس کے موافق حکم کر دیا، واللہ اعلم،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جو اس حالت میں نماز پڑھتا تھا کہ اسکے سر کے بال پیچھے کی جانب بندھے ہوئے تھے، فرمایا "اس شخص کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص شانے بندھے ہوئے حال میں نماز پڑھتا ہو گا"

میں کہتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہ بات بتلا دی کہ خوبصورتی اور پورا لباس اور طریقِ ادب میں کمی کرنا کراہت کا موجب ہوتا ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس چادر کے متعلق جس پر نقش و نگار تھے فرمایا "اس نے اب مجھکو میری نماز سے ہٹا دیا" اور آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا "اس تصویر والے پردے کو اتار ڈال اس واسطے کہ اس کی تصویریں میری نماز میں

او لكلهم ثوبان ثم سئل عمر رضي الله عنه فقال اذا وسع الله فوسعوا جمع رجل الخ.

اقول الظاهر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن الحد الاول وقول عمر رضي الله عنه بيان للحد الثاني، ويحتمل ان يكون السوال في الثاني الذي هو مندوب فلم يأمر بثوبين لان جريان التشريع ولو بالحد الثاني باشتراط الثوبين حرج ولعل من لا يجد ثوبين يجد في نفسه فلا تكمل صلاته لما يجد في نفسه من التقصير، و عرف عمر رضي الله عنه ان وقت التشريع انقضى ومضى وكان قد عرف استحباب اكمال الزي في الصلاة فحكم على حسب ذلك، و الله اعلم، قال صلى الله عليه واله وسلم في الذي يصلي ورأسه معقوص من ورائه انما مثل هذا مثل الذي يصلي وهو مكتوف

اقول نبه على ان سبب الكراهية الاخلال بالتجمل وتمام الهيئة وزي الادب، قوله صلى الله عليه وسلم في خميصة لها اعلام انها الهتني انفا عن صلاتي، وفي قرام عائشة اميطي عنا قرامك هذا فانه لا يزال تصاويره تعرض

سامنے آتی رہتی ہیں، اور فروجِ[1] حریر کی نسبت فرمایا۔ یہ لباس متقین کے لئے مناسب نہیں ہے،

میں کہتا ہوں نمازی کے لئے ضروری ہے کہ جو چیز اس کو نماز سے غافل کرے خواہ وہ اس چیز کی خوبصورتی کی وجہ سے غافل ہو یا نفس کے اترانے کی وجہ سے غافل ہو تو اس کو اپنے سے علیحدہ کردے تاکہ جو نماز سے مقصود ہے وہ پورا پورا حاصل ہوجائے، اور یہودی لوگ اپنے جوتے اور موزوں میں نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے اس واسطے کہ اس میں ایک طرح کی ترکِ تعظیم ہے اور کیونکہ لوگ بڑوں کے پاس حاضر ہوتے وقت جوتے اُتار دیتے ہیں اور اسی کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے، "اپنے جوتے اُتار دے تو مقدس میدان طویٰ میں ہے" اور جوتے اور موزہ کے اندر ایک وجہ اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ موزے اور جوتوں سے انسان کے لباس کی تکمیل ہوتی ہے پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہود کی مخالفت کی وجہ سے قیاسِ اول کو ترک کیا اور قیاسِ ثانی کو ہمیشہ کیلئے جاری رکھا، چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہود کی مخالفت کرو اس لئے کہ وہ جوتے اور موزے پہنکر نماز نہیں پڑھتے" پس صحیح یہ ہے کہ جوتے پہنکر نماز پڑھنا اور ننگے پیروں نماز پڑھنا دونوں برابر ہیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر سدل کرنے سے منع فرمایا ہے پس بعض نے سدل کے معنی یہ بتلائے کہ کپڑا اپنے اوپر لپیٹ لے اور اپنے ہاتھوں کو اس کے اندر داخل کرلے، اور عنقریب اس بات کا بیان آئیگا کہ بدن پر اس طرح کپڑا لپیٹنا کہ ہاتھ اندر رہیں لباس کی سب صورتوں سے بدتر ہے کیونکہ ہاتھوں کا کھلا رکھنا انسان کی اصل طبیعت اور اس کی عادت ہے اور یہ ہیئت اسکے مخالف ہے نیز اس میں ستر کے کھلنے کا ہر وقت احتمال ہے کیونکہ اکثر اوقات انسان کو کسی چیز کے پکڑنے میں ہاتھ باہر نکالنے کی ضرورت پڑتی ہے

فی صلاتی و فی فروج الحریر لاینبغی هذا للمتقین ۰

اقول ینبغی للمصلی ان یدفع عن نفسه کل ما یلهیه عن الصلاة لحسن هیئته او لعجب النفس به تکمیلا لما قصد له الصلاة و کان الیهود یکرهون الصلاة فی نعالهم و خفافهم لما فیه من ترك التعظیم فان الناس یخلعون النعال بحضرة الکبراء، وهو قوله تعالیٰ فاخلع نعلیك انك بالواد المقدس طوی، وکان هنا وجه اٰخر وهو ان الخف و النعل تمام زی الرجل فترك النبی صلی الله علیه و سلم القیاس الاول و ابد الثانی مخالفة للیهود، وهو قوله صلی الله علیه وسلم خالفوا الیهود فانهم لایصلون فی نعالهم وخفافهم، فالصحیح ان الصلاة متنعلا وحافیا سواء، ونهی النبی صلی الله علیه و سلم عن السدل فی الصلاة، فقیل هو ان یلتحف بثوبه و یدخل یدیه فیه وسیجیٔ ان اشتمال الصماء اقبح لبسة لانه مخالف لما هو اصل طبیعة الانسان و عادته من ابقاء الیدین مسترسلتین ولانه علی شرف انکشاف العورة فانه کثیرا ما یحتاج الی اخراج الیدین للبطش

[1] یہ ایک قبا کی قسم ہے جو پیچھے سے شق ہوتا ہے، کسی نصرانی نے آپ کو ہدیۃً بھیجا تھا، یہ بعینہ وہ لباس ہے جس کو آجکل لوگ کوٹ کہتے ہیں جو بیچ سے کھلا ہوتا ہے ۱۲

اور اس سے ضرور ستر کھل جائیگا، اور بعض نے سدل کے
معنی یہ بتلائے کہ اپنے اوپر کپڑا ڈال لے اور اسکے دونوں
جانب نہ ملائے اور اس سے بھی خوبصورتی اور تمام
ہیئت میں خلل پیدا ہوتا ہے، اور تمام ہیئت سے ہماری
مراد وہ لباس ہے جس کے متعلق عرف وعادت میں یہ کہا
جا سکے کہ اس میں ضروری کپڑوں میں سے کوئی کپڑا کم نہیں ہے،
اور لوگوں کے لباس کی وضع جداگانہ ہے لیکن ہر طرح کے
لباس میں تمام ہیئت ہوتی ہے جو تلاش کرنے سے
معلوم ہو سکتی ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے تو عرب کے
دستور کے موافق جو اسوقت لباس کے متعلق تھا حکم دیا ہے۔

فتنكشف، وقيل ارسال الثوب
من غير ان يضم جانبيه وهو
اخلال بالتجمل وتمام الهيئة
وانما نعني بتمام الهيئة ما يحكم
العرف والعادة انه غير فاقد
ما ينبغي ان يكون له واوضاع
لباسهم مختلفة ولكن في كل لبسة
تمام هيئة يعرف بالسبر وقد
بنى النبي صلى الله عليه وآله و
سلم الامر على عرف العرب يومئذ،

الحمدللہ حجۃ اللہ البالغہ حصہ اوّل کا ترجمہ تمام ہوا!